منتخب اللباب

مغلیہ دورِ حکومت

خافی خان نظام الملک



نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی

منتخب اللباب

مغلیہ دورِ حکومت

حصہ سوم

دورِ عالمگیری

حصہ چہارم

شاہ عالم سے ناصر الدین محمد شاہ تک

مصنف
ہاشم علی خاں
(خافی خاں نظام الملک)

مترجم
محمود احمد فاروقی

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ - کراچی ۱

اشاعت چہارم ———— ۱۹۸۵ء

مصنف ———— ہاشم علی خاں (خافی خاں نظام الملک)

ترجمہ ———— محمود احمد فاروقی

ایڈیشن ———— آفسٹ

فون نمبر ۲۱۳۳۰۳

منتخب اللباب (حصہ اول ، دوم یکجا)
بابر سے جہانگیر تک
دورِ شاہجہانی

منتخب اللباب (حصہ سوم ، چہارم یکجا)
دورِ اورنگ زیب عالمگیر
شاہ عالم سے ناصر الدین محمد شاہ تک

طابع

نفیس اکیڈیمی ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دورِ عالمگیری

(از محمد اقبال سلیم گاہندری)

مسلم ہندوستان کی تاریخ کے اس دور میں جسے مغل بادشاہوں کے زیرِ نگین رہنے کی وجہ سے مغلیہ دور کہا جاتا ہے، بہت سی تاریخیں لکھی گئیں، اور اُن کے مصنفین کی بادشاہوں اور درباری امراء اور والیان صوبہ جات کی طرف سے غیر معمولی قدر افزائیاں بھی ہوتیں، لیکن ان تاریخوں میں منتخب اللباب خافی خان کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ مغل دورِ حکومت کے بعد برصغیر پاک و ہند انگریزوں کا غلام ہوگیا، اور ہر غلام قوم کی طرح ہمارے دل و دماغ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ان سوداگر بچوں کی عظمت سے بُری طرح متاثر ہوئے، اور اتنی بُری طرح متاثر ہوئے کہ آج تک اس کا اثر ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں پر چھایا ہوا ہے۔ ہم میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو مغربی مصنفین کی آنکھوں سے تاریخ کو نہ دیکھتے ہوں۔

تقریباً سوا تین سو سال کی مغل حکمرانی میں سب سے بہتر، سب سے ایماندار، معدلت پرور اور بیدار مغز بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر ہوا ہے، جو سنہ ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۰۶۸ھ میں بادشاہ ہوا اور سنہ ۱۱۱۸ھ میں وفات پاگیا۔ اس کی بیدار مغزی، دین پناہی، اور مجاہدانہ سرگرمیوں کو بُرے افکار و اعمال قرار دینے کی سعی انگریز مورخین کی طرف سے ہمیشہ ہوتی رہی ہے، اور انگریزوں کے شاگرد ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی، اس سلسلہ میں چن چن کر ان لوگوں کی تصانیف کو سر آنکھوں پر جگہ دی گئی، جو عقائد کے اختلاف اور وطنی تعصب کی بنا پر عالمگیر میں صرف عیب ہی دیکھ سکتے تھے۔ حالانکہ عالمگیر اگر بے عیب نہ تھا، اور یقیناً صیب داری تھا، پھر بھی نِرا عیب ہی عیب نہ تھا، اس کی خوبیاں اس کی برائیوں اور کمزوریوں سے بہت زیادہ تھیں، لیکن انگریزوں نے یہ مہم چلا رکھی تھی کہ ہر دین دار مسلمان کو بدنام کیا جائے۔ اور عالم گیر کو جسے لوگ دیندار گر شاہانہ کمزوریاں

کے ساتھ دین دار مانتے تھے۔ سب وشتم کا اولین نشانہ قرار دیا جائے، اس مقصد کے لئے بہت سی جعلی تاریخیں بڑی بڑی رقمیں دے کر قلم فروش انشا پردازوں سے لکھوائی گئیں۔ ان مؤرخوں کے تعصب نے تاریخ کے صفحات پر عالمگیر کی جو تصویر بنائی، وہ ایک متعصب، ظالم اور ہندو کش حکمران کی تصویر تھی۔ حالانکہ حقائق اس کی تردید کرتے ہیں۔ جہاں تک اس پر تعصب کا الزام ہے یہ محض افترا اور بہتان ہے۔ اگر یہ الزام اس بنیاد پر ہے کہ اس نے راجپوتوں اور مرہٹوں پر فوج کشی کرکے ان کو سلطنت مغلیہ کی اطاعت پر مجبور کر دیا تو یہ الزام سب سے زیادہ جلالی اکبر پر بھی صادق آتا ہے۔

عالمگیر اورنگ زیب کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا مگر یہ اولی العزم بادشاہ جس نے اپنی ساری زندگی گھوڑے کی پیٹھ پر گذار دی۔ ایک منصف مزاج مؤرخ کی خدمات سے محروم رہا۔ اس کے عہد کے بیشتر مورخین ایرانی ہیں۔ جو ہندوستان کے حالات کو ایرانی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ عالمگیر نے عقیدہ کے اختلاف کے علاوہ مغل دربار میں ایرانی امیروں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا بھی قلع قمع کر دیا تھا۔ ان وجوہات کے پیش نظر بھی عالمگیر قلم کی ناانصافیوں کا شکار رہا۔

پیش نظر کتاب "منتخب اللباب" عہد عالمگیری میں لکھی گئی تھی، اس کتاب میں مغل سلطنت ہند کے بانی بادشاہ بابر (فتح ہندوستان: ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) سے لے کر محمد شاہ بادشاہ کی تخت نشینی (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) تک کے حالات و حوادث اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل و توجہ کے ساتھ اس نے عہد عالمگیر (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے حالات بیان کئے ہیں۔

یہ ترجمہ منتخب اللباب خافی خاں کے تیسرے حصہ کا اردو ترجمہ ہے، یہ حصہ شاہجہاں کے آخری اور عالمگیر کے ابتدائی دور سے لے کر آخری دور کے حوادث و واقعات پر مشتمل ہے جو سنہ وار مرتب ہیں۔ اردو زبان میں پہلی دفعہ یہ مستند اور محققانہ تاریخ پیش کی گئی ہے۔

نفیس اکیڈیمی نے اس سلسلہ کی اور بھی چند کتابیں شائع کی ہیں، مثلاً محمد ساقی مستعد خاں کی معروف کتاب "مآثر عالمگیری"، ڈاکٹر برنیر کا روزنامچہ "سفر ہندوستان"، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید ہے کہ تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے والے ان کتابوں سے استفادہ کریں گے، اور ہماری خدمات کی داد دیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ،

فہرس۔ دورِ عالمگیری۔ منتخب اللباب حصّہ سوم

شاہجہاں کا آخری دور

اورنگ زیب داراشکوہ کے مقابلہ پر

چند باتیں عالمگیر بادشاہ سے متعلق

عالمگیر بادشاہ غازی امیر تیمور کے گیارھویں جانشین ہیں۔

علم و عمل، شجاعت و تدبیر اور زہد و اتقار کے اعتبار سے محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا کوئی ثانی نہیں، اس کے ظاہری اور معنوی کمالات کی تفصیل کو قلم بند کرنا امر محال ہے۔ تاہم یہاں ہم بلا کسی تصنع کے اس کے اوصاف و کمالات کا مختصراً تذکرہ کرتے ہیں۔

اورنگ زیب ابتدائے عمر سے ہی زہد و تقوٰی کی طرف مائل تھا۔ فسق و فجور اور کبائر سے وہ اس قدر محتاط رہا کہ عنفوان شباب سے زندگی کے آخری لمحہ تک اس نے اپنے آپ کو ہر بدعت سے محفوظ رکھا اور کبھی کسی حرام اور گناہ میں مبتلا نہیں ہوا۔ حالانکہ ہندوستان جنت نشان کی وسیع سلطنت اس کے زیر فرمان تھی جو چاہتا کر سکتا تھا مگر کبھی اس اقتدار اور فرماں روائی کا نشہ اسے زیر نہیں کر سکا۔

بعض امور بلاشبہ ایسے ہیں جو اس زہد و تقوٰی سے میل نہیں کھاتے مگر ان کا تعلق ملکی مصالح سے زیادہ ہے جو ہر زمانہ کے وارثان ملک کو پیش آتے رہے ہیں اسلاف میں سے بھی شاید ہی چند ایک ایسے فرماں روا ہوں گے جو ان سے اپنا دامن بچانے میں کامیاب ہوئے ہوں گے۔ ان چند ایک باتوں سے صرف نظر کیا جائے تو عالمگیر کا عہد احکام اسلام کے اجراء، دین متین کی تقویت، اوامر و نواہی کے اتباع میں بے مثل عہد ہے، اس کی دین پروری کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔

زہد و تقوٰی کے ساتھ اس کی دلیری اور شجاعت کی شہرت بھی اطراف عالم میں اسی وقت سے پہنچ چکی تھی جب کہ اس نے ایام شاہزادگی میں ہی بلخ اور بدخشاں کو فتح کر لیا تھا اور تمد مدار دو کن کی مہم سر کر لی تھی اور ایک مست ہاتھی سے دست بدست جنگ کی تھی۔ یہ واقعات تاریخ کے صفحات پر اس کی یادگار ہیں ہم ان کا تذکرہ پہلے ہی کر چکے

ہیں۔ اورنگ زیب کی شجاعت کا مظاہرہ تو ان لڑائیوں میں ہوا تھا جو اعلیٰ حضرت شاہجہاں کی بیماری کے دوران ہوئی تھیں۔ ایک سال میں کوئی چار پانچ لڑائیاں ہوئیں جن میں تیموری خاندان کے جنگجو سورما ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ان لڑائیوں میں اورنگ زیب نے باوجود مغلوب ہونے کے ایسی پامردی اور استقامت دکھائی کہ وہ بارہا فوج کے منتشر و پراگندہ ہو جانے کے باوجود اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور ایک مختصر سی فوج کو لے کر اپنے مخالفوں کے چھکے چھڑا دیے اور عین افراتفری کے عالم میں نظم و ضبط کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہ بس اللہ کا فضل اور تائید تھی جو اس کے ساتھ رہی ؎

دل روشنش آگہ از کار ملک
عیاں نزد او جملہ اسرار ملک
بامن رسد گر ز عدلش خبر
بپائی درخت آب گردد تبر
کند سیل اگر خانۂ را خراب
شود زہرۂ ابر از بیم آب

مصنّف کی عرض داشت

عہد اورنگ زیب کے پچاس سالہ دور کے معاملات کو ضبط تحریر میں لانا سمندر کو کوزہ میں بند کرنے سے کم نہیں، خاص طور سے آخری چالیس سال کے واقعات کہ ان کو ضبط تحریر میں لانے سے مورخوں کو روک دیا گیا تھا میرے لئے بحرِ بے پایاں سے کم نہیں تھے۔ تاہم میں نے تاحدِ امکان دوڑ دھوپ کی اور کامل تحقیق و تلاش کے بعد ایسے قابلِ تحریر واقعات جو قابلِ اعتماد بڑے بوڑھوں سے سننے میں آتے اور اہل دفتر اور واقعہ نگاروں کے ذریعہ حاصل ہوئے، منتخب کرلئے اور ان کے ساتھ وہ واقعات جو میرے چشم دید تھے شامل کردیئے۔ اس سعی و اہتمام کے باوجود امکان ہے کہ واقعات کی ترتیب میں اور سنوں کے اندراج میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو یا پھر دوسری تاریخوں کے مقابلہ میں جزوی اختلافات نظر سے گذریں۔ بہرحال سخن شناس مطالعہ کرنے والوں سے میں اس طرح کی سہو و فروگذاشت کیلئے معذرت خواہ ہوں۔

خافی خاں

اورنگ زیب کی دکن میں سرگرمیاں

اورنگ زیب کی پیدائش

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی ولادت ۱۰۲۸ھ دوہد کے مقام پر ہوئی۔ دوہد احمد آباد اور مالوہ کی سرحد پر واقع ہے۔ تاریخ ولادت "آفتاب عالمتاب" نکالی گئی تھی۔

بیجاپور کی مہم

اورنگ زیب کی دکن میں صوبیداری کے واقعات ہم اعلیٰ حضرت شاہجہاں کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ جب اورنگ زیب حیدرآباد کی مہم سے فارغ ہوگیا تو ۱۰۶۶ھ دم۔ تیس جلوس شاہجہانی) میں اعلیٰ حضرت نے (جن کو ہم آگے "فردوس آشیانی" لکھیں گے)، بیجاپور کی مہم پر مامور کر دیا اور اورنگ زیب نے بڑی کوشش سے قلعہ بیدر، صوبہ احمد آباد اور قلعہ کلیانی کو فتح کر لیا اور اس علاقہ کو صوبہ ظفر آباد[1] سے موسوم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے قلعہ بیجاپور کی تسخیر کی فکر کی اور اس محاصرہ میں بڑی جاں بازی اور دلیری کا مظاہرہ کیا اگر ہم اس کی تفصیل لکھنے لگیں تو اصل موضوع سے دور ہو جائیں گے۔ مختصر یہ کہ جب سرنگ فصیل کے نیچے تک پہنچ گئی اور محصورین پر حالات بہت تنگ ہو گئے اور صاف دکھائی دینے لگا کہ قلعہ بس آج کل میں فتح ہو جائے گا تو عادل شاہ نے امان طلب کر لی اور مصالحت کی درخواست کی اسی دوران میں دربار سے آنے والے مراسلوں کے ذریعہ وحشتناک خبریں ملنے لگیں۔

---

[1] ایک نسخہ کے مطابق "صوبۂ ظفر آباد اور محمد آباد سے موسوم کیا"۔

شاہجہاں بادشاہ کی علالت

اورنگ زیب تو یہاں بیجاپور کے محاصرہ میں مصروف تھا ادھر شاہجہاں کی بیماری کی وجہ سے دارالحکومت کے حالات دگرگوں ہوگئے تھے۔ ۱۰۶۷ھ ۷ ذی الحجہ کو شاہجہاں بیمار ہوا اور مرض ایسا بگڑا کہ حبس بول "(پیشاب رکنے کی بیماری) ہوگیا۔ داراشکوہ سلطنت کا ولیعہد بنا بیٹھا تھا۔ شاہجہاں کے زمانہ صحت میں بھی حکومت کے اختیارات اُسی کے ہاتھ میں تھے۔

داراشکوہ کی بداعتقادی

داراشکوہ پر صوفی مشرب ملحدوں کی صحبت کا بڑا اثر تھا اس نے کفر و اسلام کو توام قرار دے دیا تھا اور تصوف کو بدنام کر دیا تھا اس سلسلہ میں ان نے کئی ایک رسالے بڑی آب و تاب سے تالیف کئے تھے۔ اس کی مجلس میں برہمن اور گوسائیں جمع رہتے تھے اور اس کی خام خیالیوں کی تائید و موافقت کرتے رہتے تھے۔

داراشکوہ کی پیش بندیاں

جب شاہجہاں کی بیماری شدید ہوگئی تو داراشکوہ نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور صوبوں کے جو نمائندے دربار میں تھے ان سے اس بات کے مچلکے لئے کہ وہ دربار کی کوئی بات لکھ کر نہیں بھیجیں گے۔ بنگال احمد آباد اور دکن کے راستوں کی ناکہ بندی کرادی اور قاصدوں مسافروں کی آمد و رفت بند کرادی۔ ان پابندیوں کے باوجود تمام صوبوں میں تشویش انگیز خبریں ڈاک چوکی کے ہرکاروں کی زبانی پھیلتی رہیں اور ہر جگہ امراء زمیندار، مال گذار رعایا اور شر پسند عناصر قانون شکنی پر اتر آئے اور پورے ملک میں فتنہ و فساد پھیل گیا اور مفسدوں کی خوب بن آئی۔

شجاع اور مراد کی بغاوت

دربار کی تشویش انگیز خبروں پر بنگالہ کے صوبہ دار شہزادہ محمد شجاع نے خود مختاری کا اعلان کردیا اور اسی طرح احمد آباد میں محمد مراد بخش نے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کردیا۔ شجاع ایک بھاری لشکر لے کر پٹنہ اور بہار پہنچ گیا اور بہار و بنگال سے کرداراتخلافہ تک جتنے فتنہ پرور لوگ موقع کے منتظر تھے

گئے شجاع کی کوچ کی خبر سن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

شاہجہان پہلے ہی داراشکوہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور تمام معاملات میں وہ داراشکوہ کی دل جوئی اور خاطر داری کو ملحوظ رکھتا تھا۔ اب جب کہ بیماری کی وجہ سے مزاج ٹھکانے نہیں رہا تھا پہلے سے زیادہ اس پر مہربان ہو گیا تھا اور اس کی ہر اچھی بری فرمائش کو قبول کر لیتا تھا۔

عادل شاہ سے مصالحت

محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر (جس کا ذکر ہم آگے "خلد مکاں" کے اعزازی نام سے کریں گے) کی ذاتی خوبیاں داراشکوہ کی نظر میں کھٹکتی رہتی تھیں اور وہ اس کے دلیرانہ کارناموں اور مدبرانہ حکمتوں سے متوحش رہتا تھا اس لئے اس نے بادشاہ کو حجت بازی کر کے اس پر آمادہ کر لیا کہ اورنگ زیب کے ہمراہ جو بڑے بڑے فوج دار امیر بیجاپور کی تسخیر پر مامور ہیں دربار میں طلب کر لئے جائیں۔ امراء کو طلب کرنے کی خبر جب پھیلی تو بیجاپور کی مہم ادھوری رہ گئی اور اورنگ زیب نے مجبوراً بیجاپور کے اسکندر عادل شاہ کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ طے پایا کہ عادل شاہ ایک کروڑ روپیہ کا نذرانہ نقد اور جنس کی صورت میں بالاقساط ادا کرے گا۔ شہزادہ نے مصالحت کے بعد بیجاپور کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اور (خجستہ بنیاد) اورنگ آباد کو لوٹ گیا۔

چند دن بعد اورنگ زیب کو اطلاع ملی کہ داراشکوہ فردوس آشیانی (شاہجہان) کو دارالخلافہ شاہجہان آباد سے (مستقر الخلافت) اکبرآباد لے آیا ہے تاکہ وہ بادشاہی خزانہ کو بآسانی اپنے قبضہ و تصرف میں لے لے۔

شجاع کی شکست اور فرار

۴ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ کو داراشکوہ نے محمد شجاع کی سرکوبی کے لئے راجہ جے سنگھ اور دوسرے چند امراء کو ایک بھاری فوج دے کر روانہ کیا۔ اور اس فوج کی کمان سلیمان شکوہ کو دی۔ جب راجہ ہراول کے طور پر بنارس کے قریب پہنچا تو محمد شجاع بھی مقابلہ پر تیار ہو گیا دریا میں جتنی کشتیاں تھیں، اس نے ان کو قبضہ میں لے لیا اور پھر آگے بڑھ کر راجہ کی فوج سے ڈیڑھ کوس پر چھاؤنی ڈال دی۔ دوسرے دن راجہ نے حملہ کا اعلان کئے بغیر صبح ہونے سے پہلے ہی کوچ کر دیا۔ اور شجاع کی فوج پر حملہ کر دیا ابھی شجاع رات کے خمار سے بیدار نہیں ہوا تھا کہ سارا معاملہ درہم

برہم ہوگیا۔ ناچار وہ اپنی عورتوں خاص خاص ہمراہیوں کو لے کر گھاٹ پر پہنچا اور کشتی میں سوار ہوکر وہاں سے فرار ہوگیا اور اس کی ساری لشکرگاہ خزانہ ہاتھی توپ خانہ پیچ دوسرے سازوسامان لوٹ لی گئی اور راجہ جے سنگھ کے قبضہ میں آگئی۔ بادشاہی فوج کی یلغار سے محمد شجاع ایسا بھاگا کہ بنگال ہی جاکر دم لیا اور وہ سارا علاقہ دارا شکوہ کے قبضہ میں آگیا۔ شجاع کے جو آدمی اسیر بنالیے گئے تھے انہیں راجہ نے اکبرآباد روانہ کردیا۔ دارا شکوہ نے شہر میں ان کو گشت کرایا۔ اور ان میں سے بعض کو قتل کردیا اور بعض کے ہاتھ کٹوادیے۔

جسونت اور قاسم خاں کا تقرر

دکن میں اورنگ زیب کو یہ ساری اطلاعات مل رہی تھیں؛ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن دنوں سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ محمد شجاع کے مقابلہ پر روانہ کیے گئے تھے دارا شکوہ نے مہاراجہ جسونت سنگھ کو قاسم خاں کے ساتھ اپنا ذاتی توپ خانہ اور بادشاہی توپ خانہ دے کر احمد آباد اور دکن کے راستہ پر روانہ کردیا تھا ان کی سرکردگی میں چند بڑے امیر چند ہزار سواروں کے ساتھ متعین کر دیئے تھے کہ محمد مراد بخش کے احمد آباد سے کوچ کرنے کی خبر ملتے ہی قاسم خاں چند امراء کے ساتھ توپ خانہ لے کر اس کے مقابلہ پر پہنچ جائے اور اگر دکن سے شاہزادہ اورنگ زیب کی روانگی کی اطلاع ملے تو مہاراجہ جسونت' قاسم خاں اور دوسرے امراء کے ساتھ اس کا راستہ روکنے کے لئے مقابلہ پر پہنچ جائیں"۔ دارا شکوہ نے پورے صوبہ مالوا کو اپنی جاگیر میں شامل کرلیا۔ اور اس صوبہ کے تمام تعلقہ جات کی آمدنی اپنے مقرر کردہ امراء کی تنخواہ میں دیدی تاکہ یہ امراء وہاں کے خزانہ کے لالچ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن کر فوج جمع کرنے اور جنگ کی تیاریاں کرنے میں دل و جان سے حصہ لیں۔

گجرات میں مُرادؔ کی سرگرمیاں

خود مختاری کا اعلان

یہ بھی اطلاع ملی کہ اورنگ زیب کے وکیل عیسیٰ بیگ کو قید کر لیا گیا ہے اور اس کا گھر بار ضبط ہو گیا ہے۔ احمد آباد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ وہاں محمد مراد بخش نے سکہ اور خطبہ اپنے نام کرلیا۔ اور خواجہ سرا خواجہ شہباز کو فوج اور قلعہ شکنی کا سامان دے کر بندرگاہ سورت کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا خواجہ شہباز نے بندرگاہ سورت پر پہنچنے کے بعد قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور نقب لگا کر برج اور فصیل اڑا دی اور قلعہ کو فتح کر لینے کے بعد اس نے وہاں کے تاجروں کو جمع کرکے ان سے پندرہ لاکھ روپیہ ہاتھ بدل کے طور پر طلب کئے آخر بڑی بحث کے بعد بندرسورت کے دو بڑے تاجروں حاجی محمد زاہد اور پیرجی نے تمام تاجروں کی طرف سے چھ لاکھ روپیہ دیا اور محمد مراد بخش کی مہر کا تمسک خواجہ شہباز کی ضمانت کے ساتھ لکھوا لیا۔

فقیر کی بددعا اور علی نقی کا انجام

سورت پر فوج کشی کے زمانہ کا قصہ ہے کہ علی نقی نامی شہزادہ محمد مراد بخش کا دیوان اور مشیر تھا، شہزادہ کے ایک مقرب خواجہ سرا کو اس سے حسد تھا اور وہ اس کی دشمنی میں لگا رہتا تھا۔ علی نقی ایک دیانت دار اور منتظم آدمی تھا مگر نہایت سخت گیر اور سزا دینے میں بہت شدید تھا ذرا ذرا سے قصور پر لوگوں کو قتل کرا دیتا تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں ایک فقیر کو چوری کے الزام میں اس کے سامنے پیش کیا گیا اس نے بغیر تحقیق کے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ فقیر نے قتل کے وقت آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور کہا "تو مجھے ناحق قتل کر رہا ہے دیکھنا تو بھی ایسی ہی تہمت میں مارا جائے گا" چند دن بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی خواجہ سرا

نے یا کسی دوسرے شخص نے علی نقی کی طرف سے ایک جعلی خط دارا شکوہ کی طرف لکھا جو علی نقی کی تحریر سے ملتا جلتا تھا اس خط میں مراد بخش سے غداری کا مضمون لکھا ہوا تھا لکھنے والے نے ایسی تدبیر کی کہ یہ خط چوکیداروں کے ہاتھ پڑ جائے جو ان دنوں خطوط کی نگرانی اور راستوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ یہ سازش کامیاب رہی، خط چوکیداروں نے پکڑ لیا اور طلوع آفتاب سے پہلے سویرے سویرے شہزادہ مراد بخش کے ملاحظہ میں پیش کر دیا۔ خط دیکھتے ہی شہزادہ کو پتنگے لگ گئے۔ شدت غضب میں اُس نے اس اجل رسیدہ کو حضور میں پیش کرنے کا حکم دیا کہ جس حالت میں بھی وہ ہو اسے حاضر کر دیا جائے۔ جس وقت چوب دار پہنچے علی نقی ٹوپی اوڑھے کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ شاہی کارندوں نے لباس تک بدلنے کی مہلت نہیں دی۔ اُس نے یہی سمجھا کہ کسی اہم معاملہ کے سلسلہ میں طلب کیا گیا ہے جلدی سے ساتھ ہو گیا اور راستہ ہی میں چلتے چلتے درباری پوشاک تبدیل کی۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مراد بخش برچھی ہاتھ میں لئے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی شہزادہ نے اس سے سوال کیا "جو شخص اپنے ولی نعمت کے ساتھ نمک حرامی کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہے"۔ علی نقی خود کو خیانت سے پاک سمجھتا تھا اس لئے اس نے بے باکانہ جواب دیا "اس کو سخت سزا ملنی چاہیے" اس کے بعد مراد بخش نے وہ خط علی نقی کے ہاتھ میں تھما دیا اس نے پڑھنے کے بعد اپنے تقرب و رسوخ اور عقیدت و فداکاری کے بھروسہ پر گستاخانہ انداز میں جواب دیا "آفریں ہے اس دشمن پر جس نے یہ سازش کی اور شاہزادہ کی عقل و دانائی پر افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت عطا کی اور اس کو اتنی تمیز نہیں کہ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فرق کر سکے"۔ مراد بخش کا دل پہلے سے بھرا ہوا تھا اس گستاخی پر وہ مشتعل ہو گیا اور ہاتھ کی برچھی اٹھا کر علی نقی کے سینہ میں گھونپ دی اور جو خواجہ سرا وہاں موجود تھا اسے قتل کر دینے کا اشارہ کیا۔ اسی وقت لوگوں نے اسی جگہ اس غریب کا کام تمام کر دیا۔

میر جملہ اورنگ زیب کی خدمت میں

میر جملہ کو شاہجہاں نے بیمار ہونے سے پہلے اورنگ زیب کی کمک کے لئے دربار سے روانہ کر دیا تھا۔ اس نے اورنگ زیب کے دربار میں بڑی رسائی حاصل کر لی تھی اور اخلاص و عقیدت کی وجہ سے اس کا مشیر خاص اور ہمدم و دم ساز بن گیا تھا۔ جب یہ ہنگامہ برپا

ہوا تو اس نے تجویز پیش کی کہ بدنامی سے بچنے کے لئے اس کو قیدیوں کی طرح قلعہ دولت آباد میں چھوڑ دیا جائے اور خود شہزادہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر چلا جائے۔

اورنگ زیب اور مُراد کا اتّحاد

اورنگ زیب کا خط مراد کے نام

اسی زمانہ میں جب کہ اورنگ زیب اپنی تیاریوں میں مصروف تھا اس نے محمد مراد بخش کو مکرر خطوط لکھے جس میں بڑی محبت و الفت کا اظہار تھا اور اس کے اعلان بادشاہت پر مبارکباد دی تھی۔ ان خطوط میں اورنگ زیب نے لکھا تھا "مجھے اس دنیا ئے غدار کے معاملات سے کوئی وابستگی نہیں ہے میرے پیش نظر تو صرف بیت اللہ کا طواف ہے اس" برادر بے شکوہ" کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کے رد عمل میں دوسرے بھائی جو کچھ سوچ رہے ہیں اور جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بالکل حق بجانب اور بجا ہے۔ مجھے بھی اپنا شریک کار اور مددگار سمجھا جائے مگر چونکہ والد بزرگوار ابھی بہ قید حیات ہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ دونوں بھائی والد محترم کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کریں اور ایک دوسرے کے اتفاق سے اس بے دین کی خیرہ سری کا تدارک کریں جو بادۂ غرور اور نخوت و خود آرائی میں مست ہو رہا ہے۔ اگر تقدیر یاوری کرے تو حضرت ولی نعمت (شاہجہاں) کا دیدار کرلیں اور فتنہ و فساد کا قلع قمع کرکے اس بھائی (مراد) کے قصور کی معافی طلب کریں جو حالت اضطرار میں سرزد ہو گیا ہے (یعنی بادشاہت کا اعلان) سلطنت کا نظم و نسق درست کریئے اور مخالفین کو کیفر کردار پر پہنچانے کے بعد میں حضور والا سے کعبۃ اللہ کی اجازت حاصل کرلوں گا۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اس جائز ارادہ میں تاخیر نہ ہو اور (تم) ایک منظم و آراستہ فوج لے کر اس بے ادب کافر یعنی جسونت سنگھ کی تادیب کے لئے کوچ کردو۔ اور بس سمجھ لو کہ ہم بھی دریائے نربدا کے اس کنارے پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لاؤ لشکر اور توپ خانہ ہے اسے تم اپنی فتح یابی کا ہی وسیلہ سمجھو۔ ایک خیرخواہ

کے عہد و پیمان کے لئے کلام اللہ کو ضامن جان کر کسی وسوسہ کو دل میں جگہ نہ دو۔"

اورنگ زیب کا دکن سے کوچ

اورنگ زیب نے اس مضمون کا عہدنامہ روانہ کرنے کے بعد توپ خانہ کا اہتمام اور فوجوں کی تیاری شروع کردی۔ البتہ اس نے (مراد کی طرح) سکہ اور خطبہ اپنے نام جاری کرنے پر قطعاً توجہ نہیں کی۔ شاہزادہ محمد معظم کو (خجستہ بنیاد) اورنگ آباد کی حفاظت پر مامور کردیا۔ اس زمانہ میں شاہزادہ محمد اکبر کی ولادت ہوئی تھی اسے خواجہ منظور کی اتالیقی میں حرم کی خواتین کے ساتھ قلعہ دولت آباد میں بھجوادیا۔ اور معظم خاں عرف میر جملہ کو جس کا بیٹا محمد امین خاں دربار میں بخشی اور نائب وزیر تھا۔ مصلحتاً اور بدنامی سے بچنے کے لئے مجوسوں کی طرح قلعہ میں بھجوادیا۔

آخر جمادی الاول کی پہلی تاریخ کو شاہزادہ محمد سلطان کو نجابت خاں اور دوسرے امراء کے ہمراہ ہراول کے طور پر روانہ کردیا۔ مرشد قلی خاں کو جس نے دکن کی دیوانی کا دستور العمل مرتب کیا تھا اور جو بلا شبہ اس کا ایک یادگار کارنامہ ہے اورنگ زیب نے اپنا دیوان مقرر کردیا۔ کیونکہ وہ اس کی شجاعت جاں نثاری اور ملکی ومالی معاملات میں اس کی مہارت و تجربہ سے بخوبی واقف تھا۔ آخر "میر آتش" (افسر توپ خانہ) کا عہدہ بھی اسے سپرد کردیا۔ اور اسے اپنی ہمراہی میں لے لیا۔ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے جنگجو اور تجربہ کار امراء اور افسران فوج بھی جن کی تفصیل طول کلام کا باعث ہوگی۔ شاہزادہ کی رفاقت میں روانہ ہوئے۔ اورنگ زیب نے جمادی الاول (۱۰۶۸ھ) کی ۱۲ر تاریخ کو کوچ کیا اور ۲۵ر تاریخ کو برہان پور میں داخل ہوگیا۔

شیخ برہان کی دعا اور پیش گوئی

کہتے ہیں کہ جب سواری برہان پور پہنچی تو اورنگ زیب نے برہان پور کے مشہور بزرگ شیخ برہان سے ملنے کی خواہش کی اور ملاقات کا پیغام بھجوایا مگر شیخ نے اجازت نہیں دی آخر بڑے اصرار اور کوشش کے بعد ملاقات کی اجازت حاصل کی اور شیخ کے ایک خاص مقرب شیخ نظام نامی کے ساتھ جو اس ملاقات کا واسطہ تھے تنہا اس بزرگ کے دیدار کے لئے گیا اور ان سے فاتحہ اور دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا: "تم بادشاہ ہو تمہارے لئے ہم فقیروں کی دعا و فاتحہ سے کیا ملے گا ہاں تم عدل وانصاف اور رعیت پروری کے قصد سے دعا مانگو ہم بھی تمہارے

ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں گے۔ شیخ نظام نے شیخ کے اس مبارک کلام کو سنتے ہی بادشاہ کو سلطنت کا مژدہ دیا۔ دعا اور فاتحہ کے بعد شیخ نے نصیحت کے طور پر چند کلمے کہے اور تبرک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

برہان پور سے روانگی

اورنگ زیب نے برہان پور میں حالات کی تحقیق اور سفر کی تیاریوں کے لئے ایک ماہ تک قیام کیا۔ ۵ رجمادی الآخر کو محمد طاہر مشہدی کو وزیر خاں کا خطاب دے کر صوبۂ برہان پور کے بندوبست پر مامور کر دیا۔ اور دار الخلافہ کے ارادہ سے کوچ کر دیا۔ اسی دن ایک نیک شگون یہ ہوا کہ اورنگ زیب کا وکیل عیسیٰ بیگ جسے داراشکوہ نے قید کر دیا تھا مگر شاہجہاں نے اسے رہا کر کے رخصت کر دیا تھا۔ یلغار کرتے ہوئے خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس نے مہاراجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کے اجین پہنچنے کی مفصل رپورٹ دی۔ عیسیٰ بیگ لٹا لٹایا تباہ حال آیا تھا۔ شاہزادہ نے اسے اخراجات کے لئے دس ہزار روپیہ انعام میں دیا۔

شاہنواز خاں صفوی کو سزائے قید

دو تین منزل پہنچنے پر اطلاع ملی کہ شاہنواز خاں صفوی جس کی ایک لڑکی اورنگ زیب کے عقد میں تھی اور دوسری مراد بخش سے منسوب تھی برہان پور میں ٹھہر گیا ہے اور ہمراہ آنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے۔ اورنگ زیب نے شاہزادہ محمد سلطان کو شیخ میر کے ساتھ برہان پور جانے کا حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اسے قلعہ ارک میں قید کر دیں۔

اورنگ زیب اور مراد کی ملاقات

جس جس منزل سے سواری گذرتی تھی اورنگ زیب روشناس کارواں آدمیوں کو منصب میں اضافہ اور خطاب عطا کرتا تھا اور ان کے حوصلے بڑھاتا تھا۔ آخر ۱ ر رجب کو نربدا کو عبور کیا گیا۔ اورنگ زیب کے مذکورہ بالا محبت آمیز عہد نامہ کے پہنچنے کے بعد ہی شہزادہ مراد بخش نے احمد آباد سے کوچ کر دیا تھا۔ ۲۱ ر رجب کو دونوں کی ملاقات دیبال پور میں ہوگی۔ دونوں بڑی گرم جوشی سے ملے۔ ایک دوسرے کو دعوت و ضیافت دی از سرِ نو عہد و پیمان باندھے اور کلام اللہ پہ قسمیں کھائیں۔

اس دوران میں مرزا محمد مشہدی کو اصالت خاں کا خطاب اور نقارہ عطا ہوا۔ میر شمس الدین مہی مختار کو مختار خاں کا خطاب ملا۔ سید عبد الرحمٰن ولد سید عبد الوہاب خاندیسی

کو سید دلاور خاں کا خطاب دیا اور اسے دوسرے عقیدت مند امراء کے ساتھ سواری خاص کے ساتھ رکاب میں رہنے کا اعزاز عطا ہوا۔

اکبر پور کا معرکہ

جسونت شہزادوں کے مقابلہ پر

دریا کے گھاٹوں اور خشکی کی گذرگاہوں پر ایسی سخت ناکہ بندی تھی کہ بے اطلاع و حکم ہوا کا جھونکا بھی ادھر سے اُدھر نہیں جا سکتا تھا مگر اس کے باوجود اورنگ زیب کا لشکر، جب تک اجین سے سات کوس کے فاصلہ پر نہیں پہنچ گیا۔ مہاراجہ جسونت لشکر کی آمد سے واقف نہیں ہو سکا۔ جب لشکر اکبر پور کا گھاٹ عبور کر کے آگے بڑھا تو مانڈو کے قلعہ دار راجہ شیورام گور کو اورنگ زیب کی آمد کی اطلاع ملی اور اس نے اس وقت یہ اطلاع راجہ کے پاس تحریراً روانہ کر دی۔

• قاسم خاں نے جب احمد آباد سے مراد بخش کے کوچ کی خبر سنی تھی تو وہ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا تھا مگر مراد بخش اٹھارہ کوس کا چکر کاٹ کر اورنگ زیب کے پاس پہنچ گیا تھا ناچار قاسم خاں مایوس و نادم لوٹ آیا۔ داراشکوہ کے جو آدمی قلعۂ دھار اور اس کے نواح میں تھے دونوں بھائیوں کے لشکر کو بڑھتا دیکھ کر وہاں سے فرار ہو گئے اور مہاراجہ کے پاس آ گئے۔ اب راجہ اور قاسم خاں بھی مقابلہ کے لئے نکلے اور ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر آ کر ٹھیر گئے۔

اورنگ زیب نے کبؔ نامی برہمن کو جو ہندی کا مشہور شاعر تھا اور بڑا زبان آور آدمی تھا۔ مہاراجہ کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ "ہم صرف حضرت ولی نعمت کی عیادت اور قدم بوسی کے لئے جانا چاہتے ہیں مخالفت اور لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم بھی ہمارے ہم رکاب خدمت والا میں چلے چلو یا پھر راستہ چھوڑ کر اپنے وطن چلے جاؤ اور بندگان خدا کی خوں ریزی کا باعث نہ بنو"۔ راجہ جسونت نے اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل کا عذر کر کے شاہزادہ کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور نامناسب جواب بھیج دیا۔

فوجوں کی صف آرائی

دوسرے دن دونوں طرف کی فوجوں نے صف آرائی کی۔ اورنگ زیب نے اپنی فوج کو ترتیب دینے اور توپ خانہ مناسب انتظام کرنے اور کوہ پیکر ہاتھیوں کو آراستہ کر لینے کے بعد شاہزادہ محمد سلطان کو ہراول کا کمان دار مقرر کیا اور نجابت خاں کو جنگ آزما امیروں کے ساتھ ہاتھیوں سمیت شاہزادہ کے ساتھ مقرر کر دیا۔ ذوالفقار خاں عرف محمد بیگ کو شاہزادہ کے ہراول کے ساتھ متعین کیا گیا۔ مرشد قلی خاں توپ خانہ کے ساتھ ہراول کا پیش آہنگ مقرر کیا گیا۔ محمد مراد بخش نے اپنی فوج اور اپنے سرداروں کے ساتھ میمنہ کو سنبھال لیا اور شاہزادہ محمد اعظم کی فوج تجربہ کار دلاوروں کے ساتھ میسرہ پر متعین ہوئی۔ اس طرح ملتمش اور چنداول کے دستے مناسب موقع پر لگا دیئے گئے اور جگہ جگہ جاں نثار دلیر امیر اور افسر مقرر کئے گئے۔ اب اگر ہم ان میں سے ایک ایک کا نام گنائیں تو بڑی طوالت ہو جائے گی۔ خود اورنگ زیب ایک مہیب ہاتھی پر سوار ہوا اور جنگجو زور آزما امیروں کے جھرمٹ میں قلب لشکر کی کمان سنبھال لی۔

دوسری طرف مہاراجہ جسونت نے بھی اپنے لشکر کی صف آرائی کر لی تھی۔ قاسم خاں ہراول پر متعین تھا۔ دوسرے تجربہ کار امراء بادشاہی توپ خانہ اور دارا شکوہ کے توپ خانہ کے عقب میں متعین تھے۔ میمنہ میسرہ اور ملتمش اپنے اپنے مقام پر صف بستہ تھے کوہ پیکر مست ہاتھی جو لوہے میں غرق تھے۔ دونوں فوجوں کے پیش آہنگ پر ایک علیحدہ سردار کی کمان میں متعین تھے۔ خود مہاراجہ نے چند ہزار راجپوتوں کے ساتھ قلب لشکر میں جگہ لی۔

ایک خوں ریز لڑائی

۲۲ رجب کو جمعہ کے دن (۱۰۶۸ھ) دونوں لشکر مستانہ وار ایک دوسرے کے مقابلہ پر بڑھے اور اورنگ زیب نے داروغۂ توپ خانہ کو حکم دیا کہ آتش فشاں بان اور صف شکن گولے چھوڑ کر جنگ کا آغاز کر دے۔ آتش باری کے ساتھ ہی معرکۂ قتال گرم ہو گیا اور لمحہ بہ لمحہ جنگ کی آگ تیز ہوتی گئی۔ گولہ باری کے ساتھ ہی تیر و سناں کی نوبت آ گئی۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی۔ چمکتے ہوئے خنجر سینوں میں اترنے لگے۔ سوار گھوڑوں سے گرنے لگے۔ پیادے زمین دوز ہو گئے۔ جنگجو راجپوت بڑھ بڑھ کر دلاوری کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ہمہ سرکش و جاہل و جنگ جو
چو شمشیر آہن دل و سخت رو
بہ بحر و غا جملگی ہم قدم
ہمہ بستہ چوں موج داماں بہم

راجپوتوں کا غلبہ تمام راجپوت راجاؤں میں خصوصیت کے ساتھ خون خوار کمند سنگھ بارہ، رتن سنگھ راٹھور، ارجن کور، دیال سنگھ[1] جہالہ اور چند دوسرے سفاک راجپوت رام رام کہتے ہوئے گھوڑے اڑاتے، جان پر کھیلتے ہوئے بے پروا نہ وار جنگ کی بھڑکتی آگ میں بے خطر کود رہے تھے اور بپھر بپھر کر توپ خانہ پر حملہ کر رہے تھے۔ ان کے لئے پے در پے جان توڑ حملوں سے توپ خانہ کا نظم بگڑ گیا ان کا زور توڑنے کے لئے مرشد قلی خاں پوری جاں نثاری کے ساتھ ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی جان نچھاور کر دی اس کے گرتے ہی ہراول بڑے سخت خطرہ میں گھر گیا اور لوگ بھاگنے لگے ذوالفقار خاں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ہاتھی سے نیچے کود پڑا۔ اور اپنے چند دلیر جاں نثاروں کے ساتھ پیادہ ہو کر آگے بڑھا اور داد مردانگی دینے لگا۔ باوجود زخمی ہو جانے کے وہ برابر راجپوتوں کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ یلتمش کے دستے اس کی مدد پر آگئے اب تو ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ زمین و آسمان کانپنے لگے۔

شاہزادہ محمد سلطان اور نجابت خاں بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ راجپوتوں کے مقابلہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ مگر ساعت بہ ساعت راجپوتوں کا غلبہ بڑھتا جا رہا تھا آخر کار شیخ میر خوافی، صف شکن خاں اور مرتضی خاں اپنی جمعیت کو لے کر بڑھے اور انھوں نے مخالف فوج پر پہلو سے زبردست حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بڑی جاں فشانی سے حملہ کر رہے تھے۔ مگر کافروں کا زور ٹوٹے نہیں ٹوٹ رہا تھا۔

اورنگ زیب کا حملہ بہادر اورنگ زیب دونوں گروہوں کی ثابت قدمی اور بہادری کا مشاہدہ کر رہا تھا جب معاملہ بہت نازک ہو چلا تو اس

---

[1] ن۔ دیال داس جہالہ۔

نے اپنے جنگی ہاتھی کو علم برداران اسلام کی کمک کے لئے آگے بڑھایا۔ اورنگ زیب کی پیش قدمی سے فوج کے گرتے ہوئے حوصلے سنبھل گئے اور آہستہ آہستہ مغلوب فوج غنیم پر غلبہ پانے لگی اب جو دل جمعی کے ساتھ بہادر سرداروں نے راجپوتوں پر حملہ کیا تو کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بے شمار راجپوت موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ؎

زبس راجپوتان پرکار جنگ گذشتند از جاں بناموس و ننگ
فتاد آں قدر کشتہ در کارزار کہ شد بستہ راہ گذار بر سوار

مقتولوں کے خون سے میدانِ جنگ لالہ زار بن گیا اتنی لاشیں گریں کہ درندوں پرندوں کے لئے برسہا برس کی غذا کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ راجپوت بہرحال راجپوت تھے اس زبردست دباؤ کے باوجود ہتھیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔

شہزادہ مراد کا حملہ

ابھی جنگ اس مرحلہ پر تھی کہ شہزادہ محمد مراد بخش میمنہ کی طرف سے اپنی خوں خوار فوج کو لے کر بڑھا اور مہاراجہ کی لشکرگاہ پر ٹوٹ کر گرا۔ یہاں بھی بدبخت راجپوتوں سے بڑے سخت معرکہ کی لڑائی ہوئی راجپوتوں کے سردار دیبی سنگھ، برسوجی، مالوجی وغیرہ آٹھ لو ہزار سواروں کے ساتھ لشکرگاہ کی حفاظت کے لئے مامور تھے ان سرداروں نے بڑی مردانگی کے ساتھ مراد بخش کے حملہ کو روکا اور کئی بار وہ ریلتے پیلتے مراد کے ہاتھی کے قریب تک پہنچ گئے مگر ان میں سے متعدد سردار موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ دیبی سنگھ نے جب دیکھا کہ اس کے ساتھی سردار مارے گئے، تو وہ حواس باختہ ہو گیا اور باوجود اس کے کہ اپنے آپ کو بڑا بہادر راجپوت سمجھتا تھا گھوڑے سے اُتر کر پناہ طلب کرنے لگا اور مراد کی خدمت میں پہنچ کر جان و مال اہل و عیال کے لئے پناہ حاصل کی۔

جسونت کا فرار اور شہزادوں کی فتح

ادھر اورنگ زیب کے دلیرانہ حملوں سے مکند سنگھ بارہ، سجان سنگھ سودیہ، رتن سنگھ راٹھور، ارجن کور دیپال داس جھالہ (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے)۔ اور موہن سنگھ بارہ یکے بعد دیگرے مارے گئے اور راجپوتوں کی جمعیت میں بڑی سخت افراتفری مچ گئی بدنہاد راجپوت بہادروں کی شمشیر کا لقمہ بن گئے اور کفر کی تاریکی

غلبۂ اسلام کے نوسے چھٹنے لگی۔ راجپوتوں کے پس پا ہوتے ہی جسونت سنگھ کے دل میں ایسا خوف وہراس بیٹھا کر راجپوتی آن کو خیرباد کہہ کر اُس نے معرکۂ کارزار سے اپنی جان بچانے کی فکر کی اور ہمراہیوں کے طعنوں سے بے پروا ہوکر اس سے پہلے کہ اس کی ہمراہی فوج بھاگتی پیشانی پر بدنامی کا داغ لگائے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا اور سیدھے اپنے وطن کی راہ لی۔ اس کے بھاگتے ہی قاسم خاں اور دوسرے بادشاہی امراء کے قدم بھی اکھڑ گئے اور وہ سب داراشکوہ کی فوج کے سردار جسونت کے قدم بہ قدم جدھر منہ اٹھا فرار ہوگئے۔ اورنگ زیب کے فاتح لشکر میں فتح کے شادیانے بجنے لگے اور غنیم کا سارا مال واسباب توپ خانہ، خزانہ اور ہاتھی فاتح فوج کے قبضہ میں آگیا ؎

دلیراں چو فارغ زہیجا شدند
بہ تاراج بنگاہ اعدا شدند
زدشمن کسی بخت اگر یار داشت
ہمی سر بدر برد و ساماں گذاشت
بہ دست اندر آمد بسی بادپا
زخون جملہ را دست و پا در حنا

مقتولین کی تعداد

عالمگیر نامہ میں درج ہے کہ اس فتح کے بعد عالمگیر بادشاہ کی طرف سے بیجاپور اور حیدرآباد کے حکام کے نام جو فرمان جاری کیے گئے تھے ان میں لکھا گیا تھا "شکست خوردہ لشکر کے مقتولین کی تعداد سرداروں کی ایک جماعت سمیت چھ ہزار ایک شمار کی گئی اور اس طرف سے بجز مرشد قلی خاں کے کوئی اور کام نہیں آیا"۔

فتح کی خوشی اور دادودہش

ذوالفقار خاں اور اس کے ساتھ کے چند امیر بہت زیادہ زخمی ہوگئے تھے اورنگ زیب نے الطاف و انعام سے ان کی جراحتوں کی تلافی کی۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو فتح کی مبارک بادی۔ شہزادے اور امراء سلام تہنیت بجالاتے۔ اورنگ زیب نے محمد مراد بخش کے ہمراہیوں کی مرہم پٹی کے نام سے پندرہ ہزار اشرفی بھیجیں اور محمد مراد بخش کی

بہادری کے اعتراف میں چار ہاتھی جن کے ساز نقرئی اور ہودج سونے کے تھے۔ موتی جواہر اور مرصع آلات کے ساتھ ہدیہ کے طور پر روانہ کئے۔ ؎

ہمیں تا بر آید بہ تدبیر کار
مدارائی دشمن بہ از کار زار

محمد سلطان کو پنج ہزاری کا اضافہ دیا گیا۔ نجابت خاں کو خان خاناں کا خطاب اور ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ ملا۔ ملتفت خاں کو بھی اعظم خاں کے خطاب سے نوازا اور اسے مرشد قلی خاں کی دیوانی کا سربراہ مقرر کیا۔ نقارہ اور دوسرے اعزازات بھی مرحمت کیے گئے۔ ذوالفقار خاں کو بھی نقد اور جنس میں انعام ملے اور ترقی و اضافہ عطا ہوا۔ اس طرح درجہ بدرجہ بیشتر ہمراہیوں کی قدر افزائی کی۔ شاہزادہ محمد سلطان اور دوسرے امراء کو جنھیں ترقی و اضافہ اور خطابات مرحمت ہوئے تھے ہدایت کی کہ محمد مراد بخش کے پاس جا کر تسلیمات بجا لائیں۔

خواجہ کلاں خوافی کو جو راقم سطور کے خالو تھے۔ اصالتاً اجین کی (جسے دار الفتح سے موسوم کیا گیا تھا)۔ دیوانی فی اور نیابتاً شاہزادہ کی طرف سے صوبہ داری پر بھی مامور کئے گئے اس تقرری کے بعد حکم ہوا کہ نقد و جنس سے جو کچھ ضرورت ہو عرض کریں۔ میرے خالو نے عرض کیا کہ میری تو آرزو یہی ہے کہ حضور مجھے اپنی رکاب سے جدا نہ فرمائیں اور جان نثار فدویوں میں ہی شامل رکھیں اور اگر اطاعت امر ہی لازم ہو تو پھر بھلا یہ سازوسامان اور کمک وغیرہ کے التماس کا کون سا وقت ہے میں تو جان و مال کو حضور کے قدموں پر نچھاور کر دینے ہی میں اپنی سعادت پاتا ہوں اورنگ زیب نے خواجہ کلاں کو کفایت خاں کا خطاب دیا۔ خلعت عطا کی اور گھوڑے ہاتھی دے کر نوازا۔ اور عالم سنگھ کو جو اس ضلع کا بڑا عمدہ زمیندار تھا 'راجہ' کا خطاب خلعت ہاتھی "تلوار جمدھر مرصع کمرپٹہ جیغہ دکدکی اور گوشوارہ عطا ہوا اور اسے کفایت خاں کے ہمراہ متعین کر دیا۔

فاتح لشکر کی پیش قدمی

۲۷ رجب کو دار الفتح اجین سے کوچ کر کے اٹھائیس منزلوں کے بعد گوالیار کی سرحد میں شہزادوں نے لشکر گاہ قائم کی اور اورنگ زیب نے خان دوراں کے بیٹے نصرت خاں کو اس کے باپ کا خطاب مرحمت فرمایا دارا شکوہ کی طرف سے دریا کے گھاٹ پر کسی طرح کی ناکہ بندی نہیں کی گئی تھی اس لئے

صف شکن خاں کو توپ خانہ کا داروغہ مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ ذوالفقار خاں سپہ سالار کے ساتھ بہ عجلت تمام توپ خانہ کو بھدوریہ کے گھاٹ سے پار اتار دے۔ پہلی رمضان کو لشکر نے دریائے چنبل کو عبور کیا اور خود اورنگ زیب کی سواری دوسرے دن دریا کے اس پار پہنچی۔

داراشکوہ کی پریشانی اور تیاریاں

داراشکوہ کا لشکر

اب ہم اعلیٰ حضرت شاہ جہاں کا کچھ حال درج کرتے ہیں بادشاہ اس عرصہ میں قدرے صحت یاب ہوگیا تھا مگر اکبر آباد کی گرم ہوا مزاج کے موافق نہیں تھی لہٰذا وہ دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ داراشکوہ بادشاہ کی روانگی پر پہلے ہی راضی نہیں تھا۔ اب جو اس نے مہاراجہ کی ہزیمت کی خبر سنی تو بدحواس ہوگیا اور بڑی لجاجت اور سماجت کر کے باپ کو راستہ ہی سے واپس لے آیا۔ اور بڑے اضطرار کے عالم میں جلدی جلدی لڑائی کی تیاریاں کیں اور رکاب شاہی کے تمام جدید و قدیم امراء کی فوجوں کے ساتھ جن کی تعداد ساٹھ ہزار سے متجاوز تھی توپ خانہ کی بھاری جمعیت لے کر کوچ کر دیا۔ جنگی ہاتھی بھی اس کثرت سے ساتھ تھے کہ روانگی کے وقت جنگل و صحرا سیاہ دکھائی دینے لگتے تھے۔

اورنگ زیب نے معظم خاں کو دولت آباد میں بظاہر قید کر کے شاہزادہ محمد اکبر کی خدمت میں چھوڑ دیا تھا مگر داراشکوہ اس بہانہ کو سمجھ گیا اور اس نے معظم خاں (میر جملہ) کے بیٹے محمد امین خاں کو مقید کر کے اس کے گھر پر چوکی پہرہ لگا دیا۔ مگر شاہجہاں نے جو معاملات کو سلجھانا اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا چاہتا تھا چند دن بعد اسے رہا کر دیا۔

بوڑھے بادشاہ کی تگ و دو

کہتے ہیں شاہجہاں نے داراشکوہ کے بھائیوں کے مقابلہ پر فوج لے کر نکلنے کی بارہا مخالفت کی اور اس سے کہا بھی کہ تمہارے جانے سے دونوں بھائیوں کی مخالفت اور زیادہ شدید ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ شاہجہاں نے طے کر لیا کہ دونوں بیٹوں کو سمجھانے اور صلح صفائی کرنے کی خاطر وہ خود جائے گا۔ چنانچہ پیش خانہ شاہی کو شہر سے باہر لگانے کا حکم بھی صادر کر دیا۔ مگر داراشکوہ

کسی طرح بھی اس بات پر راضی نہیں ہوا۔ خان جہاں عرف شائستہ خاں نے بھی داراشکوہ کی تائید کی اور دونوں نے بادشاہ کو روک دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہجہاں نے راجہ کی ہزیمت سے پہلے ہی جب کہ دکن اور احمد آباد کی فوجیں باہم نہیں ملی تھیں باغی بیٹوں کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا تھا اور اس بارہ میں خان جہاں سے مشورہ کرتا رہا تھا۔ خان جہاں اورنگ زیب کا ماموں ہوتا تھا اور اس کے ساتھ بڑا خلوص رکھتا تھا اور وہ اپنے بھانجہ کے ذاتی جوہر اور کمال سے واقف تھا اور اس کے شاندار مستقبل کا یقین رکھتا تھا اس لئے اس نے مصلحتاً بادشاہ کو جانے کا مشورہ نہیں دیا۔ جب راجہ کو ہزیمت اٹھانی پڑی تو بادشاہ پر خان جہاں کی طرف داری کا بھید کھل گیا اور وہ بہت غضب ناک ہوگیا۔ چنانچہ اپنے عصا سے اس نے خان جہاں کے سینہ کو ٹھوکا دیا اور اسے دو تین دن تک سلام اور مجرا سے روک دیا۔ پھر اس پر مہربانی فرمائی اور اس جھگڑے میں دخل انداز ہونے کے سلسلہ میں اس سے مشورہ کرتا رہا اس نے ہر بار وہی پہلا مشورہ دیا۔ آخر کار پیش خانۂ شاہی کے باہر نصب ہوجانے کے باوجود شاہجہاں کا ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

سموگڈھ کی فیصلہ کُن جنگ

داراشکوہ کا خروج

آخر ۱۶ ر شعبان (۱۰۶۸ھ) کو داراشکوہ نے خلیل اللہ خاں کو ہراول بنایا تھا اس کے ساتھ قباد خاں اور رام سنگھ وغیرہ تھے۔ وہ داراشکوہ کی اور بادشاہ کی فوجوں کو لے کر ہراول کے طور پر آگے بڑھا اور دھول پور جاکر چھاؤنی ڈال دی اور چنبل کے گھاٹ کی ناکہ بندی کردی۔ ہراول کو روانہ کرنے کے بعد داراشکوہ شہر سے باہر نکل کر ٹھیر گیا، کچھ تو سفر کی تیاریاں درپیش تھیں پھر سلیمان شکوہ کا بھی انتظار تھا، جو شجاع کی جنگ سے فارغ ہوکر واپس آرہا تھا۔

جب سلیمان شکوہ کے آنے میں تاخیر ہوتی اور مزید انتظار میں ٹھیرنا ممکن نہیں رہا تو وہ ناچار دونوں مخالف بھائیوں سے مقابلہ کے ارادہ سے روانہ ہوگیا۔ ۶ رمضان کو سموگڈھ کے قریب دونوں بھائیوں کے لشکر کے مقابلہ پر نصف کوس کے فاصلہ سے ٹھیر گیا۔ گھاٹ

کا راستہ بند کرنے کے لئے اس نے پہلے ہی فوج بھیج دی تھی مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تھا کیونکہ مخالف فوجیں دریا عبور کر کے مقابلہ پر آگئی تھیں۔ ناچار داراشکوہ توپ خانہ کی تیاری، مست جنگی ہاتھیوں کی ترتیب اور فوج کی صف بندی میں مشغول ہوگیا۔

بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ پر

دوسرے دن جب داراشکوہ سوار ہوا تو اس کا عظیم الشان لشکر اور بے شمار ہاتھی دو کوس کے رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر اس دن بڑی سخت گرمی تھی۔ ماہ خورداد (جون کے لگ بھگ) کا سورج بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔ ہوا بڑی گرم بلکہ شعلہ بار تھی۔ پانی کی کمی اور دھوپ غضب ڈھا رہی تھی خاص طور سے جو لوگ زرہ بکتر پہنے فولاد میں غرق تھے لوہے کی گرمی سے اُبل اُبل گئے اور کئی ایک تو اسی حدت میں جاں بحق ہوگئے۔

محمد اورنگ زیب بھی اسی دن سوار ہوگیا تھا مگر لڑائی شروع کرنے میں پہل کرنے سے چونکہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لئے گولہ کی مار تک کے فاصلہ پر ٹھیر کر دشمن کے جنگ چھیڑنے کا انتظار کرتا رہا مگر دوسری جانب سے بجز پریڈ اور ملاحظہ کے کوئی اور حرکت نظر نہیں آئی اس لئے عصر اور مغرب کی نماز کے بعد اسی جگہ قیام کرنے کا حکم دیا اور پوری فوج کو ہدایت کر دی کہ رات پوری ہوشیاری اور خبرداری سے بسر کی جائے۔

اورنگ زیب کا پہلا حملہ

دوسرے دن جب صبح ہوئی تو اورنگ زیب نے اپنی صف آرائی کی ذوالفقار خاں اور صف شکن خاں کو توپ خانہ آگے بڑھانے کے لئے مامور کیا۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کو غرق آہن کر کے توپ خانہ کے پیچھے متعین کیا۔ ہراول پر شاہزادہ محمد سلطان کو خان خاناں، نجابت خاں سید بہادر، سید ظفر خاں بارہہ اور شجاعت خاں وغیرہ کو مقرر کیا۔ شاہزادہ محمد اعظم نے میمنہ کی کمان سنبھالی اس کے ساتھ اسلام خاں اعظم خاں، خان زماں خاں اور مختار خاں متعین ہوئے۔ میسرہ پر محمد مراد بخش کی فوج تھی۔ ملتمش کے سردار شیخ میر اس کا بھائی سید میر اور شرزہ خاں وغیرہ تھے۔ ملتمش کا ہراول بہادر خاں کو پانچ تجربہ کار سرداروں کے ساتھ بنایا گیا۔ اس کے بعد ہر قوم کے منتخب بہادروں خاص طور سے سید دلاور خاں خاندیسی کو کہ اس کے خاندان کی خدمت اور بہادری پر اورنگ زیب کو کامل اعتماد تھا اپنے ساتھ قلب لشکر میں رکھا۔ سادات بارہہ بھی ہم رکاب تھے۔ ہاتھی کے ہودج

میں شاہزادہ محمد اعظم ردیف تھا۔ دشمن کا لشکر اگرچہ بلحاظ تعداد بہت زیادہ تھا مگر شجاعت پیشہ سلاطین کے شعار کے مطابق اورنگ زیب کثرت تعداد سے بے پروا آگے بڑھا اور غنیم پر حملہ کردیا۔

دوسری طرف داراشکوہ نے بھی پوری تیاری کر رکھی تھی ہراول میمنہ میسرہ ملتمش اور چنداول آراستہ پیراستہ تھے آتش بار توپ خانہ جنگی ہاتھیوں کے جلو میں آگے آگے حرکت کر رہا تھا۔ اس دن ستر اسی ہزار کی موج در موج فوج داراشکوہ کے رکاب میں تھی اور وہ بڑی آن بان سے قلب لشکر میں جلوہ گر تھا۔ مگر اس شان وشکوہ سے کیا فائدہ؟ جس کے پیچھے بدبختی اور زوال کا سایہ لگا ہوا ہو اور مقدر کے ستارے کجلا کجلا کر بجھتے جا رہے ہوں۔

لڑائی کا آغاز دونوں طرف کے توپ خانوں سے ہوا توپیں آگ اگلنے لگیں آتش فشان بان چھوڑے گئے، گولے سنسناتے ہوئے سروں پر سے گذرنے لگے۔ گولہ باری کے ساتھ جنگجو بہادر بڑھے تو تیر اور نیزے کی نوبت آئی، دونوں طرف سے ہزارہا تیر اڑتے ہوئے ادھر سے اُدھر پہنچے۔ پھر جو تلوار چلی اور خنجر چمکے تو ہر زرہ اپنی آنکھوں سے خون کے آنسو رونے لگی۔ ؎

سپاہ از دو رو تیغ در ہم نہاد
زرہ دیدہ از بیم بر ہم نہاد
دو لشکر بہ صحرا کشیدند فوج
دو دریائی آتش برآورد فوج
دو نیل از دو سو در خروش آمدند
چو دریائی آتش بہ جوش آمدند

سپہر شکوہ کا زبردست حملہ

بادشاہی فوج کا ہراول سپہر شکوہ تھا، اس نے رستم خاں دکنی کی ہم عنانی میں اس بارہ ہزار سواروں کو لے کر اورنگ زیب کے توپ خانہ پر حملہ کردیا اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے شاہزادہ محمد سلطان کے قریب تک جا پہنچا۔ سپہر شکوہ کے حملے سے محمد سلطان کے ہراول میں بڑی افراتفری پھیل گئی، مگر عین اس وقت عالمگیری توپ خانہ سے ایک

گولہ رستم خاں فیروز جنگ کے سامنے والے ہاتھی پر جو پیش آہنگ کے طور پر آگے آگے تھا ایسا لگا کہ ہاتھی آناً فاناً ایک تودہ سیاہ بن کر ڈھیر ہوگیا۔ اس حادثہ سے رستم خاں بوکھلا گیا اور ہراول سے مقابلہ ترک کرکے میمنہ کی طرف نکل گیا۔ جہاں بہادر خاں کوکہ فوج کو لڑا رہا تھا۔ اس نے میمنہ پر بھی بڑا زبردست حملہ کیا بہادر خاں بھی مردانہ وار اس کے حملوں کا جواب دینے لگا مگر ہر لمحہ رستم خاں کو کمک پہنچتی جا رہی تھی اور وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ بہادر خاں بھی زخمی ہوگیا۔ اور دونوں طرف سے اس معرکہ میں بہت زیادہ تعداد میں لوگ مارے گئے اور زخمی ہوتے۔ یہ ایسا شدید معرکہ تھا اور دشمن اس قدر غالب آچکا تھا کہ اورنگ زیب کی فوج قریب تھا کہ پراگندہ ہوجاتی مگر اسی وقت اسلام خاں، سید دلاور خاں اور دلاور خاں افغان بہادر خاں کی مدد پر پہنچ گئے پھر شیخ میر، سید حسین، سیف خاں، عمریز خاں، عرب بیگ اور محمد صادق یلتمش کی فوج نے کر میمنہ کی مدد پر آگئے اور انھوں نے رستم خاں پر اور سپہر شکوہ کے سرداروں پر پوری شدت سے حملہ کردیا۔ دارو گیر کی وحشت ناک صداؤں سے جنگل گونج اٹھا ؎

برآمد خروشیدن گیرودار
درآمد تہ نہار ازاں روزگار
زخون یلاں خاک آغشتہ شد
تو گفتی زمین ارغواں کشتہ شد

اس ہولناک معرکہ میں سید دلاور خاں خاندیسی نے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے جان دیدی اس کے ساتھ ہادی داد خاں بھی جوہر شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے بعد قربان ہوگیا۔ سید حسین، سیف خاں، عمریز خاں، عرب بیگ اور محمد صادق زخمی ہوگئے مگر اس کے باوجود اورنگ زیب کی فوج اس طرح ڈٹ کر لڑی کہ رستم خاں کو ہزیمت ہوگئی اور سپہر شکوہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

داراشکوہ کا دلیرانہ اقدام

جب داراشکوہ کو رستم خاں اور سپہر شکوہ کی شکست کی خبر ملی تو وہ قلب کی فوج کو لے کر جس میں بیس ہزار سے کم سوار نہیں تھے آگے بڑھا اور اظہار شجاعت کے لئے اپنے توپ خانہ سے آگے

نکل کر خلد مکان (اورنگ زیب) کے توپ خانہ اور ہراول کے مقابل آگیا۔ ہراول نے توپ و تفنگ کے ذریعہ ایسی شدید آتشباری کی اور پے بہ پے اس طرح حملے کئے کہ داراشکوہ مقابلہ پر ٹھیر نہ سکا اور محمد مراد بخش کی فوج کی طرف رخ کر کے ہراول کے سامنے سے کھسک گیا۔ داراشکوہ نے تیزی سے بڑھ کر مراد کی فوج پر حملہ کیا تھا دونوں فوجیں صف بہ صف دست بہ دست لڑنے لگیں۔ داراشکوہ کا پیش آہنگ خلیل اللہ خاں تھا اس نے تین چار ہزار ازبک کمان داروں کو لے کر محمد مراد بخش کے ہاتھی پر حملہ کر دیا۔

مراد بخش کی بہادری

دونوں طرف سے تیر برسنے لگے اور مراد کے لشکر میں ایک قیامت سی برپا ہوگئی اور بہت سوں کے قدم اکھڑ گئے قریب تھا کہ تیروں کی بوچھاڑ اور گرز وسناں کی ضرب سے بہادر مراد کے ہاتھی کا منہ پھر جائے۔ مراد نے حکم دیا کہ ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی جائیں اسی موقع پر راجہ رام سنگھ جس کی بہادری کی راجپوتوں میں بڑی شہرت تھی سر پر مروارید کا بیش قیمت سہرا باندھے زعفرانی لباس پہنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دلیری کی ڈینگ مارتا محمد مراد بخش کی سواری کے قریب پہنچا اور گستاخی و بے باکی کے ساتھ کہا۔

"تو داراشکوہ کے مقابلہ پر بادشاہی کی ہوس کر رہا ہے"۔ یہ کہکر ایک برچھی مراد کی طرف پھینکی اور مہابت کو ڈپٹ کر کہا "ہاتھی کو بٹھا" مراد نے اس کے حملہ کو روکیا اور پھر ایسا تیر جوڑ کر اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ گھوڑے پر سے الٹ کر گر گیا۔ اس کے ہمراہ جو راجپوت تھے ان میں سے بیشتر مراد کے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے اور ہاتھی کے اطراف کی زمین خون سے گلنار ہوگئی۔

کیا اورنگ زیب مراد کی مدد پر گیا تھا؟

عالمگیر نامہ میں درج ہے کہ "اس وقت اورنگ زیب خود بھائی کی مدد پر پہنچا اور دشمنوں کو زیر کرنے کی کوشش کی"۔ لیکن میں نے اپنے والد سے جو اس معرکہ میں اورنگ زیب کے ہمراہ جنگ کے خاتمہ تک تھے اور انھیں کاری زخم آئے تھے سنا ہے اس کی تصدیق دوسرے معتبر راویوں کے ذریعہ بھی کر لی ہے کہ محمد اورنگ زیب کو جب مسلسل تشویشناک خبریں ملیں اور دشمن کا غلبہ صاف نظر آنے لگا تو اس نے بھائی کی کمک پر جانا چاہا مگر شیخ میر نے روک لیا اور جانے نہیں دیا۔ اس وقت جنگ کی آگ پورے زور سے بھڑک

رہی تھی اور جاں بازی کا بازار گرم تھا ؎

زبیداد تیغ جدائی کفن!
سر از تن جدا ماند و تن از کفن

ایک دلیر راجپوت

جاہل راجپوت بُری طرح ہجوم کر کے ٹوٹ پڑے تھے اور مردانہ وار بڑھتے چلے آرہے تھے۔ راجہ روپ سنگھ راٹھور جوشِ بہادری میں گھوڑے سے پیادہ ہو گیا اور ہتھیلی پر جان رکھ کر برہنہ تلوار لہراتے ہوئے قلب لشکر کی صفوں کو چیرتا ہوا اورنگ زیب کی سواری کے ہاتھی کے نیچے پہنچ گیا اور عماری کی رسیوں کو کاٹنے کے لئے وار کیا۔ اورنگ زیب اس کی دلیری اور بہادری کو دیکھ کر از راہ انصاف و قدردانی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مارا جائے، اس نے حکم دیا کہ اس کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو مگر محافظ سپاہیوں نے اس کی بے ادبی پر مشتعل ہو کر اسے پارہ پارہ کر دیا۔

داراشکوہ کی عبرتناک فرار

بدحواسی اور فرار

رستم خاں داراشکوہ کے لشکر کا بڑا سہارا تھا اُس نے پھر آگے بڑھ کر دوبارہ سخت حملہ کیا تھا مگر اس وقت اورنگ زیب کے لشکریوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی اور ایسا سخت جوابی حملہ کیا کہ ایک ہی ریلہ میں رستم خاں، راجہ ستر سال، داراشکوہ کا دیوان وزیر خاں، سید ناصر خاں اور دلیر خاں افغان کا بھائی یوسف خاں موت کے گھاٹ اتر گئے اور جھیل داس کور کے بیٹے رام سنگھ اور بھیم اور راجہ شیورام سخت زخمی ہو گئے۔

داراشکوہ نے جب اپنے ان بڑے بڑے سرداروں کو مقتول اور زخمی دیکھا تو بہت سراسیمہ ہو گیا اس کے ہاتھ پیر پھول گئے کہ آخر اب کیا کرنا چاہیے؟ اسی اثناء میں اس کے ہاتھی کی عماری پر ایک آتش فشاں بان آکر لگا اور وہ گھبرا کر ہاتھی سے نیچے اُتر گیا۔ اور ایسا بدحواس ہوا کہ جوتا تک پہننے کا ہوش نہیں رہا۔ ننگے پاؤں بلا کسی ہتھیار کے، دوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے اس بے موقع اضطراب اور سواری کی تبدیلی کو جب لوگوں نے دیکھا اور فوج نے دور سے داراشکوہ کی عماری کو خالی پایا تو سب کا جی چھوٹ گیا اور سب فرار کی سوچنے لگے۔ اسی وقت جب کہ داراشکوہ کا ایک مصاحب اس کی کمر پر ترکش کو باندھ رہا تھا، ایک گولہ اُڑتا ہوا آیا جس کی ضرب سے اس مصاحب کا سیدھا ہاتھ صاف اڑ گیا اور اس نے اسی وقت جان دیدی بس پھر کیا تھا اطراف میں جو ہوا خواہ لگے ہوئے تھے سراسیمگی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوتے اس بھگدڑ کو دیکھ کر داراشکوہ کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور اس نے سلطنت کے مقابلہ میں جان کی حفاظت کو ضروری جانا سپہر شکوہ نے بھی باپ کی تقلید کی اور دونوں،

اپ بیٹے گنتی کے چند ساتھیوں کے ہمراہ اکبرآباد کی طرف فرار ہو گئے اور
اورنگ زیب کی فوج میں فتح کے شادیانے بجنے لگے مبارکباد
کے نعرے بلند ہونے لگے ؎

قرین شد بہم این دو فتح غریب
کہ نصر من اللہ و فتح قریب

فاتح اورنگ زیب اس فتح و کامیابی پر ہاتھی سے نیچے اتر آیا اور شکرانہ کی دو رکعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد داراشکوہ کے خیمہ کی طرف گیا اس وقت تک خیمہ توپ خانہ اور دوسرا تمام ساز و سامان لوٹ لیا گیا تھا خلد مکاں اورنگ زیب نے داراشکوہ کے خیمہ ہی میں قیام کیا۔ شاہزادوں اور امیروں نے نذر نذرانے گزرانے اور تحسین و آفریں سے معزز ہوئے۔

مراد کا سر اورنگ زیب کے زانو پر

محمد مراد بخش کے بدن پر اور چہرہ پر تیروں کے بہت سے زخم لگے تھے اورنگ زیب نے ماہر جراحوں کو طلب کیا اس کا سر شفقت سے اپنے زانو پر رکھ لیا اور اس کے زخموں پر مرہم لگوایا اور اس سادہ لوح بادشاہ زادہ کے دل کے زخم لطف و دلداری کی باتوں سے اور بادشاہت کی مبارکبادیاں دے کر مندمل کئے اور آنسو بہاتے ہوئے اپنی آستین سے بھائی کے رخسار کا خون صاف کیا۔

مراد کی یادگار عماری

کہتے ہیں اس عماری پر جس میں محمد مراد بخش سوار تھا اس کثرت سے تیر لگے تھے کہ اس کی سطح خارپشت کے مانند ہو گئی تھی اور اس کا تختہ نظر نہیں آتا تھا چنانچہ یہ عماری دارالخلافہ کے قلعہ میں دولت خانہ میں یادگار کے طور پر رکھا دی گئی تھی اس تیموری جواں مرد شاہزادہ کے کارنامہ کی یہ یادگار فرخ سیر کے عہد سلطنت تک موجود تھی۔ محمد اعظم شاہ کی بڑی بہن، بادشاہ بیگم نے سادات بارہہ کی سرکشی کے مقدمہ میں صاحبقران کے خاندان کو شجاعت بہادری کی ترغیب دیتے ہوئے اس عماری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس لڑائی میں جنگ کا سارا زور چونکہ محمد مراد بخش کی فوج پر ہی پڑا تھا اس سے اس کے بیس عمدہ امیر کام آگئے تھے۔ اعظم خاں جنگ میں تو نہیں مارا گیا مگر جنگ کے

ختم ہونے کے بعد ہی وہ گرمی کی شدت اور زرہ بکتر کی حدت کی تاب نہ لا کر فوت ہوگیا۔ داراشکوہ کے لشکر میں جو نامی گرامی سردار مارے گئے تھے ان کے نام ہم لکھ آئے ہیں ان کے علاوہ اتنے سوار اور پیادے مارے گئے کہ انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فتح کے بعد اورنگ زیب نے محمد مراد بخش کو دونوں شاہزادوں اور دوسرے امراء کو نقد عطیات اضافہ ترقی خطاب اور جواہرات وغیرہ بکثرت عطا کئے ان کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔

داراشکوہ کا اکبر آباد سے فرار

داراشکوہ دو ہزار بے سروسامان سواروں کے ساتھ جن میں سے اکثر زخمی تھے۔ شام کے وقت بغیر کسی مشعل کے اکبر آباد میں پہنچا شرمندگی اور خجالت کے مارے باپ کے پاس نہیں گیا اپنی حویلی میں ہی قیام کیا۔ شاہجہاں نے اس کو بلانے کے لئے کئی بار پیغام بھیجے اور کہا کہ از سرِ نو تیاریوں کے لئے مشورہ کرنے چلے آؤ مگر وہ نہیں گیا اور عذر بہانے کر کے ٹال دیا۔ پھر اسی رات کے آخری حصہ میں سپہر شکوہ اپنی بیوی اور لڑکی کو لے کر محل کے چند خادموں کے ساتھ حویلی سے نکلا ہاتھیوں اونٹوں اور خچروں پر جواہرات، زیورات اشرفیاں، سونے چاندی کا سامان بار کرا کے اکبر آباد سے باہر آیا اور لاہور کا ارادہ کر کے شاہجہاں آباد (دہلی) کی طرف روانہ ہوگیا۔ تیسری منزل پر پانچ ہزار سوار چند اچھے افسروں کی سرکردگی میں لشکر کا سازوسامان لے کر پہنچے، ان کو فردوس آشیانی شاہجہاں نے ہی بیٹے کی خاطر بھجوایا تھا۔

اکبر آباد کی طرف فاتحانہ کوچ

باپ بیٹے کی مراسلت

سموگڈھ کی فتح کے بعد خلد مکاں اورنگ زیب نے پدر بزرگوار کی خدمت میں تفصیلی خط لکھا جس میں اُس نے اپنی آمد کے متعلق بتایا کہ عرصہ سے تشویش ناک خبریں سننے میں آرہی تھیں تو میں نے عقیدت و ارادت کے جذبہ سے حضورِ والا کی خدمت میں آنا چاہا مگر مہاراجہ نے بے سبب راستہ روکنے کی کوشش کی ناچار اس کی گوشمالی کر کے آگے بڑھا تو داراشکوہ ایک بڑی فوج لے کر سدِ راہ ہوگیا۔ اس سے بڑی شدید جنگ لڑنی پڑی، آخر وہ ہزیمت کھا کر

فرار ہو گیا۔ یہ لڑائی بہرحال مقدر میں لکھی تھی اور میں مدافعت پر مجبور ہو گیا تھا۔

اسی اثناء میں محمد امین خاں آصف خاں کا بیٹا خان جہاں امیروں کی ایک جماعت لے کر جو سلطنت کے ذمہ دار امراء میں سے تھے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا یہ سب امیر خلعت جواہر ہاتھی گھوڑوں کے عطیے سے سرفراز ہوئے۔

۱۷ رمضان کو سموگڑھ سے کوچ ہوا اور اکبر آباد کے قریب چھاؤنی قائم ہوئی اعلیٰ حضرت شاہجہاں کے پاس سے عرض داشت کے جواب میں تسلی آمیز خط آیا یہ خط فاضل خاں خانساماں اور سید ہدایت اللہ صدر لے کر آئے تھے۔ دوسرے دن (نواب قدسیہ) بادشاہ بیگم باپ (شاہجہاں) کے اشارہ پر بھائی سے ملنے آئی اور اس نے بھائی کو محبت کے ساتھ بطور نصیحت چند ملائم اور نا ملائم باتیں کہیں اور خلاف مرضی جواب پا کر واپس چلی گئی۔

عالمگیر نامی تلوار اور لقب

اس کی واپسی کے بعد باپ کے پاس سے ایک اور شفقت نامہ پہنچا جس میں ضروری نصیحتیں درج تھیں خط کے ساتھ ایک بڑی قیمتی تلوار جس کا نام عالمگیر تھا شاہجہاں نے بھیجی تیموری خاندان میں اس سے اچھی تلوار دیکھی نہیں گئی تھی بادشاہ نے ایک خاص معتمد کے ذریعہ زبانی پیغامات بھی کہلوائے تھے۔ اورنگ زیب کی محفل کے نکتہ سنج لوگوں نے "عالمگیر" نامی تلوار کے آنے کو ایک اچھا شگون قرار دیا اور اس مژدۂ غیبی کی رعایت سے اورنگ زیب کا لقب عالمگیر تجویز کیا۔

عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان کو شہر کے انتظامات کے لئے مقرر کر کے روانہ کیا تاکہ شہروالے لشکریوں اور شہر کے اوباشوں کی دست برد سے محفوظ رہیں۔ آصف خاں کے بیٹے خان جہاں کو امیر الامراء کا خطاب عطا کیا اور اس پر مزید عنایات کیں اسد خاں قاسم خاں نامدار خاں ظفر خاں سید شیر خاں بارہہ، حسن بیگ اور عبدالنبی خاں اور دوسرے متعدد امیر حاضر بارگاہ ہوئے ان کو بھی منصب میں اضافہ اور نقد و جواہر مرحمت کیا گیا۔

شاہجہاں کی نظر بندی

اگرچہ عالمگیر نامہ کے تینوں مؤلفین نے اعلیٰ حضرت کی نظر بندی کا مجملاً ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نظر بندی خود اعلیٰ حضرت کی مرضی سے عمل میں آئی تھی۔ مگر عاقل خاں خافی نے اپنی تالیف ـــــ

"واقعاتِ عالمگیری" میں اس معاملہ کو بڑی تفصیل و وضاحت سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرکار معاملہ قلعہ کے محاصرہ، شاہجہاں کے محصور ہوجانے اور قلعہ میں پانی بند کردینے تک پہنچ گیا۔ اس درمیان میں باپ بیٹوں کے درمیان تلخ و تند مراسلت بھی ہوتی رہی۔

آخر ۱۷ رمضان ۱۰۶۸ھ کو شاہزادہ محمد سلطان کو عالمگیر نے حکم دیا کہ وہ قلعہ اکبرآباد میں داخل ہوجائے اور قلعہ کے دروازے پر اپنے معتمد آدمیوں کو متعین کردے پھر دادا کی خدمت میں حاضر ہوکر نظربندی کی اطلاع دیدے اور بادشاہ کے پاس لوگوں کی آمدورفت کو بالکل مسدود کردے۔ چنانچہ محمد سلطان نے جاکر حسب الحکم عمل کیا اور صاحب قران ثانی (شاہجہاں) کے اختیارات سلب کرلئے اور اس کو نظربند کردیا ؎

همین است رسم این گذرگاه را
که دارد به آمد شد این راه را
یکے را در آرد به ہنگامہ تیز
یکے را ز ہنگامہ گوید کہ خیز

عالمگیر نے محمد جعفر خاں ولد الہ وردی خاں کو داراشکوہ کی جاگیر چکلہ میوات کو ضبط کرنے کے لئے روانہ کیا اور محمد مراد بخش کو ۲۰ لاکھ روپیہ ہدیۃً بھیجا اور ۲۲ رمضان کو شہر میں داخل ہوکر داراشکوہ کی حویلی میں قیام کیا۔ محمد امین خاں کو میر بخشی کی خدمت پر تربیت خاں کو اجمیر کی صوبہ داری پر اور خان زماں کو ظفرآباد کے صوبہ اور قلعہ داری کے عہدہ پر مامور کردیا۔

داراشکوہ دلّی کے قریب

اب ہم داراشکوہ کا کچھ حال لکھتے ہیں کہ جب وہ شاہجہاں آباد کے قریب پہنچا تو عالمگیر کی فوج کے تعاقب اور شہر میں محصور ہوجانے کے اندیشہ سے وہ شہر کے اندر نہیں گیا بلکہ باہر ہی پڑاؤ ڈال دیا اور بادشاہی سرکار اور امراء کے گھر سے جو مال و اسباب بھی ملا سب قبضہ میں کرلیا۔ داراشکوہ چند دن تک سلیمان شکوہ کے انتظار میں دہلی کے باہر ٹھیرا رہا۔ سلیمان شکوہ شجاع کے فرار کے بعد بہار اور پٹنہ کے معاملات میں الجھا ہوا تھا پھر جو اُس نے عالمگیر کی فتح و تسلط کے متعلق سُنا تو اسے وہاں سے نکلنے اور باپ کے پاس جانے کی ہمت نہیں پڑی۔ داراشکوہ نے انتظار میں بڑی بے چینی سے چند دن گذارے اس کے

بعد جب اس نے محسوس کیا کہ اگر وہ اسی طرح یہاں ٹھیرا رہا تو بھائی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہو جائے گا تو وہاں سے کوچ کا فیصلہ کر لیا اور ایک تازہ لشکر تیار کر کے جو دس ہزار سواروں پر مشتمل تھا پنجاب کی طرف روانہ ہو گیا پھر بعد وہ سلیمان شکوہ کو خطوط بھجواتا تھا۔ جس میں اپنے تباہ ہو جانے کا رونا ہوتا اور اس کو سرہند یا پنجاب جلد از جلد پہنچ جانے کی تاکید کرتا۔ پنجاب کے فوج داروں کے نام بھی اس نے تسلی نامے لکھ کر بھیجے۔ جن میں ان سے بڑے وعدے کئے تھے۔ پھر اس نے ایک عریضہ باپ کے پاس بھی بھجوایا جس میں ملاقات نہ ہونے کا افسوس اور اپنی بدنصیبی کا ذکر تھا اور دونوں بھائیوں اور امراء کی شکایتیں لکھی تھیں۔

شاہجہاں بیٹے کی قید میں

عالمگیر نے بھی دوبارہ باپ کو خط لکھا، جس میں ملاقات کی درخواست کی تھی اور ان قصوروں کی معافی طلب کی تھی جو برادر ناہنجار کی بدبختی کے سبب اور تقدیر الٰہی کے تحت سرزد ہو گئی تھیں جب عالمگیر کو یقین ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت کا میلان طبع داراشکوہ کی طرف ہی ہے تو اس نے باپ سے ملاقات کا ارادہ فسخ کر دیا اور اپنی جگہ شاہزادہ محمد اعظم کو مامور کیا کہ وہ قلعہ میں دادا کی خدمت میں تقرب خاں اور اسلام خاں کے ہمراہ حاضر ہو جائے اور معذرت آمیز پیغام پہنچائے۔ بادشاہزادہ نے دادا کے پاس جانے کے بعد پانچ سو اشرفی اور چار ہزار روپیہ کا نذرانہ پیش کیا۔ صاحب قراں ثانی نے خوشی ناخوشی محمد اعظم کو اپنے سینہ سے لگا لیا، پھر اسے آنسو بہاتے ہوتے بڑے لطف و عنایت سے رخصت کیا۔

عالمگیر نے داراشکوہ کے تعاقب میں جانے سے پہلے ضروری انتظامات سرانجام دیئے۔ بادشاہ زادہ محمد سلطان کو فاضل خاں خانساماں اور دوسرے بادشاہی ملازموں کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں چھوڑ دیا۔ اسلام خاں کو تیس ہزار روپیہ مرحمت کر کے بادشاہزادہ کا اتالیق مقرر کیا اور محمد سلطان کو دو لاکھ روپیہ اور ساٹھ گھوڑے مرحمت کئے، مقرب خاں کو باپ کے معالجہ کے لئے تین ہزار اشرفیاں دیں۔ اور ۲۲ر رمضان کو اکبرآباد سے باہر نکل آیا۔

داراشکوہ کے تعاقب کی تیاریاں

راستہ میں معلوم ہوا کہ داراشکوہ ۱۲ر رمضان کو شاہجہاں آباد سے اٹھ کر لاہور کی طرف چلا گیا ہے۔ عالمگیر نے اس موقع پر محمد مراد بخش کو ۲۶ لاکھ روپیہ اور دو سو تیس گھوڑے

جن پر طلائی اور مینا کاری کے ساز تھے تحفہ کے طور پر اور در حقیقت امانت کے طور پر دیئے۔ خان دوران کو الہ آباد پر دارا شکوہ کے قلعہ دار سید قاسم کی جگہ مامور کیا اور حکم صادر کیا کہ اگر سید قاسم الہ آباد کا قلعہ سپرد کر دے اور اطاعت اختیار کرے تو اسے تسلی دلاسا دے کر جلد ہمارے حضور بھیج دیا جائے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو محاصرہ کر کے اس کی گوشمالی کی جائے اور حسب ضرورت کمک طلب کر لی جائے۔

رمضان کی آخری تاریخ کو بہادر خاں کوکہ کو سلیم پور کی منزل سے دارا شکوہ کے تعاقب میں بطور ہراول روانہ کیا۔ خان خاناں نجابت خاں کو عید الفطر کے دن دو لاکھ روپیہ عطا فرمایا دلیر خاں سلیمان شکوہ کا ساتھ چھوڑ کر حضور میں آ گیا تھا اسے ہزاری ہزار سوار پر ترقی دی اور دوسری عنایات سے بھی نوازا۔ عبداللہ بیگ ولد علی مردان خاں اور اعتماد خاں بھی سلیمان شکوہ کے پاس سے حضور میں پہنچ کر سرفراز ہوئے۔

شاہجہان کا خط مہابت خان کے نام

یہ وہ فرمان ہے جو شاہجہاں نے قید ہونے کے بعد خفیہ طور پر مہابت خاں کے پاس بھیجا تھا جو ان دنوں کابل کا صوبہ دار تھا۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔

"عقیدت کیش مہابت خاں کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمانہ کے ہاتھوں اس سلطنت کو کتنا بڑا نقصان پہنچا ہے اور ان بے سعادت حرام خوروں نے کیا بدسلوکی کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اب فرزند مظلوم دارا شکوہ شکست کھا کر لاہور چلا گیا ہے۔ اس آڑے وقت میں تم ہی ایسے مخلص اور عقیدت مند ہو کہ دنیا کے معمولی فائدوں کو خاطر میں لاتے بغیر نام و ننگ کو پیش نظر رکھو گے۔ لہذا ہم تم کو اپنا درد دل لکھ رہے ہیں اور تم سے مناسب تدارک کی توقع رکھتے ہیں۔ تم کو یاد ہو گا کہ جس وقت خراسانیوں نے جنت مکانی (جہانگیر بادشاہ) کو مجبور و بے بس کر رکھا تھا تو تم ہی وہ دلیر سورما تھے جس نے طول طویل مسافت طے کر کے جنت مکانی کو ان شیطانوں کے پنجے سے چھڑایا تھا اور چند دن تک اپنے اختیار میں رکھنے کے بعد از سر نو ان کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا تھا پھر اس نیاز مند درگاہ الٰہی کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکال کر والد محترم کے انتقال کے بعد دارالسلطنت میں پہنچایا اور کامراں بنا دیا تھا۔ اب اس سے کہیں زیادہ مشکل معاملہ درپیش ہے اور اس مشکل کو اگر کوئی

شخص حل کر سکتا ہے تو وہ صرف وہی امیر باتدبیر (مہابت خاں) ہے کوئی دوسرا نہیں۔ دارا شکوہ بس لاہور پہنچ رہا ہے لاہور میں خزانہ کی کمی نہیں ہے۔ اور آدمی اور گھوڑے کابل میں بکثرت ہیں اس موقع پر مہابت خاں جیسا بہادر جس کی ہیبت سے زمانہ لرزاں ہے، شاہجہاں کی طرح گوشہ نشین بیٹھا رہے تو ہزار تعجب ہے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ بہادر آراستہ لشکر لے کر عزیمت کرے اور جلو ریز لاہور پہنچ کر دارا شکوہ بابا کی مدد و رفاقت کرے اور ان دونوں نابرخورداروں کو جزائے اعمال پر پہنچانے کی سعی کرے اور صاحب قران ثانی قیدی کو اس قید سے چھٹکارا دلائے پھر دیکھے کہ نیک نامی جو گنج قارون اور دنیاوی اعزاز و مراتب سے بڑھ کر ہے کس قدر زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ شعر

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میں نے فرزند ارجمند کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ خود کو تمہارے سپرد کر دے اور اس سپہ سالار کی اطاعت میں ہی اپنی فلاح و بہبود اور میری رہائی کو مضمر سمجھے، مکرر تحریر ہے کہ دنیا ایک ناپائدار اور معمولی مقام ہے اس نے کسی سے وفا نہیں کی اور نہ کرے گی۔ صرف نیک نامی زمانہ کے صفحہ پر یادگار رہ جائے گی۔ مہابت خاں آخر کس طرح یہ پسند کرے گا، صاحب قران ثانی زندانی طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو اور وہ شخص جس نے ایک دنیا کو اپنے دام تزویر میں پھانس لیا ہے۔ تختِ خلافت پر فرماں روائی کرنے لگے اس وقت اگر اس عمدۃ الملک نے اغماض سے کام لیا تو پھر کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور اس کا دامن۔"

شہزادہ مُراد بخش کی گرفتاری

مراد بخش کی سادہ لوحی اب ہم محمد مراد بخش کی گرفتاری کے متعلق چند ضروری باتیں تحریر کرتے ہیں۔

شاہزادہ مراد بڑی پسندیدہ صفات کا مالک تھا، مگر تھا سادہ لوح، مغلوں کی بڑی رعایت کرتا تھا اور ان کی خطا بخشی کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ صفائے باطن اور حسنِ عقیدت کی وجہ سے اس نے بزرگوں کے اس قول پر کہ " دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے "۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دل فریب وعدوں اور نقد و جنس کی صورت میں ملنے والے تحائف وہدایا سے دھوکہ کھا گیا جو لڑائی سے پہلے اور فتح کے بعد محض عاریتًا بطور امانت دیئے جا رہے تھے۔ وہ ان تحائف پر ریجھ گیا اور ملک شعبدہ بازکی بازیگریوں سے بالکل غافل، سلطنت کی آرزوں کو دل میں سجائے سلاطین کی سج دھج میں مگن بیٹھا رہا۔ اس کے دل میں قطعًا بھائی کی طرف سے عہد شکنی کا گمان تک پیدا نہیں ہوا اگرچہ بعض خیر خواہ برابر اسے زمانہ کی نیرنگیوں کی طرف توجہ دلاتے رہے اور وارثانِ ملک کے ساتھ ماضی میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا حوالہ دیتے رہے مگر ان باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا چنانچہ وہ گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ بے محابا بھائی کے پاس خلوت میں جاتا رہا۔

اندیشے اور بدگمانیاں ایک دن جب کہ وہ بھائی کے پاس جانے کے ارادہ سے سوار ہو رہا تھا۔ ایک سفید ڈاڑھی والے معمر شخص نے جو قدیم الخدمت مقرب تھا اور نیک خصلتی اور دانشمندی اور سیادت و صلاح میں شہرت رکھتا تھا۔ عرض کیا کہ میرے خواب بڑے سچے ہوتے ہیں۔ ان کی تعبیر ہمیشہ درست ثابت ہوئی ہے۔ میں نے عالمِ رویا میں بارہا جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ عہد و پیمان

پر ندامت وشرمندگی اٹھانے کی طرف دلالت کرتا ہے۔ محمد مراد بخش نے اس کی بات کو بھی خوشامدیوں کی بات جان کر منہ پھیر لیا اور خواجہ شہباز کی طرف کہ وہ بھی اس معاملہ میں دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ نصیحت کرتا رہتا تھا، متوجہ ہو کر کہا "ایسے بیہودہ کلمات کے کہنے اور سننے سے باہمی محبت اور عہد وقرار میں فرق پڑ جاتا ہے۔

مراد بخش دام میں

مختصر یہ کہ ۴ شوال کو جب کہ لشکر نے اکبرآباد سے بیس کوس پر متھرا کی منزل میں قیام کیا تھا۔ پڑاؤ کے پہلے ہی دن حسن تدبیر سے کہ تقدیر بھی موافق تھی۔ محمد مراد بخش کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی۔ اسی رات چار ہاتھیوں پر پردہ دار ہودج بندھوائے اور ہر ہاتھی کے ساتھ فوج کا ایک ایک دستہ دو دو نامی سرداروں کے ساتھ مقرر کر کے ان کو چار مختلف سمتوں پر بھیجنے کی شہرت دیدی۔ جو ہاتھی سلیم گڑھ کے قلعہ کی طرف شیخ میر اور دلیر خاں کے ہمراہ روانہ کیا گیا تھا۔ اسی میں اس مجبور قیدی کو بٹھا دیا گیا تھا۔ یہ چار ہاتھیوں کا انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ مغل سرداروں اور مراد کے دوسرے ہوا خواہوں کی توجہ بٹ جائے اور وہ اس خاص ہاتھی پر زیادہ توجہ نہ دے سکیں جس میں وہ خاص قیدی جانے والا تھا۔ گرفتاری کے بعد مراد بخش کا تمام خزانہ سارا ساز وسامان ضبط کر لیا گیا ؎

بہ تدبیر شائستہ ہشیار مرد\
کند آنچہ نتواں بہ شمشیر کرد

محمد مراد بخش کے رفیق ابراہیم خاں ولد علی مردان خاں سید فیروز خاں بارہہ اور اس کا قدیم ملازم علی قلی خاں بھی حاضر خدمت ہو کر باریاب ہوئے۔

ابوالمظفر

محی الدین اورنگ زیب بہادر

عالمگیر بادشاہ غازی

عالمگیر کی تخت نشینی کی رسم

عالمگیر دہلی کے قریب

جب سواری شاہجہاں آباد کے قریب پہنچی تو عرض کیا گیا کہ راجہ ٹوڈر مل ثانی نے جو سرکار سہرند کے خالصہ کا متصدی تھا۔ داراشکوہ کے پہنچنے کی خبر سُن کر تمام خزانہ کو جو اس کی تحویل میں تھا، زمین میں دفن کر دیا اور تھوڑا بہت سونا جسے وہ لے جا سکتا تھا ہمراہ لے کر سوالک کے جنگل میں فرار ہو گیا ہے۔ جب داراشکوہ سہرند پہنچا تو اس نے اس علاقہ کے زمینداروں کو پکڑ کر سختی کی اور ان کی رہنمائی میں مدفون خزانہ نکال کر قبضہ میں کر لیا۔ اب وہ جس جگہ سے بھی پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتا ہے کشتیوں کو توڑ کر جلا دیتا ہے اور غرق کرا دیتا ہے اور آگے کی طرف نکل جاتا ہے۔ داؤد خاں کو اس نے چند ہزار سواروں کے ساتھ تلون ندی کے گھاٹ پر، جو مرکزی گذرگاہ ہے مقرر کر دیا ہے اور اب ساری ندیاں بھی طغیانی پر آگئی ہیں۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ داراشکوہ نے لاہور پہنچنے کے بعد وہاں کے خزانہ کا تقریباً ایک کروڑ روپیہ اور بادشاہی کارخانے اور امراء کے ساز و سامان کو ضبط کر لیا اور اب فوج کی فراہمی اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہے۔

پہلا جشن جلوس

ان خبروں کو سننے کے بعد عالمگیر دارالخلافہ میں داخل نہیں ہوا اور ۱۹ شوال کو باغ آعزآباد کے کنارے جو اب شالامار باغ کے نام سے مشہور ہے کیمپ لگا دیا۔ اور بہادر خاں و خلیل اللہ خاں کو تجربہ کار امراء کی ایک جماعت کے ساتھ ہراول کے طور پر داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ پھر پہلی ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ کو بروز جمعہ نماز جمعہ کے بعد جب کہ سورج درجۂ دہم میں تھا، تخت نشینی کا جشن منعقد کیا اگرچہ اس وقت تک خطبہ و سکہ کا اجراء نہیں ہوا تھا۔ خوشی کے شادیانے بجائے گئے مبارکبادیاں

دی گئیں اور غلغلۂ مسرت ہر طرف سے بلند ہونے لگا۔ ؎

چو خلد برین بزم آراستند — برقص آسمانہا ز جا خاستند
در عیش جاوید کردند باز — برامش گری زہرو برداشت ساز
چو گل عالمی را ز عیش و طرب — فراہم نمی آمد از خندہ لب

تخت نشینی کا مادۂ تاریخ

تمام سلاطین اور امرائے نامدار نے نذر نذرانے گذرانے زر و جواہر کے تھال بادشاہ کے سر پر سے نچھاور کئے گئے ارباب طرب کو حاجت مندوں کو صلحاء و شعراء کو سونا چاندی انعام میں دیا گیا شاہانہ بخشش واحسان سے مستحقوں نے اپنے دامن بھر لئے۔ تخت نشینی کی تاریخ ۔ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" سے نکالی گئی جو بادشاہ نے بہت پسند کی اس کے علاوہ "شہنشاہ فلک اورنگ" اور "سزاوار سریر بادشاہی" سے بھی تاریخ نکالی گئی۔ تخت نشینی کے دوسرے تمام لوازمات لقب خطبہ و سکہ اور امراء و سلاطین کے ساتھ عنایات وغیرہ کو بادشاہ نے دوسرے سن جلوس پر ملتوی کر دیا۔ البتہ بادشاہزادہ محمد اعظم کو دس ہزاری چار ہزار سوار کا منصب اور نقارہ اور دوسرے مراتب عطا کئے۔

داراشکوہ اور سلیمان شکوہ کی ناکہ بندی

خلیل اللہ خاں کو حکم ہوا کہ وہ بسرعت تمام جا کر تمام گھاٹوں اور گذرگاہوں سے داراشکوہ کی فوج کی رکاوٹوں کو دور کر دے اور کشتیوں وغیرہ کو اپنے تصرف میں لے لے اور عبور کے قابل گھاٹوں پر قبضہ کر کے وہاں کشتیوں کو جمع کر لے۔

انہی دنوں اطلاع ملی کہ سلیمان شکوہ، گنگا کو عبور کر کے ہردوار کے راستہ سے باپ کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سلیمان شکوہ کا راستہ روکنے کے لئے امیر الامراء لودھی خاں اور فدائی خاں کوکہ کو مامور کیا گیا۔

۷ ذی قعدہ لاہور کے راستہ پر پیش خانہ لگانے کا حکم دیا گیا۔ اور شیخ میر زندہ لم خاں اور چند تجربہ کار امراء کو آگے روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد عالمگیر نے داراشکوہ کے تعاقب کے لئے دہلی سے کوچ کر دیا۔

جعفر خاں کے منصب میں اضافہ کر کے اسے چھ ہزاری پانچ ہزار سوار پر ترقی دی اور صوبہ مالوا پر اس کا تقرر عمل میں آیا اور اس کے ساتھ نیا نیا وزیر کا عہدہ بھی اس کو دیا

گیا۔ ابراہیم خاں ولد علی مردان خاں نے اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس لئے اس کو پانچ ہزار روپیہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔

کرنال کی منزل میں بہادر خاں اور دوسرے امیروں کی عرض داشتیں پیش ہوئیں کہ دشمن کی فوج کو دریا کے گھاٹوں پر سے بھگا دیا گیا ہے۔ اور شاہی لشکر نے آسانی سے دریا کو عبور کر لیا ہے۔

سلیمان شکوہ کی مشکلات

اسی اثناء میں جاسوسوں نے خبر دی کہ سلیمان شکوہ ہردوار کی سرحد میں داخل ہو گیا تھا مگر شاہی امراء کی آمد کی خبر سن کر وہ اب سری نگر کے جنگل کی طرف نکل گیا مگر اس کے خلاف توقع وہاں کے زمینداروں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس کے اکثر رفیق اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اب وہ حضور والا میں حاضر ہونے والے ہیں اس نے سری نگر کے زمیندار سے کہا تھا کہ وہ اپنے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو جدا کر کے صرف اہل و عیال اور مال و اسباب کے ساتھ کوہستان میں رہنا چاہتا ہے مگر اس کے ہمراہیوں نے جواب پانچ سو سواروں سے زیادہ نہیں ہیں اسے وہاں ٹھیرنے نہیں دیا اور اسے وہاں سے الہ آباد کی طرف نکال لاتے ہیں۔ اس کا اتالیق باقی بیگ جس کا خطاب بہادر خاں تھا بیمار ہو جانے کے سبب الہ آباد نہیں پہنچ سکا اور ایک جمعیت کو لے کر اس سے علیحدہ ہو گیا اور راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔

سلیمان شکوہ بڑی مشکلات میں گرفتار ہو گیا تھا اس کی اور اس کے باپ کی قسمت ایسی پھوٹی تھی کہ کوئی جائے پناہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اب اس کے ساتھ دو سو سواروں سے زائد جمعیت بھی نہیں رہی تھی۔ ناچار وہ دوبارہ سری نگر کے زمیندار کے ہاں پناہ لے کر گیا۔ راستہ میں جب اس کا گذر "بیگم صاحب قدسیہ" کی جاگیر پر سے ہوا تو اس نے بیگم کے محالات کے کروڑی سے زبردستی دو لاکھ روپیہ لے لیا۔ جاگیر کو لوٹ لیا اور اسے قید کر کے اپنے ساتھ لیتا گیا اور آخر اسے قتل کرا دیا۔ کچھ آگے جانے کے بعد بقیہ آدمیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب اس کے رکاب میں محمد شاہ کوکہ اور چند شاگرد پیشہ کے آدمی اور ذاتی خدام رہ گئے تھے۔ سری نگر کے زمیندار نے زر و جواہر کی طمع میں اس کا استقبال کیا اور اسے قلعہ میں ٹھیرا دیا بلکہ نظر بند اور محبوس کر دیا۔

جب یہ اطلاعات ملیں تو عالمگیر نے امیر الامراء کو جسے اس کا راستہ روکنے کے لئے

بھیجا تھا حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کو حضور میں روانہ کر دے اور خود محمد سلطان کے پاس اکبر آباد چلا جائے۔

داراشکوہ لاہور میں

داراشکوہ نے لاہور پہنچنے کے بعد فوج جمع کرنے اور وہاں کے باشندوں کی دل جوئی کرنے کے انتظامات کئے اور وہاں کے زمینداروں اور فوج داروں سے عہد و پیمان کر کے لشکر فراہم کر لیا مگر سے

کسے را کہ ایزد کند یاوری　　　　کہ آرد کہ با او کند داوری

ز دارندہ نتواں ستد بخت را　　　　نہ شاید خرید افسر و تخت را

اطلاع ملی کہ اس نے کوئی بیس ہزار سوار جمع کر رکھے ہیں۔

شجاع کی تیاریاں

داراشکوہ نے بنگال میں شجاع کے پاس ایک خط اور عہد نامہ بھی روانہ کیا جس میں اسے اتحاد کی دعوت دی اور کلام اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ (اورنگ زیب پر) فتح پانے کے بعد ملک کو باہم تقسیم کریں گے شجاع اس عہد نامہ کے فریب میں آگیا۔ حالانکہ اس سے پہلے عالمگیر (خلد مکاں) کی طرف سے بھی شجاع کے پاس عہد و پیمان سے متعلق خط جا چکا تھا مگر اس نادان نے لشکر فراہم کرنے اور داراشکوہ کی مدد پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور چند ہی دن بعد جہانگیر نگر سے ایک باقاعدہ فوج اور بڑا توپ خانہ لے کر نکلا۔

داراشکوہ نے لاہور میں تخت نشینی کا جلوس منعقد کرنے اور سکہ و خطبہ جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر عالمگیری افواج کی پیش قدمی اور دبدبہ کی وجہ سے یہ تقریب ملتوی کر دی بہت جلد یہ نوبت ہو گئی کہ بڑے بڑے زمینداروں اور نامی گرامی فوج داروں نے جب داراشکوہ کی بدنصیبی اور نئے بادشاہ کے بڑھتے ہوئے اقبال کو دیکھا تو وہ بھی اس سے کترانے لگے۔

راجہ جسونت اور اس کی بیوی

راجہ جسونت بادشاہ کے مقابلہ پر سے فرار ہو کر وطن چلا گیا تھا مگر وہاں اس کی جان بڑی عذاب میں تھی کیونکہ بعض عورتیں خاص طور سے راجپوت عورتیں مردوں سے کچھ زیادہ ہی غیرت مند ہوتی ہیں اس لئے وہ عزت کے لئے آگ میں جل جانے سے بھی نہیں ڈرتیں۔ جسونت جب گھر پہنچا تو اس کی بڑی بیوی جو راجہ چھتر سال کی لڑکی تھی شوہر کو برا بھلا کہنے لگی۔

یہاں تک کہ اس نے اس کا بستر بھی چھوڑ دیا اور ہمیشہ اسے وہ طعنے دیتی رہتی تھی جسونت اور اس کی بیوی کے بہت سے قصے لوگوں کی زبان پر ہیں، ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ آخر راجہ اس صورتِ حال سے تنگ آ گیا اور وطن سے نکل کھڑا ہوا پھر اس نے اپنے جرائم کی معافی کے لئے ایک عریضہ بادشاہ کے پاس بھجوایا اور خدمت شاہی میں حاضر ہو گیا عالمگیر نے اسے خلعت ہاتھی، تلوار، جمدھر کے اعزاز دیئے اور اس کا منصب بحال کر دیا۔ مگر سواروں کی تعداد کم کر دی۔

داراشکوہ کا لاہور سے فرار

داراشکوہ نے جو نیا لشکر مرتب کیا تھا وہ بھی بادشاہی فوج کی آمد آمد کی دہشت سے متفرق ہو گیا آخر وہ برگشتہ بخت تین چار ہزار سواروں اور مختصر سے توپ خانے کے ساتھ ٹھٹہ اور ملتان کے راستہ سے فرار ہو گیا۔ بادشاہی فوج کے راستہ میں جو گھاٹ پڑتا تھا اس پر اس نے داؤد خاں کو مقرر کر دیا کہ چند دن تک وہ بادشاہی فوج کو روک رکھے بعد میں کشتیوں کو جلا کر اور غرق کر کے اس کے پاس آ جائے۔

داراشکوہ کے جاتے ہی طاہر خاں دوسرے بادشاہی عملہ کے ساتھ لاہور میں داخل ہو گیا اور داراشکوہ کے تصرف کے بعد جو مال و اسباب بچا تھا اس پر قبضہ کر لیا اس علاقہ کا بڑا زمیندار راجہ راج روپ بھی داراشکوہ سے جدا ہو کر راجہ جے سنگھ اور خلیل اللہ خاں سے آ کر مل گیا، اس کو حضور میں پیشی کے لئے بھیج دیا گیا۔

میر جملہ کی رہائی

دکن کی عرض داشت پر عالمگیر نے بادشاہزادہ محمد معظم کو لکھا کہ معظم خاں عرف میر جملہ کو جسے مصلحتاً دولت آباد میں مقید رکھا گیا تھا رہا کر کے دربار میں روانہ کر دیں۔ بادشاہ نے راجہ جسونت کے خطاب "مہاراجہ" کو بحال کرنے کی درخواست منظور نہیں کی تھی اور وہ لشکر کے ساتھ اس کی ہمراہی سے مطمئن بھی نہیں تھا۔ اس لئے اسے دارالخلافہ شاہجہان آباد (دہلی) کی حفاظت کے لئے رخصت کر دیا۔

بادشاہی لشکر تعاقب میں

بادشاہی لشکر نے ۵ ذی الحجہ کو دریائے ستلج کو عبور کیا۔ کشتیاں تو نہیں ملی تھیں اس لئے پل باندھا گیا اور لشکر نے بوقت تمام دریا کو کوئی دس مقام سے عبور کیا۔ دریا پار کرنے کے بعد زائد از ضرورت

اسباب اور کارخانوں کو شاہزادہ محمد اعظم کے سپرد کر دیا گیا، جو جریدہ لاہور جا رہا تھا۔ اب شاہی لشکر بہت سبک بار ہو گیا تھا۔ ضروری انتظامات کرنے کے بعد عالمگیر داراشکوہ کے تعاقب میں تیزی سے روانہ ہو گیا۔

راجہ جے سنگھ ایک سال سے برابر رکاب شاہی کے ہمراہ تھا اور بڑی عسرت اور بے سروسامانی سے بسر کر رہا تھا اس کو بادشاہ نے وطن جانے کی رخصت دے دی اور خود طویل کوچ کرتے ہوئے مسافت طے کرنے لگا۔

داراشکوہ نے ملتان پہنچنے کے بعد زیادہ توقف نہیں کیا اور بیکر کی طرف چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ روز بروز اس کی جمعیت میں تفرقہ پڑتا جا رہا ہے۔ داراشکوہ کا خزانہ اور مال و اسباب فیروز میواتی کی حفاظت میں کشتی کے ذریعہ دریا کے راستہ پہنچا تھا۔ حاجی خاں بلوچ نے کشتی پر حملہ کر کے کچھ حصہ لوٹ لیا اور جو نہ لے جا سکا اسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس خبر کو سننے کے بعد بادشاہ نے میر منزل کو حکم دیا کہ لشکر کو زحمت سے بچانے کے لئے اب مختصر کوچ کئے جائیں۔

اوائل محرم ۱۰۶۹ھ میں ملتان سے قریب راوی کے کنارے چھاؤنی لگائی گئی خلیل اللہ خاں وغیرہ داراشکوہ کے تعاقب پر گئے ہوئے تھے وہ داراشکوہ کے دو تین امیروں کو جن میں غیرت خاں بھی تھا اپنے ہمراہ لے آئے۔ بادشاہ نے ان کو باریاب کیا اور اعزاز عطا کیا اور شیخ میر اور صف شکن خاں کو ایک جمعیت دے کر داراشکوہ کے تعاقب میں بھیجا۔ شاہنواز خاں کو مصلحتاً قلعہ ارک برہان پور میں نظر بند رکھا تھا، اس کی رہائی کا بھی حکم بھیجا اور ہزاری منصب ہزار سوار کے اضافہ کے ساتھ عنایت کر کے اسے احمد آباد کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا۔

شہزادہ محمد شجاع مقابلہ پر

محمد شجاع کی پیش قدمی مشرقی ہند کے خبر نویسوں نے اطلاع دی تھی کہ محمد شجاع پچیس ہزار اور ایک بڑا توپ خانہ لے کر بنگالہ سے مقابلہ پر نکل آیا ہے جب مکرر یہ اطلاعات آنے لگیں تو بادشاہ نے پہلے اس ناعاقبت اندیش

بھائی کی سرکوبی ضروری سمجھی اور داراشکوہ کا تعاقب چھوڑ کر ۱۲ محرم ۱۰۶۹ھ کو دارالخلافہ کی طرف واپسی کا حکم دیدیا۔ اور کوچ بہ کوچ لاہور پہنچنے کے بعد شہر میں بادشاہ ہاتھی پر سوار داخل ہوا اور قلعہ لاہور کا اندر سے معائنہ کرنے کے بعد باغ فیض بخش میں قیام کیا۔

آخر محرم کو لاہور سے روانگی ہوئی ۔ ۱۸ ربیع الاول کو بادشاہ قلعہ شاہجہاں آباد میں داخل ہوا۔ یہاں اطلاع ملی کہ محمد شجاع بنارس پہنچ چکا ہے بنارس پر داراشکوہ کا مقرر کردہ قلعدار رام داس تھا اُس نے اس کے اشارہ پر قلعہ کو شجاع کے آدمیوں کے سپرد کردیا۔ اسی طرح چنیا پور کا قلعہ دار سید عبدالجلیل بارہہ اور الہ آباد کا نگران سید قاسم بھی اس سے مل گئے اور شہر اور قلعہ اس کے حوالہ کر دیا۔ اس خبر کے ملتے ہی عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان کو حکم دیا کہ وہ امیرالامراء کو اکبرآباد میں چھوڑ کر خدمت شاہی میں حاضر ہو جائے۔ دو ایک فرمان شاہزادہ اور ذوالفقار خاں کے نام آیا کہ اکبرآباد کا قلعہ رعد انداز خاں کے سپرد کر کے ایک کروڑ روپیہ اور ایک لاکھ اشرفی اکبرآباد کے خزانہ سے لے کر دونوں ہمارے پہنچنے سے پہلے الہ آباد پہنچ جائیں ۔ خان دوراں قلعہ الہ آباد کی تسخیر کے لئے جاچکا تھا اس کو فرمان ملا کہ وہ شاہزادہ کے استقبال کے لئے فوجیں لے کر جلد پہنچ جائے۔

جشن سال گرہ

سات ربیع الثانی کو اکتالیسویں شمسی سال کا جشن وزن (سال گرہ) منعقد ہوا انعامات و اعزازات سے دور و نزدیک کے سب لوگ فیض یاب ہوگئے۔ ہزاروں آدمیوں نے سالہا سال کا اندوختہ جمع کرلیا۔

خان خاناں نجابت خاں صاحب قرآں کے چچازاد بھائیوں میں سے تھا۔ اس نے دونوں لڑائیوں میں بڑی نمایاں خدمت انجام دی تھیں اور اب اپنے کارناموں اور خدمات کے صلہ میں کچھ حد سے زیادہ توقعات اور مطالبات کر رہا تھا یہ بات بادشاہ کی گرانی طبع کا باعث ہوئی کچھ دن پہلے بادشاہ نے نجابت خاں کے ایک دوست اور مصاحب معمور خاں کو اس کے پاس بھیجا تھا اور نصیحت آمیز پیغام کہلوایا تھا۔ معمور خاں سفیر بھی تھا اور نجابت خاں کا دوست بھی اس لئے اس نے خلوت میں یہ پیغام قدرے تندی اور تلخی کے ساتھ دیا۔ اور اس کے ملال مثول پر دو چار باتیں اپنی طرف سے بھی کہدیں نجابت خاں اس کے انداز گفتگو کو برداشت نہ کرسکا اور اچانک مسند پر سے تلوار کھینچی اور اس کی کمر پر

ایسا وار کیا کہ غریب کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس جسارت پر بادشاہ نے نجابت خاں کو معتوب اور منصب سے برطرف کر دیا تھا اور مجرا سلام کی ممانعت کر دی تھی۔ چند دن بعد اس جشن وزن کے موقع پر بادشاہ نے اس کے قصور معاف کر دیئے، خلعت عطا کی اور منصب پر بحال کر دیا۔ داؤد خاں دارا شکوہ سے جدا ہو کر آیا تھا اسے بھی چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب اور دوسری عنایات سے نوازا گیا۔

شجاع بنارس میں

۱۸ ربیع الاول کو دہلی سے مشرق کی طرف کوچ ہوا۔ جب اٹاوہ کے قریب سواری پہنچی تو معلوم ہوا شہزادہ اور ذوالفقار خاں حسب الحکم کھجوہ کے قریب پہنچ کر مقابلہ کے لئے حکم شاہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ محمد شجاع نے بنارس کے صرافوں سے قرض کے نام سے زبردستی تین لاکھ روپیہ وصول کئے اور بنارس سے مقابلہ کے لئے نکل آیا۔ خسرو نامی ایک افسر کو اس نے جون پور کی تسخیر کے لئے بھیج دیا تھا۔ جون پور کا حاکم مکرم خاں چند دن تک محصور رہا پھر بدحواس ہو کر قلعہ سے نکل آیا اور شجاع سے مل گیا۔ اس اثناء میں میر ابوالمعالی جو مصلحتاً چند دن تک شجاع سے مل گیا تھا۔ موقع پا کر حضور میں آ گیا بادشاہ نے اسے تیس ہزار روپیہ تین ہزاری منصب خلعت اور ہاتھی عطا کیا۔

میر جملہ کی دکن سے آمد

عالمگیر نے حضرت سید بدیع الدین عرف شاہ مدار کے مزار کی زیارت کی اور درگاہ کے لئے دس ہزار روپیہ کا نذرانہ دیا اور وہاں سے کوچ کر دیا۔ جب کھجوہ کے قریب منزل ہوئی تو شاہزادہ محمد سلطان خدمتِ شاہی میں حاضر ہوا۔ اسی جگہ معظم خاں (میر جملہ) دکن سے طول طویل مسافت طے کر کے سامان جنگ کے ساتھ حاضر بارگاہ ہوا۔ بادشاہ نے اس پر بڑی عنایات کیں۔ اور اس کی تجویز کے مطابق فوج بندی کا حکم دیا۔ چونکہ معظم خاں اس وقت جریدہ پہنچا تھا لاؤ لشکر اور سامان تجمل ساتھ نہ تھا۔ بادشاہ نے اسے چند گھوڑے دو ہاتھی اور خیمہ گاہ اور دوسری ضروریات مرحمت فرمائیں۔

بادشاہی فوج کی صف بندی

ہراول پر شاہزادہ محمد سلطان کا تقرر ہوا سید مظفر خاں بارہہ، سید نجابت خاں بارہہ، ارادت خاں، ہر سنگھ راٹھور، قزلباش خاں شاہزادہ کی رکاب میں مقرر ہوئے۔ ذوالفقار خاں۔ چند نامی امیروں کے ساتھ شاہزادہ کے مقدمہ پر متعین ہوا۔ راجہ جسونت دوسرے اور راجاؤں کے ساتھ

میمنہ پر مامور ہوا۔ محمد اعظم کی فوج کو خان دوراں، مراد خاں اور تجربہ کار امراء کے ساتھ میسرہ پر لگایا گیا۔ اسلام خان، احتشام خاں اور چند کار کرد افسروں کو "طرح فوج" پر مامور کیا گیا۔ چنداول (عقب) پر خواص خاں اخلاص خاں کو احدیوں اور افغانوں کی جمعیت کے ساتھ لگایا گیا۔ معظم خاں کو اس کے بیٹے محمد امین خاں اور دوسرے چند جاں نثار عقیدت مندوں کے ساتھ اپنی سواری کے ہمراہ قول (قلب) میں جگہ دی۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کو جو لوہے فولاد میں غرق تھے ہتھیاروں اور سامان جنگ کے ساتھ توپ خانہ کے پیچھے متعین کیا اور تمام سرداروں کو بھی ہاتھی دیئے گئے۔ بادشاہ سلامت اور شاہزادوں کے دائیں بائیں بہادر خاں داؤد خاں، راجہ سبھا سنگھ، کنور رام سنگھ اور دوسرے بہادر سردار متعین ہوئے۔ شاہزادہ محمد اعظم کو اپنی خاص عماری میں جگہ دی۔ بادشاہی لشکر ایسا آراستہ پیراستہ تھا کہ حدِ نظر تک فوج کے دستے پھیلے ہوئے تھے اور ہاتھی کھڑے جھوم رہے تھے اور سامان جنگ پر سورج کی کرنیں چکاچوند پیدا کر رہی تھیں۔ لشکر کی مجموعی تعداد نوّے ہزار تھی ؎

زمیں از چرخ وسعت قرض می کرد ز ماد شور محشر عرض می کرد
کہ نقش سایہ بردوش ہوا بود چناں از جوش لشکر قحط جا بود
بماندی بر سناں نیزہ داراں اگر سیماب باریدی چو باراں

شجاع کا لشکر شجاع نے بھی اپنی فوج کی صف بندی کر لی تھی اپنے بیٹے بلند اختر کو جو بہادری میں اپنے بڑے بھائی پر فوقیت رکھتا تھا، سید عالم بارہہ اور تجربہ کار امیروں کے ساتھ ہراول پر مقرر کیا تھا۔ بلند اختر کی ہراولی شیخ ولی قرلی کر رہا تھا بڑے بیٹے زین الدین کو میمنہ پر مقرر کیا اور حسین خویشگی کو اس کا ہراول بنایا۔ میسرہ پر مکرم خاں صفوی، سید راجی اور چند دوسرے امیر مقرر تھے شیخ ظریف ایک فوج کے ساتھ "طرح" (حاشیہ کی فوج) پر مقرر ہوا۔ یلنتش پر اسفندیار معموری متعین تھا۔ توپ خانہ کا کمان دار ابوالمعالی میر آتش مقرر کیا گیا۔ اپنے دیوان میر علاءول کو چنداول اور محمد قلی ازبک کو قراول پر متعین کیا۔ قلب میں شجاع کے ساتھ اللہ وردی خاں بن نذر محمد خاں، عبدالرحمٰن خاں اور دوسرے بہادر امیر تھے۔

حملہ کا قطعہ تاریخ جب ۱۰ ربیع الثانی کو عالمگیر بادشاہ حملے کے ارادہ سے سوار ہوا تو مشہور زمانہ شاعر روشن ضمیر نے جو فارسی نظم و نثر اور

ہندی شاعری میں امیر خسرو ثانی تھا۔ تاریخ کہی اور خدمت میں پیش کی۔ ؎

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا | پیوستہ ترا تاج بہ تارک بادا
جستم ز پئے شگون فتحت تاریخ | دل گفت شود فتح مبارک بادا

توپوں کے دہانے کھل گئے

بادشاہ کو یہ قطعہ بہت پسند آیا۔ پانچ ہزار روپیہ روشن ضمیر کو عطا کیا۔

جب انتظامات مکمل ہو گئے تو عالمگیر بڑی تمکنت و وقار کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوا اور نہایت اطمینان و آہستگی سے کوچ عمل میں آیا تاکہ فوج کی تنظیم و ترتیب میں خلل نہ پڑے۔ دوپہر میں دو تین کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سہ پہر کو دشمن کی فوج سے نصف کوس کے فاصلہ پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ شجاع کی فوج پر بادشاہی لشکر کا ایسا رعب پڑا کہ اس نے پہل کرنے اور حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی اس دن دونوں طرف سے بس گولہ باری ہوتی رہی جس کا سلسلہ شام تک جاری رہا۔ دونوں طرف سے کوئی حملہ نہیں کیا گیا۔ وہ رات دونوں لشکروں نے بڑی احتیاط کے ساتھ بسر کی۔

شجاع کا توپ خانہ بادشاہی توپ خانہ کے مقابل قدرے بلندی پر واقع تھا۔ معظم خاں نے جو خود کو جنگی چالوں کا ماہر سمجھتا تھا۔ راتوں رات چالیس توپوں کو مقررہ مقام سے ہٹا کر ایک دوسری جگہ دشمن کے مقابلہ پر نصب کرا دیا۔ اور وہ رات اس نے لشکر کی نگہداشت اور نگرانی میں بسر کی۔ بادشاہ سلامت نے بھی اس رات کا تہائی حصہ اپنے چھوٹے خیمہ میں عبادت اور اوراد و وظائف میں گذارا اور اللہ سے فتح و ظفر کی دعائیں کرتے رہے۔

راجہ جسونت کی سازش

رات کے چوتھے پہر لشکر میں بڑا ہنگامہ اور شور و غل برپا ہوا۔ راجہ جسونت سنگھ شاہی لشکر کے ہمراہ تو تھا مگر اس کے دل میں بڑا بغض اور نفاق بھرا ہوا تھا۔ اول روز سے ہی فرار اور بزدلی کی رسوائی اس کے ماتھے کا ٹیکہ بن گئی تھی۔ اس نے رات کے پہلے حصہ میں اپنے ایک محرم راز کو شجاع کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ " میں رات کے آخر میں شب خون مار کر لشکر کو تباہ کرتے ہوئے فرار ہو جاؤں گا۔ جب بادشاہ کو اس حادثہ کی اطلاع ہو گی تو وہ لازماً میرے تعاقب میں آئے گا بس اس وقت تم اپنے بہادر سواروں کو لے کر بادشاہی لشکر پر

حملہ کردینا۔" اس سازش کے مطابق جب کہ چار پانچ گھڑی رات رہ گئی تھی جسونت
دوسرے راجپوت سرداروں کو لے کر جن میں رام سنگھ راٹھور، مہاس رہیں داس،
وغیرہ شامل تھے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ جسے اس نے وفاداری اور جاں نثاری
کے بہانے جمع کرلیا تھا۔ لشکر سے لوٹ مار کرتے روانہ ہوگیا۔ امیروں کے اور بادشاہ
اور بادشاہ زادوں کے بہیر بنگاہ پر اس نے حملہ کرکے لوٹ مار مچادی جس نے بھی
مزاحمت کی راجپوتوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خاص طور سے ان لوگوں نے
شاہزادہ محمد سلطان کے بہیر اور فوجی ذخیروں کو بہت زیادہ تباہ و تاراج کیا۔ ان
بدطینت راجپوتوں کی دست برد سے لشکر کا کوئی بھی چھوٹا بڑا خیمہ نہیں بچ سکا۔
انھوں نے شاہزادہ کے تمام خزانہ اور توشک خانہ کو جسے دن ہی میں ان لوگوں نے
دیکھ بھال کر تقسیم کر رکھا تھا بری طرح لوٹ لیا اور شاہزادہ کی فوج کے اکثر آدمیوں
کے مال و ناموس کو پامال کردیا۔ بلکہ اس رات ان کی دست درازیاں خود بادشاہ
سلامت کے خزانۂ خاص اور کارخانوں تک پہنچ چکی تھیں اور وہ شاہی اصطبل کے
جانوروں تک کو لوٹنے پر آگئے تھے۔ خیمہ شاہی کے اطراف و اکناف کا کوئی خیمہ ان کی
لوٹ مار سے محفوظ نہیں رہا تھا۔

عالمگیر کی پامردی اور استقامت

لوگوں کو اس ہنگامہ کے اصل سبب کا پتہ کافی دیر تک نہ چل سکا۔ ہر شخص اٹکل پچو قیاس کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ پورے لشکر میں اس اچانک حملہ سے بڑا انتشار اور افراتفری پیدا ہوگئی۔ بہت سے لوگ بے حوصلہ ہوکر حملہ آوروں کے ساتھ ہی لشکر سے نکل گئے۔ ایک جماعت جنگل کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی، کچھ لوگ دشمن کے لشکر میں جا نکلے اور مارے گئے۔
بڑے بڑے نامی امرا اپنے خیموں مال و اسباب اور اہل و عیال کی خبر لینے کے لئے
رکاب شاہی سے نکل بھاگے۔ جب مخلص اور وفاکیش آدمیوں کا یہ حال تھا تو پھر منافق
قسم کے لوگوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر واہ رے بادشاہ کا استقلال اس ساری تباہی
و بربادی اور ہنگامہ آرائی کے باوجود اس باوقار بادشاہ کے پائے ثبات کو لغزش نہیں آئی۔
جب وہ کافر اپنا کام کرکے لشکر سے نکل گیا تو بادشاہ عمداً ہاتھی کی سواری چھوڑ کر
تخت رواں پر سوار ہوگئے تاکہ لوگوں پر بادشاہ کی ثابت قدمی کا اثر ہو اور وہ اپنی جگہ

نہ چھوڑیں۔ اس کے بعد عالمگیر نے رسزاول، ملٹری پولیس کے سخت گیر افسروں کو مقرر کیا کہ وہ تمام امیروں اور سرداروں کو جو ہاتھیوں اور گھوڑوں پر کوچ کے لئے سوار ہو گئے ہیں، روک دیں۔ کسی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے نہ دیں اور جو حکم کی خلاف ورزی کرے ذلت سے اس کی باگ کھینچتے ہوئے سامنے لاکر حاضر کر دیں۔

یہ عالمگیر کا ہی ظرف اور حوصلہ تھا کہ اس قیامت کے ہنگامہ میں وہ سنجیدگی اور وقار کی چٹان بنا ہوا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے رویہ میں تغیر اور سراسیمگی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں دکھائی دیا، بلکہ وہ یہ سارے احکامات نافذ کرتے اور تدبیریں کرتے ہوئے نہایت خوش دل اور بشاش نظر آ رہا تھا۔ کم حوصلہ لوگوں کی طرح نہ تو اس نے بے دماغی کا مظاہرہ کیا، نہ غیض و غضب ظاہر کیا، نہ اس کی زبان سے کوئی تند و تلخ فقرہ نکلا، بلکہ نہایت اطمینان مگر بڑے حکیمانہ انداز میں وہ انتشار کو دور کرنے اور پراگندہ جمعیت کو اکٹھا کرنے میں مصروف رہا۔ اس کی جگہ دوسرا کوئی ہوتا تو نہ معلوم بدحواسی میں کیا کچھ کر گذرتا، مگر عالمگیر نے اس واقعہ کو اپنے لئے نیک فال ہی تصور کیا۔ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا "اللہ کا شکر ہے اس ذریعہ سے دوست دشمن موافق و منافق کی پہچان ہو گئی، اور اس کسوٹی پر ہر ایک کا کھرا کھوٹا معلوم ہو گیا۔ اس لئے ہم تو اس واقعہ کو عطیۂ الٰہی اور وسیلۂ کامرانی سمجھتے ہیں اور جو کوتاہ اندیش منافق اس واقعہ کو غنیم کا غلبہ تصور کر کے اس کے لشکر میں چلے گئے ہیں، وہ اس کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔" بہر حال اس ہنگامہ میں بلا مبالغہ نصف سے زائد لشکر تباہ ہو گیا تھا اور اس میں سے بیشتر لوگ دشمن کی فوج سے جا کر مل گئے تھے۔

دونوں لشکر مقابل پر جب صبح ہوئی تو اطلاع ملی کہ وہ بدبخت کافر (جسونت) اکبر آباد کی طرف چلا گیا ہے۔ عقیدت مند امراء اور سردار سب بادشاہ کے رکاب میں حاضر ہو گئے۔ باقی ماندہ لشکر کو منظم کرنے عالمگیر اسی آن بان کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوا اس کے چہرہ مہرہ اور بشرہ سے قطعاً پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات کے واقعہ کا کوئی اثر اس کے دل پر ہے۔ مقررہ قاعدہ اور دستور کے مطابق سواری آگے بڑھی جسونت کی جگہ میمنہ پر اسلام خاں کو مقرر کیا اور از سر نو فوج کی ترتیب اور صف بندی کرائی اور معظم خاں کو حسب ضرورت تبدیلی کے اختیارات دیدیئے۔

ادھر شجاع نے بھی اپنی فوج کو از سرِ نو ترتیب دیا۔ بھائی کے لشکر سے بھاگ کر آنے والوں کی وجہ سے اس کی قوت کافی بڑھ گئی تھی۔ اس نے بھی از سرِ نو صف بندی کرائی اور ساری فوج کو ایک صف قرار دے کر ہراول کی جگہ توپ خانہ کو آگے بڑھا دیا اور اپنے لڑکے بلند اختر کے ساتھ خود قلب لشکر میں جگہ سنبھالی۔

جب چار پانچ گھڑی دن چڑھ گیا تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں، پہلے تو آتشیں بان چلے، توپیں سر ہوئیں اور گولے چھوٹے۔ خوفناک آوازوں سے زمین لرزنے لگی۔ بزدلوں کے دل چھوٹ گئے۔ مگر بہادروں کا ولولۂ شجاعت اور بڑھ گیا۔

زغریدن کوس خالی دماغ — زمیں لرزہ افتاد در کوہ و راغ
شد از برق کیں گرم بازار جنگ — ز غریدن اژدہائی تفنگ
وما دم زخوابیدن اشہبا — ہمی رفت دشمن بخواب فنا

اسی اثنا میں بادشاہی توپ خانہ سے ایک گولہ شجاع کے لشکر میں سلطان زین العابدین کے ہاتھی پر آکر پھٹا، مگر اس سے ہاتھی کو اور سوار کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ البتہ فیل بان کا ایک پاؤں اور عماری کے عقب میں بیٹھے ہوئے ایک اردلی کا پاؤں صاف اڑ گیا۔ اس حادثہ سے غنیم کی فوج میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی۔

آتش باری کے بعد تیر اندازی کا سلسلہ شروع ہوا تو دونوں طرف سے اس کثرت سے تیر چلے کہ بارش کا سماں بندھ گیا۔ ؎

زبس تیر باراں کہ آمد بجوش — نگند ابر بارانی خود ز دوش
بہ جنبش در آمد دو دریائی خون — شد از موج خونش زمیں لالہ گوں

سادات کا حملہ اور عالمگیر کی تیر اندازی

اس موقع پر شجاع کے لشکر سے سید عالم بارہہ تین مست جنگی ہاتھی لے کر نکلا اور بادشاہی میسرہ پر حملہ کر دیا۔ خوفناک ہاتھیوں اور سادات کے زبردست حملہ سے بادشاہی فوج کا بایاں بازو پسپا ہونے لگا اور اکثر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور بڑی افراتفری پیدا ہو گئی۔ دشمن کے اس غلبہ اور میسرہ کی ہزیمت کا اثر قلب لشکر پر بھی پڑا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی رکاب میں دو ہزار سوار سے زیادہ نہیں رہے۔ مخالف لشکر یہ صورت حال دیکھ کر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگا اور پھر اس نے ایک بھرپور حملہ بادشاہی دستہ پر کیا۔

اس موقع پر بھی عالمگیر بڑی ثابت قدمی اور بہادری کے ساتھ اپنی جگہ ڈٹ گیا اور اپنے آدمیوں کے حوصلے بڑھاتا رہا اور خود تیر کمان لے کر مخالف لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

عالمگیر کی دلیرانہ پیش قدمی

عین اس وقت میسرہ سے مرتضیٰ قلی خاں اور یلتمش سے بہادر خاں اور داہنے بازو سے حسن قلی خاں کمک لے کر پہنچ گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ دشمن کی اس یلغار کو روک لیا اور بادشاہ نے اپنا ہاتھی آگے بڑھا کر دشمن پر یورش کر دی۔ بادشاہ کو میدان کارزار میں مردانہ وار بڑھتے دیکھ کر بھاگتے ہوؤں کے پاؤں رک گئے۔ بے غیرتوں کی غیرت جوش مارنے لگی اور لوگ پلٹ کر اپنے بادشاہ کی سواری کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ اور جان توڑ کر دشمن پر حملے کرنے لگے۔

دلیران زکیں در ہم آمیختند بہم رستخیزی برانگیختند

خوفناک جنگی ہاتھی

اس دلیری اور جرأت کو دیکھ کر حملہ آور غنیم مرعوب ہو گیا' اور شجاع کی فوج میں بڑی افراتفری مچ گئی۔ سادات بارہہ کا زور بھی ٹوٹ گیا ان کی پیش قدمی رک گئی تھی مگر ان کے تین مست جنگی ہاتھی جو سیاہ پہاڑ کی طرح نظر آتے تھے۔ اپنی سونڈوں میں دو دو من' تین تین من کی لوہے کی زنجیریں تھامے جس طرف بھی نکل جاتے اور حملہ کرتے تھے۔ زمین پر صف کی صف بچھا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہاتھی شاہی سواری کی طرف بھی جھپٹ کر آ نکلا۔ مست جنگی ہاتھی سر پر چلا آ رہا تھا مگر بادشاہ کی عزیمت اور استقامت کا یہ حال تھا کہ وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا، بلکہ اس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوا دیں اور ایک محافظ سپاہی کو جو ماہر نشانہ باز تھا حکم دیا کہ بندوق کا فائر کر کے فیل بان کو گرا دو حکم شاہی پر جلال خاں بندوقچی نے ایسا درست نشانہ لگا کر بندوق چلائی کہ فیل بان جو آنکس مار مار کر اس خوفناک ہاتھی کو بادشاہ کی طرف دوڑا رہا تھا گولی کھا کر نیچے گر پڑا۔ اسی وقت ایک بادشاہی مہاوت جلدی سے اس ہاتھی کے سر پر سوار ہو گیا اور اسے اپنے قابو میں کر لیا۔ دوسرے دو ہاتھیوں کے فیل بانوں نے جب یہ منظر دیکھا تو قلب لشکر سے ہٹ کر انھوں نے دائیں بازو کی طرف رخ کر لیا۔

شاہی میمنہ کی پسپائی

اسی اثناء میں بلند اختر نے شیخ ولی، شیخ ظریف، حسن خویشگی جیسے مشہور جنگجو سرداروں کے ساتھ میمنہ پر حملہ کر دیا۔ اس زبردست حملہ سے میمنہ میں بڑی ہلچل مچ گئی اور اسلام خاں کی سواری کا ہاتھی ایک بان کی ضرب سے رم کھا کر بھاگا اور اس کے ساتھ فوج کا ایک بڑا حصہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ میمنہ کے ہراول پر سیف خاں اور اکرام خاں تھے دونوں بڑی ثابت قدمی سے مردانہ وار دشمن کے حملوں کو روکتے رہے۔

میمنہ کی پسپائی کو دیکھ کر بعض ناتجربہ کار رفیقوں نے مشورہ دیا کہ بادشاہ خود میمنہ کی کمک کے لئے جائیں، مگر اس وقت خود بادشاہی دستہ کے مقابل ایک بھاری فوج معروف پیکار تھی اور اس کے دباؤ سے اکثر سپاہی مائل بہ فرار نظر آرہے تھے نیز اس وقت اگر بادشاہ کا ہاتھی دشمنوں کی سرکوبی کے لئے میمنہ کا رخ کرتا تو غنیم کے توپچی فرار پر محمول کرکے شوخی پر اتر آتے۔ بہرحال بڑا نازک وقت تھا کیونکہ میمنہ بالکل درہم برہم ہو چکا تھا۔ عالمگیر اس وقت بڑی ثابت قدمی سے اپنے مقابل کی فوج کے سامنے ڈٹا رہا اور اسلام خاں اور دوسرے سرداروں کو بھی پامردی سے میدان میں جمے رہنے کے لئے پیام بھجوایا اور انھیں کمک بھجوانے کی توقع دلائی۔

بلند اختر کی ہزیمت

اسی دوران میں خبر ملی کہ بختان رخنیار، خاں دوز بہائی جو غنیم کے توپ خانہ کا کماندار تھا، پیاپے زخم لگنے سے فوت ہو گیا اور اس کا لڑکا جان بیگ بھی کاری زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس خبر کے سننے کے بعد بادشاہ نے میمنہ کی کمک پر جانے کا ارادہ کیا اس وقت تک قلب پر بھی دشمن کی فوج کا غلبہ نسبتاً کم ہو گیا تھا۔ بادشاہ کے پہنچنے سے میمنہ کے سرداروں کے حوصلے بڑھ گئے اور سب نے مل کر بڑے زور سے دشمن پر حملہ کر دیا اس حملہ میں شیخ ولی قرملی جو شجاع کی فوج کا بہترین آدمی تھا اپنے ساتھ کے دو تین سرداروں کے ساتھ گر پڑا اور حسن خاں خویشگی بھی زمین پر سرنگوں ہو گیا اور بکثرت سپاہی مارے گئے۔ یہ حال دیکھ کر بلند اختر میدان سے ہٹ گیا اور باپ کی پناہ میں چلا گیا اور بادشاہی لشکر نے شجاع کے قلب پر حملہ کر دیا۔

شجاع کے امیروں کا فرار

اسی وقت مکرم خاں صفوی جو مصلحتاً شجاع کے لشکر کے ساتھ ہو گیا تھا اس سے جدا ہو کر پناہ طلب کرتے ہوئے

بادشاہ کی رکاب میں حاضر ہوگیا۔ بادشاہ نے اسے آفرین دی اور اسے شاہی رکاب کے ایک ہاتھی پر سوار ہوجانے کی ہدایت کی۔ اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن خاں بن نذر محمد خاں اور سنجر بیگ ولد الہ وردی خاں دل برداشتہ ہوکر شجاع کے لشکر سے نکل آئے اور بادشاہی لشکر سے مل گئے۔

شجاع کی شکست اور فرار

ان سرداروں کے آنے کے بعد ہی شجاع کا لشکر پسپا اور منتشر ہونے لگا اور کچھ ہی دیر بعد شجاع کے فرار ہوجانے کی خوش خبری مل گئی اور ہر طرف مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا۔ فتح کے شادیانے بجنے لگے ۔

زکوس فتح غلغل ساز کردند نفیر و کرنا دم ساز کردند

فاتح افواج نے بڑھ کر شجاع کی لشکرگاہ پر حملہ کردیا خزانہ ہاتھی گھوڑے اور شاہی ساز و سامان سب کچھ لوٹ لیا۔ عام لوٹ کے علاوہ ایک سو چودہ توپیں ایک سو پندرہ ہاتھی کچھ خزانہ اور جواہرات بحق سرکار ضبط کرلئے گئے۔ بادشاہ نے ہاتھی سے اتر کر شکرانہ کی نماز پڑھی۔ امراء نے مشورہ دیا کہ شجاع کو فرار کا موقع نہ دیا جاتے اور تعاقب جاری رکھا جاتے۔ بادشاہ نے اسی وقت شاہزادہ محمد سلطان کو تعاقب پر مامور کیا۔ عجلت میں خلعت کے بجاتے اپنے کاندھے کا رومال اور ایک بیش قیمت مروارید کا ہار جو عرصہ دراز سے اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) اور بادشاہ کی پوشاک میں شامل تھا شاہزادہ کو عنایت کردیا اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ چونکہ شاہزادہ محمد سلطان کا سارا لشکر تباہ ہوگیا تھا اس نے ضروری سامان سفر اور تین پوشاک والی خلعت خاصہ کی تلوار اور ایک سو گھوڑے اس کے پیچھے روانہ فرمائے۔

اسی مقام پر بادشاہ ایک ہفتہ تک مقیم رہا۔ امیر امراء کو حسب مراتب ترقی اضافہ نقد انعام جواہرات خطاب و نقارہ کے اعزازات عطا کئے۔ ان میں سے معظم خاں کو ترقی دے کر سات ہزاری سات ہزار کا منصب جس کی برآورد بارہ ہزار سوار کی بنتی تھی اور دس لاکھ روپیہ عطا کیا اور دوسرے اعزازات دے کر اسے تمام امراء پر امتیازی ترجیح دی۔

کھجوہ سے فاتحانہ کوچ

۲۷ ربیع الاول کو کھجوہ کی منزل سے عالمگیر نے کوچ کیا۔ راجہ جے سنگھ رخصت لے کر وطن چلا گیا تھا۔ حاضر

خدمت ہو گیا۔ اسی مہینہ کی آخری تاریخ کو بادشاہ نے گنگا کے کنارے قیام کیا یہاں سے معظم خاں ذوالفقار خاں اسلام خاں کنور رائے سنگھ داؤد خاں فدائی خاں کو ایک بڑا توپ خانہ دے کر شاہزادہ کی کمک اور ہمراہی کے لئے رخصت کیا ان میں سے ہر ایک کو خلعت، گھوڑے، ہاتھی، نقد روپیہ مرصع آلات تلوار، جمدھر اور منصبوں میں اضافہ عطا کیا۔

داراشکوہ سے آخری مقابلہ

داراشکوہ کی تباہ حالی

اب ہم بدنصیب داراشکوہ کا کچھ حال بیان کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ داراشکوہ کے ساتھ تین ہزار سے زیادہ لشکر نہیں رہ گیا تھا، وہ اس لشکر کو لے کر بہ حال تباہ بھکر پہنچا۔ وہاں چونکہ باربردار جانور نہیں مل سکے اور بہت سے رفیق بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اس لئے اپنے محل کی عورتوں کو کچھ خزانہ طلائی اور نقرئی آلات اور زائد از ضرورت بھاری سامان کے ساتھ بھکر کے قلعہ میں چھوڑ دیا ان کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے تو یہ خواجہ سرا اور اپنے معتمد ملازم سید عبدالرزاق کو مقرر کر گیا اور خود گنے جنگل کی راہ سے آگے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں دشوار گذار راستوں اور باربردار جانوروں کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے دریائے ٹھٹھ کے کنارے اس نے بڑی مصیبت اٹھائی، جو ساز و سامان ساتھ تھا وہ بھی تلف و برباد ہو گیا پھر بادشاہی فوج شیخ میر اور دوسرے بہادروں کی سرکردگی میں مسلسل تعاقب کر رہی تھی جس کی وجہ سے وہ کسی جگہ بھی قدم جما کر ٹھیر نہ سکا، ساتھ کے بہت سے آدمی راستہ کی دشواریوں، بھوک پیاس اور بیماریوں میں تلف ہو گئے، یا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے، اب اس بدقسمت کے ساتھ صرف ہزار سوار رہ گئے۔ بھاگم بھاگ سیوستان کی سرحد میں پہنچنے کے بعد اس نے احمد آباد کا رخ کیا۔ شیخ میر بھی باگیں اٹھائے برابر اس کے پیچھے لگا ہوا تھا مگر اس کی فوج کا حال بھی بہت خراب ہو گیا تھا اس کے بھی بہت سے آدمی پانی کی کمی راستہ کی صعوبتوں اور باربردار نہ ملنے کی وجہ سے ضائع اور متفرق ہو گئے تھے۔ جب ان حالات کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو شیخ میر اور صف شکن خاں کے نام واپسی کا

فرمان صادر ہوا۔

قلعۂ الہ آباد پر قبضہ یکم جمادی الآخر کو عالمگیر نے اکبر آباد کی طرف کوچ کر دیا، دوسری ہی منزل میں شاہزادہ محمد سلطان کی عرض داشت پہنچی جس میں شجاع کے دوبارہ مغلوب ہوتے اور اس پر فتح پانے کی خوش خبری تھی۔ شجاع کے ساتھ الہ آباد کا قلعہ دار سید قاسم بھی کھجوہ کے میدان میں گیا تھا۔ وہ اپنے پیچھے قلعہ میں عبدالجلیل نامی سردار کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر جب شجاع کو شکست ہوگئی تو وہ اپنے تعلقہ اور قلعہ میں لوٹ آیا اور قلعہ کو مضبوط کر کے بیٹھ گیا۔ جب شجاع اس کے پیچھے الہ آباد پہنچا تو اس نے اس کی اطاعت نہیں کی مگر امان کا عہد لے کر جریدہ قلعہ سے باہر آیا اور شجاع سے ملاقات کی اور تواضع و ضیافت کے مراسم بجا لایا اور وعدہ وعید کر کے اس سے رخصت حاصل کر لی جب اس کے تعاقب میں شاہزادہ محمد سلطان الہ آباد پہنچا تو اس نے اطاعت نامہ اور معافی نامہ قلعہ کی چابی کے ساتھ شاہزادہ کے پاس بھجوا دیا ..... جب یہ عریضہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا تو فرمان صادر ہوا کہ خان دوراں کو قلعہ الہ آباد میں چھوڑ دیا جائے اور سید قاسم کی دل جوئی کر کے اسے حضور میں روانہ کریں۔

شجاع دوبارہ لشکر فراہم کرنے اور از سرِ نو قسمت آزمائی کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا تھا مگر جب اسے الہ آباد کے قلعہ کے نکل جانے کی اطلاع ملی تو سخت بدحواس ہو گیا اور جنگلوں کے راستے فرار ہو گیا۔

جسونت پر فوج کشی عالمگیر نے راجہ جسونت کی گوشمالی کے لئے محمد امین خاں کو سردار لشکر بنا کر عبداللہ خاں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کے ساتھ رائے سنگھ راٹھور کو بھی کر دیا۔ یہ راجہ جسونت کا بھتیجا تھا مگر چچا کے ساتھ اس کی قدیم نزاع چلی آرہی تھی۔ بادشاہ نے رائے سنگھ کو راجہ کا خطاب ہزاری منصب کا اضافہ ایک لاکھ روپیہ خلعت گھوڑا ہاتھی مرصع تلوار اور نقارہ وغیرہ عطا کر کے اس مہم میں مذکورہ سرداروں کے ساتھ کر دیا اسے بھی اپنے وطن جودھ پور کے ملنے کی توقع ہو گئی تھی۔

گوالیار میں مراد کی نظر بندی دہلی کے فوجدار کے نام حکم جاری کیا گیا کہ جب داراشکوہ کے تعاقب سے شیخ میر واپس آجائے تو محمد مراد بخش کو سلیم گڑھ کے قلعہ سے نکال کر شیخ میر کے ہمراہ قلعہ گوالیار روانہ کر دیا جائے۔

فاتح عالمگیر اکبر آباد میں

۱۸ ماہ جمادی الآخر کو بادشاہ کی سواری اکبر آباد پہنچی باغ نور کے قریب قیام ہوا۔ فاضل خاں خان ساماں نے ایک لاکھ روپیہ نقد اور داراشکوہ کے ضبط کردہ اموال ملاحظہ میں پیش کئے اور اکبر آباد میں متعین تمام امیروں نے خدمت شاہی میں حاضری دی اس وقت ان لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ جب جسونت یلغار کرتے ہوئے قلعہ اکبر آباد پر پہنچا تو بعض منافقوں کو خیال ہوا کہ راجہ قلعہ کا محاصرہ کرکے اعلیٰ حضرت کو نکال لے جانے کی کوشش کرے گا۔ ان خبروں سے بہت سے لوگ وسوسوں میں مبتلا ہو گئے۔ بادشاہ نے اس بات کے اخفاء کا حکم دیا مگر کوچ کے وقت اشارہ کردیا کہ ان منافقوں کو امیرالامراء کے ساتھ رکاب شاہی میں متعین کردیں۔

داراشکوہ کچھ میں

۲۳ ماہ مذکور کو اکبر آباد سے کوچ ہوا۔ اس درمیان میں اطلاع ملی کہ داراشکوہ کچھ کے علاقہ سے ہوتا ہوا صوبہ احمد آباد کی سرحد پر پہنچ گیا اور تین چار ہزار سوار اس نے فراہم کرتے ہیں۔ بادشاہی فوج کے واپس ہو جانے کے بعد وہ اطمینان سے سفر کرتے ہوئے راستہ کے فوج داروں اور زمینداروں کو اپنا مددگار بنانے اور فوج جمع کرنے میں مصروف رہا تھا۔ چنانچہ کچھ کا زمیندار نقد وجواہرات پاکر اس کا مطیع ہوگیا۔ اس کی لڑکی سے اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو منسوب کردیا۔ زمیندار نے خاطر تواضع کرنے کے بعد رہنمائی کے لئے ہدیۃً اس کے ساتھ کردیا اور اپنی سرحد سے گذار کر اسے احمد آباد کے لئے رخصت کردیا۔

داراشکوہ احمد آباد میں

جب داراشکوہ احمد آباد پہنچا تو وہاں کا صوبہ دار شہنواز خاں جس کی ایک لڑکی عالمگیر کے اور دوسری محمد مراد بخش کے عقد میں تھی۔ رحمت خاں وغیرہ کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل آیا۔ داراشکوہ کا استقبال کیا اور ملاقات کے بعد ضروری سامان فراہم کرنے کا وعدہ کرلیا۔ احمد آباد میں محمد مراد بخش کے دس لاکھ روپے اور طلائی نقرئی سامان تھا۔ اس نے یہ سب داراشکوہ کے نذرانہ میں پیش کردیئے۔ داراشکوہ نے بھی فوج کی فراہمی کی خاطر لوگوں کو خلعت اضافہ خطاب اور جواہرات دے کر خوش کردیا۔

داراشکوہ کا احمد آباد سے شاہانہ کوچ

بندرگاہ سورت، کھنبایت، بھروچ اور سیر حاصل پرگنوں پر داراشکوہ نے اپنے آدمیوں کو مقرر

کر دیا اور ان علاقوں کا بندوبست کر کے ایک ماہ سات دن کے وقفہ میں بیس ہزار سوار فراہم کر لئے۔ بیجاپور اور حیدرآباد کے حکام کے نام بھی اس نے نقد اور فوج بطور کمک بھیجنے کے لئے خطوط لکھے اور دکن جانے اور جسونت سے رابطہ قائم کرنے کی تجویزیں سوچ رہا تھا۔ اسی اثناء میں اسے بادشاہی فوج سے راجہ جسونت کے فرار ہونے کی اور شجاع کے غالب ہونے کی غلط خبر ملی، علاوہ ازیں راجہ جسونت کا لکھا ہوا خط بھی آیا جس میں اس نے اشارتاً داراشکوہ کو بلایا تھا۔ چنانچہ داراشکوہ یکم جمادی الآخر کو ایک آراستہ فوج اور ایک بڑا توپ خانہ لے کر جس میں بندرگاہ سورت سے منگائی ہوئی تیس چالیس توپیں تھیں احمد آباد سے نکلا۔ ہر منزل پر اسے راجہ جسونت کے خطوط ملتے جاتے تھے جن میں بڑی ہوائی باتیں لکھی ہوتی تھیں بہرحال ان خطوط سے اس کی ہمت بندھ گئی تھی۔

جسونت کو معافی کا فرمان

جب ان واقعات کی اطلاع عالمگیر کو ملی تو اس نے اجمیر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ طے کیا کہ جسونت کو معافی نامہ اور منصب اور مہاراجہ کے خطاب کی بحالی راجہ جے سنگھ کی تجویز کے مطابق عطا کر دی جائے۔ لہٰذا جے سنگھ کو جو جسونت کی سفارش کر رہا تھا۔ ہدایت کی کہ وہ اپنی طرف سے اس کو خط لکھ دے اور تیز رفتار قاصدوں کے ہاتھ جلد اس کے پاس پہنچادے۔

چند متفرق واقعات

اب ہم داراشکوہ کا ذکر چھوڑ کر کچھ دربار کے حالات بیان کرتے ہیں۔ شاہزادہ محمد اکبر حرم شاہی کے ساتھ دولت آباد میں تھا آخر جمادی الآخر یہ لوگ دکن سے حضور میں پہنچ گئے۔

چنپت بندیلہ سفر پنجاب کے دوران بلا حکم شاہی لشکر سے نکل کر اپنے وطن آگیا تھا اور راہزنی اور لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ بادشاہ نے اس کی سرکوبی کے لئے سبھکرن بندیلہ کو جو اس کے جدی رشتہ داروں میں سے تھا اضافہ خلعت گھوڑا اور تلوار عطا کر کے روانہ کیا۔

سید قاسم شجاعی اور بہادر خاں جو حسب الحکم شاہزادہ (محمد سلطان) کے پاس سے روانہ ہو گئے تھے دربار میں حاضر ہو گئے۔

اجمیر کا صوبہ دار تربیت خان داراشکوہ کے جودھ پور پہنچنے کی خبر سن کر دربار میں حاضر ہو گیا۔

بادشاہ نے محمد امین خاں کو راجہ جسونت کی گوشمالی کے لئے مقرر کیا تھا، بہ تقاضائے

مصلحت یہ مہم موقوف کرادی اور اس کو حضور میں طلب کرلیا۔

سید قاسم کو تین ہزاری ہزار سوار منصب عطا کر کے شہامت خاں کا خطاب مرحمت ہوا اور طاہر خاں کو دارا شکوہ کی خبر لینے کے لئے رخصت کر دیا۔

بادشاہی لشکر کی صف بندی

جب سواری راجہ جے سنگھ کے تعلقہ میں آنبیر کی منزل پر پہنچی تو فوج بندی کا حکم صادر ہوا۔ ہراول پر جے سنگھ کو دلیر خاں، حسن قلی خاں اور دوسرے بہادروں کے ساتھ مامور کیا۔ صف شکن خاں توپ خانہ کو آگے لے جانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ شیخ میر کو اس کے بھائی امیر خاں کے ساتھ طلیتمش کی فوج کا سردار بنایا گیا۔ امیرالامرا اپنے بیٹوں اور گنج علی خاں اور بعض سرداروں کے ساتھ میمنہ پر مقرر ہوا اور میسرہ کی سرداری شہزادہ محمد اعظم اور ایرانی فوج کے بہادروں کو ملی۔ محمد امین خاں، ہوشدار خاں۔ عبدالرحمٰن خاں ولد نذر محمد خاں اور دوسرے ایرانی، تورانی، افغانی اور راجپوت بہادروں کو میمنہ میسرہ قول چنداول پر مقرر کیا گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ دشمن کے مقابل پہنچنے تک دوران سواری میں فوج کی یہی ترتیب قائم رہے اس میں سر مو فرق نہ آنے پائے۔

جسونت کی دارا شکوہ سے غداری

جب راجہ جسونت کے پاس راجہ جے سنگھ اور دوسرے خیر خواہوں کے خفیہ خطوط پہنچے جن کے ہمراہ معافی نامے بھی تھے تو اس نے ان خطوط کو راز میں رکھا، اس وقت وہ جودھپور سے ایک آراستہ فوج لے کر بیس کوس پر دارا شکوہ کے استقبال اور رفاقت کی نیت سے نکل آیا تھا۔ ان خطوط کے پہنچنے پر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اپنے مقام پر واپس چلا گیا۔ جب اس کی واپسی کی خبر دارا شکوہ کو ملی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اسے خوشامدانہ خطوط لکھے، مگر اس مراسلت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جس سے دارا شکوہ کو بڑا ملال ہوا تاہم وہ جودھ پور سے بیس کوس پہ پہنچ گیا۔ اور کچھ عرصہ وہاں ٹھیرا رہا اور اپنی سرکار کے ایک معتمد آدمی دتے چند کو جو راجہ سے ربط ضبط رکھتا تھا ایلچی بنا کر بھیجا اور ایفائے عہد کے لئے بڑی لجاجت کا اظہار کیا۔ اس نے ٹالنے کے لئے جواب دیا کہ "میں اپنے قول پر قائم ہوں۔ مگر فی الحال میرا آنا خلاف مصلحت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دارا شکوہ اجمیر جا کر ٹھیر جائیں اور دوسرے راجپوتوں کو پیغام بھیج کر اپنے پاس طلب کریں جب دو تین سربرآوردہ راجپوتان کے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں خود ان کے پاس پہنچ جاؤں گا" یہ مایوس کن جواب دے کر اس نے دتے چند کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔

داراشکوہ کے ہوش بجا نہیں تھے، وہ ناچار اجمیر چلا گیا پھر وہاں سے دوبارہ دیے چند کو راجہ کے پاس بھیجا اور اُسے بڑے سبز باغ دکھائے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور اسے یقین ہوگیا کہ راجہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اور اپنی بات سے پھر گیا ہے۔

اس دوران میں بادشاہ کے پاس سے راجہ کے نام معافی کے فرمان جاری ہونے کی خبر بھی مشہور ہوگئی لیکن صاحب غرض دیوانہ ہوتا ہے اس علم کے باوجود داراشکوہ نے اپنے لڑکے سپہر شکوہ کو اس بدعہد کے پاس روانہ کیا۔ سپہر شکوہ نے بھی اس کو رام کرنے کی بڑی کوشش کی بڑی عاجزی اور خوشامد کی اور وعدہ وعید کرکے اسے ایفائے عہد پر آمادہ کرنا چاہا مگر اس نے سنی ان سُنی کردی آخر وہ بھی دیے چند کی طرح مایوس و ناکام واپس آگیا۔ ؎

زانقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ　　ازیں فسانہ و افسوں ہزار دارد یاد

داراشکوہ کی کوہستان اجمیر میں حصار بندی

اب داراشکوہ کی جسونت نے ساری اُمیدیں منقطع ہوگئیں۔ عالم مایوسی میں اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اس حالت میں محمد اورنگ زیب بادشاہ غازی کے قریب پہنچ جانے کی خبر ملی اور اس نے مقابلہ پر کمر باندھ لی مگر اس وقت کھلے میدان میں جنگ کرنا اس کے لئے مفید نہ تھا اس لئے اس نے اجمیر کے نواحی کوہستان میں مورچے باندھ کر محصور ہوجانے کا ارادہ کرلیا اور اس خیال سے کوچ کرکے درہ میں داخل ہوگیا اور راستوں پر پتھر کی اور گارے کی دیواریں کھڑی کرکے بند کردیا توپیں نصب کرائیں اور مورچوں پر بندوقچیوں کو متعین کردیا۔ اپنے دائیں جانب مصطفےٰ خاں عرف سید ابراہیم کو مقرر کیا اور اس کے ہمراہ تین امیروں کو ایک ہزار برقندازوں کے ساتھ متعین کردیا۔ بائیں بازو کے مورچہ پر شہنواز خاں کے زیر اہتمام اپنے بیٹوں اور ماہر برقندازوں کی جمعیت کو مامور کردیا اور ایک دوسرے مورچہ پر فیروز میواتی کو جس کی شجاعت اور کارروائی پر اس کو بڑا بھروسہ تھا۔ توپ خانہ کے سامان کے ساتھ مقرر کیا۔ اپنے آگے سپہر شکوہ کو آتش بازی کے ہتھیار اور مشہور توپوں کے ساتھ رکھا اور خود قلب میں ٹھہر گیا اور جگہ جگہ توپیں نصب کرادیں اور تمام مورچوں پر ضرورت کا سامان اور رسد پہنچانے کے لئے ایک جمعیت مقرر کی اور ان کو ہدایت کی کہ وہ سرداروں اور ہمراہیوں کو بے کار اور معطل بیٹھنے نہ دے۔

گولہ باری اور سخت مقابلہ

عالمگیر کوچ پہ کوچ کرتے ہوئے موضع رلواری پہنچ گیا یہاں سے اجمیر تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ بادشاہ نے دشمن کی مورچہ بندیوں سے نصف کوس پر۔ جہاں سے گولہ پہنچ سکتا تھا' اپنی لشکرگاہ قائم کی اور مورچے باندھنے کا حکم دیدیا۔ صف شکن خاں میرآتش کو مقرر کیا کہ وہ توپ خانہ آگے لے جاکر دشمن کے مورچوں کے مقابل جگہ جگہ توپیں نصب کرادے توپ خانہ کے عقب میں شیخ میر دلیر خاں اور شیر بہرد کو مورچے لگانے کا حکم ہوا۔ تمام بہادر افسروں نے ایسی تمام جگہوں پر جہاں مورچے لگائے جا سکتے تھے قبضہ کرلیا اور وہاں سے دشمن پر گولہ باری شروع کردی۔ ہر ایک امیر دوسرے پرسبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ خاص طور سے پُردل خاں' شیخ میر' دلیر خاں اور سید نصیرالدین خاں دکنی اور دوسرے جاں نثار بہادروں نے تین دن تک بڑی بہادری سے جنگ کی اور اس عرصہ میں لمحہ بھر کے لئے بھی آرام نہیں کیا۔ امیرالامراء نے اپنے مورچے آگے بڑھانے کے لئے پورا زور لگا دیا اور پے درپے سخت حملے کرکے محصوروں کو بہت پریشان کیا مگر دشمن پہاڑوں کے قلب میں مضبوط مورچہ بندی کئے بیٹھا تھا اس لئے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہورہی تھی' بلکہ داراشکوہ کے لشکر کے آدمی اکثر مورچوں سے باہر نکل آتے تھے اور بادشاہی مورچوں پر حملہ کرکے آدمیوں اور جانوروں کو تلف کرکے زخمی کرکے پہاڑوں کی پناہ میں چلے جاتے تھے۔ پہاڑوں پر سے توپ کا جو گولہ بھی آتا تھا وہ خالی نہیں جاتا تھا۔ اس کی لپیٹ میں کوئی نہ کوئی جان ضرور ضائع ہوتی تھی اور ادھر سے بادشاہی توپ خانہ جو گولے سر کرتا تھا وہ چٹانوں اور مورچہ بند دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتے تھے۔ جنگ کی اس صورت حال کو دیکھ کر چوتھی شب کو بادشاہ نے اپنے مخلص امیروں اور افسروں کو طلب کیا اور ایک سخت یورش کرنے کی انھیں تاکید کی۔

راجہ راج روپ کا دلیرانہ اقدام

دوسرے دن جموں کے زمیندار راجہ راج روپ نے جس کے ہمراہی کوہ نوردی اور شیر پائی میں ضرب المثل تھے اپنے پیادوں کو پہاڑ کے ایک حصہ پر جو "پہاڑی" کے نام سے مشہور تھا روانہ کیا۔ محصور فوج کو بھی ادھر سے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے انھوں نے اس طرف کافی توپیں اور بندوقیں لگا رکھی تھیں جو مسلسل باڑھ پر باڑھ چلاتی جارہی تھیں۔ راجہ کے کوہ نورد سپاہی ہتھیلی پر جان لئے اس شدید آتش باری کے مقابل آگے بڑھتے رہے جو بھی گرجاتا وہ اُس

کی لاش کو اوپر چڑھنے کے لئے زینہ بنا لیتے بہرحال بڑی سعی و جہد کے بعد وہ پہاڑی کے اوپر پہنچ گئے اور وہاں راجہ راج روپ کا جھنڈا نصب کر دیا خود راجہ اپنے جانبازوں کے پیچھے چلا آرہا تھا اس وقت راجہ کی فوج کے مقابلہ پر دشمن کے ایک ہزار جنگجو نکل آئے تھے۔ راجہ نے اس شدید گولہ باری میں پیش قدمی کی اور گھوڑوں سے اتر کر دشمن کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔

بادشاہی امراء کی یلغار

دلیر خاں پٹھانوں میں اپنی دلیری اور شہ سواری کی وجہ سے بہت مشہور تھا اُس نے راجہ راج روپ کی جرأت کو دیکھا تو خود بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ اس پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کی اور گولہ باری سنگ بازی میں بہادری سے جان لڑاتے ہوئے وہ بھی دائیں طرف سے اوپر پہنچ گیا۔

بائیں طرف سے شیخ میر بھی جو دلیری اور تدبیر جنگ میں بڑی شہرت رکھتا تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اوپر جا پہنچا۔ دوسری طرف راجہ جے سنگھ راجپوتوں سے خوب جم کر لڑ رہا تھا۔ امیر الامراء توپ خانہ کی فوج کے ساتھ بائیں جانب سے اور اسد خاں ہوشدار خاں دائیں بازو پر اپنے اپنے لشکر لے کر معرکہ آرائی کرنے لگے۔ اگرچہ اس معرکہ میں تمام آدمیوں نے جاں نثاری اور بہادری دکھائی مگر ابتدا میں راجہ راج روپ کے آدمیوں کی پیش قدمی اور آخر میں شیخ میر اور دلیر خاں افغان کی جاں بازی نے بڑا کام کیا۔ ان کے مقابلہ پر شہنواز خاں اور فیروز میواتی کے مورچوں سے مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی اور بندوق کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ ان دونوں امیروں کے بہت سے آدمی اس معرکہ میں کام آگئے تھے۔ مگر یہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ دلیر خاں بھی شیرانہ جرأت کے ساتھ آگے بڑھا تھا مگر اس کے سیدھے ہاتھ پر ایک تیر آکر لگا۔ اس زخم کی وجہ سے اسے پیچھے رہ جانا پڑا۔

شہنواز خاں کی ہلاکت

دارا شکوہ پہاڑ کی بلندی پر کھڑا ہوا جنگ کا معائنہ کر رہا تھا اُس نے اپنے آدمیوں کو ہزیمت کھاتا ہوا دیکھ کر بڑی ترغیب دی اور ان کو غیرت دلائی اور محصورین نے حصار سے باہر نکل کر بڑی بہادری اور دلیری سے جنگ بھی کی۔ خاص طور سے شہنواز خاں جس نے سمجھ لیا تھا کہ اس جنگ

سے بچ نکلنا محال ہے جان پر کھیل کر لڑ رہا تھا اس کی غیرت کے لیے محال تھا کہ وہ شکست کھا کر دارا شکوہ کے سامنے جائے یا اطاعت گذار بن کر بادشاہ عالمگیر کے سامنے حاضر ہو اس نے اس نے جان کی بازی لگادی اور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

مردہ سپہ سالار اسی دار و گیر میں غروب آفتاب کا وقت آگیا۔ بادشاہی فوج کے اوپر چڑھ جانے اور فتح پانے کی خبریں دونوں طرف گرم تھیں اس وقت شیخ میر بڑی جاں فشانی سے جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ مخالف سمت سے بندوق کی ایک گولی اس کے سینہ پر آکر لگی اور وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے قربان ہوگیا ؎

جاں دادمش بہ مژدہ و خجلت ہمی برم
زیں نقد قلب خویش کہ کردم نثار دوست

جس وقت گولی لگی عماری میں اس کے پیچھے اس کا ایک عزیز سید ہاشم خدمت گار کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ میر نے اس سے کہا "لو میں تو چلا مگر تم میرے کمرپٹہ کو پکڑ کر مجھے اس طرح سیدھا بٹھائے رکھو بس ہماری فتح ہونے والی ہے۔ فتح کے آثار صاف نظر آرہے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہمراہی میری ہلاکت سے واقف ہو کر ہمت چھوڑ دیں اور جنگ سے ہاتھ روک لیں اور دشمن بھی واقف ہو کر دلیری سے آگے بڑھنے لگے"۔

شیخ میر کی اس جاں نثاری سے بادشاہ خلد مکاں بہت متاثر ہوئے اور اس کی اس عقیدت کے طفیل میں بادشاہ نے ہمیشہ اس کے وطن خواف کے آدمیوں کا بڑا لحاظ کیا حالانکہ خواف خراسان کی ایک معمولی چراگاہ ہے۔ عہد عالمگیر میں خواف کے آدمیوں نے جس قدر ترقی کی اس کی مثال کسی دور میں نہیں ملتی۔ خواف کے آدمی خراسان کے تمام آدمیوں کے مقابلہ میں بہ ظاہر درشت مزاج اور اجڈ ہوتے ہیں مگر کاموں میں بڑے سیدھے اور محنتی ہوتے ہیں۔

دارا شکوہ کی عبرتناک شکست مختصر یہ کہ جب دارا شکوہ کو شہنواز خاں کے گرنے کی خبر ملی اور اس نے بادشاہی فوج کے نشانوں کو پہاڑی پر لہراتے ہوئے دیکھ لیا تو اسے اپنی شکست کا یقین ہوگیا اور وہ سپہر شکوہ، فیروز میواتی اور حرم کی عورتوں کو لے کر رات کے اول حصہ ہی میں وہاں سے فرار ہوگیا۔ اس کے ساتھ بجز مذکورہ دو آدمیوں کے کوئی اور نامی گرامی آدمی ساتھ نہیں جا سکا۔ دارا شکوہ اپنی بیوی

اپنی بیٹی اور چند خواصوں کے ساتھ بہت تھوڑے سے جواہرات اور اشرفیاں لے کر احمد آباد کی طرف روانہ ہوگیا۔ داراشکوہ نے عاقبت اندیشی کر کے بارہ ہاتھیوں خچروں اور اونٹوں پر خزانہ اور منتخب قیمتی اشیا ایسے ہی کسی نازک وقت کے لئے لدوا رکھی تھیں اور محل کی اور بھی عورتوں کو ہمراہ لے جانے کے لئے تیار کر رکھا تھا مگر جب وہ نازک وقت آگیا تو ان سب کو وہ ساتھ نہیں لے جا سکا۔ ان کو اپنے قدیم اور جدید ملازموں کی تحویل میں دے دیا اور چند معتمد خواجہ سراؤں کو ان کے ساتھ کر کے ایک ہزار پیادہ برقندازوں کو جو سب کے سب حرام خور تھے ان کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا اور تاکید کر دی کہ وہ اس کے پیچھے جلد ہی سے روانہ ہو جائیں۔ اب ان کا ذکر ہم مناسب موقع پر کریں گے۔ بہرحال داراشکوہ کے فرار ہوتے ہی۔ ہزیمت خوردہ لشکر کے اکثر لوگ اپنا مال و اسباب اور اہل و عیال کو لشکر کے بھیڑ میں چھوڑ کر بھاگ گئے کچھ لوگ اپنے مال و عیال اور عزت و ناموس کے لٹنے پر ماتم کرتے رہے اور بعض لٹے پٹے زخمی حالت میں اس کوہستان میں حیران و سرگرداں نکل گئے۔ غرض داراشکوہ کا سارا لاؤ لشکر تاخت و تاراج ہوگیا۔

داراشکوہ کے امیروں کی اطاعت

اس اندھیری رات میں جب کہ درہ بارود کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا داراشکوہ کے فرار کی خبر دونوں لشکروں میں خاص طور سے بادشاہی لشکر میں دو تین گھنٹوں تک نہیں مل سکی تھی اس لئے دونوں طرف سے جنگ کے مورچے برابر قائم تھے اور اسد خاں ہوشدار خاں بعض امراء کے ساتھ لڑنے میں مشغول تھے۔ یہاں تک کہ دشمن کے فرار اور پہاڑی مورچوں کے خالی ہو جانے کی اطلاع مل گئی۔ داراشکوہ کے ہمراہیوں میں سے عسکر خاں سید ابراہیم اور اس کے امیروں کی ایک جماعت اس کے فرار سے واقف نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ ایک پہر رات تک برابر مدافعت کرتے رہے۔ محمد شریف جس کا خطاب قلیج خاں تھا۔ داراشکوہ کا میر بخشی تھا اس کے پیٹ میں ایک تیر آ کر لگا تھا جس کے زخم سے وہ دوسرے دن ختم ہوگیا۔ شہنواز خاں کے بیٹے سیادت خاں کو بھی گولی کے تین چار زخم لگے تھے مگر وہ جاں بر ہوگیا اور اس کے زخم بھر گئے۔ عسکر خاں اور سید ابراہیم داراشکوہ کے ہمراہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ صف شکن خاں کے وسیلے سے حضور شاہی میں حاضر ہو گئے ان کا حال برا تھا سارا مال و اسباب لٹ چکا تھا۔ صرف بدن کے کپڑے رہ گئے تھے اور سب کے سب بری طرح زخمی تھے۔ بادشاہ

نے ان کو رحم کھا کر معاف کر دیا اور اپنی عنایتوں سے نوازا۔

عالمگیر اجمیر کے آستانہ پر

بادشاہ عالمگیر کے ساتھ تائید الٰہی تھی کہ ان چار جنگوں میں ایسے بہادر جنگجو دشمنوں کے مقابلہ میں اُس نے کامیابی حاصل کی اور نازک سے نازک وقت میں اور بڑے سے بڑے حادثہ میں بھی وہ ثابت قدم رہا اور دشمن کے غالب آجانے کے باوجود اس کو شکست دے کر بھگا دیا۔ جب اس کو داراشکوہ کے فرار اور فتح پانے کی خبر ملی تو سجدۂ شکر بجالایا۔ شہنواز خاں اور شیخ میر کے واقعہ پر بڑے افسوس کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ دونوں کو حضرت خواجہ معین الدین کے روضہ میں لے جاکر دفن کریں۔ فتح کے بعد عالمگیر خواجہ صاحب کے مزار پر گیا اور وہاں کے خدام کو انعام و اکرام دے کر کوچ کیا اور اناساگر کے کنارے تین چار دن کے لئے چھاؤنی ڈال دی۔ یہاں سے راجہ جے سنگھ کو ایک لاکھ روپیہ اور بہادر خاں کو تیس ہزار روپیہ عنایت کر کے دونوں کو داراشکوہ کے تعاقب کے لئے مقرر کیا اور ان کو خلعت، گھوڑا، ہاتھی وغیرہ اعزازات سے نواز کر رخصت کیا۔

احمد آباد پر جسونت کا تقرر

راجہ جسونت اپنے قصوروں کی شرم سے حاضر بارگاہ نہیں ہوسکا تھا۔ راجہ جے سنگھ کی درخواست پر بادشاہ نے ازسرِنو تسلی آمیز فرمان جاری کیا اور اسے احمد آباد کی صوبہ داری عطا کی سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب مع خلعت بحال کر دیا۔ شہنواز خاں کی بیوی نورس بیگم اور اس کے بیٹوں پر سابقہ خدمات کے صلہ میں بادشاہ نے بڑی نوازش کی۔ شیخ میر کے بھائی امیر خاں کو ہاتھی خلعت دی، اور نمایاں اضافہ مرحمت فرمایا۔

داراشکوہ کے مال میں سے ایک سو ہاتھی سرکار میں ضبط کئے گئے۔ داراشکوہ نے بادشاہ کی ہوا خواہی کے جرم میں جن لوگوں کو اجمیر میں مقید کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے انھیں رہا کر دیا۔ اور اپنی عنایات سے نوازا۔ تربیت خاں داراشکوہ کے پہنچنے سے پہلے ہی اجمیر سے بھاگ گیا تھا مگر اس قصور کے باوجود بادشاہ نے خطا پوشی سے کام لیا اور بدستور سابق اسے اجمیر کا صوبہ دار بنایا۔

عالمگیر کی اجمیر سے واپسی

۹ رجب کو بادشاہ پیادہ حضرت خواجہ معین الدین کی درگاہ پر گیا، پھر وہاں سے دارالخلافہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اسی

اثناء میں اطلاع ملی کہ جب شاہزادہ سلطان محمدؒ بھاری فوج لے کر شجاع کے مقابلہ پر گیا۔ تو وہ مختصر سی لڑائی کے بعد کی تاب نہ لا کر جہانگیر نگر کی طرف نکل گیا اور معظم خان نے قلعہ مونگیر کو فتح کر لیا۔ اس خوش خبری پر بادشاہ نے شادیانہ بجانے کا حکم دیا۔ جب فتح پور کی منزل میں قیام ہوا تو دکن کے عادل خاں کی پیش کش، فتح کی مبارک باد اور عرض داشت گزرانی گئی۔ بادشاہ کی سواری اکبر آباد میں آخر ماہ رجب کو داخل ہوئی۔ اسی دن الہ آباد کے صوبہ دار خان دوراں کی عرض داشت پہنچی جس میں یہ خوش خبری تھی کہ چنار کا قلعہ جو دارا شکوہ کے جھگڑے میں شجاع کے قبضہ میں چلا گیا تھا، بادشاہی قبضہ میں آگیا۔

تخت نشینی کا شاہانہ جشن

جشن تاج پوشی کا انعقاد

تخت نشینی کی ایک رسم سال گذشتہ ادا ہو چکی تھی، مگر بادشاہ نے اصل جشن کو دشمنوں اور مخالفوں کی بیخ کنی کے بعد ہی منعقد کرنا چاہا تھا۔ ان دنوں جب کہ یہ مقصد پورا ہو گیا تھا۔ ۲۴ رمضان المبارک سن ایک ہزار انہتر (۱۰۶۹ھ) کو جشن تاج پوشی منعقد کرنے کا حکم دیا جو پہلی فتح کی تاریخ کے حساب سے درحقیقت جلوس کا دوسرا سال تھا۔ دولت خانہ کے اطراف کے حجرے اور دیوان عام سجائے گئے "غسل خانہ" (محل کے ایک حصہ کا نام پڑ گیا تھا)، کے اندر بھی طرح طرح کے فرش زرکار کپڑے اور کلابتوں کی آرائش ہوئی۔ اس جشن میں ولایت (ایران) اور احمد آباد کا زربفت اور بلاد فرنگ اور دوسرے شہروں کا مشجر اتنا زیادہ استعمال ہوا کہ ہر جگہ کے تاجروں نے برسوں کا منافع ایک دن میں کمالیا۔ جشن میں رقاصوں مغنیوں نے اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا۔ بادشاہ نے تخت مرصع پر جلوس کیا منبروں پر بادشاہ کا نام اور لقب "ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر غازی" بلند ہوا۔ اس سے پہلے اشرفی اور روپیہ کے ایک طرف کلمۂ طیبہ اور خلفائے راشدین کے نام ثبت ہوتے تھے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کلمہ توحید کا نقش مناسب نہیں، کیونکہ درم و دینار نامناسب جگہوں پر گر جاتے ہیں اور مشرکوں کے پیر کے نیچے آتے ہیں۔ اس لئے بجائے سابقہ نقش کے یہ سکہ لگایا جائے ؎

سکہ زد در جہاں چو مہر منیر
شاہ اورنگ زیب عالمگیر

اور روپیہ میں بجائے مہر کے بدر (چاند) نقش کیا گیا۔

از سکۂ اقبال شاہ مہر نظیر — سیم ودرم ستارہ شد نقش پذیر
از سکۂ او غلغلہ در چرخ فتاد — گردید زر از سکۂ او عالمگیر

انعامات اور ترقیاں چونکہ دونوں فتوحات کے موقع پر اتفاق سے اتوار کا دن ہی پڑا تھا۔اس لئے اتوار کے دن کو ہی ہفتہ وار جشن کا دن مقرر کیا گیا۔اگر ہم ان انعامات کی تفصیل لکھیں جو اس جشن میں دیئے گئے تو بڑی طوالت ہوگی مختصرًا چند نام لکھتے ہیں۔ارباب طرب اور مستحقین کو سونا چاندی زر وجواہر کے تھال بھر بھر کر دیئے گئے۔بادشاہ بیگم کو پانچ لاکھ روپیہ،زیب النسا بیگم کو چار لاکھ،زینت النسا بیگم کو دو لاکھ بدر النسا بیگم کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار،زبدۃ النسا بیگم کو ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ عطا فرمایا۔شہزادہ محمد اعظم حضور میں تھا اسے مرصع شمشیر خاصہ کا ہاتھی نقروی ساز کے ساتھ اور دس ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔شاہزادہ محمد معظم کو دو لاکھ روپیہ دیا اور شاہزادہ محمد اکبر کے لئے جو دکن میں تھا کو ایک لاکھ روپیہ محفوظ کرادیا گیا۔امیرالامراء کو خلعت خاص چار زردوزی قباؤں کے ساتھ مرصع جمدھر مروارید کی زنجیر کے ساتھ دو گھوڑے طلائی ساز کے جن کی زین میناکار تھی عطا کئے۔فاضل خاں خانساماں کے منصب میں ہزاری اور پانچ سو سوار کا اضافہ کر کے چار ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا کر دیا،رائے رایاں جو سعد اللہ خاں کے ہاتھوں تربیت وترقی پایا ہوا تھا۔نائب وزیر کے عہدہ پر فائز ہوا اسے راجہ رگھناتھ کا خطاب عطا فرمایا۔ان کے علاوہ بڑے بڑے روشناس امراء میں سے تیس آدمی خلعت واضافے سے نوازے گئے۔جشن کا سلسلہ ڈھائی ماہ تک جاری رہا۔ہر رات کو چراغاں کیا جاتا تھا۔ہر روز چمن بندی اور طاق بندی ہوتی تھی،دریا پہ طرح طرح کی آرائشوں اور روشنیوں سے مزین کشتیاں چل رہی تھیں جو نقارے بجاتی ہوئی قلعہ کے نیچے تک جاتی تھیں۔

جلوس کا قطعہ تاریخ ملاشاہ کشمیر کے گوشہ نشینوں میں ایک مشہور بزرگ تھے۔یہ داراشکوہ کے پیر بھی تھے انھوں نے جلوس کی تاریخ نظم کر کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی۔اس میں تصوف کا رنگ تو ہے ہی مگر اپنے مریدکی ارادت کو بھی باطل کر دیا ہے۔

صحن دل من چوں گل خورشید شگفت
کامد حق و غبار باطل را رفت
تاریخ جلوس شاہ حق آگہ را
ظل الحق گفت الحق ایں راحق گفت

مشرقی علاقہ کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اہتمام خاں عرف محمد قاسم شجاع کی جنگ میں مارا گیا۔

قمری تقویم کا اجرا

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے اپنے جلوس کے لئے پہلی فروری کی تاریخ جو سورج کے برج حمل میں منتقل ہونے کی تاریخ ہے۔ مقرر کی تھی اور اسی تاریخ سے دفاتر کی کارروائیوں وغیرہ کے لئے ماہ و سال کا حساب رکھا تھا۔ یہ سال آخر اسفندار پر ختم ہوتا تھا' اس کا نام " ماہ الٰہی کا سن " رکھا تھا۔ یہ تقویم سراسر مجوسیوں اور آتش پرست بادشاہوں کے رواج سے مشابہت رکھتی تھی' بادشاہ نے پاس شریعت کی خاطر عربی مہینوں اور قمری سال مقرر کرنے کا حکم دیا۔ دفاتر کے حساب میں شمسی تاریخ پر عربی تاریخ کو مقدم رکھا گیا' جشن نوروز کو بالکل بند کرا دیا حالانکہ جو بھی علم ریاضی اور علم نجوم سے واقفیت رکھتا ہے۔ جانتا ہے کہ مجوسی تقویم میں اگرچہ مہینوں کے نام فروردی اردی بہشت تا اسفندار ہیں۔ لیکن ان مہینوں کے نام وہ اپنی تقویموں میں قدیم نہریں کے مطابق موسوم کرکے لکھتے ہیں۔ اور مجوسی کرمان بندر سورت میں پہلی فروردی کو جو جشن خوشی مناتے ہیں اُس کا اس نوروز سے جسے جشن نوروز کہا جاتا ہے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ایران توران کے دفاتر میں ماہ و سال کا حساب قدیم فارسی مہینوں کے مطابق ہی ہے اور عجم و ہند کے اکثر شہروں میں یہاں تک کہ توران اور بلخ و بخارا کے بادشاہ تک نوروز سلطان مناتے ہیں۔ اور اسی شمسی سال کے حساب سے چاروں فصلیں گرما سرما اور ہندوستان کی بارش اور خریف و ربیع کا حساب ہوتا ہے' جاگیروں کی تنخواہ اور سفیدار دی کی نقدی بھی اسی حساب سے تقسیم ہوتی ہے۔ ان کا حساب عربی سال سے نہیں نکالا جا سکتا۔ مگر دین دار بادشاہ نے مجوسیوں کے جشن کی مشابہت کے سبب جشن نوروز سلطان کو جاری رکھنا مناسب نہیں جانا۔

اس سال کے آغاز میں بادشاہ نے ملا عوض وجیہ کو جو توران کے مشہور فاضل تھے۔ اور

اعلیٰ حضرت کے زمانہ سے سالانہ پندرہ ہزار روپیہ پاتے تھے ہزاری دو سو سوار کا منصب عطا کیا اور محکمۂ احتساب کی خلعت عطا کی ان کے ساتھ منصب داروں اور احدیوں کی جمعیت مقرر کی اور حکم دیدیا کہ شراب خانے جوئے بازی اور علانیہ بت پرستی کو بند کرا دیا جائے۔

داراشکوہ کا عبرتناک انجام

داراشکوہ کے خزانہ کی تباہی

اب ہم داراشکوہ کے بقیہ حالات درج کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ وہ کوہستان اجمیر میں شکست کھانے کے بعد سپہر شکوہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ تھوڑے بہت جواہرات اور اشرفیاں لے کر چند خدام کے ساتھ احمد آباد کی طرف نکل گیا تھا اور باقی خزانہ ساز و سامان مال و اسباب سے لدے ہوئے ہاتھیوں اور محل کی عورتوں کو اپنے بعض نوکروں کے سپرد کر گیا تھا اور چند معتمد خواجہ سراؤں کو نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا اور ان کو جلد چلے آنے کی ہدایت کر دی تھی۔

جب یہ لوگ چار پانچ کوس کی مسافت طے کر چکے تو مال کے لالچ میں آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ ہاتھیوں پر سے قیمتی مال اسباب اتار کر اونٹوں اور خچروں پر لاد دیا۔ عورتوں کے زیور بھی اتار لئے پھر ان کو ہاتھیوں سے اتار کر اونٹوں پر سوار کرا دیا اور ان کو جنگل کی طرف ہانک دیا۔ پھر جس کے ہاتھ جو لگا وہ لے کر فرار ہو گیا کوئی اونٹ کی نکیل پکڑ کرلے گیا تو کوئی خچر کو ہانکتا ہوا نکل گیا۔ جو خواجہ سرا ساتھ تھے۔ ان لٹیروں کو روک نہ سکے۔ دوسری طرف ان کو بادشاہی افواج کے تعاقب کا بھی ڈر تھا اس لئے وہ ناموس و عزت کی حفاظت کے لئے صرف اتنا کر سکے کہ عورتوں کی سواری کے اونٹ ہنکا کر تاریک رات میں داراشکوہ کے پیچھے نکل گئے اور ایک دن ایک رات مسلسل راستہ طے کرنے کے بعد داراشکوہ سے جا کر مل گئے۔

داراشکوہ کی احمد آباد کو واپسی

بدقسمت داراشکوہ لٹا لٹایا بے سرو سامان آٹھ دن بعد احمد آباد کے نواح میں پہنچا۔ احمد آباد میں عالمگیر بادشاہ

کی فتح اور داراشکوہ کی شکست اور فرار کی خبریں پہنچ چکی تھیں ڈھلتے سائے کا کون ساتھ دیتا ۔ داراشکوہ بہ حال تباہ پہنچا تو احمد آباد کے تمام متصدی منحرف ہو گئے ۔صرف سید احمد بخاری جو داراشکوہ کی طرف سے صوبہ داری کی نیابت پر احمد آباد میں متعین تھا اس کا حامی تھا ۔اس لئے اس نے ان کا ساتھ دیا مگر وہ اکیلا کیا کرتا ۔ یہ متصدی استقبال کی تیاریوں کے اور مشورہ کرنے کے بہانے سید احمد کے گھر پر آئے اور اس کو اسی کے گھر میں قید کر دیا ۔اور شہر کے دروازے بند کر دیئے اور عالمگیر بادشاہ کے نام کا نقارہ بجوا دیا، اور طے کیا کہ داراشکوہ کو داخل نہ ہونے دیں گے۔

شہزادہ راہزن کی پناہ میں

جب داراشکوہ نے دیکھا کہ اس کی بدقسمتی اس سے پہلے احمد آباد پہنچ چکی ہے تو اس نے شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور احمد آباد سے دو کوس کے فاصلہ پر پرگنہ کری میں چلا گیا اس پرگنہ میں کانجی کولی نامی ایک مشہور سرکش اور راہزن رہتا تھا داراشکوہ نے اس کے پاس جا کر پناہ لی اور اس سے مدد کی درخواست کی ۔ ؎

آنکہ شیراں را کند رو بہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

کانجی شہزادہ کا رفیق بن گیا اور وہ اسے گجرات کی حدود سے نکال کر حد ملک کچھ کے تعلقہ میں لے گیا۔ اسی درمیان میں داراشکوہ کا ایک ملازم جسے اس نے سورت اور بھروچ کا حاکم بنایا تھا ۔پچاس سواروں اور دو سو پیادہ برقندازوں کے ساتھ اس کے پاس آ گیا ۔

جس وقت داراشکوہ احمد آباد آیا تھا کچھ کے زمیندار نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی تھی اور آئندہ کی توقعات پر بطور پیش کش اپنی لڑکی کو بھی سپہر شکوہ سے نامزد کر دیا تھا ۔اب جو داراشکوہ مارا مارا صحرانوردی کرتے ہوئے پہنچا تو اس نے صاف آنکھیں پھیر لیں اور ملنے تک کے لئے نہیں آیا حالانکہ داراشکوہ کو اس سے بڑی توقع تھی ۔دو تین دن داراشکوہ زمیندار مذکور کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ۔آخر مایوس ہو کر نہایت رنجیدہ اور غم زدہ بھکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مکشی قبیلہ کا حسن سلوک

جب وہ سندھ کی حدود میں داخل ہوا تو فیروز میواتی جواب تک آڑے وقتوں میں ساتھ دیتا آرہا تھا اس کا ساتھ چھوڑ کر

دہلی کی طرف فرار ہو گیا اور دارا شکوہ جاویان کی ولایت میں داخل ہو گیا مگر وہاں کے جنگلی قبائل نے اس کا راستہ روک لیا اور اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر دارا شکوہ ان سے لڑتا بھڑتا کمشیوں کی ولایت میں پہنچ گیا۔ کمشیوں کے سردار مرزا کمشی نے اس کا استقبال کیا اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور مہمان داری کے بعد ایران تک رہنمائی کرنے کی ذمہ داری لی اور خود اس کے بدرقہ کے طور پر ساتھ اپنے گھر لے گیا!

اور خود اس کے بدرقہ کے طور پر ساتھ چلا اور درہ

سے قندھار تک جو بارہ کوس پر تھا پہنچا دیا اور دارا شکوہ کو ایران چلے جانے کی بہت ترغیب دی اور اصرار کیا مگر وہ بدنصیب شہزادہ ابھی تک کھوئے ہوئے تخت و تاج کو واپس لینے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مرزا کمشی کی تجویز کو اس نے قبول نہیں کیا اور دہاندر کے زمیندار ملک جیون کے تعلقہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملک جیون پر دارا شکوہ کو بڑا بھروسہ تھا وہ اس پر ہمیشہ سے احسان کرتا رہا تھا۔ اور وہ بھی خطوط کے ذریعہ اپنی بندگی اور وفاداری جتاتا رہا تھا ؎

چو تیرہ شود مرد را روزگار

ہماں او کند کش نیاید بکار

دارا شکوہ کی بیوی کا انتقال

جب وہ ملک جیون کے علاقہ میں داخل ہوا تو بظاہر اس نے بڑی آؤ بھگت کی اور اسے اپنے گھر لے جا کر ٹھیرایا اور اس کی مہمان داری کرتا رہا۔ ان ہی دو تین دن میں دارا شکوہ کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ دارا شکوہ کی بیوی نادرہ بیگم جو پرویز کی بیٹی تھی۔ اسہال کے عارضہ میں فوت ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی آپس میں بہت محبت کرتے تھے دارا شکوہ کی پریشانیوں کے غم میں نادرہ بیگم گھل گھل کر کانٹا ہو گئی تھی۔ وہ مری تو دارا شکوہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مسلسل رنج و غم سے عقل بھی ٹھیک سے کام نہیں کر رہی تھی۔ اس نے طے کیا کہ بیوی کو اپنے پیر شاہ میر کے مقبرہ میں دفن کرائے چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے وفادار رفیق گل محمد کو جو اس بے کسی میں واحد سہارا بنا ہوا تھا اور اس سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا اور خواجہ معقول کو کہ اس کا دم بھی ان معدودے چند آدمیوں میں غنیمت تھا۔ بیوی کے تابوت کے ساتھ لاہور روانہ کر دیا۔ اور خود چند خدمت گاروں اور ناکارہ خواجہ سراؤں کے ساتھ ملک جیون کے پاس ٹھیرا رہا۔

داراشکوہ کی گرفتاری

بیوی کے ماتم سے فارغ ہونے کے بعد آخر اس نے طے کیا کہ ملک جیون سے مالی مدد لے کر اس کے بدرقہ اور رہنمائی میں ایران کے ارادہ سے قندھار چلا جائے۔ ملک جیون نے مصلحتاً ایران تک ساتھ دینے کی حامی بھرلی مگر وہ دل ہی دل میں اس کو گرفتار کر لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ مستقبل کے مفادات اور ترقی کے لالچ میں اس نے برسہابرس کے احسانات پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ چند کوس مہمان کی رفاقت میں طے کرنے کے بعد وہ اس بہانہ سے کہ ایران کے سفر کے لئے ضروری سازوسامان مہیا کرنا ہے واپس چلا گیا اور وعدہ کر گیا کہ سب انتظامات کر کے دو تین منزل پر آکر مل جائے گا۔ اپنے پیچھے اپنے بھائی کو اس ضلع کے راہزنوں اور سرکش آدمیوں کے ساتھ چھوڑ گیا۔ ملک جیون کے جانے کے بعد اس کے بھائی نے اپنی فوج کے ساتھ داراشکوہ پر غفلت میں حملہ کر دیا اور اسے اور سپہر شکوہ کو گرفتار کر کے اس کے ہمراہیوں سمیت ملک جیون کے پاس لے آیا اور پہلے سے طے کردہ مقام پر ان کو قید کر دیا۔ اور اپنی اس کارگذاری کی اطلاع راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کے پاس بھجوادی جو اجمیر سے داراشکوہ کے تعاقب میں چلے آرہے تھے۔ بھکر کے فوجدار باقر خاں کے پاس بھی اپنے اس کارنامہ کی اطلاع دینے کے لئے خط دے کر ایک تیز رفتار قاصد کو روانہ کر دیا۔ باقر خاں نے اسی وقت تیز رفتار شتر سوار کے ذریعہ اپنی عرض داشت ملک جیون کے خط کے ہمراہ بادشاہ کے حضور روانہ کردی۔

بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے محرمان خاص کو تو بتا دیا مگر دوسری اطلاع کے پہنچنے تک اس خبر کو سب سے پوشیدہ رکھا اپنی کسی بات سے خوشی اور مسرت کا اظہار نہیں کیا اور شادیانہ بجانے کا حکم نہیں دیا۔ یہاں تک کہ بہادر خاں کی عرض داشت جو مبارکباد پر مشتمل تھی پہنچی جس میں ملک جیون کی کوششوں سے داراشکوہ کی گرفتاری اور اسے ملک جیون کے ساتھ حضور میں روانہ کرنے کی اطلاع تھی۔ اواخر ماہ شوال میں بادشاہ نے شادیانہ بجانے کا حکم دیا اس کے ساتھ ہی جشن جلوس بھی منعقد ہوا جس کی تقریبات عید اضحیٰ تک منائی گئیں۔ جب داراشکوہ کی گرفتاری کی خبر پھیلی تو لوگ ملک جیون کو گالیاں دینے لگے اور اس پر لعنت و ملامت بھیجنے لگے۔

سلیمان شکوہ کے خلاف کارروائی

اس سال بادشاہ نے امیر الامرا شائستہ خاں کو دکن کی صوبہ داری پر مامور کر کے رخصت کیا اور بادشاہزادہ محمد معظم کو دربار میں طلب کر لیا۔ اور ملک جیون کے لئے خلعت، فرمان اور ہزاری دو سو سوار کے منصب کا پروانہ بہادر خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ سلیمان شکوہ سری نگر کے زمیندار کی پناہ میں اس کے تعلقہ میں مقیم ہے راجہ راج روپ کو بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ سری نگر کے زمیندار کو نصیحت کے طور پر لکھے کہ وہ سلیمان شکوہ کو اپنے علاقے سے نکال دے۔ ورنہ وہ بادشاہی عتاب اور غضب کے تحت پامال کر دیا جائے گا۔

الہ وردی خاں کا قتل

ملک شرقی کی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ جب شجاع اکبر نگر سے باندہ بہار کی طرف روانہ ہوا تو اسے الہ وردی خاں کے علیحدہ ہو جانے کے ارادوں کا پتہ چل گیا اور اس نے الہ وردی خاں کو اور اس کے لڑکے کو قتل کرا دیا۔

دارا شکوہ کی دہلی میں تشہیر

ماہ ذی الحجہ کے وسط میں بہادر خاں دارا شکوہ اور سپہر شکوہ کو حضور میں لے کر آیا۔ حکم ہوا کہ باپ بیٹے دونوں کو اسی طرح ہاتھی کی عماری میں بٹھاتے ہوئے لاہوری دروازہ سے دار الخلافہ دہلی میں داخل کریں اور چاندنی چوک بازار سعد اللہ خاں اور قلعہ ارک کے نیچے سے گذرتے ہوئے لوگوں میں ان کی تشہیر کریں، پھر پرانی دلی میں خضر آباد میں لے جا کر خواص پورہ کی عمارت میں مقید کر دیں بہادر خاں نے حسب الحکم دونوں کو خواص پورہ میں قید کر دیا اور حضور شاہی میں حاضر ہو گیا اور کافی انعام واکرام سے نوازا گیا۔

ملک جیون کے خلاف عوام کا مظاہرہ

ملک جیون کو اس کارگذاری کے صلہ میں بختیار خاں کا خطاب مل گیا تھا وہ دوسرے دن دہلی میں داخل ہوا۔ جب وہ شہر کی سڑکوں پر سے گذر رہا تھا تو راہگیر، لچے لفنگے اور دارا شکوہ کے حامی اور تمام پیشہ ور اشخاص ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے۔ اور اس "بختیار خاں" اور اس کے ہمراہیوں کو گالی دینے لگے اور ان پر خس وخاشاک اور نجاست پھینکی، مجمع کی سنگ باری سے اس کے اکثر ساتھی زخمی ہو گئے اور چند آدمی ہلاک بھی ہوئے۔ بختیار خاں پر اس کے ساتھیوں نے ڈھال اور سپر تان لی اور بمشکل اسے غضب ناک مجمع سے نجات دلا کر بادشاہ کے حضور پہنچا دیا۔ کہتے ہیں اس دن اتنا بڑا ہنگامہ برپا ہوا کہ کسی بہت بڑے فساد

کے پھیل جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا اگر عین وقت پکو توال شہر سپاہیوں کے ساتھ آ کر حالات کو قابو میں نہ کر لیتا تو ملک جیون کے اور اس کے ساتھیوں کے جان بچائے جانے کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ اور تو اور کوٹھوں پر سے عورتوں تک نے نجاست سے بھرے ہوئے کوزے اس کثرت سے ان پٹھانوں پر پھینکے کہ سارا بازار گندہ ہو گیا۔

داراشکوہ کو قتل کی سزا

دوسرے دن جب حسب الحکم کوتوال نے اس فساد کے سرغنوں کا پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ اس سارے ہنگامہ کا بانی ہیبت نامی احدی تھا جس نے سارے شہر میں ہنگامہ برپا کرا دیا تھا۔ علماء کے فتوے پر پہلے ہیبت کو قتل کر دیا گیا دوسرے دن کہ ذی الحجہ کی آخری تاریخ تھی فقہاء کی روایت اور فیصلہ کے مطابق کہ داراشکوہ نے حد شرع سے تجاوز کر کے تصوف کو بدنام کیا تھا اور الحاد و کفر پھیلانے کا مرتکب بنا تھا اس کو ذبح کر دیا گیا اور ہاتھی کی عماری پر اس کی لاش کو دوبارہ شہر کے بازار اور چوک سے گذارا گیا، لوگ اس کی لاش کو دیکھ دیکھ کر بری طرح گریہ وزاری کر رہے تھے۔ داراشکوہ کی لاش اس تشہیر کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں بے جا کر دفن کر دی گئی۔ سپہر شکوہ کے لئے حکم ہوا کہ اسے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیں۔

نظام محاصل میں اصلاحات

محاصل کی معافی کا فرمان

ان دو برسوں میں سارے ملک میں بڑا خلل و انتشار پیدا ہو گیا تھا، خاص طور سے شرقی اور شمالی علاقوں میں فوجوں کی نقل و حرکت کی وجہ سے اور بعض مقامات پر بارش نہ ہونے کی وجہ سے غلہ گراں ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے رفاہ عامہ کے مدنظر راہداری اور پاندری کے محصول معاف کر دیئے۔ راہداری کا ٹیکس ہر راستہ پر سرحدوں اور گھاٹوں پر وصول کیا جاتا تھا اور اُس کے تحت ایک بڑی رقم سرحدی خزانہ میں جمع ہوتی تھی۔ پاندری وہ محصول تھا جو ماہانہ اور سالانہ کے حساب سے کرایہ زمین کے عنوان سے وصول کیا جاتا تھا ہنرمند اور پیشہ والے قصاب کلال، سبزی فروش، بزاز، جوہری، صراف، بازاروں میں جہاں جہاں دکان لگاتے تھے اور خرید فروخت کرتے تھے۔ یہ محصول سرکار میں جمع کراتے تھے۔

محاصل کے ابواب ان کے علاوہ لاکھوں کی رقم مشروع اور غیر مشروع ہر طرح کے محاصل کے تحت خزانہ میں جمع ہوتی تھی ان ٹیکسوں میں سر شماری برشماری 'برگدی' چرائی 'بنجارہ' طوعانہ 'عرس' جاترہ کی آمدنیاں شامل تھیں۔ ہندوؤں کی عبادت گاہوں پر ہر سال ایک بار جاترہ کے موقع پر دور و نزدیک کے پرگنوں سے لاکھوں آدمی جمع ہوتے تھے' اور غلہ اناج مال اسباب کے وسیع پیمانہ پر خرید و فروخت ہوتی تھی ان کے ساتھ مسکرات قمار خانوں خرابات خانوں 'اور جرمانہ شکرانہ کی رقمیں بھی تھیں' پھر ایک رقم اس چوتھائی کی تھی جو حکام کی اعانتوں سے قرض خواہوں کو واپس ملنے والے قرضوں پر عائد ہوتی تھی۔ یہ سارے محاصل تقریباً اسّی عنوانات کے تحت آتے ہیں۔ اور ان کے تحت کروڑوں روپیہ قلم رو ہند سے سرکاری خزانہ میں جمع ہوتا تھا۔ عالمگیر نے پورے ملک سے ان ٹیکسوں کو برخاست کر دیا اور ان کی معافی عطا کر دی۔ یہ ٹیکس تو بالکل ہی معاف کر دیئے اور خاص طور سے گرانی کے پیش نظر غلہ اور اجناس پر لئے جانے والا عشر جس کو دیوان کے دفتر نے شرعی محصول قرار دیا تھا اور جس کا تخمینہ ۲۵ لاکھ روپیہ کا تھا معاف کر دیا۔ اور اس حکم کے اجراء کے لئے گرزبرداروں اور احدیوں کو ہر صوبہ میں خاص طور سے روانہ کیا گیا۔

بدانتظامی کا نتیجہ اس میں شک نہیں' رعیت پرور بادشاہ نے مذکورہ ابواب کے تحت آنے والے تمام محاصل کی معافی کا فرمان جاری کر دیا تھا اور ان کے لئے تہدیدی احکام بھی جاری کئے گئے تھے مگر بجز "پاندری" کے جو پایہ تخت میں اور حاکم نشین شہروں میں ہی وصول کیا جاتا تھا۔ دوسرے تمام محاصل باوجود بادشاہی ممانعت کے دور دراز کے فوج دار اور جاگیردار وصول کرتے رہے' ان لوگوں نے دو سبب سے ان ٹیکسوں کی وصولیابی جاری رکھی ایک تو بادشاہ عالمگیر کے عہد میں قلمرو ممالک ہند کے جاگیرداروں' فوج داروں اور زمینداروں کو قطعاً سزا اور پاداش جرم کا خوف نہیں رہا تھا دوسرا سبب یہ تھا کہ پوری طرح غور نہ کرنے اور تغافل برتنے کی وجہ سے دیوانی کے کارگزاروں نے کفایت اندیشی کی یہ صورت نکالی کہ ممنوعہ محاصل کی رقوم کو دیوانی کے تنخوں سے منہا نہیں کیا اور جاگیر کے پروانوں میں ان کو شامل رکھا۔ جاگیرداروں کو بہانہ چاہیئے تھا انھوں نے یہ کہہ کر کہ ان محاصل کی رقم ہماری تنخواہوں کے پروانوں میں درج ہے بیشتر

محاصل اور راہداری کا ٹیکس بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ وصول کرتے رہے اس میں شک نہیں یہ سب کچھ بادشاہ کی خلاف مرضی ہی تھا۔ اس لئے جب بھی پرگنوں سے اس بے عنوانی کی رپورٹیں ملتی تھیں، بادشاہ وہاں کے جاگیرداروں وغیرہ کے مناصب میں کمی کردیتے تھے اور گرزبرداروں کو ان کے خلاف مقرر کردیا جاتا تھا۔ مگر یہ گرزبردار بھی کچھ نہ کچھ مٹھی گرم کرکے چند دن کے لئے وصول یابیوں کو روک کر چلے آتے تھے، کچھ دن بعد یہ جاگیردار دربار میں اپنے کسی مرتبی سرپرست کے ذریعہ وکیلوں کے ساتھ ساجھا کرکے منصب کی کمی کو دوبارہ بحال کرالیتے تھے اس طرح بیشتر محاصل کی معافی روبہ عمل نہ آسکی خاص طور سے راہداری کی رقم جو بدترین اور مسافر آزار ٹیکس ہے جس کی بہت بڑی رقم جمع ہوتی تھی، پوری قلمرو ہند میں بیوپاریوں سے اور تنگ دست مسافروں، محتاج راگیروں سے فوجدار اور جاگیردار پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ وصول کرنے لگے تھے، اب بھی وصول کرتے ہیں۔

راہداری کے مظالم: زمینداروں نے جب دیکھا کہ بازپرس تو ہوتی نہیں ہے تو انھوں نے بھی اپنے اپنے تعلقہ میں بادشاہی تعلقوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر راہداری وصول کرنا شروع کردی۔ انتہا یہ کہ بندرگاہوں اور منڈیوں سے مال جس قیمت پر خریدا جاتا ہے، منزل مقصود پر پہنچتے پہنچتے اس پر قیمت سے دُگنا خرچ بیٹھ جاتا ہے۔ اس طرح راستوں اور گذرگاہوں پر ہمیشہ ایک آفت مچی رہتی ہے۔ آمدورفت کرنے والوں کی جان و مال اور آبرو زمینداروں جاگیرداروں کے رحم و کرم پر ہے۔ اس خرخشے میں ہزاروں مسافر جان سے بھی چلے جاتے ہیں۔ خاص طور سے دکن کے یہ فسادی مرہٹے صلح سے پہلے بھی اور صلح کے بعد بھی انشاءاللہ جس کا ذکر ہم محمد فرخ سیر بادشاہ کے حالات میں کریں گے۔ اس قدر مظالم ڈھاتے ہیں کہ حد بیان سے باہر ہے۔ دوسرے زمینداروں کا بھی یہی حال ہے اب بجز اس کے کوئی اور راہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عادل حق پرست ضابطہ بادشاہ کو تسلط عطا کرے جو ان ظالموں کو کیفر کردار پر پہنچا کر قرار واقعی سزائیں دے، اس صورت میں راہداری کا یہ ظلم مٹ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

بنگال میں شجاع سے مقابلے

پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ شجاع کے مقابلہ پر شاہزادہ محمد سلطان کو محمد معظم خاں (میر جملہ) کی اتالیقی اور سپہ سالاری میں روانہ کیا گیا تھا۔ دوران تعاقب میں چند ایک سخت لڑائیاں ہوئیں یہاں تک کہ شجاع جہانگیر نگر پہنچ گیا پھر وہاں سے وہ از سرِ نو فوج اور توپ خانہ تیار کر کے دو تین مرتبہ مقابلہ پر آیا، مگر ہر بار اسے مغلوب ہو کر فرار ہونا پڑا۔

شجاع کی فتنہ پردازی

ادھر بادشاہی لشکر میں بھی کچھ اندرونی خلفشار پیدا ہو گیا تھا تمام فوجی امور اور امراء فوج کی تعیناتی کے اختیارات معظم خاں کے ہاتھ میں تھے۔ یہ بات شہزادہ محمد سلطان کو گراں گذرتی تھی۔ شجاع کو بھی اس کیفیت کی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ اس نے شہزادہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اور شہزادہ کے پاس نامہ و پیام تحفے تحائف بھیجنے لگا، ظاہر ہے نوخیز ناتجربہ کار نوجوانوں کو دام میں لانے کے لئے یہی سب سے بہتر حربہ ہوتا ہے۔ حسب توقع اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہزادہ کا دل باپ کی طرف سے پھر گیا اور اپنے چچا کی طرف جھک گیا۔ شہزادہ کو پوری طرح نرغہ میں لے لینے کے لئے شجاع نے اپنی بیٹی کے رشتہ کی بھی پیشکش کر دی جو پہلے ہی اُس سے نامزد تھی۔ یہ پیش کش مزید ترغیب کا باعث بنی اور محمد سلطان بادشاہ سے بالکل ہی منحرف ہو گیا۔ جوانی دیوانی ہوتی ہی ہے اس عمر میں نوجوانوں کو بڑے بوڑھوں کی نصیحت اور روک ٹوک کڑوی معلوم ہوتی ہے اور وہ فطری طور پہ ہم عمر ہم مذاق لوگوں کی صحبت سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔ ان دنوں بادشاہزادہ بھی کچھ ایسے ہی بے ہنر اور بے عقل آدمیوں کی صحبت میں بیٹھنے لگا تھا، ان فتنہ پرداز چغل خوروں نے لگائی بجھائی کر کے شہزادہ اور معظم خاں کے درمیان بڑی ناچاقی پیدا کر دی اور روز بروز دونوں طرف

غبار خاطر میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

شہزادہ محمد سلطان کا فرار

اس معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ شہزادہ نے دشمن کے جھانسوں اور ہم نشینوں کے بہکاوے میں آکر شجاع سے مل جانے کی ٹھان لی اور سن جلوس کے ماہ رمضان کے آخر میں اپنے تباہ کار مصاحبوں کے ذریعہ شجاع کے پاس اس مطلب کا پیغام بھجوادیا۔ محمد سلطان نے رات کے آخری حصہ میں اپنے توپ خانہ کے داروغہ امیر قلی اور میر تزک قاسم علی کے ہمراہ جو اس سارے فساد کی جڑ تھے۔ چند خواجہ سراؤں کی مدد سے محل کی عورتوں اور کچھ جواہرات اور خزانہ کو دریائے گنگا کے کنارے بھجوادیا۔ جو دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا۔ شجاع کو جب محمد سلطان کا پیغام ملا تو اس نے اس بات کو عطیۂ خداوندی جانا اور فوراً اپنے بیٹے بلند اختر اور ایک بھروسہ کے آدمی جان بیگ کی نگرانی میں چند کشتیاں اور مزدور شہزادہ کے استقبال اور مال و اسباب اور خزانہ کو لانے کے لئے بھجوادیں اور جب شاہزادہ دریا کے اس کنارے پہنچ گیا تو شجاع کے آدمی دریا عبور کرکے وہاں پہنچ گئے اور شہزادہ کو اس کے خزانہ مال و اسباب وغیرہ کے ساتھ لے کر چلے گئے۔

بادشاہی لشکر کی مشکلات

یہ سربستہ راز بہت جلد افشا ہو گیا اور شہزادہ محمد سلطان کی شجاع کے پاس جانے کی خبر خیمہ بہ خیمہ سارے لشکر میں پھیل گئی۔ اس خبر سے بادشاہی لشکر کے اکثر آدمی بدحواس ہو گئے اور ان کے ارادے متزلزل ہو گئے۔ معظم خاں کو بھی اس خبر سے بہت صدمہ پہنچا تھا مگر اس نے بڑے ضبط و استقلال سے کام لیا اس نے شاہزادہ کے عدم وجود کو برابر سمجھا اور پورے رعب داب کے ساتھ سوار ہو کر لشکر میں گشت لگایا۔ مورچوں کا معائنہ کیا فوج کو اور ہمراہیوں کو تسلی دلاسا دیا اور اس تشویش انگیز واقعہ کے تدارک کی فکر میں لگا رہا۔ اتنے میں برسات کا موسم بھی سر پر آگیا۔ دریا کی طغیانی بارش کے سیلاب اور فوج کی دل شکستگی کے پیش نظر معظم خاں کو بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ ذوالفقار خاں، اسلام خاں، فدائی خاں، آغر خاں، راجہ اندرسن بندیلہ اور دوسرے تجربہ کار امراء کو لے کر جو اس کی کمک کے لئے فوجیں لے کر آئے ہوئے تھے۔ اکبر نگر سے تیس کوس پر ایک وسیع اور بلند مقام پر چھاؤنی ڈال دے اور وہاں بارش کا یہ موسم گذارے۔ اسی اثناء میں بہار کا صوبہ دار داؤد خاں جو کمک کے

لئے مامور کیا گیا تھا اس خبر کو سننے کے بعد فوراً روانہ ہو گیا تھا مگر بارش کی شدت اور سیلاب کی وجہ سے اسے راستہ ہی میں ٹھیر جانا پڑا۔ یہ خبر بھی ملی کہ دوبارہ دلیر خاں کو متعین کر دیا گیا ہے اور وہ روانہ بھی ہو چکا ہے۔

شجاع کے دریائی حملے

تازہ کمک پہنچنے نہ پاتی تھی کہ شجاع کی فوج نواروں اور بجروں کے ذریعہ اکبرنگر تک دھاوے مارتی رہی اور غفلت میں اچانک اس نے معظم خاں پر کئی ایک حملے کئے۔ معظم خاں ان حملوں کی مدافعت بڑی دل جمعی سے کرتا رہا مگر کمک پر آنے والے امراء میں سے بعض کے عدم تعاون اور منافقت کے سبب بادشاہی فوج کو دشمن کے مقابلہ میں شکست اٹھانی پڑی اور بہت سے آدمی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ معظم خاں یہ صورت حال دیکھ کر قلب لشکر سے نکل آیا اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھاتے ہوئے غنیم پر بڑھ کر حملہ کر دیا یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ شجاع کے دو تین بڑے امیر جیسے اسفندیار خاں، ابوالحسن اور گردہر راٹھور وغیرہ مارے گئے اور زخمی ہو گئے اس کے باوجود غنیم کا پلہ برابر بھاری رہا اور اسی حال میں کئی ایک جھڑپیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ بارش کی شدت ختم ہو گئی اور ندی نالوں اور دریا کی طغیانی تھم گئی اور داؤد خاں تازہ دم کمک لے کر بادشاہی فوج سے آکر مل گیا۔ دلیر خاں کے بھی قریب آنے کی خبر مل گئی تھی۔ روز بروز معظم خاں کی قوت بڑھتی رہی چند ہی دن میں دلیر خاں بھی دو تین ہزار بہادر افغانوں کا لشکر لے کر معظم خاں کے پاس حاضر ہو گیا۔ خان نے اسے چند قیمتی کپڑے گھوڑا ہاتھی جواہرات اور نقد روپیہ عطیہ دیا اور اس کی عزت افزائی کی۔

محمد سلطان کی شادی

اس طرف شجاع اکبر نگر جا کر ٹھیر گیا اور وہاں اُس نے اپنی بیٹی کا شاہزادہ سے عقد کر دیا۔ لڑکی کے جہیز میں اس نے کافی زر و جواہر عربی عراقی گھوڑے طلائی اور مینا کار ساز والے ہاتھی اور چاندی کا ساز و سامان دیا اور ہدایت کی کہ شاہزادہ محمد سلطان چند دن اکبرنگر میں ایام عروسی بسر کرنے کے بعد لشکر میں حاضر ہو جائے۔ شادی سے فارغ ہو کر اس نے از سر نو جنگ کی تیاریاں کیں۔ لشکر کو آراستہ کیا اور خشکی کے لئے توپ خانہ ترتیب دیا دریا کے لئے چند ہزار جنگی کشتیوں کا بیڑہ تیار کیا۔ واضح رہے اس سرزمین میں لڑائی کا دارو مدار خشکی سے زیادہ دریا پر اور بہتر جنگی بیڑہ پر ہے۔ غرض ان تیاریوں کے بعد شجاع نے بادشاہی لشکر پر ہر طرف سے فوج کشی کر دی۔

اب اگر ہم اس موقع پر معظم خاں کی تیاریوں اور دلیرانہ تدبیروں کی تفصیل بیان کریں جو اس نے بارش کے ختم ہونے اور دلیر خاں کے پہنچنے کے بعد سرانجام دی تھیں تو بڑی طوالت ہوگی۔ مختصر یہ کہ پندرہ بیس دن میں بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں اور اللہ کے فضل سے ہر مرتبہ بادشاہی لشکر کامیاب ہوا اور شجاع مقابلہ کی تاب نہ لاکر فرار ہوگیا۔ مگر اس کی سب سے بڑی قوت دریائی بیڑہ تھا اس نے جنگی کشتیوں اور بجروں کے ذریعہ دوبارہ مقابلہ کیا اور دریا کی راہ آکر کئی ایک شب خون مارے۔ ان معرکوں میں بادشاہی فوج کے بھی بہت سے نامی افسر کام آگئے تھے مگر اسلام خاں، فتح جنگ خاں، دلیر خاں اور داؤد خاں نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اور خوب جم کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ اب جب کہ شاہزادہ محمد سلطان شجاع کے بیٹے بلند اختر کے ساتھ میدان جنگ میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوتی، کبھی یہ فوج غالب آئی تو کبھی دوسری۔ البتہ اس معرکہ میں بادشاہی توپ خانہ نے غنیم کی بہت سی جنگی کشتیوں کو نشانہ بناکر دریا میں غرق کردیا اور خاصی تعداد میں اس کی کشتیوں پر قبضہ بھی کرلیا۔

خونی گھاٹ ان تمام لڑائیوں میں جو دونوں لشکروں کے درمیان ہوئیں، ہم ایک لڑائی کا حال جو بڑی حیرت انگیز تھی، مجملاً لکھنا چاہتے ہیں۔ شجاع کی فوج دریائے گنگا کے دوسرے کنارے پر بلند اختر کی کمان میں تھی اس نے ایک ایسے گھاٹ پر توپ خانہ نصب کر رکھا تھا۔ جہاں بعض مقامات پر دریا پایاب تھا، یہ فوج اس گھاٹ پر مورچے جماکر بادشاہی لشکر کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ جب معظم خاں کی فوج جس کی ہراولی اور قراولی آغر خاں کے سپرد تھی، دریا کے کنارے پہنچی تو دونوں کناروں پر لکڑی کے دو ستون نصب تھے۔ جو اس بات کا نشان تھے کہ یہاں دریا پایاب ہے، مگر پانی بعض جگہ سینہ تک چڑھا ہوا تھا، پھر دوسری طرف سے غنیم بڑی سخت گولہ باری کر رہا تھا۔ بادشاہی لشکر پانی کی زیادتی اور گولہ باری کی وجہ سے آگے بڑھتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ یہ دیکھکر آغر خاں فوج سے آگے نکلا اور بے تامل اس نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اس کے پیچھے دلیر خاں نے بھی اپنے ہاتھی کو دریا میں اتار دیا۔ دلیر خاں کا بیٹا گھوڑے پر سوار تھا اس نے باپ کی پیروی کی اور دوسرے بہادر لشکریوں کے ساتھ دریا میں ایڑھ لگادی یہ پیش قدمی بڑی جرأت مندانہ تھی کیونکہ اس وقت دشمن کی توپیں آگ اگل رہی تھیں اور بندوقچیوں نے

گولیوں کی بوچھاڑ کر رکھی تھی۔ اس تسلسل سے گولہ باری ہو رہی تھی کہ پلک جھپکنے تک کا موقع نہیں ملتا تھا اور لوگ گولہ باری کی زد میں آکر دریا میں غرق ہوتے جا رہے تھے۔

اسی ہنگامۂ دارو گیر میں جب کہ فوج گھاٹ کو عبور کر رہی تھی ہاتھیوں اور گھوڑوں کی ریل پیل میں گھاٹ کی تختہ بندی اکھڑ گئی، اور لکڑی کے وہ ستون جو پایاب راستہ کی نشان دہی کرتے تھے گر گئے۔ ادھر دریا میں لشکر کی کثرت اور جانوروں کی تکادو سے دریا کے تہ کی ریت بھی خالی ہوتی چلی گئی اور جو تھوڑی بہت پایابی تھی وہ بھی باقی نہیں رہی اور دریا اور زیادہ گہرا ہو گیا، جس کے سبب بے شمار سوار اور پیادے غرق ہو گئے۔ ان میں دلیر خاں کا بیٹا بھی تھا جو گھوڑے سمیت دریا میں غرق ہو گیا اور ایسا گم ہوا کہ زندہ مردہ اس کا پتہ تک نہیں چلا۔ آتشیں بان اور گولوں کی بوچھاڑ اور بارود کے دھوئیں کی کثرت سے یہ حال ہو گیا تھا کہ باپ بیٹے کو پہچان سکتا تھا نہ بھائی بھائی کی مدد کر سکتا تھا اور سارا دریا خون خون ہو گیا تھا۔ بس وہی لوگ جو گھوڑوں کو تیراتے ہوئے نکل گئے یا وہ جو تیرنا جانتے تھے اور گولہ باری سے بچ گئے تھے جان ہتھیلی پر لئے دریا کو عبور کر گئے۔

جنگی ہاتھی پر دلیرانہ قبضہ

دریا پار کرنے کے بعد آغر خاں دلیر خاں کے ہاتھی کے آگے تلوار چلاتے ہوئے دشمن کے سواروں اور پیادوں میں گھس گیا تھا۔ اچانک ایک فیل بان اپنے مست ہاتھی کو دوڑاتا ہوا اس کے مقابل لے آیا، اس بہادر نے جوشِ شجاعت میں تلوار سونت کر حملہ آور ہاتھی کی سونڈ پر حملہ کر دیا۔ غضب ناک ہاتھی نے گھوڑے کو مع سوار اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا اور دونوں کو اس بری طرح زمین پر پٹخ دیا کہ دونوں ایک دوسرے سے دس قدم کے فرق سے زمین پر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ دونوں کو شدید چوٹ لگی گھوڑے کی آنتیں پھٹ گئی تھیں مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا آغر خاں بھی جلدی سے سنبھل کر اٹھا اور دوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دوبارہ ہاتھی پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا مگر گھوڑے کا حال برا ہو رہا تھا اور اب اس کالی بلا کے سامنے جانا جان سے ہاتھ دھونا تھا اس لئے ایڑھ لگا کر ہاتھی کے پیچھے جا نکلا اور فیل بان کے قریب ہو کر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ اسے ہاتھی پر سے نیچے گرا دیا اور بجلی کی طرح گھوڑے کی پشت پر سے اچھل کر ہاتھی کے سر پر جا بیٹھا مگر آنکس اس کے ہاتھ نہیں رہا تھا اور ہاتھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے حیران ہو گیا کہ اب کیا کرے اس وقت اس کے ایک ملازم نے چیخ کر کہا: کمر سے خنجر کھینچ کر

اس سے آنکس کا کام لیجئے"۔ دلیر خاں اپنے ہاتھی پر سوار آغر خاں سے دس بیس قدم پیچھے ہی اس فیل نبرد سود ما کی بہادری کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ہاتھی پر قبضہ کرتے ہی وہ اپنا ہاتھی بڑھا کر قریب آگیا اور آفریں تحسین کہتے ہوئے اس کے ہاتھی کے اطراف چکر کاٹنے لگا۔ آغر خاں نے کہا "میں نے اس ہاتھی کو حضور کے لئے ہی گرفتار کیا ہے حضور اپنے فیل بان کو حکم دیں کہ اسے اپنی تحویل میں لے لے۔ البتہ میری سواری کے لئے آپ اپنا کوئی کوتل گھوڑا مرحمت فرمادیں"۔ دلیر خاں نے اس کی بڑی تعریف کی اور کہا "نہیں یہ ہاتھی تو تمہاری ہی نذر ہے"۔ اس کے علاوہ اس نے آغر خاں کو دو عربی اور ترکی گھوڑے بھی پیش کئے اور اپنے ایک مہاوت کو حکم دیا کہ "ہاتھی پر سوار ہو کر اسے سنبھال لے" آغر خاں ہاتھی سے اتر کر پھر گھوڑے کی پشت پر سوار ہوگیا اور بہادر مغلوں اور پٹھانوں کی ایک بڑی جمعیت کے ہمراہ دشمن کی فوج کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھ گیا۔ ؎

دمادم بر آمد ز ہر پہلوی　　چکا چاک برخاست ز ہر سوئی
تو گفتی ہوا تیرہ بارد ہمی　　سراسر جہاں تیغ بارد ہمی

غرض پے در پے حملوں اور بہادرانہ جھڑپوں کے بعد شجاع کے بہت سے آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے جن میں دو تین نامی گرامی امیر بھی تھے۔ بادشاہی فوج کی بھی بڑی جمعیت اس معرکہ میں کام آگئی۔ آخر دشمن کا ہراول تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلا شجاع کا بیٹا بھی ایسا بدحواس ہو کر فرار ہوا کہ باپ کے پاس جا کر ہی اُس نے دم لیا۔

ملا امیدی کے اشعار

ملا امیدی ایک شاعر تھا جو بڑے برجستہ اور آب دار شعر کہتا تھا اسے دلیر خاں سے کچھ رنجش تھی۔ دلیر خاں کے بیٹے کی غرقابی پر اُس نے یہ چند شعر عمداً فارسی زبان کو بگاڑ کر کہے تاکہ اس پر شبہ نہ ہو اور ان اشعار کو دلیر خاں کے پاس بھجوا دیا۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

پسر نواب دلیرخاں ز اسپ غلطیدو رفت
ہر سوارش پدر در یک نفس گوزید و رفت
چوں پدر بر فیل بود اسوار و او بر اسپگی
لاجرم از روئے غیرت بر پدر تہ رید و رفت
گرد بادی بود از خاشاک و کہ جمع آمدہ

درمیان آب چوں سرگیں بخود پیچید ورفت

"نواب دلیر خاں کا بیٹا گھوڑے سے گرا اور چلتا ہنا
باپ کے چہرے اور ڈاڑھی پر گوز چھوڑ کر نکل گیا
چونکہ باپ ہاتھی پر تھا اور وہ ایک ٹٹو پر
اس لئے غیرت کے مارے باپ پر غصہ کیا اور چلا گیا
گرد و غبار اور گھاس پھوس میں اٹا ہوا وہ بگولہ بن گیا تھا
پانی میں گیا تو گوبر کے اُپلے کی طرح چکر کھانے لگا اور غائب ہو گیا"

ملا امیدی نے روزمرہ کو بگاڑ کر شعر کہے تھے مگر جب دلیر خاں کے پاس یہ شعر پہنچے تو وہ جان گیا کہ کس کے شعر ہیں اور ملا کو گرفتار کرنا چاہا مگر ملا امیدی بھاگ کر شجاع کے لشکر میں چلا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد معظم خاں کو سفارشی بنا کر رومال سے ہاتھ بندھوائے دلیر خاں کے حضور آ کر کھڑا ہو گیا۔ دلیر خاں نے نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ نقدی اور خلعت دے کر اسے اپنا مصاحب بنا لیا۔

بہرحال شجاع کے ساتھ جنگ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا ندی نالوں اور دریائے گنگا پر جنگی بیڑے مقابلہ کرتے رہے اور ٹانڈہ کے اطراف جو اس ضلع کا مشہور مقام تھا اور جو شادی کے بعد محمد سلطان کی قیام گاہ تھا۔ مسلسل لڑائی جاری رہی اور دونوں طرف سے بہت نامی گرامی آدمی اور عام لشکری جنگ کی قربان گاہ پر برابر بھینٹ چڑھتے رہے۔

عالمگیر بادشاہ کا کوچ

خلد مکاں (عالمگیر) کو جب شاہزادہ محمد سلطان کے شجاع سے مل جانے اور معظم خاں کی جان توڑ کوششوں کی اطلاعات ملیں تو بادشاہ نے خود محاذِ جنگ پر جانا مناسب خیال کیا اور پانچ ماہ ربیع الاول (۱۰۶۹ھ) کو مشرقی ہند کی طرف کوچ کر دیا۔ انہی دنوں محمد امین خاں اور اعتماد خاں (عرف عبدالقوی) کی سفارش پر راجہ جسونت کو از سرِنو "مہاراجہ" کا خطاب دیا۔ اور سیر و شکار کرتے ہوئے سفر جاری رکھا۔

عالمگیر کی ایک ایجاد

اسی ماہ کی ۲۲ تاریخ کو دکن سے شاہزادہ محمد معظم نے آ کر حاضری دی۔ ہاتھی کی سواری کے لئے بادشاہ نے ایک بنگلہ نما [illegible] عماری کی فرمائش کی تھی اور یہ صرف عالمگیر ہی کی اختراع تھی۔ خان ساماں نے

اسے تیار کرا کے اس سفر میں پیش کیا تھا۔ یہ عماری ہاتھی پر بندھوائی گئی اور بادشاہ نے زرگر خانہ کے داروغہ کو اور اس سنار کو جس نے یہ عماری تیار کی تھی خلعت اضافہ ہاتھی اور نقد انعام عطا کیا۔

محمد معظم کی شادی

گنگا کے کنارے ایک منزل پر بادشاہ نے ایک ہفتہ تک قیام کیا ربیع الثانی کے وسط میں شاہزادہ محمد معظم سے مرزا سنجر نجم ثانی خراسانی کی بیٹی نور النساء خانم کا عقد کر دیا۔ دولہا دلہن شاہی عنایات و اعزازات سے مالا مال ہو گئے۔

شہزادہ محمد سلطان کی واپسی

ان ہی دنوں شاہزادہ محمد سلطان کی شجاع کے پاس سے واپس آ جانے اور معظم خاں (میر جملہ) کے پاس پہنچ جانے کی اطلاع ملی۔ شاہزادہ جوانی اور ناتجربہ کاری کے سبب شجاع کے دام میں پھنس گیا تھا مگر اب اس نے جو توجہ اور غور سے معاملات کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے چچا کا انجام کچھ اچھا ہونے والا نہیں اور وہ بھی اس کے ساتھ جان و ایمان سے جاتا رہے گا۔ اب وہ اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان تھا آخر کار وہ شجاع کے پاس سے نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگا۔ مگر وہ خود تو اکبر نگر میں شجاع کے پاس تھا اور اس کی بیوی ٹانڈہ میں تھی جو وہاں سے ایک دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ مگر ایک اچھا موقع اس کے ہاتھ آ گیا۔ اتفاق سے انہی دنوں اس کی بیوی کی بیماری کی اطلاع ملی، اس نے بیوی کی خبر گیری کا بہانہ کر کے شجاع سے اجازت لے لی اور ٹانڈہ آ گیا، اور وہاں سے اس نے اسلام خاں کو جو دریا کے دوسرے کنارے پر بادشاہی لشکر لئے پڑا تھا اپنے ارادہ کی خفیہ طور پر اطلاع دے دی اور مدد کے لئے ایک فوج کو مقررہ وقت پر بھیجنے کی ہدایت کی کہ وہ اشارہ کی منتظر رہے۔ اس انتظام کے بعد ۸ رجمادی الاول کو اس نے مچھلی کے شکار اور دریا کی سیر کا پروگرام بنایا اور چار کشتیوں میں چند خواجہ سراؤں کے ساتھ اپنی بیوی کو لے کر بیٹھ گیا اور جواہرات اور اشرفیاں جتنی وہ لے جا سکتا تھا ساتھ رکھ لیں۔ اور اس گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا جس پر اسلام خاں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس اثناء میں شجاع کے آدمیوں کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ کشتیوں پر سوار ہو کر اس کا تعاقب کرنے لگے۔ اسلام خاں فوج اور توپ خانہ لئے منتظر تھا ہی، جب اس نے دیکھا کہ دشمن شاہزادہ کا تعاقب کر رہا

ہے تو وہ بھی اپنے بیڑے کو لے کر شاہزادہ کے استقبال اور مخالف کشتیوں کی مدافعت کے لئے آگے نکل آیا۔ اب دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی اور شہزادہ محل خاص کے ساتھ بڑی مشکلوں کے بعد کنارہ پر صحیح سلامت پہنچ سکا مگر اس کے ساتھ کی ایک کشتی جس پر کچھ سازوسامان اور محل کی چند عورتیں اور خادم وغیرہ تھے اور زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گئی تھی دو تین گولے اس کے قریب آکر پھٹے جن کے صدمہ سے وہ غرق ہو گئی اس کے سواروں میں سے چند مرد اور چند عورتیں دریا کی نذر ہو گئیں۔ بہت سے آدمیوں کو اسلام خاں کی کشتیوں نے بروقت مددی اور ڈوبنے سے بچا لیا۔ جب معظم خاں کو یہ خبر ملی تو وہ باغ باغ ہو گیا۔ اس وقت شاہزادہ کے لئے ایک مختصر خیمہ حاضری اور میوہ روانہ کیا۔ پھر تین دن بعد شاہزادہ کی ملاقات کے لئے خود حاضر ہوا اور تسلی دلاسا دے کر شاہزادہ سے عرض داشت لکھائی اور اپنے عریضہ کے ساتھ اسے بادشاہ کے حضور روانہ کر دیا۔

شجاع کا فرار

شاہزادہ کے دوبارہ بادشاہی لشکر میں چلے جانے سے شجاع کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اسی دوران میں دونوں لشکروں کے درمیان چند بڑے سخت معرکے ہوئے انہی دنوں معظم خاں کے پاس مونگیر کے خزانہ سے چودہ لاکھ پچاس ہزار روپیہ پہنچ گیا جس سے لشکر تازہ دم ہو گیا۔ آخر کار شجاع بادشاہی لشکر کے حملوں کی تاب نہ لا کر حیران و سرگرداں کسی طرف کو نکل گیا اور بنگالہ کا وسیع ملک معظم خاں کے لئے چھوڑ دیا۔

محمد سلطان کی گرفتاری

معظم خاں نے بادشاہ کے حکم پر شاہزادہ محمد سلطان کو فدائی خاں کی تحویل میں ضروری سازوسامان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ارادت خاں کو بھی ساتھ بھیج دیا جو اس فتنہ کا بانی تھا۔ جب شاہزادہ کی آمد کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو بادشاہ نے الہ یار خاں گرز بر داروں کے داروغہ کو حکم دیا کہ وہ آگے جا کر شاہزادہ کو سرراہ قید میں لے لے اور اسے ارادت خاں کے ساتھ دریا کے راستے کشتی پر سوار کرا کے سلیم گڑھ پہنچا دے، جو پرانی دہلی کے قلعوں میں سے ایک گڑھی ہے۔ پھر فرمان صادر ہوا کہ فدائی خاں ارادت خاں کو اپنے ہمراہ دربار میں لے آئے۔ جب دونوں حاضر دربار ہوئے تو بادشاہ نے فدائی خاں پر نوازش فرمائی اور ارادت خاں کو منصب سے برطرف کر کے مجرا سے منع کر دیا۔

نظر بند باپ اور حکمراں بیٹے کی مراسلت

اعلیٰ حضرت شاہجہاں اور خلد مکاں عالمگیر کے مابین بڑی طویل مراسلت ہوتی رہی تھی جن میں گلہ شکوہ، خفگی، غصہ کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔ اس ساری مراسلت کو نقل کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔ پھر اعلیٰ حضرت کے خطوط کے مسودے بھی دستیاب نہیں ہوسکے مگر ان کے جواب میں خلد مکان نے جو خطوط لکھے تھے وہ موجود ہیں ان میں سے دو تین مسودے ہم یہاں نقل کرتے ہیں ان سے اعلیٰ حضرت کے خطوط کے مضمون کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

پہلا خط

یہ خط اعلیٰ حضرت کے اس خط کے جواب میں جس میں خواجہ سرا چٹھی نویس کو طلب کیا گیا تھا۔ لکھا گیا ہے۔

"بعد ادائے مراسم عقیدت عرض ہے کہ حضور کے دست مبارک سے لکھا ہوا فرمان اس مرید کے عریضہ کے جواب میں وصول ہوا جس کا مطالعہ باعث بصیرت اور وجہ سرور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور کی سلامتی اور صحت وعافیت کی توقع ہے قضاً وقدر کے تابع فرمان یہ مجبور بندہ مشیت الٰہی کے مطابق بڑے خطرناک بھنور میں جا پڑا تھا اور بلحاظ ظاہر و باطن بڑے بڑے صدمے اُسے برداشت کرنے پڑے۔ اب وہ اپنی خجالت و شرمندگی کے بارے میں کیا عرض کرے، کیونکہ اعلیٰ حضرت پر سب کچھ روشن ہے، یہ عاجز تو ہمیشہ درگاہ ایزدی میں دست بدعا رہتا ہے کہ حضور والا کی خوشنودی اسے حاصل ہو جائے اور اسے تلافیٔ مافات اور خطاؤں پر عذر خواہی کا موقع مل جائے تاکہ وہ قبلہ و کعبہ کی خوشنودی کے مطابق خدمت انجام دے سکے۔ آنحضرت کی ذرہ پروری اور بندہ نوازی سے مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں گے۔ بعض معاملات پر عمل درآمد جیسا کہ اس سے قبل لکھا گیا ہے، اضطراراً تھا

اس سلسلہ میں بھی میں ہزار بار شرمسار ہوں۔ خواجہ سرا چٹھی نویس کی جس وقت بھی آپ کو ضرورت ہو حکم دیں، حاضر خدمت ہو جائے گا۔"

دوسرا خط یہ دوسرا خط ان دنوں لکھا گیا تھا جب شجاع پہلی مرتبہ عالمگیر کے مقابلہ سے ہزیمت کھا کر بھاگا تھا اور دارا شکوہ کی گرفتاری سے پہلے بادشاہ نے قاصدوں کی آمد و رفت پر نگرانی قائم کردی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان دنوں نصیحت و اعتراض پر مشتمل ایک خط لکھا تھا۔ اس خط میں غسل خانہ اور آب دار خانہ کے متعلق بھی شکایت لکھی تھی جو اعلیٰ حضرت کے لئے بند کر دیئے گئے تھے۔ اتفاق سے انہی دنوں ہندی زبان میں لکھا ہوا اعلیٰ حضرت کا ..... ایک خط بھی پکڑا گیا تھا جو شجاع کے نام تھا۔ باپ کے جواب میں خود عالمگیر نے یہ خط تحریر کیا۔

"بعد ادائے مراسم عقیدت و عبودیت عرض خدمت ہے کہ حضور کے خط خاص سے لکھا ہوا صحیفہ مدت بعد صادر ہوا جس کا مطالعہ میرے لئے باعث سعادت تھا۔ جو حال آپ نے لکھا تھا واضح ہوگیا۔ خطوط پر پابندی اور نگرانی کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے۔ حضور پر پوشیدہ نہ رہے کہ ابتداء ہی سے اور ان حالات کے رونما ہونے کے بعد سے ہی جو تقدیر الٰہی کے تحت پیش آئے میرا عقیدہ یہ رہا کہ حضور عقلِ کل ہیں، اور آپ کی عمر گرامی کے بیشتر اوقات زمانہ کے پست و بلند اور دنیا کے تجربات میں گذرے ہیں، آپ خود ان امور کے قضا و قدر کا نتیجہ جان کر اس مرید کے معاملات کو بگاڑنے اور دوسروں کے معاملات کو رونق دینے کی کوشش نہ فرمائیں گے جب کہ ارادۂ الٰہی ان کے شامل حال نہیں ہے، اسی یقین پر میں نے بہتر سے بہتر سلوک کو قائم رکھا تھا اور یہ خواہش تھی کہ شورش کے رفع ہونے کے بعد حضور والا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں سعی کروں گا اور اس طرح سعادت دارین حاصل کر سکوں گا۔ اس درمیان

میں بار ہا سننے میں آیا کہ اس فتنہ و فساد کے اٹھنے اور مخلوق کے معاملات کے درہم برہم ہونے میں حضور والا کی تحریک کارفرما رہی ہے اور یہ بھائی آپ ہی کی ہدایت پر ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور جان لڑا رہے ہیں مگر میں نے لوگوں کی ان باتوں پر کان نہیں دھرا اور حضور کی عقیدت سے انحراف نہیں کیا۔ لیکن افسوس حضرت کی بے توجہی کی خبریں متواتر پہنچتی رہیں' چنانچہ یہ بات شجاع کے نام ہندی میں لکھے ہوئے قلمی خط سے بخوبی واضح ہے اب یہ یقین ہو گیا کہ آنحضرت اس مرید کو قطعاً پسند نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ دوبارہ حاصل ہو جائے۔ اور اس فدوی کی ساری کوششوں پر جب کہ وہ احکام دین کے اجراء اور مہمات مملکت کے انتظام میں مصروف ہے پانی پھر جائے۔ اب جب کہ آپ کسی طرح بھی اپنے ان خیالات کو ترک کرنا نہیں چاہتے ہیں اور برابر اپنی روش پر مصر ہیں' مجھے بمجبوراً احتیاطی تدابیر اختیار کرنی پڑیں اور فتنہ و فساد کے تدارک کی خاطر وہ کچھ کرنا پڑا جس کے لئے دل آمادہ نہیں تھا میری اس بات پر خدا شاہد ہے۔

مجھے تو اس وقت اطمینان خاطر ہو گا جب کہ وہ دو فتنہ پرداز جو دو مرتبہ بے غیرتی کے ساتھ میرے مقابلہ سے بھاگ گئے ہیں ممالک محروسہ سے نکل جائیں یا اللہ کی توفیق و مدد سے گرفتار ہو کر اپنے بتیرے بھائی کے ساتھ بٹھا دیئے جائیں ؎

سر دارش ملک تا بر تن است

تن ملک رافتنہ پیراہن است

انشاء اللہ تعالیٰ جب مدعیان ملک کا معاملہ ان دو صورتوں میں سے کسی ایک طرح طے پا جائے گا تو پھر بلاوجہ ان احتیاطی تدبیر

کو باقی نہیں رکھا جائے گا۔

آپ نے آبدار خانہ کے متعلق لکھا تھا اس صورت میں جب کہ حضور ہمیشہ محل کے اندر رہتے ہیں غسل خانہ میں آب خاصہ کی آخر کیا ضرورت ہے۔ اور یہ لباس خانہ پر جو مہر لگائی گئی تھی وہ صرف متعلقہ داروغہ کے فوت ہو جانے کے سبب تھی دوسرے داروغہ کے مقرر ہوتے ہی پوشاک مبارک بدستور سابق بلا زحمت پہنچتی رہے گی۔

تیسرا خط

تیسرا خط اعلیٰ حضرت کے اس مکتوب کے جواب میں تھا جس میں بیٹے کے قصور معاف کر دینے کا ذکر تھا اور دارا شکوہ کی پوشاک کے جواہرات عالمگیر بادشاہ کے لئے روانہ کرنے کی اطلاع تھی یہ پوشاک محل میں رہ گئی تھی۔

" بعد ادائے وظائف عقیدت عرض ہے کہ اس مرید کے عریضہ کے جواب میں عطوفت نامہ بڑی نیک ساعت میں صادر ہوا۔ قصوروں اور لغزشوں کی معافی کی خوش خبری سے بڑی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی اب میں آپ کے الطاف کریمانہ کا امیدوار ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے انصاف وقدردانی کی رو سے عفو کو انتقام پر ترجیح دی اور سراپا گناہ روسیاہ کو اندوہ وملال کے گرداب سے بچا لیا۔ کرم خداوندی سے امید ہے کہ اس کے بعد اس مرید سے ایسا کوئی امر صادر نہ ہوگا۔ وہ عالم غیب جسے جھوٹ پر گواہ قرار دینا اہل اسلام کے نزدیک کفر اور تمام مذہبوں میں مذموم سمجھا گیا ہے۔ بخوبی جانتا ہے کہ یہ مرید کبھی مرضی والا کی مخالفت کا مرتکب نہیں ہوا ہے اور نہ ہے، جیسا کہ اہل نفاق باور کراتے رہے ہیں، بلکہ وہ تو خود کو حضور کا نائب سمجھتے ہوئے اس عظیم ذمہ داری کو سرانجام دے رہا ہے مگر چونکہ اظہار نیابت کی صورت میں ملک وملت کے نظم ونسق اور رعایا کی تسلی کا امکان نہیں تھا، اس لئے ملک اور رعایا کے حالات کے

تقاضہ سے مجبور ہو کر چند دن کے لئے یہ رویہ اختیار کرنا پڑا جو قطعاً مرغوب خاطر نہیں تھا اور خدا واقف ہے کہ اس سلسلہ میں کتنی شرمندگی اُٹھانی پڑی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ جیسے ہی مملکت میں امن و امان قائم ہو جائے گا اور فتنہ و فساد کا یہ غبار بیٹھ جائے گا۔ حضور والا کے حسب پسند تمام معاملات تشکیل پا جائیں گے۔ یہ مرید جس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف رضا جوئی اور حسنِ خدمت کو قرار دے رکھا ہے آخر وہ اس دنیائے فانی کی خرافات کے لئے کس طرح اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ حضور والا کے مبارک اوقات جن کی خوشی پر جان و مال اہل و عیال سب قربان ہیں۔ اطمینان و سکون سے نہ گذریں اور محل کے خدام آپ کی خدمت گذاری کی سعادت سے محروم رہیں۔

اس درمیان میں چونکہ شجاع فاسد ارادے کر الٰہ آباد پہنچ چکا ہے اور وہاں شورش برپا کرنے میں مصروف ہے۔ یہ مرید بھی جسے ابھی ابھی شہزادۂ کلاں کی طرف سے کچھ فراغت نصیب ہوئی تھی اللہ کی تائید اور اعانت کے بھروسہ پر اسی ماہ کی ۲ تاریخ کو الٰہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی اور حضور والا کی باطنی توجہ سے امید ہے کہ بہت جلد اس قضیہ سے فارغ ہو جائے گا۔ اس کے بعد قطعاً کسی بھی معاملہ میں وہ مرضیِ مبارک کے خلاف عمل نہیں کرے گا۔

حضرت والا پر یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی امانتیں ایسے ہی شخص کو سپرد فرماتے ہیں جو رعایا کی نگہداشت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ عقلاً جانتے ہیں کہ بھیڑیا چوپانی کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی کم حوصلہ اس امرِ خطیر (یعنی حکومت) کی ذمہ داریوں کو سرانجام نہیں دے سکتا کیونکہ ملک رانی سے پاسبانیٔ خلق مراد ہے۔ نفس پروری اور شہوت رانی نہیں۔ بہرحال

اللہ تعالیٰ اس مرید کو حضور والا کی بابت اس خجالت و شرمندگی سے نجات دے۔ حضور نے جو اس کی لغزشوں اور قصوروں کو معاف کر دیا ہے اور شہزادہ دارا شکوہ کے جواہرات عنایت فرمائے ہیں۔ اس پر وہ تسلیمات بجا لاتا ہے اور اس فضل و عنایت پر اظہار تشکر کرتا ہے۔

جواہرات اور مروارید کی تسبیح

ایک معتبر راوی سے جو داروغہ جواہر خانہ کا پیش کار تھا یہ سننے میں آیا کہ دارا شکوہ نے اپنے محل کی عورتوں کے ستائیس لاکھ روپیہ کے جواہرات اور مروارید اندرونی قلعہ محل کے جواہر خانہ میں رکھوا دیے تھے اور ان کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو دے دی تھی۔ اور جب اسے ہزیمت ہوئی تو ان جواہرات کو لے جانے کا اسے موقع نہیں ملا۔ شاہجہاں نے آئے دن کی پرخاش تجسس اور مطالبوں سے تنگ آکر مذکورہ خط کے ساتھ جس میں قصوروں کی معافی کا ذکر ہے وہ جواہرات طوعاً و کرہاً عالمگیر بادشاہ کے پاس بھجوا دیئے تھے۔ البتہ مروارید کی ایک تسبیح تھی جس کے تئو دانے تمام کے تمام ہم رنگ اور ہم وزن تھے۔ جن کو بڑی تلاش سے فراہم کیا گیا تھا اور جس کا امام بڑی کوششوں کے بعد دستیاب ہوا تھا اور جس کی مالیت چار لاکھ روپیہ کی تھی۔ الماس کی ایک آرسی کے ساتھ اپنے گلے میں ڈال رکھی تھی۔ مگر نظر بند ہو جانے کے بعد خلد مکاں (عالمگیر) نے پیغام بھجوایا کہ ایسے قیمتی تحفے جو ایام سلطنت کی پوشاک سے متعلق ہیں۔ اس گوشہ نشینی میں اپنے پاس رکھ چھوڑنا تقویٰ کے خلاف ہے۔ جس خواجہ سرا کو اس کے مطالبہ کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ اس نے بڑی منت سماجت کے ساتھ اس کی فرمائش کی۔ اعلیٰ حضرت نے غصہ میں آکر گلے سے وہ آرسی نکال کر اس کے حوالہ کر دی۔ البتہ تسبیح کے متعلق فرمایا۔ اس سے وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر دینا ہی ہوا تو میں اسے ہاون میں کوٹ کر ہی بھجواؤں گا۔ خواجہ سرا یہ درشت جواب سُن کر لوٹ آیا اور اطلاع دے دی۔ اس کے بعد عالمگیر نے وہ تسبیح طلب نہیں کی اور وہ شاہجہاں کی وفات تک ان ہی کے پاس رہی۔ اس کے بعد کے حالات جو اعلیٰ حضرت اور عالمگیر کے مابین ان کی وفات کے دن تک پیش آتے رہے۔ اتنے زیادہ قابل تحریر نہیں ہیں! اس لئے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

شہزادۂ شجاع کا عبرتناک انجام

جشن سالانہ

۲۴ر ماہ رمضان المبارک کو تیسرے سال کا جشن منعقد ہوا تمام امراء، فضلا و صلحا کو ہاتھی گھوڑے، زر و جواہر انعام دیتے گئے، تیس ہزار روپیہ مستحق اشخاص کو دیا گیا۔ خوش حال خاں کلاونت کو جو بڑا ماہر موسیقار تھا، روپیہ سے تول دیا گیا۔ وزن میں جو روپیہ چڑھا وہ سات ہزار تھا۔ دربار کے امراء کو جو خلعتیں دی گئیں وہ تین سو ساٹھ تھیں، ان کے علاوہ بے شمار خلعتیں محل کی عورتوں، ارباب طرب اہل حرفہ کو بھی عطا کی گئیں۔ جشن کی تقریبات دس شوال تک جاری رہیں۔ اس جشن کے موقع پر معظم خاں کی عرض داشتیں حضور میں پہنچیں جن سے معلوم ہوا کہ بادشاہی فوج کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور شجاع مقابلہ سے فرار ہو گیا ہے اور سارا ملک بنگالہ بادشاہی لشکر کے قبضہ میں آگیا ہے۔ یہ خوش خبری جشن کی مسرتوں میں اضافہ کا باعث بنی۔

شجاع کی مسلسل شکست

شجاع کا انجام یہ ہوا کہ جب متعدد لڑائیوں میں اسے پے در پے شکست اٹھانی پڑی تو اس نے بالکل ہتھیار ڈال دیئے۔ اور دو کشتیوں میں خاصہ کے ساز و سامان کو بھر کر جس میں مرصع آلات طلائی نقرئی ظروف، جواہرات، خزانہ اور سلطنت کے شایان شان، مال و اسباب تھا۔ اپنے محل کی عورتوں کو برقعے پہنا کر سوار کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس کے علاوہ بارہ ہاتھی بھی جو مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے، دریا تک پہنچائے گئے تھے مگر کشتیوں پر بار کرنے سے پہلے ہی بادشاہی افواج تعاقب کرتے ہوئے پہنچ گئیں اور ہاتھیوں پر لدا ہوا سامان دونوں طرف کی فوجوں نے لوٹ لیا جو کچھ بچا تھا وہ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ معظم خاں نے حکم جاری کر دیا کہ لوٹ کا مال جہاں بھی جس کے پاس سے بھی ہو برآمد ہو داخل سرکار کرا دیا جائے۔ اس مصیبت میں کون ساتھ دیتا، ایسے وقت میں تو سایہ بھی انسان سے بھاگتا ہے۔ چنانچہ شجاع کے تمام ہمراہی اس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے اس کے باقی ماندہ مال و اسباب اور ناموس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔

سہ

بہ قہر خدا چوں کسے او فتاد ہمہ عالمش پائے بر سر نہند
چو بینند کہ اقبال دستش گرفت ستائش کناں دست بر سر نہند

شجاع کا چاٹگام کو فرار شجاع کے بیٹے نے جب حالات بگڑتے ہوئے دیکھے تھے تو اس نے عافیت بینی کے طور پر رخنگ (چاٹگام) کے راجہ سے مراسلت کرکے اور تحفے تحائف بھیج کر دوستی قائم کرلی تھی۔ مگر اس بات سے بے خبر تھا کہ جب تقدیر میں خواری لکھی ہوتی ہے تو عزیز دوست اور جگر گوشے تک ساتھ نہیں دیتے پھر دین و دنیا کے دشمنوں سے بھلائی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ جب سارا معاملہ درہم برہم ہوگیا کوئی یار و مددگار نہیں رہا وہ رفیق بھی جنہیں وہ آڑے وقتوں کا ساتھی سمجھتا تھا دامن جھٹک کر اٹھ گئے تو شجاع نے اسی راجہ رخنگ کی ولایت سے متصل سرحدی قلعوں میں سے ایک قلعہ پر قبضہ کرلینے کا ارادہ کیا اور راجہ کے پاس التجا لے کر پہنچا اس کی تفصیل بڑی رنج دہ ہے۔ مختصر یہ کہ اسے اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی اور قلعہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ خالی گیا اور بڑی ندامت اور خفت اٹھانی پڑی، بلکہ انتہائی ذلت و خواری کی حالت میں وہ اس علاقہ کے نابکار کافروں کے کید و مکر کا شکار ہوگیا اور جیسا کہ مشہور ہے وہ اس ضلع میں ایسا مفقود الخبر ہوا کہ پھر کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا اور اس کا حشر کیا ہوا۔ اس کے اس عبرت ناک انجام تک ساتھ دینے والے صرف دو اشخاص تھے ایک سید عالم جو سادات بارہہ میں سے تھا اور ایک اور افسر سید قلی نامی تھا جس کے ساتھ صرف بارہ آدمی تھے اور یہ سب ملا کر چالیس بھی نہیں ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے آخر وقت تک اس کی رفاقت کی تھی۔

جشن سال گرہ ان ہی دنوں بادشاہ کی سال گرہ کا جشن منعقد ہوا، جسے جشن وزن قمری کہتے تھے۔ بادشاہ بیگم نے ایک مروارید کا ہار جس کے ساتھ پانچ لعل تھے اور جس کی قیمت دو لاکھ اسی ہزار تھی اور روشن آرا بیگم نے دو ہزار اشرفی تسلیمات کے موقع پر نذر کیں۔ محمد معظم نے پچاس ہزار روپیہ کے جواہرات پیش کئے۔ نذر نذرانے امراء وغیرہ کی طرف سے بھی پیش ہوئے، اور ارباب طرب فقراء و محتاجوں کو سابقہ جشن کے مطابق انعامات و صدقات دیئے گئے۔

اس جشن میں معظم خاں کو خان خاناں کا خطاب دیا گیا اور منصب میں تین ہزار دو اسپہ

سہ اسپہ سواروں کا اضافہ ہوا۔ اس ترقی پر اس کا منصب اصل و اضافہ ملا کر سات ہزاری سات ہزار سوار کا ہو گیا جس کے منجملہ پانچ ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ تھے۔ بنگالہ کی صوبیداری بھی مستقلاً اس کے نام کر دی گئی اور اس ولایت کے حکام کے تقرر و تنزل کے سارے اختیارات بھی تفویض کر دیئے۔ صوبیداری کے پروانہ کے ساتھ بادشاہ نے اس کے پاس خلعت مرصع، شمشیر، دو ہاتھی نر و مادہ جن کے ساز طلائی تھے اور دوسرے اعزازات بھی روانہ کئے۔

نجابت خاں کو معمور خاں کے قتل کی پاداش میں پہلے تو بے منصب کر دیا تھا، مگر بعد میں اسے بحال کر دیا گیا تھا اور وہ دربار میں آنے لگا تھا مگر یہ پابندی تھی کہ وہ تسلیمات مجرا کے وقت ہتھیار کے بغیر نہتا آیا کرے، اس جشن کے موقع پر اسے اجازت مل گئی کہ وہ ہتھیار اور اعزازات کے ساتھ سلام کے لئے حاضری دے۔

راجہ کرن اعلیٰ حضرت کی بیماری کے زمانہ میں دارا شکوہ کے بہکانے سے بلا حکم دکن سے اٹھ کر چلا گیا تھا بعد میں وہ شرمندگی کے مارے حاضر نہیں ہو رہا تھا اور طلبی کے احکام کو عذر بہانے کر کے ٹال دیتا تھا اس کی گوشمالی کے لئے بادشاہ نے امیر خاں کو نو ہزار سوار کی فوج دے کر روانہ کیا۔ اس کا بیٹا کیسر سنگھ باپ سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا اور رکاب شاہی میں برابر ہمراہ رہا تھا اس موقع پر وہ خود درخواست دے کر باپ کی سرکوبی کے لئے امیر خاں کے ساتھ ہو گیا۔

دکن میں مرہٹہ گردی کا آغاز

راجپوتوں کا خاندانی رواج

دکن کے معتبر اشخاص مرہٹہ قوم کے بیانات کے مطابق سیوا کا اصل و نسب چتوڑ کے رانا سے ملتا ہے۔ راجپوتوں اور تمام ہندوؤں میں غیر ذات کی عورتوں اور کنیزوں سے توالد و تناسل کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور اگر عالم جوانی میں غیر کفو سے کوئی لڑکا ہو بھی جاتا ہے تو اسے خانہ زاد کنیز اور غلام ہی بنا کر رکھا جاتا ہے فرزندی کے حقوق نہیں دیئے جاتے۔ ایسی اولاد کو میت کا ترکہ بھی نہیں ملتا۔ اس صورت میں بھی کہ ایسے بچہ کی ماں شریف باپ کی اولاد ہو مخلص غیر قوم کے ہونے کی وجہ سے اگر سے کدخدائی اور شادی نہیں ہوتی بلکہ اسے مدخولہ مان کر

رکھا جاتا ہے اس کی اولاد بھی بے اعتبار رہتی ہے اور ولدالزنا سمجھی جاتی ہے اور اس کی شادی نکاح بھی اس جیسے ہی اشخاص سے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر بقال کی عورت کسی ادنیٰ قوم والے کے گھر چلی جائے یا برہمن کی کنواری لڑکی کسی کھتری یا کائست کے تصرف میں ہو تو اس سے ہونے والی اولاد کنیز اور غلام ہی سمجھی جائے گی۔

سیواجی کا مورث اعلیٰ

کہتے ہیں سیوا مردود کے باپ دادا میں سے ایک شخص بھوسلہ رانا کے علاقہ میں رہتا تھا غیر قوم کی ایک بداصل عورت سے اس کے تعلقات تھے اور اپنے رواج کے مطابق اس نے اس عورت کو مدخولہ بنا کر رکھ چھوڑا تھا۔ اسی عورت سے ایک لڑکا تولد ہوا رسوائی سے بچنے کے لئے اس نے اس بچہ کو اس کی انا کے ساتھ پہاڑوں کے دامن میں بھیج دیا۔ وہاں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ اس بچہ کی پرورش ہوتی رہی۔ بھوسلہ کو اس بچہ کی ماں سے بڑی محبت اور دل بستگی تھی اس لئے ماں باپ کے اصرار کے باوجود اس نے اپنی قوم میں شادی نہیں کی اسی داشتہ کے ساتھ گذر کرتا رہا۔ جب ان تعلقات کا بھانڈا پھوٹا اور اس کے بیٹے کی پرورش کا حال بھی لوگوں کو معلوم ہو گیا تو بھوسلہ اپنے بچہ کو اس پوشیدہ مقام سے لے کر اس کی ماں کے ساتھ دکن چلا گیا۔ اس اجنبی ملک میں اس نے یہی مشہور کیا تھا کہ اس کا بیٹا اس کی ہم قوم عورت کی اولاد ہے مگر وہاں کے صحیح النسب راجپوت احتیاط و شبہ کی وجہ سے اس لڑکے سے نسبت کرنے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ مجبوراً اس نے مرہٹہ قوم میں جو خود کو غیر معروف راجپوتوں میں سے سمجھتے تھے اپنے لڑکے کی نسبت کر دی۔

ساہوجی بھوسلہ

بس اسی نسل نیک سے ساتویں آٹھویں پشت میں ساہو بھوسلہ پیدا ہوا بھوسلہ کی وجہ تسمیہ جو گھوسلہ کے نام سے بھی مشہور ہے یہ بتائی جاتی ہے کہ ہندی زبان میں گھوسلہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو بہت چھوٹی مختصر اور تنگ ہو چونکہ اس حلال زادہ کی پرورش ایسے ہی تنگ اور خفیہ جگہ میں ہوئی تھی اس لئے اس کا لقب بھوسلہ پڑ گیا تھا۔ ایک اور وجہ بھی اس کے بالکل برعکس سننے میں آئی تھی۔

کوکن کا ساحلی علاقہ

مختصر یہ کہ جس زمانہ میں نظام الملک کی سلطنت صاحب قران ثانی اعلیٰ حضرت (شاہجہان) کے قبضہ میں آگئی اور عادل خاں سے اتحاد و محبت کے روابط پیدا ہو گئے تو عادل خاں نے گذارش کی کہ بیجاپور کے چند محالات

کے عوض جو بادشاہی قبضہ میں آگئے تھے کوکن کے بعض تعلقے جو نظام الملک کے ماتحت تھے اسے دیدیئے جائیں۔ یہ تعلقے بندرگاہ جیول، بابل، دندہ، راجپوری اور چاکنہ کہلاتے تھے اور عادل شاہی کوکن (جو تل کوکن کے نام سے مشہور تھا) کی سرحدوں سے متصل تھے۔ نظام الملک کے علاقوں پر عادل شاہیوں کے تسلط کے بعد یہ بڑی حد تک بیجاپور کی سرحدوں سے متعلق ہو گئے تھے۔ بہرحال اس کی تجویز یہی تھی کہ اورنگ آباد (خجستہ نہاد) کی سرحد سے متصل جو بیجاپور کے پرگنے تھے وہ بادشاہی قبضہ میں رہیں اور بندرگاہ جیول سے پرگنہ چاکنہ تک کا علاقہ جو جنگل پہاڑ درختوں سے بھرا ہوا ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے۔ بیجاپور کے تعلقہ میں شامل کر دیا جائے۔ شاہجہاں نے اس کی درخواست منظور کرلی تھی۔ اس طرح عوض معاوضہ پر دونوں کوکن عادل خاں اور بیجاپور کے تحت آئے تھے۔

کوکن کی جاگیرداری

ایک شخص ملا احمد نامی جس کے بزرگ عربستان کے ان لوگوں میں سے تھے جو حجاج بنو امیہ کے مظالم سے بھاگ کر کوکن کے اطراف آکر بس گئے تھے اور نوائیۃ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ شاہان بیجاپور کے مقربوں میں شامل تھا یہ شخص بڑا باکمال اور باوصاف تھا اس ضلع میں اسے تین پرگنوں کی جاگیر ملی۔ ان ہی دنوں دو پرگنے جن کا نام پونہ اور سوپر تھے۔ ساہو بھوسلے کی جاگیر میں دیئے گئے۔ ان پرگنوں پر باپ کی طرف سے سیوا مختار کار بن کر بندوبست پر مقرر ہوا اور اس نے وہاں کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سیوا بہادری اور شجاعت میں اپنے قبیلہ میں مشہور تھا۔ مکر و حیلہ میں بھی اسے شیطان کا شاگرد سمجھا جاتا تھا۔ وہ اس بنجر علاقہ میں جو تمام کا تمام اونچے اونچے دشوار گذار پہاڑوں اور خاردار گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا تھا۔ زمینداروں کی طرح رہنے لگا اور چند ہی دن میں اس نے جگہ جگہ پہاڑی ٹیلے اور مٹی کے حصار بنائے جن کو دکن کی ہندی اصطلاح میں گڑھی کہتے ہیں۔

سیوا جی کی فتنہ انگیزیوں کا آغاز

انہی دنوں عادل خاں بیجاپوری بیمار ہو گیا اس کے مرض کی شدت اور طوالت کے سبب پوری مملکت بیجاپور میں جو ہندوستان کے تمام صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور آمدنی والا علاقہ تھا۔ بڑا انتشار پھیل گیا۔ پھر اسی زمانہ میں ملا احمد نے دربار شاہی میں آنے کا ارادہ کرلیا

تھا اور اس کی فوج کوکن سے برخاست ہو گئی تھی۔ ان حالات میں جب سیوا نے دیکھا کہ اطراف وجوانب میں روک ٹوک کرنے والا کوئی حاکم ہے نہ کوئی قاعدہ قانون باقی رہا ہے تو اس نے ہاتھ پیر نکالنے شروع کئے اور اس ضلع کے دوسرے جاگیرداروں کے علاقوں میں مداخلت کرنے لگا۔ یہ اس فساد کی ابتدا تھی جو اب تک اس علاقہ میں برپا ہے اور سارے ملک دکن میں پھیلتا چلا جارہا ہے۔ جس کی تفصیلات ہم آگے بیان کریں گے۔

بدذات سیوا کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ آباد سیر حاصل قصبوں پر جہاں کی رعیت مال دار اور خوش حال ہوتی، اچانک جا پڑتا اور لوٹ مار کرکے ان کو اپنے قبضہ میں لے آتا اور اس سے پہلے کہ وہاں کے جاگیرداروں کی فریاد بیجاپور کے دربار میں پہنچتی وہ تحائف و ہدایا کے ساتھ اپنا عریضہ بھجوادیتا جس میں جھوٹ سچ جاگیرداروں کے خلاف رپورٹ کردیتا کہ فلاں قصبہ سے زیادہ سے زیادہ محصول وصول ہوسکتا ہے مگر متعلقہ جاگیردار اور اس کے کارندے خیانت و بدانتظامی کے مجرم ہیں۔ اسی لئے میں نے ان کی گوشمالی کی ہے۔ اور وہاں سے اتنی زیادہ جمع بندی کرائی ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ اس قصبہ کو یا تو میری جاگیر میں یا خالصہ سرکار میں شامل کرلیا جائے۔ پھر وہ بھاری رقمیں، بیجاپور کے کارپردازوں کے پاس بھجوادیتا تھا۔ اس پر آشوب زمانہ میں جب کہ ہر ایک اپنے حال میں مست تھا تحقیق و تفتیش کا دردسر کون مول لیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب اس کی کارستانیوں کے خلاف جاگیرداروں کے استغاثے پہنچتے تو ان کو ناقابل غور جان کر رد کردیا جاتا۔ چنانچہ ان رشوت خور گماشتوں میں سے کبھی کسی نے اس کی زیادتیوں کے خلاف کسی طرح کی کارروائی نہیں کی اور وہ اپنی من مانی کرتا رہا۔

دکن کی بدانتظامی

دکن کی سرزمین کی تاثیر ہی کچھ ایسی ہے کہ وہاں کے لوگ حاکم ہوں کہ رعایا فوجی ہوں کہ شہری سب کے سب حسد اور کم عقلی کے مرض میں گرفتار رہتے ہیں، اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر ملک و مال عزت و آبرو گنوا بیٹھتے ہیں، پھر ان دنوں وہاں کا فرماں روا بھی بستر مرض پر دراز تھا اور سلطنت کے کارندے لالچ اور طمع میں پڑے ہوئے تھے یہ ساری باتیں اس بدنہاد کے مفید مطلب تھیں، چنانچہ بہت جلد اس کے اختیارات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ وہ اس علاقہ کا مشہور سرکش اور با اختیار باغی بن بیٹھا۔ اس نے مرہٹہ قوم میں سے چیدہ چیدہ راہزنوں اور قزاقوں کی ایک بڑی جمعیت بنالی اور بڑے بڑے قلعوں کی تسخیر کا منصوبہ بناکر سب سے پہلے اس نے قلعۂ چندن پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے قلعوں پر بھی دست درازی شروع کردی۔ جو ذخائر سے اور تجربہ کار قلعداروں سے خالی پڑے تھے۔

سیوا جی کی قلعہ بندیاں

اسی زمانہ میں بیجاپور کی حکومت میں بڑا انقلاب آ گیا۔ سکندر علی عادل خاں جس کے حسب نسب میں بھی لوگوں کو بڑا تردد تھا کم سنی میں باپ کا قائم مقام بن گیا تھا۔ پھر اسی زمانہ میں شاہجہاں کے حسب الحکم عالمگیر بادشاہ نے اپنے ایام شاہزادگی میں بیجاپور پر حملہ کر دیا تھا۔ فرماں روا کی کم عمری اور بیرونی افواج کے حملوں سے ملک کا سارا نظم و نسق یک سر معطل ہو گیا اور بڑی افراتفری پھیل گئی جس سے سیوا نے خوب فائدہ اٹھایا اور روز بروز اس کی قوت بڑھتی چلی گئی۔ جب اس کے قدم اچھی طرح جم گئے اور اس نے کافی مال و دولت جمع کر لی اور ایک اچھی خاصی مضبوط فوج بھی فراہم کر لی تو اس نے ہندوستان اور بیجاپور کے سلاطین کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں اور دشوار گذار پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کی پناہ میں بیٹھ کر دور و نزدیک کے راستوں پر راہزنی کرنے لگا اور راج گڑھ اور چاکنہ کے قلعے اس کا مرکز اور مستقر تھے خشکی کے علاوہ اس نے سمندر کے بعض جزیروں پر بھی کشتیوں کی مدد سے قبضہ کر لیا اور وہاں بھی قلعے بنا لئے۔ اس طرح وہ چالیس قلعوں کا مالک ہو گیا۔ ان تمام قلعوں میں کافی ذخیرے اور سامان جنگ تیار رہتا تھا۔ ان ہی قلعوں کی پشت پناہی پر اس کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اب علانیہ سلاطین و حکام کی مخالفت کرنے لگا اور دکن کا سب سے بڑا اور طاقتور باغی بن گیا۔

سیوا کے خلاف افضل خاں کی فوج کشی

جب سکندر علی عادل خاں نے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد ملک کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس نے سیوا کو مراسلت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر جب اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اس کی سرکوبی کے لئے افضل خاں کو ایک بھاری لشکر دے کر متعین کر دیا۔ افضل خاں نہایت لائق منتظم اور بہادر امیر تھا۔ اس نے سیوا کے خلاف فوجی کارروائیاں کرکے اُسے

بے دست و پا کر دیا۔ اس فتنہ پرداز نے جب دیکھا کہ کھلے میدان صف بندی کر کے یا قلعوں میں محصور ہو کر مقابلہ و مدافعت ممکن نہیں ہے تو مکاری اور چالاکی سے کام نکالنے کی کوشش کی اور قابل اعتماد لوگوں کو درمیان میں لا کر ندامت کا اظہار کیا اور قصوروں کی معافی کی درخواست کی۔ مکار اور گھاگ برہمنوں کی آمدورفت اور گفت و شنید کے بعد طے پایا کہ سیوا اپنے قلعہ سے تین چار غیر مسلح خدمت گاروں کے ساتھ باہر آ جائے گا اور ایک مقررہ مقام پر افضل خاں سے ملے گا اور خان بالمشافہ عہد و پیمان کے بعد اس کو خلعت دے کر رخصت کر دے گا اور بیجاپور کو واپسی سے پہلے سیوا افضل خاں کی شایانِ شان ضیافت کرے گا اور اسے نذر نذرانے تحفے تحائف دے گا بلکہ تسلی و اطمینان ہونے پر وہ خود افضل خاں کی رفاقت میں بیجاپور چلے گا۔ اس درمیان میں اس نابکار نے طرح طرح کے تحفے پھل پھلاری وغیرہ بھیج کر اور عاجزی و انکساری کا اظہار کر کے افضل خاں کو اپنی طرف مائل کر لیا آخر وہ اس طرح اس کی عیاری کا شکار ہو گیا کہ اس کی ہر بات کو سچ جاننے لگا۔ ضروری احتیاط تک جس کی تاکید بزرگ کرتے آئے ہیں نظر انداز کر دی اور قلعہ کے نیچے مقررہ مقام پر پالکی میں بیٹھ کر بلا کسی ہتھیار کے چلا گیا اور اپنے ہمراہیوں کو ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر فوج کے ساتھ ہی ٹھیرا دیا۔

سیواجی کی قاتلانہ سازش

جب اس مکار کے حسب مراد افضل خاں مقررہ مقام پر پہنچ گیا تو وہ قلعہ سے پیدل ہی باہر آ گیا اور دور سے عاجزی و انکساری کا اظہار کرنے لگا۔ جب پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو ہر تین چار قدم پر اپنے قصوروں کا اعتراف اور معافی کی التجائیں کرتا رہا اور مکاری سے لرزنے اور تھر تھرانے لگا اور درخواست کی کہ پالکی کے ہمراہ جو مسلح آدمی اور خدمت گار ہیں ان کو دور کر دیا جائے آنے سے پہلے اس نے ہر طرح کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک ہتھیار جسے دکن میں بچھوہ کہتے ہیں اور جو انگشتانوں کی طرح ہاتھ میں پہن لیا جاتا ہے اپنی انگلیوں پر چڑھا رکھا تھا اور ہاتھ اس طرح آستین کے اندر کر رکھے تھے کہ ہتھیار دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آنے سے پہلے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو پوری طرح مسلح کر کے ٹیلوں اور غاروں میں اور پہاڑ کے آس پاس چھپا دیا تھا اور نفیر نواز کو زینہ پر کھڑا کر دیا تھا اور یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ ملاقات کے وقت میں اس ہتھیار سے اپنے دشمن کا کام تمام کر دوں گا جیسے ہی دور سے مجھے ہتھیار چلاتے ہوئے دیکھو نفیری کی آواز پر کیس گا ہوں

سے نکل آؤ اور میری نظر مطلق نہ کرو، بلکہ سیدھے افضل خاں کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑو اور جس طرح بنے ان کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

افضل خاں کی ہلاکت

افضل خاں کو تو موت وہاں کھینچ کرلے گئی تھی۔ جب اس نے سیوا کو بے ہتھیار لرزاں ترساں آتے ہوئے دیکھا تو اپنی بہادری کے زعم میں اس کو بالکل حقیر سمجھا اور اس کی التجا پر ان چند آدمیوں کو بھی جو پالکی کے اطراف تھے علیحدہ کر کے دور بھجوا دیا۔ نزدیک آتے ہی اس کھاگ نے روتے ہوئے اپنے آپ کو افضل خاں کے قدموں پر گرا دیا۔ اب جو افضل خاں نے جھک کر اس کا سر اٹھایا اور اس کی پشت پر دست شفقت پھیر کر اس سے بغل گیر ہونا چاہا تو اس نے نہایت چابک دستی سے وہ خفیہ ہتھیار اس طرح اس کے پیٹ میں اتار دیا کہ اسے آہ کھینچنے تک کی مہلت نہ دی۔ حسب ہدایت نفیری نواز نے نفیری بجا دی۔ ہر طرف سے بے شمار سوار اور پیادے نکل آئے اور انھوں نے افضل خاں کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا اور وہ خوں خوار صحیح سلامت وہاں سے نکل کر اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور افضل خاں کے لشکر کو شکست دے کر تمام ہاتھی گھوڑے خزانہ اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ پھر شکست خوردہ سپاہیوں کے لئے جان کی امان کا اعلان کر کے اپنے پاس نوکری دینے کا لالچ دیا اور لشکر کے ایک بڑے حصہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کامیابی کے بعد اس کی قوت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی اور اس کے پاس کافی ساز و سامان جمع ہو گیا۔

رستم خاں کی شکست

جب عادل خاں کو اس سانحہ کی اطلاع ملی تو اس نے ایک دوسرا لشکر رستم خاں کی کمان میں روانہ کیا جو بیجاپور کا بہادر سپہ سالار سمجھا جاتا تھا قلعۂ پرنالہ کے نواح میں دونوں لشکر مقابل ہوئے اور اس لڑائی میں رستم خاں مغلوب ہو گیا۔ اس کامیابی کے بعد مرہٹوں کی طاقت اور بڑھ گئی، قسمت بھی ہر مرحلہ پر سیوا کی مدد کر رہی تھی اور روز بروز اس کی فوجی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔

مرہٹہ فوج کے اصول وضابطے

قوت و اقتدار پانے کے بعد وہ اپنے غصب کردہ ملک کو آباد کرنے اور شاہ بیجاپور کے علاقوں کو تباہ کرنے میں برابر مصروف رہا اور دور دراز کے علاقوں میں قافلوں پر چھاپے مار کر لوگوں کے مال و

ناموس پر قبضہ کرتا رہا۔ اس لوٹ مار اور غارت گری کے باوجود اس نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ جہاں بھی لشکر حملہ آور ہو وہ مسجد اور کلام اللہ کی بے حرمتی نہ کرے اور کسی کے گھرانے کی بے آبروئی نہ کرے قرآن پاک وغیرہ ہاتھ آ جاتے تو وہ ان کو بڑی حرمت کے ساتھ محفوظ کرا دیتا اور اپنی فوج کے مسلمان سپاہیوں کو دیدیتا اور جو بھی ہندو یا مسلمان عورتیں گرفتار ہو کر آئیں، کسی فوجی کی مجال نہیں تھی کہ ان پر نظر بد ڈالے، ان کی حفاظت اور نگہبانی کا معقول انتظام کرا دیتا تھا، تاکہ ان کے وارث آ کر عوضانہ کی رقم دے کر چھڑا لیں، ان کنیزوں لونڈیوں کو اپنی زر خرید ملکیت سمجھ کر گھر میں ڈال لیتا تھا۔ ایک اور قاعدہ یہ مقرر کر رکھا تھا کہ مرہٹے جہاں بھی حملہ کر کے لوٹ مار کرتے تو استعمال کا سامان تانبہ کے سکے اور تانبہ پیتل کے برتن اور اس طرح کی دوسری چیزیں جس کے ہاتھ لگ جاتیں اسی کی ہو جاتیں۔ ان کے علاوہ دوسری اشیا سونا چاندی خواہ مسکوک ہو یا غیر مسکوک زیورات قیمتی کپڑے اور جواہرات اپنے سرداروں کے پاس محفوظ کرا دیتے تھے اور ان کو سیوا کی سرکار میں جمع کرا دیا جاتا تھا کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ اس قاعدہ سے انحراف کر کے دام درم کا بھی فرق کر دے۔ جب اس کی شوریدہ سری کی رپورٹ دربار عالی میں پہنچی تو امیر الامراء صوبہ دار دکن کے نام فرمان صادر ہوا کہ اس کی سرکوبی کی جائے۔

سیواجی کے خلاف فوج کشی

حکم شاہی کے مطابق امیر الامراء آخری جمادی الاول سن ایک ہزار ستر ہجری (۱۰۷۰ھ) کو پونہ اور چاکنہ کے ارادہ سے جو ان دنوں اس کے مستقر اور مرکز بنے ہوئے تھے، روانہ ہوا اور ممتاز خاں کو خجستہ بنیاد (اورنگ آباد) میں اپنا نائب مقرر کر کے یکم رجب سن مذکور کو وہ موضع سیگاؤ جو اس ملعون کے تعلقہ میں تھا پہنچا۔ ان دنوں سیوا قصبہ سوپہ میں گشت پر تھا امیر الامراء کی آمد کی خبر سن کر اس نے اس مقام کو خالی کر دیا اور دوسری طرف نکل گیا۔ اور امیر الامراء نے بغیر کسی جدال و قتال کے قصبہ سوپہ پر قبضہ کر لیا اور جادو رائے کو وہاں مقرر کر دیا اور رائے رسل و رسائل اور بادشاہی لشکر کو غلہ پہنچاتے رہنے کی تاکید کی۔ ادھر سیاہو نے اپنے آدمیوں کو امیر الامراء کے لشکر پر چھاپے مارنے اور رسد لوٹنے پر مامور کر دیا۔ امیر الامراء نے اس کے سد باب کے لئے تجربہ کار سرداروں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ متعین کیا کہ وہ باری باری رسد و بار برداری کو اپنی حفاظت میں پہنچائیں، ہر روز اور ہر منزل پر

یہ کیفیت رہتی تھی کہ جیسے ہی رسد اور باربرداری روانہ ہوتی۔ دکنی سپاہی اطراف واکناف سے نکل کر فراقانہ حملہ کرتے اور اونٹ گھوڑے آدمی جو بھی ہاتھ آجاتا لشکر کے خبردار ہونے تک لے کر نکل جاتے اور قتل وخون کر کے لوٹ لیتے۔ بادشاہی فوج بھی ان کا تعاقب کر کے تلواروں، تیروں سے ان کا صفایا کرتی جاتی اور وہ گوریلا لڑائی لڑتے ہوئے ادھر ادھر منتشر ہو جاتے۔

پونا اور چاکنہ کی فتح

اسی طرح لڑتے بھڑتے بادشاہی لشکر پونا اور سیوا پور پر جسے اس ملعون نے آباد کیا تھا پہنچا اور ان دونوں مقامات کو سیوا کے قبضہ سے نکال لیا۔ امیرالامراء نے پونا میں داخل ہونے کے بعد اسے اپنا مستقر بنا لیا۔ پھر وہاں سے سوار ہو کر چاکنہ کے قلعہ پر فوج کشی کی اور اس قلعہ کے محل وقوع کی جانچ کر کے مورچے دمدمے لگائے اور اپنے لشکر کے اطراف خندق کھدوا کر قلعہ میں نقب لگانے کا انتظام کیا۔ بادشاہی فوج نے اس قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کی تسخیر کے لئے پوری قوت لگا دی۔

بادشاہی لشکر کے لئے وہاں کی بارش بڑی تکلیف دہ تھی، جو اس سرزمین میں پانچ ماہ تک مسلسل شب وروز برستی ہے اور گھروں سے نکلنے کی مہلت نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ دن میں ایسی سیاہ آندھی اٹھتی ہے کہ دن میں رات کا سماں بندھ جاتا ہے، بلکہ اکثر اوقات چراغ جلانے کی نوبت آجاتی ہے اور ایک ہی مجلس میں آدمی دوسرے آدمی کو دیکھ نہیں پاتا۔ اس آندھی بارش میں بندوق ٹھنڈی پڑ جاتی تھی۔ بارود گیلی ہو جاتی تھی کمانوں کے چلے اتر جاتے تھے۔ بادشاہی لشکر ان تمام مشکلات کے باوجود برابر کوشاں رہا اور پے درپے گولہ باری کر کے قلعہ کی دیواروں کو چھلنی چھلنی کر دیا۔ اور مفسدوں کو سراسیمہ وپریشان کر دیا۔ محصورین بھی رات کے اندھیرے میں قلعہ سے نکل کر مورچوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی دن کے وقت بھی قلعہ کے اندر اور باہر سے وہ حملے کر کے بادشاہی مورچوں پر آفت ڈھاتے رہتے تھے۔

جب اسی طرح محاصرہ کئے ہوئے ۵۶ دن گذر گئے تو ایک برج کو جس کے نیچے نقب پہنچ گئی تھی بارود بھر کر آگ لگا دی گئی اور دھماکے سے برج اڑ گیا پتھر اینٹ اور ان کے ساتھ آدمی فضا میں کبوتر کی طرح اڑ کر گرے۔ برج کے اڑتے ہی جاں باز مسلمانوں

نے حملہ کر دیا۔ مگر کفار بھی قلعہ کے اندر نشیب و فراز میں مورچے باندھ کر مدافعت کرتے رہے۔ سارا دن اسی زور آزمائی میں نکل گیا اس دن بادشاہی لشکر کے بہت سے آدمی شہید ہو گئے مگر جو فوج اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے اور اسی خاک و خون میں بہ صد مشکل رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی کافروں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا اور بڑی سعی و جہد کے بعد قلعہ کے حصار پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کی بقیہ فوج نے قلعہ کے بالا حصار (ارک) میں جا کر پناہ لے لی۔ اس یورش میں تین سو آدمی اور بیل داروں اور مزدوروں کی ایک جماعت شہید ہو گئی اور چھ سو سوار اور پیدل سپاہی سنگ باری بندوق اور تیر و سناں سے زخمی ہوئے۔

جب بالا حصار میں بھی محصوروں پر حالات تنگ ہو گئے تو انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور راؤ بھاؤ سنگ کی سفارش و امان میں قلعہ سے باہر نکل آئے اور قلعہ کو بادشاہی افسروں کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن امیر الامراء قلعہ میں داخل ہوا اور وہاں کے ساز و سامان کا معائنہ کرنے کے بعد قلعہ پر ازبک خاں کو مقرر کر دیا اور وہاں سے آگے بڑھ کر سیوا کی سرکوبی کی فکر کی۔ جب یہ اطلاعات دربار شاہی میں پہنچیں تو بادشاہ نے چاکنہ کا نام اسلام آباد رکھا اور جعفر خاں کو جو مالوے میں تھا امیر الامراء کی مدد پر مامور کر دیا۔

تیسرے سال کے بقیہ حالات

اکتالیسویں سال گرہ

۱۱ ربیع الاول کو شمسی تاریخوں کے حساب سے اکتالیسویں سالگرہ منعقد ہوئی حسب معمول زر و جواہر تقسیم کئے گئے آئینہ بندی چراغاں وغیرہ میں بیس ہزار شمعیں اور فانوس جلائے گئے۔ جشن کے موقع پر امیر الامراء کا عریضہ پہنچا کہ پرینڈہ کا قلعہ جدال و قتال کے بغیر قبضہ میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری خوش خبری یہ پہنچی کہ راجہ کرن نے جس کی گوشمالی پر امیر خاں کو مامور کیا گیا تھا۔ اطاعت اختیار کر لی ہے اور عہد و امان کی درخواست دی اور اس کے دونوں بیٹے انوپ سنگھ اور پدم سنگھ جو اس کے ساتھ تھے امیر خاں کی ملاقات کے لئے حاضر ہو گئے اور خطا بخشی کے لئے بادشاہ کے حضور روانہ ہو چکے ہیں۔

سلیمان شکوہ کی گرفتاری

ان ہی دنوں اطلاع ملی کہ سری نگر کے زمیندار پرتھی سنگھ نے قصوروں کی معافی کی درخواست راجہ جے سنگھ کے توسط بھجوائی ہے اور سلیمان شکوہ کو حوالہ کر دینے کا اقرار کرلیا ہے۔ واضح رہے سلیمان شکوہ مدت سے سری نگر کے کوہستان میں، پناہ گزیں تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے تربیت خاں کے زیر کمان بادشاہی افواج مقرر کی گئی تھیں۔ تربیت خاں نے حملے کرکے اس کے علاقہ کو پامال کر دیا تھا۔ اس کی عرض داشت کے پہنچنے پر بادشاہ نے راجہ جے سنگھ کے بیٹے کنور رام سنگھ کو سلیمان شکوہ کو لانے کے لئے روانہ کیا۔ جب سلیمان شکوہ کو میزبان کے ارادوں اور کنور رام سنگھ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ جان پر کھیل کر مقابلہ پر آگیا محمد شاہ کوکہ جو اس کے ساتھ تھا مارا گیا اور سلیمان شکوہ کو قید کر لیا گیا اور کنور رام سنگھ اور تربیت خاں اسے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور ۱۱ جمادی الاول سن ایک ہزار ستر ہجری (۱۰۷۰ھ) کو وہ دربار میں الہ یار خاں اور معتمد خاں خواجہ سرا کی معرفت سلام کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑے لطف و عنایات کا اظہار کیا اس کی خطائیں معاف کردیں، جان کی امان دی اور تسلی اطمینان دلا کر اسے محمد سلطان کے ہمراہ جو سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند تھا، گوالیار بھجوا دیا۔ ان دونوں کو معتمد خاں کے ہمراہ بھیجا گیا۔ جسے گوالیار کی قلعہ داری پر مامور کیا گیا تھا۔ سری نگر کے زمیندار پرتھی سنگھ کا لڑکا میدنی سنگھ بھی سلیمان شکوہ کے ہمراہ حاضر بارگاہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے دو ہزاری ہزار سوار کا منصب ۲۵ ہزار روپیہ نقد ایک ہاتھی اور دس گھوڑے عطا کئے اور اس کے باپ کی درخواست پر اسے دار الخلافہ میں متعین کر دیا اور پرتھی سنگ کے پاس بھجوانے کے لئے خلعت پہنچی، عماری اور ہاتھی اس کے بیٹے کے حوالہ کر دیئے گئے۔

راجہ کرن بھی تسلیمات کے لئے حاضر ہوا اس کے قصور معاف کرکے بادشاہ نے اسے تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب اور راؤ کرن کا خطاب مرحمت کیا اور دوسری عنایات کے ساتھ دکن پر اسے متعین کر دیا۔

تین ایلچیوں کی آمد

اسی دوران میں ایک ہفتہ کے فرق سے تین ایلچیوں کے آنے کی اطلاع ملی ان میں سے ایک حاکم بصرہ حسین پاشا کا فرستادہ قاسم آقا تھا جو مبارک بادی کا خط اور عراقی گھوڑے لے کر آیا تھا۔ دوسرا توران کے

سبحان قلی خاں کا ایلچی ابراہیم بیگ تھا جو خط اور تورانی تحفے لایا تھا۔ تیسرا ایران کا سفیر بداق بیگ تھا۔ یہ بھی شاہ ایران کا خط اور گھوڑے لے کر ملتان پہنچا تھا۔ توران کا ایلچی۔ ابراہیم بیگ حاضر ہوا تو اُسے بادشاہ نے گیارہ ہزار روپیہ کرپٹہ اور مرصع ٹپکہ مع خلعت عطا کیا۔ ابراہیم بیگ آتے ہوئے بیمار ہو گیا تھا۔ اسی مرض میں بہت جلد اس کی رحلت بھی ہو گئی شاہ عباس (ایران) کے ایلچی بداق بیگ کی مہمان داری کے لئے ابدال بیگ کو مقرر کیا گیا اور ملتان کے حاکم تربیت خاں اور لاہور کے صوبہ دار خلیل اللہ خاں اور دوسرے حکام کے نام فرمان گیا کہ جس جگہ بھی ایران کا ایلچی پہنچے ہندوستان کے دستور کے مطابق اس کی ضیافت اور مہمان داری کی جائے۔

خوف ناک قحط

اس سال ۱۰۷۰ھ میں ملک میں ہر طرف بڑی گرانی اور قحط ہو گیا تھا۔ گرانی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ گذشتہ واقعات اور لڑائیوں میں فوجوں کی نقل و حرکت کے سبب بڑی بدنظمی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر بارش نہ ہونے سے قحط پڑ گیا اور گرانی میں مزید اضافہ ہو گیا، غلہ کی قلت اور قیمتوں کے چڑھ جانے سے روز بروز رعایا کی پریشانی اور بدحالی بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ بیشتر پرگنے بے چراغ ہو گئے اور ہر طرف سے لوگ دارالخلافہ آ گئے یا دور دراز علاقوں میں نکل گئے۔ قحط زدہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ دارالخلافہ کے ہر کوچہ و بازار میں فقیروں اور تنگ دستوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے اور لوگوں کی آمد و رفت محال ہو گئی تھی۔ رعایا کی اس پریشان حالی کے پیش نظر بادشاہ نے حکم دیا کہ جگہ جگہ لنگر اور محتاج خانے قائم کئے جائیں۔ جن میں کچا اور پکا اناج قحط زدہ لوگوں کو دیا جائے، چنانچہ شہر میں دس لنگر خانے اور نواحی قصبوں میں بارہ محتاج گھر مزاروں کے احاطوں میں قائم کر دیئے گئے۔ ہر جگہ خدا ترس داروغہ متعین کئے گئے اور غلہ کی فراہمی کے لئے محصول کی معافی کا اعلان، جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، از سرِ نو کرایا گیا اور غلہ فراہم کرنے کے لئے سرکاری کارندے مقرر کئے گئے۔ ان انتظامات سے لوگوں کی حالت کسی حد تک سنبھل گئی۔

سلیمان شکوہ کی گرفتاری

ان ہی دنوں اطلاع ملی کہ سری نگر کے زمیندار پرتھی سنگھ نے قصوروں کی معافی کی درخواست راجہ جے سنگھ کے توسط بھجوائی ہے اور سلیمان شکوہ کو حوالہ کر دینے کا اقرار کرلیا ہے۔ واضح رہے سلیمان شکوہ مدت سے سری نگر کے کوہستان میں پناہ گزیں تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے تربیت خاں کے زیر کمان بادشاہی افواج مقرر کی گئی تھیں۔ تربیت خاں نے حملے کرکے اس کے علاقہ کو پامال کر دیا تھا۔ اس کی عرض داشت کے پہنچنے پر بادشاہ نے راجہ جے سنگھ کے بیٹے کنور رام سنگھ کو سلیمان شکوہ کو لانے کے لئے روانہ کیا۔ جب سلیمان شکوہ کو میزبان کے ارادوں اور کنور رام سنگھ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ جان پر کھیل کر مقابلہ پر آگیا محمد شاہ کوکہ جو اس کے ساتھ تھا مارا گیا اور سلیمان شکوہ کو قید کر لیا گیا اور کنور رام سنگھ اور تربیت خاں اسے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور ۱۱ر جمادی الاول سن ایک ہزار ستر ہجری (۱۰۷۰ھ) کو وہ دربار میں الہ یار خاں اور معتمد خاں خواجہ سرا کی معرفت سلام کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑے لطف و عنایات کا اظہار کیا اس کی خطائیں معاف کر دیں، جان کی امان دی اور تسلی اطمینان دلا کر اسے محمد سلطان کے ہمراہ جو سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند تھا، گوالیار بھجوا دیا۔ ان دونوں کو معتمد خاں کے ہمراہ بھیجا گیا۔ جسے گوالیار کی قلعہ داری پر مامور کیا گیا تھا۔ سری نگر کے زمیندار پرتھی سنگھ کا لڑکا میدنی سنگھ بھی سلیمان شکوہ کے ہمراہ حاضر بارگاہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے دو ہزاری ہزار سوار کا منصب ۲۵ ہزار روپیہ نقد ایک ہاتھی اور دس گھوڑے عطا کئے اور اس کے باپ کی درخواست پر اسے دارالخلافہ میں متعین کر دیا اور پرتھی سنگ کے پاس بھجوانے کے لئے خلعت، پہنچی، عماری اور ہاتھی اس کے بیٹے کے حوالہ کر دیئے گئے۔

راجہ کرن بھی تسلیمات کے لئے حاضر ہوا اس کے قصور معاف کر کے بادشاہ نے اسے تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب اور راؤ کرن کا خطاب مرحمت کیا اور دوسری عنایات کے ساتھ دکن پر اسے متعین کر دیا۔

تین ایلچیوں کی آمد

اسی دوران میں ایک ہفتہ کے فرق سے تین ایلچیوں کے آنے کی اطلاع ملی ان میں سے ایک حاکم بصرہ حسین پاشا کا فرستادہ قاسم آقا تھا جو مبارک بادی کا خط اور عراقی گھوڑے لے کر آیا تھا۔ دوسرا توران کے

سبحان قلی خاں کا ایلچی ابراہیم بیگ تھا جو خط اور تورانی تحفے لایا تھا۔ تیسرا ایران کا سفیر بداق بیگ تھا۔ یہ بھی شاہ ایران کا خط اور گھوڑے لے کر ملتان پہنچا تھا۔ توران کا ایلچی ابراہیم بیگ حاضر ہوا تو اُسے بادشاہ نے گیارہ ہزار روپیہ کمرپٹہ اور مرصع ٹپکہ مع خلعت عطا کیا۔ ابراہیم بیگ آتے ہوئے بیمار ہو گیا تھا۔ اسی مرض میں بہت جلد اس کی رحلت بھی ہو گئی شاہ عباس (ایران) کے ایلچی بداق بیگ کی مہمان داری کے لئے ابدال بیگ کو مقرر کیا گیا اور ملتان کے حاکم تربیت خاں اور لاہور کے صوبہ دار خلیل اللہ خاں اور دوسرے حکام کے نام فرمان گیا کہ جس جگہ بھی ایران کا ایلچی پہنچے ہندوستان کے دستور کے مطابق اس کی ضیافت اور مہمان داری کی جائے۔

خوف ناک قحط

اس سال سنہ ۱۰۷۰ھ میں ملک میں ہر طرف بڑی گرانی اور قحط ہو گیا تھا۔ گرانی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ گذشتہ واقعات اور لڑائیوں میں فوجوں کی نقل و حرکت کے سبب بڑی بدنظمی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر بارش نہ ہونے سے قحط پڑ گیا اور گرانی میں مزید اضافہ ہو گیا، غلہ کی قلت اور قیمتوں کے چڑھ جانے سے روز بروز رعایا کی پریشانی اور بدحالی بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ بیشتر پرگنے بے چراغ ہو گئے اور ہر طرف سے لوگ دارالخلافہ آ گئے یا دور دراز علاقوں میں نکل گئے قحط زدہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ دارالخلافہ کے ہر کوچہ و بازار میں فقیروں اور تنگ دستوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے اور لوگوں کی آمد و رفت محال ہو گئی تھی۔ رعایا کی اس پریشان حالی کے پیش نظر بادشاہ نے حکم دیا کہ جگہ جگہ لنگر اور محتاج خانے قائم کئے جائیں۔ جن میں کچا اور پکا اناج قحط زدہ لوگوں کو دیا جائے، چنانچہ شہر میں دس لنگر خانے اور نواحی قصبوں میں بارہ محتاج گھر مزاروں کے احاطوں میں قائم کر دیئے گئے۔ ہر جگہ خدا ترس داروغہ متعین کئے گئے اور غلہ کی فراہمی کے لئے محصول کی معافی کا اعلان، جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، از سرِ نو کرایا گیا اور غلہ فراہم کرنے کے لئے سرکاری کارندے مقرر کئے گئے۔ ان انتظامات سے لوگوں کی حالت کسی حد تک سنبھل گئی۔

جلوس کا چوتھا سال

جشن شاہانہ

(جلوس کے چوتھے سال کا آغاز سن ایک ہزار اکتر ہجری ۱۰۷۱ھ میں ہوا) ہر سال کے معمول کے مطابق یہ جشن بھی بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ امراء میں سے ہر ایک نے ایک ایک حجرہ کی آرائش اپنے ذمہ لی۔ زربفت اور بادلہ سے ان حجروں کو آراستہ کیا گیا۔ اسی جشن کے دنوں میں شاہزادہ محمد معظم تولد ہوا جو بعد میں سلطان معز الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا شاہزادہ کی ولادت سے جشن کی مسرت دوبالا ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس سال سے ہر سال جشن کی تقریبات شوال کی پہلی تاریخ یعنی عید الفطر سے دس شوال تک منعقد کی جائیں۔ جشن شاہانہ میں جو نذرانے پیش کئے گئے اور امراء وغیرہ کو انعامات دیئے گئے ان کا تذکرہ باعث طوالت ہے۔ اس لئے ہم اس ذکر کو چھوڑ کر اصل واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سفیر ایران شاہی دربار میں

جب بداق بیگ ملتان میں داخل ہوا تو تربیت خاں نے ضیافت و مہمان داری کی اور پانچ ہزار روپیہ نقد اور دوسرے تحائف پیش کئے۔ پھر جب وہ لاہور پہنچا تو خلیل اللہ خاں نے بھی ہندوستان کے طریقہ پر بڑی رنگا رنگ ضیافت کا اہتمام کیا۔ دسترخوان پر چار سو قاب جن میں سے بیشتر چاندی کے تھے اور سات سو خوان حلوے اور نقل وغیرہ کے عطریات اور دوسرے لوازمات کے ساتھ لائے گئے۔ سفیر ایران اور اس کے ہمراہیوں کے سامنے چاندی کے برتنوں اور قیمتی پیالوں میں کھانے چنے گئے۔ خلیل اللہ خاں نے بداق بیگ کو بیس ہزار روپیہ نقد سات تھان، قیمتی کپڑوں کے اور مرصع آلات پیش کئے۔ ایلچی کے دربار میں آنے تک دو مرتبہ شاہ ایران اور خود بداق بیگ کی طرف سے خربوزے اور دوسرے خشک و تر میوہ جات کے ٹوکرے بادشاہ کے لئے آئے۔ جب بداق بیگ کے پہنچنے کی خبر ملی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسد خاں، سیف خاں اور ملتفت خاں شہر سے باہر جا کر اس کا استقبال کریں اور اسے شہر میں لے کر آئیں۔ جب ایلچی حاضر دربار ہوا اور ایران کا خط پیش کیا تو بادشاہ نے اسے خلعت، مرصع خنجر، جیغہ، ارگچہ پان مع خوان اور طلائی پاندان عطا کیا اور رستم خاں کی حویلی میں سرکار کی طرف سے فرش فروش

کراکے اسے ٹھیرایا گیا۔ چوتھے دن جب تحائف وہدایا کے پیش کرنے کی اجازت ملی تو سفیر مذکور نے چھیاسٹھ عراقی اور عربی گھوڑے مع ساز مرصع کے پیش کئے اور مروارید فیروزہ نذر کئے۔ جن میں مروارید کا ایک آب دار دانہ بھی تھا جس کا وزن ۳۷ قیراط تھا جوہریوں نے اس کی قیمت ساٹھ ہزار روپیہ تشخیص کی۔ ان کے علاوہ دوسرے ایران سے آئے ہوئے تحفوں کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ لگائی گئی یہ تو بادشاہ کی طرف کے تحفے تھے ان کے علاوہ بعض تحفے بداق بیگ نے اپنی طرف سے پیش کئے اور گھوڑے اونٹ خچر علیحدہ تھے۔ بادشاہ نے بداق بیگ کو ساٹھ ہزار روپیہ اور ایک تھیلی عطا کی اور اس کے ہمراہیوں کے لئے روزانہ دس ہزار روپیہ کی منظوری دی۔ دوسرے دن بداق بیگ کو بادشاہ نے پچاس ہزار روپیہ مرصع خنجر پان اور ارگجہ مع خوان، طلائی پاندان اور ایک بندوق عطا کی، اور تیرہ ہزار روپیہ تحویل دار کو اور اس کے ساتھیوں کو مرحمت فرمایا۔ عیدالضحٰی کے دن بھی بادشاہ نے بداق بیگ کو تین اشرفیاں جن کا وزن سات سو تولہ تھا اور تین روپیہ جن کا وزن پانچ پانچ سو تولہ تھا عطا کیا۔ رخصت کے دن ایک لاکھ روپیہ مرصع آلات کے ساتھ دیئے اور دو ہاتھی عطا کئے جن میں سے ایک دریائی ہاتھی تھا۔ مجموعی طور پر ایلچی کو نقد وجنس ملاکر پانچ لاکھ روپیہ اور اس کے ہمراہیوں کو پچاس ہزار روپیہ ملا اور خط کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اس کے پیچھے کسی ایک بادشاہی آدمی کے ذریعہ روانہ کیا جائے گا۔

عاقل خاں نے منصب سے استعفٰی دیدیا تو بادشاہ نے اس کے لئے سالانہ پچاس ہزار روپیہ کا وظیفہ مقرر کردیا۔

بندیلہ کی بغاوت اور سرکوبی

چنپت بندیلہ نے اعلٰی حضرت شاہجہاں کے زمانہ میں بغاوت اور راہ زنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اس کی سرکوبی کے لئے دربار سے فوجیں متعین کی گئی تھیں مگر خاطر خواہ اس کا سدباب نہ ہوسکا تھا۔ جس زمانہ میں عالمگیر بادشاہ دکن سے دارالخلافہ کی طرف آرہا تھا۔ بندیلہ اظہار ندامت کرتے ہوئے بادشاہ کی رکاب میں حاضر ہوگیا تھا اور پنجاب کے سفر اور داراشکوہ کے تعاقب میں ہم سفر رہا تھا۔ مگر کج فطرت آدمی تھا۔ پھر جو شامت آئی تو بلاحکم لشکر سے فرار ہوگیا اور اپنے قدیم مقام پر پہنچ کر حسب سابق راہزنی اور قزاقی کرنے لگا۔ چنانچہ شجاع اور داراشکوہ کی شورش کے دنوں میں اس نے بڑی جسارت اور شوخی کی تھی اور مالوہ کے اطراف واکناف لوٹ مار کرتا رہا تھا۔

بد گہر با کسی وفا نکند   اصل بد در خطا خطا نکند

پہلے تو بادشاہ نے اس کی سرزنش کے لئے سیتہ کرن بندیلہ کو مامور کیا تھا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا آخر دبی سنگھ کو دوسرے امراء کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے رخصت کیا گیا بادشاہی فوج سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر وہ دوسرے زمینداروں کی پناہ میں چلا گیا اور غاروں پہاڑوں میں چھپتا رہا یہاں تک کہ اسے گرفتار کرلیا گیا اور بادشاہی لشکر نے اس کا سر کاٹ کر حضور میں بھجوا دیا بادشاہ کے حکم سے اس کے سر کو بر سر دار آویزاں کر دیا گیا تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

بس دیدم دریں دیر پر آفات
بدی را جز بدی جزو مکافات

شاہزادہ محمد معظم کی شادی

بادشاہ نے راجہ روپ سنگھ کی بیٹی کو شاہزادہ محمد معظم کے عقد میں قبول کیا اس موقع پر شادی کا جشن بڑے شان وشکوہ سے منعقد کیا گیا۔ قلعہ میں بازار اور چوک میں ہر طرف ہزارہا فانوس روشن کئے گئے اور سارے شہر میں چراغاں ہوا اور قسم قسم کی اختراعات کا مظاہرہ ہوا۔ تقریباً دو لاکھ روپیہ مرواریدہ مرصع آلات شاہزادہ محمد معظم کو عنایت ہوتے اور ایک لاکھ روپیہ نقد نقئی گھوڑے طلائی اور مرصع ساز کے ساتھ سہرہ کی تسلیمات کے وقت عطا کئے گئے۔ جس وقت شہزادہ کی سواری شہر گشت کے لئے نکلی تو ماہر آتش بازوں نے اپنے فن کے مظاہرے کئے اور طرح طرح کی آتش بازیوں سے زمین و آسمان کو منور کر دیا۔ دُلہن کی رونمائی کے وقت بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ کے زیورات بہو کو عنایت کئے اور نو ہزار روپیہ کلاونتوں کو انعام میں دیئے۔

بلادن کی فتح

مہاراجہ جسونت سنگھ کو حکم دیا گیا کہ وہ احمد آباد سے امیر الامراء کے پاس دکن چلا جائے اور اس کے ساتھ سیوا کی سرکوبی کی مہم میں حصہ لے۔ جوناگڑھ کے فوجدار قطب الدین خاں کو حکم ملا کہ احمد آباد کے صوبہ دار کی واپسی تک وہ احمد آباد کی نگرانی کرتا رہے۔

بلادن کی ولایت بہار کے صوبہ میں تھی اور وہاں کے زمیندار کے قبضہ میں تین دشوار گذار قلعے تھے اور اس کی سرکشی اور ظلم وستم کی وجہ سے اس صوبہ کی رعیت تنگ آگئی

تھی اور وہاں سے نکل بھاگنے کی فکر میں تھی۔ اس سال بادشاہ نے بلادن کی تسخیر پر داؤد خاں کو مقرر کیا۔ اس علاقہ کی تسخیر میں داؤد خاں اور اس کی کمک کرنے والے امیروں نے جو تگ ودو اور جاں نثاری دکھائی اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ بڑی جد وجہد کے بعد جب بادشاہی فوج کے کافی آدمی شہید ہو گئے۔ اور فریق مخالف کے بھی بکثرت آدمی جہنم رسید ہوتے اور دونوں طرف کے بے شمار سوار اور پیادے کام آگئے۔ یہ علاقہ بادشاہی کارگذاروں کے قبضہ میں آگیا۔ جب اس فتح کی عرض داشت پہنچی بادشاہ نے داؤد خاں اور اُس کے ہمراہیوں کو ترقی اور دوسری عنایات سے نوازا۔

کابل کی صوبہ داری

اسی سال کابل کی صوبہ داری پر مہابت خاں کی جگہ امیر خاں کو مقرر کیا گیا۔ اکبر آباد (آگرہ) سے فاضل خاں میر سامان حاضر دربار ہوا اور اُس نے اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) کے پاس سے لائے ہوئے سولہ لاکھ روپے کے جواہرات مروارید اور مرصع اشیاء ملاحظہ میں پیش کیں۔

خلیل اللہ خاں کے انتقال کی خبر پر بادشاہ خود اس مرحوم کے گھر پُرسہ دینے کے لئے گیا اور امیر خاں، روح اللہ خاں اور مرحوم کی بیوہ اور بیٹی کو تسلی دلاسا دیا اور شاہانہ نوازشات سے ان کی عزت افزائی کی۔

خان خاناں نے شجاع کے اسّی ہاتھی بھجوائے تھے بادشاہ نے ان کا معائنہ کیا اسی موقع پر تین سو چھپّن ۳۵۶ زندہ ہرن جو شکار میں پکڑے گئے تھے پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے از راہِ ترحم ان کو رہا کر دیا۔

آسام کا ملک اور وہاں کے باشندے

آسام کا محل وقوع

آسام (آشام) کا ملک، جہاں کے باشندوں کا رہن سہن اور مذہب وعقیدہ نہایت ہی عجیب وغریب ہے بنگال کے شمال مشرق میں سلسلہ کوہ کے طول میں واقع ہے۔ اس ملک کا طول تقریباً ایک سو کوس (بحساب جریب) ہے اور شمالی کوہستان سے جنوبی کوہستان تک اس کا عرض آٹھ دن کی مسافت کا ہے۔ یہ سارا علاقہ بیشتر سمندر کے ساحل پر ہے۔

آسام کے باشندے اور پیداوار

کہتے ہیں آسام افراسیاب کے وزیر پیران ویسہ کا وطن تھا وہاں کا راجہ اپنے آپ کو اسی پیران ویسہ کی اولاد میں سے سمجھتا ہے یہ لوگ پہلے آتش پرست مجوسی تھے۔ بعد میں ہندوستان کے کافروں کے اثرات کی وجہ سے بت پرست ہو گئے۔ وہاں کے تمام باشندے انسان صورت راکشش ہیں اور اکثر برہنہ رہتے ہیں۔ البتہ وہاں کے باعزت لوگ ریشم کے قسم کی چادر باندھ لیتے ہیں یہ ریشم اسی جگہ تیار ہوتا ہے۔ کوئی شخص جوتے اور دستار سے واقف نہیں ہے اس صحرا کے شمال میں خطا (چین) کا ملک ہے۔ آسام کے جنگلوں میں ہاتھی بکثرت ہوتے ہیں وہاں کی پیداوار عود اور مشک کی ایک قسم اور رتیلا سونا ہے (یہ سونا دریا کی ریت میں سے نکالا جاتا ہے) نمک تو وہاں اس قدر کمیاب ہے کہ وہاں کے کسی مرد اور عورت کے چہرہ پر تک نمک دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے بدشکل اور بدسیرت لوگ ہیں کہ دیکھنے میں انسان نہیں معلوم ہوتے۔ اس سرزمین میں بجز موٹے چاول اور ماش کی دال کے دوسرا اناج بہت کم ملتا ہے۔ خاص طور سے گیہوں تو بہت کمیاب ہے دوسرے مقامات سے گیہوں وہاں تحفہ اور ہدیہ کے طور پر لایا جاتا ہے۔

طلائی ریت

اس ولایت کی خاص پیداوار طلائی ریت ہے یہی طلائی ریت وہاں لین دین کا ذریعہ ہے اور اس پر وہاں کی تجارت کا دارومدار ہے۔ وہاں کی مال گذاری دینے والی رعیت ٹیکس میں یہی طلائی ریت دیتی ہے جس کی کافی مقدار جمع ہوجاتی ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے زمینداروں کی طرف سے رتیلا سونا جمع کرنے کے لئے جو مزدور مقرر تھے۔ خان خاناں نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد ان کی تعداد بیس ہزار درج کی تھی۔ ان لوگوں کا موروثی پیشہ ہی سنہری ریت جمع کرنے کا ہے۔ ہر شخص مقررہ سال میں وہاں کے راجہ کے پاس ایک تولہ طلائی ریت جمع کراتا تھا۔ راقم الحروف (خافی خاں) نے اس طلائی ریت کو جسے خطا (چین) کے تاجر سورت کی بندرگاہ میں لاتے ہیں بارہا دیکھا ہے۔

پھل پھلاری اور جانور

ناریل (فوفل)، کالی مرچ، نیشکر، کیلا، آم، (انناس) بھی بکثرت ہیں اور ان کی کافی زیادہ آمدنی جمع ہوتی ہے۔ بڑے گھوڑے اور خچر وہاں نہیں پائے جاتے اس لئے گھوڑے خچر کی وہاں بڑی قدر ہے۔

کوتٹ جو چھوٹا گھوڑا اور تانگھن کی قسم میں سے ہے اور قطاس اور فرش پری گھوڑے ہندوستان کے شہروں سے وہاں تحفہ کے طور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں کے کافر ہندوستان کے مشرکوں کے برخلاف ہر جانور کو کھا لیتے ہیں اور مسلمانوں کے پس خوردہ سے نفرت و احتراز نہیں کرتے (یعنے چھوت چھات نہیں ہے)

پُر اسرار تہ خانے

جب وہاں کا کوئی بڑا زمیندار یا راجہ مرجاتا ہے تو زمین میں ایک بڑے گھر کے مشابہ تہ خانہ بناتے ہیں اور مرنے والے کی لاش کے ہمراہ اس کی بیوی اور خادماؤں کو اس سارے سامان کے ساتھ جو وہ اپنی زندگی میں استعمال کرتے رہے تھے جیسے سواری کا جانور فرش طلائی نقرئی برتن چاول اناج وغیرہ اور وہ زیورات جو وہاں کی بڑے درجہ کی عورتیں اور مرد پہنتے ہیں۔ نیز عطریات اور چند دن کی مقدار کے مطابق پھل پھلاری وغیرہ کو توشۂ آخرت کے طور پر اندر پہنچا دیتے ہیں اور تہ خانہ کو بند کردیتے ہیں چنانچہ خان خاناں کے لشکر کے آدمیوں نے ان تہ خانوں کو کھول کر کافی زر و مال اور دولت نکال لی تھی اور خان خاناں کی سرکار میں ان مردہ خانوں سے لاکھوں کا مال و اسباب جمع ہوا تھا جو اس نے فوج میں تقسیم کرا دیا تھا۔

آسام کے راجہ کی فتنہ پردازی

آسام سے متصل کام روپ کا ملک بھی ہے اور ان دونوں ملکوں میں باہمی روابط و تعلقات ہیں۔ تقریباً بیس سال سے آسام کا زمیندار راجہ، فتنہ و فساد برپا کرتا رہا تھا اور صوبہ بنگالہ کی سرحدوں پر حملہ کرکے بادشاہی علاقہ کی مال گذار رعایا کو جن میں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی ہر سال پکڑ کرلے جاتا تھا اور اپنے ملک میں قید کرکے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا تھا مالی جانی نقصان کے علاوہ ان کے دین و عقیدہ کی تحقیر بھی کرتا تھا۔ اس کی ان ہی حرکتوں کے سد باب کے لئے شاہجہاں کے عہد میں بنگالہ کے صوبہ دار اسلام خاں نے کافی ساز و سامان کے ساتھ اس پر فوج کشی کی تھی مگر اسی زمانہ میں اسے صوبہ داری سے معزول کرکے دہلی میں طلب کرلیا گیا اور وزارت پر مامور کردیا گیا تھا چنانچہ وہ مہم ادھوری رہ گئی تھی بعد میں جب شجاع بھاگ کر رخنگ کے زمیندار کے پاس پناہ گزین ہوگیا جو اسی آسام کے علاقہ کا ایک زمیندار تھا اور پھر شجاع کے متعلق پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا انجام کیا ہوا تو خان خاناں نے جہانگیر نگر اور بنگالہ کے دوسرے تعلقوں کے بندوبست سے فارغ ہوتے

ہی آسام کی مہم پر توجہ کی اور اس ملک کی فتح کے لئے سازو سامان کی فراہمی اور فوجوں کی بھرتی شروع کردی۔

آسام اور کوچ بہار کی عداوت

جب خان خاناں کے ارادوں اور تیاریوں کی اطلاع آسام کے راجہ اور کوچ بہار کے زمیندار بھیم نارائن کو ملی جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے متصل تھیں اور دونوں میں موروثی عداوت تھی تو دونوں سخت پریشان ہو گئے اور ہر ایک نے سپہ سالار خان خاناں کے پاس عریضہ بھجوایا جس میں اپنی اطاعت و وفاداری اور دوسرے کی نالائقی کا ذکر تھا اور ہر ایک نے اپنے لئے امان کی التجا کی تھی اور دوسرے کی سرکوبی پر ترغیب دلائی تھی۔ نادان بھول گئے تھے کہ سیلاب ہمسایہ کے گھر میں داخل ہو گا تو اس کے اپنے گھر کو بھی بہالے جائے گا۔ خان خاناں نے دونوں سرکش زمینداروں کے عریضے دربار میں بھجوا دیئے۔ ان کے جواب میں بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں بد ذاتوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔

کوچ بہار اور وہاں کے باشندے

میر جملہ خان خاناں کی تیاریاں

دربار شاہی سے اجازت ملتے ہی خان خاناں نے قلعہ گیری کے سامان توپ خانہ اور نوارہ (جنگی بیڑہ) جس پر دریاں کی جنگ کا زیادہ تر انحصار ہوتا ہے اور خشکی پر لڑنے کا سازو سامان تیار کرایا اور اس علاقہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اس بہادر سپہ سالار نے دریا اور خشکی پر بڑی سخت لڑائیاں لڑیں اور دشوار گزار گھنے جنگلوں کو صاف کرا کے راستہ بنایا اور اونچے پہاڑی دروں پر قبضہ کیا اور ان لڑائیوں میں ہزاروں کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بادشاہی فوج کے بھی بے شمار آدمی شہید ہوئے۔ آخر وہ وہاں کے بت خانوں میں اذان اور تکبیر بلند کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس سے پہلے اس سرزمین میں کبھی اذان کی آواز نہیں گونجی تھی۔ اگر ہم ان تمام معرکوں کی تفصیل بیان کریں تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہو جائے گی اس لئے چند اہم واقعات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

کوچ بہار میں نارائن کی پرستش

کہتے ہیں خان خاناں نے پہلے بھیم نارائن کی ولایت کوچ بہار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ ان باطل پرستوں کے اعتقاد میں "نارائن" کا لفظ اللہ کے اسم اعظم کا قائم مقام ہے اور اس سے بڑا خالق ان کے نزدیک دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے اس سرزمین کے لوگ اپنے بت "نارائن" کے نام کے نمونہ پر تراشتے اور نصب کرتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ جو راجہ بھی وہاں کا حاکم بنتا ہے وہ برکت کے لئے نارائن کو اپنے نام کا جز بناتا ہے۔ وہاں کے سکہ پر بھی اسی معبود کی شبیہ نقش ہوتی ہے اور اس کا نام بھی "نارائنی" ہے۔

بدصورت راجاؤں کی عیش پرستی

وہاں کے راجہ عموماً اپنے وزیروں پر ملک کا کاروبار چھوڑ کر عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ راجہ بھی نہایت بدصورت تھے۔ بدصورتی تو وہاں کے باشندوں کے آب و گل ہی میں خمیر کی گئی ہے کہ ایک سے بڑھ کر ایک بدصورت آدمی نظر آتا ہے۔ بدصورتی ان کی بدباطنی سے بالکل میل کھاتی ہے۔ یہ بدصورت راجہ شان دار عمارتوں پرفضا باغوں اور عمدہ مکانوں اور حوضوں کے کنارے قیمتی فرش پر حسین اور خوبصورت ناچنے گانے والی عورتوں کے جھرمٹ میں جو باہر سے وہاں لائی جاتی ہیں بڑے عیش و عشرت میں گذر بسر کرتے ہیں۔

زہریلے ہتھیاروں کا استعمال

یہ بدسرشت قوم اپنے تیروں تلواروں اور نیزوں کو زہر میں بجھا کر رکھتی ہے ان کا ہتھیار جسم کو چھو جائے تو فوراً سارا جسم ورم سے پھول جاتا ہے اور پھر زندہ بچنا دشوار ہو جاتا ہے اُن کے زہر کا علاج صرف کیسرو ہے کہ اس کے کھانے اور جسم پر ملنے سے زہر کا توڑ ہو جاتا ہے۔ کیسرو ایک میٹھی جڑ والا پودا ہے جو وہاں کے لذیذ نباتات میں سے ہے اور بلاد ہند میں بھی یہ خوش ذائقہ پھل سمجھا جاتا ہے شاہ جہاں آباد اور اس کے نواح میں سال کے بارہ مہینے بازار میں آتا رہتا ہے۔

خان خاناں کی کوچ بہار پر فوج کشی

جنگلوں اور پہاڑوں میں خطرناک سفر

خان خاناں نے جب کوچ بہار کی مہم کا منصوبہ بنایا تو اس نے دریائی بیڑہ پر محمد مقیم کو متعین کیا کہ وہ بحری فوج کو لے کر دریا کے راستے سے آگے بڑھے۔ اکبر نگر اور جہانگیر نگر میں مخلص خاں اور احتشام خاں کو کمکی امراء کے ساتھ چھوڑ دیا۔ نارائن کے ملک میں داخلہ کے تین راستے تھے بادشاہی لشکر نے بڑی تدبیروں سے دو راستوں کو بالکل مسدود کر دیا تیسرا راستہ وحشت ناک گھنے جنگلوں کا تھا جس میں زہریلے درخت اور حشرات الارض بکثرت تھے۔ خان خاناں نے اپنے لئے اس راہ کو منتخب کیا۔ یہ سفر بڑا حوصلہ آزما تھا، جو بس اللہ کی توفیق اور مدد سے طے ہو سکا ہزاروں تبردار اور بے شمار بیلدار متعین تھے جو راستہ بناتے جاتے تھے: ہاتھیوں کی بھی ایک بڑی تعداد درختوں کو گرانے پر لگا دی گئی تھی۔ اس موقع پر خان خاناں خود بارہا پیدل ہو گیا تبر اور بیلچے کر مزدوروں کے ساتھ کام کرنے لگ گیا۔ اس کی پیروی میں ہزارہا سپاہی اور لشکری بھی جنگل صاف کرنے میں مشغول ہو گئے اور ساگ کے درختوں کو کاٹ کاٹ کر ان لوگوں نے اچھا خاصہ راستہ بنا لیا۔ پھر جگہ جگہ چڑھی ہوئی ندیاں اور گہرا پانی حائل ہو جاتا تھا۔ ان کو ایک دوسرے کی مدد سے عبور کرنے کے بعد سر بہ فلک پہاڑوں کا سلسلہ تھا جہاں جگہ جگہ دشمن نے مورچے بنا رکھے تھے اور قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں اور ادھر ادھر سے نکل کر سد راہ بن جاتے تھے۔

کوچ بہار کی فتح

ان تمام دشواریوں کو طے کرتے ہوئے اور دشمن کے آدمیوں سے لڑتے بھڑتے ان کو تہ تیغ کرتے ہوئے خان خاناں اس بے دین کے حاکم نشین شہر پہ پہنچ گیا۔ بادشاہی فوج جو بلائے بے درماں کی طرح اس کے سر پر پہنچ گئی تو بھیم نارائن اپنے اہل و عیال کو لے کر پہاڑوں پر چلا گیا اور اس کا صدر مقام بغیر کسی جنگ کے شاہی لشکر کے قبضہ میں آ گیا۔ اول اول تو لوٹ مار غارت گری ہوتی رہی۔ مگر جلد ہی خان خاناں نے قابو پا لیا اور سید محمد صادق صدر بنگالہ کو حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ پابندیاں عائد کر دیں اور ضابطہ بندی کر دیں اور خود ہر مقام پر جا کر یہ نگرانی کریں کہ کوئی شخص رعیت

کی جان ومال پر دست درازی نہ کرنے پائے۔ راجہ بھیم نارائن کا جو سامان بھی ہاتھ لگے وہ سرکار میں ضبط کرا دیا جائے اور ہر جگہ بت توڑ دیئے جائیں اور اسلامی احکام وقوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ حسب ہدایت سید مذکور نے ایسی پابندی لگائی اور کڑا احتساب قائم کر دیا کہ کسی لشکری کو رعیت کے کسی آدمی کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ لوٹ مار کرنے والوں کو ہاتھ اور ناک کان کاٹنے کی سزائیں دی گئیں اور خان خاناں نے امن عامہ کا اعلان ونفاذ کر کے رعایا کو مطمئن کر دیا اور ان کی جان ومال کی حفاظت کے انتظامات کرا دیئے۔

میر جملہ کی رعیت نوازی

خان خاناں نے پہلے مہا نارائن کے بت کو توڑ کر پھنکوا دیا اور پھر دوسرے بتوں کو توڑ دیا اور بت خانوں کی چھت پر چڑھ کر اذانیں دیں تاکہ دشمن کے آمادۂ پیکار عناصر کے حوصلے پست ہو جائیں۔ پھر لوٹ مار کے سد باب کے لئے مکرر اعلان کرایا۔ جو لوگ گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ان کے گھروں کی حفاظت کا انتظام کرایا اور ان کا مال جمع کر کے بطور امانت اس کی سختی کے ساتھ حفاظت کی جاتی رہی۔ جب لوگوں کو مسلمانوں کے نیک سیرت سپہ سالار کی ان خادمانہ اور مشفقانہ کارروائیوں کا علم ہوا تو وہ جوق درجوق اپنے گھروں کو واپس آگئے اور از سر نو بستیاں آباد ہو گئیں۔

لشن نرائن کا قبول اسلام

بھیم نرائن کا بیٹا لشن نرائن جو باپ سے سخت ناراض تھا اس موقع کو غنیمت جان کر خان خاناں کے پاس آگیا اور خان خاناں کی تبلیغ پر اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے باپ اور وزیر کو گرفتار کرانے میں مسلمانوں کی رہنمائی کی پیش کش کی۔ خان خاناں نے اس کے ہمراہ اسفندیار بیگ اور فرہاد بیگ کو متعین کیا کہ وہ بھیم نارائن اور اس کے وزیر کو گرفتار کرنے کے لئے جائیں پھر انھیں تاکید کی کہ صحرا اور جنگل اور پہاڑوں کے دروں میں پوری احتیاط سے اور باخبر ہو کر پیش قدمی کریں۔

کوچ بہار کے وزیر کی گرفتاری

اس لڑائی میں خان خاناں نے ایک سو چھ چھوٹی بڑی توپیں اور ڈھائی سو زنبورک (بڑی بندوق) اور رامچنگی اور توپ خانہ کا دوسرا کافی سامان ضبط کیا تھا ان کو جہانگیر نگر بھجوا دیا۔ ادھر اسفندیار نے بڑی سعی وکوشش کے بعد راجہ کے وزیر بھولا ناتھ کو اس کے اہل وعیال اور ہمراہیوں

سمیت گرفتار کر لیا اور سپہ سالار خان خاناں کے پاس بھجوا دیا۔ بھیم نارائن اس علاقہ کے ایک نہایت سمرز میندار کی پناہ میں چلا گیا تھا۔

معلق فولادی پل

کوچ بہار کے قلعہ اور آبادی کے درمیان ایک کم چوڑی مگر بہت گہری ندی تھی۔ ندی پر لوہے کے تاروں کا پل تھا۔ پانی کے دونوں کناروں پر میخیں گاڑ کر اور مضبوط درختوں کے تنے سے دو لوہے کی زنجیریں ندی کے پاٹ پر باندھ دی گئی تھیں۔ ان دونوں زنجیروں کے درمیان چھوٹی چھوٹی زنجیروں سے بنا ہوا زنجیرہ بنا دیا گیا تھا۔ اس طرح لوہے کا یہ اچھا خاصا پل بن گیا تھا۔ سہارے کے لئے سر کی بلندی پر بھی ندی کے آر پار ایک زنجیر باندھ دی گئی تھی جسے پکڑ کر لوگ اس آہنی پل پر سے گذرتے تھے اور روزانہ اس پل پر آمد و رفت کرنے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ زنجیریں اس طرح آنکڑوں میں اٹکا دی جاتی تھیں کہ حسب ضرورت ان کو علیحدہ کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ رات میں اس آہنی پل کو اتار لیا جاتا تھا۔

کوچ بہار کا بندوبست

خان خاناں نے اس حاکم نشین شہر کو "عالمگیر نگر" کا نام دیا۔ یہ لواسی پرگنوں اور پانچ چکلوں پر مشتمل تھا جس کی جمع بندی وہاں کے مروج سکہ نارائنی کے حساب سے دس لاکھ روپیہ ہوتی تھی۔ اسفندیار چونکہ اس سرزمین سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس کو وہاں حاکم مقرر کیا اور اس کے ہمراہ دو لائق جمعیت داروں کو ایک ہزار چار سو سواروں اور دو ہزار بندوقچیوں کے ساتھ متعین کر دیا اور اس ضلع کی دیوانی پر قاضی تیمور کا تقرر کیا اور بندوبست کے لئے سولہ چوکیاں مقرر کیں، ان انتظامات کے بعد خان خاناں نے آسام کی طرف توجہ کی۔

میر جملہ کا آسام پر حملہ

میر جملہ آسام کے جنگلوں میں

خان خاناں نے آسام پر فوج کشی کے لیے دلیر خاں کو قراولی پر آغر خاں کو ہراول پر اور میر مرتضیٰ کو توپ خانہ پر متعین کیا اور کشتیوں کے بیڑہ کو جگہ جگہ فوج کے ساتھ دریا کے راستہ آگے بڑھایا۔ اس انتظام کے بعد بادشاہی لشکر کو لے کر وہ آسام کے گھنے جنگلوں میں داخل ہوگیا۔ جنگل اس قدر خوفناک اور دشوار گذار تھا کہ ہوا کو بھی راستہ نہ ملے مگر بہادر سپہ سالار نے سابقہ طریقہ پر جنگل قطع کراتے اور راستہ بناتے ہوئے اس وسیع و عریض جنگل کو طے کیا۔ اثنائے راہ میں اس علاقہ کے پہاڑی قبیلے دائیں بائیں سے نکل کر فوج پر چھاپے مارتے رہے اور بہادر لشکریوں کو ان کی مزاحمتوں سے بڑی دقتیں پیش آئیں مگر لشکر برابر آگے بڑھتا رہا۔ دشمن کے جو آدمی اسیر بنالئے گئے تھے انھوں نے راہبری سے لے اپنی خدمات بھی پیش کیں مگر تجربہ کار سپہ سالار نے ان کی باتوں کا اعتبار نہیں کیا اور دریائی بیڑہ سے جدا ہو کر دریا کے ساحل کو نہیں چھوڑا۔ راستہ میں جہاں کہیں دشوار گذار نالے اور دلدلی زمین ملی درختوں کی شاخیں، پھاکر اور بانس کے پشتے باندھ کر ان پر کافی مقدار میں گھاس ڈال دی اور فوج اس پر سے بآسانی گذر گئی۔ غرض آہستہ آہستہ دریائی بیڑہ کے ساتھ ساتھ لشکر کبھی نصف کوس اور کبھی ایک کوس کے حساب سے آگے بڑھتا رہا۔ اس دوران میں خان خاناں ہمراہیوں کا دل بڑھانے کے لئے پیادہ ہوجاتا تھا وہ سب کے ساتھ راستہ بنانے میں شریک رہتا تھا۔ اور حافظ شیراز کا یہ شعر پڑھتا جاتا تھا ؎

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید
ہیچ راہی نیست کو را نیست پایاں غم مخور

اس پر مشقت سفر میں جب کہ کبھی شام کے وقت اور کبھی سہ پہر کے وقت قیام میسر آتا تھا۔ خان خاناں ہر منزل پر دشمن کے شب خون کے اندیشہ سے ساری ساری رات نگرانی اور نگہبانی کے لئے جاگتا رہتا تھا تاکہ کوتوال اور دوسرے آرام طلب لوگ اپنی اپنی ڈیوٹیوں کو پابندی سے ادا کرتے رہیں۔ آخر چلتے چلتے لشکر ایک سر بہ فلک پہاڑ کے دامن میں پہنچا اس پہاڑ پر دو مضبوط قلعے تھے جن میں بیس ہزار دشمن کی فوج تھی جن میں برقندازوں اور تیر اندازوں کی ایک بڑی جمعیت بھی تھی اور قلعہ بندی کا کافی سامان موجود تھا۔ یہاں سے آسام کے حاکم نشین شہر تک کی مسافت ایک ماہ چند دن کی بتائی جاتی تھی۔ قلعہ کے نیچے تین سو آٹھ دشمن کی جنگی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔

آسام کا پہلا معرکہ

خان خاناں نے اس پہاڑ سے دو کوس کے فاصلہ پر بڑی احتیاط کے ساتھ لشکر گاہ قائم کر دی اور راتوں میں ماہتابیاں روشن رکھنے کا انتظام کرایا اور جنگی بیڑہ کو حکم دیا کہ قلعہ کے نیچے ٹھیرے ہوئے دشمن کے بیڑہ کے مقابل لنگر انداز ہو جائے۔ لشکر کو جگہ جگہ مورچے باندھ کر قلعہ پر حملہ کرنے کی ہدایت کر دی اور ہر پہاڑی پر اور دروں پر بکثرت سواروں اور پیادوں کو مامور کر دیا تاکہ آسامی شب خون نہ مار پائیں اور محصورین کو کمک نہ پہنچا سکیں۔ انہی خطرناک راستوں میں سے ایک پر جہاں سے کمک پہنچنے کا زیادہ امکان تھا آغر خاں مامور تھا حسب توقع اس محاذ پر آسام کے تین چار ہزار برقندازوں نے حملہ کر دیا اور دشمن کے بے خطا تیر اندازوں نے آغر خاں کی مغل فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت آغر خاں کے ساتھ بہت کم آدمی تھے اور دشمن کی جمعیت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر بہادر اور دلیر آغر خاں ان کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ اس معرکہ میں مغل سواروں کی ایک تعداد شہید ہو گئی اور بہت سے زخمی ہو گئے مگر آغر خاں نے دلیرانہ حملے کر کے دشمن کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اسی حالت میں ایک زہر دار تیر آغر خاں کے پاؤں میں لگا اور اسی وقت اس کے پیر پر ورم چڑھ گیا۔ مگر آغر خاں نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ بڑے استقلال سے دشمن پر حملے کر کے اس کا منہ پھیر دیا اور آسامیوں کی ایک کثیر تعداد کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس لڑائی کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے بادشاہی لشکر کے بہادروں کا ایسا رعب ان وحشیوں کے دل پر چھا گیا کہ ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور راتوں رات

وہ مورچے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

دریائی جنگ اور کامیابی

آسامیوں کی لڑائی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے ایک پیدل فوج دوسرے دریائی بیڑہ جہاں تک ان کی پیدل فوج کا تعلق ہے وہ بادشاہی لشکر کی سوار فوج کے مقابلہ میں ناکام ہو گئی۔ کیونکہ غیر مسلح ایک سوار بھی گھوڑا دوڑاتے ہوئے بڑھتا تو ان کے دس مسلح پیادے وحشت کھا کر اس کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے خشکی میں جب دشمن کو کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے دریائی جنگ پر کمر باندھی اور ان کی ایک بڑی تعداد پہاڑ سے اتر کر آئی اور ان بے کار پڑی ہوئی اور دریا میں غرق کر کے چھپائی ہوئی کشتیوں کو تیار کر کے بادشاہی بیڑہ کے مقابلہ پر وہ بڑھے دوسرے دن جب آفتاب طلوع ہوا تو سپہ سالار کو دشمن کے دریائی اقدام کی اطلاع ملی اس نے فوراً لشکر کو قلعہ کی طرف آگے بڑھایا اور کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو دریا کے ساحل پر پہنچا دیا تاکہ وہ حسب ضرورت دریائی فوج کی مدد کر سکیں ان کے ساتھ توپ خانہ کو بھجوا دیا تاکہ گولہ باری سے ان کے بیڑہ کو تباہ کر دیا جائے۔ اب دونوں طرف کے جنگی بیڑوں نے حرکت کی کشتیاں ایک دوسرے کے مقابلہ پر بڑھیں اور دونوں طرف کی دریائی فوج نے آتشیں بان چھوڑنے شروع کئے آگ کے شعلوں بارود کے دھماکوں اور دھوئیں سے فضا تیرہ و تار ہو گئی توپ و تفنگ کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹنے لگے اس دھواں دھار میں عرصہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ کون غالب ہے اور کون مغلوب۔ دشمن کی کشتیوں میں بان زیادہ مقدار میں نہیں تھے جلد ختم ہو گئے پھر ان کے دلوں پر اس اجنبی لشکر کے حملہ آور بہادروں کا بڑا خوف و ہراس طاری تھا اس لئے جلد ہی ان کا بیڑہ پس پا ہونے لگا اور وہ کشتیوں کو دریا کی دھار پر ڈال کر فرار ہونے لگے بادشاہی بیڑہ نے ان کا تعاقب شروع کر دیا اور ان کی چند کشتیوں کو بان پھینک کر اور توپوں کی گولہ باری کر کے غرق کر دیا۔ اور ان کی کشتیوں کو اس طرح گھیر لیا کہ بکثرت آدمی جان بچانے کے لئے دریا میں کود پڑے اور ہلاک ہو گئے جو اپنی کشتیاں بچا کر ساحل پر پہنچے انھوں نے بیڑہ کو دریا کے حوالہ کر کے کوہستان اور صحرا کی کمین گاہوں میں جا کر پناہ لے لی۔ جو لوگ پیرا کی کے بل پر دریا میں غوطہ لگا گئے تھے۔ دریا سے سر نکالتے ہی بادشاہی لشکر کے مردم شکار سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے اس معرکہ میں دشمن کی ایک سو چالیس کشتیاں

جن پر توپ خانہ کا کافی سامان لدا ہوا تھا اور ان کے ساتھ ایک سو چالیس توپیں اور بکثرت اسیر بادشاہی فوج کے ہاتھ آگئے ۔ دریائی جنگ کی فتح کے بعد دونوں قلعے بھی مزید کسی لڑائی کے بلا تردد قبضہ میں آگئے بس یہ اللہ کا فضل اور بادشاہ کا اقبال تھا کہ ایسے دشوار گذار بلند مکان قلعے اس آسانی سے فتح ہو گئے ۔ خان خاناں نے اس کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور دونوں قلعوں کا ملاحظہ کرنے کے بعد عطاء اللہ نامی افسر کو ان کی نگہبانی پر متعین کر دیا اور اس کے ساتھ حسب ضرورت فوج متعین کر دی اور ذخیرے فراہم کر دیئے۔

کورتھی کے قلعوں کی تسخیر

ان دو قلعوں سے فارغ ہونے کے بعد خان خاناں نے قلعہ کورتھی کی تسخیر کے لئے کمر باندھی یہ مقام بھی آسام کے دشوار گذار قلعوں میں سے ایک تھا ' وہاں تک پہنچنے میں بھی لشکر کو راستہ کی سختیوں اور شدائد کا سامنا کرنا پڑا جب ان صعوبتوں کو جھیل کر لشکر آگے بڑھا تو دریا کے دو نوں کناروں پر ایک دوسرے کے مقابل یہ قلعے نظر آئے جن میں سے ہر ایک بلندی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا ۔ دونوں قلعوں کے درمیان دریا کی سطح پر ہر طرح کی جنگی تیاریوں اور ساز و سامان سے بھرے ہوئے کشتیوں کے بڑے بڑے بیڑے بھی تیرتے ہوئے دکھائی دیئے ۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ آسامیوں کی تقریباً ایک لاکھ پیادہ فوج دونوں قلعوں اور کشتیوں میں آمادہ پیکار حملہ کی منتظر ہے ۔ مگر اللہ نے اپنے کرم سے یہاں بھی دشمن کے دل میں حملہ آور فوج کا ایسا خوف بٹھا دیا کہ خشکی پر تو اس نے مقابلہ کی ہمت نہیں کی ' اور دریا میں بادشاہی بیڑہ کے مقابلہ میں شکست کھا کر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور دونوں قلعے بادشاہی فوج کے لئے خالی چھوڑ دیئے ۔قلعوں کی فتح پر خان خاناں خدا کا شکر بجا لایا ۔ ان کو اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد ضروری انتظامات کئے اور دونوں قلعوں پر حفاظت کے لئے ایک فوج متعین کر دی اور گڑگانو کی طرف کوچ کر دیا۔

دلیرانہ فوج کشی اور فتوحات

غرض اس طرح جہاں بھی اقبال مند لشکر پہنچا ' گھوڑوں ہاتھیوں کی یلغار اور جاں نثار مغلوں کے حملوں کے سامنے دشمن کے پیر جم نہ سکے ۔ خاص طور سے ان لڑائیوں میں آغر خاں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہر جگہ وہ دلیر خاں کے آگے آگے تیغ زنی کرتے ہوئے بڑھتا رہا اس کے پے در پے حملوں کے سامنے نہ تو دشمن کے جنگی بیڑے ٹھہر سکے ' نہ اس کی

پیدل فوج اور ہر جگہ سے وہ شکست کھا کر بھاگتے رہے اور اس سرزمین کے تقریباً تمام دشوار گذار مقامات اور اہم جنگی مورچے جن کی تفصیل کا موقع نہیں بادشاہی کارگذاروں کے قبضہ میں آ گئے۔ مگر اب ایک دقت ہو گئی۔ مفتوحہ مقامات پر جگہ جگہ فوج کو متعین کرنا پڑا جس کی وجہ سے حملہ آور لشکر کی تعداد گھٹ گئی۔ اگرچہ لشکر کے ایک ہزار سواروں کے آگے آسامیوں کے بیس ہزار پیادے بھی بکریوں کے ریوڑ کی حیثیت رکھتے تھے اور مقابلہ سے بھیڑوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن وہ شب خون مارنے اور غفلت میں لشکر پر چھاپے مارنے میں بڑے تیز طرار تھے۔ ان کے اس شب خون اور گوریلا حملوں سے کافی نقصان ہو رہا تھا۔ خان خاناں کا تو خیر یہ معمول تھا کہ وہ رات کے اول حصہ میں سو جاتا تھا۔ آخر شب میں وہ خاص طور سے جاگ کر کوتوالی اور نگہبانی کرتا رہتا تھا اور صبح تک اپنی جمعیت کو لے کر گشت کرتا رہتا تھا اور دشمن کی نقل و حرکت کی طرف سے خبردار رہتا تھا مگر فوج کے دوسرے کمان داروں کا یہ حال نہیں تھا۔ اسی لئے عام طور سے شب خون مارنے والے آدھی رات یا آخر شب میں ان کی جمعیت پر چھاپے مارتے تھے اور غفلت کی وجہ سے کئی ایک مارے جاتے اور زخمی ہو جاتے تھے اور لشکر کا بہت سا سامان بھی دشمن کے شب خون کی نذر ہو جاتا تھا اس طرح کافی سے زیادہ نقصان بادشاہی لشکر کو پہنچ رہا تھا۔ پھر بھی خان خاناں کی خبرداری اور سخت نگرانی کی وجہ سے لشکر روز بروز آگے بڑھتا رہا۔ سچ ہے سپہ سالاری جیسا جان جوکھم کا فریضہ محض بہادری اور کثرت فوج کے بل پر نہیں انجام دیا جا سکتا۔ اس کے لئے بڑے تدبر اور جاں کاہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

برف باری اور طوفان

بہر حال خان خاناں بڑے حوصلہ اور تدبر کے ساتھ لشکر کو لے کر بھیم گڈھ پہنچ گیا جو آسام کا بہت بلند اور سب سے بڑا قلعہ تھا اور حاکم نشین مقام تھا مگر قدرت کی ستم ظریفی کہ منزل پر پہنچنے سے پہلے ایک دن اچانک تیز و تند ہوا چلنے لگی۔ سیاہ بادل چھا گئے اور آسمان سے بلائے ناگہانی کی طرح بڑے بڑے اولے گرنے لگے۔ چند گھنٹوں تک مسلسل ایسی سخت ژالہ باری ہوئی کہ لشکر کے اکثر جانور اور سپاہی زخمی ہو گئے اور سارے لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ بہت سے آدمی تو برف باری سے زخمی ہونے کی وجہ سے اور کاٹ کھانے

والی سرد ہوا کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو گئے۔ دریا میں بھی چند کشتیاں تلاطم کی وجہ سے غرق ہو گئیں۔ بہرحال لشکر نے یہ چند دن جو بڑی مصیبت کے دن تھے گذار دیئے۔ اور قلعہ کے نیچے پہنچ کر توپ کی مار کی مسافت پر اپنی لشکر گاہ قائم کر دی۔

قلعہ بھیم گڈھ کا معرکہ

یہ قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم قلعہ تھا اور آسام کے تمام سرگروہ بے شمار افواج کے ساتھ جو ہر جگہ اسلامی فوج سے شکست کھا کر بھاگے تھے۔ یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ تقریباً تین لاکھ آسامی پیادے وہاں جمع تھے اور باہم عہد و پیمان کر کے خان خاناں کی حملہ آور فوج کا انتظار کر رہے تھے اس سے قبل بھی بارہا مشرق کے بادشاہوں نے اس قلعہ پر فوج کشی کی تھی مگر اس کے نیچے ان کے لشکر تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ بادشاہی لشکر کو جب وہاں دشمن کی اس بے شمار فوج کے جمع ہونے کی خبریں ملیں اور پھر انھوں نے اس ناقابل تسخیر فلک نما قلعہ کو دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ خان خاناں نے ہر مورچے پہ پہنچ کر اپنے آدمیوں کا حوصلہ بڑھایا۔ اور دلیر خاں کو دوسرے تجربہ کار امراء کے ساتھ مورچہ بندی پر مامور کیا۔

مسلسل تین دن تین راتوں تک آسامی قلعہ کے اوپر سے گولہ باری کرتے، اور بندوقوں سے گولیاں چلاتے رہے اور بڑے بڑے پتھر بادشاہی فوج پر لڑھکاتے جن کی وجہ سے بہت سے جانور اور آدمی زخمی اور تلف ہو گئے۔ ان کے مسلسل حملوں سے دمدمے باندھنے اور مورچے لگانے کی مہلت نہ مل سکی۔ چوتھی رات انھوں نے بہت بڑا شب خون مارا اور سارے لشکر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس رات دلیر خاں نے غیر معمولی بہادری دکھائی اور دشمن کی خوب ڈٹ کر مدافعت کی۔ اس شب خون سے بادشاہی لشکر کو بہت نقصان پہنچا۔ بہت سے آدمی اور جانور مارے گئے اور زخمی ہوئے لشکر کے آس پاس جو جانور تھے وہ سب دشمن کے ہاتھ لگ گئے۔ حملہ آور بھی دلیر خاں کی افغان فوج اور راجہ بیر سنگھ کے راجپوتوں سے بچ کر نہ جا سکے۔ ان کی بھی ایک کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔

ایک نو مسلم کی غداری

اس شب خون کے بعد دلیر خاں اور دوسرے بہادروں کے مشورہ پر یہ طے پایا کہ آسامیوں کو مزید مہلت نہ دی جائے تاکہ وہ طویل قلعہ بندی کا سامان مہیا نہ کرنے پائیں اور اللہ کی پناہ پر توکل کر کے

قلعہ پر یورش کردی جائے ۔ اس فیصلہ کے بعد سب نے ایک دوسرے کے لئے دعائے خیر کی اور یورش کی تیاری میں مصروف ہو گئے جاسوسوں کو قلعہ کے اطراف متعین کیا گیا کہ وہ کسی مناسب راہ کو تلاش کر کے بتائیں جس طرف سے قلعہ پر فوج کشی آسان ہو۔ اسی اثنا میں ایک آسام کا بدبخت نومسلم جو اس مہم سے پہلے کافی عرصہ سے لشکر میں ملازم تھا اور بڑی خیر خواہی اور جاں نثاری کا اظہار کرتا اور اس کوہستان سے واقف ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ خان خاناں کے ایک مصاحب کے توسط سے حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ میں اس ملک کے تمام راستوں اور اس قوم کے طور طریقوں سے واقف ہوں اور یہاں کے چپہ چپہ کی مجھے خبر ہے۔ اس لئے یورش کے وقت لشکر کی رہبری اور پیش قدمی میرے سپرد کی جائے۔ خان خاناں باوجود تجربہ اور حزم و احتیاط کے اس کے جھانسے میں آگیا اور فوج کی راہنمائی پر اسے مقرر کر دیا۔

سازش کا منصوبہ

اس بدبخت آسامی نے قلعہ والوں کو پیغام بھجوا دیا کہ میں لشکر اسلام کو فلاں دشوار گذار راستہ پر جہاں گہری خندق اور پانی ہے اپنے ساتھ لگا لاؤں گا تم اس کو اپنے تیروں کی زد پر رکھ لینا۔ اس کے بعد وہ فوج کو آدھی رات کے وقت لے کر آگے بڑھا۔ جب قلعہ کے دروازہ کے مقابل پہنچے۔ جس کے سامنے ایک مضبوط سنگین دیوار کھڑی تھی تو اس نے توپ خانہ کے داروغہ میر مرتضیٰ سے کہا کہ تم دروازہ پر گولہ باری شروع کر کے قلعہ والوں کو اپنی طرف متوجہ رکھو تا کہ وہ اس جانب توجہ نہ کر سکیں، جدھر میں فوج کو لے جاؤں گا اس کی غرض یہ تھی کہ توپ خانہ کا مال مسالہ اس دیوار پر رائگاں جائے۔ بہر حال میر مرتضیٰ اس کے کہنے کے مطابق گولہ باری کے انتظام میں لگ گیا اسی موقع پر آسمان سے ژالہ باری شروع ہو گئی بڑے بڑے اولوں کی ضرب سے بھی بہت سے آدمی تلف اور زخمی ہو گئے۔

خوں ریز لڑائی اور قلعہ کی فتح

وہ آسامی صبح ہونے سے پہلے پہلے لشکر کو مذکورہ خندق کے پاس لے کر چلا گیا جس کا پانی بڑی دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور بہت گہرا تھا۔ پہاڑ پر سے آسامیوں نے گولہ باری شروع کر دی اور آتشیں تھیار چلانے لگے۔ بہادر لشکریوں نے جب ہر طرف سے خود کو مصیبت میں گھرا پایا تو انھوں نے جان پر کھیل کر دشمن پر حملہ کر دیا اور ہر شخص بڑی بہادری اور دلیری سے جنگ میں کود پڑا

خاص طور سے دلیر خاں اور آغر خاں نے دشمن کی آتش باری کی پرواہ کرتے ہوئے اس آگ اور خون کے سمندر میں ہاتھی گھوڑے دوڑا دیئے۔ اس وقت بعض افغانوں نے سمجھایا بھی کہ اب معاملہ قابو سے باہر ہے اس آگ اور پانی سے نجات ممکن نہیں اگر پانی میں غرق ہونے سے بچ بھی جائیں تو سامنے پہاڑ ہے جس سے سر پھوڑنا جان کو رائیگاں کرنا ہے ابھی موقع ہے کہ ہم یہاں سے لشکرگاہ کو واپس چلے جائیں اور پھر بہتر تدبیروں اور انتظام کے ساتھ قلعہ کی تسخیر کے لئے آئیں۔ دلیر خاں نے فرار ہونے کی رسوائی قبول نہ کی اور فیل بان کو ڈپٹ کر اپنا ہاتھی آگے بڑھا دیا دوسرے بہادر افغان سردار جیسے آغر خاں قراول خاں وغیرہ گنتی کے چند سپاہیوں کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے پانی میں اتر گئے۔ اوپر سے دشمن گولہ باری کر رہا تھا جو بھی سر پانی سے نکلتا وہ ان کے گولوں کا نشانہ بن جاتا اور شہید ہو جاتا۔ اس طرح ایک بڑی تعداد جان سے جاتی رہی۔ اس ملعون آسامی کو آغر خاں کے آدمیوں نے قید کر لیا تھا اور وہ بھاگ نکلنے کی فکر میں تھا کہ اچانک ایک گولہ کے پھٹنے سے وہ جہنم رسید ہو گیا۔ تین چار بندوق کی گولیاں اور تیر دلیر خاں کے جوشن پر بھی آکر لگے مگر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا آخر وہ بہادر چند شیر دلوں کے ساتھ اس خندق میں پیرتے ہوئے قلعہ کے دامن میں ایسی جگہ پہنچ گیا جو گولوں کی زد سے باہر تھی پھر وہاں سے وہ اور اس کے ساتھی بڑی دلیری اور جسارت کے ساتھ آگے بڑھے اور کسی نہ کسی طرح قلعہ کی دیوار پر پہنچ گئے ادھر پہنچنے کے بعد بھی انھوں نے ایسی دلیرانہ جنگ کی کہ رستم بھی ہوتا تو انگشت بدنداں رہ جاتا۔ محصوروں کی ایک بڑی تعداد نے ان کو گھیر لیا تھا مگر باوجود قلت تعداد کے ان لوگوں نے وہاں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ان کے اوپر پہنچتے ہی قلعہ کے باہر بادشاہی لشکر نے فتح کے شادیانے بجانے شروع کر دیئے۔ نقاروں کی ہیبت ناک آواز سے دشمن کے دل میں ایسی دہشت سمائی کہ وہ ہتھیار پھینک پھینک کر فرار ہونے لگا۔ دلیر خاں کے پیچھے ہی دوسرے امیر اور افسر میر مرتضیٰ کی معیت میں قلعہ پر پہنچ گئے۔ اب آسامیوں کے لئے پناہ کی کوئی صورت نہیں رہی اور وہ فوج در فوج بھاگ کھڑے ہوئے اور اس حالت فرار میں ان کی ایک بہت بڑی تعداد جہنم رسید ہو گئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔

خان خاناں کا نظم و نسق اور حسن نیت

قلعہ کی فتح کے بعد خان خاناں شان و شکوہ سے قلعہ میں داخل ہوا اور بڑے جوش و خروش سے تحسین و مبارک باد دیتے ہوئے دلیر خاں کو سینہ سے لگالیا اور دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھائی پھر منادی کرادی کہ کوئی شخص رعایا کے جان و مال اور آبرو پر دست درازی نہ کرے اور عورتوں، بچوں کو اسیر نہ بنائے۔ دشمن کے چند ہزار آدمی قید کرلئے گئے تھے ان کو پابہ زنجیر کرکے بارود کوٹنے اور توپ خانہ کے دوسرے کاموں میں اور لشکر کی باربرداری وغیرہ پر لگا دیا گیا۔ کہتے ہیں خان خاناں کو یہ کامیابیاں محض اس کی حسن نیت کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ کیونکہ وہ بڑے بڑے قلعوں کو مفتوح کرلینے اور ملک پر تسلط پالینے کے باوجود چھوٹے بچوں اور رعایا کے اہل و عیال کو امن و حفاظت میں لے لیتا تھا اور ان پر کسی کو دست درازی کرنے نہیں دیتا تھا اس سلسلہ میں وہ بہت سخت تھا اور کڑی نگرانی رکھتا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ عورتیں اور بچے ذمہ دار نہیں وہ تو ظالموں کی اطاعت پر مجبور ہوتے ہیں۔ فتح کے بعد اس نے بت خانے مسمار کرادیئے۔ اذان کہلوائی اور قلعہ کے مال و اسباب اور توپ خانہ کو سرکار میں ضبط کرلیا۔ اور ممالک محروسہ بادشاہی کے جو آدمی ان ظالموں کی قید میں تھے ان کو راستہ کا خرچ وغیرہ دے کر ان کے وطن بھجوادیا۔

شاہی بیڑہ پر حملہ

اس ناقابل تسخیر قلعہ کی فتح اور اس دلیری اور بہادری کی خبریں پھیلیں تو ہر طرف حیرت اور خوف کی لہر دوڑ گئی اطراف و اکناف میں جو قلعے تھے وہاں آسامیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ انھوں نے قلعوں کو خالی کردیا توپیں دریا میں ڈال دیں اور ذخیرے جلا دیئے۔ خشکی اور قلعوں کو چھوڑ کر آسامی لشکر دریا پر آگیا اور وہ ایک بڑا جنگی بیڑہ تیار کرنے میں مصروف ہوگئے اور تقریباً آٹھ سو جنگی کشتیاں تیار کرلیں جو توپ خانہ کے سازوسامان سے بھری ہوئی تھیں۔ اور بادشاہی بیڑہ کے مقابل پہنچ کر انھوں نے اچانک غفلت میں حملہ کردیا اور چاروں طرف سے شاہی بیڑہ کو گھیر لیا۔ اتفاق سے اسی دن کوئی سو کشتیاں مزدوری کاموں کے سلسلہ میں ادھر ادھر گئی ہوئی تھیں اور بیڑہ کا کماندار زین الحسن خان خاناں کے پاس آیا ہوا تھا اور بیڑہ میں کوئی کار فرما شخصیت نہیں تھی اس لئے دشمن نے سخت نقصان پہنچایا۔ بادشاہی بیڑہ کے آدمی باوجود خطرہ میں گھر جانے کے بڑی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ شاہی بیڑہ سے خان خاناں کا کیمپ تین کوس

رجر بجی) کے فاصلہ پر تھا اس لئے وہاں تک جلد اطلاع پہنچانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

آسام کی دریائی فوج کی شکست

رات کی دو گھڑیاں گذرنے پر دونوں طرف سے گولہ باری کی آواز خان خاناں کے کیمپ میں سنائی دی تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ غنیم نے شاہی بیڑہ پر حملہ کر دیا ہے اس لئے اسی وقت محمد مومن نامی افسر کو اپنا توپ خانہ اور نقارخانہ دے کر زین الحسنی کے ساتھ روانہ کر دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ جس طرح ہو سکے رات کے رات وہاں پہنچ جائیں اور پہنچتے ہی نقارے اور کرنا بجانا شروع کر دیں۔ آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں محمد مومن کو تاخیر ہو گئی اور باوجود کوشش کے وہ راتوں رات وہاں نہیں پہنچ سکا۔ البتہ سویرے سویرے کہ ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا اور قریب تھا کہ شاہی بیڑہ تباہ و برباد ہو جاتا کیونکہ چند کشتیاں دشمن کی گولہ باری سے غرق ہو چکی تھیں محمد مومن اور زین الحسن اپنی فوج کو لے کر دریا پر پہنچ گئے اور جاتے ہی انھوں نے پہلے کرنا بجوایا جو کمک پہنچنے کا اشارہ تھا پھر نقارہ پر شادیانہ بجوا دیا جس سے بادشاہی بیڑہ کے آدمیوں کے دل قوی ہو گئے اور دشمن خوف زدہ ہو گیا۔ عین اس وقت بادشاہی فوج نے دشمن کے بیڑہ پر زبردست آتش باری کی بندوقوں کی آوازوں گولوں کے پھٹنے اور بان و رام جنگی کی ضرب سے آسامیوں کا بیڑہ دہل اٹھا۔ اس حملہ کے ساتھ ہی امدادی فوج ساحل پر نمودار ہوئی جسے دیکھ کر ہی آسامی بیڑہ کے کمان دار کے ہوش اڑ گئے اور آسامی ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے۔ بلاشبہ ایک موثر تدبیر ایک لاکھ سواروں پر بھی بھاری ہو جاتی ہے۔

قلعہ کہر گارن پر حملہ

آسامی بیڑہ کے فرار کی خبر سن کر خان خاناں شکر بجا لایا اور چند دن تک اطراف و اکناف کے بندوبست میں وہ اسی مفتوحہ قلعہ میں ٹھیرا رہا۔ بت خانہ کی جگہ ایک بڑی اور بلند مسجد کی بنیاد رکھی قلعدار کو مقرر کیا اور سارے انتظامات ٹھیک کرنے کے بعد قلعۂ کہر گارن کی طرف کوچ کر دیا۔ یہ آسام کا مرکزی اور حاکم نشین مقام تھا ان کا راجہ بھی اکثر اوقات اسی جگہ عیش و عشرت میں معروف رہتا تھا۔ جب خان خاناں کی آمد آمد کی خبر ملی تو راجہ نے چرب زبان برہمنوں کے ذریعہ عرض داشت روانہ کر کے قصوروں کا اقرار کیا اور معافی چاہی اور آئندہ اطاعت کا وعدہ کیا۔ عرض داشت کے ساتھ کافی تحائف اور ہدایا بھی روانہ کئے اسی سلسلہ میں کئی

ایک درخواستیں اور نذر نذرانہ قبول کر لینے کے پیغامات آتے رہے مگر اس کے پیغامات کے رعب سے ہی خان خاناں نے اندازہ کر لیا کہ صلح کی یہ پیش کش مکر سے خالی نہیں ہے لہٰذا اس کو جواب دیا کہ اگر راجہ اپنے قول کا پکا ہے اور اپنی جان اور اپنے ملک کی امان چاہتا ہے تو پہلے وہ اس ساری رقم کو جو وہ صوبہ بنگالہ سے بٹورتا رہا ہے۔ نقد وجنس کی صورت میں واپس کر دے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی بیٹی کو بارگاہ شاہی کی خدمت کے لئے روانہ کرے اور نذرانہ میں پانچ سو ہاتھی اور پچاس لاکھ روپیہ دے اور ہر سال کا نذرانہ طے کرائے۔ اگر وہ اس پر راضی ہے تو اس کی سفارش دربار میں کی جائے گی اور اس کے جرائم معاف کر دیئے جائیں گے۔

راجہ کا فرار اور مال غنیمت

اسی دوران ایک نامی گرامی مسلمان کا عریضہ جو ایک بھاری رقم کے عوضانہ میں عرصہ سے راجہ کی قید میں تھا خفیہ طور پر پہنچا کہ بادشاہی لشکر کے حملہ سے خوف زدہ ہو کر راجہ نے صلح و امان کی یہ سلسلہ جنبانی کی ہے۔ مگر یہ در اصل صرف وقت گذاری ہے۔ کیونکہ وہ فرار کی تیاریاں کر چکا ہے چنانچہ اس درمیان میں راجہ نے سونا چاندی نقدی اور قیمتی سامان اطراف واکناف میں بھجوادیا توپوں کو پانی میں غرق کرا دیا اور ہاتھیوں کو صحرا وجنگل میں چھوڑ دیا اور خود بھی قلعہ چھوڑ کر جنگلوں میں فرار ہو گیا۔ اس کے فرار کی اطلاع ملتے ہی خان خاناں تیزی سے وہاں پہنچا اور ساز و سامان کا معائنہ کرنے کے بعد مال و اسباب ضبط کرایا اور قلعہ کا بندوبست کیا۔ وہاں تقریباً ایک سو کشتیاں بغیر ملاح کے لنگر انداز تھیں ان کو بادشاہی بیڑہ میں داخل کرا دیا وہاں کے بت خانے گرا کر مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ بادشاہی علاقوں کے ہندو مسلمان باشندوں کی ایک بڑی تعداد وہاں قید تھی۔ یہ لوگ عرصہ دراز سے وہاں قید وبند کی مصیبت اٹھا رہے تھے اُن کو قید خانہ سے نکلوا کر خرچ اخراجات دے کر ان کے وطنوں کو روانہ کر دیا دو سو بیس توپیں اور بندوقیں پانی میں غرق تھیں انھیں نکلوا کر بادشاہی توپ خانہ میں داخل کرا دیا۔ تقریباً ایک سو کوہ پیکر ہاتھی تین لاکھ روپیہ کا سونا چاندی اور کافی مقدار میں بیش قیمت کپڑا داخل سرکار ہوا۔ بارود، گندھک، شورہ، گوگرد، عود اور صندل اور غلے کے ذخیرے اتنے زیادہ تھے کہ ان کو اٹھوانے کے لئے ہزار کشتیوں کی ضرورت تھی اندازہ جات کے مطابق ایک سو ستر غلے کے ذخیرے دستیاب ہوئے تھے اور تلاش کے بعد

مزید تین کنوئیں مدفون غلہ برآمد ہوا۔ ان میں سے چند انباروں کا وزن کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک انبار دس ہزار من چاول ماش اور دوسری ماکولات واجناس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کثرت سے غلہ ملنے پر جس سے رعیت اور لشکر کو بڑی آسانی ہو جاتی خانخاناں کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے تاکیدی احکام جاری کر دیئے کہ ڈیڑھ سو انبار غلہ پوری احتیاط کے ساتھ موسم برسات کے لئے جو قریب آچکا تھا ذخیرہ کرلیں اور باقی اناج کو ہمراہیوں میں تقسیم کرادیں۔ اس کے بعد خان خاناں نے امان اور قول دے کر اطراف و اکناف کی مال گزار رعیت اور مقدموں (پٹواریوں) کو طلب کیا ان کو خلعت و انعام عطا کیا اور دلاسا دے کر ایک سال کے محصول کی معافی دیدی۔ عالمگیر بادشاہ غازی کے نام کا خطبہ پہلی بار اس علاقہ میں پڑھا گیا۔ چاندی سونے پر عالمگیر کے مبارک نام کا سکہ ضرب کرایا گیا اور خان خاناں نے وہاں کے سکہ "نرائنی" کو بند کرادیا۔

خان خاناں کے انتظامات

خان خاناں مغرور راجہ کو گرفتار کرلینا چاہتا تھا مگر موسم برسات سر پر آگیا تھا۔ وہاں مسلسل پانچ ماہ تک شب وروز بارش ہوتی رہتی ہے اور ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں آمدورفت ممکن نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ دوسرے انتظامی امور بھی درپیش تھے اس لئے وہ راجہ کے تعاقب میں نہ جاسکا۔ اسی اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ راجہ نے اور زمینداروں نے اپنا مال واسباب اور خزانہ کسی جگہ دفن کر دیا ہے۔ اور ان کا حساب کتاب باقاعدہ گوشواروں میں درج کر رکھا ہے۔ خان خاناں نے قابل اعتماد آدمیوں کو متعین کیا اور اس مدفون خزانہ کو تلاش کر کے نکلوالیا۔ لاکھوں کا سونا چاندی اور بے شمار مال واسباب برآمد ہوا۔ میر مرتضیٰ کمان دار توپ خانہ اور راجہ لعل سنگھ کھر گاؤں کی حفاظت سامان جنگ اور توپ خانہ کے سازوسامان کو ضبط کرنے پر مقرر ہوئے۔ اور حسب دستور معاملہ فہم دیانت دار دیوان قاضی کروڑی امین اور تجربہ کار روج داروں کو بھی متعین کر دیا گیا۔ اس انتظام کے بعد خان خاناں نے ساری تفصیلات آسام کا نقشہ مع خصوصیات اور دس بارہ طلائی چابیاں دربار میں روانہ کردیں۔

متھراپور میں چھاؤنی

ہر جگہ تھانہ بندی کرنے کے بعد خان خاناں نے موضع متھراپور میں جو کھر گاؤں سے ساڑھے تین کوس پر تھا موسم باراں کے

پانچ ماہ گذارنے کے لئے چھاؤنی قائم کردی۔ یہ مقام پہاڑ کے دامن میں کافی وسیع اور سیلاب کی زد سے باہر تھا۔ چھاؤنی کے اطراف سات آٹھ کوس تک تجربہ کار سرداروں کی نگرانی میں حفاظتی فوج اور چوکیاں مقرر کردیں تاکہ وہ آس پاس کی خبریں فراہم کرتے رہیں اور آسامیوں کو شب خون مارنے کی جرأت نہ ہو۔ ان انتظامات کے باوجود کافر آسامی اندھیری راتوں میں لشکر پر شب خون مارتے رہتے تھے۔ ان حملوں میں بادشاہی لشکر کے کچھ آدمی شہید ہوئے اور جانور ضائع ہوگئے۔

جب بادشاہ عالمگیر کے پاس خان خاناں کی عرض داشت پہنچی اور آسام کی فتح اور وہاں کے واقعات کی تفصیل معلوم ہوئی تو بادشاہ کو بڑی مسرت ہوئی اس نے خان خاناں کے بیٹے محمد امین خاں کو خلعت اور مرصع سرپیچ عنایت کیا اور خان خاناں کے نام دستخط خاص سے تحسین و آفریں کا فرمان لکھا۔ خاصہ کی خلعت خنجر اور مرصع تلوار اضافہ اور ترقی مرحمت فرمائی اور بھی مزید نوازشات کیں۔

جلوس کا پانچواں سال

(جلوس کا پانچواں سال مطابق سن ایک ہزار بہتر ہجری ۱۰۷۲ھ)

جشن سالانہ

اس سال پہلی شوال کو بدستور سابق جشن جلوس منعقد ہوا ہر چھوٹے بڑے کو حسب مراتب انعام و اکرام عطا ہوا خان خاناں کو اس حسن کارگذاری کی بنا پر جو اس نے آسام میں انجام دی تھی۔ بادشاہ نے ایک کروڑ دام انعام میں دیئے۔ دو اسپہ ہزار سواروں کا منصب میں اضافہ ہوا دو ہاتھی جن کے ساز چاندی کے تھے عنایت فرمائے۔

عالمگیر کی علالت

جشن کے بعد بادشاہ بیمار ہوگیا اور جیسے ہی بیماری کی اطلاع دارالخلافہ کے اطراف و اکناف پھیلی۔ ہفتہ بھر میں بعض مفسد پیشہ سرکشوں نے شرانگیزی شروع کردی مگر جلد ہی بادشاہ کی صحت بحال ہوگئی۔ اسی موقع پر قمری تاریخوں کے حساب سے بادشاہ کی سال گرہ کا دن بھی آگیا۔ لہٰذا غسل صحت اور سال گرہ

کا جشن بڑے اہتمام سے منایا گیا۔

کشمیر کے لئے کوچ

عالمگیر ۷ رجمادی الاول کو کشمیر کے سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ اور رجب کو لاہور کے قریب بادشاہ کا قیام ہوا۔ ۳ر شعبان کو بادشاہ قلعہ اور شہر میں داخل ہوا اور وہاں سے بیل داروں اور تبرداروں کے دستے کے ہمراہ میر منزل کو کشمیر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ سواری کے پہنچنے تک راستے صاف کرا دے۔

شہزادہ مُراد بخش کے قتل کا واقعہ

عالمگیر نامہ کے مؤلف نے محمد مراد بخش کے قتل کے متعلق لکھا ہے کہ یہ قتل بادشاہ کی مرضی سے نہیں ہوا تھا۔ مگر محرر اوراق نے دفتر کے ریکارڈ سے تحقیق کی اور اپنے والد مرحوم کی زبانی بھی سُنا جو مراد بخش کے وفادار آدمی تھے اور اس کی موت کے وقت تک قلعہ کے قریب اس فکر میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ کمند ڈال کر اپنے آقا کو نکال لے جائیں انھوں نے اس مقصد کے لئے بادشاہ عالمگیر کی ملازمت بھی قبول نہیں کی تھی۔ ان کے علاوہ اس زمانہ کے معتبر آدمیوں سے بھی میں نے یہ واقعہ سُنا ہے کہ جب عالمگیر نے مراد بخش کو قلعہ میں بھجوا دیا تو اس نے اپنی محبوبہ سوسن بائی کو بھی بھیجنے کی درخواست کی، اس کی خواہش پر سوسن کو بھی قلعہ میں بھجوا دیا گیا۔ جو خرچ اس معزز قیدی کو ملتا تھا اس میں سے وہ نصف کا کھانا پکوا کر ان مغلوں کو جو قلعہ کے نیچے فقیر بن کر بیٹھے ہوتے تھے، یا سفر کرتے ہوئے ادھر سے گذرتے تھے، کھلاتا رہتا تھا۔ بعد میں جب اسے دوسرے قلعہ میں منتقل کر دیا گیا تو مغلوں نے قلعہ کی فصیل پر ایک جگہ کمند لگا دی اور خفیہ طور پر مراد کے پاس اطلاع بھجوا دی اور اسے فرار کے موقع اور وقت سے آگاہ کر دیا۔ مراد بخش سادہ لوح آدمی تھا، اس نے رات کی دو گھڑی گذرنے پر جب کہ سب خواب غفلت میں سوتے ہوئے تھے۔ سوسن بائی کو اس بھید سے آگاہ کر دیا اور رخصتی کلمات کہے کہ تمھیں خدا کے سپرد کیا، اگر زندگی نے وفا کی اور تقدیر مددگار ہوئی تو پھر ملیں گے۔ سوسن بائی یہ سُن کر آہ و فغاں کرنے لگی اور کہنے لگی کہ "تم مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو"۔ اس کی گریہ وزاری سے محافظ ہوشیار ہو گئے۔ انھوں نے جتنا بیاں مشعلیں روشن کر کے وہ کمند ڈھونڈ نکالی جب یہ خبر بادشاہ

کو ملی تو اُسے بڑی تشویش ہوئی اور فتنہ کی اس جڑ کا صفایا کر دینے کی فکر لگ گئی۔ آخر بعض ہوا خواہوں کے مشورہ پر علی نقی کے بیٹوں کو کہ اُن کے باپ کو محمد مراد بخش نے قتل کر دیا تھا جس کا ذکر کر آتے ہیں۔ بادشاہ نے اکسایا کہ وہ اپنے باپ کے خون کا دعویٰ کر دیں۔ بڑے بیٹے نے تو خون کی دعوے داری سے انکار کر دیا البتہ دوسرے بیٹے نے یہ بات مان لی اور عدالت میں باپ کے خون کا استغاثہ دائر کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ وہ قاضی کے پاس رجوع کرے۔ جب عدالت میں شرعاً قتل ثابت ہو گیا تو بادشاہ نے ماہ ربیع الثانی سن ایک ہزار بہتر ہجری (۱۰۷۲ھ) میں حکم دیا کہ قاضی مقتول کے وارث کے ساتھ محمد مراد بخش کے پاس جا کر اثبات خون کا اظہار کرے اور حکم شرع کے مطابق قصاص دلوادے۔ مراد کے قتل کی تاریخ ہے ــ "اے وائے بہر بہانہ کشتند" (افسوس کسی نہ کسی بہانہ قتل کر دیا)۔ علی نقی کے بڑے بیٹے نے باپ کے خون کا دعویٰ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس لئے بادشاہ نے اس پر عنایات کا اظہار کیا اور دوسرا بیٹا جس نے قصاص لیا تھا، بادشاہ کے عتاب اور غضب میں رہا۔

جام کے زمیندار کی سرکشی

جام کا زمیندار پورن مل فوت ہو گیا تو بادشاہ کے حکم کے اور زمینداروں کے دستور کے مطابق اس کا بیٹا ستر سال قائم مقام ہو گیا۔ پورن مل کا بھائی رائے سنگھ اس کی جانشینی پر بہت برافروختہ ہوا اور اس نے کچھ لوگوں کے بہکانے پر ایک جمعیت فراہم کر لی اور حملہ کر کے ستر سال کے ناناگوردھن راٹھور کو جو اس کے گھرانہ کا منتظم بھی تھا قتل کر دیا اور ستر سال کو اس کی ماں اور نوکروں کے ساتھ قید میں ڈال دیا اور بادشاہ کی اطاعت سے بھی انحراف کر کے راہزنی اور سرکشی پر اتر آیا۔ جب اس کی فتنہ انگیزیوں کی خبر اس ضلع کے فوجدار قطب الدین خاں کو ملی تو اس نے دو ہزار سوار اپنے بیٹے محمد نامی کی سرکردگی میں روانہ کئے جب یہ جمعیت پہنچی تو رائے سنگھ سے سخت مقابلہ ہوا جس میں ایک سو ستر کا قریب مارے گئے اور ایک بڑی تعداد گرفتار ہو گئی۔ اس لڑائی میں بادشاہی فوج کے آدمی بھی مارے گئے تھے۔ رائے سنگھ بھی لڑتے ہوتے مارا گیا اور وہ علاقہ دوبارہ زیر فرمان آگیا۔ بادشاہ نے اس کارنامہ پر قطب الدین خاں پر بڑی عنایات کیں۔

آسام میں بادشاہی فوج کی ناکامی اور واپسی

آغر خاں کی شکایت

اب ہم آسام کی مہم کے بقیہ حالات بیان کرتے ہیں۔ خان خاناں بہادر اور کارکرد افسروں امیروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس مہم میں آغر خاں اور اس کے ہمراہیوں نے جس بہادری اور جاں بازی کا مظاہرہ کیا تھا وہ خان خاناں سے مخفی نہیں تھا اور وہ آغر خاں کو بہت عزیز رکھتا تھا مگر آغر خاں کے بعض ہمراہی مغل بڑے شورہ پشت تھے، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ خان خاناں نے لوٹ مار اور رعیت پر دست درازی کو سختی سے منع کر دیا تھا مگر یہ مغل باز نہیں آتے تھے جس کی خان خاناں کو بڑی شکایت تھی اور آغر خاں کی طرف سے اس کی توجہ کچھ ہٹ گئی تھی اور جیسا کہ سرداروں کے ساتھ طور طریق برتا جاتا اس میں فرق آگیا تھا۔ خان خاناں کی بے رخی کا آغر خاں کو بڑا صدمہ تھا اور وہ اکثر آزردہ خاطر رہتا تھا۔ آخر ایک دن آغر خاں صبح سویرے کہ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا اور خان خاناں کے تلاوت اور وظیفہ پڑھنے کے اوقات تھے اپنے ہمراہی مغلوں کے ساتھ جو مسلح ہو کر آئے تھے۔ خان خاناں کے گھر پہنچا۔ چوبداروں کو اسے روکنے کی ہمت نہیں پڑی اور وہ بے محابا گھر کے اندر چلا گیا اور اس جگہ جہاں خان خاناں جانماز پر بیٹھا ہوا دعائیں پڑھنے میں معروف تھا پہنچ گیا۔ خان خاناں نے جب آغر خاں کو اس بے وقت اس ہیئت میں دیکھا تو گھبرا گیا مگر بظاہر بڑی نرمی اور خوش خلقی سے بے وقت آمد کا سبب دریافت کیا۔ آغر خاں نے جواب دیا " اس سارے عرصہ میں ہم نے پوری جاں فشانی کے ساتھ مفوضہ خدمات انجام دیں اور ہم سے کسی طرح کی کوتاہی ظاہر نہیں ہوئی۔ اب اللہ کے فضل اور بادشاہ عالمگیر کے اقبال سے اور آپ جیسے سپہ سالار کی کوششوں اور بہادری سے کافر پامال ہو چکے ہیں۔ ملک فتح ہو گیا ہے اور اب کوئی کام باقی نہیں رہا ہم کو صرف اس کا افسوس ہے کہ آپ جیسے قدرداں کارفرما حاکم کی زبان سے کبھی ہماری حسن خدمات پر تحسین و تعریف کا کلمہ نہیں نکلا۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور ہم بالکل معطل و ناکارہ ہیں اس لئے رخصت ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں آئے ہیں آپ سے استدعا ہے کہ ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائیے اور روانگی کا پروانہ عنایت فرما دیجئے۔ کہ ہم اپنے آقا کے پاس چلے جائیں۔

آغر خاں کی لشکر سے روانگی

خان خاناں نے بہت کچھ عذر معذرت کی اور تلافیٔ مافات کی کوشش کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا اور آغر خاں رخصت حاصل کرنے پر اصرار کرتا رہا۔ خان خاناں نے دفع الوقتی کے لئے پروانہ لکھنے کے لئے منشی کے حاضر نہ ہونے کا عذر کیا تو آغر خاں نے جھٹ دوات اور کاغذ نکال کر سامنے رکھ دیئے جو وہ پہلے ہی ساتھ لیتا آیا تھا اور کہا میری درخواست ہے کہ "نواب خود اپنے دست مبارک سے یہ "دستک" (پروانہ راہداری و رخصت) لکھدیں۔" خان خاناں بہت مجبور ہو گیا تھا ایک تو وہ حق بجانب تھا، دوسرے اس ہٹ کے پکے دلیر سپاہی سے چھٹکارا پانا مشکل ہو گیا تھا "طوعاً و کرہاً" رخصت کا پروانہ لکھ کر مہر لگا کر اس کے حوالہ کر دیا۔ مگر اس کے پیچھے ہی گذرگاہوں اور گھاٹوں پر احکام روانہ کر دیئے کہ آغر خاں کے پہنچنے پر کشتیاں بند کر دی جائیں اور حتی المقدور اس کو دریا پار کرنے نہ دیں۔ مگر آغر خاں ایسا من چلا تھا کہ جب ملاح اور کشتی کو موجود نہ پایا تو گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور اپنے ہمراہیوں سمیت دریاؤں کو عبور کر گیا۔ اس سفر میں اُس کے ساتھ کے چند مغل پانی میں غرق ہو گئے بہرحال وہ کہیں رُکے بغیر حضور میں پہنچ گیا۔

اس کے پہنچنے سے پہلے خان خاناں کا خط محمد امین خاں بخشی کے پاس پہنچ چکا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ آغر خاں عالی نسب بہادر ہے اور بڑا کارگذار لائق ترقی ملازم ہے لیکن جوانی کے جوش اور جہالت میں بہک گیا اصرار و سماجت کر کے رخصت لے لی ہے حضور میں پہنچنے کے بعد چشم نمائی کے طور پر چند دن کے لئے اسے منصب سے برطرف کر دو، پھر اس کو تسلی اور دلاسا دے کر بحال کر دو۔ محمد امین خاں نے خان خاناں کی تحریر کے مطابق عمل کیا۔ پہلے تو بادشاہ کے معترض ہونے کا بہانہ کر کے کچھ عرصہ کے لئے اسے منصب سے معزول و برطرف کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد خود آغر خاں کے گھر گیا اور اپنے ساتھ بادشاہ کے پاس لایا اور سفارش کر کے اس کو بحال کرا دیا اور اسے کابل جانے والی کمکی افواج میں روانہ کر دیا۔ اس نے وہاں کابل میں جو کارنامے انجام دیئے وہ آگے بیان کئے جائیں گے۔"

طوفانی بارش اور شب خون

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ جب آسام کا راجہ فرار ہو گیا تو خان خاناں نے متھرا پور کو چھاؤنی بنایا تھا تاکہ وہاں بارش کے پانچ ماہ بسر ہو جائیں۔ اب جو بارش ہوئی تو جنگل میدان سب جل تھل

ہو گئے۔ نالی نالے آبشار سیلاب ایسے پھوٹ پھوٹ کر نکلے کہ آمد و رفت کے راستے
ناپید ہو گئے۔ بادل ایسا ٹوٹ کر برسا کہ پستی بلندی سب تر آب ہو گئے۔ لشکر کے اطراف
پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور خیمے خرگاہ سب بلبلوں کی طرح سطح آب پر تیرنے لگے تھے۔
بدبخت آسامی اس وقت تو دل سے چاہتے تھے۔ چاروں طرف سے نکل کر بادشاہی لشکر
پر چھاپے اور شب خون مارنے لگے اور بعض مقامات پر تو روزانہ حملے کر کے لوٹ مار کرنے
لگے۔ وہ ہر ہفتہ ہر ماہ کوئی چار پانچ شب خون مار کر نکل جاتے تھے بادشاہی لشکر کے بہت
سے آدمی اور جانور تلف ہو گئے اور بکثرت جانوروں کو چرا کر ہنکا لے گئے۔ روز بروز ان
کی غارت گری بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ انور بیگ نامی کھیپور کے تھانہ دار پر انھوں نے زبردست
یلغار کی اور بڑے سخت مقابلے کے بعد اس کو مغلوب کر کے اس طرح قتل عام کیا کہ بادشاہی
فوج کا ایک بھی آدمی سلامت نہ رہ سکا۔ بہت سے شہید ہو گئے اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی۔
سپہ سالار کی فوج پر بھی بجروں کے ذریعہ حملہ کیا اور ایک سخت مقابلے کے بعد جب کافی
مسلمان شہید ہوئے اور کافر بھی بکثرت قتل و اسیر ہو گئے۔ ہزیمت اٹھا کر فرار ہو گئے۔ بابلہ
دلیر خاں کے مورچوں پر بھی حملہ کیا اور بڑا ہنگامہ مچایا۔ ایک تاریک رات میں تو دلیر خاں
کو دست بدست جنگ کرنی پڑی اور اس نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اسی شب
خون میں ایک اور جاں باز بہادر فرہاد خاں کو زہردار تیر آکر لگا اور اسی وقت اس کا ہاتھ
متورم ہو گیا اور اسے سخت تکلیف ہو گئی مگر اس بہادر نے منہ نہیں پھیرا اور برابر آسامیوں
کے تعاقب میں لگا رہا۔ آخرکار وہ شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ دلیر خاں نے کیچڑ پانی میں دو
تین کوس تک ان کا تعاقب کر کے ان کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ اسی طرح آسامیوں
نے طوفان و تلاطم سے فائدہ اٹھا کر بادشاہی بیڑہ پر بھی شب خون مارا اور بہت سی کشتیوں
پر قبضہ کر کے رسد اور غلہ کے راستے مسدود کر دیے۔ آسامی بڑی کثیر تعداد میں چاروں
طرف سے آکر حملے کرتے تھے مگر بادشاہی لشکر بھی قلت تعداد کے باوجود بڑی پامردی
سے مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیتا تھا اور غالب آجاتا تھا۔ کہرگون پر میر مرتضیٰ حاکم تھا۔ وہ
ان کافروں کی شورش کے سبب راتوں کو جاگ کر حفاظت و نگرانی کرتا رہتا تھا اس
پر بھی متعدد بار آسامیوں نے شب خون مارا مگر ہر بار ہزیمت اٹھا کر بھاگ گئے۔ ایک
رات تو انتہائی زبردست حملہ کیا کہ چوبی حصار کو آگ لگا کر جلا دیا اور احاطہ میں گھس گئے اور

لوٹ مار کرنے لگے مگر بہادروں نے اللہ کی مدد سے ان کے حملہ کو ناکام کردیا اور وہاں سے مار بھگایا۔

کوچ بہار میں بغاوت اور سرکشی کوچ بہار میں بھی صورت حال مختلف نہیں تھی وہاں کے راجہ بھیم نارائین کے فرار کے بعد وہاں کا مستقل حاکم اسفندیار مقرر ہوا تھا۔ راجہ کے تعاقب میں محمد صالح اور دوسرے آدمیوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ اور ملک کے بندوبست اور انتظام کے لئے جگہ جگہ دیوان اور کروڑی مقرر کردیئے گئے تھے۔ مگر وہاں کے حکام نے خان خاناں کی مرضی کے خلاف مالی مقدمات میں رعایا پر سختی شروع کردی اور بے اعتدالیوں کے مرتکب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعیت شورش پر آمادہ ہوگئی اور سب اکٹھا ہوکر راجہ بھیم نارائن کے پاس چلے گئے اور اسے پہاڑوں پر سے اپنے وطن اور ملک چلنے کی ترغیب دی اور اس کے ساتھ متفق ہوکر خان خاناں کے دونوں مقرر کردہ حاکموں پر حملہ کردیا۔ پہلے انھوں نے محمد صالح کو پیغام دیا کہ تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو یہاں سے دست بردار ہوکر خان خاناں کے لشکر میں چلے جاؤ اس نے جب اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا تو لڑائی پر آمادہ ہوگئے۔ اس مقابلہ میں محمد صالح اپنے ہمراہیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ شہید ہوگیا اور بہت کم آدمی جان بچاکر اس ہلاکت سے نکل سکے۔ اس کے بعد ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے اس علاقہ کے ذمہ دار حاکم اسفندیار سے بھی یہی مطالبہ کیا اور ایسی وحشت ناک خبریں اس تک پہنچائیں کہ وہ وہاں سے ہٹ کر گھوڑا گھاٹ چلا گیا۔ جو جہانگیر کی سرحد کے متصل تعلقہ پادہی میں تھا۔ یہ خبریں جب خان خاناں کو ملیں تو اسے سخت افسوس ہوا اور وہ پریشان خاطر ہوگیا۔

آسام میں ایک خوفناک جنگ مختصر یہ کہ ان کافروں نے وقت اور موقع سے فائدہ اٹھاکر جس طرح بادشاہی لشکر کو پریشان کیا اور ان کے مقابلہ پر بہادر لشکریوں نے جس بہادری کا ثبوت دیا اور جو کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل طوالت کے ڈر سے ہم چھوڑتے ہیں۔ البتہ ایک لڑائی کا حال لکھتے ہیں جو بڑی حیرت انگیز اور دلچسپ تھی۔ جب یہ خبر ملی کہ آسامیوں نے محمد بیگ پر قابو پالیا ہے اور بادشاہی بیڑہ کی کشتیوں پر قبضہ کرکے غلّہ اور رسد کا راستہ بند کردیا ہے تو خان خاناں نے فرہاد خاں کو راجہ سبھان سنگھ، قراول خاں اور دوسری اور فوجوں کے ہمراہ محمد بیگ کے پاس کمک

رسد اور غلہ پہنچانے پر مامور کیا۔ فرہاد خاں جس وقت کھرگا تو کے قریب پہنچا تو ایک دن اور ایک رات بارش اس شدت سے بلا فاصلہ ہوتی کہ ندی نالوں کے چڑھ جانے اور طوفان و تلاطم کی وجہ سے رات دن کے آٹھ پہر فرہاد خاں کی فوج کو ایک ہی مقام پر کھڑا رہنا پڑا۔ سیلاب ایسا تھا کہ ایک بالشت زمین پاؤں ٹکانے کے لئے نظر نہیں آتی تھی اور سوار گھوڑے پر سوار کھڑے ہوئے تھے۔ پیدل سپاہی بھی کمر کمر تک پانی میں ڈوبے کھڑے رہے بعض تو تیز و تند ریلوں میں بہہ کر ہلاک ہو گئے۔ کوئی راہ بھائی نہیں دیتی تھی۔ بڑی کوشش کی مگر منزل مقصود کی طرف قدم بڑھانا ناممکن اور دشوار ہو گیا۔ اسی نواح میں تیرانداز خاں تھانہ دار تھا۔ اور وہ اس علاقہ سے بڑی حد تک واقف ہو گیا تھا۔ اس کو جب خبر ملی تو وہ واقف کار آدمیوں کو لے کر دوڑا ہوا آیا اور تیرتے ہوئے وہاں پہنچا اور اپنی رہنمائی میں ان کو کھرگا تو کی طرف لے کر چلا۔ مگر یہ لوگ کچھ مسافت بدقت تمام طے کر پاتے تھے کہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں آسامیوں نے گہرے گڑھے اور خندق کھود رکھی تھی اور مورچہ بندی کر کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے تھے اسی وقت چند جنگی کشتیاں بھی ان کی مدد پر آگئیں اور آتے ہی انھوں نے گولہ باری شروع کر دی اور بان پھینکنے لگے۔ دوسری طرف سے ان کی مورچہ بند جمعیت نے زور باندھ دیا اور بادشاہی فوج پانی اور آگ میں گھر کر رہ گئی۔ فرہاد خاں اور اس کی جمعیت نے بڑی دشواریوں کے ساتھ ایک اونچے مقام پر پہنچ کر گولہ باری اور دشمن کے تیروں سے خود کو بچا لیا۔ یہ لوگ دو تین دن سے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر سرد ہوا بدن کو کاٹ رہی تھی۔ بے آرامی اور بے خوابی سے سخت مضمحل اور بے تاب تھے۔ اب اس پانی میں گھرے ہوئے زندگی سے ناامید محصور ہو گئے تھے۔ خان خاناں کو جب خبر ملی تو اُس نے پریشان ہو کر ان کی مدد کے لئے یکہ تاز خاں کو محمد مومن کے ساتھ بھیجا یا ان دونوں نے بڑی کوشش کی مگر فرہاد خاں تک پہنچ نہ سکے اور راستہ ہی میں سیلاب کی شدت اور کافروں کی مزاحمت کے سبب رک گئے۔

فرہاد خاں اور اس کی فوج برابر ایک ہفتہ تک اس کیچڑ پانی میں گرفتار رہی۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ پانی میں کھڑے کھڑے ہی پلک جھپکا لیتے تھے۔ اس آبی حصار میں کھانے کو بھلا کیا ملتا۔ کئی ایک فاقے بھی ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے تو صرف گائے بیل کا گوشت کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا کہ وہ لشکر کے ہمراہ باربردار بیلوں کو ذبح کر کے کسی نہ کسی طرح بس کچی

ہی چبا لیتے تھے جو ہندو لشکر میں تھے۔ ان بچاروں کو وہ بھی نصیب نہیں تھا۔ اور بڑی سخت جانی سے وہ بسر کر رہے تھے۔ پھر اطراف سے کافر برابر آمادہ پیکار رہتے تھے۔ انھوں نے راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور حملے کرتے جا رہے تھے۔ فرہاد خاں اپنے ہمراہیوں سمیت ان کی مدافعت کر رہا تھا آخر کار ان لوگوں نے طے کیا کہ اس کیچڑ پانی میں گل سڑ کر مر جانے سے شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ جان پر کھیل کر آسامیوں پر حملہ کر دیا۔ آسامیوں کی راجہ سبحان سنگ سے دست بدست لڑائی ہونے لگی۔

فرہاد خاں کی تدبیر اور آسامیوں کی شکست

فرہاد خاں راجہ کی مدد پہ آگیا اور اس کے قریب پہنچ کر اس نے کان میں کہا، اس وقت بہتر تدبیر یہ ہے کہ عمداً تم قدم بہ قدم پس پا ہوتے ہوئے آسامیوں کو اپنی طرف لگا لاؤ اور جنگی بیڑہ سے ان کو دور کر دو۔ راجہ نے اسی طرح عمل کیا جیسے ہی وہ پس پا ہونے لگا آسامی فتح و غلبہ کے جوش میں اس کے ساتھ کافی دور تک نکل آئے بس اس وقت فرہاد خاں اور قراول خاں نے آغریوں کی جمعیت کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے دشمن پر حملہ کر دیا اور باوجود ضعف و نیم جانی کے آسامیوں کو چاروں طرف سے گھیر کر ان کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ وہاں کے کافروں کا سارا زور ان کے جنگی بیڑہ پر ہوتا ہے اس سے جدا ہوتے ہی ان کی قوت ٹوٹ جاتی ہے اور پھر وہ روباہ صفت بھاگنے لگتے ہیں۔ فرہاد خاں کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور بس نصف گھڑی میں ہی وہ مغلوب ہو گئے اور اس طرح مارے گئے کہ ان میں سے ایک بھی جان بچا کر دریا پہ بیڑہ میں نہ جا سکا۔ بیڑہ کے آدمیوں کو بھی ہمت نہیں ہوئی کہ خشکی پر جا کر ان کی مدد کرتے۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد میں مسلمانوں نے کیلے اور بانس کے درخت کاٹ کاٹ کر اس کیچڑ پانی میں پشتے بناتے اور ان کے ذریعہ دشمن کے بیڑہ کے قریب تک پہنچ گئے اور پانی میں تیرتے ہوئے جنگی کشتیوں پہ چڑھ دوڑے اور تلواریں مار مار کر سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا اور تقریباً چالیس کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کشتیوں میں کھانے پینے کا سامان کافی مقدار میں مل گیا۔ کیلا اور کچے چاول تورا چھوتوں کو دیدیے گئے اور دوسری چیزیں مسلمانوں نے تقسیم کر لیں اور چند دن کے مسلسل فاقوں کے بعد اس کو نعمت جانا۔

مصالحت کی گفت وشنید

جب دشمن کا زور ٹوٹ گیا تو اسلامی فوجوں کا غلبہ بڑھتا چلا گیا اور اب جہاں بھی آسامی شب خون مارتے بڑی تعداد

میں مارے جاتے اور نقصان اٹھاکر بھاگ جاتے۔ اس طرح ہزارہا آسامی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ پھر ان پر ایک اور مصیبت قحط اور وبا کی صورت میں نازل ہوئی جس میں بے شمار آسامی تلف ہوگئے۔ جب ان پے درپے مصائب کا ہجوم ہوا اور راجہ کو کسی طرح کی کوئی امید اور توقع نہیں رہی تو اس نے زبان داں معتمد آدمی کو سپہ سالار کے پاس صلح کا عریضہ دے کر بھیجا۔ خان خاناں نے اس کے جواب میں وہی پہلی شرط رکھی کہ راجہ اپنی بیٹی کو محل شاہی میں روانہ کرے۔ تین لاکھ تولے سونا۔ پانچ سو ہاتھی اس سال دے اور ہر سال ایک لاکھ تولہ سونا اور سو ہاتھی خراج میں ادا کرے۔

خان خاناں نے اس ملک کے زبان داں سمجھ دار اور کارگزار آدمیوں کو بھی ملازمت میں داخل کر لیا تھا۔ اسے جب یہ اطلاع ملی کہ راجہ اور اس کے وزیر بھوکن میں ناچاقی ہوگئی ہے تو اس نے پورن مل نامی ایک زبان داں آدمی کو بھوکن وزیر کے پاس بھجوایا۔ واضح رہے یہ بھوکن وزیر بڑی خوبیوں کا مالک تھا جن سے خان خاناں واقف ہو چکا تھا۔ پھر وہ دونوں فریقوں میں مصالحت کے لئے بھی بڑی کوشش کرتا رہا تھا۔ بہرحال پورن مل نے وزیر کے پاس جاکر جو بات صاف سیدھی تھی، اسے بتادی۔ بھوکن نے خان خاناں کے ایلچی کا بڑا احترام کیا اور معاملہ کو سلجھانے کے لئے پھر کوشش کی اور راجہ کو اونچ نیچ سمجھایا مگر اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی اور صلح کی یہ گفت و شنید ٹوٹ گئی۔

زہریلے درخت اور مسموم ہوا

بارش کے ختم ہونے کے بعد آسام میں آب وہوا بڑی خراب ہوجاتی ہے۔ خاص طور سے دور دراز سے آنے والے مسافروں کے مزاج سے تو کسی طرح موافقت نہیں ہوتی، اور ان کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ خاص طور سے ان علاقوں اور کوہستانوں میں جہاں زہریلے درختوں کی کثرت ہو کیونکہ بارش میں یہ درخت گیلے ہو جاتے ہیں۔ پھر جو بادِ بہار چلتی ہے تو ان درختوں کا اثر ہوا میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس کے سبب مسافر جو وہاں کی آب وہوا کے خوگر نہیں ہوتے، بیمار پڑ جاتے ہیں۔ صوبہ خاندیس اور بندرگاہ سورت کے مابین بندرگاہ سے چار منزل اس طرف ہو!! چھوٹی ندی ہے جس کا نام ہی ساپنی ہے (زیادہ سانپ) اس ندی میں فصل خریف کے اواخر میں پانی زہریلا ہو جاتا ہے۔ وہاں سے گذرنے والے مسافر خواہ احتیاط کے سبب اس کا پانی نہ پئیں وہاں کی ہوا کا ان پر یہ اثر ہوتا ہے کہ ممکن نہیں سو مسافروں میں سے کوئی ایک بھی

بخار کے عارضہ سے بچ جائے۔

زہریلے بخار کی وبا

مختصر یہ کہ بارش ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کے لشکر میں طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ تپ محرقہ اور دوسرے خطرناک امراض میں لوگ مبتلا ہو گئے۔ کوئی خیمہ ایسا نہیں بچا جس میں دس آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی دوا دارو اور خبرگیری کے لئے صحت مند رہا ہو۔ دوسرے امراض کے علاوہ وبائی بخار نے بڑی شدت سے حملہ کر دیا۔ بیماریوں کا یہ زور تھا، دوسری طرف گرانی اور غلہ کی کمیابی کے سبب ضعف و کمزوری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ غلے کے ایک سو تہتر انبار لشکر کے قبضہ میں آئے تھے ان میں سے کچھ انبار تو خرچ میں آ گئے تھے۔ باقی انبار ایسے ہی دن کے لئے محفوظ ذخیروں میں رکھ دیئے گئے تھے مگر بارش کی شدت کے سبب ان کی حفاظت خاطر خواہ نہ ہو سکی۔ پھر دشمن کے آدمی شب خون کے دوران ذخیرہ گاہوں کی طرف زمین کھود کر پانی دوڑا دیا کرتے تھے اور جو غلہ بھی اوپر نظر آ جاتا اُسے جلا دیا کرتے تھے۔ اس طرح غلہ کے ذخیرے ضائع ہو گئے اور اب جانوروں کو ذبح کرنے کی نوبت آ گئی۔ پھر اس سال اس افراتفری میں رعیت نے کاشت بھی نہیں کی تھی۔ اور غلہ بڑا گراں ہو گیا تھا۔ بہر حال لشکر بہت تنگ آ گیا۔ خاص طور سے بے بضاعت لوگ تو بھوکوں مرنے لگے اور روزانہ ہزاروں آدمی نکل نکل کر بھاگنے اور جان دینے لگے۔ لشکر کے جانوروں کا حال اس سے بھی گیا گذرا تھا چارہ نہ ملنے کے سبب وہ بھی قریب المرگ تھے۔ لشکر کے بڑے بڑے آدمی تک یہ کرتے تھے کہ جو گھوڑا اور بیل مرنے کے قریب ہوتا اُسے ذبح کر کے کباب بنا لیتے اور اسی کی چربی میں تھوڑے سے بہت چاول پکا کر کھا لیتے تھے۔ ان دنوں روغن چربی اور نمک کا نام تو لوگ بھول ہی گئے تھے۔ چند دن بعد تو یہ غذا بھی عنقا ہو گئی۔ پھر اس خراب آب و ہوا میں گائے کا گوشت مسلسل کھانے کے سبب اور بھی امراض بڑھ گئے کیونکہ گائے کا گوشت سودائی امراض کا باعث ہوتا ہے۔ لوگ اتنے مرنے لگے کہ مردوں کو دفن کرنا اور قریب المرگ مریضوں کی تیمارداری کرنا دوبھر ہو گیا۔ ان مسلسل آفتوں میں تقریباً سبھی تھا دار یا تو ہلاک ہو گئے یا نیم جان حالت میں لشکر میں پہنچا دیئے گئے۔

جادو اور کیسرو

آسام میں ساحری اور جادوگری کا بھی بڑا زور تھا۔ چنانچہ اس سرزمین میں بیشتر امراض کا علاج جادو ٹونکوں سے ہی ہوتا تھا دوسری چیز

کیرو ہے جو وہاں کا مشہور میوہ ہے اس کے ساتھ امراض میں لیمو اور نارنگی سے بھی کام لیتے ہیں جو وہاں بکثرت ہوتے ہیں۔ نارنگی کا عرق صفرا شکن ہوتا ہے اور اُسے بہت سی بیماریوں میں استعمال کرتے ہیں اور یہ لشکر والوں کے مزاج کے موافق بھی تھا، بخار اور دوسرے امراض میں اس کے استعمال سے کچھ صحت ہونے لگی۔ مگر عام طور سے لشکر کے لوگ ان مسلسل مصائب اور امراض کے ہجوم سے اس قدر تنگ آ گئے تھے، بلکہ جان سے بیزار ہو گئے تھے کہ اکثر نے مشورے کر کے متفقہ طور پر طے کر لیا تھا کہ سپہ سالار خان خاناں سے جدا ہو جائیں۔ خان خاناں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے حکم دیا کہ جس سمت پر راجہ تھا اس طرف پیش خیمہ لگا دیا جائے اور خفیہ طور پر اپنے ہمراہیوں کو تسلی دی کہ مصالحت کر کے واپس ہو جائیں گے۔

مصالحت اور لشکر کی واپسی

جس وقت میر منزل نے راجہ کے مسکن کی سمت پر پیش خیمہ لگا دیا اور آسامیوں کو خبر ملی کہ لشکر راجہ کی طرف کوچ کرنے والا ہے تو وہ ٹڈی دل کی طرح چاروں طرف سے امنڈ آئے اور ان کی شرارتیں حد سے گذر گئیں۔ دلیر خاں ان کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھا اور اس نے ہزاروں آسامیوں کو قتل کیا اور قید کر لیا۔ خان خاناں نے حکم دے رکھا تھا کہ مقتولوں کے سر اسیروں کے سر پر باندھ کر لشکر میں گشت کرا کے مقبوضہ تھانوں پر لے جائیں اور وہاں تشہیر کرنے کے بعد ان اسیروں کو قتل کر دیں۔ اسی اثناء میں راجہ کا وزیر بھوکن اپنے مستقبل کی خاطر اور باوجود اس کے کہ راجہ اس سے بدگمان تھا۔ راجہ کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے راجہ کے پاس سے بھاگ کر خان خاناں کے پاس آگیا۔ راجہ کو جب اس کے فرار کی اطلاع ملی تو اُس نے اس کے اہل و عیال کو قید میں ڈال دیا اور بعض کو قتل کرا دیا۔ تاہم اسی بھوکن کی کوششوں سے طرفین میں مصالحت کی راہ ہموار ہو گئی اور صلح کی شرط یہ قرار پائی کہ راجہ فی الحال ایک لاکھ بیس ہزار تولہ چاندی اور بیس ہزار تولہ سونا بچاس ہاتھی مع اپنی بدصورت لڑکی کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے اور خان خاناں کے لئے پندرہ ہاتھی اور ایک لڑکی مع نقد و جنس روانہ کرے۔ ان شرائط کی بجا آوری کے ساتھ راجہ نے دلیر خاں کی بھی جو صلح کے معاملہ کو طے کرانے میں دونوں کے درمیان واسطہ تھا رسم کے مطابق خدمت کی اور اسی کو اپنا شفیع قرار دے کر اس پیش کش اور نذرانہ کی کمی کے لئے ملک کی ویرانی اور

مال و دولت کی بربادی کا عذر پیش کیا اور اپنے قصوروں کی معافی کے لئے اس سے سفارش کرائی۔ اس وقت چونکہ لشکر کے بڑے بڑے سردار اور امیر واپسی اور کوچ کے لئے تنگ کر رہے تھے اور خود خان خاناں بھی جان لیوا مرض میں مبتلا ہو گیا تھا اگرچہ وہ اپنی بیماری کو کمال ضبط سے چھپا تا رہا تھا۔ اس نے صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ اس صلح میں یہ بھی طے پا گیا کہ جملہ مفتوحہ علاقہ میں سے بنگالہ کی سرحد سے متصل چند قلعے اور سیر حاصل قصبے بادشاہی کارگزاروں کے قبضہ میں رہیں گے اور پیش کش نذرانہ وغیرہ کی وصولی تک راجہ کے چار قریبی آدمی یرغمال کے طور پر جسے ہندی میں "اول" کہتے ہیں، خان خاناں کے پاس رہیں گے۔ فریقین نے مذکورہ بالا شرائط کا عہد نامہ لکھ کر ایک دوسرے کو دیا اور دونوں طرف کے اسیروں کو رہا کر دیا۔ اور خان خاناں نے جلوس کے پانچویں سال جمادی الاول کے وسط میں اپنے لشکر کو لے کر جس میں اکثر مریض تھے اور بعض تو جاں بلب ہو چکے تھے اور چند بڑے کارکرد آدمی انتقال کر گئے تھے۔ آسام سے بنگالہ کی طرف کوچ کر دیا۔

خان خاناں میر جملہ کا انتقال

خان خاناں نے واپسی کا راستہ ان محالات پر سے تجویز کیا جو کوچ بہار کے نذرانے میں ملے تھے تاکہ وہاں کے راجہ بھیم نارائن کی بھی تادیب و تنبیہ ہو جائے۔ اس وقت خان خاناں بھی مرض کی شدت میں مبتلا تھا اور اپنے اکثر ہمراہیوں کو بھی وہ آخرت کے لئے پا بہ رکاب دیکھ رہا تھا مگر اس کے باوجود فکر یہ تھی کہ آخری سانس تک اپنے ولی نعمت کی خدمت انجام دیتا رہے۔ لہٰذا اس نے بڑے ضبط سے کام لے کر اپنے مرض کو چھپائے رکھا اور اسے زیادہ اہمیت نہیں دی اور برابر رات دن مالی ملکی اور فوجی معاملات میں مصروف رہا اور کوچ بہار کی دوبارہ تسخیر اور وہاں کے راجہ کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کئے ہوئے اپنی جان کی پروا کئے بغیر کوچ پر کوچ مسافت طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا مرض علاج کی حد سے گذر گیا اور زندگی کی امید منقطع ہونے لگی اور وہ مرض کے سامنے بالکل عاجز و بے بس ہو گیا۔ جب وہ تاڑ گیا کہ بس اس کے دن پورے ہو چکے اور وہ مقررہ گھڑی سر پر آپہنچی تو اس نے عسکر خاں رشید خاں اور دوسرے چند ہمراہی امیروں کو جن پر وہ اعتماد کرتا تھا اور جن سے اسے توقع تھی کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں جان لڑا دیں گے۔ ماہ شعبان

کی آخری تاریخوں میں بادشاہی بیڑہ کے ہمراہ بھیم نرائن پر فوج کشی کے لئے رخصت کر دیا ان کو رخصت کے وقت خلوت میں بلا کر چند نصیحتیں کیں اور دعائے خیر کی۔ اس انتظام کے بعد جب لشکر کوچ بہار کی آخری سرحد پر خضر پور کی منزل پر پہنچا تو خان خاناں سپہ سالار جلوس کے چھٹے سال دوسری ماہ رمضان کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔ خان خاناں کی وفات کی خبر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو لاہور میں ملی بادشاہ کو اس عقیدت کیش کارگزار کارفرما امیر کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ خان خاناں بڑا سعادت مند خدمت گذار تھا کہ اس کا آقا اس پر اس قدر مہربان تھا کہ اس نے اپنے بیٹے پر اسے ترجیح دی تھی اور وہ بھی ایسا باحوصلہ تھا کہ شاہزادہ کے روگرداں ہو جانے کے باوجود وہ بادشاہ کے وارث ملک بھائی کا مقابلہ کرتا رہا اور اس مہم کو کامیاب کر دکھایا اور برابر ڈھائی سال تک وہ ہر روز ہر ہفتہ ہر مہینہ بڑے بڑے حادثات سے دوچار ہوتا رہا اور آخر کار اپنے ولی نعمت کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان نثار کر دی۔

مرہٹوں کا امیر الامراء کی حویلی پر حملہ

(جلوس کا چھٹا سال مطابق سن ایک ہزار تہتر ہجری ۱۰۷۳ھ)

جشن سالانہ اور میر جملہ کا ماتم

سن مذکور کی پہلی شوال کو چھٹے سال کا جشن جلوس منعقد ہوا جشن کی تقریبات گنگا کے کنارے منعقد ہوئیں مگر بادشاہ کو خان خاناں کے انتقال کا ایسا رنج تھا کہ جشن کے بعض مراسم موقوف کر دیئے گئے اور بادشاہ نے شہزادہ محمد معظم کو اسد خاں کے ساتھ خان خاناں کے بیٹے محمد امین خاں کے گھر بھجوایا کہ ماتم پرسی کر کے اسے اپنے ہمراہ لیتے آئیں جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس کے منصب میں اضافہ اور ترقی دی خلعت عطا کی اور دوسری نوازشات سے اس کو تسلی دلاسا دیا۔

پونا میں امیر الامراء کا قیام

انہی دنوں دکن سے دوسری تشویش ناک اطلاع یہ ملی کہ وہاں سیوا نے امیر الامراء کے محل پر شب خون مارا اور اندر گھس کر اس کے بیٹے ابو الفتح خاں کو شہید کر دیا اور امیر الامراء بھی زخمی ہو گیا۔ اس واقعہ

کی تفصیل میں نے اپنے والد سے سنی ہے جو اس سفر اور مہم میں امیر الامراء کے ساتھ تھے جب امیر الامراء نے مرہٹوں کے چند قلعوں اور آباد علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ان کا فروں کا قلع قمع کرتے ہوئے پونہ میں داخل ہو گیا تو اس نے اسی حویلی میں قیام کیا جو سیوا نے تعمیر کرائی تھی۔ پونہ کو مستقر بنانے کے بعد امیر الامراء نے چاروں طرف سیوا کو گرفتار کرنے کے لئے فوجیں پھیلا دیں۔ ان دنوں پونہ فوجی نگرانی میں تھا چنانچہ بادشاہی ملازموں کے سوا دوسرا کوئی شخص خاص طور سے مرہٹہ ہتھیار باندھ کر بلکہ بغیر ہتھیار بغیر پروانہ اور اجازت نامہ کے شہر میں اور لشکر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ مرہٹوں کو گھوڑے کی خدمت پر بھی ملازم رکھنے کی ممانعت تھی۔ ادھر سیوا سخت پریشان اور بدحواس پہاڑوں میں آوارہ گردی کر رہا تھا اُسے ایک ہفتہ ایک ماہ کسی جگہ ٹک کر رہنے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔

مرہٹوں کی سازش

انھی دنوں مرہٹوں کی ایک جمعیت کے آدمی جو پیدل دستوں میں ملازم تھے۔ کوتوال کے پاس حاضر ہوئے اور اس سے شادی برات کا بہانہ کرا کے دو سو مرہٹوں کے داخلہ کا اجازت نامہ لے لیا اور ایک چھوکرے کو دولھا بنا کر ڈھول نقارہ بجاتے ہوئے رات کے اول حصہ میں شہر میں داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے شام کو ان لوگوں نے مرہٹوں کے ایک اور گروہ کو اسیر بنا کر شہر میں داخل کر دیا تھا۔ ان مرہٹوں کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ سر ننگا کر کے رسی سے جکڑ دیا تھا۔ پھر ان رسیوں کو بھی ایک ایک مرہٹہ پکڑے ہوئے تھا اور ان اسیروں کو ڈنڈے مارتے گالی بکتے ہوئے چوکی سے گذار کر شہر میں داخل کر دیا اور یہ بہانہ کیا کہ یہ غنیم کے آدمی ہیں۔ جنھیں مختلف تھانوں سے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ پھر یہ سارے مرہٹے شہر کے ایک محلہ اور خاص مقام پر جسے پہلے سے طے کر رکھا تھا جمع ہو گئے اور ہتھیار باندھ کر مسلح ہو گئے۔

امیر الامرا کی حویلی پر شب خون

جب دو تہائی رات کی نوبت بجی تو مرہٹے چھپتے چھپاتے اندھیرے میں محل کی طرف بڑھے۔ باورچی خانہ محل کی دیوار سے متصل تھا اور اسی جگہ خواص پورہ اور محل کی دیوار میں ایک چھوٹا دروازہ تھا جسے مٹی اور اینٹ سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس راستہ کو وہ پہلے سے بخوبی جانتے تھے بہرحال وہ نقب لگا کر باورچی خانہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت رمضان کا مہینہ تھا اس لئے چند باورچی سحر کے انتظام کے لئے جاگ گئے تھے اور کچھ لوگ سو بھی رہے تھے۔ مرہٹوں نے

اندر گھستے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ اور سب کو قتل کر دیا۔ اتنی بھی مہلت نہیں دی کہ وہ شور مچاتے۔ ان سے فارغ ہو کر محل کے اس بند دریچہ میں نقب لگائی شروع کی۔ بیلچوں کی آواز اور زخمیوں کی غرغراہٹ کے شور سے محل کا ایک آدمی جس کا حجرہ باورچی خانہ کی دیوار کے ساتھ ہی تھا جاگ گیا اور اس نے امیرالامراء کو باہر سے ان آوازوں کے آنے کی اطلاع دی مگر امیرالامراء نے کہا۔ باورچی سحری پکانے کے لئے اٹھے ہوں گے اور دیگ صاف کر رہے ہوں گے۔ اتنے میں چند اور کنیزیں دیوار میں نقب لگنے کی اطلاع لے کر آئیں۔

مرہٹوں کا قاتلانہ حملہ

امیرالامراء سراسیمہ ... تیر کمان اور برچھی ہاتھ میں لئے بستر سے اٹھا اور باہر نکلا بس اسی وقت چند مرہٹے حوض کے کنارے تک پہنچ گئے۔ امیرالامراء نے ان میں سے ایک پر تیر چلا دیا مگر ایک مرہٹہ امیرالامراء کے قریب آگیا اور اس پر تلوار سے حملہ کر دیا جس سے امیرالامراء کا انگوٹھا کٹ کر گر گیا۔ اس وقت دو مرہٹے پانی سے بھرے ہوئے حوض میں گر گئے اور ایک مرہٹہ کو امیرالامراء نے برچھی مار کر گرا دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کنیزوں نے امیرالامراء شائستہ خاں کو وہاں سے ہٹا کر محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ مرہٹوں کے ایک اور گروہ نے چوکی خانہ پر اچانک حملہ کر کے سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا وہ ان کو مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "اس طرح پہرہ دیا جاتا ہے" چند آدمی نقار خانہ میں پہنچے اور امیرالامراء کی طرف سے نقارچیوں کو حکم دیا کہ زور زور سے نوبت بجائی جائے نقارچی پوری آواز سے نقارہ پیٹنے لگے اور ایسا شور و ہنگامہ مچ گیا کہ کسی کی آواز کسی کو سنائی نہ دیتی تھی۔ اب مرہٹوں نے محل کے تمام دروازوں کو بند کر دیا۔ اسی وقت شائستہ خاں کا نوجوان اور بہادر بیٹا اس حملہ کی خبر پا کر چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور مرہٹوں پر حملہ کر کے چند ایک کو قتل کر دیا اور ان کے ہاتھوں خود بھی شہید ہو گیا۔

امیرالامراء کا بنگال پر تبادلہ

لشکر کے ایک جمعیت دار کا مکان محل کے عقب میں ہی تھا اس نے جب محل میں ہنگامہ اور شور و غل دیکھا اور باہر کے دروازے بھی بند پائے تو زینہ لگا کر دیوار پر چڑھ گیا اور ایک رسی کے

سہارے اندر اتر گیا مگر مرہٹوں نے اسے اترتے ہی گرفتار کر لیا' وہ اپنی عمر اور جسمانی ساخت میں شائستہ خاں سے کچھ مشابہ تھا مرہٹوں نے اسے امیر الامراء سمجھ لیا اور اُس کا سر کاٹ دیا۔ امیر الامراء کی حرم خاص کی دو عورتوں کو بھی تلوار مار کر ہلاک کر دیا ایک کو تو اس طرح پارہ پارہ کر دیا تھا کہ ایک ٹوکرے میں ڈال کر اس کا کفن دفن کیا گیا۔ دوسری کو بھی تیس چالیس زخم لگے تھے مگر وہ زندہ رہ گئی اور اس کے زخم کاری ہونے کے باوجود مندمل ہو گئے۔ اس خون خرابے کے بعد مرہٹے محل سے باہر نکل گئے اور انھوں نے (غالباً عجلت کے سبب) محل کے مال و اسباب کو لوٹنے کی فکر نہیں کی۔ صبح کے وقت کمکی فوج کا امیر راجہ جسونت امیر الامراء سے ملنے اور عذر خواہی کرنے آیا۔ اس اعلیٰ ظرف سپہ سالار نے مہاراجہ سے صرف ایک جملہ کہا کہ "ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جیسے ہی مہاراجہ کار شاہی پر یہاں پہنچے' ہم اس حادثہ سے دوچار ہو گئے" جب اس واقعہ کی رپورٹ بادشاہ کو ہوئی تو بادشاہ نے امیر الامراء اور راجہ جسونت دونوں کو موردِ الزام قرار دیا اور دکن کی صوبہ داری اور سیوا کی مہم پر شاہزادہ محمد معظم کا تقرر کر دیا گیا اور امیر الامراء کو حضور میں طلب کر لیا گیا' مگر بعد میں باریابی کا موقع دیئے بغیر ہی اسے صوبۂ بنگالہ پر چلے جانے کا حکم دے دیا اور راجہ جسونت کو حسبِ سابق بادشاہزادہ کی خدمت میں کمک پر مامور رکھا۔

بادشاہ کی کشمیر کو روانگی اور واپسی

کشمیر کی سیر خلد مکاں کوچ پر کوچ کرتے ہوئے کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یکم ذی قعدہ (۱۰۷۳ھ) وسط ماہ خورداد میں کشمیر کے سبزہ زاروں میں بادشاہ نے قیام کیا۔ ڈل کے کنارے چراغاں کا حکم دیا گیا۔

علم نجوم کا ماہر انہی دنوں نائب وزیر راجہ رگھناتھ فوت ہو گیا اس کی جگہ فاضل خاں خانساماں کو (نائب) وزیر کی خلعت مع قلمدان مرصع عنایت کی مگر وہ بھی خلعت وزارت زیب تن کرنے کے بس سولہ دن بعد مر گیا۔ فاضل خاں، خراسان کے معزز شرفا میں سے تھا۔ دین داری اور نیک سیرتی میں بے مثل آدمی تھا۔ علم نجوم سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ اس نے اعلیٰ حضرت شاہجہاں اور عالمگیر بادشاہ کے متعلق ان کی شاہزادگی کے زمانہ میں جو پیش گوئیاں کی تھیں، ان میں سے بہت کم غلط نکلی تھیں۔ چنانچہ اُس نے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو لکھ کر دیدیا تھا کہ اُن کے پاؤں کو صدمہ پہنچے گا۔ چنانچہ جلوس کے چالیسویں سال کے اواخر میں دکن کی مہم کے وقت خواص پور میں پاؤں زخمی ہو گیا تھا، جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

کشمیر سے واپسی کشمیر کے جاہل افغانوں کی سرکوبی کے لئے جو نیازی کہلاتے تھے۔ فدائی خاں کو مامور کیا گیا تھا ان کے انتظام اور کشمیر کے بندوبست سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ نے آخر محرم میں لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔ اس سفر میں لشکر اور بہیر کو بڑی زحمتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خاص طور سے پیر پنجال کی منزل میں محل کی خادماؤں کی سواری حادثہ سے دوچار ہو گئی۔ اس میں بہت سے آدمی اور جانور غاروں میں گر کر تلف ہو گئے۔ ان باتوں کا بادشاہ کے دل پر بڑا بڑا اثر ہوا۔

اثر پڑا اور فرمایا کہ "بغیر کسی ملکی ضرورت کے محض سیر شکار کے لئے اس سرزمین میں آنا کچھ مناسب نہیں "۔

نقلی داراشکوہ احمد آباد کی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک مجہول النسب بے عقل آدمی نے خود کو داراشکوہ مشہور کر رکھا تھا اور صحرانشینوں کی ایک جماعت فراہم کر لی تھی اور شورش برپا کرنے کی فکر میں تھا مگر صوبہ دار مہابت خاں نے اس گروہ کو حملہ کر کے تہ تیغ کر دیا اور فرضی داراشکوہ جان بچا کر کسی طرف بھاگ گیا۔

امراء کا تقرر اور تبادلہ اسی سال اکبرآباد کا صوبہ دار اسلام خاں اور دیوان کفایت خاں انتقال کر گئے۔ اکبرآباد پر اسلام خاں کے بیٹے صفی خاں کو صوبہ دار مقرر کیا گیا اور جعفر خاں کو وزارت کے لئے حضور میں طلب کر لیا گیا اور مالوے کے صوبہ پر جعفر خاں کی جگہ نجابت خاں کا تقرر عمل میں آیا۔ تربیت خاں کو مع خط جواہر اور چھ لاکھ روپیہ کے ہندوستانی تحائف دے کر ایران کے شاہ عباس کے پاس روانہ کیا اور اسے ترقی دے کر چار ہزاری چار ہزار سوار کا منصب دار بنا دیا۔

امیر الامراء معتوب اور معزول ہونے کے بعد مشرقی علاقہ پر مامور کیا گیا تھا وہ دکن سے ہی بنگالہ کی صوبہ داری پر چلا گیا۔ پانی پت کی منزل پر جعفر خاں حاضر بارگاہ ہوا اور خلعت وقلمدان وزارت سے سرفراز کیا گیا۔ عادل خاں بیجاپور کا وزیر ملا احمد نوایتہ بھی باریاب ہوا اسے دو ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ بادشاہ آخر ماہ ربیع الثانی میں دہلی میں داخل ہوا۔ الیار خاں کو بدل کر غسل خانہ کا داروغہ عاقل خاں خافی کو مقرر کیا اور خلعت واضافہ عطا کیا۔

مرہٹوں کے خلاف بادشاہی فوجوں کا تقرر

(جلوس کا ساتواں سال مطابق سن ایک ہزار چوہتر ہجری ۱۰۷۴ھ)

سلطان محمد معظم کی عرض داشت سے معلوم ہوا کہ اس کے ہاں ایک فرزند تولد ہوا ہے بادشاہ نے نومولود کا نام سلطان معزالدین رکھا۔ دکن کے حالات کے متعلق جو تفصیلات درج تھیں ان سے سیوا کی فتنہ انگیزیوں کا حال معلوم ہوا کہ وہ بادشاہی قصبوں اور علاقوں پر

برابر حملے کررہا ہے اور قافلوں کو لوٹتا رہتا ہے نیز اس نے بندرگاہ سورت کے متوازی ساحل سمندر پر جیوکل اور پائل کی بندرگاہوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے، اور جو جہاز کعبۃ اللہ کی طرف جاتے ہیں وہ ان کو لوٹ لیتا ہے۔ اور سمندر میں بھی چند قلعے بنا لئے ہیں اور خشکی اور تری پر بڑا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ قلعۂ راج گڑھ میں اس نے تانبے کا سکہ اور ہون بھی اپنے نام سے جاری کر دیا ہے۔ اگرچہ راجہ جسونت نے اس کی سرکوبی کے لئے بڑی کوشش کی مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ بادشاہ نے سیوا کے استیصال کے لئے مزید فوجیں راجہ جے سنگھ، دلیر خاں، داؤد خاں، راجہ رائے سنگھ سودیہ، احتشام خاں راجہ سبحان سنگھ بندیلہ، پورن مل، زبردست خاں، برقنداز خاں اور دوسرے افسروں کی کمان میں روانہ کیں۔ راجہ جے سنگھ کو خلعت ایک سو گھوڑے طلائی اور نقرئی سازوالے دو ہاتھی اور مرصع پدم رخصت کے وقت عنایت فرمایا، دلیر خاں اور دوسرے امراء کو بھی مناسب حال اعزاز و انعام عطا کئے۔ حاجی شفیع خاں کو دکن کا دیوان مقرر کیا۔

ان ہی دنوں اطلاع ملی کہ اجین کے صوبہ دار نجابت خاں کا انتقال ہو گیا، اس کی جگہ برہان پور کے صوبہ دار وزیر خاں کو مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ برہان پور میں اپنا نائب چھوڑ کر راجہ جے سنگھ کے ہمراہ سیوا کی مہم پر چلا جائے۔

(جلوس کا آٹھواں سال مطابق سن ایک ہزار پچھتر ہجری ۱۰۷۵ھ)

راجہ جے سنگھ کی فوج کشی

راجہ جے سنگھ جسے سیوا کی مہم پر مقرر کیا گیا تھا ماہ شعبان کے اوائل میں اورنگ آباد پہنچا اور شاہزادہ محمد معظم کے پاس باریاب ہوا اور وہاں سے جلد ہی پونا کی طرف کوچ کر گیا۔ پونا پہنچنے کے بعد اس نے سارے علاقہ کا نظم و نسق اور بندوبست سنبھال لیا، فوجوں کو قلعوں کی تسخیر کے لئے جا بجا متعین کر دیا اور خود پوندہرو اور رودرمال (لونڈ ہرو اور عرود مال) کے قلعوں کو فتح کرنے روانہ ہوا یہ دونوں قلعے ایک دوسرے سے متصل تھے اور اس سرزمین کے حاکم نشین قلعے تھے اور ان کا تعلق نظام الملک کے علاقہ سے رہا تھا۔ راجہ نے اپنا ہراول دلیر خاں کو مقرر کیا۔ دلیر خاں مرہٹوں سے لڑتے ہوئے روانہ ہوا اور اس یلغار میں ان کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور ان کے اہل و عیال اور بکثرت سپاہی گرفتار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس نے ان دونوں قلعوں کے درمیان پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور قلعوں کو فتح کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ محصورین بھی

دونوں پہاڑوں پر سے گولہ باری کرنے اور بان چھوڑنے لگے۔ چند دن کے محاصرہ کے بعد راجہ کے پہنچنے سے قبل پٹھانوں نے اچانک حملہ کرکے پہاڑ کے وسط تک پیش قدمی کی اور دونوں پہاڑوں کی نچلی باڑھ کو جلادیا۔ مرہٹوں نے بھی قلعہ سے نکل کر حملے کرنے آتش باری کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔

قلعوں پر قبضہ اور مرہٹوں کی شکست

اب راجہ جے سنگھ بھی اپنے بیٹے کیسر سنگھ کے ساتھ محاذ پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے آنے کے بعد محاصرہ اور سخت کردیا گیا اور قلعوں پر چاروں طرف سے حملے کرکے محصورین کا ناطقہ بند کردیا گیا۔ بادشاہی لشکر گولہ باری اور آتش باری میں برابر مورچے بڑھاتا رہا یہاں تک کہ قلعہ کے ایک برج کو بارود سے اڑادیا اور بہادر لشکری پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ قلعہ والوں نے ہتھیار ڈال دیے اور جان کی امان کی التجا کی راجہ نے اور دلیر خاں نے ان کو جانی نقصان سے حفاظت کا عہد دے دیا اور دونوں قلعوں کے قلعہ دار دلیر خاں سے آکر ملے اس نے دونوں کو راجہ کے پاس بھجوادیا راجہ نے ان کے ہتھیار اتروادیے اور قلعوں کو قبضہ میں لے لیا۔ اس لڑائی میں لشکر کے اٹھارہ سوار اور پیادوں کی ایک جمعیت کام آگئی اور سو سے کچھ زیادہ آدمی زخمی ہوئے۔

راجہ جے سنگھ نے دونوں قلعوں کی تسخیر کے بعد داؤد خاں اور راجہ رائے سنگھ کی سرداری میں سات ہزار سوار سیوا کے مقبوضہ دوسرے مقامات پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کئے دونوں طرف سے سخت لڑائیاں ہوتی رہیں اور بادشاہی لشکر برابر پانچ ماہ تک مرہٹوں کے قلع قمع میں مشغول رہا۔ ان لڑائیوں میں اس بدبخت کا آباد کردہ شہر سیواپور، قلعہ کندانہ اور کنواری گڈھ ایسے تباہ ہوئے کہ ان کا نام و نشان تک نہ رہا بے شمار مویشی بادشاہی لشکر کے ہاتھ آگئے۔ مرہٹوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، وہ اچانک لشکر پر آپڑتے تھے اور چھاپے مار کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ راتوں میں شب خون مارتے رہتے تھے راستوں اور پہاڑی دروں کو مسدود کردیا تھا اور گھنے جنگلوں میں آگ لگاتے پھرتے تھے تاکہ لشکر پیش قدمی نہ کرسکے۔ اس طرح انھوں نے لشکر کے بہت سے آدمیوں کو اور جانوروں کو تلف کردیا۔ مگر جب مرہٹوں کی ایک کثیر تعداد ماری گئی تو وہ مقابلہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور متعدد مشہور قلعے فتح ہوگئے۔

قلعہ راج گڑھ کا محاصرہ

قلعہ راج گڑھ سیوا کا حاکم نشین قلعہ تھا اور کندانہ میں اس کا ننھیال آباد تھا۔ بادشاہی لشکر نے ان دونوں مقاموں کا محاصرہ کرلیا اور ہر طرف سے فرار کی راہیں مسدود کردیں۔ جب سیوا عاجز آگیا تو اس نے یہ کوشش کی کہ قبیلوں کو وہاں سے نکال کر دوسرے دشوار گذار مقامات پر پہنچا دے۔ تا کہ بادشاہی لشکران کے تعاقب میں پریشان ہوتا رہے مگر اس کی یہ چال کامیاب نہیں ہوئی۔ اب جو سیوا نے دیکھا کہ قلعہ بس مفتوح ہونے والا ہے اور اس کا مال و اسباب اور اہل و عیال سب پامال ہو کر رہ جائیں گے تو اس نے قصوروں کی معافی کی درخواست بھجوائی اور باقی ماندہ دوسرے قلعوں کو حوالہ کردینے کا اقرار کیا اور راجہ سے ملاقات کی استدعا کی، مگر راجہ نے اس کو عیاری اور مکاری پر محمول کیا اور قلعہ کا محاصرہ اور سخت کردیا آخر سیوا تنہا قلعہ سے نیچے اتر کر آگیا اور اس کے فرستادہ برہمنوں نے بڑی عاجزی آہ و زاری سے قسمیں کھائیں آخر راجہ نے اسے جان و آبرو کی امان دیدی اور اس شرط پر صلح قبول کرلی کہ سیوا دربار میں حاضری کے لئے جائے گا اس قرار و پیمان کے بعد راجہ نے سیوا کو حاضر خدمت ہونے کی اجازت دیدی۔ سیوا بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ آیا۔ راجہ نے اپنے منشی کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا اور مسلح راجپوتوں کو ہمراہ کر کے تاکید کردی کہ اس حیلہ باز کے مکر و فریب سے خبردار رہیں۔

سیوا کی شکست اور اطاعت

سیوا کو پیغام دیا کہ اگر وہ صدق دل سے اطاعت و فرماں برداری قبول کرے گا اور قلعوں کو سپرد کرنے اور بادشاہی احکام کو تسلیم کرنے میں پوری طرح اطاعت کرے گا تو اس کی درخواست قبول کرلی جائے گی، ورنہ اب بھی موقع ہے وہ لوٹ کر اپنے مقام پر چلا جائے اور لڑائی کی تیاریاں کرکے مقابلہ کی ہوس پوری کرے۔ سیوا نے اس پیغام کے جواب میں بڑی انکساری اور عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ "میں بخوبی جانتا ہوں کہ میری جان و مال عزت و آبرو صرف اطاعت اور تابعداری ہی میں محفوظ رہ سکتی ہے"۔ اس جواب پر راجہ نے دوسرے بلند مرتبہ افسروں کو بھیج کر اعزاز و اکرام کے ساتھ اسے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو راجہ نے اٹھ کر معانقہ کیا اور اپنے قریب اسے بٹھایا۔ سیوا نے بڑی عاجزی اور خجالت کے ساتھ دست بستہ عرض کیا "میں ذلیل غلاموں اور ادنیٰ مجرموں کی طرح اس بارگاہ

میں حاضر ہو گیا ہوں اب چاہے تم مجھے قتل کر دو چاہے میری جان بخشی کر دو سب کچھ تمھاری رائے اور مرضی پر منحصر ہے "پھر اس نے التماس کی کہ وہ بڑے بڑے قلعوں کو اور پوری ولایت کوکن کو بادشاہی امرار کے حوالہ کر دے گا اور اپنے بیٹے کو بادشاہی حرم گہ میں خدمت گذاری کے لئے دے دے گا" اپنے متعلق اس نے عرض کیا کہ اسے ایک سال کی مہلت دیدی جائے تو آستانہ بوسی کے لئے حاضر ہو جاؤں گا" اور آئندہ ... ان خود مختار ملازموں کی طرح جو اپنی اپنی جاگیروں اور صوبوں میں بادشاہی خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں، ایک دو چھوٹے قلعوں میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ بسر کرتا رہوں گا اور جب بھی جس جگہ بھی بادشاہی خدمات کے لئے طلبی ہوگی جان و مال کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گا" راجہ نے اس کو تسلی تشفی دے کر دلیر خاں کے پاس بھجوا دیا اور قلعہ سے محاصرہ اٹھا لینے کے احکام جاری کر دیئے۔ قلعہ سے امان حاصل کر کے نکلنے والوں کی تعداد مردوں عورتوں بچوں سمیت سات ہزار قلم بند کی گئی توپ خانہ ذخیرے اسلحہ اور جو کچھ قلعہ والے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے تھے سب بادشاہی فوج کے قبضہ میں آگیا۔

سیوا جی کی جان بخشی اور خلعت

دلیر خاں نے سیوا کو جو اس وقت تک بے ہتیار نہتا تھا تلوار مرصع جمدھر طلائی ساز کے ساتھ دو عربی گھوڑے اپنی طرف سے ہدیہ دیئے اور اسے راجہ کے پاس لاکر اس کا ہاتھ راجہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ راجہ نے بھی خلعت گھوڑا جیغہ اور ہاتھی کی بخشش کی اور از سر نو جان و آبرو کی امان دے کے اسے مطمئن کیا۔ سیوا بھی بڑا گھاگ تھا کچھ دیر تو تلوار باندھے رہا پھر کمر سے تلوار کھول کر رکھ دی اور عرض کیا۔" میں غیر مسلح خادموں کی طرح خدمت میں رہوں گا" جس وقت سیوا نے امان کے لئے رجوع کیا تھا۔ راجہ نے ساری کیفیت حضور میں لکھ بھیجی تھی اور اس کے لئے معافی کے فرمان کی اور خلعت کی سفارش کی تھی۔ اتفاق سے اسی دن جب کہ سیوا راجہ کے پاس حاضر ہوا تھا شاہی گرز بردار فرمان اور خلعت لے کر پہنچ گیا تھا راجہ نے سیوا کو فرمان کے استقبال اور تسلیمات بجا لانے کی ہدایت کی سیوا نے حسب ہدایت عمل کیا۔ اور تین کوس تک شاہی گرز بردار اور فرمان کے استقبال کے لئے پیدل گیا اور آداب تسلیمات بجا لاکر جان بخشی کا فرمان اور خلعت حاصل کی۔

قلعوں کی سپردگی

قلعوں کی سپردگی کے متعلق عذر معذرت قیل وقال کے بعد یہ طے پایا کہ وہ اپنے مقبوضہ پینتیس قلعوں میں سے تیئیس قلعوں کی چابیاں جو سابقہ اور حالیہ مہم میں فتح ہوتے تھے دیدے گا اور دس لاکھ ہون کا محصول جو چالیس لاکھ روپیہ بنتا تھا جمع کرادے گا اور بارہ چھوٹے کم آمدنی والے قلعے اس کے قبضہ میں رہیں گے اور اس کا آٹھ سالہ بیٹا سنبھاجی کے لئے راجہ کی تجویز پر پانچ ہزاری کا منصب عطا ہوا تھا۔ لشکر کے ساتھ حضور میں جائے گا اور اس وقت تک راجہ کی خدمت میں رہے گا اور سیوا کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقررہ کوہستان جاکر ملک کی آبادکاری کے لئے کوشاں رہے اور جس وقت کبھی اسے بادشاہی کام پر طلب کیا جائے وہ حاضر ہوجائے۔ اس معاہدہ کے بعد اس کو خلعت، گھوڑا جیغہ، تلوار اور ہاتھی دیا گیا اور ہتھیار باندھنے کی فرمائش کی اور اس کے بیٹے کو پانچ ہزاری کا منصب اور اذن تسلیمات دیا گیا۔

ملا احمد نوائتہ کی آمد

ان ہی دنوں ملا احمد نوائتہ جو عادل شاہ کا مقرب اور وہاں کا کرتا دھرتا تھا بیجاپور کی سفارت لے کر راجہ کے پاس حاضر ہوگیا اور عادل شاہ کی طرف سے کوتاہیوں کی معافی کی درخواست کی اور ایک کروڑ کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ بظاہر سفارت پر آیا تھا۔ مگر اصل میں بارگاہ شاہی کی ملازمت اختیار کرلینا چاہتا تھا۔ راجہ کے پاس وہ ملا یحییٰ کے توسط سے حاضر ہوا جو اس سے پہلے دربار شاہی سے منصب پر سرفراز کیا گیا تھا اور راجہ کے ساتھ دکن کی مہم میں شریک تھا۔ ملا احمد نے کچھ جواہرات اور تحائف راجہ کو پیش کئے۔ راجہ نے بھی اسے دو گھوڑے مع طلائی ساز ہاتھی اور دو جوڑے کپڑے عنایت کئے۔

انعام منصب اور اضافے

جب دربار شاہی میں سیوا کے اطاعت کرنے اور قلعوں کے فتح ہوجانے کی خبر پہنچی تو بادشاہ نے شادیانہ بجانے کا حکم دیا اور راجہ کو دو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا اضافہ عطا کیا اور خلعت، تلوار مع مینا کارساز کے اور ایک ہاتھی بھی عنایت فرمایا۔ راجہ کا بیٹا کنور رام سنگھ حضور شاہی میں تھا اس پر بھی بڑی عنایات اور نوازشات کیں۔ دلیر خاں اور اس کے ہمراہیوں کو بھی نمایاں اضافے اور انعامات دیئے گئے۔ خان جہاں لودھی کے استیصال کے بعد عام طور سے پٹھان معتوب رہے تھے ان میں سے کسی کو پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب نہیں ملا تھا۔ پہلی

دلیر خاں کو اس منصب پر سرفراز کیا گیا۔

ملا احمد نوائیتہ کا انتقال

راجہ جے سنگھ کو حکم صادر ہوا کہ عادل شاہ کے ملک بیجاپور پر حملہ کر کے قلعہ بیجاپور تک اسے پامال کر دیا جائے کیونکہ وہ سابقہ نذرانے ادا کرنے میں کوتاہی برتتا رہا تھا۔ اسی اثناء میں دکن سے آنے والی اطلاعات سے پتہ چلا کہ ملا احمد نوائیتہ[۱] عادل شاہ کا سفیر بن کر آیا ہے مگر بادشاہی ملازمت سے وابستہ ہو جانا چاہتا ہے اس کو بادشاہ نے چھ ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب دیا اور اس کے لئے فرمان خلعت مرصع، تلوار جنیغہ اور ہاتھی بھجوا دیا اور اسے حضور میں طلب کر لیا اور خفیہ طور پر راجہ کو لکھا کہ حضور میں پہنچنے کے بعد اسے سعد اللہ خاں کا خطاب دیا جائے گا اور کسی مناسب اور عمدہ خدمت پر مامور کر دیا جائے گا، اگر قسمت کی بات وہ چونکہ اپنے قدیم ولی نعمت سے بھاگا تھا اس لئے یہاں بھی اس کی رسائی نہ ہو سکی اور حاضر ہونے سے پہلے ہی وہ فوت ہو گیا۔

تبت میں بادشاہ عالمگیر کا سکہ و خطبہ

تبت کشمیر کی سرحدوں سے متصل ایک جداگانہ ولایت ہے وہاں کا حاکم بڑا سرکش اور مغرور تھا کشمیر کے صوبہ دار کی اطاعت اور بادشاہ اسلام کے خطبہ اور سکہ کو جاری کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ کشمیر کے صوبہ دار سیف خاں کو حکم دیا گیا کہ وہ کسی معاملہ فہم کو اس کے کے پاس بھیج کر پیغام دے کہ وہ اطاعت اختیار کرے۔ سرکشی اور ضلالت سے باز آجائے۔ بادشاہ کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دے اور مسجد تعمیر کرائے اور کفر چھوڑ کر اسلام کو قبول کر اور خود کو بادشاہ کی عنایات کا اہل ثابت کرے۔ اگر وہ نہ مانے تو اس پر فوج کشی کر کے اس کے ملک کو پامال کر دیا جائے۔ تبت کے زمیندار کے نام بھی اسی مضمون کا فرمان لکھ کر بھیج دیا

---

[۱] نوائیتہ دکن میں ان لوگوں کا نام پڑ گیا تھا جو عرب سے حجاج بن یوسف کے مظالم سے بھاگ کر آگئے تھے اور جن کا تعلق عرب کے شرفاء میں ہوتا تھا، ان میں سے بیشتر شافعی مذہب اور عالم و فاضل تھے ملا احمد نوائیتہ بھی بڑا صاحب علم اور باکمال آدمی تھا۔

گیا۔ سیف خاں نے بادشاہ کے حکم اور فرمان کے ملنے پر ایک بادشاہی ملازم محمد شفیع نامی کو فرمان کے ہمراہ تبت روانہ کر دیا۔ تبت کے حاکم نے اس خبر کے ملنے پر پہلے تو کچھ شورہ پشتی دکھانی چاہی۔ پھر اپنے انجام کا خیال کر کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسی جمعہ کو شہر کے باشندوں کو تبت سے باہر جمع کر کے بادشاہ حق پرست محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر غازی کے نام نامی کا خطبہ پڑھوایا اور خطیب پر طلائی اور نقرئی پھول نچھاور کرائے اور فاخرہ خلعت عطا کی اور مسجد تعمیر کرائی۔ دو ہزار اشرفیاں اور نو ہزار روپیہ عالمگیر بادشاہ کے نام کے ضرب کرائے۔ یہ سکے اور مسجد کا نقشہ اور تبت کے دوسرے تحائف حضور میں روانہ کئے اور اپنی عرض داشت مع نذرانہ کے فرمان کے جواب میں محمد شفیع کے پاس بھجوادی اور اس کی اور اس کے ہمراہیوں کی شایان شان خدمت انجام دی۔

تبت کا بنجر کوہستان

تبت ایک بنجر اور ویران علاقہ ہے۔ کھیتی باڑی اور پیداوار کچھ نہیں ہوتی۔ مگر اتنا لمبا ہے کہ صوبہ بیجاپور کے بعد جو چار پانچ ماہ کی مسافت کے طول میں واقع ہے کوئی صوبہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ غرض میں تبت بعض جگہ ایک ماہ، بعض جگہ ڈیڑھ ماہ اور دو ماہ تک کی مسافت رکھتا ہے۔

پوری قلمرو ہند میں دوسرا کوئی صوبہ اتنا وسیع نہیں ہے۔ لیکن اس وسعت وطول کے باوجود یہ سب سے زیادہ کم آمدنی والا علاقہ ہے۔ کیونکہ وہاں کی آمدنی بہ مشکل کسی دوسرے بڑے صوبہ کے سیر حاصل پرگنہ کی آمدنی کے مساوی ہے۔ اسی وجہ سے شاہان سلف نے کبھی بھی وہاں خطبہ و سکہ جاری کرانے کی فکر نہیں کی۔ کیونکہ حساب سے وہاں کا خرچ وہاں کی آمدنی سے بڑھ جاتا تھا۔

جب بادشاہ کو اطلاع ملی کہ ملا احمد بیجاپوری فرمان و خلعت کے پہنچنے سے پہلے ہی منزل آخرت کو سدھار گیا تو اس کے بیٹے اسد اللہ کو حضور میں طلب کیا۔ اسی اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ شہزادہ محمد معظم حسب الحکم دکن سے حضور میں آپہنچا ہے۔ بادشاہ نے امرا کو شہزادہ کے استقبال کے لئے بھیجا اور جب وہ حاضر خدمت ہوا اور اس نے تین لاکھ روپیہ نقد اور جواہرات نذر دیئے تو بادشاہ نے اسے عنایات شاہانہ سے نوازا۔

صاحبقرانِ ثانی شاہجہان بادشاہ کی وفات

اسی زمانہ میں عرض کیا گیا کہ صاحب قران ثانی شاہجہاں کی صحت بہت خراب ہوچکی ہے اور بس وہ اپنی آخری منزلوں پر پہنچ گئے ہیں۔ عالمگیر نے اسی دن شاہزادہ محمد معظم کو بہ طریق یلغار عیادت و دریافت حال کے لئے اکبرآباد روانہ کردیا۔ ابھی شاہزادہ راستہ ہی میں تھا کہ اس نیک سیرت بادشاہ (شاہجہاں) کے رحلت کرجانے کی اطلاع ملی ... شاہجہاں نے ماہ رجب کے آخر سن ایک ہزار چھہتر ہجری ۱۰۷۶ھ کو انتقال کیا تھا۔ جب اس کی خبر بادشاہ عالمگیر کو ملی تو اس حادثہ کا بادشاہ پر بڑا گہرا اثر پڑا دنیا کے غم اور آخرت کی فکر سے دل ملول ہوگیا۔ شاہجہاں بادشاہ نے اکتیس سال تک بڑے شان وشکوہ سے بادشاہت وفرماں روائی کی اور تقریباً آٹھ سال وہ نظر بند اور گوشہ نشیں رہا ۔

دنیا بہ مثال کوزۂ زریں است
گر آب درو تلخ گہی شیریں است
پیوستہ سمند اجل زیر زین است
تو غرہ مشو کہ عمر من چندیں است

(تاریخ وفات ہے - شاہجہاں کرد وفات)

شاہجہاں کی رعیت پروری عدل گستری خاص طور سے آبادکاری اور نیک نامی کا تذکرہ اس کی سوانح کے آخری حصہ میں بندرگاہ سورت کے معزول متصدی کے تذکرہ میں کردیا گیا ہے۔ کہتے ہیں جب کبھی ایران اور توران کے نووارد ترک کسی منصب پر سرفراز کئے جاتے تو اعلیٰ حضرت دیوانی کے افسروں کو حکم دیتے تھے کہ جب تک یہ ترک یہاں کے حالات سے مانوس نہ ہوجائیں، اور ہمارے مزاج سے اور رعیت کے حال سے واقف نہ

ہو جائیں اور رعیت پروری اور ملک داری کے قاعدوں کو سمجھ نہ لیں ان کو بجائے جاگیر کے نقد رقم دی جاتی رہے۔

عالمگیر باپ کی قبر پر

بادشاہ عالمگیر باپ کے انتقال کی خبر پاکر اکبر آباد کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچنے کے بعد پدر بزرگوار کی قبر پر بہت آنسو بہائے فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ (شاہجہاں کی بیٹی عالمگیر کی بڑی بہن) کے پاس گیا اور تمام مقربوں درباریوں کو حکم ہوا کہ وہ حرم سرا کے دروازے پر جاکر حضرت بیگم کی خدمت میں تسلیمات بجالائیں اور نذریں دیں۔

کہتے ہیں جب شاہجہاں نزع کی حالت میں تھا تو بیگم صاحبہ نے تین بار بادشاہ کے قصور معاف کر دینے کی التجا کی۔ دو مرتبہ تو شاہجہاں نے قبول نہیں کیا۔ مگر تیسری بار جب بہن نے بھائی کے لئے بڑی منت وزاری کی تو طوعاً وکرہاً قبول کرلیا۔

بادشاہ نے چند دن تک اکبر آباد میں ٹھیرنے کے بعد داروغۂ تخت کو حکم دیا کہ تخت مرصع (تخت طاؤس) کو جشن کے لئے دارالخلافہ (اکبر آباد) سے مستقر الخلافت (دہلی) پہنچادیا جائے اس کے ساتھ محل کی بعض خواتین کو بھی دہلی بھجوا دیا گیا۔

چاٹ گام کی فتح

اس سال کی فتوحات میں بنگالہ کے علاقہ رخنگ کے قلعوں کی فتوحات اہم ہیں۔ سنگرام نگر اور چاٹ گام کا سردار مدت دراز سے سرکشی پر آمادہ تھا اور بنگالہ کے صوبہ داروں کی اطاعت سے نکل گیا تھا اور لوٹ مار غارت گری کرتا رہتا تھا۔ سال رواں میں امیرالامراء شائستہ خاں کے لڑکے بزرگ امید خاں نے تجربہ کار افسروں کو اس علاقہ کی تسخیر پر مامور کیا ان افسروں نے دریا اور خشکی کے راستے حملہ کرکے نمایاں کارنامے انجام دیئے جن کی تفصیل باعث طوالت ہے۔ مختصر یہ کہ چار پانچ ماہ کی لڑائیوں کے بعد یہ قلعے فتح ہو گئے اور اس علاقہ کے زمیندار ساڑھے تین سو آدمیوں کے ساتھ اسیر کرلئے گئے۔ ان لڑائیوں میں طرفین کے کافی آدمی مارے گئے اور ایک سو تیس جنگی کشتیاں ایک ہزار میں بڑی اور چھوٹی توپیں اور ان کے ساتھ توپ خانہ کا ساز وسامان اور ہاتھی سرکار میں ضبط کرلئے گئے۔ سنگرام نگر

کو عالمگیر نگر اور چاٹ گام کو اسلام آباد کا نام دیا گیا اور اس سرزمین میں پہلی بار اذان کی روح پرور آواز بلند ہوئی اور بزرگ امید خاں نے فتح نامہ مقتولوں کے سروں اور اسیروں کے ہمراہ دربار میں بھجوایا اور بادشاہ کی عنایات سے سرفراز ہوا۔

ملا احمد بیجاپوری کا بیٹا اسداللہ حضور میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے ڈیڑھ ہزاری کا منصب اکرام خاں کا خطاب عطا کیا۔

امیرالامراء کے بھیجے ہوئے ایک سو بیس ہاتھی اور دوسرے تحفے نذرانہ میں پیش کئے گئے۔ جن کو بادشاہ نے پسند کیا۔

سیواجی بادشاہ عالمگیر کے دربار میں

جلوس کا نواں سال مطابق سن ایک ہزار چھہتر ہجری (۱۰۷۶ھ)

جشن سالانہ جشن کے آغاز میں نواب قدسیہ بیگم صاحب کو جنھیں بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ملتا تھا تین لاکھ کا اضافہ عطا ہوا۔ ایک لاکھ روپیہ اور دس ہزار اشرفی کہ اس وقت اشرفی سترہ روپیہ کی تھی نقد دی گئی۔ شاہزادہ محمد معظم کو بھی دو ہزار سوار کا اضافہ اور دو لاکھ روپیہ نقد اور اسی دستور کے مطابق دوسرے شاہزادوں اور بیگمات کو اضافہ اور نقدی مرحمت کی گئی۔

سیواجی کی آمد راجہ جے سنگھ نے بیجاپور پر فوج کشی کے بعد جس کا ذکر ہم آگے کریں گے سیوا کو تسلی دلاسا دے کر اور اس کے قصوروں کی معافی کی امید دلا کر دربار میں روانہ کر دیا تھا۔ اسی جشن کے موقع پر ان کے اکبرآباد کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملی حکم ہوا کہ جے سنگھ کا بیٹا کنور رام سنگھ اور مخلص خاں اس کے استقبال کے لئے جائیں۔

بادشاہی خزانہ کچھ عرصہ پہلے خزانہ کو شاہجہان آباد کے قلعہ سے اکبرآباد کے قلعہ میں منتقل کرانے کے احکام دیئے گئے تھے چنانچہ انہی دنوں ایک ہزار چارسو آٹھ بیل والی گاڑیاں جو اشرفیوں روپیوں طلائی نقروی برتنوں اور مرصع سازوسامان سے لدی ہوئی تھیں قلعہ اکبرآباد میں داخل ہوئیں۔ خزانہ کو دیکھ کر خاندانِ صاحبقران کے معاندوں اور خاص طور سے سیوا کی آنکھیں حیرت سے پتھرا گئیں۔

دربار میں سیوا کی باریابی

اسی سال کے ۱۰ ذیقعدہ (۱۰۷۶ھ) جب کہ بادشاہ کی پچاسویں سالگرہ کا جشن منعقد ہوا وحشی خصال سیوا اپنے نو سالہ بیٹے سنبھا کے ساتھ حاضرِ بارگاہ ہوا اور ڈیڑھ ہزار اشرفی اور چھ ہزار روپیہ جو اس زمانہ میں تیس ہزار کے مساوی تھے نذرانہ میں پیش کئے۔ بادشاہ کے اشارہ سے اسے پانچ ہزاری منصب داری کی صف میں کھڑا کیا گیا۔ چونکہ اس سے قبل اُس کے آٹھ سالہ بیٹے کو نامناسبانہ پانچ ہزاری کا منصب دیا گیا تھا اور اس کے داماد نیتوجی کو بھی جس کا ذکر راجہ جے سنگھ کی بیجاپور پر فوج کشی کے ضمن میں آئے گا۔ یہی منصب عطا ہوا تھا۔ اس لئے وہ سات ہزاری کے منصب کی توقع باندھے ہوئے تھا۔ اس لئے وہ کبیدہ خاطر ہوگیا پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ راجہ نے جن عنایتوں اور نوازشوں کے وعدے کر رکھے تھے (اس کے خیال کے مطابق) پورے نہیں ہوئے کیونکہ اُس کی قابلِ نفرین حرکات کی وجہ سے بادشاہ کا دل اس کی طرف سے پوری طرح صاف نہیں تھا۔ جیسا کہ اسے اُمید تھی اس کا استقبال بھی اس طرح نہیں کیا گیا۔

بیماری کا بہانہ اور دربار سے واپسی

ان باتوں کی وجہ سے وہ سخت خجالت اور شرمندگی محسوس کرنے لگا پھر کچھ سوچ کر اُس نے بڑی عیاری سے قلب کی کمزوری کا بہانہ کیا اور ایک گوشہ میں چلا گیا اور فرش پر گر کے تڑپتا رہا۔ گھنٹہ بھر بعد ہوش میں آیا اور کنور رام سنگھ سے شکوہ شکایت کرنے لگا اور خودکشی کر لینے کا ارادہ ظاہر کرنے لگا۔ کنور رام سنگھ نے اس کو تسلی دینے کی بہت کوشش کی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جب اس کی ان بے قاعدگیوں کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو بادشاہ نے بے رخی سے اس کو رخصت کر دیا اور جو شاہانہ عنایات عمل میں آنے والی تھیں موقوف کر دی گئیں۔ سیوا کو رام سنگھ کی تجویز پر شہر کے باہر جے سنگھ کے گھر کے قریب ایک مکان میں ٹھیرا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ راجہ جے سنگھ کو ساری تفصیل لکھ کر بھیج دی جائے اور اس کا جواب آنے تک کنور رام سنگھ حسبِ صواب دید اس کے ساتھ سلوک کرتا رہے اور سیوا کو مجرے کے لئے دربار میں نہ لایا جائے۔ البتہ اس کا بیٹا رام سنگھ کے ہمراہ مجرا تسلیمات کے لئے آتا رہے۔

بیجاپور پر بادشاہی لشکر کا حملہ

اب ہم اس تباہ کن کا ذکر کسی اور موقع کے لئے ملتوی کر کے مختصراً ان لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں جو راجہ جے سنگھ نے بیجاپور میں سیوا کو دربار میں بھیجنے سے پہلے اور بعد میں لڑی تھیں۔ راجہ جے سنگھ کو دلیر خاں کے ساتھ بیجاپور پر فوج کشی کے لئے متعین کیا گیا تو راجہ نے ملا یحییٰ بیجاپوری کی رہنمائی میں کوچ کر دیا۔ اس کے ساتھ پردل خاں سیوا اور نتھوجی بھی تھے۔ نتھوجی سیوا کا خاص آدمی اور اس کا رشتہ دار تھا۔ راجہ نے اس کے لئے بھی پانچ ہزاری منصب تجویز کیا تھا اور اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا بیجاپور میں راجہ اور دلیر خاں کے کارنامے بڑے تفصیل طلب ہیں مختصراً یہ کہ راجہ نے دلیر خاں کو ہراول بنا کر روانہ کیا اور چند منزل بعد فوج کا معائنہ کیا تینتیس ہزار سواروں کی فہرس میں سے پچیس ہزار حاضر سوار ہمراہ تھے۔ اسی اثناء میں بہلول خاں کا پوتا ابوالمحمد جو بیجاپور کے مشہور بہادروں میں سے تھا۔ عادل شاہ سے جدا ہو کر راجہ کے پاس آگیا اور فوج کشی میں شریک ہو گیا۔ راجہ نے اس کی ہر طرح رعایت کی اور اس کے لئے پانچ ہزاری چار ہزار سوار کے منصب کی تجویز دربار میں بھجوادی جو قبول کر لی گئی۔

سیواجی بادشاہی فوج میں

بیجاپور پر فوج کشی بڑی کامیاب رہی جو قلعہ بھی سامنے آیا سرسواری یا مختصر سے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا خاص طور سے سیوا اور نتھوجی نے جو دو ہزار سواروں اور آٹھ نو ہزار پیادہ فوج کے ساتھ لشکر کے ہمراہ شریک تھے اور فن قلعہ گیری میں بڑے تجربہ کار اور مشہور تھے نمایاں کارگزاری دکھائی اور تین چار ہفتہ کے اندر تین قلعے منگل پیرہ وغیرہ جو سرحد پر واقع تھے فتح کر لئے قلعہ والوں کو امان دیدی گئی۔ البتہ قلعہ کے ذخیرے توپ خانہ کا سامان اور اسلحہ وغیرہ ضبط کر لیا گیا۔ اور وہ قلعے انہی کے سپرد کر دیئے گئے۔ سرحد پر فوج کشی کے ساتھ ہی بیجاپور کی کثیر التعداد فوج مقابلہ پر آگئی اور روزانہ سخت گولہ باری اور بان اندازی ہونے لگی۔ دکنیوں کا غلبہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ دلیر خاں اور اس کی فوج رات رات بھر گھوڑوں اور ہاتھیوں کی پشت پر ہی گذار دیتی تھیں۔ ان لڑائیوں میں دونوں طرف کے بکثرت آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔

اور بادشاہی لشکر پر رات دن کا آرام حرام ہو گیا۔ بیجاپور والوں کی چھاپہ ماری سے رسد اور چارہ گھاس تو قطعاً مسدود ہو گیا تھا۔

شرزہ خاں مہدوی کا حملہ اسی طرح جنگ کرتے ہوئے۔ جب بادشاہی لشکر نے آٹھ نو منزل کی مسافت طے کر لی تو خبر ملی کہ شرزہ خاں مہدوی نامی گرامی سرداروں اور دس بارہ ہزار سواروں اور بے شمار کرناٹکی پیادوں کے ساتھ راتوں رات تیزی سے کوچ کرتے ہوئے بیجاپور کی پہلی فوج کی کمک پر آ گیا ہے۔ شرزہ خاں نے آتے ہی بادشاہی ہراول کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور جلوریز بادشاہی فوج پر حملہ کر دیا مگر دلیر خاں نے بڑے استقلال سے غنیم کے حملہ کی مدافعت کی اور پھر پے در پے حملے کر کے شرزہ خاں کو شکست دے دی اس مقابلہ میں دونوں طرف سے بے شمار سوار اور پیادے کام آگئے۔ شرزہ خاں کی ہزیمت کے تین چار گھنٹوں بعد ہی دوبارہ کئی فوجیں چار سرداروں کی کمان میں بادشاہی لشکر پر حملہ آور ہوئیں اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ دونوں طرف کے نامی گرامی سردار مارے گئے۔ بیجاپور کے لشکر میں یاقوت نامی حبشی جو مشہور کمان دار تھا۔ حبشیوں اور دکنیوں کی جمعیت کے ساتھ مارا گیا اور بیجاپوری فوجیں دلیر خاں کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئیں اور گھوڑے گھوڑیاں چتر علم وغیرہ بڑی تعداد میں پٹھانوں کے ہاتھ آگئے۔

بیجاپوری شکست کھا کر بھاگ گئے مگر دوبارہ رات کے وقت انھوں نے حملہ کیا اور چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور دو روز دو رات تک سوار گھوڑوں سے نہیں اترے تیسرے دن انھوں نے چنداول پر سخت حملہ کیا جس کے سردار سیوا اور نتھوجی تھے۔ راجہ کی فوج سے فتح جنگ خاں مدد کے لئے پہنچا بڑا سخت مقابلہ ہوا اور سیوا کے بہت سے ہمراہی مارے گئے۔ سیوا کی کوشش سے جادو رائے نامی دکن کا سردار اپنے نامی گرامی ہمراہیوں کے ساتھ مارا گیا اور دکنی مقابلہ سے بھاگ گئے۔ روزانہ اسی طرح جنگ ہوتی رہی ان لڑائیوں میں دلیر خاں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

قلعہ بیجاپور کا محاصرہ اسی اثناء میں منگل بیڑہ[1] کے قلعدار نے جو مفتوحہ سرحدی قلعہ

---

[1] بیرہ، بیرہ اور عالمگیر نامہ میں بیدہ لکھا ہوا ہے۔

تھا اطلاع دی کہ بیجاپور کی تقریباً بیس ہزار سوارہ فوج قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئی ہے اور مورچے لگا دیئے ہیں اگر کمک جلد نہ پہنچے گی تو قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سرفراز خاں کو قلعدار کی کمک پر مقرر کیا گیا۔ جب کمکی افواج پہنچیں تو قلعہ دار بھی قلعہ سے باہر نکل آیا اور سب نے مل کر دکنی فوج پر حملہ کرکے اسے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہی لشکر نے جنگ کرتے ہوئے بیس دن کی مسافت کو دو مہینوں میں طے کیا اور بیجاپور سے پانچ کوس پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ اسی سال (سنہ ۱۰۷۶ھ) ۲۰ رجب کو بیجاپور کا محاصرہ کر لیا گیا۔ عادل شاہ تو خود محصور ہو گیا مگر اپنے امراء کو اس نے متعین کیا کہ وہ بادشاہی علاقہ میں داخل ہو کر تاخت و تاراج کریں۔ اس کے چند امیر راجہ کی فوج پر حملہ کرنے اور رسد لوٹنے پر مامور ہوئے اور تالاب کا بند توڑ کر انھوں نے پانی بھی بہا دیا کنوؤں باؤلیوں کو تھوہر کے درختوں مردہ جانوروں اور لاشوں سے پاٹ دیا اور قلعہ کے متصل جو ثمردار سایہ دار درخت تھے کٹوا دیئے اور اونچی عمارتوں کو گرا دیا۔ غرض شہر کے دونوں طرف باغوں اور عمارتوں کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا کہ آبادی کا نام و نشان تک اس شہر میں نہیں رہا اور عادل شاہی حکمران اپنے زوال تک جس کا ذکر آگے آئے گا۔ سلطنت کا لطف نہ اٹھا سکے۔

نیک نام خاں بیجاپور کی مدد پر

نیک نام خاں خواجہ سرا حیدر آباد کے با اثر اور بلند مرتبہ آدمیوں میں سے تھا دراصل یہ ایران کے درباری امراء میں شامل تھا وہاں یہ حادثہ پیش آگیا کہ ایک مرتبہ شاہ عباس نے شراب کے نشہ میں اپنی خلوت خاص کی کنیز کو اس کے گھر بھجوا دیا۔ اس کے بعد یہ یقینی بات تھی کہ بادشاہ جب اپنے ہوش میں آتا تو غیرت کے مارے اس کو قتل کرا دیتا۔ اب نیک نام خاں کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ خود کو خصی کرکے نامرد ثابت کر دیتا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھوں خود کو معیوب کر لیا اور بدگمانی کے خطرہ سے بچ گیا بعد میں موقع پا کر وہ ایران سے فرار ہو گیا اور دکن کے بادشاہوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں وہ قطب الملک کا مقرب خاص بن گیا تھا۔ اس جنگ میں وہ عادل شاہ کی مدد کے لئے چھ ہزار سوار اور پچیس[۲۵] ہزار پیدل فوج لے کر آگیا اور شرزہ خاں کی فوج سے مل گیا۔ اس کے آنے کے بعد جنگ اور شدت سے ہونے لگی غنیم نے ایسی سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی جو فوجی دستے اور جانور

رسد اور چارہ لانے کے لئے جاتے تھے۔ دشمن کی تاخت وتاراج سے کم ہی بچ کر آتے تھے لیرخاں ان کے مقابلہ میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اب ان تفصیلات کو کہاں تک بیان کیا جائے غرض کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا۔ جس میں دونوں طرف کے دو چار نامی گرامی افسر نہ مارے جاتے ہوں، اور بے شمار آدمی تلواروں بندوقوں اور توپوں کا نشانہ بنتے ہوں۔

سیوا اور نتھوجی کا اختلاف

سیوا اور نتھوجی کو قلعہ پرنالہ کی تسخیر کے لئے بھیجا گیا تھا۔ سیوا نے وہاں بڑی کوشش کی مگر وہ کوئی نتیجہ بخش کام نہ کرسکا آخر کار وہاں سے محاصرہ اٹھا کر وہ اپنے تعلقہ میں "قلعہ کھیلنا" پر چلا گیا اور بیجاپور کے سرداروں نے نتھوجی کو ورغلا کر سیوا سے جدا کر دیا اور اپنے ساتھ اسے لے کر چلے گئے۔ پھر اس نے بڑی کوشش کر کے اور تسلی دلاسا دے کر اسے اپنے پاس واپس بلالیا۔ آخر سیوا کی تدبیروں اور کوششوں سے چند قلعے بادشاہی قبضہ میں آگئے۔ اسی اثناء میں سیوا کی خواہش اور اس نے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق دربار سے اس کی طلبی کے احکام آگئے اور اسے مع اُس کے لڑکے کے رمضان المبارک کے آخر میں جدیدہ بارگاہ شاہی کے لئے رخصت کر دیا گیا اور نتھوجی اپنے بیشتر پیروؤں کے ساتھ بیجاپور کے محاصرہ میں شریک رہا۔

ایک خوفناک سہ روزہ جنگ

سیوا کے روانہ ہو جانے کے بعد کہ وہی اس وقت بادشاہی فوج کی مشکلات کو حل کرنے میں عقلِ کل بنا ہوا تھا۔ بیجاپور کے محاصرہ میں ڈھائی ماہ کا عرصہ لگ گیا۔ اور قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بڑی سعی وجہد اور سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ان دس بارہ لڑائیوں میں سے جن کا ذکر عالمگیرنامہ میں کیا گیا ہے ہم ایک قابل تحریر جنگ کا حال لکھتے ہیں۔ اوائل ذیقعدہ میں جب کہ محاصرہ کو پانچ ماہ ہو چکے تھے ایک دن تمام دکنی فوجوں نے بادشاہی فوج کو ایک دشوار گذار مقام پر گھیر لیا جہاں راجہ کا لشکر بری طرح نرغہ میں آگیا تھا۔ دکنیوں کے پچیس ہزار سواروں اور پچاس ہزار پیادوں نے فوج پر چاروں طرف سے بڑے سخت حملے کئے اور تین دن اور تین رات تک معرکہ کارزار گرم رہا اس دوران لگاتار قلعہ پر سے گولہ باری ہوتی رہی بندوقیں اور بان چلتے رہے بڑے بڑے بھاری پتھر بھی پھینکے گئے۔ بادشاہی فوج کو اس عرصہ میں سر کھجانے اور پلک جھپکنے تک کی مہلت نہیں ملی۔ اس موقع پر بادشاہی لشکر کے جنگ آزما بہادروں نے بڑی پامردی سے غنیم کا مقابلہ کیا۔ دشمن کی طرف سے ابوالعلا نے

(ابو عاصی)، جو بہلول خاں کا پوتا تھا اور جس کا بھائی ابو المجد خاں بادشاہی لشکر سے آ ملا تھا۔ بڑی بہادری دکھائی۔ جب یہ دونوں بہادر بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ پر آتے تو دونوں نے خوب ڈٹ کر لڑائی کی دونوں چاہتے تھے کہ اپنے حق نمک کو اپنے آقاؤں پر ثابت کردیں دوسری طرف سے شرزہ خاں اور موسیٰ خاں نے بھی بادشاہی لشکر پر بڑے زبردست حملے کئے اور راجہ کے لشکر میں بڑی شورش اور افراتفری مچ گئی۔ کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کہ راجہ اپنے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ مارا جاتا یا قید ہوجاتا۔ اس وقت اتفاق سے دلیر خاں راجہ سے دور رہ گیا تھا اور دکن کے نامی سرداروں نے .... نو ہزار سواروں کے ساتھ اس کو بھی الگ گھیرے میں لے رکھا تھا اور راجہ کی کمک کے راستے مسدود کردیے تھے۔ مگر دلیر خاں نے بڑی شیرانہ جنگ کی اور اپنے مقابل سے دشمن کو مغلوب کرکے محصور راجہ کی کمک پر پہنچ گیا اس موقع پر اس بہادر سردار نے ابو المجد خاں کے ہمراہ ایسی بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا کہ دوست دشمن سب عش عش کرتے رہ گئے۔ اس کے صف شکن حملوں میں بیجاپور کے بے شمار سوار اور پیادے پٹھانوں اور راجپوتوں کی تلواروں سے گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے اور موسیٰ خاں جو دشمن کی صفوں میں رستم وقت بنا ہوا تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مارا گیا اور بہادر حملہ آوروں کے گھوڑوں کے نیچے پامال ہوگیا غرض اس موقع پر دکنی فوج کو بڑی بھاری شکست ہوئی اور وہ میدان میں بے شمار ہاتھی گھوڑے پالکی چھتری علم نقارہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بادشاہی لشکر نے سات کوس تک ان کا تعاقب کیا اور تقریباً ایک ہزار سپاہیوں کو اسیر بنالیا۔ جن میں اکثر زخمی تھے۔ ان میں سے ایک سو ماؤنہ سواروں نے جو اس علاقہ میں بڑے مشہور لڑاکا سمجھے جاتے ہیں رقمیں دے دے کر رہائی حاصل کی موسیٰ خاں کی لاش کے اطراف پانچ سو آدمی مقتول پڑے تھے اور ایک ہزار زخمی شمار کئے گئے تھے جن کو غنیم نہیں لے جاسکا تھا۔ راجہ اور دلیر خاں کے لشکر سے ایک سو تیس افسر کام آگئے تھے اور دو سو زخمیوں کی تعداد گننے میں آئی تھی۔

محاصرہ کا خاتمہ

ماہ جمادی الاول کے آغاز سے ماہ ذی قعدہ کے ختم تک برابر سات مہینے لشکر جنگ میں معروف رہا اس عرصہ میں سواروں اور پیادوں کو سانس لینے تک کی مہلت نہیں ملی تھی اور دونوں لشکر اس طویل لڑائی سے تنگ آگئے تھے۔ پھر بیجاپور کے اطراف چالیس پچاس کوس تک چارہ گھاس کا نام تک نہیں تھا۔ لہٰذا

راجہ اور دلیر خاں کی رائے ہوئی کہ چند دن تک زخمیوں کے علاج معالجے اور بارود وغیرہ فراہم کرنے کے لیے لشکر کو آرام کا موقع دیا جائے اس غرض سے لشکر قصبہ دبارور میں جہاں گھاس اور دانے کی فراہمی کی امید تھی ٹھہر گیا اور ساری تفصیل دربار میں لکھ کر بھیج دی۔ اس عرصہ میں دکنی فوجیں بھی بہت تباہ حال ہو چکی تھیں قلعہ کے اندر ساز و سامان ختم ہو چکا تھا رسد اور غذائی سامان بھی نہیں رہا تھا ہتھیار کند پڑ گئے تھے۔ اور دونوں طرف کے سردار مصالحت پر آمادہ ہو چلے تھے۔ بیجاپوریوں نے اس موقع پر امان کی درخواست بھیج دی چونکہ اس وقت عادل شاہ کے پاس کچھ نہیں رہا تھا خزانے خالی ہو چکے تھے جانور ہڈی چمڑا ہو گئے تھے ملک پائمال ہو چکا تھا صرف دربار میں ڈینگ مارنے والے راؤتنے رہ گئے تھے۔ جب یہ تفصیلات حضور میں پہنچیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور عادل خاں کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ راجہ خجستہ بنیاد اورنگ آباد چلا جائے اور دلیر خاں کو حضور میں روانہ کر دے۔

سیواجی کی نظربندی اور فرار

سیواجی کی مکاری

اب ہم بیجاپور کے جنگ کے میدانوں سے لوٹ کر دربار کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جب سیوا کو مجرا تسلیمات سے روک کر خانہ نشین کر دیا گیا تو بادشاہ نے کوتوال کو اس کے گھر کے اطراف چوکی پہرہ لگا دینے کا حکم دیا۔ اس وقت سیوا اپنے گذشتہ افعال اور موجودہ اندیشناک صورت حال کی وجہ سے بڑا سراسیمہ تھا اس کے لئے بجز اس کے کوئی تدبیر نہیں رہ گئی تھی کہ کسی طرح اس خطرناک مقام سے نکل بھاگے۔ اس نے اس غرض کے لئے دربار کے امراء اور کنور رام سنگھ کو دکن کے تحفے تحائف بھیجنے شروع کئے اور ان سے دوستی اور محبت کی پینگ بڑھانے لگا۔ اور ان کو اپنے جرائم کی معافی کے لئے سفارشی بنا کر اپنے کرتوتوں پر شرمندگی اور خجالت کا اظہار کرتا رہا۔ آخر خود کو بیمار بنا لیا اور فریش ہو گیا، اور جگر کے درد کی شدت ظاہر کر کے تڑپنے لگا۔ پھر یہ ظاہر کر کے کہ اس کا مرض دق اور سل میں تبدیل ہو گیا ہے طبیبوں، اور معالجوں سے علاج کے لئے رجوع کیا۔ غرض کچھ عرصہ تک وہ اس بیماری کا بہانہ کر کے

ہائے وائے کرتا رہا۔ چند دن بعد اُس نے صحت پاجانے کا بہانہ کیا اور حکیموں کو ارباب طرب کو انعامات دیئے برہمنوں کو کھانا کھلانے اور ہندو مسلم مستحقین کو نقد اور اناج دینے کا انتظام کر لیا بڑے بڑے پٹاروں پر کاغذ منڈھ کر قسم قسم کی شیرینی سے ان کو بھرا اور امیروں کے گھروں پر فقیروں کی خانقاہوں پر یہ پٹارے بھجوا دیئے۔ مگر اندر ہی اندر وہ اپنی تیاریوں میں لگا رہا۔ دو تین تیز رفتار گھوڑے تیار کرائے اور یہ شہرت دی کہ وہ یہ گھوڑے برہمنوں کو دان دینا چاہتا ہے مگر ان کو اپنے چند ہم رازوں کے ساتھ شہر سے چودہ کوس پر ایک مناسب جگہ ٹھیرا دیا جب یہ انتظامات ہو چکے تو ایک دن اُس نے اپنے ایک جان نثار ہمراہی کو جو اس کی شکل صورت سے مشابہ تھا اور جسے اس نے ایسے ہی آڑے وقت کے لیے اپنے ساتھ لگائے رکھا تھا اپنے پلنگ پر سلا دیا۔ جڑاؤ طلائی کڑا جو خود پہنا کرتا تھا اس کے ہاتھ میں پہنا دیا اسے تاکید کر دی کہ اُس کے جانے کے بعد وہ باریک کپڑے کی چادر اپنے سر پر ڈال لے اور اپنی کلائی کو اس طرح رکھے کہ سونے کا کڑا نظر آتا رہے اور آنے جانے والوں کے سامنے خود کو سویا ہوا ظاہر کرے۔

پُراسرار مٹھائی کے ٹوکرے

اس انتظام کے بعد وہ مٹھائی کے ایک ٹوکرے میں بیٹھ گیا اور دوسرے میں لڑکے کو بٹھا دیا یہ ٹوکرے اس کے آدمی اس بہانہ سے اٹھا لے گئے کہ متھرا کے برہمنوں اور فقیروں کے لئے مٹھائی جا رہی ہے۔ اس کی یہ تدبیر کامیاب رہی اور وہ ماہ صفر (۱۰۷۶ھ) کے آخری دنوں میں اکبرآباد سے نکل کر مقررہ مقام پر جہاں گھوڑے تیار تھے پہنچ گیا اور وہاں سے دو گھڑی بعد متھرا کے قصبہ میں پہنچ گیا اور وہاں ڈاڑھی مونچھ منڈوا دی' اپنے اور بیٹے کے جسم پر بھبوت مل لی تھوڑے بہت جواہرات اور اشرفیاں چھپا کر رکھ لے اور چند فقیروں کے ہمراہ جن کو رفیق راہ بنا لیا تھا۔ غیر معروف گھاٹ سے جمنا کو پار کرکے بنارس کے راستہ پر روانہ ہو گیا پھر دکن کے تیز رفتار ہرکاروں کے ساتھ جو بھیس بدل بدل کر مختلف راہوں پر سفر کرنے کی بڑی مہارت رکھتے ہیں وہ اندھیری راتوں میں مسافت طے کرتا رہا۔ کہتے ہیں اُس نے اشرفیاں جواہرات اور ہون ہاتھ کے عصا میں اسے کھوکھلا کرکے بھر لیے تھے۔

سیوا کی تلاش اور تعاقب

سیوا کے فرار کے بعد دوسرے دن پانچ گھڑی گذرنے پر دکن کے ہرکارہ نے جو جاسوسی اور مخبر رسانی پر

مامور تھا، اطلاع پہنچائی کہ سیوا بھاگ گیا ہے۔ بادشاہ نے کوتوال سے دریافت کیا تو اس نے انکار کیا اور کہا اس کے گھر کے اطراف چوکی پہرہ برابر لگا ہوا ہے مگر ہرکارہ نے اپنی اطلاع پر اصرار کیا آخر کوتوالی کے آدمی اندر گئے اور واپس آکر اطلاع دی' سیوا تو سو رہا ہے اور چادر کے نیچے سے اس کی کلائی کا سونے کا کڑا دکھائی دے رہا ہے کوتوال نے یہی اطلاع بادشاہ کو پہنچا دی مگر اس مخبر ہرکارہ نے پھر اصرار کیا اور عرض کیا کہ اگر سیوا اس وقت تک چالیس پچاس کوس نہ نکل گیا ہو تو میری گردن ماردی جائے۔ آخر تحقیق کے بعد اس کا فرار ثابت ہوگیا۔ بادشاہ نے رام سنگھ اور کوتوال کو مورد الزام ٹھیرایا اور اس گمان اور شہرت کی بناء پر کہ سیوا نے کنور رام سنگھ کے سازباز سے ہی فرار ہو جانے کی جرأت کی ہے اس کو منصب سے معزول کر دیا اور مجرا تسلیمات کی ممانعت کردی اور حکم دیا کہ گرزبردار دکن کے اطراف واکناف شرقی شمال صوبہ داروں اور فوج داروں کے پاس احکام لے کر جائیں کہ جہاں بھی مفرور سیوا کی اطلاع ملے اسے گرفتار کرکے حضور میں روانہ کردیں۔ راجہ جے سنگھ کے پاس بھی فرمان گیا وہ اس وقت بیجاپور کی مہم سے فارغ ہوکر اورنگ آباد پہنچ چکا تھا اس کو حکم دیا گیا تھا کہ سیوا کے فرار کی شہرت ہونے سے پہلے ہی اس کے رشتہ دار نتھوجی کو قید کرکے حضور میں روانہ کردے اور اس کے بعد اس مفرور کی تلاش کرکے اس کو اس کا موقع نہ دے کہ وہ دوبارہ جمعیت اکٹھی کرکے کہیں بیٹھ جائے۔ چونکہ سیوا کے احمد آباد اور برار کے راستہ سے جانے کا زیادہ امکان تھا اس لئے پہلے زیادہ تر گرزبردار اسی طرف بھیجے گئے پھر تمام صوبوں میں ان کو مقرر کر دیا گیا اس لئے بنارس کی سمت پر جدھر سے وہ غدار بھاگا تھا چار پانچ دن بعد گرز بردار مقرر ہو سکے۔

الہ آباد کا برہمن کب کلس

کہتے ہیں اگرچہ سیوا بڑی تیز رفتاری سے چلا تھا مگر اس کا کم عمر بیٹا سبنھا ساتھ تھا اس لئے وہ اسے بمشکل الہ آباد کی ایک بستی تک لے کر پہنچا جب اس نے دیکھا کہ بیٹے میں مزید سفر کی طاقت نہیں ہے تو ایک برہمن کب کلس نامی کے گھر میں اسے ٹھیرا دیا یہ اس جگہ کا مشہور برہمن تھا اور اس کے رشتہ دار دکن میں سیوا کے باپ سے میل جول رکھتے تھے اس کو سیوا نے اشرفی اور ہون دیئے اور اسے تاکید کی جب تک میرے ہاتھ کا لکھا ہوا خط نہ ملے بچہ کو حوالہ نہ کرنا، ہاں میرے مرنے یا مارے جانے کی اطلاع تجھے مل جائے تو پھر مختار ہے اس قول وقرار کے بعد

بوہمن کے پاس سنبھا کو چھوڑ کر وہ وہاں سے بنارس کی طرف نکل گیا اس کا باقی ذکر آگے بیان کیا جائے گا۔

ایران پر فوج کشی کی تیاریاں

تربیت خاں کی ناکام سفارت

اسی اثناء میں ایران سے تشویش ناک خبریں آنے لگیں کہ ایران کے بادشاہ اور تربیت خاں ایلچی میں بدمزگی پیدا ہوگئی ہے اور ایلچی ایران سے ناراض ہوکر روانہ ہوچکا ہے یہ خبریں تاجروں کے خطوط اور مخبروں کے ذریعہ عوام میں پھیل گئی تھیں۔ خلد مکاں بادشاہ عالمگیر نے مصلحت وقت کے مطابق آگرہ سے شاہجہاں آباد (دہلی) کی طرف کوچ کردیا۔ جس وقت بادشاہ قلعہ شاہجہاں آباد میں داخل ہوا ہے تربیت خاں کے لاہور پہنچنے کی اطلاع ملی۔ شاہ عباس اور تربیت خاں کے درمیان جو معاملہ ہوا اس کے متعلق بڑی متضاد باتیں سننے میں آتی ہیں جو قابل تحریر نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ تربیت خاں کا رویہ کچھ ایسا خلاف قاعدہ تھا اور اس نے اس طرح حد سے تجاوز کیا تھا کہ شاہ ایران کا مزاج برہم ہوگیا اور اس نے اپنے ہاتھوں اپنی ذلت کرائی حالانکہ اس سے پہلے ایران میں خان عالم بھی سفیر بن کر گیا تھا اس نے طرفین کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی معتدل اور معقول روش اختیار کی تھی کہ شاہ ایران نے اسے جان عالم کا خطاب دیا تھا دو مرتبہ خود اس کے گھر پر آیا اور تمام ایلچیوں سے بڑھ کر اس کا اعزاز و اکرام کیا تھا۔ مگر تربیت خاں نے طرفین کے موروثی تعلقات کو مکدر کردیا۔ یہاں تک کہ دونوں طرف سے معاملہ لشکر کشی تک جا پہنچا۔ جب وہ دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے اس پر اعتراض کیا اور منصب گھٹا کر اسے مجرا سلام سے روک دیا۔

فوجوں کی فراہمی اور کوچ

ان ہی دنوں شاہ عباس کے عراق سے ایک بھاری لشکر اور توپ خانہ لے کر خراسان کوچ کرنے کی اطلاع ملی تو بادشاہ کو بھی اس کے سدباب کی فکر ہوئی چنانچہ شاہزادہ محمد معظم کو مہاراجہ جسونت اور دوسرے امراء کے ساتھ بیس ہزار سوار بے شمار پیادے اور توپ خانہ دے کر رخصت کیا۔ رخصت کرتے

وقت بادشاہ نے پانچ لاکھ روپیہ نقد تین لاکھ ستر ہزار روپیہ کے جواہرات اور قیمتی سامان اور دوسرے انعامات شاہزادہ کو راجہ کو اور دوسرے ہمراہیوں کو عطا کئے۔ شہزادہ لشکر کو لے کر ماہ ربیع الاول کے وسط میں نکلا۔ بادشاہ نے خود اس مہم کے انتظامات فرمائے تمام صوبوں کے امراء کو طلب کیا اور تیاری کا حکم دے کر گرز برداروں کو مقرر کیا تاکہ وہ ہر جگہ سے امرائے فوج کو کوچ پر آمادہ کر کے جلدی روانہ کریں۔

پراسرار قلندر اور اعتماد خاں کا قتل

انہی دنوں اعتماد خاں عرف عبدالقوی کے مارے جانے کا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ شیخ عبدالقوی ایک مشہور عالم اور بادشاہ کا اُستاد تھا۔ جلوس کے بعد بادشاہ نے پانچ ہزار کا منصب اور اعتماد خاں کا خطاب عطا کیا تھا اسے بادشاہ کی خلوت میں بھی بیٹھنے کی اجازت تھی۔ عبدالقوی بڑا دیانت دار راستی پسند اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھا بادشاہ کے پاس دوسروں کی نسبت اس کی زیادہ قدر تھی مگر کبھی وہ کسی کے لئے کلمۂ خیر کہنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا قطعاً بے فیض آدمی تھا۔ پھر سخت مزاجی اور کج اخلاقی کے سبب لوگوں میں بہت بدنام تھا۔ انہی دنوں ایک قلندر صفت فقیر سیر سیاحت کرتے شاہجہاں آباد پہنچا۔ اس کا تعلق ایران کے عیار پیشہ پہلوانوں سے تھا جو بہادری شجاعت میں مانے ہوتے ہوتے ہیں اور امیر الامراء کے اس قدر منہ چڑھے ہوتے ہیں کہ ان سے زور زبردستی کر کے روپیہ وصول کرتے اور گلچھرے اڑاتے رہتے ہیں۔ مذکورہ قلندر نے بھی بندرگاہ سورت اور برہان پور میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے تھے۔ ایران کے امراء اس کو جانتے بوجھتے تھے اس لئے اس کی رعایت کرتے تھے وہ اپنے ساتھ قلندروں کی ایک ٹولی کو لے کر روزانہ کسی نہ کسی باغ میں چلا جاتا اور گانے بجانے کے جلسے منعقد کرتا رہتا تھا۔ اس کے متعلق بادشاہ کے پاس لوگوں نے اطلاعات پہنچائیں کہ یہ تو فقیری کا حال اٹھائے ہوئے ہے اور بظاہر اس کے ذرائع آمدنی نہیں معلوم ہوتے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ کیمیا گری کرتا ہے یا چوری چکاری اس کا پیشہ ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلیر و بہادر ایسا ہے کہ اسے زندہ سلامت پکڑ لینا ناممکن ہے۔ ان رپوٹوں سے بادشاہ کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں شاہ ایران کا جاسوس نہ ہو، چنانچہ کوتوال کو حکم دیا کہ اسے غفلت میں سوتے ہوئے گرفتار کر لیا جائے۔ مختصر یہ کہ بڑی کوشش سے اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ گردن میں طوق پاؤں میں زنجیر اور دونوں ہاتھوں میں لکڑی کا شکنجہ ڈال دیا گیا اور اس طرح پا بجولاں

اسے دربار کے دن ایوان شاہی پر لاکر کھڑا کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے حالات کی تحقیق کے لئے اعتماد خاں کو موزوں سمجھا اور اسے حکم دیا کہ قلندر کو وہ اپنے ساتھ گھر لے جائے اور خلوت میں وعدہ وعید کر کے اس سے حقیقت حال دریافت کرے۔ اعتماد خاں حسب الحکم اسے اپنے گھر لے گیا اور تنہائی میں اسے اپنے پاس بلاکر کہا "اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو سچ سچ اپنا حال بتادے"۔

اس نے جواب میں کہا " میں تو ایک سیاحت پیشہ فقیر اور گدا ہوں " مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اعتماد خاں نے اسے ڈرانا دھمکانا شروع کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اب چھٹکارا نہیں ملنے کا اور سچ بات قبول نہیں کی جا رہی ہے تو اس نے عرض کیا " اگر جان بخشی ہو تو نواب کے کان میں حقیقی حال کہہ دیتا ہوں "۔ اعتماد خاں کو اس کی برداشت کہاں ہوتی کہ وہ قلندر اس کے کان سے منہ لگا کر بات کرے مگر اس کی منت سماجت اور اصرار پر اسے اجازت دیدی اس وقت اعتماد خاں کے پاؤں کے نیچے ایک تہ کی ہوئی سوزنی بچھی تھی اور اس پر ایک نیمچہ رکھا ہوا تھا۔ اجازت ملنے پر قلندر آگے آیا اور باوجود اس کے کہ اُس کے دونوں ہاتھ جکڑے ہوئے تھے اور اس کا کوئی عضو بجز انگلیوں کے حرکت نہیں کر سکتا تھا اُس نے جھکتے وقت انگلیوں سے وہ نیمچہ اٹھالیا اور اعتماد خاں کے کان کے قریب ہوتے وقت بڑی پھرتی سے وہ نیمچہ غلاف سمیت اس زور سے اعتماد خاں کے سر پر دے مارا کہ اُس نے آہ تک نہیں کھینچی اور ٹھنڈا ہو گیا۔ اسی وقت قاتل کو بھی لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس قلندر کی گرفتاری کی ایک اور وجہ بھی میرے سننے میں آئی تھی مگر میں نے وہی بات لکھی ہے جو اس قلندر کے ساتھیوں کی زبانی مجھے معلوم ہوئی۔

بہر حال بادشاہ ایران پر فوج کشی کی فکر میں تھا کہ ملتان اور قندھار کی رپورٹوں سے شاہ عباس کے انتقال کر جانے کی خبر ملی اور بادشاہ نے مہم پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

دلیر خاں کے کارنامے اور راجہ جے سنگھ کی وفات

راجہ کی بیجاپور سے واپسی

اب ہم راجہ جے سنگھ کا حال لکھتے ہیں۔ راجہ نے حسب الحکم بیجاپور کا محاصرہ اٹھالیا یہ یقینی بات تھی کہ بادشاہی لشکر کے واپس جانے کے بعد مفتوحہ قلعوں کا قبضہ میں رہنا محال ہو جاتا اور دکنی لازماً ہجوم کرکے قلعوں پر قبضہ کر لیتے۔ جب کہ قلعوں میں کسی قسم کا ذخیرہ نہیں رہا تھا۔ اس لئے اُس نے یہی مناسب جانا کہ قلعوں کو خالی کرکے اور جو کچھ توپ خانہ کا سامان ہمراہ لے جانے کے قابل ہو اپنے ساتھ ہی لیتے جائیں اور باقی ماندہ سامان لشکریوں کے تاراج کے لئے چھوڑ دیا جائے یا آگ لگادی جائے، جو برج اور فصیل مسمار کی جا سکتی ہوا سے منہدم کر دیا جائے۔ ان کارروائیوں کے بعد راجہ وہاں سے کوچ کرکے اورنگ آباد چلا گیا۔ اس اثناء میں دربار سے سیوا کے فرار اور نتھوجی کی گرفتاری اور روانگی کے بارے میں مسلسل احکام آچکے تھے۔ لہٰذا راجہ نے نتھوجی کو اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو حضور میں روانہ کر دیا۔

دلیر خاں کا چاندہ پر حملہ

راجہ کے اورنگ آباد پہنچنے سے قبل ہی دلیر خاں حسب الحکم کمک پر آنے والے بعض امراء کے ساتھ دربار کے ارادہ سے کوچ کر چکا تھا جب اس نے نربدا ندی کو عبور کیا تو اسے چاندہ کے زمیندار کی سرکوبی کے احکام ملے۔ چنانچہ وہ رندولہ خاں راجہ سبحان سنگھ راؤ بہادر، قادر داد خاں، زبردست خاں، آتش خاں اور برقنداز خاں کو لے کر برار اور چاندہ کی طرف چلا گیا۔ برار کا صوبہ دار ایرج خاں اور اس نواح کے فوج دار بھی ساتھ ہو گئے۔ جب چاندہ کی سرحد پر فوج پہنچی تو چاندہ والے ڈر گئے، اور انھوں نے اپنے معتمد آدمیوں کو دلیر خاں کے پاس بھیج کر اپنے جرائم کی معافی چاہی سالقہ و موجودہ خراج ادا کرنے کا اقرار کیا اور عہد و امان کی درخواست کی۔ دلیر خاں نے چاندہ کے زمیندار کے آدمیوں کو تسلی دلاسا دے کر روانہ کیا اور زمیندار کے لئے خلعت بھیجی اور عہد و امان کو اس کی حاضری پر مشروط رکھا۔ آخر مذکورہ زمیندار عذر خواہی کرتے ہوئے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ کے نذرانہ میں اُس نے سات ہزار اشرفی اور پانچ لاکھ روپیہ پیش کیا اور دلیر خاں کی ضیافت کے لئے ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ نقد کا دیا۔ دلیر خاں نے

زمیندار کو اس کی نامعقول روش پر تنبیہ کی اور نذرانہ و پیش کش کے سلسلہ میں یہ طے پایا کہ وہ جرمانہ و نذرانہ میں دو ماہ کے اندر دو کروڑ روپیہ داخل کرے گا اور ہر سال مقررہ ڈو لاکھ روپیہ سرکار میں جمع کرائے گا اور دلیر خاں کی تواضع میں پانچ لاکھ روپیہ ادا کرے گا۔ اور اس نے جو چار دیواری حصار کے طور پر بنا رکھی ہے مسمار کر دے گا اور اپنے رہائشی مکان کو قلعہ کا نام نہیں دے گا۔ نذر نذرانہ کی رقم وصول کرنے شہر پناہ کی دیوار اور برج کو اور حاکم نشین عمارت کو مسمار کرنے کے لئے محمد لطیف نامی ایک افسر کو متعین کیا گیا اور نذرانہ کی رقم کی وصولی تک اس کے دیوان لمہاری نامی کو لشکر میں روک لیا گیا۔ غرض دو ماہ کی مدت میں نقد اور جنس کی صورت میں اس نے ستتر لاکھ روپیہ وصول کئے اور برہان پور کے دیوان زین العابدین کے ہمراہ جو بادشاہ کا روشناس ملازم تھا دربار میں بھجوا دیئے۔ بارگاہ شاہی سے چاندہ کے زمیندار کے لئے فرمان خلعت جیغہ مرصع تلوار اور ہاتھی آیا بقیہ رقم کی وصولی کی ضمانت اور عہدے کر لمہاری کو مع خلعت رخصت کر دیا گیا دو تین ماہ میں بقایا جات بھی وصول کرئے گئے چاندہ سے فارغ ہو کر دلیر خاں دیوگڑھ کے زمیندار کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور اس پر بھی پندرہ لاکھ روپیہ عائد کیا گیا اور نصف رقم وصول کر لی اور سالانہ دو لاکھ روپیہ کا خراج اس پر مقرر کیا گیا۔

راجہ جے سنگھ کی وفات

انہی دنوں راجہ جے سنگھ کی بیماری کی خبر پہنچی کہ وہ خطرناک مرض میں مبتلا ہو گیا ہے معاً بعد اطلاع ملی کہ وہ اس بیماری میں فوت ہو گیا۔ اسی دن دلیر خاں کے نام بادشاہ کا فرمان آیا جس میں اسے بیجاپور پر ازسرنو ہم لے جانے کی ہدایت تھی اور اسے دکن کی صوبہ داری پر فائز کیا گیا تھا۔ دلیر خاں نے مذکورہ دونوں زمینداروں سے بقیہ خراج وصول کرنے کے لئے قادر داد خاں کو چھوڑ دیا اور خود بیجاپور کی تسخیر کے لئے اورنگ آباد چلا گیا۔

نتھو جی کی گرفتاری اور قبول اسلام

جب راجہ جے سنگھ کے آدمیوں اور بادشاہی گرز برداروں کی تحویل میں سیوا کا داماد نتھو جی حضور میں پہنچا تو اسے سخت نگرانی میں قید کر دینے کا حکم ہوا۔ نتھو جی نے رہائی کی خاطر منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لینے کی عرض داشت بھیجی۔ خلد مکان نے اس کی درخواست قبول کر لی اور کلمہ پڑھوانے کے بعد اسے محمد قلی خاں کا خطاب دے کر تین ہزاری دو ہزار سوار

کے منصب پر بحال کر دیا مگر کچھ عرصہ بعد جب کہ وہ دلیر خاں کے ساتھ متعین ہو کر دکن گیا تو دوبارہ مرتد ہو کر سیوا کے پاس بھاگ گیا جس کا ذکر ہم آگے بیان کریں گے۔ پھر اُس نے ایسی فتنہ پردازی کی کہ اب تک اس کا سلسلہ قائم ہے۔

یوسف زئی افغانوں کی سرکشی اور والیٔ کاشغر کی آمد

(جلوس کا دسواں سال مطابق سن ایک ہزار ستتر ہجری ۱۰۷۷ھ)

شاہزادہ معظم کو اعزاز اس سال کے آغاز میں شاہزادہ محمد معظم کو حسب دستور سابق دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور اس کے منصب میں پانچ ہزار کا اضافہ اور پانچ لاکھ روپیہ نقد عطا ہوا اصل و اضافہ کے ساتھ اس کا منصب بیس ہزاری بارہ ہزار سوار کا ہو گیا جو بلحاظ برآوردہ پندرہ ہزار سوار ہوتے تھے۔ اس اعزاز کے بعد اسے امدادی فوجوں کے ساتھ دکن کے لئے رخصت کر دیا گیا۔ اسی اثنار میں خبر ملی کہ راجہ جے سنگھ طبعی موت مر گیا۔

یوسف زئی افغانوں پر فوج کشی جب بادشاہ کو یوسف زئی افغانوں کی سرکشی کی خبر ملی تو ان کی سرکوبی کے لئے کابل کے صوبہ دار میر خاں اور اٹک کے فوج دار کامل خاں اور اطراف و لواح کے دوسرے فوج داروں کے نام فرمان گئے۔ کامل خاں نے صوبہ دار کی کمک کا انتظار نہیں کیا اور اطراف کے فوج داروں کو لے کر ان مفسدوں پر فوج کشی کر دی ان سے بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں جن میں ہزاروں افغان مارے گئے اور بہت سے بادشاہی پیادے اور سوار بھی کام آگئے۔ افغان سوار اور پیادے کوئی چالیس پچاس ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے مگر کامل خاں برابر اُن سے لڑتا رہا اسی اثنار میں میر خاں صوبہ دار کا ایک ہمراہی امیر شمشیر خاں اس کی مدد کے لئے چار پانچ ہزار سوار لے کر بروقت پہنچ گیا اور بادشاہی لشکر نے ان افغانوں کی قرار واقعی تنبیہ کر دی۔ مقتول افغانوں کی دو ہزار چار سو کھوپڑیاں حضور میں پہنچی تھیں، بادشاہ نے ان کا مینار کھڑے کرنے کی تاکید کی۔ اس کے باوجود جاہل افغان اپنی فتنہ پردازی سے باز نہیں آئے اور برابر راہزنی اور مردم آزاری کرتے رہے۔ جب ان کی شورش حد

سے بڑھ گئی تو بادشاہ نے محمد امین خاں بخشی کو جو بخشی کے عہدہ کے علاوہ لاہور کا صوبہ دار بھی تھا۔ وسط ذی قعدہ میں اسے کابل کا صوبہ دار بنا کر افغانوں کی تادیب کے لئے رخصت کیا۔

منصب، تبادلے، تقررات

اسی سال شاہزادہ محمد اعظم کو اضافہ دے کر پندرہ ہزاری آٹھ ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ شاہزادہ محمد اکبر کو اب تک منصب نہیں ملا تھا اسے سات ہزاری تین ہزار سوار کا منصب علم اور نقارہ مرحمت فرمایا۔ شاہزادوں میں بغیر خدمت کے کم سنی میں جس کو منصب ملا وہ یہی شاہزادہ اکبر ہے۔ راجہ رام سنگھ کا منصب سیوا کے فرار کی پاداش میں چھین لیا گیا تھا اسے باپ کی ماتمی خلعت عطا کی۔ اور چار ہزاری چار ہزار سوار کے منصب پر بحال کر کے مزید عنایات سے سرفراز کیا۔ خالصہ کی دیوانی سے رائے لعل چند کو ہٹا کر عنایت خاں کو مامور کیا گیا۔ دکن کا بخشی محمد تقی خاں فوت ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ اسلام خاں کے بیٹے غیاث الدین خاں کا تقرر عمل میں آیا جو اس وقت سورت کی بندرگاہ کا متصدی تھا۔ برہان پور کا دیوان زین العابدین چاندہ کے نذرانہ اور خزانے کر آیا تو بادشاہ نے اسے خان کا خطاب دیا اور سورت کی بندرگاہ پر متصدی مقرر کر دیا۔

والیٔ کاشغر عبداللہ خاں کی آمد

تبت کے زمیندار کی عرض داشت پہنچی کہ کاشغر کا والی عبداللہ خاں اپنے بیٹے کے مظالم سے تنگ آ کر بڑی بے سروسامانی کی حالت میں وہاں پہنچا ہے اور وہ بادشاہ سے ملاقات کر کے بیت اللہ جانا چاہتا ہے۔ عالمگیر نے اس کے استقبال کے لئے مہمان داری کا ضروری سازوسامان دے کر روانہ کیا اور اس کے پیچھے ایک سو گھوڑے جن کے ساز طلائی اور مینا کار تھے دو ہاتھی نقرئی سازوالے خنجر، مرصع تلوار طلائی اور نقرئی برتن قسم قسم کے لباس اور فرش اور کشمیر کے خزانہ سے پچاس ہزار روپیہ نقد دے کر روانہ فرمایا محمد امین خاں کو بھی جو ابھی صوبہ داری پر لاہور پہنچ گیا تھا لکھا کہ وہ عبداللہ خاں کے آنے تک توقف کرے اور اس کی ضیافت کا انتظام کرے اور لاہور کے خزانہ سے پچاس ہزار روپیہ اس کو پہنچا دے۔ اس کی مہمان داری اور ضیافت کے لئے ہر جگہ کے حکام اور فوج داروں کے نام بھی احکام جاری کر دیئے گئے جب عبداللہ خاں دہلی کے قریب پہنچا تو جعفر خان اور

اسد خاں کو اس کے استقبال کے لئے مامور کیا اور اسے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ عبادت خانہ میں پہنچایا گیا۔ جہاں بادشاہ سے اس کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اسے تسلی اور اطمینان دلایا اور رستم خاں کی حویلی میں اُسے ٹھیرانے کا انتظام کرایا۔ عبداللہ خاں آٹھ ماہ تک بادشاہ عالمگیر کا مہمان رہا اس کے بعد اس کے حسب خواہش کعبۃ اللہ کے سفر کی تیاری کر کے ایک مہمان دار کے ہمراہ اسے سورت کی بندرگاہ روانہ کر دیا گیا۔ بندرگاہ کے حاکم کو بھی اس کے اعزاز اور مہمان داری کی ہدایت کر دی گئی تھی' اس کی آمد سے رخصت تک مہمان داری وغیرہ میں دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔

ضروری یادداشت قارئین پر واضح رہے کہ یہاں تک یعنی بادشاہ عالمگیر کے دسویں سال تک کے حالات کے لئے کوئی سترہ ہزار فقرے کتابت کئے گئے تھے۔ ان میں سے انتخاب کیا گیا تو اب یہ تین ہزار فقروں سے بھی کم میں مرتب ہو سکے یہ حالات مرزا محمد امین (جو مرزا امینا کے نام سے مشہور تھے اور ایران کے بڑے کارفرما آدمیوں میں سے تھے) کے بیٹے (غفران پناہ) محمد کاظم منشی کی مؤلفہ تاریخ اور دوسرے مورخوں کی تاریخوں سے ماخوذ ہیں اس کے باوجود اگر طوالت اور بے ربطی محسوس ہو اور دوسری تاریخوں کے مقابلہ میں سن و سال مقدم و مؤخر ہو گئے ہوں تو قارئین براہ کرم اس سے چشم پوشی فرمائیں اور مؤلف ہٰذا کو معاف فرمادیں۔

عہدِ عالمگیری کی انتظامی اور سماجی اصلاحات

(جلوس کے گیارھویں سال سے اکیسویں سال کے حالات)

دس سال کے بعد اس انصاف پسند بادشاہ کے حالات لکھنے سے مورخوں کو روک دیا گیا تھا مگر بعض مورخوں نے خاص طور سے مستعد خاں نے خفیہ طور پر حالات کو قلمبند کیا مگر مستعد خاں نے دکن کی مہم کے حالات مجملاً جس میں صرف شہروں اور قلعوں کی فتوحات کا ذکر تھا اور ناپسندیدہ تذکروں سے احتراز کیا گیا تھا، تحریر کئے تھے اور ہمدرابن نے بھی دوسرے اور تیسرے

عشرے کے چند سال کی مختصر تاریخ تحریر کی تھی۔ بس ان کے علاوہ مجھے کوئی ایسی تاریخ جس میں بقیہ چالیس سال تک کے حالات مجملاً یا مفصلاً لکھے گئے ہوں دستیاب نہیں ہوئی لہذا گیارھویں سال سے اکیسویں سال تک کا تذکرہ جو حکمرانی کے عشرہ ثانی کے سال بہ سال کے حالات پر مشتمل ہو لکھا جانا ممکن نہیں رہا تاہم میں نے بڑی سعی و جستجو کی معتبر راویوں اور بارگاہ شاہی کے محترم و مقرب لوگوں اور بوڑھے خواجہ سراؤں سے دریافت کر کے لائق تحریر امور مرتب کرلے۔ سن تمیز کو پہنچنے کے بعد تیس چالیس سال کے دوران میں میں جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا اور جس کو اپنے ذہن میں محفوظ کر رکھا تھا وہ بھی میں قید تحریر میں لے آیا ہوں۔ بندرابن داس بہادر شاہی شاہ عالم کی شاہزادگی کے زمانہ میں ان کا متصدی تھا مجھے معلوم ہوا کہ اس نے کوئی تاریخ لکھی ہے اور اس میں تیسویں سال اور دوسرے چند سال کے حالات کا تذکرہ ہے میں نے اس تاریخ کو فراہم کرنے کی بڑی کوشش کی آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد وہ ہاتھ آگئی۔ میں نے بڑے شوق سے اس کو اول سے آخر تک پڑھا۔ میں نے جو کچھ جمع کیا تھا اور جسے میں نے ان اوراق میں بیان کر دیا ہے اس کا نصف حصہ بھی اس کتاب میں نظر نہیں آیا۔ بہرحال سخن فہم اصحاب کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر مطالعہ کرتے وقت وہ حالات کے تذکرہ میں کوئی نقص پائیں اور سن و سال کی تقدیم و تاخیر کا دوسرے راویوں کے ذریعہ پتہ چل جائے تو ان کی تصحیح کریں اور مجھے معذور سمجھیں۔

شراب اور جاترا پر پابندی

امور شرعی کے اجراء اور اوامر و نواہی کے نفاذ پر عالمگیر بادشاہ کی توجہ روز افزوں تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے

راہ داری اور پاوندی وغیرہ کے محاصل کی ممانعت کے لئے مسلسل احکام جاری کئے حالانکہ ان مدات میں لاکھوں روپیہ سرکار میں جمع ہوتا تھا۔ مسکرات اور نشہ بازی کے رواج کو ختم کرنے کے لئے شراب خانے بند کرا دیئے اور جاترہ کے اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی۔ یہ جاترائیں ہر سال مقررہ دنوں اور تاریخوں میں ہندوؤں کی عبادت گاہوں پر منعقد ہوتی تھیں جن میں بے شمار عورتیں اور مرد جمع ہوتے تھے لاکھوں کے مال کی خرید فروخت ہوتی تھی اور اس کے محصول میں ایک بڑی رقم ہر صوبہ میں جمع ہوتی تھی۔ سرکار میں جو نامی گرامی کلاونت اور قوال نوکر تھے ان کو بادشاہ نے گانے بجانے سے توبہ دلادی اور منصب وخدمات پر ان کو مامور کر دیا۔ ناچ گانے کی ممانعت کی عام منادی بھی کرا دی گئی۔

موسیقی کا جنازہ

کہتے ہیں ایک دن گویئے اور قوال ایک شاندار جنازہ لے کر آگے پیچھے ماتم کرتے اور شور و غوغا کرتے ہوئے درشن کے جھروکہ کے نیچے سے نکلے۔ بادشاہ نے جنازہ کے متعلق معلوم کیا تو کلاونتوں نے عرض کیا ہم مردہ موسیقی کو دفنانے جا رہے ہیں بادشاہ نے فرمایا۔ اس طرح زمین میں دبا دو کہ پھر کبھی آواز نہ نکلنے پائے۔

درشن کی ممانعت

شاہان سلف کے زمانہ سے اس سال تک درشن کا طریقہ چلا آرہا تھا اکبرآباد اور شاہجہاں آباد میں دریائے جمنا پر دونوں قلعوں میں ایک ایک جھروکہ نکالا گیا تھا جسے جھروکۂ درشن کہتے تھے بادشاہ خواہ صحت مند ہو یا بیمار اپنی تندرستی کے اعلان کے لئے دن میں ایک بار یا دو بار مقررہ وقت پر درشن کے جھروکہ میں آتا تھا اس وقت نیچے میدان میں لاکھوں آدمی بادشاہ کے درشن کے لئے جمع ہوتے تھے جن میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی ہوتی تھی جن کو درشنی ہندو کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ جب تک بادشاہ کی صورت نہیں دیکھ لیتے تھے کھانے کی کوئی چیز بھی منہ میں نہیں ڈالتے تھے۔ درشن کے اس طریقہ کو اس دین پرور بادشاہ نے غیر مشروع جان کر جھروکہ میں بیٹھنا ترک کر دیا اور لوگوں کو جمع ہونے سے منع کر دیا۔

برہان پور میں محرم کا فساد

بارھویں سال کے آغاز میں برہان پور سے ایک فساد کی اطلاع ملی کہ ایام عاشورہ میں برہان پور کے

دو بڑے محلوں احدی پورہ اور کھڑکی پورہ میں تابوت اٹھائے جاتے تھے۔ اسی موقع پر ہر سال دونوں طرف کے آدمیوں میں جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کی یہ عداوت اور چشمک زنی عرصۂ دراز سے چلی آرہی تھی۔ ان میں احدی پورہ والے تابوت کا جلوس نکالنے میں کھڑکی پورہ والوں بلکہ دوسرے محلہ والوں پر بھی غالب رہتے تھے اور ان کا بڑا زور بندھا ہوا تھا۔ جب تابوت کا جلوس نکلتا تھا تو دو سو زرہ پوش سوار اور بکثرت بندوقچی تابوت کے ساتھ ہوتے تھے۔ اسی سال عشرہ کی ایک رات میں احدی پورہ والوں نے بڑے طمطراق کے ساتھ تابوت اٹھایا اور جلوس لے کر نکلے گشت کے دوران کھڑکی پورہ کے جلوس سے آمنا سامنا ہو گیا، کھڑکی پورہ والوں نے احدی پورہ والوں سے بچ کر نکلنے کے لئے راستہ بدل دیا مگر احدی پورہ کے لوگوں نے اپنی کثرت اور غرور میں دوبارہ کھڑکی پورہ والوں کا راستہ روک دیا۔ آخر جامع مسجد کے قریب دونوں میں جنگ چھڑ گئی تماشائیوں کی اکثریت نے کھڑکی پورہ والوں کا ساتھ دیا۔ بہت سے لوگ دکانوں پر چڑھ گئے اور احدی پورہ والوں پر چھت کی اینٹیں نکال نکال کر مارنی شروع کیں یہاں تک کہ کسی دکان پر ایک کویلو تک باقی نہیں رہی۔ اور احدی پورہ کے پچاس آدمی مارے گئے اور ایک سو آدمی زخمی ہو گئے اور ان کے تابوت کے کوئی چالیس پچاس ہزار روپیہ کے مروارید اور دوسرے قیمتی کپڑے اور شدّے لوٹ لئے گئے، بادشاہ کو جب اس فساد کی اطلاع ملی تو تمام صوبجات میں ایام عاشورہ کے تابوت بنانے اور ان کا جلوس نکالنے پر پابندی لگا دی گئی۔

دربار سے شاعروں کا اخراج

شاہان سابق کے زمانہ میں خاص طور سے صاحبقران ثانی (شاہجہاں) کے عہد میں شاعروں اور نجومیوں کا بڑا اعزاز تھا۔ ہر بادشاہ کے زمانہ میں اس عہد کے کسی نہ کسی بڑے شاعر کو ملک الشعرا کا خطاب دیا گیا اور اسے دوسرے شاعروں پر امتیاز و فوقیت دی گئی۔ یہ شاعر بادشاہ کی رکاب اور سرکار دربار میں ہر جگہ حاضر رہتے تھے۔ عالمگیر بادشاہ نے شعر کہنے اور سننے کے اس رواج کو ختم کرا دیا (کہ اس سے بجز تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہ تھا)

زائچہ اور نجوم کی بندش

شاعروں کے ساتھ نجومیوں کی بھی لین ڈوری بندھی رہتی تھی، بلکہ نجومی بادشاہی مجلسوں اور دیوانی کے دفاتر

وغیرہ میں جزو لازم بنے ہوتے تھے ان کو باقاعدہ ملازم رکھا جاتا تھا اور وہ بادشاہ کے روشناس ملازموں کے زمرہ میں شامل تھے۔ سال کی چار فصلوں کے تعین اور شمسی مہینوں کے حساب کتاب کے لئے جن پر جاگیرداروں کی تنخواہ احدیوں اور توپ خانہ والوں کی نقدیں ادا کی جاتی تھیں نجومیوں کی خدمات لی جاتی تھیں پھر وہ ہر کام کے لئے اچھی بُری گھڑی کا پتہ دیتے تھے اور تقویم زائچے مرتب کرتے تھے۔ عالمگیر بادشاہ نے تمام نجومیوں کو برخاست کر دیا اور دفتروں میں تقویم اور زائچہ رکھنے اور ان سے ساعت نکالنے کی ممانعت کر دی اہل دفتر نے عرض کیا کہ محرر تقویم کے ذریعہ شمسی مہینوں کا حساب رکھتے تھے۔ تقویم کے بغیر تنخواہوں کی برآوردوں کی اجرائی ممکن نہیں ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ بمصداق اس شعر کے ۔

لاولب لاولا لاشش ماست
لل کط وکط لل شہواکتہ است

شمسی مہینوں کا حساب کرتے رہیں۔ اس وقت سے محرران دفتر لاولب کے حساب سے جنتری بنا کر حساب کتاب کر رہے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ نجومی تقویم کے بجائے حسابی تقویم سے تحویل آفتاب کے حساب کا بالکل درست ہونا اور شمسی ماہ کی پہلی تاریخ میں کسی فرق کا نہ ہونا محال ہی ہے کیونکہ نجوم کے قاعدہ سے اگر آفتاب زوال کے وقت سے ایک لمحہ قبل بھی تحویل ہو جاتا ہے تو نجومی اس دن کو غرہ (پہلی تاریخ) قرار دیتے ہیں اور اگر زوال کے وقت کے بعد گھڑی کے عشر عشیر حصہ میں بھی آفتاب تحویل کر جاتے تو نجومی اس کو سلخ (مہینہ کا آخری دن) شمار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے حساب کی یہ باریکی منجموں کے استخراج کے بغیر جو ان کی تقویموں میں باقاعدہ درج رہتا ہے کسی اور طرح محفوظ نہیں رکھی جا سکتی بلکہ اس زمانہ کی نجومی تقویموں کا بھی اس معاملہ میں زیادہ اعتماد نہیں رہا ہے۔ کیونکہ راقم الحروف نے صوبہ دکن اور دارالخلافہ کی دیوانی کے دفتر دل اور معتمد امراء سے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ہر جگہ خود منجموں کے استخراج کے حساب سے دو تین دن سے لے کر دس دن تک کا فرق ہے جو ظاہر ہے ایک عرصہ گذرنے پر پیدا ہو گیا ہے۔ اگر نکتہ سنج محاسب جو شمسی و قمری ماہ و سال کا شمار جانتے ہوں کافی غور و خوض کر کے اس فرق کو حساب میں لے آئیں تو یقین مانئے ان منصب داروں کو جن کو بڑی

سرگردانی کے بعد برسوں میں جا کر تنخواہیں ملتی ہیں۔ ایک بڑی رقم ادا کرنی پڑ جائے گی اور پچھلا جو نقصان نکلے گا وہ الگ رہا۔

قاضیوں کا اثر و رسوخ

عالمگیر بادشاہ نے تمام امور ملکی اور جزئی و کلی مقدمات میں قاضیوں کو اتنے اختیارات دے دیئے کہ سلطنت کے صاحب مدار بڑے بڑے امراء بھی ان سے رشک و حسد کرنے لگے۔ ان میں سے قاضی عبدالوہاب احمد آبادی جو دربار کا قاضی القضاۃ تھا اس قدر با اختیار اور با رسوخ آدمی تھا کہ بڑے بڑے نامی گرامی امراء کو بھی اس کے سامنے اپنی آبرو بچانے کی فکر پڑ جاتی تھی۔

قاضی عبدالوہاب اور مہابت خاں ثانی

قاضی عبدالوہاب اور مہابت خاں ثانی کی باہم چشمک رہتی تھی۔ مہابت خاں برابر قاضی کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ قاضی کے خاندان کے ایک محرم راز ثقہ بھادی کی زبانی سننے میں آیا کہ جس زمانہ میں مہابت خاں دکن کی مہم پر مامور ہوا تھا اور حضور سے رخصت ہو کر شہر کے باہر چھاؤنی ڈال دی تھی اور وہاں کافی عرصہ تک ٹھیرا ہوا تھا اس نے بادشاہ کی مرضی سے ایک بھاری رقم کے لئے درخواست دے رکھی تھی۔ اسی اثناء میں اس کو خبر ملی کہ احمد آباد کے بیوپاریوں کا قافلہ مال تجارت کے ساتھ کشمیر اور اکبر آباد کا کوئی تین چار لاکھ روپیہ کا سامان اور جواہرات جو قاضی کی ملکیت تھے لے کر شہر سے نکلا ہے۔ مہابت خاں نے قافلہ کو روک کر تحقیق و تفتیش کی اور سارا مال واسباب بیوپاریوں سے چھین کر اسی دن فوج میں تقسیم کرا دیا جب بادشاہ کو اس کی رپورٹ ملی اور اس معاملہ کی تحقیقات عمل میں آئی تو مہابت خاں نے یہ پیغام بھجوا دیا کہ میں نے بڑے ہنگامی اور اضطراری حالات میں سوداگرے یہ مال قرض کے طور پر لے لیا ہے جسے میں قاضی کے حسب تجویز مع منافع ادا کردوں گا۔ قاضی کے لئے اس وقت بجز اغماض کے کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے خون کے گھونٹ پی کر بیٹھ گیا اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرسکا۔

اسی زمانہ میں ایک دن دکن کے خبر نویسوں کی رپورٹ سے بادشاہ کو سیوا کی تازہ شرارتوں اور فساد انگیزیوں کی خبر ملی تو مہابت خاں کے کوچ سے متعلق بات چھڑ گئی بادشاہ نے جعفر خاں اور مہابت خاں کو مخاطب کرکے فرمایا: "یہ کا فرہت پیر پھیلا تا جارہا

ہے اس کی سرکوبی نہایت ضروری ہے۔ مہابت خاں نے جواب میں التماس کی فوج اور لشکر کے تعین کی ضرورت نہیں۔ بس ہمارے قاضی جی کا اعلامیہ کافی ہو جائے گا۔ مہابت خاں نے یہ بات قاضی پر چوٹ کرنے کے لئے کہی تھی مگر بڑی بے محل تھی۔ اس لئے بادشاہ کو ناگوار گذرا۔ خلوت میں بادشاہ نے جعفر خاں سے فرمایا کہ مہابت خاں کو سمجھا دو، کہ برسر دربار ایسے لغو کلمات زبان پر نہ لایا کرے۔

سیوا کا پُراسرار سفر اور سُورت پر حملہ

پراسرار بیراگی اور سادھو

اب ہم اس مکار سیوا کا کچھ حال لکھتے ہیں کہ دربار سے بھاگنے کے بعد اس پر کیا گذری۔ جب وہ متھرا سے بھیس بدل کر داڑھی مونچھ منڈوا کر نکلا تو اس کے ساتھ خورد سال لڑکا سنبھا بھی تھا اور چالیس پچاس ہرکارے اور اس کے دوسرے آدمی بھی تھے۔ سب نے بھبوت مل رکھی تھی اور ہندو فقیروں کے بھیس میں کوئی بیراگی بن گیا تھا، تو کوئی سائیں اور کوئی آدا سی بنا ہوا تھا۔ سیوا کے پاس جو قیمتی جواہرات اشرفیاں اور ہون تھے اس کو دستی لاٹھیوں میں کھوکھلا کر کے چھپا دیا تھا۔ بعض چیزیں پرانے جوتوں میں سی کر رکھ لی تھیں۔ ایک قیمتی الماس اور یاقوت کے چند دانے موم میں لپیٹ کر ہرکاروں کے لباس میں سی دیا تھا اور چند ایک دانے اس کے ہمراہی اپنے منہ میں ہی چھپا کر رکھ لیتے تھے۔ اس وضع و انتظام سے وہ الہ آباد اور بنارس کے راستہ سفر کرتا رہا۔

سیوا اور اس کے ہمراہیوں کی گرفتاری

سیوا اور اس کے ساتھی تین ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر جب سفر کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے تو وہاں کے فوجدار علی قلی نے تینوں گروہوں کو گرفتار کر لیا اور ان کی تحقیق و تفتیش کا حکم دے دیا۔ دراصل فوجدار علی قلی کو دربار کے وکیل نے سیوا کے فرار کی رپورٹ لکھکر بھجوا دی تھی اس وقت تک شاہی گرزبردار اور احکام اس تک نہیں پہنچے تھے یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ بادشاہ نے گرزبرداروں کو مقرر کر دیا ہے۔ بہرحال اس اطلاع کی بنیاد پر اس کے آنے والے تمام مسافروں کو گرفتار کر لیا جس میں سیوا اور اس کے ساتھی

بھی تھے یہ سب مسافر ایک دن اور ایک رات قید میں رہے۔ دوسری رات دوپہر گذرنے پر سیوا خود تنہائی میں علی قلی فوج دار کے پاس پہنچا اور صاف صاف اقرار کر لیا کہ میں سیوا ہوں اور میرے پاس الماس اور یاقوت کے دو دانے ہیں جن کی قیمت ایک لاکھ روپیہ سے زاید ہے اگر تم مجھے قتل کردو گے یا زندہ گرفتار کرکے بھجوا دو گے تو یہ دو قیمتی پتھر تم کو نہیں مل سکیں گے۔ بہر حال میں حاضر ہوں، اچھا ہو تو میری گردن اڑا دو (اور اگر ایک لاکھ کا فائدہ منظور ہو تو) ہم پریشان حال مسافروں کو رہا کردو کہ اپنے راستے چلے جائیں۔ علی قلی لالچ میں آگیا اس نقد سودے کو اس نے آئندہ کی موہوم امید پر ترجیح دی اور اس سے وہ دونوں قیمتی پتھر لے لئے اور صبح کو ضابطہ کی کارروائی اور تفتیش کرنے کے بعد سب فقیروں اور مسافروں کو رہا کردیا۔ سیوا کو تو دوسری زندگی نصیب ہوئی۔ رہائی پاتے ہی وہ کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کی طرح بنارس کی طرف بھاگ نکلا۔

الہ آباد کا پروہت

سیوا تیز رفتاری کے ساتھ میلوں پیدل چلنے کا عادی تھا مگر ساتھ میں خوردسال بیٹا سبنھا بھی تھا جس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اب مزید اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ ناچار سیوا نے الہ آباد پہنچنے کے بعد اسے کیکاوس نامی برہمن کے پاس چھوڑ دیا جو اس کا موروثی پروہت تھا یعنے سیوا کے بزرگ کبھی بنارس آتے تھے تو اس برہمن یا اس کے بزرگوں کو انھوں نے اپنا پروہت بنایا تھا ہندوؤں میں یہ طریقہ ہے کہ معزز ہندو جب کسی مقام پر جاتے ہیں تو جو برہمن ان کی خدمت کرتا ہے اسے اپنی مہر سے تصدیق نامہ لکھ دیتے ہیں اور وہ ان کا خاندانی پروہت کہلاتا ہے کیکاس بھی سیوا کے خاندان کا اسی طرح کا پروہت تھا سیوا نے اسے ڈھونڈھ نکالا اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں سبنھا کو جواہرات اور اشرفیوں کے ساتھ اس کے حوالہ کردیا اور اسے تاکید کردی کہ "اگر میں زندہ رہا اور صحیح سلامت اپنے مقام پر پہنچ گیا تو میں تجھے خط لکھوں گا اس وقت تو سبنھا کو لے کر جس راستہ اور جس انتظام سے میں لکھوں گا سفر کرنا اور میرے پاس پہنچ جانا اپنے بیٹے کو میں نے تیرے اور خدا کے حوالہ کیا۔ یہ یاد رکھ کہ میرا خط آنے تک تو اپنی جگہ سے ہرگز حرکت نہ کرنا خواہ سبنھا ہی چلنے پر اصرار کرے یا اس کی ماں ہی لکھ کر بلا بھیجے" اس عہد و اقرار کے بعد سیوا نے اپنے قدیم قابل

اعتماد برہمن کو جس کے ذریعہ اس نے کیکاس کو ڈھونڈ نکالا تھا چند سال کا خرچ دے کر سبنھا کے ہمراہ چھوڑ دیا اور خود بنارس کے ارادہ سے روانہ ہوگیا۔

بنارس پہنچنے کے بعد غسل کرنے اور دوسری رسومات ادا کرنے کے لئے جو ہندوؤں کے ہاں مروج ہیں سیوا دریا پر گیا۔ ابھی وہ وہاں حجامت بنوانے اور اشنان کرنے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ ہر طرف سیوا کے فرار ہونے اور دربار سے بادشاہی گرزبرداروں کے بنارس پہنچنے کا چرچا ہونے لگا اور ہر طرف پکڑ دھکڑ کا ہنگامہ برپا ہوگیا مگر اس وقت تک گھاٹ پر اندھیرا تھا۔ اس لئے سیوا پر کسی کی نظر نہ پڑ سکی۔

بنارس کے گھاٹ پر

جس زمانہ میں راقم الحروف بندرگاہ سورت پر متعین تھا تو وہاں ایک زنار دار طبیب نے جس کا نام باجنا تھا بیان کیا کہ ہماری قوم کا یہ دستور رہا ہے کہ غریب اور بے سروسامان برہمن لڑکے علم نجوم، طبابت اور شاستر پڑھنے کے لئے بنارس چلے جاتے تھے اور وہاں کسی ایک برہمن کے شاگرد بن جاتے تھے اور علوم کی تحصیل کرتے رہتے تھے۔ خرچ اخراجات کی یہ صورت مقرر تھی کہ استاد شاگردوں کو صبح شام دریا کے گھاٹ پر بھیج دیتا تھا، تاکہ وہ ان لوگوں کو جو وہاں غسل کے لئے آتے تھے اشنان کرائیں اور ان کی حسب دستور خدمت انجام دیں۔ زائرین ان برہمن طالب علموں کو حسب استطاعت نذر نذرانہ دے جاتے تھے۔ شاگردوں کا فرض تھا کہ وہ جو کچھ نذرانوں میں ملے بلا تصرف و خیانت استاد کے پاس لا کر رکھ دیں۔ شاگردوں کی خوراک اور پوشاک کی ذمہ داری استاد پر ہوتی تھی کہ وہ اپنی وسعت و گنجائش کے لائق ان کی خبر گیری کرتا ہے۔ میں بھی اسی طرح بنارس گیا تھا اور وہاں ایک برہمن کی خدمت میں تین چار سال سے لگا ہوا تھا۔ دریا پر جو کچھ مجھے مل جاتا تھا وہ میں اپنے استاد کی خدمت میں لے جا کر رکھ دیتا تھا۔ مگر وہ مجھے بہت تنگ رکھتا تھا۔ خرچ اخراجات میں بڑی سختی برتتا تھا۔

ایک صبح جب کہ ابھی اندھیرا چھایا ہوا تھا، میں حسب معمول دریا پر پہنچا تھا کہ کسی شخص نے مٹھی بھر جواہرات اشرفیاں اور ہون میرے ہاتھ میں تھما دیں اور کہا بس اسے چھپا لو اور مجھے جلدی اشنان سے فارغ کرادو۔ میں نے سرسری نظر سے جو دیکھا تو مٹھی جواہرات اور اشرفیوں سے بھری ہوئی نظر آئی، میں خوشی سے بے خود ہوگیا جلدی

جلد ہی اس کی ڈاڑھی مونڈھی اور اسے غسل کرادیا ابھی میں اُس کی خدمت سے فارغ ہی ہوا تھا کہ پکڑ دھکڑ کی آوازیں اور سیوا کی تلاش میں گرزبرداروں کے پہنچنے کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ میں نے پھر کر جو دیکھا تو وہ شخص جس کی میں نے خدمت کی تھی۔ میرے سامنے سے غائب ہو چکا تھا۔ میں سمجھ تو گیا کہ وہی سیوا ہے۔ اب جو میں نے اپنی کمائی پر نظر ڈالی تو نو جواہرات، نو اشرفیاں اور نو سون تھے میں نے اس دولت کو پانے کے بعد استاد کی شکل تک نہیں دیکھی اور گھاٹ سے سیدھا سورت کی سمت روانہ ہوگیا۔ یہ حویلی اور ملکیت جو کچھ ہے وہ اسی رقم کی ہے جو اسی دن گھاٹ پر مجھے ملی تھی۔

سیوا حیدر آباد میں

مختصر یہ کہ سیوا بنارس سے بہار، پٹنہ اور چاندہ کی راہ روانہ ہوا وہ گھنے جنگلوں میں زمینداروں کی سرحد سرحد ہوتا ہوا دشوار گذار راستے سے سفر کرتا رہا جس علاقہ میں بھی پہنچتا تھا ایک نیا بھیس بدل لیتا تھا آخر وہ اس چکر دار راستے سے ہوتا ہوا عبداللہ قطب الملک کے پاس حیدرآباد جا پہنچا۔ اور وہاں عبداللہ قطب شاہ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بڑے سبز باغ دکھائے کہ قطب شاہی سلطنت کے جو چند سرحدی قلعے عادل شاہی بادشاہوں کے قبضہ میں چلے گئے ہیں اگر مجھے ایک فوج اور قلعہ گیری کا سامان فراہم کردیا جائے تو میں چند ہی دن میں ان کو فتح کرکے آپ کے مقررہ افسروں کے حوالہ کردوں گا اور ان کے ساتھ میں اپنے دو چند قلعے بھی فتح کرلوں گا جو عالمگیر بادشاہ کے تصرف میں ہیں اس کے بعد میں عمر بھر آپ کی اس مدد اور احسان کو نہیں بھولوں گا بلکہ آپ کا غلام اور حکم کا بندہ بن کر رہوں گا۔ اس بات پر اس نے بڑی قسمیں کھائیں اور اقرار و پیمان کئے۔ ویسے بھی قلعہ گیری میں اس کا بڑا شہرہ تھا عبداللہ قطب شاہ پر اس کی باتوں کا جادو چل گیا اور اس نے دوراندیشی اور تدبیر کو بالائے طاق رکھ کر حامی بھرلی اور ایک فوج مرتب کرکے قلعہ گیری کا سازوسامان مہیا کردیا اور فوج کے ساتھ اپنے چند قابل افسروں کو بھی متعین کردیا۔

سیوا کی مرہٹ واڑہ میں واپسی

سیوا یہ فوج لے کر گیا اور جیسا کہ کہا تھا اپنی مکاریوں حیلہ سازیوں سے مختصر مدت میں چند ایک قلعے فتح کرلئے جب بھی کوئی قلعہ فتح ہوتا وہ عبداللہ شاہ کے افسروں کو چرب زبانی سے یہ کہہ کر کہ آپ لوگ تو میری قوت بازو ہیں میں اس سے اچھا قلعہ آپ کے قبضہ میں دیدوں گا

دوسرے قلعہ پر رے کر چلا جاتا اور قلعہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے ان کو مالا مال کر دیتا۔ اس طرح اس نے ستارہ، پرناله اور دوسرے دس بارہ مشہور بیجا پوری قلعے مختصر سی مدت میں فتح کر لئے جن پر لاکھوں روپیہ خرچ کرکے برسوں میں بھی قبضہ کرنا مشکل تھا۔ ان کے بعد اس نے راج گڈھ وغیرہ پر قبضہ جما لیا جن کی چابیاں اس نے خود اپنے ہاتھ سے راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں کے سپرد کر دی تھیں۔ جب ان سب قلعوں پر قبضہ ہو گیا تو عبداللہ شاہ کے آدمیوں کو ایک دو قلعہ دے کر رخصت کر دیا۔ حیدر آباد کے لوگوں کی زبانی روایت کے مطابق سیوا ابوالحسن (تانا شاہ) کی حکومت کے پہلے یا دوسرے سال حیدر آباد آیا تھا اور ابوالحسن کو انہی باتوں سے ورغلا کر اس مہم کے لئے کمک حاصل کی تھی۔

سورت میں مرہٹوں کی لوٹ مار

قلعہ گیری کی اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد وہ پہلے کی طرح راج گڈھ کے قلعہ میں جم کر بیٹھ گیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں سیوا نے بندرگاہ سورت کو لوٹ لیا تھا اس وقت تک سورت کی شہر پناہ نہیں بنی تھی۔ وہاں سے وہ نقد رقم چاندی سونا اور کشمیر اور احمد آباد اور دوسرے شہروں کے کپڑے لوٹ کر اور کئی ہزار ہندو مردوں عورتوں اور باعزت مسلمانوں کو قید کرکے لے گیا۔ اس لوٹ میں اس بدبخت کافر کے ہاتھ کروڑوں روپیہ کی نقدی اور سامان ہاتھ آ گیا تھا۔ اس غارت گری کی اطلاع کے بعد ہی بادشاہ نے بندرگاہ سورت کے اطراف شہر پناہ اور فصیل تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا، اسی کی سرکوبی کے لئے دلیر خاں اور خان جہاں بہادر کو متعین کیا گیا۔

سمندر میں قلعہ بندی

کہتے ہیں سیوا نے دس بارہ ہزار کچھی اور عربی گھوڑے فراہم کرلئے تھے جہاں بھی وہ اپنی فوج لے کر جاتا اس کے بیشتر سوار اس کے بارگیر ہوتے تھے۔ پہلے اُس نے سمندر میں جن قلعوں کی بنیادیں رکھی تھیں۔ ان کو بھی اس نے تعمیر کرا دیا اور جنگی کشتیاں تیار کرا کے سمندر کی ناکہ بندی کر دی اور اب وہ ولایت اور کعبہ کو جانے والے جہازوں کو بھی لوٹنے لگا۔

راہیری کا کوہستانی قلعہ

جب راج گڑھ اور اس کے اطراف واکناف اُس نے اچھی طرح قابو پالیا تو اب اسے فکر ہوئی کہ اپنی رہائش کے لئے

راج گڑھ سے زیادہ دشوار گذار پہاڑ پر قلعہ تعمیر کرائے۔ آخر بڑی تلاش کے بعد اس نے کوہ راہیری کو منتخب کیا۔ جس کی بلندی دامن سے چوٹی تک تین کوس ہے وہاں سے سمندر کوئی چوبیس کوس پر ہے اور سمندر کی ایک کھاڑی کا فاصلہ وہاں سے سات کوس بتایا جاتا ہے۔ بندرگاہ سورت کو جانے والی سڑک خشکی کے راستہ سے دس بارہ کوس تھی۔ البتہ راج گڑھ وہاں سے چار پانچ منزل پر ہی ہے اور اس کے راستہ میں بہت ساری دشوار گذار اونچی اونچی پہاڑیاں حائل ہیں۔ پھر پانچ ماہ تک مسلسل وہاں بارش ہوتی رہتی ہے۔ اسس کوہستان کا تعلق نظام الملک کے کوکن سے تھا۔ غرض اس دشوار گذار پہاڑی پر اس نے ایک نہایت مضبوط قلعہ بنایا جس کے دروازے اور برج نہایت دشوار گذار اور پیچ دار تھے۔ قلعہ تیار ہو جانے کے بعد اس نے راج گڑھ کی رہائش ترک کر دی اور قلعہ راہیری کو اپنا مستقر اور جائے پناہ بنالیا۔ جب قلعہ تیار ہو گیا اور توپیں نصب کر دی گئیں تو تمام راستے بند کر کے صرف ایک دشوار گذار راستہ کو کھلا چھوڑ دیا اور ایک دن اپنی ساری جمعیت کو میدان میں اکٹھا کر کے اس نے ایک تھیلی بھر سونا اور طلائی کڑے اور سینکڑوں ہون سب کے سامنے رکھ دیئے اور یہ اعلان کیا کہ مقرر کردہ راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے جو شخص بھی زینہ اور کمند کی مدد کے بغیر جھنڈا لے کر قلعہ پر چڑھ جائے گا، اس کو یہ سارا مال بخش دیا جائے گا۔ دھیڑ قوم کا ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے عرض کیا اگر راجہ کا حکم ہو تو میں جھنڈے کو لے کر پہاڑ پر جاتا ہوں اور وہاں اسے نصب کر کے واپس آجاتا ہوں۔ چنانچہ اجازت ملنے پر وہ دھیڑ جھنڈا لے کر اوپر گیا اور وہاں اُسے نصب کر کے واپس آ گیا اور سیوا کو آداب بجالایا۔ سیوا نے حسب وعدہ سونے کی وہ تھیلی اور طلائی کڑہ اس کو دیدیا مگر حکم دیا کہ اس کا پاؤں جوڑ سے کاٹ دیا جائے اور جس راستہ سے وہ دھیڑ اوپر گیا تھا اُس کو بند کر دیا جائے۔

حبشی سردارِ وں کے ہاتھوں سیوا کی شکست

ڈنڈا راج پوری کا قلعہ جیسا کہ ہم بیان کر آتے ہیں پہلے راہیری کا تعلق حیدرآباد کے نظام الملکی کوکن سے تھا۔ بعد میں صاحب قران ثانی۔ شاہجہاں بادشاہ نے نظام الملک کے علاقہ پر اور بیجاپور کے بعض تعلقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد عادل شاہ پر مہربان ہو کر بیجاپور کے نو مقبوضہ علاقوں کے عوض کوکن کا علاقہ عادل شاہ کو مرحمت کر دیا تھا۔ عادل شاہ کی طرف سے فتح خاں نامی ایک پٹھان سردار کوکن کے اس ضلع پر حاکم تھا اس کا حاکم نشین مقام قلعہ ڈنڈا راج پوری تھا جو نصف تو سمندر میں تھا اور نصف خشکی پر۔ مذکورہ قلعہ سے ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پر سمندر میں ایک جزیرہ تھا اس پر بھی ایک انتہائی مضبوط قلعہ بنا ہوا تھا جسے قلعہ جزیرہ کہتے تھے۔ جب بھی اس نواح میں کوئی دشمن حملہ آور ہوتا تو حسب ضرورت فوج دار اس قلعہ جزیرہ میں پناہ لے لیتا تھا۔ جب سیوا نے راہیری کو جہاں سے ڈنڈا راج پوری بیس کوس پر تھا۔ اپنا مرکز اور مامن بنا لیا اور اطراف و اکناف کے سات اور چھوٹے بڑے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا تو اس کی نظریں ڈنڈا راج پوری پر پڑنے لگیں۔ سیوا کی قوت اور غلبہ کو دیکھ کر کہ تمام قلعے اس کے قبضہ میں جا چکے تھے فتح خاں ڈنڈا راج پوری کو چھوڑ کر سمندر کے اندر قلعہ جزیرہ میں جا کر ٹھہر گیا۔ سیوا نے قلعۂ جزیرہ کو بھی فتح کر لینے کے لئے بڑا زور مارا اور فتح خاں بھی اس قدر تنگ آ چکا تھا کہ اس نے تقریباً فیصلہ کر لیا تھا کہ امان اور قول پر جزیرہ کو بھی دشمن کے حوالہ کر دے اور اپنی جان بچا لے جائے۔

حبشی غلاموں کا اقتدار فتح خاں کے تین غلام اس کے ساتھ تھے ایک کا نام سیدی سنبل تھا، دوسرے کا سیدی یاقوت اور تیسرا سیدی خیریت تھا

ان تینوں میں سے ہر ایک کے ماتحت ان کے تربیت کردہ دس دس حبشی غلام تھے جو باقاعدہ سپاہی تھے۔ جزیرہ کا اور فتح خاں کے گھر بار کا سارا انتظام ان ہی تینوں غلاموں کے ہاتھ میں تھا جب ان تینوں حبشی غلاموں نے دیکھا کہ دشمن غالب آتا جا رہا ہے اور فتح خاں نے قلعہ جزیرہ کو اس کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپس میں مشورہ کرکے انھوں نے سوچا کہ کافروں کے قبضہ میں قلعہ کے چلے جانے کے بعد نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم فتح خاں کو گرفتار کرکے قید کر دیں اور اس کی جگہ سیدی سنبل کو سردار مان کر حکومت کی گدی پر بٹھا دیں۔ چنانچہ سن چودہ جلوس (عالمگیری) میں ان حبشیوں نے فتح خاں کو غفلت میں گرفتار کرکے زنجیروں سے مقید کر دیا اور عادل شاہ بیجاپوری اور صوبہ دار دکن کو اپنی کارگزاری کی اطلاع بھجوا دی اور خان جہاں سے درخواست کی کہ ان کو بادشاہ کی ملازمت میں داخل کر لیا جائے اور بندرگاہ سورت سے سمندر کے راستہ ان کے لئے مدد بھجوائی جائے۔ خان جہاں نے عنایت آمیز جواب لکھا اور نقد پانچ ہزار روپیہ مدد کے لئے بھجوایا اور بندرگاہ سورت کے نواح میں ایک سیر حاصل جاگیر بھی عطا کی اور اطلاع دی کہ اس نے بادشاہ کے پاس سیدی سنبل کے لئے چار صدی دو سو سوار اور سیدی یاقوت کے لئے تین صدی سو سوار اور سیدی خیریت کے لئے دو صدی سو سوار کے مناصب کی سفارش اور تجویز بھجوا دی ہے۔ منصب، خلعت اور نقد روپیہ پہنچنے سے سیدی سنبل کی ہمت بندھ گئی اور اس نے ان تمام ناکارہ کشتیوں کو جو قلعہ کے گھاٹ پر مرمت طلب پڑی ہوئی تھیں درست کرا لیا اور مزید جنگی کشتیوں کی فراہمی کا بھی انتظام کر لیا اور انتظامات کے بعد اس نے قلعہ دنداراج پوری کی کشتیوں پر حملہ کرکے ان کو مع غلاموں اور سپاہیوں کے جن کی تعداد دو سو تھی گرفتار کر لیا۔ اسیروں میں ایک سو مرہٹے تھے جو سیوا کی طرف سے ابھی ابھی مقرر کئے گئے تھے سیدی سنبل نے ان کے پاؤں میں پتھر بندھوا کر سمندر میں غرق کرا دیا۔

سیوا سے حبشیوں کی بحری جنگ

اس دن سے حبشیوں اور سیوا کے درمیان بڑی شدید دشمنی اور عداوت پیدا ہو گئی۔ سیوا نے قلابہ اور گندیری کے سمندری قلعوں کو جو اس کے اپنے تعمیر کردہ تھے مستحکم کرکے چالیس پچاس جنگی کشتیوں کا بیڑہ تیار کیا اور قلعہ جزیرہ پر قبضہ کرنے اور ان بہادر حبشیوں کو گرفتار کرنے کی

سعی کرنے لگا۔ اس دوران میں دونوں فریقوں کے درمیان بحری جھڑپیں ہوتی رہیں جن میں اکثر حبشی ہی غالب اور فاتح رہے۔ یہاں تک کہ سیدی سنبل تو صدی منصب پر ترقی کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ مرتے وقت اس نے اپنا قائم مقام سیدی یاقوت کو بنا دیا اور دوسرے حبشیوں کو اس کی اطاعت اور رفاقت کی وصیت کی۔

سیدی یاقوت کا غلبہ

سیدی یاقوت اپنی قوم میں بلحاظ شجاعت اور رعیت پروری ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور آبادکاری منصوبہ بندی کی بھی اس میں بڑی لیاقت تھی۔ جزیرہ کی حکومت کو سنبھالنے کے بعد اس نے پہلے سے زیادہ بہتر طریقہ پر جنگی بیڑہ تیار کرایا قلعہ کے برج اور فصیل کو مستحکم کیا اور پوری طرح مسلح ہو کر سوہ رات دن سمندر کی طلایہ گردی اور دشمن سے مقابلہ کی تیاریاں کرتا رہا۔ اس کی فوجی کارروائیوں سے سیوا ایسا پریشان اور معروف رہا کہ ضروریات کے لئے جاتے وقت یا خلوت میں عورتوں کے ساتھ رہتے ہوتے بھی وہ اپنی کمر سے ہتھیار نہیں کھولتا تھا۔ سیدی یاقوت نے سیوا کے جنگی بیڑہ پر کئی ایک زبردست حملے کئے اور اس کی بہت سی کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور مرہٹوں کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر کے ان کے سر بندرگاہ سورت میں بھجوا دیئے۔ وہ اپنی کارکردگی کی تفصیلات برابر خان جہاں کو لکھتا رہتا تھا اور برابر اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ قلعہ ونداراج پوری کو ملعون سیوا کے قبضہ سے نکال لے۔ چنانچہ اس نے ہوائی توپیں تیار کرائیں اور ان کو اونچے درختوں پر نصب کرا دیا۔ ان توپوں سے رات کے وقت ونداراجپوری پر گولہ باری کی جاتی تھی۔ اسی طرح سیوا ابھی قلعہ اجزیرہ کو فتح کر لینے کی تدبیروں میں لگا ہوا تھا۔

یاقوت کا مرہٹوں پر فیصلہ کن حملہ

آخر کار سیوا نے قلعۂ جزیرہ پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے اپنے بڑے بڑے سرداروں کو جو قلعہ کشائی کے فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ قلعۂ ونداراج پوری میں جمع کیا اور ان کو ایک من سونا اور دوسرا ساز و سامان انعام میں مقرر کر کے اس مہم پر مامور کر دیا۔ اس انتظام کے بعد سیوا قلعۂ راہیری سے تین کوس کے فاصلہ پر اپنا مرکز قائم کر کے جزیرہ پر زبردست حملہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ انہی دنوں ہولی کا تہوار آ گیا اور ونداراج پوری میں مرہٹوں نے بڑے اہتمام سے یہ تہوار منایا مگر اس رات جب کہ یہ لوگ ہولی کھیل کر اور

شراب پی کر مست پڑے ہوئے تھے۔ اچانک سمندر کی طرف سے قلعہ ڈنڈا پر زبردست یلغار اور حملہ ہو گیا۔ سیدی یاقوت نے سیوا کے متوقع حملے سے پہلے ہی ڈنڈا راج پوری پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس نے سیدی خیریت کو چار پانچ سو کی جمعیت اور قلعہ گیری کا ساز و سامان دے کر خشکی کی طرف سے حملہ کرنے کے لئے متعین کر دیا اور خود ہتھیار بند چالیس پچاس جنگی کشتیوں کا بیڑہ لے کر سمندر کے راستہ قلعہ ڈنڈا کے نیچے پہنچ گیا۔ حملہ کے مقررہ وقت کے بارے میں سیدی یاقوت اور سیدی خیریت نے خاص اشارہ مقرر کر لیا تھا چنانچہ یاقوت کی طرف سے اشارہ ملتے ہی سیدی خیریت نے خشکی کی طرف سے قلعہ پر پہلا حملہ کر دیا۔ بے وقوف مرہٹے تمام کے تمام سمندر کی سمت کو چھوڑ کر اس طرف دوڑ پڑے، یاقوت کی کامیابی اسی چال میں تھی۔ چنانچہ جیسے ہی مرہٹے خیریت کی طرف متوجہ ہوئے، یاقوت کی جمعیت نے بڑی تیزی اور برق رفتاری سے زینے لگا کر قلعہ پر چڑھائی کر دی، اس کوشش میں اس کے بعض آدمی سمندر میں گر کر جاں بحق ہو گئے بعض کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر سیدی یاقوت اپنے بہادر ساتھیوں کو لئے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اور قتل و خون کا بازار گرم کر دیا۔ عین اس وقت ایک اور حادثہ بھی پیش آیا۔ اس وقت یاقوت کے آدمی قلعہ کے بارود خانہ تک، پہنچ گئے تھے وہاں چند آدمی اپنے سردار کے ساتھ بارود خانہ کھول کر بارود اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر رہے تھے اس وقت کسی کے ہاتھ سے آگ کی چنگاری بارود میں گر پڑی بس ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ دھماکہ کے ساتھ ہی بارود خانہ اڑ گیا اور ایک بڑی تعداد جو پروانہ وار جمع ہو گئی تھی مع اپنے سردار کے ہلاک ہو گئی۔ سیدی یاقوت کے بھی دس بارہ ہمراہی اس حادثہ میں شہید ہو گئے اس وقت سارا قلعہ دھواں دھار ہو گیا تھا اور دھماکے کی آواز اور زخمیوں کی چیخ پکار سے قیامت کا شور بپا ہوا تھا، اس ہنگامہ میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اپنے پرائے کو پہچاننا مشکل ہو گیا تھا اس وقت سیدی یاقوت جو اس دن بال بال بچا ہوا تھا "خسو خسو" پکارتا ہوا اپنے ہمراہیوں کو اطمینان دلا رہا تھا کہ مطمئن رہو میں زندہ اور سلامت ہوں۔ واضح رہے "خسو خسو" سیدی یاقوت کا تکیہ کلام تھا، جسے سن کر دوست مطمئن ہو جاتے تھے اور مرہٹوں کی روح فنا ہو جاتی تھی، اس ہنگامہ میں یاقوت کے "خسو خسو" نے بڑا کام کیا اور اس کے آدمی اس کے اطراف جمع ہو گئے اور پھر جو انھوں نے بدحواس مرہٹوں کو گھیر گھیر کر مارا ہے تو سارا قلعہ لالہ زار بن گیا۔ اسی اثناء میں خشکی کی طرف سے سیدی خیریت بھی زینے سے کمند لگا کر قلعہ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے

سواحل کے مرہٹوں کو اس قدر مارا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ غرض بہادر حبشیوں نے حسن تدبیر اور جرأت و بہادری سے سیوا کی اس بڑی جمعیت کو تہ تیغ کر کے قلعہ دنڈا راج پوری کو فتح کر لیا۔

ساحلی قلعوں پر یاقوت کا قبضہ

راقم اوراق ایک عرصہ تک اس ساحلی ضلع پر متعین رہا ہے۔ اس نے وہاں اپنے قیام کے دوران میں اس مہم کی تفصیلات سنی تھیں۔ وہاں کے لوگوں نے اور خود یاقوت خاں نے بیان کیا کہ جس وقت قلعہ کے بارود خانہ کی چھت متعینہ مرہٹوں سمیت دھماکہ سے اڑی ہے تو سیوا قلعہ سے بیس کوس کے فاصلہ پر تھا اور سو رہا تھا دھماکہ کی آواز سے وہ چونک کر اٹھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "دنڈا راجپوری پر کوئی آفت نازل ہوئی ہے" پھر اس نے تیز رفتار ہرکارے اور جاسوس خبر لانے کے لئے دوڑائے جنھوں نے واپس آکر اسے قلعہ کے فتح ہو جانے کی خبر دی۔

دنڈا راجپوری کے اطراف چار پانچ کوس کے اندر نظام الملک کے بنائے ہوئے چھ سات قلعے اور بھی تھے ان سب پر سیوا نے قبضہ کر رکھا تھا اس وقت چونکہ سیوا کا لشکر اور اس کی ذاتی فوج بندرگاہ سورت کی طرف لوٹ مار کے لئے گئی ہوئی تھی اس لئے وہ ان قلعوں پر کمک نہیں پہنچا سکا ادھر یاقوت نے وقت ضائع نہیں کیا اور اس نے دنڈا کی فتح کے بعد ہی ان قلعوں پر فوج کشی کر دی جب حبشیوں کی فتح اور غلبہ کی خبر اس علاقہ میں پھیلی تو مرہٹوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ہر طرف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور چھ قلعوں کے قلعداروں نے دو تین دن محصور رہنے کے بعد امان طلب کر کے قلعوں کو یاقوت کے حوالہ کر دیا۔ البتہ ایک قلعدار سیوا کی کمک کے پہنچنے کی توقع پر ایک ہفتہ تک لڑتا رہا اس نے حبشیوں کے مورچے پر بھی حملہ کیا مگر یاقوت کی فوج نے ہوائی توپیں لگا کر ایسی شدید گولہ باری کی اور قلعہ گیری کے دوسرے ذرائع استعمال کئے کہ وہ عاجز آگیا اور امان طلب کر کے قلعہ سپرد کر دیا۔ امان کے بعد قلعہ سے سات سو آدمی برآمد ہوئے تھے ان میں سے جو چھوٹے بچے اور خوبصورت عورتیں تھیں سیدی یاقوت (کے آدمیوں) نے ان کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لیا اور مسلمان بنالیا بدشکل اور بوڑھی عورتوں کو آزاد کر دیا اور باقی آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس دن سے سیوا کے کافروں کے دل پر حبشیوں کا ایسا رعب طاری ہوا کہ انھوں نے بصرف قلعہ راہیری

پر قناعت کرلی اور پھر کبھی ان کو کسی دوسرے قلعہ پر فوج کشی کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس کامیابی کے بعد سیدی یاقوت نے ونداراج پوری کی فتح کی تفصیلات صوبہ دار دکن شاہزادہ محمد معظم کے پاس اور خان جہاں بہادر کے پاس لکھ کر بھجوائی اس کارنامہ پر اسے منصب میں اضافہ خلعت اور اس کے اور سیدی خیریت کے لئے خان کا خطاب مرحمت کیا گیا ان بہادر حبشیوں کے اور بھی کارنامے ہیں جن کو ہم آگے مناسب موقع پر بیان کریں گے۔

سبنھا کی الہ آباد سے واپسی

یاد ہو گا سیوا نے دربار سے فرار ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سبنھا کو الہ آباد میں کیکاؤس زنار دار کے پاس چھوڑ دیا تھا جب سیوا نے واپس آنے کے بعد دوبارہ اپنے قدم جما لئے اور اسے قدرے اطمینان ہو گیا تو اس نے سبنھا کو واپس بلانے کی فکر کی اور کیکاؤس سے کہلوا کر اپنے نام اُن کی طرف سے ایک خط لکھوایا جس میں سبنھا کے مرنے کی خبر درج تھی۔ اس خط کے آنے پر اس نے اپنے بیٹے کے مرنے کا اعلان کرایا اور اس کا ماتم کرنے لگا۔ اطراف کے زمینداروں نے اور دکن میں متعینہ بعض بادشاہی امیروں اور راجپوت سرداروں نے بھی جو سیوا سے خفیہ مراسلت کرتے رہتے تھے اس کے پاس بیٹے کا پرسہ لکھ کر بھیجا۔ سیوا کے گھر والے بھی اس خبر کو صحیح سمجھ رہے تھے چنانچہ سبنھا کی بیوی جو بالغ ہو چکی تھی ستی ہونے کے لئے تیار ہو گئی تھی مگر سیوا نے منت اور اصرار کر کے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا اور میت کی ساری رسومات سرانجام دیں۔ بندرگاہ سورت کے واقعہ نگاروں اور خبر نویسوں کی رپورٹ سے جب بادشاہ کو سبنھا کے مرنے کی خبر ملی تو بادشاہ نے کہا "خس کم جہاں پاک"۔ جب اس بات پر چار پانچ ماہ گذر گئے تو سبنھا کیکاؤس برہمن کے ساتھ الہ آباد سے سیوا کے پاس پہنچ گیا اور سیوا نے بیٹے کے صحیح سلامت آنے پر شادیانے بجوائے۔ جب سیوا کی بیوی اور اس کے عزیزوں نے اس خبر بد کو شہرت دینے کے متعلق اس سے باز پرس کی تو اس نے کہا "اگر میں اس کی موت کو شہرت دے کر بادشاہ کو غافل کر دیتا تو بادشاہی علاقہ میں سبنھا کی تلاش کی سرگرمیاں ختم نہ ہوتیں اور اس دو ماہہ راستہ سے سبنھا کا سرکار کی ناکہ بندی سے بچ کر پہنچ جانا ممکن نہ ہوتا۔

اب ہم اس جنبی کا فر کے ذکر کو اور کوکن میں حبشیوں کے بہادرانہ کارناموں کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں اور دربار کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

کابُل کے افغان قبیلوں کی شورش

عہد عالمگیر کا قانون محاصل

بادشاہ عالمگیر نے پوری قلمرو ہندوستان میں مسلمانوں کے مال تجارت پر یک سر محصول کی معافی دیدی تھی۔ چند دن بعد دیوانی کے حکام اور علماء و فقہا کی تجویز پر بادشاہ نے قانون محاصل میں یہ ترمیم کی کہ ہر اس مال پر جس کی قیمت حدِ نصاب سے متجاوز نہ ہوتی ہو مسلمانوں کے لئے اس کا محصول معاف ہوگا اگر تاجروں کا مال اس حد سے زائد ہو تو اس کا محصول وصول کیا جائے گا۔ البتہ جو مال اس حد کے تحت آتا ہے اس کا قطعاً محصول وصول نہ کیا جائے گا۔ اس قانون کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد دیوانی کے افسروں نے رپورٹ دی کہ مسلمان تاجر محصول سے بچنے کے لئے پورا مال اکٹھا نہیں لاتے بلکہ تھوڑا تھوڑا لاکر فروخت کرتے ہیں اور ہندوؤں کا مال بھی اپنے نام سے لکھا کر محصول سے بچا لیتے ہیں اس طرح زکوٰۃ کی رقم بھی جو شرعاً عام مخلوق کا حق ہے ضائع ہو رہی ہے۔ اس رپورٹ پر بادشاہ نے حکم دیا کہ حسب سابق شرعی حساب سے مسلمانوں کے مال پر ڈھائی روپیہ فی صد اور ہندوؤں کے مال پہ پانچ روپیہ فی صد محصول لیا جائے۔

یوسف زئی افغانوں کی شورش

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کابل میں سید میر خاں کی صوبیداری کے وقت یوسف زئی افغانوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ ان دنوں آغر خاں زیر عتاب تھا کیونکہ وہ خان خاناں میر جملہ کے پاس سے اس کے خلاف مرضی چلا آیا تھا۔ بادشاہ نے اس کی شجاعت اور ذاتی جوہر کا لحاظ کرتے ہوئے دوبارہ اپنی عنایات سے اسے نوازا اور صوبہ کابل کی کمک پر اسے متعین کر کے بھیج دیا۔ آغر خاں نے پشاور پہنچنے کے بعد بڑی مردانہ وار لڑائیاں لڑیں اور افغانوں کی کھوپریوں کے مینار کھڑے کر دیئے۔ بعد میں جب مہابت خاں کابل کا صوبہ دار بن کر آیا تو آغر خاں نے اس کے ساتھ بھی بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے پھر جب مہابت خاں کا تبادلہ ہو گیا اور اس کی جگہ میر جملہ مرحوم کا بیٹا محمد امین خاں کابل کی صوبہ داری پر مقرر ہوا تو بادشاہ نے مہابت خاں کے ساتھ آغر خاں کو دکن کی امدادی فوجوں پر متعین کر کے بھیج دیا۔ کیونکہ وہاں سے

سیوا کے فتنہ و شورش کی مسلسل خبریں دربار میں پہنچ رہی تھیں۔ مہابت خاں نے دکن میں پہنچنے کے بعد نمایاں کارگزاری دکھائی اور کافروں کے دماغ درست کر دیئے۔ انہی معرکوں میں قلعۂ پھول پٹنہ کی جنگ میں آغر خاں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ خان جہاں کوکلتاش کے ہمراہ پھر شیردل دلیر خاں کی ہراولی میں دشمنوں کے خلاف برسرپیکار رہا اگر ہم اس کے کارناموں کی تفصیل بیان کریں گے تو بڑی طوالت ہوگی البتہ ان معرکوں میں سے ہم ایک لڑائی کا ذکر کریں گے جو دلیر خاں اور مرہٹوں کے درمیان ہوئی تھی۔

مرہٹوں سے ایک یادگار جنگ

مرہٹہ قوم کے لڑنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مقابلہ میں پہلے تھوڑی سی فوج لے کر آتے تھے اور ہزیمت کھا کر جنگلوں اور دشوار گذار پہاڑی ندی نالوں کی طرف پسپا ہو جاتے تھے اور جب مقابل فوج ان کے تعاقب میں وہاں پہنچ جاتی تو پھر اطراف واکناف سے ٹڈی دل کی طرح نکل کر اسے گھیر لیتے اور پریشان کر دیتے تھے دلیر خاں کی سرکردگی میں جب بادشاہی لشکر نے پیش قدمی کی تو حسب دستور مرہٹے صرف چار پانچ سو کی جمعیت لے کر سامنے آئے۔ اس دن اتفاق سے آغر خاں کے ہراول میں بھی بہت کم سوار تھے۔ مرہٹوں کے نمودار ہوتے ہی آغر خاں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو شکست دے کر بھگا دیا اور برابر ان کے تعاقب میں لگا رہا جب مرہٹے مغل فوج کے ہراول کو تین چار کوس تک اپنے علاقہ میں لگا لائے تو غنیم کے تقریباً سات آٹھ ہزار سوار اطراف سے نکل آئے اور یک بارگی آغر خاں پر حملہ کر دیا۔ آغر خاں نے ان کی کثرت کا کوئی خیال نہیں کیا اور شیرانہ وار ان پر حملہ کر دیا اور اس طرح ٹوٹ کر اس نے ان سے جنگ کی کہ مرہٹوں کو لینے کے دینے پڑ گئے مرہٹوں کے دو تین نامی گرامی سردار جو مشہور راؤتے تھے اور شمشیر افگنی اور بہادری میں خود کو بڑا جواں مرد سمجھتے تھے اور خود آغر خاں اور اس کے بھائی کے مقابلہ پر آکر دادِ مردانگی دے رہے تھے آغر خاں کے ہاتھ سے مارے گئے ان کے گرتے ہی مرہٹہ فوج کے قدم اکھڑ گئے اور دشمن کو بڑی بھاری شکست اٹھانی پڑی۔ اسی اثنا میں دلیر خاں بھی دشمن کی کثرت و یلغار کی خبر سن کر مدد پر پہنچ گیا تھا اس نے اس مردانگی پر آغر خاں کی بڑی تعریف کی جیسا کہ "آغر نامہ" میں اس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے ؎

ہر یک از یشاں ہزاراں غنیم — مقابل شدند و شدند دو نیم
چناں کشتہ شد از عدو بے حساب — ندید نے زمیں پہ تو آفتاب

چو دشمن بگردید عاجز ز جنگ — براہ گریز آمدہ بید رنگ
دلیر خاں رسید از قفا آں زماں — بکرد آفریں بر جہاں پہلواں

اس معرکہ میں دشمن کے دو جھنڈے اور بہت سے چتر ہاتھ آگئے اس کے بعد ان بہادروں نے سیوا کے مرکزی شہر پونا تک فوج کشی کی اور بے شمار مال غنیمت پر قبضہ کر لیا جس کو اکٹھا کرنا تک محال ہو رہا تھا۔ مرہٹوں کے وہ دو جھنڈے جو آغرخاں نے اس معرکہ میں سیوا کے سرداروں سے چھینے تھے اب تک آغرخاں کے بیٹے آغرخاں ثانی نے اپنے باپ کی فتوحات کی یادگار میں سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔

امین خاں کی شکست

بادشاہ کو اطلاع ملی کہ پشاور اور کابل کے درمیان منزل غریب خانہ پر کابل کے صوبہ دار محمد امین خاں کا مقابلہ افغان ایمل خاں اور دوسرے پٹھانوں سے ہوا جو وہاں مور و ملخ کی طرح جمع ہو گئے تھے۔ اس خوں ریز معرکہ میں بڑی سخت لڑائی کے بعد بادشاہی فوج کو ہزیمت ہوئی محمد امین خاں کا بیٹا، داماد اور دوسرے بہترین ہمراہی کام آگئے اور امین خاں کا تمام بہیر خزانہ ہاتھی اور مال و اسباب تباہ و تاراج ہو گیا۔ اور سرداروں کے اہل و عیال اور خانہ زادے افغانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے محمد امین خاں بڑی سعی و جہد کے بعد اس تہلکہ سے اپنی جان بچا کر نکل سکا۔ محمد امین خاں کی عورتیں بھی افغانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئیں۔ محمد امین خاں بڑی سعی و جہد کے بعد اس تہلکہ سے اپنی جان بچا کر نکل سکا۔ محمد امین خاں کی عورتیں بھی افغانوں کے ہاتھ پڑ گئی تھیں اس کی خورد سال لڑکی کو پٹھانوں نے بعض عورتوں کے ہمراہ بڑی بھاری رقم لے کر واپس کیا۔ کہتے ہیں افغانوں سے صلح ہو جانے کے بعد محمد امین خاں کی والدہ اپنی خورد سال بیٹی کے ساتھ ان کی قید سے چھوٹ کر آئی تھی مگر اس کی بیوی نے غیرت و شرمندگی کے مارے شوہر کے پاس واپس آنے سے انکار کر دیا اور اسی جگہ سادہ لباس اور فقیرانہ کرتی پہن کر عبادت ریاضت میں مصروف ہو گئی۔ اس فتح کے بعد ایمل خاں نے بڑا زور باندھا یہاں تک کہ خطبہ و سکہ اپنے نام کا کر کے وہ اس کوہستان میں ایمل شاہ کے نام سے بادشاہ بن بیٹھا۔ بادشاہ کو ان اطلاعات سے بڑا ملال ہوا آخر جلوس کے سولھویں سال کے آخر میں خود بادشاہ نے کابل کا رخ کیا اور دکن سے آغرخاں کی طلبی کے احکام صادر فرما دیئے اور صوبہ کابل پر فدائی خاں کوکہ کو متعین کر دیا۔

حاکم بصرہ کی آمد

انہی دنوں بصرہ کا حاکم اسلام خاں رومیؒ جسے وہاں کی اصطلاح میں "پاشا" کہتے ہیں ہندوستان آیا۔ اس کی آمد کا سبب یہ تھا کہ عزیز رشتہ داروں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں اس کی موروثی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا تھا اور اس نزاع کا یہ انجام ہوا کہ اس نے شہر کے محلوں اور قریوں میں آگ لگادی اور بے شمار اکابر و شرفا کے گھروں کو جلادیا اور خود سورت کی بندرگاہ کے راستہ سے ہندوستان آگیا۔ بادشاہ نے اسے پانچ ہزاری چار ہزار سوار کا منصب نقارہ اور ہندوستان کے دوسرے امیرانہ لوازمات عطا کئے اور دکن کی مہم پر خان جہاں بہادر اور دلیر خاں کے ہمراہ بھیج دیا۔ اسی سال بہلول خاں بیجاپوری سے بڑی سخت جنگ ہوئی تھی جس کا ذکر ہم آگے بیان کریں گے۔

جعفر خاں وزیر کا انتقال

اسی سال جعفر خاں وزیر کا انتقال ہوگیا۔ؒ امرائے متاخرین میں اس جیسے خوش وضع مزاج منش امیر کم ہی گذرے ہیں۔ جعفر خاں بڑا ہی باذوق کھانوں اور خوشبوؤں کا شائق امیر تھا۔ کہتے ہیں ایک دن کوئی کا تربوز کہ اس سے بہتر تربوز ہندوستان بھر میں نہیں ہوتا جعفر خاں کے پاس آیا تھا۔ تربوز کاٹ کر حاضرین مجلس کو دیا گیا اور خود بھی تھوڑا سا کھایا۔ سب لوگ تربوز کی تعریف کرنے لگے۔ جعفر خاں نے کہا بلاشبہ مٹھاس اور شادابی میں اس کی مثال نہیں اور اس سے بڑا تربوز دیکھا نہیں گیا۔ مگر اس میں بس ایک عیب ہے کہ کھاتے ہوئے اس سے مچھلی کی بو سی آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ کوکن میں جس زمین میں تربوز بوتے جاتے ہیں اس میں مچھلی کی بھوسی کوٹی میں ملا کر کھاد کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اسی مچھلی کی کھاد کی وجہ سے تربوز کا کھیت اتنا پھلتا پھولتا ہے۔

لہ۔ "تذکرہ السلاطین" کے مصنف نے سن ۱۳ جلوس م ۱۰۷۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حسین پاشا ماہ صفر ۱۰۸۰ھ میں اکبرآباد میں حاضر خدمت ہوا تھا اور اسے اسلام خاں کا خطاب عطا ہوا تھا۔

سلہ۔ تذکرہ سلاطین کے مصنف نے جعفر خاں کی وفات کا سن جلوس کے تیرھویں سال میں ۱۰۸۰ھ کے اواخر میں لکھا ہے۔

قاضی ابوالفتح صوبہ مالوہ کے مقام دہار میں قاضی تھا اور وہ واقعی اس زمانے کا نہایت نیک نام متدین اور صاحب کمال آدمی تھا۔ اس نے خود مجھ سے جعفر خان کے متعلق ایک واقعہ بتایا تھا۔ قاضی کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ مجھے جعفر خان کے پاس حاضر ہونے کا موقع ملا تھا میں نے سن رکھا تھا کہ وہ قیمتی سفید رنگ کے کپڑے کو بہت پسند تا ہے چنانچہ میں اس کے پاس تحفہ لے جانے کے لئے نہایت باریک فرمائشی سوت اور دھاگہ بڑی کوششوں سے اہم کیا اور باقدروں کو دیا کہ وہ اس کا بھیرون کا جامہ دار بنا دیں۔ یہاں یہ کپڑا بہت اچھا بنتے اور اسے امراء کے لئے تحفے میں بھیجا جاتا تھا۔ میں نے اپنی نگرانی میں اس کے نو تھان تیار کرائے اور اسے دھلوا کر اپنے ساتھ لیتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے بادشاہی ہزاروں سے چالیس سے پچاس روپیہ دام کا سادہ سفید جامہ دار لے کر اس سے مقابلہ تو معلوم ہوا اس کی بنائی ان سب سے عمدہ تھی۔ ہر طرح خاطر جمع ہو کر میں یہ کپڑا نذر دینے کی غرض سے لے پہنچا۔ پیشی کے وقت نذرانہ کی فہرست بنائی گئی تو لکھنے والے نے بس سفید کپڑے کے نو تھان لکھ دیئے۔ اس کی ئی کی وضاحت نہیں کی۔ اس لیئے میں ایک تھان اٹھا کر خود جعفر خان کے پاس چلا گیا وہ سفید پوشاک پہنا کرتا تھا میرے ہاتھ میں سفید کپڑا دیکھا تو بڑی رغبت سے اپنے پاس بلا لیا اور اس کا ایک پرت چٹکی سے پکڑ کر اٹھایا اور قدرے ناگواری کے ساتھ کہا "قاضی یہ کپڑا موٹا دکھائی دیتا ہے اس کو کہاں استعمال کیا جائے" اس کے جواب میں میری زبان سے بس یہ نکلا۔ "حضور میں یہ سفید و عریض کپڑا یہ سوچ کر لے آیا کہ اس کی چاندنیاں بچھ جائیں" "۔" یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس کی اسی وقت چاندنیاں بنا دی جائیں"

جعفر خان کی جگہ بادشاہ نے اسد خان کو وزارت کی خلعت عطا کی مگر وہ وزارت کے سارے معاملات میں نفس نفیس بادشاہ کا عمل دخل ہی رہا۔

عبداللہ قطب شاہ کی وفات:

انہی دنوں اطلاع ملی کہ دکن کا عبداللہ قطب شاہ وفات پا گیا ہے اور اس کی جگہ عدم وراثت کے سبب اس اماد ابوالحسن قائم مقام ہو گیا ہے اس کی تفصیل بھی ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بادشاہ نے کابل کے افغانوں کی سرکوبی کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لیے شہزادہ محمد سلطان کا منصب وغیرہ بحال کر کے اسے اپنی جگہ مطلق العنان جانشین بنا دیا اور

بنایا اور شاہانہ عنایات سے نوازا۔ شاہزادہ کا دیوان کفایت خاں مقرر ہوا اور شاہزادہ کی سرکار کا بخشی وزیر خاں کا بھتیجہ محمد رفیع بنایا گیا۔

بیجا پور پر ناکام حملہ اور واپسی

جلوس کے سولہویں سال مطابق ۱۰۸۳ھ بیجا پور سے چار منزل پر قصبہ ملکھیڑہ کے قریب بھیرہ ندی کے کنارے پر بہلول بیجا پوری اور خان جہاں بہادر میں بڑی سخت لڑائی ہوئی تھی۔ خان جہاں کے ہراول پر دلیر خاں تھا اور ہمراہی میں اسلام خاں رومی (حاکم بصرہ) اس لڑائی میں اسلام خاں رومی نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت دشمن نے بادشاہی فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا لڑائی کے دوران جب بارود تقسیم ہونے لگا تو اسلام خاں کی سواری کے ہاتھی کے پاس بارود میں آگ لگ گئی۔ آگ کے شعلہ سے اس کا ہاتھی اور عماری دونوں کچھ جھلس گئے عماری بدحواس ہو گیا اور ہاتھی بھی بے قابو ہو کر بیجا پور کے لشکر کی طرف نکل بھاگا۔ بیجا پوریوں نے ہاتھی کو گھیر کر اسلام خاں کو نیچے اتار دیا اور اس غریب الدیار کو اسی وقت قتل کر دیا۔ اس جنگ میں بادشاہی لشکر کے سارے کارخانے تباہ و تاراج ہو گئے تھے اور دلیر خاں اور خان جہاں کی فوج کی ایک بڑی جمعیت کام آگئی تھی۔ جنگ کی آگ اس شدت سے بھڑکی تھی کوس در کوس ہاتھیوں کے سونڈ اور انسانوں کے سر چوگان اور گیند کی طرح بکھرے پڑے تھے۔

فگندہ ہمہ دشت خرطوم نیل　　فتادہ تن کشتگاں چند میل
ز خرطوم فیل و سر جنگ جو　　ہمہ دشت باشیدہ چوگاں وگو

آخرکار بادشاہی لشکر پر حالات اس قدر تنگ ہوئے کہ وہ پس پا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ چار پانچ دن تک لڑتے ہوئے اور دکنیوں کا تعاقب کرتے ہوئے لشکر نے جس مسافت تک تیزی سے پیش قدمی کی تھی ہزیمت اٹھا کر قدم بہ قدم وہ سارا فاصلہ لشکر نے طے کیا اور تین ہفتہ میں واپس ہو سکا۔

خلد مکاں عالمگیر کو دلیر خاں کی ہزیمت اور اسلام خاں کے مارے جانے کی اطلاع اس وقت ملی جب کہ بادشاہ کی توجہ افغانوں کی مہم پر لگی ہوئی تھی اور جلوس کے سترہویں سال کے آغاز میں بادشاہ نے حسن ابدال

کے ارادہ سے کوچ کرایا تھا۔

اس لئے بادشاہ نے دکنیوں کی تنبیہ و تادیب کا معاملہ کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔

شمالی سرحدوں پر آغر خاں کے دلیرانہ کارنامے

آغر خاں کی طلبی

آغر خاں کو بادشاہ نے اپنے پاس طلب کر لیا تھا چنانچہ وہ دکن میں اپنا بہت سا مال و اسباب چھوڑ کر اپنے قبیلہ اور جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ ضروری سامان سفر لے کر جریدہ نکلا اور اس تیز رفتاری سے یلغار کی کہ عقل باور نہیں کر سکتی تین چار ماہ کا راستہ اس نے صرف چالیس دن میں طے کیا اور حسن ابدال کی راہ میں خربوزہ نامی منزل پر بادشاہ کے حضور پہنچ گیا بادشاہ نے خوش ہو کر اس پر بڑی عنایات کیں اور حسن ابدال پہنچنے کے بعد بادشاہ نے چار پانچ ہزار سوار اور چند تجربہ کار افسروں کو اس کے ہمراہ کر دیا اور دو سو روپیہ نقد دے کر افغانوں کی سرکوبی کے لئے اسے آگے روانہ کر دیا۔

ہیمند قبیلہ سے مقابلہ

جب آغر خاں پشاور پہنچ گیا تو ہیمند قبیلہ کے چند سرداروں نے جو اس سے پہلے آغر خاں کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے اس کے لشکر پر شب خون مارا، یہ حملہ اچانک ہوا تھا مگر اس شیر دل بہادر نے بڑی جاں بازی سے لڑائی کی آخر کار جب دشمن کے بہت سے آدمی زخمی ہو گئے اور مارے گئے تو وہ مقابلہ چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بہادر آغر خاں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا اور دلیر مغلوں نے مفرور افغانوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کو بھگا بھگا کر ان کے اصل ٹھکانوں تک پہنچا دیا۔ اس تعاقب میں ان کے کوئی تین سو سوار مارے گئے اور دو ہزار مرد اور عورتیں اسیر ہوئیں اور بکثرت مال اور جانور ہاتھ آ گئے۔ افغانوں کو بھگانے کے بعد آغر خان فتح کے جھنڈے اڑاتے ہوئے پشاور واپس آگیا۔ بعد میں افغان اپنے اسیروں کو چھڑانے کے لئے آئے اور بھاری بھاری رقمیں ادا

کر کے قیدیوں کو چھڑا کرے گئے۔ اس فتح پر بادشاہ نے آغر خاں کو خلعت و اضافہ مرحمت کیا اور اسے درہ خیبر پر حملہ کرکے افغانوں کا قلع قمع کر دینے کا حکم دیا۔ اس کی کمک پر فدائی خاں صوبہ دار اور پشاور پر متعینہ دوسرے حکام کو مقرر کیا گیا۔

خیبر کے پٹھانوں کی شکست

جب آغر خاں علی مسجد کی منزل پر پہنچا تو خیبر کے پٹھانوں نے آغر خاں پر زبردست شب خون مارا۔ مغل بھی ان کے مقابلہ پر ڈٹ گئے اور بڑی سخت لڑائی کافی دیر تک ہوتی رہی اور آغر خاں کو بھی کاری زخم لگا مگر وہ زخمی ہونے کے باوجود اپنی فوج کو لڑاتا رہا۔ یہاں تک کہ افغان شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے اور مقتولوں کے اسلحہ اسیر پٹھانوں کے سر پر لاد کر مغل ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے لے آئے، جو پٹھان جان بچا کر بھاگے انھوں نے پہاڑوں اور دروں میں جا کر پناہ لے لی۔ اس معرکہ کے متعلق آغر نامہ میں غیر موزوں شعر درج ہیں محض دلچسپی کے لئے ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

چو افغاں نیاورد طاقت بجنگ   شدند آنزماں منہدم بیدرنگ

بہر کوہ دہر سو پریشاں شدند   چو شانہ زدہ موپریشاں شدند

آغر خاں نے فتح کا عریضہ مقتولوں کے بے شمار سروں اور بکثرت اسیروں کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھجوادیا۔ بادشاہ نے اس کارگذاری پر بڑی تعریف کی خلعت اور اضافہ دیا زخموں کے لئے مومیائی بھیجی اور اپنے ہاتھ سے تعویذ لکھ کر بھیجا۔ اس اعزاز پر اس کے برابر ساتھی حسد کی آگ میں جلنے لگے خاص طور سے ہندوستانی امیروں کو بہت زیادہ حسد پیدا ہو گیا ؎

گروہی کے بودند ہمراہ او   بگشتند از رشک اورا عدو

ز روئے حسد آں رفیقان او   شدہ دشمن اندر پئے جان او

کہ تا نام او باشد اندر میاں   نراند کسی نام ابر زباں

آغر خاں کی اس ساری جدوجہد کے باوجود پٹھانوں کو پوری طرح شکست نہیں ہو سکی اور ان کے مسلسل حملوں اور شاہی لشکر میں حسد و نفاق کے پیدا ہو جانے کے سبب فدائی خاں صوبہ دار خیبر کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر بادشاہ کے حکم پر آغر خاں نے فدائی خاں کے ہراول کی کمان سنبھال لی اور باتارک

اور سہ چوبہ کے راستہ سے ہر جگہ جنگ کرتے اور مقابلہ کرتے ہوئے صوبہ دار کو پشاور سے جلال آباد تک پہنچا دیا۔ جلال آباد پہنچنے کے بعد اسے نیک بہار کے علاقہ پر فوج کشی کے لئے مامور کیا گیا یہ علاقہ عرصہ سے پٹھانوں کے قبضہ میں آچکا تھا آغر خاں کے ساتھ سلطان مراد قلی اور سلطان لشکری متعین ہوئے جو کہ قبیلہ کے سلاطین زادے کہلاتے تھے ان کے علاوہ اس کے ساتھ راجپوتوں اور پٹھانوں کے پانچ ہزار سوار بھی تھے۔ اس انتظام کے بعد فدائی خاں صوبہ دار کابل چلا گیا۔

غلزئی قبیلہ کی سرکوبی

نیک بہار کے ضلع میں بہادر ترک آغر خاں کا مقابلہ غلزئی قبیلہ سے ہوا یہ قبیلہ گندگی اور بدکرداری میں مشہور تھا ان سے آغر خاں نے کئی ایک سخت لڑائیاں لڑیں اور اس قبیلہ اور خاص نیک بہار کے افغانوں کو اس نے بری طرح پامال کر دیا۔ چنانچہ چلک کا راستہ جو پٹھانوں کی شرارت سے بند ہو گیا تھا کھل گیا اور آغر خاں نے گندھک کے دہانہ پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پٹھانوں نے جب دیکھا کہ کھلے میدان آغر خاں سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں تو انھوں نے ایک بہت بڑے شب خون کا انتظام کیا کوئی تیس چالیس ہزار پٹھان سوار اور پیادے اچانک آغر خاں کے لشکر پر آپڑے مغلوں نے بھی ان کے مقابلہ میں تلوار کھینچ لی اور برابر سہ پہر کے وقت تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی جس میں بے شمار پٹھان مارے گئے اور زخمی ہو گئے اور عاجز آکر بھاگ نکلے۔

کتل چلک کی لڑائی

بعد میں جب فدائی خاں کابل سے پشاور لوٹ کر آرہا تھا پٹھانوں نے ایک بڑی تعداد میں جمع ہو کر دوبارہ اس کا راستہ روک دیا اس وقت بھی بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ فدائی خاں نے آغر خاں کے حاسدوں کے بہکاوے میں آکر مغلوں کو کمک اور ہراولی پر نہیں بلایا اور عرب قبیلہ کے ایک سردار کو جو بڑا مشہور جنگجو تھا اپنا ہراول بنا لیا مگر وہ ایک سخت لڑائی کے بعد مارا گیا اور ہراول کو ایسی سخت شکست ہوئی کہ تمام ہاتھی توپ خانہ اور بہیر لوٹ لیا گیا اور لوگوں کے مال و اسباب اور عزت و آبرو کو پٹھانوں نے تباہ و تاراج کر دیا۔ اور بہ مشکل قلب لشکر کو پٹھانوں کی دست برد سے بچایا جا سکا۔ اب فدائی خان نے تیز رفتار قاصدوں کو بھیج کر آغر خاں کو طلب کیا اور وہ چند ہزار سواروں کے ہمراہ برق رفتاری کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس

مرتبہ کتل چانک پر جو مشہور و شوار گذار درہ ہے پٹھانوں سے سخت مقابلہ ہوا پٹھانوں نے پہاڑوں پر سے اس کثرت سے تیراندازی کی اور بندوقیں چلائیں اور پتھر گرائے کہ بادشاہی فوج کا حرکت کرنا مشکل ہو گیا تھا سے

افاغنین ز بالا وایشاں نز زیر ‌ ‌ ‌ زوندی بہم بندوق و سنگ تیر
چو باراں ز بالائی آں کوہسار ‌ ‌ ‌ فرود آمدی سنگ و ناوک ہزار

آخر آغر خاں کی رستمانہ کوششوں سے پٹھان ہزیمت کھا کر بھاگے اور فدائی خاں صوبہ دار جلال آباد پہنچ گیا اور حسب الحکم راستہ میں قلعوں کی تعمیر اور تھانوں کے قیام میں مشغول رہا۔

عالمگیر کی حسن ابدال سے واپسی

تین سال کے قیام کے بعد بادشاہ عالمگیر نے جلوس کے اٹھارویں یا انیسویں سال کے اواخر میں حسن ابدال سے دارالخلافہ کو مراجعت فرمائی۔ اس وقت کابل پر فدائی خاں کی جگہ خلیل اللہ خاں کے بیٹے امیر خاں کو صوبہ دار مقرر کیا اور شاہزادہ محمد معظم کو حکم دیا کہ امیر خاں کا بندوبست ہونے تک وہ کابل میں ٹھہرا رہے اور اس کی مدد اور کمک کرتا رہے۔ آغر خاں کو مہاراجہ جسونت کے ساتھ امیر خاں کے ہمراہ مقرر کیا اور اس کی کمان میں چند جنگجو بہادر امیروں کو متعین کیا گیا۔

قلعہ آغر آباد کی تعمیر

آغر خاں کی ہراولی میں امیر خاں نے پشاور پہنچنے کے بعد پٹھانوں کی سرکوبی کے انتظامات کئے۔ کچھ عرصہ بعد شاہزادہ حکم شاہی پر لاہور چلا گیا اور آغر خاں نے نیک نہار میں "قلعہ آغر آباد" کی تعمیر شروع کرادی اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ قلعہ پورے سازو سامان کے ساتھ تیار ہو گیا سے

حصاری دراں عرصہ بنیاد کرد ‌ ‌ ‌ باندک توجہ قلعہ آباد کرد
چو آں قلعہ گردید آنجا تمام ‌ ‌ ‌ شدہ شش زاں سبب آغر آباد نام

پٹھانوں میں جب قلعہ کی تعمیر کی خبر پھیلی تو ان کو بڑا خطرہ اور اندیشہ محسوس ہوا سے

ازیں وجہ دل تنگ و حیراں شدند ‌ ‌ ‌ سراسیمہ حال و پریشاں شدند
افاغنین زہر سو برانگیخت سر ‌ ‌ ‌ ہمہ بستہ پرخون آغر کمر

ز حدِ اٹک تا حدِ قندھار پدید آمدہ لشکرِ بے شمار
ہمہ جمع گشتند بہر مصاف تو لشکر گمو بلکہ یک کوہِ قاف
مسلح ہمہ گشتہ از بہرِ کین رسیدند بر حدِ لمغان زمین

لمغان کی فیصلہ کن جنگ وہ ہر طرف سے لمغان کے مقام پر آغر خاں پر فوج کشی کرنے جمع ہو گئے۔ ان کے جمع ہونے کی خبر جب امیر خاں کو ملی تو اس نے اپنے توپ خانہ کے داروغہ محمد رضا نامی کو ایک ہزار سواروں اور بادشاہی توپ خانہ کے ساتھ آغر خاں کی کمک پر روانہ کیا ادھر آغر خاں نے بھی پٹھانوں کے حملہ کی خبر سُن کر فوج مرتب کرلی اور محمد رضا کو توپ خانہ کے ہمراہ اور اپنے ایک بھائی کو مغلوں کی جمعیت کے ساتھ ہراول پر مقرر کیا۔ ایک بازو پر اپنے حقیقی بھائی تنگری وردی خاں کو اور دوسرے بازو پر بہادر راجپوتوں اور پٹھانوں کو لعکر کے سلطان زادوں کی سر کردگی میں متعین کیا۔ دوسری طرف ایمل خاں لمغانی سرداروں اور قبائل کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ ایمل خاں کی فوج میں بے شمار پیادے اور بکثرت سوار تھے۔ دونوں فوجوں میں بڑی سخت جنگ ہوئی۔ مغل آگے بڑھ بڑھ کر پٹھانوں پر حملے کر رہے تھے اور پٹھان بھی چٹانوں اور دروں سے نکل نکل کر مغلوں پر آفت ڈھا رہے تھے۔ لڑائی کی ابتداء میں قریب تھا کہ آغر خاں کے لشکر کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا مگر اس بہادر ترک نے اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ پٹھانوں پر بڑے جان توڑ حملے کئے اور پٹھانوں کے چند نامی گرامی سرداروں کو مار گرایا۔ آخر کار پٹھانوں کے لشکر میں افراتفری پھیل گئی اس معرکہ کے متعلق "آغر نامہ" میں جو اشعار درج ہیں ان میں سے ہم چند یہاں نقل کرتے ہیں ؎

رسانید جاسوس قوم مغل خبر را نجان از رہ جزو کل
بہاں بخت خان شجاعت شعار سراپا بگرد اسلحہ استوار
بیاویخت شمشیر مثل ہلال بہ پہلو تی خود خان گردون خصال
طلا دوز ترکش بہ پہلوئے خویش حمائل کمبر داں یل ازم کیش
دلیران دیگر بہ دستور او ہمہ گشتہ در بحر آہن فرو
چو کردند اسباب جولاں درست سواری نمودند چابک و چست
رسیدند در عرصۂ جنگ گاہ کہ استادہ افغان چو ابر سیاہ

به قلب سپاه خود استاده شد | ز هر دو طرف فوج آماده شد
ز هر جانبی صف بیاراستند | دلیران پئے جنگ برخاستند
صدا ها برون آمد از طبلِ جنگ | درنگا درنگ و درنگا درنگ
بغرید طبل و فغان کرد نائی | تو گوئی به جنبید کوه از جائی
صدائے نفیر آنچنان شد بلند | که بر ترک گردون رسیدی گزند
چنان تیغ زرین فغان ها بگرد | که بر جان اعدا به پیچید درد
چنان نعرہ زد از جگر کرنا | که شد بند بند خودش هم جدا
دلیران گردان ز روئے غضب | به دندان غیرت گزیده لب
به شمشیر و خنجر به تیر و کمان | ز هم یک دگر می ربودند جان
بگیر و بدار یلان در مصاف | تزلزل فگنده در کوه قاف
صدائی ترا قا تراق و تراق | زلغان رسیدی به ملکِ عراق
کمان ها ز غیرت به بسته میان | که آرند تیری در آغوش جان
چنان گشته هر یک ز اسباب جنگ | به جنگ عدو مستقل بیدرنگ
یلان دلیران هر دو سپاه | بهم در شده حمله چون باد و کاه
چنان گرم گردید بازار جنگ | که می سوخت پرهائی تیر خدنگ
غریو و فغان سر زد از هر دو صف | که زهره بمهلک بدن شد تلف
فغان ها به پیچید باهم روان | بلرزه در آمد زمین و زمان
به پیچیده باهم دلیران رزم | که با شد قیامت به میدان رزم
زده دست اندر گریبان هم | رسانند چاکش بدامان هم
یکی تیغ می زد به فرق یکی | اجل درمیان کرد پوئی و تگی
بهم کرده زان گونه جنگ و جدل | که دریائی لغمان بخون شد بدل
زده مغفر باهم چو رعد بهار | در افتاده باهم چو ابر و شرار
کشیده همه تیغ کین از غلاف | پئے قتل افغان و اہل خلاف

ایمل خاں کی شکست

غرض یہ لڑائی بڑی خوف ناک اور خوں ریز تھی پٹھانوں نے پس پا ہونے کے بعد دوبارہ پلٹ کر سخت حملہ کیا جس سے

بادشاہی لشکر کے قدم اکھڑنے لگے تھے مگر بہادر آغر خاں نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پٹھانوں کے قلب پر بھرپور حملہ کر دیا اور بڑی جاں بازی دکھائی جب پٹھانوں کے چند نامی گرامی سردار گر پڑے تو بقیہ فوج بھی سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی ؎

چو آغر بغرید مانند شیر — زرش راند در صحن میداں دلیر
باعدا در افتاد بہر قتال — چو شیری کہ افتد بہ جنگ غزال
نمودہ بگرداں اعدا نبرد — عدو را بہر سو پراگندہ کرد

بیان کرتے ہیں کہ خیبر اور لمغان کے پٹھان شکست کھا کر بھاگ گئے مگر ایمل خان اپنی دلیری کے اظہار کے لئے میدان میں اسی طرح جما رہا۔ آغر خاں نے بڑھ کر اس پر بھی حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ دونوں میں دست بدست لڑائی ہونے لگتی اور ایمل خان بھی مرنے مارنے پر تلا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ مگر چند پٹھان باوجود اس کے ساتھ میدان میں رہ گئے تھے حائل ہو گئے اور اس کی باگیں کھینچتے ہوئے اسے میدان سے نکال لے گئے۔ بقیہ پٹھانوں پر جو آفت نازل ہوئی اس کی تفصیل مبالغہ ہی معلوم ہوگی ؎

ہر آنکو نہ شد کشتہ از تیغ و تیر — بہ بربند غارت گرانش اسیر
زن و بچہ و خان و مال ہر چہ بود — گرفتند و تاراج کردند زود

راست گفتار راویوں کا بیان ہے کہ پٹھان اس قدر ہراساں اور خوف زدہ ہو کر بھاگے تھے کہ مغلوں کے تعاقب کے خوف سے پٹھانوں کی درزوں، غاروں، جانوروں کے بھٹ میں جا چھپے۔ تعاقب کرنے والوں نے ان کے پیروں کے نشان دیکھ کر یا ان کی چادروں اور کپڑوں کے کناروں کو دیکھ کر انھیں جب ان پناہ گاہوں سے کھینچ نکالا تو خوف کے مارے ان کا خون خشک ہو گیا تھا اور وہ بالکل بے جان معلوم ہو رہے تھے۔

آغر خاں کی قدر افزائی

مختصر یہ کہ آغر خاں نے ایک نمایاں کامیابی حاصل کی اور ایک ہزار سات سو مقتولوں کے سر اور بے شمار اسیرانِ جنگ کو عرض داشت فتح کے ساتھ حضور میں روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے اس کارنامہ پر بڑی عنایات کا اظہار کیا۔ منصب میں اضافہ کر کے اسے چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا اور نقارہ کا اعزاز بھی مرحمت فرمایا۔ آغر خاں کے بھائی تنگری وردی خان اور اس کے دوسرے ہمراہیوں کو بھی حسب مراتب ترقی دی گئی۔ اس علاقہ میں آغر خان کی شمشیر زنی

کی ایسی دھاک بیٹھی کہ پٹھان عورتیں اپنے بچوں کو آغر خاں کا نام لے کر ڈراتی تھیں۔ جب سارا نظم ونسق اور بندوبست درست ہوگیا تو شاہزادہ محمد معظم کو حکم ہوا کہ آغر خاں اور راجہ جسونت کو امیر خاں کی کمک پر کابل میں چھوڑ کر لاہور پہنچ جائے۔

شاہزادہ محمد سلطان کی وفات

خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اس سفر سے سن سولہ جلوس کے آخر میں دارالخلافہ کو پہنچے۔ شاہزادہ محمد سلطان کو صوبہ ٹھٹھہ پر مامور کردیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ کفایت خاں کو اپنا نائب مقرر کرکے روانہ کردے مگر انہی دنوں شاہزادہ محمد سلطان کا انتقال ہوگیا۔

قاضی القضاۃ شیخ الاسلام

حسن ابدال سے واپسی کے وقت اثنائے سفر میں ہی قاضی القضاۃ عبدالوہاب کا انتقال ہوگیا تھا۔ قاضی مرحوم کے چار لڑکے تھے ان میں سے بڑا بیٹا شیخ الاسلام بڑا ہی نیک عالم باعمل تھا دیانت نیک نفسی میں بس وہ اسم بامسمیٰ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضیوں کے جرگہ میں اس سے زیادہ نیک سیرت دوسرا کوئی نظر نہیں آتا تھا اس کے ان اوصاف اور خوبیوں کا ذکر ہم آگے مناسب مقام پر کریں گے قاضی عبدالوہاب کے متروکہ میں دو لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپیہ نقد جواہرات اور دوسرا مال واسباب تھا اس میں سے جو کچھ شیخ الاسلام کے حصہ میں آیا تھا اس نے اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں رکھا بیشتر حصہ باپ کے ایصال ثواب کے لئے مستحقوں اور محتاجوں کو دیدیا اور باقی اپنے بھائیوں اور دوسرے وارثوں میں تقسیم کرادیا اس نے باپ کی جگہ عہدۂ قضا۔ قبول کرنے سے بھی بہت کچھ انکار کیا تھا مگر خلد مکاں نے بڑی منت سماجت اور اصرار کرکے قضارت کا عہدہ اس کے نام مقرر کردیا۔

قلعہ سالیر پر مرہٹوں کا قبضہ

دکن کی صوبہ داری بہادر خان جہاں کی جگہ دلیر خاں کو صوبہ دار مقرر کیا گیا ان ہی دنوں قلعہ سالیر کا قضیہ پیش آیا۔ خاندیس میں ملہیر بگلانہ کے قلعہ سے چھ کوس پر سالیر کا مرہبہ فلک مضبوط قلعہ ہے اس قلعہ پر ایک مشہور اور بہادر قلعدار سید نور علی متعین تھا۔ سن سترہ جلوس میں جب کہ خان جہاں صوبہ دار کی عملداری

تھی اورنگ آباد سے سید نور علی قلعہ دار کا خاندان سالیر جارہا تھا۔ اثنائے راہ میں مرہٹوں کے آوارہ گرد دستوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ جو محافظ ہمراہ تھے وہ لڑ کر شہید ہو گئے اور قافلہ کو مرہٹوں نے لوٹ لیا اور قلعہ دار کے گھر والوں کو قید کر لیا۔ پھر وہ قلعہ دار کی عورتوں کو ساتھ لے کر قلعہ سالیر کے نیچے پہنچے اور نور علی کو پیغام دیا کہ "قلعہ کو جلد از جلد خالی کردو ورنہ ہم تمھارے خاندان کی بے آبروئی کریں گے"۔

قلعہ دار نے بڑی کوشش کی اور نقد روپیہ بھی دینا چاہا مگر کسی تدبیر سے بھی وہ ان ظالموں کے ہاتھ سے اپنے اہل و عیال کو چھڑا نہ سکا آخر یہ سوچ کر کہ قلعہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کرنے میں جان تو جائے گی ہی مگر قلعہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور خاندان کی آبرو بھی جاتی رہے گی۔ اس نے بادشاہ کے اعتراض اور منصب سے برطرفی پر خاندان کے ناموس و آبرو کو ترجیح دی اور امان طلب کر کے قلعہ خالی کر دیا اور ان مفسدوں کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح صوبہ خاندیس کا یہ مشہور سربلند قلعہ بلا کسی تردد اور لڑائی کے نابکار مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس قلعہ کے نکل جانے کے بعد مرہٹوں کی تاخت و تاراج کا سلسلہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا چنانچہ وہ بندرگاہ سورت سے اورنگ آباد اور برہان پور تک قزاقی کرتے پھرتے تھے اور قافلوں کی آمد و رفت کا راستہ بالکل ہی مسدود ہو گیا تھا۔ اس قلعہ کے ساتھ ہی سرکار بگلانہ کے تعلقہ کے دو تین اور قلعے جن کا نام "ناہیر" وغیرہ تھا ان کافروں کے زیر تسلط آ گئے۔ جب یہ ساری روداد بادشاہ کو ملی تو قلعہ دار کو منصب سے برطرف کر کے حضور میں طلب کر لیا گیا۔

ان ہی دنوں بادشاہی گرز بردار دلیر خاں کے نام فرمان لے کر آیا کہ قلعہ سالیر پر فوج کشی کر کے وہ قلعہ کو دشمن کے قبضہ سے نکال لے۔ حسب الحکم دلیر خاں ایک بھاری توپ خانہ اور فوج لے کر قلعہ سالیر پر آیا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔

اس لڑائی میں بہت سے پٹھان اور بادشاہ کے نامی گرامی آدمی شہید ہو گئے

دلیر خاں نے اپنی پوری کوشش صرف کردی اور بڑی دلیری سے قلعہ پہ حملے کئے مگر محاصرہ طویل ہوتا چلا گیا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا جب بادشاہ کو اطلاع ملی کہ کافی آدمی ضائع ہوگئے ہیں پھر اس ضلع کی ناموافق آب و ہوا بھی لشکر کے لئے مصیبت بنی ہوئی ہے تو بادشاہ نے دلیر خاں کو محاصرہ اٹھا دینے کی اجازت دے دی۔

بادشاہ کے خلاف استغاثہ کا قانون

اور

سورت کا مشہور مقدمہ

عہد عالمگیر میں قانونی اصلاحات

اسی سال بادشاہ عالمگیر نے ازراہ حق پرستی اور عدل گستری دار الخلافہ اور دوسرے تمام شہروں میں منادی کرائی کہ جس کسی کو بادشاہ کے خلاف کوئی شرعی دعوٰی ہو یا کسی کا مطالبہ بادشاہ کے ذمہ ہو تو وہ حاضر ہو کر بادشاہی وکیل سے رجوع کرے اور اپنا استغاثہ پیش کرے اور اپنا حق ثابت ہونے کے بعد وصول کرے، مزید ہدایات بھی دیں کہ تمام ممالک محروسہ کے شہروں میں اور دار الخلافہ میں شرعی وکیلوں کو مقرر کر دیا جائے تاکہ اللہ کے جو بندے دار الخلافہ پہنچنے سے معذور ہوں وہ ان وکلائے شرعی کے پاس رجوع ہو کر اپنا استغاثہ داخل کر دیں۔ حسب الحکم تمام صوبہ جات میں شرعی وکیل مقرر کر دیئے گئے۔

السلام علیکم کا رواج

انہی دنوں دوسرا حکم یہ صادر ہوا کہ تمام مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں تو صرف شرعی سلام یعنی "السلام علیکم" پر اکتفا کریں کافروں کی طرح سر پہ ہاتھ نہ رکھیں۔ حکام بھی خاص و عام ہر شخص سے اسی طریقہ پر سلام کریں اور سلام لیں۔

صوبہ داروں اور صوبوں کے حاکموں کے نام ایک اور فرمان یہ جاری ہوا کہ صوبہ دار، تعلقہ دار، پیش کار اور دیوانی کے عہدہ دار ہندوؤں کو برطرف کر کے ان کی جگہ مسلمانوں کو مقرر کریں۔ دیوانی کے عہدہ داروں کو ہدایت دی گئی کہ محالات خالصہ کے کروڑی صرف مسلمان ہی مقرر کئے جائیں۔

سورت کے تاجروں کا استغاثہ

جن دنوں یہ فرامین صادر ہوئے اور بادشاہ کے خلاف استغاثہ کی اجازت کی خبر گرم ہوئی تو اتفاق سے بندرگاہ سورت کے چند تاجر جن میں ملک التجار، حاجی زاہد کا بیٹا محمد محسن اور پیرجی بھورا کا بیٹا جو بندرگاہ سورت کا بہت بڑا تاجر تھا۔ بندرگاہ سورت کے متصدی غیاث الدین خان کے مظالم کے خلاف استغاثہ کرنے دارالحکومت میں آئے ہوئے تھے۔ یاد ہوگا جس زمانہ میں صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ حبس البول کے مرض میں گرفتار ہو گیا تھا تو محمد مراد بخش نے احمد آباد میں اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کردیا تھا۔ اس نے بندرگاہ سورت کو فتح کرنے کے لئے خواجہ شہباز کو مقرر کر دیا تھا۔ خواجہ نے قلعہ کو فتح کر لینے کے بعد بندرگاہ سورت کے تمام تاجروں کو جمع کرکے دس لاکھ روپیہ بطور قرض طلب کیا تھا۔ سورت کے تمام تاجروں کی طرف سے حاجی زاہد اور پیرجی بھورہ نے اسے پانچ لاکھ روپیہ بطور قرض دے دیا تھا اور اس کا تمسک محمد مراد بخش کی مہر لگوا کر حاصل کر لیا تھا۔ خواجہ شہباز نے اس رقم کو خرچ نہیں کیا اور وہ ساری نقد اشرفیاں سرکار میں داخل کرادی تھیں اور محمد مراد بخش کے متصدیوں نے بندرگاہ سورت سے وصول کردہ ان اشرفیوں کو صندوقوں میں سربمہر رکھ دیا تھا۔ جب محمد مراد بخش قید ہو گیا تو اس کا سارا خزانہ جس میں مذکورہ صندوق بھی تھے اور جن پر "بندرگاہ سورت کے تاجروں کی رقم" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے اسی طرح سربمہر بادشاہی خزانہ میں داخل کر دیئے گئے تھے اب جو محمد محسن نے بادشاہ کی طرف سے مذکورہ بالا اعلان سُنا تو اپنی طرف سے اور پیرجی بھورہ کے بیٹے کی طرف سے اُس نے ایک درخواست لکھی اور محمد علی خان خانساماں کی معرفت جو خلد مکاں کی خدمت میں بڑا اعتبار اور تقرب رکھتا تھا التماس کی کہ "از راہ فضل و عدل بادشاہ کی طرف سے نیا حکم صادر ہو گیا ہے اس قدر رقم جو ہمارا حق ہے سرکار پر واجب الادا ہے اس لئے یہ عریضہ ملاحظۂ شاہی میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس عریضہ پر بادشاہ نے حکم دیا کہ "ثبوت مہیا کرکے اپنی رقم واپس لے لیں"۔ محمد علی خان نے جو مذکورہ تاجر کی سرپرستی کر رہا تھا عرض کیا کہ "وہ عرض کرتا ہے کہ ثبوت ضابطۂ دیوانی کے مطابق مہیا کیا جائے یا شرعی قانون کے تحت" حکم ہوا "ان دونوں میں سے جس طرح بھی ثابت ہو جائے گا ہم اس

کا حق ادا کردیں گے :۔

اس حکم کے بعد محمد محسن نے محمد علی خاں کی مدد سے اپنا دعویٰ مرتب کیا۔ اسی زمانہ میں "فتاویٰ عالمگیری" مرتب ہوتی تھی جسے لاہور اور دارالخلافہ کے علماء نے بموجب حکم سات آٹھ سال میں بڑی محنت و کوشش سے مرتب کرکے بادشاہ کے نام سے منسوب کیا تھا۔ محمد محسن نے اسی مجموعہ کی ایک روایت پر فتویٰ نکلوایا کہ "اس صورت میں کہ میت کے متروکہ پر اس کا کوئی وارث متصرف ہوجائے تو میت کے قرض کی رقم کا ادا کرنا بھی اس پر واجب اور لازم ہے" (یعنے مراد بخش کے متروکہ پر بادشاہ متصرف ہے اس لئے اس کے قرض کی ادائیگی بھی بادشاہ پر لازم ہے)اس عریضہ کے ساتھ اس نے مال کے ثبوت میں وہ فرد حساب بھی پیش کی جو بادشاہی محکمہ میں اس عبارت کے ساتھ داخل مثل تھی کہ "محمد مراد بخش کے اموال کے منجملہ پانچ لاکھ اشرفیاں بابت قرض حاجی ..... اور پیرجی تاجران سورت بحق سرکار ضبط کی گئیں"۔ جب یہ کاغذات بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوئے اور بادشاہ کے مطالعہ کرنے کے بعد کچھ دیر غور کیا اور اس کا جواب دینا چاہا تھا کہ محمد محسن نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ "فدوی کی غرض تو صرف یہ تھی ہم بندوں کا حق جیسا کہ ہم نے درخواست دی ہے حضور پر واضح ہوجائے۔ اب ہم یہ رقم دین پرور عدالت شعار بادشاہ کی نذر کرتے ہیں"۔ اسی عرض پر بادشاہ نے محمد علی خاں کی طرف متوجہ ہوکر کہا "محمد محسن نے اپنا حق ہم کو بخش دیا" بادشاہ نے محمد محسن کو ایک گھوڑا اور ہاتھی اور خلعت عطا کی اور غیاث الدین خاں کو بندرگاہ سورت سے تبادلہ کرکے حضور میں طلب کرلیا۔ یہ معاملہ اس طرح یک سو ہوگیا مگر محمد محسن کی اس فضول حرکت پر محمد علی خاں کو بڑا غصہ آیا کیونکہ اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنے سرپرست سے مشورہ کرنے کے بعد یہ پانچ لاکھ روپیہ نذر کرتا۔ چنانچہ گھر پہنچنے کے بعد اس نے محمد محسن کی خوب خبر لی کہ "میں نے بڑی دوڑ دھوپ اور کوشش کے بعد اس بے جان مقدمہ کو زندہ کرکے بادشاہ کے سامنے کھڑا کردیا تھا مگر تو نے عالم اضطراب میں کہ مجھ سے کبھی صلاح مشورہ نہیں کیا اور نذرانہ گذران دیا'۔ میں تو اس کے عوض 'عشر وغیرہ' کی معافی اور دوسرے معاملات کو درست کرادیتا جس سے تیری اور تیری اولاد کے لئے ..... آبرومندی کی راہ نکل آتی۔ بہرحال تیرا یہ بے موقع عرض کرنا نہایت نامناسب تھا :۔ بہرحال جو ہونا

تھا ہو چکا و پسے بھی اس ایک معاملہ کو چھوڑ کر بادشاہوں کے مقابلہ میں اپنے حق کا دعویٰ کرنا اس کو ثابت کردینا۔ پھر اپنا روپیہ ان سے وصول کرلینا کہاں ممکن ہے؟ البتہ یہ ضرور ہو گیا کہ اس سال سے بادشاہ عالمگیر کی طرف سے ہر شہر صوبہ اور اطراف و اکناف میں شرعی وکیل مقرر ہو گئے جو محکمۂ قضا میں قاضی کے ساتھ اجلاس کیا کرتے تھے اور اور یہ بدعت بس رائج و مقرر ہو گئی۔ حاکموں کی پیش کاری سے ہندوؤں کی برطرفی کا معاملہ بھی سختی نہ ہونے کے سبب معطل ہی رہا۔ بعض بعض شہروں میں کچھ عرصہ تک ہندو کروڑی برطرف کردیے گئے اور ان کی جگہ مسلمان مقرر ہوتے۔ بعد میں ایسا عمل در آمد ہو گیا کہ دیوانی کے دفاتر اور سرکار میں بخشیوں کی پیش کاری پر ایک پیش کار مسلمان رکھا جاتا تھا تو دوسرا ہندو۔

ست نامی فرقہ کی بغاوت اور سرکوبی

ست نامی تنالوں کی شورش

اس سال کے واقعات میں ست نامی فقیروں کی بغاوت اور سرکشی کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ پرگنہ نارنول اور میوات میں ہندو فقیروں کے کوئی چار پانچ ہزار گھرانے تھے یہ ست نامی کے نام سے مشہور تھے ان کو "مندیہ" بھی کہا جاتا تھا۔ یہ "مندیے" اگرچہ فقیروں کے بھیس میں رہتے تھے مگر ان کا پیشہ زیادہ تر زراعت اور تجارت تھی۔ چھوٹی موٹی تجارت کر کے معاش حاصل کرتے تھے۔ اپنے مذہب کی رو سے وہ کوشش کرتے تھے کہ سچے ست نامی بن کر رہیں واضح رہے ست نام کے معنے نیک نام کے ہیں اس لئے یہ لوگ حرام کمائی سے پرہیز کرتے تھے اور کسب حلال سے روزی کماتے تھے۔ ان کو کسی کی حکومت اور زبردستی بھی گوارا نہیں تھی اگر کوئی ان پر ظلم و تعدی کرتا تو برداشت نہیں کرتے تھے اور اکثر مسلح اور ہتھیار بند رہتے تھے۔ جس زمانہ میں بادشاہ نے حسن ابدال سے مراجعت کی تھی ایک دن قصبۂ نارنول کے قریب ایک ست نامی کسان سے سرکاری پیادہ کی جو خرمن کی نگہبانی پر مقرر تھا سخت گفتگو ہو گئی اور سپاہی کے ڈنڈے کی ضرب سے اس ست نامی کا سر پھٹ گیا۔ اس واقعہ پر ست نامیوں کے ایک مشتعل مجمع نے سپاہی

پر حملہ کر دیا اور اسے مار مار کر مردہ بنا دیا۔ جب اس حادثہ کی اطلاع متعلقہ شق دار کو پہنچی تو اس نے سپاہیوں کی ایک جمعیت کو حملہ آوروں کو گرفتار کرنے کے لئے متعین کر دیا۔ جب یہ سپاہی وہاں پہنچے تو ست نامی بھی بڑی تعداد میں جمع ہو گئے اور ان پر حملہ کر دیا اور چند سپاہیوں کو زخمی کر کے ان کے ہتھیار چھین لئے اور ان کو گرفتار کر لیا اور اور ان کی جمعیت بڑھتی چلی گئی۔

نارنول کے فوج دار کی شکست

یہاں تک کہ اس کی خبر نارنول کے فوج دار کار طلب خاں کو ہوئی اس نے سواروں اور پیادوں کی ایک بڑی جمعیت کو شق دار کی کمک کے لئے اور سرکشوں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ ست نامیوں نے فوج دار کی جمعیت سے بھی مقابلہ کیا اور چند ایک کو زخمی کر کے اور قتل کر کے اسے شکست دے دی اب ان کا فتنہ اس قدر بڑھ گیا کہ فوج دار خود اپنے سواروں اور پیادوں اور زمینداروں کی کمک لے کر ان کے مقابلہ پر پہنچا مگر اسے بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اپنے بہت سے آدمیوں کو کٹوا دینے کے بعد وہ بھی فرار ہونے پر مجبور ہو گیا پھر ان کے اور فوج دار کے درمیان کئی ایک جھڑپیں ہوئیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں مختصر یہ فوج دار ان کے مقابلہ میں مارا گیا اور ست نامیوں نے پورے قصبہ نارنول پر قبضہ کر لیا اور انھوں نے اپنے تھانے مقرر کر کے دیہات اور اطراف و اکناف کا محصول خود وصول کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کو دارالخلافہ پہنچنے کے بعد اس ہنگامہ کی اطلاع پہنچائی گئی اور دربار سے فوجیں متعین کی گئیں مگر جو بھی فوج ان کے مقابلہ پر گئی وہ تباہ و تاراج ہو گئی۔

جادو کے گھوڑے کی افواہ

ان لڑائیوں میں یہ شہرت بھی ہو گئی تھی کہ ان ست نامیوں پر تیر تلوار اور بندوقوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ مگر ان کی طرف سے جو تیر بھی آتا اور جو گولی بھی چلتی، اس کی زد میں بادشاہی فوج کے دو تین آدمی ہلاک ہو کر رہ جاتے تھے۔ اس لئے ان کے سحر اور جادو کا بڑا چرچا ہونے لگا اور ایسی باتیں مشہور ہو گئیں جن کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مثلاً یہ کہ وہ لکڑی سے جادو کا گھوڑا بناتے ہیں اور اس پر عورت کو سوار کر دیتے ہیں یہی جادو کا گھوڑا جاندار گھوڑوں کی طرح ان کا ہراول بن کر آگے آگے چلتا ہے۔ جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو تجربہ کار

اور نامور راجہ اور شاہی امراء بھاری فوجوں کے ساتھ مقرر کئے گئے۔ ادھر سے ست نامی بادشاہی لشکر سے مقابلہ کرنے پہل کرکے نکلے اور دارالحکومت سے سولہ سترہ کوس تک آپہنچے اس کے باوجود بادشاہی فوجوں نے آگے بڑھ کر ان سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کی اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اطراف کے زمینداروں اور بعض کم حوصلہ راجپوتوں نے بھی سرکشی اختیار کرلی مال گذاری روک لی اور شرانگیزی کرنے لگے۔ جب فتنہ وفساد کی یہ آگ بجھتی نظر نہ آئی اور معاملہ خطرناک حد تک جا پہنچا تو بادشاہ نے خیمہ شاہی باہر نکالنے کا حکم دے دیا اور ان کے سحر کے توڑ کے لئے خود بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے دعائیں اور نقش لکھ کر امراء کو دیئے کہ وہ ان کو اپنے جھنڈوں اور نشانوں پر لگائیں اور ان کے مقابلہ پر جائیں۔ آخر راجہ بشن سنگھ اور حامد خاں ولد مرتضیٰ خاں نے اور دوسرے امرائے شاہی نے ان پر حملہ کرکے بڑی دلیرانہ جنگ کی اور ہزاروں ست نامیوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ باقی جان بچا کر بھاگ نکلے اور یہ شورش پوری طرح ختم کردی گئی۔

اجمیر کی طرف کوچ کا فیصلہ

ان کافروں کی شورشوں کے سبب اطراف و اکناف کے صوبوں میں بھی حالات بڑی حد تک خراب ہو چکے تھے خاص طور سے اجمیر کے صوبہ اور اکبر آباد کے نواح میں بڑی افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے پہلے ہی خیمہ باہر نکالنے کا حکم دے دیا تھا اس لئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کا ارادہ کرلیا اس ضمن میں یہ بھی پیش نظر تھا کہ ان راجپوتوں کی گوشمالی کردی جائے جنھوں نے اس شورش کے موقع پر بے راہ روی اختیار کی تھی۔ اس لئے اجمیر کی طرف کوچ کا فیصلہ کر دیا گیا۔

جزیہ کے قانون کا نفاذ

اسی موقع پر بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ کافروں کی سرکوبی اور مسلمانوں اور حربی کافروں میں امتیاز کے لئے ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا جائے اور تمام صوبہ جات میں جزیہ کی وصولی کے احکام نافذ کردیئے۔ جب اس قانون کے نفاذ کی خبر پھیلی تو ہندو بہت پریشان ہوئے اور دارالخلافہ اور اطراف سے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوکر دریا کے کنارے بادشاہی جھروکے کے نیچے جمع ہوگئے اور بڑی آہ وزاری کرکے جزیہ کی معافی کی درخواست کی مگر خلد مکاں نے ان کی فریاد پر توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ ایک دن جب کہ بادشاہ کی

سواری جمعہ کی نماز کے لئے باہر نکلی تو قلعہ معلیٰ کے دروازہ سے جامع مسجد تک ہندوؤں کا بہت بڑا مجمع استغاثہ کے لئے جمع ہو گیا ان کے ہجوم سے آمد و رفت بند ہو گئی تھی اردو بازار کے تمام دکان دار صراف، بزاز اور شہر کے تمام پیشہ ور لوگ اپنے اپنے کام دھندے چھوڑ کر وہاں جمع ہو گئے تھے بھیڑ ایسی تھی کہ جب بادشاہ سوار ہو کر نکلے تو راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بادشاہ نے سختی سے راستہ بنانے کا حکم دیا سپاہیوں کی مار دھاڑ سے کئی ایک کے سر بھی پھوٹے، مگر بھیڑ اسی طرح لگی رہی اور سواری خاص آگے نہ بڑھ سکی اور ہر لمحہ ہندوؤں کا مجمع بڑھتا ہی چلا گیا آخر بادشاہ نے کچھ دیر کے لئے سواری روک لی اور حکم دیا کہ رکاب شاہی کے ہاتھیوں کو سواری کے آگے لائیں اور راستہ بنائیں جب ہاتھی اور محافظ سوار پہنچے اور چند ایک آدمی پامال ہوتے اور مارے گئے تو مجمع میں بھگدڑ مچ گئی اور سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہندوؤں نے چند دن تک اسی طرح احتجاج اور مظاہرہ کیا آخر جزیہ کی ادائگی پر رضا مند ہو گئے۔

دکن کی مالیات پر اسد خاں کا تقرر

اسی سال جملۃ الملک اسد خاں کو دکن کے مالی مقدمات کے بندوبست کے لئے مقرر کیا گیا چونکہ اس سے پہلے مراتب ماہی کا اعزاز خاص طور سے دکن کے صوبہ داروں' اور سرداروں کو دیا جاتا تھا اس لئے اسد خاں کو بھی بادشاہ نے ماہی مراتب ہاتھی مرصع پگڑی مرحمت فرما کر رخصت کیا۔

لاہور کے قاضی کا قتل اور شرعی فیصلہ

صوبہ دار اور قاضی کی مخالفت

مرزا قوام الدین خلیفہ سلطان کا بھائی اور ماژندران کے بادشاہی سلسلہ کا فرد تھا۔ جب ماژندران پر شاہ ایران کا قبضہ ہو گیا تو شاہ عباس (ایران) نے خلیفہ سلطان سے رشتہ داری قائم کی اور اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ دونوں بھائیوں میں چونکہ ناچاقی تھی اس لئے مرزا قوام الدین ترک وطن کر کے ہندوستان آ گیا اور بارگاہ شاہی میں باریاب ہوا بادشاہ نے پہلے تو اسے چار ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا کیا اور خطاب علم نقارہ اور دوسرے اعزازات

سے نوازا پھر کچھ عرصہ بعد ایک ہزاری اور ہزار سوار کا اس کے منصب میں اضافہ کر دیا اور صوبہ کشمیر پر متعین کردیا۔ بعد میں اس کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ خلد مکان عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں قاضیوں کا بڑا اثر و رسوخ ہو گیا تھا اور امور شرعی کے نفاذ کے لئے ان کو کافی اختیارات مل گئے تھے ان دنوں لاہور کا قاضی پورب کا ایک شخص علی اکبر نامی تھا وہ صوبہ داروں سے خود کو کم نہیں سمجھتا تھا اور ان سے برابری جتلاتا رہتا تھا۔

قوام الدین جب لاہور کا صوبہ دار بن کر آیا تو اسے قاضی کے متعلق یہ باتیں معلوم ہوئیں چونکہ اس کو خود اپنے حسب نسب اور علمی فضیلت پر ناز تھا۔ اس لئے وہ قاضی کے رویہ کو برداشت نہیں کر سکا اور ابتدا ہی سے صوبہ دار اور قاضی کے درمیان ان بن ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کی اہانت اور ذلت کے درپے ہو گئے اور دراندازوں کی خوب بن آئی اور ان کے بہکانے ورغلانے سے ان کا باہمی اختلاف اس حد تک جا پہنچا کہ دونوں آپے سے باہر ہو گئے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے آخر دونوں نے ایک دوسرے کی شکایت دربار میں لکھ بھیجی۔

کوتوال کا قاضی پر حملہ

ابھی دربار سے کوئی جواب نہیں آیا تھا کہ قوام الدین صوبہ دار نے یہ شہرت دیدی کہ بادشاہ کے احکام آگئے ہیں اور شہر کے کوتوال نظام الدین نامی عرف مرزا بیگ کو حکم دیا کہ وہ جمعیت لے کر قاضی کو گرفتار کرے اور ذلت کے ساتھ اسے لے آئے۔ جب قاضی علی اکبر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی ڈیوڑھی کی مورچہ بندی کر لی، کوتوالی سے جب قاضی کے گھر والوں کا مقابلہ ہوا تو قاضی علی اکبر اور اس کا بھانجہ چند اور ہمراہیوں کے ساتھ مارے گئے اور قاضی کا بیٹا زخمی ہو گیا۔ لاہور کے باشندے ایسے معاملات میں اتباع شریعت کا بہانہ کر کے ہنگامہ بپا کر دینے کے عادی ہیں۔ اس لئے قاضی کے واقعہ قتل پر شہر کے تمام علما۔ اور عام آدمی باشندے اور پیشہ ور لوگ جمع ہو گئے اور ایک بہت بڑے مشتعل ہجوم نے صوبہ دار اور کوتوال پر حملہ کر دیا اور دونوں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ لاہور والے دونوں کے خلاف اس قدر غضب ناک تھے کہ ان کے آدمیوں کا راستوں اور بازاروں میں نکلنا محال ہو گیا تھا جب اس واقعہ کی تفصیلات بادشاہ کو ملیں تو بادشاہ نے قوام الدین خاں کو صوبہ داری سے معزول کر دیا۔ اور لاہور کی صوبہ داری شاہزادہ محمد اعظم کے نام کر دی اور شاہزادہ کی

نیابت کے لئے قطب الدین خاں کے نام احکام صادر ہوئے۔

قاضی کے قصاص میں کوتوال کا قتل

اس وقت بادشاہ رانا کی مہم پر جا رہا تھا اور لطف اللہ خاں کو اپنے ساتھ رکاب میں رکھنا ضروری سمجھا تھا اس لئے عجلت میں بادشاہ نے لطف اللہ خاں کے بھائی حفیظ اللہ خاں کو جو بلحاظ ظاہر و باطن بڑی خوبیوں کا آدمی تھا اور لاہور سے قریب جذب کا فوج دار تھا حکم بھیجا کہ وہ اپنے بھائی کی نیابت میں لاہور جاکر کوتوال کو گرفتار کرلے اور مقدمہ کی تحقیق و تفتیش کے بعد کوتوال کو ذلت و خواری کے ساتھ قاضی کے وارثوں کے حوالہ کردے کہ وہ اس سے قصاص لے لیں۔ اور صوبہ دار کو بادشاہی گرز برداروں کی تحویل میں جواب لانے کے لئے متعین کر دیئے گئے ہیں۔ حضور میں روانہ کردے: جب یہ احکام آئے تو حفیظ اللہ خاں نے بڑی احتیاط سے ان کو پوشیدہ رکھا اور لاہور پہنچ گیا اور ایک دو سمجھ دار جمعداروں کو کوتوال کے پاس بھیج کر حکم شاہی کو افشا۔ کئے بغیر اس کو اپنے پاس آنے کا پیغام دیا۔ جب کوتوال طوعاً وکرہاً اس کے پاس حاضر ہوگیا تو حفیظ اللہ خاں نے سارے معاملہ کی تحقیق کرائی اور حکم شرع کے مطابق اسے قاضی کے وارثوں کے حوالہ کردیا جس کو انھوں نے قصاص میں قتل کردیا۔

صوبہ دار قاضی کی عدالت میں

قوام الدین خاں کے خلاف بھی لاہور والے بہت مشتعل تھے۔ اس لئے اس کا سلامتی سے نکل جانا محال معلوم ہو رہا تھا اس لئے حفیظ اللہ خاں نے اسے پیغام دیا کہ حکم شاہی کے مطابق تمھارا حضور والا میں جانا بہرصورت ناگزیر ہے۔ اور ادھر شہر والوں کے اشتعال اور ہجوم کے سبب تم شہر میں بازار اور راستہ سے ہو کر نکل نہیں سکتے۔ اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ تم پردہ دار پالکی میں بیٹھ کر خفیہ طور پر دریا پر پہنچو اور دریا کے راستہ روانہ ہوجاؤ۔ غرض اس کو اسی انتظام کے ساتھ حفیظ اللہ خاں نے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ مگر قاضی کے بیٹے اور دوسرے مدعیوں نے بادشاہ کے پاس قوام الدین کے خلاف خون کا استغاثہ کردیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ لوگ محکمۂ شرع سے رجوع کریں: قاضی کے وارث بہت مغلوب الغضب تھے اور قوام الدین خاں کو جواب دعویٰ کے لئے وکیل مقرر کرنے نہیں دیتے تھے پالکی یا گھوڑے پر سوار ہو کر محکمۂ قضا میں اس کا آنا بھی محال کر دیا تھا۔ مگر خود قوام الدین

علم وفضل میں بڑی دست رس رکھتا تھا اور قاضی شیخ الاسلام نیک نفسی اور خدا ترسی میں بے مثل آدمی تھا کہ اسی زمانہ کے دوسرے قاضیوں کی اس سے کوئی نسبت ہی نہیں تھی اس لئے اس پر خون کا الزام عائد نہیں ہو سکا۔ یہ مقدمہ بڑے عرصہ تک اسی کشاکش میں چلتا رہا آخراسی دوران میں قوام الدین خاں کا بھی موعودہ وقت آپہنچا۔ ذہنی اور روحانی اذیت کے ساتھ وہ جسمانی مرض میں بھی مبتلا ہو گیا۔ اس حالت مرض میں بھی لوگ اسے محکمہ میں قاضی کے اجلاس پر لاتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ قدرت نے خود اس کا فیصلہ کر دیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ؎

خلاف رائے سلطاں رائے جستن
بخون خویش باید دست شستن

راجپوتوں کی بغاوت اور بادشاہی فوج کا حملہ

راجہ جسونت کی وفات

قوام الدین خاں کے اس قضیہ کے رونما ہونے سے پہلے ہی راجہ جسونت کے فوت ہونے کی خبر مل چکی تھی۔ بادشاہ نے راجہ کو کابل میں امدادی فوج پر متعین کیا تھا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد اطلاع ملی کہ راجہ کے جاہل ساتھیوں نے راجہ کے دو خورد سال بچوں اور رانیوں کو لے کر وہاں سے کوچ کر دیا نہ تو انھوں نے دربار کے احکام کا انتظار کیا اور نہ صوبہ دار سے اجازت اور راہداری حاصل کی۔

راجہ جسونت کے ہاں آخر عمر میں دو بچے تولد ہوئے تھے۔ ایک کا نام اجیت سنگھ تھا اور دوسرے کا دلتھمن۔ جب ان دونوں کو لے کر راجہ کے ہمراہی اٹک کے گھاٹ پر پہنچے تو وہاں کے میر بحر نے پروانہ راہداری نہ ہونے کے سبب ان کو روک دیا۔ راجپوت اس سے لڑنے جھگڑنے لگے اور حملہ کر کے میر بحر کو زخمی کر دیا اور ان کی جمعیت زبردستی گھاٹ کو عبور کر گئی۔ راجہ جسونت کی سابقہ حرکتوں سے بادشاہ کا دل پہلے ہی صاف نہیں تھا راجپوتوں کی یہ شوخی اور بھی برہمی مزاج کا سبب بن گئی۔ چنانچہ جب وہ دارالخلافہ کے قریب پہنچ گئے تو حکم ہوا کہ راجپوت شہر کے قریب بارہ پلہ کے پاس قیام کریں اور کوتوال کو حکم دیا کہ

اپنے آدمیوں اور منصب داروں کے ساتھ مع توپ خانہ کے راجپوتوں کے اطراف چوکی پہرہ بٹھا دو اور ان سب پر نظر بندوں کی طرح نگرانی قائم کردو۔ جب چند دن گذر گئے تو چند ہمراہی راجپوتوں نے وطن جانے کی رخصت طلب کی ان کی روانگی کو مناسب جان کر بادشاہ نے ان کو اجازت دیدی۔

جسونت کے فرضی بیٹے ان راجپوتوں نے یہ ترکیب کی کہ راجہ کے بیٹوں کی عمر کے دو بچے حاصل کئے اور چند کنیزوں کو رانیوں کا لباس پہنا دیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ کہ راز افشا نہ ہو راجہ کے خاص خیموں میں ان کو ٹھیرا دیا اور جسونت کی رانیوں کو مردانہ لباس پہنا کر اس کے دونوں لڑکوں کے ساتھ اپنے ہمراہ لے لیا۔ راجہ کے عمدہ کارگذار اور جاں باز راجپوتوں کی حفاظت میں یہ قافلہ رات کے وقت نکل گیا اور تیزی سے کوچ کرتے ہوئے وطن کی طرف روانہ ہوگیا۔ اپنے پیچھے ان لوگوں نے قابل اعتماد دو سرداروں کو ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ راجہ کے خیموں کے ساتھ ٹھیرا دیا تھا تاکہ راز افشا ہو جانے پر اگر بادشاہی فوج تعاقب کرے تو یہ لوگ ایک دو پہر تک اس کے سد راہ بنے رہیں یہ سردار راجہ کے نقلی بیٹوں کے خیمہ پر پہرہ دیتے رہے۔ دو تین گھڑی بعد جب بادشاہ کو اس سلسلہ میں مختلف اطلاعات ملیں تو قابل اعتماد آدمیوں کو تحقیق کے لئے مقرر کیا ان لوگوں نے اطلاع دی کہ رانیاں اپنے بیٹوں کے ساتھ خیموں میں موجود ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ راجہ کے تمام وابستگان کو قلعہ میں رکھا جائے جو راجپوت وہاں متعین تھے بادشاہی آدمیوں کو روکنے کے لئے مقابلہ پر آگئے ان کے ہمراہ جو کنیزیں تھیں وہ بھی مردانہ وار مقابلہ میں شریک ہوگئیں اور ان لوگوں نے راجہ کے نام و ناموس کی خاطر اپنی وفاداری اور جاں نثاری کی شرط پوری کردی اور بہت سے راجپوت مارے گئے اور جو باقی رہ گئے تھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگرچہ رانیوں کے فرار ہو جانے کی اطلاع پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی تھی مگر جن لوگوں نے یہ خبریں دی تھیں انھوں نے اپنی باخبری اور حسن کارکردگی کو جتلانے کے لئے رانیوں اور بچوں کے نکل جانے پر سخت اصرار کیا آخر اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے امراء و وزراء کی یہی رائے ہوئی کہ راجپوتوں کا تعاقب کرکے راجہ کے بیٹوں کو گرفتار کیا جائے اگر وہ واقعی یہاں سے فرار ہو چکے ہیں۔ بادشاہی فوج نے بیس کوس تک راجپوتوں کا تعاقب کیا مگر راجپوتوں کا کوئی پتہ نہ چلا اور فوج واپس آگئی۔

جسونت کے لڑکے شاہی محل میں

بادشاہ نے خیمہ سے برآمد ہونے والے دونوں بچوں کو محل شاہی کے خدام کے حوالہ کردیا اور محل کی عورتوں نے ان کو اپنی فرزندی میں لے لیا۔ جن دو بچوں کو راجپوت نکال لے گئے تھے ان کے متعلق دربار میں ہمیشہ یہی کہا جاتا رہا کہ راجپوتوں نے جسونت کے سلسلۂ نسب کو ثابت کرنے کے لئے ان کو فرضی طور پر شہرت دے رکھی ہے۔ تاہم بادشاہ کو ان بچوں کے بارے میں برابر شبہ ہی رہا اور اس وقت تک جب تک کہ چتوڑ کے رانا نے اجیت سنگھو سے اپنی لڑکی کی نسبت کو منظور نہیں کرلیا خلد مکاں کے دل سے یہ شبہ دور نہیں ہوا۔

دکن کی دیوانی پر امانت خاں کا تقرر

راجپوتوں کی شورش کی اطلاعات ملیں تو بادشاہ نے اوائل ذی الحجہ ۲۲ھ جلوس میں اجمیر کی طرف کوچ کیا۔ اسی موقع پر امانت خاں خوافی کو دکن کا دیوان مقرر کیا گیا وہ اس سے پہلے لاہور کا دیوان تھا۔ جتنے متصدی (محکمہ مال کے افسر) تھے ان سب میں امانت خاں جیسا کوئی افسر نہیں گذرا وہ واقعی متدین خیرخواہ بے آزار آدمی تھا رفاہ عامہ کو وہ ہمیشہ اپنی ذاتی ترقیوں اور شاہی محاصل کے سمیٹنے پر ترجیح دیتا تھا اپنی عمل داری میں وہ کسی کو جانی اور مالی ضرر پہنچنے نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ جہاں بھی وہ دیوان بن کر جاتا تو وہ سرکاری عمال اور زمینداروں کو جو سرکاری مطالبات کے سلسلہ میں قید و بند میں رہتے تھے اور بعض تو اس قید میں ہلاک ہونے کے قریب پہنچ جاتے تھے اس خیال سے رہا کردیتا تھا کہ آخر یہ قید میں پڑے پڑے مر جائیں گے اور ان کی موت سے بادشاہ اور دیوانی کے حکام بجبر ظلم وستم کی بدنامی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ جن کے ذمہ بیس بیس تیس تیس ہزار روپے کے مطالبے ہوتے تھے وہ ان کو رہا کر کے بقایاجات کی وصولی کے لئے تین ہزار دو ہزار کی اقساط مقرر کردیتا تھا۔

جب وہ لاہور میں دیوان تھا تو اس طریقۂ کار کی وجہ سے لاہور کی دیوانی میں دولاکھ روپیہ کی کمی ہوگئی تھی۔ واقعہ نگاروں نے جب بادشاہ کو اس کی اطلاع دی تو یہ بات بادشاہ کو قابل اعتراض نظر آئی مگر جب امانت خاں نے اپنی عرض داشت میں تفصیل سے تحریر کیا تو بادشاہ نے اس کے طریقۂ کار کو بہت پسند کیا۔ امانت خاں خوافی کے باقی حالات ہم آگے تحریر کریں گے۔

عالمگیر کی اجمیر کو روانگی

چتوڑ کے رانا کو بادشاہ نے ایک تہدید آمیز فرمان بھیجا کہ وہ جزیہ کو قبول کرے اور راجہ جسونت سے جن بچوں کو منسوب کیا جا رہا ہے ان کو جودھ پور کی سرحدوں سے باہر نکال دے۔ جب بادشاہ کی سواری اجمیر پہنچ گئی تو خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے بعد جودھ پور کے متعلقہ اور سرکش راجپوتوں کے دوسرے پرگنوں کی تاخت و تاراج کے لئے بادشاہی افواج کو متعین کر دیا گیا۔ رانا مقابلہ اور مقاومت نہ کر سکا اور معتبر وکیلوں کو نذرانوں وغیرہ کے ساتھ خدمت شاہی میں بھیجا اور اپنی عرض داشت میں اس نے جزیہ کو قبول کرنے بلکہ جزیہ کی رقم کے لئے اپنی ملک کے دو تین پرگنے مخصوص کر دینے کا اقرار کیا اور یہ بھی عہد کیا کہ وہ مذکورہ جسونت کے بیٹوں کی اعانت نہیں کرے گا اور گذشتہ قصوروں کی بڑی عاجزی انکساری سے معافی چاہی۔ بادشاہ نے اس کی معافی قبول کر لی اور خان جہاں کو اس ضلع کے بندوبست پر چھوڑ کر دارالخلافہ کو مراجعت فرمائی۔ اجمیر کو روانگی سے واپسی تک سات ماہ بیس دن سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔

چتوڑ کے رانا کی سرکشی

چند ہی دن بعد بادشاہ کے حضور اطلاعات پہنچائی گئیں کہ رانا نے دوبارہ سرکشی اور نافرمانی اختیار کر لی ہے اور عہد شکنی کا مرتکب ہوا ہے اور خان جہاں وہاں کا بندوبست خاطر خواہ نہیں کر سکا ہے تو بادشاہ کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور اسی سال کے اواخر میں دوبارہ بادشاہ نے اجمیر کا رخ کیا اور شاہزادہ محمد معظم کے نام فرمان صادر ہوا کہ وہ دکن سے اجین پہنچ کر احکام شاہی کا منتظر رہے۔ شاہزادہ محمد اعظم بنگالہ میں تھا اس کی طلبی کے احکام بھی جاری ہو گئے۔ جب بادشاہی لشکر نے اجمیر کے قریب چھاؤنی لگا دی تو بادشاہ نے شاہزادہ محمد اکبر کو افواج قاہرہ کے ساتھ رانا کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ شاہ قلی خاں کو ترقی اضافہ اور تہور خاں کا خطاب دے کر دوسرے تجربہ کار امراء کے ساتھ شاہزادہ کے ہراول پر مقرر کیا۔

ادے پور سے رانا کا فرار

رانا کو جب فوج کشی کی اطلاع ملی تو اس نے خوف زدہ ہو کر اودے پور کو جو اس کا حاکم نشین مقام تھا ویران کر دیا اور اپنے اور جسونت کے اہل و عیال مال و اسباب اور رعیت کو لے کر دشوا

پہاڑوں اور دروں میں چلا گیا ۔ شاہزادہ کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ تمام امراء و حکام کو لے کر کوہستان کے دروں میں داخل ہو جائے اور کافروں کا قلع قمع کر دے، اس موقع پر جتنے امراء اور روشناس عازم تھے اس فوج کشی میں شامل ہو گئے تھے۔ چند بہادر اور جنگجو افسروں کو رانا کے ملک اور زرعی علاقہ کو پامال کر دینے کے لئے روانہ کیا گیا۔

شہزادوں کی میدان جنگ میں آمد

جب اجین میں شاہزادہ محمد معظم کے پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو حکم صادر ہوا کہ وہ رانا کے تعلقہ اناساگر پر جو اجمیر کے نواح میں آٹھ کوس کے فاصلہ پر ہے آکر ٹھیر جاتے اور اپنے لشکر کو وہاں سے اطراف میں مقرر کر دے کہ جہاں بھی آبادی نظر آئے وہ اس کو گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالیں۔ اسی موقع پر شاہزادہ محمد اعظم کے آنے کی بھی اطلاع ملی کہ وہ چار ماہ کی مسافت کو ایک ماہ سے بھی کم مدت میں طے کر کے اپنی ذاتی فوج کے ساتھ جریدہ پہنچ گیا ہے۔ بادشاہ نے اس کے نام احکام بھیجے کہ وہ رانا کے کوہستان اور دشوار گذار دروں اور راٹھوروں کے تعلقوں میں داخل ہو کر راجپوتوں کے قتل و غارت اور ان کو اسیر بنانے کا سلسلہ شروع کر دے اور ایک فوج کو خاص طور سے متعین کر دے کہ وہ رعیت کو رانا کے علاقہ میں رسد اور غلہ پہنچانے نہ دے اور ان کو دوران جنگ میں کھیتی باڑی نہ کرنے دے۔

راجپوتانہ کی تاخت و تاراج

بادشاہی فوجوں کے مقابلہ پر جسونت کے تعلقہ کے راٹھوروں اور دوسرے تمام راجپوتوں نے رانا کا ساتھ دیا اور کوئی ۵ ہزار سوار اس کے پاس جمع ہو گئے اور بادشاہی لشکر کی رسد اور غلہ پر چھاپے مارنے لگے۔ چنانچہ چند ہزار بادشاہی سواروں کو دشوار گذار دروں میں اپنے پیچھے لگا لائے اور ان کو گھیر کر بے شمار سواروں اور پیادوں کو ہلاک کر دیا مگر آخر کار بادشاہی فوج سے وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے باوجود کہ راجپوتوں نے تمام دروں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور پہاڑوں سے نکل نکل کر شاہزادہ کے لشکر پر شب خون مارتے رہتے تھے۔ بادشاہی لشکر خاص طور سے تہور خاں برہزان کی سرکوبی میں لگا ہوا تھا۔ بادشاہی لشکر نے سارے ملک کو روند دیا ان کے بت خانے اور بڑی بڑی عمارتیں مسمار کر دیں باغوں اور ثمردار درختوں کو کاٹنے اور کافروں کی عورتوں اور بچوں کو جو غاروں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اسیر کر لینے سے بھی نہیں چوکے۔

احمد آباد کے صوبہ دار محمد امین خاں کے نام بھی فرمان صادر ہوا کہ وہ اپنی افواج کے

ساتھ آکر راجپوتانہ اور احمد آباد کی درمیانی سرحد پر کیمپ لگادے اور جہاں بھی راجپوت نظر آئیں ان کو موت کے گھاٹ اتاردے۔

خان جہاں بہادر کو کلتاش کو بدستور سابق دکن کا صوبہ دار مقرر کرکے روانہ کردیا اور تاکید کی کہ وہ قلعہ ساکیر، جو دشمن کے قبضہ میں چلا گیا تھا فوج کشی کرکے اس کو فتح کرلے۔

راجپوتوں کی سازش

سخت ناکہ بندی اور فوجی کارروائیوں سے جب رانا اور اس کے معاون تنگ آگئے اور اناج غلہ بالکل ہی نایاب ہوگیا تو رانا اور راٹھور راجپوت سرداروں نے مکر و تدبیر سے کام لینا چاہا اور پہلے شاہزادہ محمد معظم کی پناہ لے کر چاہا کہ اس کو اپنا شفیع و سفارشی بنائیں اور پھر اسے بغاوت پر اکسا کر اپنا رفیق بنالیں مگر باوشاہزادہ نے ان کی باتوں پر کان نہیں دھرے شاہزادہ کی والدہ نواب بائی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی بیٹے کو سختی سے نصیحت کی کہ وہ کسی بھی معاملہ میں راجپوتوں کی سعی سفارش اور امداد نہ کرے اور رانا کے وکیلوں کو اپنے پاس پھٹکنے تک نہ دے۔ جب راجپوت اس طرف سے مایوس ہوگئے تو انھوں نے شاہزادہ محمد اکبر پر ڈورے ڈالنے شروع کئے شاہزادہ نے جوانی کی ناتجربہ کاری اور ہم دموں ہم نشینوں کے بہکانے سے ان کو باریابی کا موقع دیدیا اور راجپوتوں نے ایک چرب زبان حراف شخص درگا داس کے ذریعہ اس کو بڑے سبز باغ دکھائے کہ چالیس ہزار راجپوت سوار آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں پھر بے حد و شمار خزانہ آپ کے قدموں پر ڈال دیا جائے گا۔ شاہزادہ کا دل بھی ڈانواڈول ہوگیا اور بعض بدعاقبت ہمراہیوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور راجپوت ناتجربہ کار نو عمر شاہزادہ کو بہکانے میں کامیاب ہوگئے اور نو عمر شاہزادہ لالچ میں آکر بدکردار راجپوتوں کے دام فریب میں گرفتار ہوگیا۔

با بدمنشیں وباش بیگانۂ او ۔۔۔ ور دام رفتی اگر خوری دانۂ او
تیراز رہ راستی کمان را کج دید ۔۔۔ دیدی کہ چگونہ جست از خانۂ او

شہزادہ محمد اکبر کی بغاوت

محمد اکبر کے ساتھ راجپوتوں کا میل جول دیکھ کر شاہزادہ محمد معظم نے جو اس سے کسی حد تک محبت بھی کرتا تھا نصیحت آموز خط لکھا اور بادشاہ کے پاس بھی ایک عرض داشت میں اس معاملہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ کافر شاہزادہ کو اغوا کرنے کی فکر میں ہیں ان کے مکر سے غافل نہیں رہنا

چاہیے ۔ لیکن خلد مکاں (عالمگیر) کے دل میں محمد اکبر کی طرف سے کوئی وسوسہ نہیں تھا اور حسن ابدال کی مہم میں خود شاہزادہ محمد معظم کے متعلق اسی طرح کی بدنامی اور شہرت ہو چکی تھی اور راجپوتوں نے جو پہلے بڑے شہزادہ کی طرف رجوع کیا تھا اس کی اطلاع بھی بادشاہ کو ہو چکی تھی اس لئے بادشاہ نے اس کی دی ہوئی اطلاع کو باور نہیں کیا اور اس کو محمد اکبر کے حق میں محض افترا جان کر جواب میں لکھا ۔

" یہ ایک بہتان عظیم ہے اللہ تعالیٰ تم کو راہ راست کی توفیق دے اور بدخواہوں کی باتوں سے محفوظ رکھے ۔"

لیکن کب تک یہ بات ڈھکی چھپی رہتی سارے لشکر میں خیمہ بہ خیمہ یہ خبریں اڑنے لگیں کہ درگا داس کی سرداری میں تیس ہزار راجپوت شاہزادہ سے مل گئے ہیں ۔ محمد اکبر نے تخت پر بیٹھ کر اپنے نام کا سکہ جاری کرا دیا ہے تہور خاں کو ہفت ہزاری کا منصب اور امیر الامراء کا خطاب عطا کیا ہے اور مجاہد خاں اور دوسرے امراء کو بھی جن میں سے بعض مجبور ہو کر ساتھ دے رہے تھے نمایاں اضافے اور ترقیاں دی ہیں اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہے اور اب وہ ناسد ارادوں سے بادشاہ کی طرف رخ کرنے والا ہے ۔

عالمگیر مشکلات میں

اس زمانہ میں کافر راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے ساری فوجیں محمد اکبر کے ساتھ ہی متعین کر دی گئی تھیں اور بادشاہ کے ساتھ بجز اسد خاں اور بہرہ مند خاں کے جو گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ رکاب میں رہ گئے تھے دوسرا کوئی بڑا امیر ساتھ نہیں تھا ۔ رکاب شاہی میں جتنی فوج رہ گئی تھی وہ خواجہ سراؤں اور اہل دفتر کو ملا کر سات سو آٹھ سو سوار بھی نہیں ہوتی تھی ان خبروں سے سارے لشکر میں بڑی ہلچل اور افراتفری مچ گئی بادشاہ نے اپنے دستخط خاص سے شاہزادہ محمد معظم کو فرمان لکھا کہ وہ بلا توقف پوری فوج کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے حضور میں پہنچ جائے ۔ شاہزادہ نے باپ کا حکم آتے ہی لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی اور اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہوگیا ۔ اور بھیر (بار بردار دستہ) اور محل کی عورتوں کو اسی جگہ حافظ حقیقی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں سپرد کر کے شاہزادہ معزالدین اور شاہزادہ محمد عظیم کے ساتھ نو دس دن کا راستہ دو تین دن میں طے کر کے حاضر خدمت ہوگیا ۔

اس کے باوجود کہ محمد معظم نو دس ہزار سواروں کو لے کر پہنچ گیا تھا ، مگر ان پریشان کن خبروں سے کہ محمد اکبر ستر ہزار سواروں کی فوج لے کر مقابلہ کے ارادہ سے قریب آ چکا ہے ۔

بادشاہی فوج میں کسی شخص کو بھی اس ہلاکت سے نجات کی امید نہیں رہی تھی۔ پھر بعض بدخواہوں کے کہنے سے بادشاہ کے دل میں خود محمد معظم کی طرف سے وسوسہ پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ دو جینی اور احتیاط کے ساتھ سلوک کر رہا تھا چنانچہ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ توپ خانہ کا رخ محمد معظم کے لشکر کی طرف کر دیا جائے اور شاہزادہ کو پیغام بھیجا کہ وہ لشکر کو اسی جگہ چھوڑ کر خود اپنے دو بیٹوں کے ساتھ تنہا ہمارے پاس آ جائے۔ شاہزادہ نے حکم کی اطاعت کی اپنے ہاتھ بندھوا کر پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

مجاہد خاں کی علیحدگی

شاہزادہ محمد معظم کے آنے سے پہلے راجپوتوں کی ناکہ بندی کی وجہ سے شاہزادہ محمد اکبر کے لشکر کے متعلق صحیح اور حقیقی معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں۔ بادشاہ نے قلیچ خاں بہادر کے بیٹے شہاب الدین کو جس کے چہرہ سے ہی دلیری اور شجاعت کے آثار نمایاں تھے محمد اکبر کے لشکر کی مصدقہ خبریں لانے کے لئے قراول کے طور پر مقرر کیا تھا۔ شہوار شہاب الدین جب محمد اکبر کی فوج کے قریب پہنچا تو اس کے بھائی مجاہد خاں نے جو مجبور ہو کر محمد اکبر کا ساتھ دے رہا تھا اور اس کے لشکر سے نکل بھاگنے کے لئے موقع کا منتظر تھا اپنے بھائی شہاب الدین کے پہنچنے کی خبر پا کر شہزادہ محمد اکبر سے درخواست کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں اپنے بھائی کے پاس جاتا ہوں اور اسے مائل کر کے اپنے ساتھ لے آتا ہوں۔ محمد اکبر نے اسے اجازت دیدی اس نے جو کچھ نقد اور جنس اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا لے لیا اور باقی مال و اسباب سب وہاں چھوڑ کر بھائی کے پاس پہنچ گیا اور دونوں بھائی بادشاہ کے حضور میں آ گئے۔ اس وقت مختلف و متضاد خبروں کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج بہت مکدر و برہم تھا۔ دونوں بھائیوں کے آنے کی اطلاع ملی تو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور محمد مراد کو حکم دیا کہ جب شہاب الدین حاضر ہو تو شہاب الدین خاں کے خطاب سے اس کو پیش کیا جائے۔ ان بھائیوں کے آنے کے بعد مجاہد خاں کو بھی بادشاہی عنایات سے نوازا گیا اور اس کی زبانی ساری تفصیلات کا علم ہو سکا کہ لشکر کی صحیح تعداد کیا ہے موافق اور منافق مجبور و غیر مجبور کتنے اور کون کون ہیں اس درمیان میں اور بھی روشناس افسر اور امیر آنے لگ گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہد خاں کے نکل آنے سے محمد اکبر کے لشکر میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے۔

تہور خاں کا قتل

سلطان محمد معظم کا ایک معتبر امیر خواجہ مکارم تھا اس نے محمد اکبر کے قراول دستہ پر حملہ کردیا دست بدست لڑائی میں خود بھی زخمی ہوا اور مخالفوں میں سے دو تین کو زخمی کرکے لوٹ آیا اس نے آکر اطلاع دی کہ تہور خاں جو مخالف فوج کا ہراول تھا۔ چند خاص خاص آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے جدا ہوکر روانہ ہوگیا ہے اور اب قریب پہنچ چکا ہے۔ کچھ دیر بعد ہی اس کے پہنچنے کی خبر ملی بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ ہتھیار اُتار کر حاضر ہو۔ جب تہور خاں نے ہتھیار اُتارنے میں حیل حجت کی تو شاہزادہ محمد معظم نے اس کے قتل کا اشارہ کردیا۔ اسی اثناء میں ایک مقرب خاص نے عرض کیا کہ تہور خاں محمد اکبر کے حکم پر فاسد ارادہ سے آیا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ شعلۂ آتش کی طرح برافروختہ ہوگیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر غصہ سے کہا۔ کیا ہم نے نہیں کہا تھا کہ اسے اسلحہ کے ساتھ آنے نہ دیں۔ اس وقت رکاب شاہی کے ایک محافظ افسر نے تہور خاں کے سینہ پہ ہاتھ مار کر اسے روک دیا۔ تہور خاں نے طیش میں آکر ایک طمانچہ اس کو مارا اور لوٹ گیا مگر جلدی میں اس کا پیر ایک طناب میں الجھ گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور اسی وقت پکڑو مارو کا شور مچ گیا اور لوگوں نے گھیر کر تہور خاں پر حملہ کردیا اور اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ لباس کے نیچے وہ زرہ بھی پہنے ہوئے تھا اس کے باوجود اس کی نیت اور اصل ارادہ کے متعلق متضاد اور مختلف روایتیں سننے میں آئیں۔ مگر میں نے خود خواجہ مکارم کی زبان جسے بعد میں جاں نثار خاں کا خطاب ملا تھا اور بہت معمر اور ضعیف ہوگیا تھا۔ سُنا ہے کہ تہور خاں اپنے خسر عنایت خاں کے لکھنے پر جو محکمۂ فوج کا افسر تھا۔ عقیدت و نیک نیتی سے ہی لوٹ آیا تھا اور وہ صرف اپنے حسنِ خدمت عقیدت اور غیرت مندی کے سبب ہتھیار اُتارنے سے انکار کر رہا تھا۔

راجپوتوں میں تفرقہ

جب ہوا خاں کے حضور میں پہنچنے اور وہاں اس کے مارے جانے کی خبر محمد اکبر کے لشکر میں پہنچی تو اس کی فوج اور راجپوتوں کے لشکر میں بڑا خلفشار اور ہنگامہ سا مچ گیا اور ان کے حوصلے گر گئے چنانچہ مزید چند امیر اور راجہ بادشاہ کے حضور میں لوٹ آئے اور بہت سے امیر اور افسر بھاگ گئے۔

لوگوں میں ایک اور بات مشہور ہوگئی تھی کہ بادشاہ عالمگیر نے ایک تدبیر یہ کی کہ ایک فرمان محمد اکبر کے نام لکھوایا جس کا مضمون تھا کہ " اگرچہ تم نے بڑے حسن و خوبی سے

راجپوتوں کو حسب ارشاد ایک جگہ جمع کر دیا ہے بلاشبہ یہ بڑی عمدہ کارگذاری ہے جو تم نے کر دکھائی، اب اگر تم ان وحشی نژاد راجپوتوں کو ہراول بنا کر اس طرح آگے بڑھاؤ کہ وہ دونوں طرف کی تیراندازی کی زد میں آجائیں تو یہ نہایت ہی موثر تدبیر ہوگی ۔ اس فرمان کو پہنچانے کا اس طرح انتظام کیا گیا کہ وہ راجپوتوں کے ہاتھ پڑ گیا اور اسی خط کی وجہ سے راجپوتوں میں تفرقہ و انتشار پھیل گیا ۔ مگر یہ بات کسی معتبر اور ثقہ راوی کی زبانی سننے میں نہیں آئی ۔

محمد اکبر کا فرار

القصہ کہ محمد اکبر بڑے رعب و داب کے ساتھ اتنی بڑی فوج لے کر اقبال مند بادشاہ کے مقابلہ پر نکلا تھا مگر کوئی لڑائی نہیں ہوتی ایک تلوار بھی نیام سے باہر نہیں نکلی .... اور اس کا لشکر بری طرح ہزیمت کھا کر منتشر و پراگندہ ہو گیا ۔ جب محمد اکبر کو راجپوتوں کے پشت پھیر کر نکل جانے کی خبر ملی تو وہ بڑا حیران ہوا اسے اپنے اطراف درگا داس اور رانا کے ایک دو معتمد آدمیوں کے سوا جو تین ہزار کی معمولی فوج کے ساتھ اس کے پاس رہ گئے تھے کوئی رفیق اور فوج نظر نہ آئی جو اس کے لئے سینہ سپر بن جاتی ۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ اپنی تقدیر کو پچھتا وہاں سے فرار ہو گیا ۔ جب اس کے فرار کی اطلاع ملی تو دربار کے مقرب امراء نے شاہزادہ محمد معظم کے ہمراہ فتح کی خوش خبری پہنچائی اور محمد اکبر کے بیشتر کارخانے اور ساز و سامان کو جو اس کے ہمراہ تھا اور لوٹ مار سے بچا رہ گیا تھا ۔ بادشاہی آدمیوں نے ضبط کر لیا اور بادشاہ نے اس کے تعاقب پر محمد معظم کو مامور کیا اور مرشد قلی خاں کے بیٹے محمد مراد کو پورے دکن کی واقعہ نگاری کی خدمت پر مامور کر کے روانہ کر دیا ۔

برہان پور پر مرہٹوں کا حملہ اور غارت گری

سالیر کی ناکام مہم

(جلوس کے تیئیسویں سال مطابق سن ایک ہزار نوے ۱۰۹۰ھ کے واقعات) اب ہم صوبہ دکن کے ان واقعات کو مختصراً تحریر کرنے کے بعد جو تیئیسویں سال پیش آئے تھے محمد اکبر کے بقیہ حالات اور دربار کی روداد کو بیان کریں گے خان جہاں کوکلتاش نے اورنگ آباد پہنچنے کے بعد حکم شاہی کے مطابق قلعہ سالیر کی فتح کا منصوبہ بنایا جو دشمن کے قبضہ میں چلا گیا تھا ۔ سالیر پہنچنے کے بعد خان جہاں نے

تھا کا محاصرہ کر لیا جس کی وجہ سے فوجی کارروائیاں رک گئیں مگر اس معرکہ میں بادشاہی فوج کے بہت سے مسلمان سپاہی تھوڑی تعداد میں کام آگئے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اس سے مجبور ہو کر وہ محاصرہ ختم کر کے اورنگ آباد واپس چلا گیا۔

سیوا جی کی غارت گری اور وفات

سیوا جی اب ان فوجوں کے ساتھ جو ملک میں تاخت و تاراج کرنے کے لیے وہ بھیجتا تھا کم ہی نکلا کرتا تھا مگر اس سال جب خان جہاں بہادر اورنگ آباد کا صوبہ دار تھا وہ ایک بھاری فوج لے کر نکلا اور بیجا پور کی سرحد کے علاقہ میں داخل ہو کر قصبہ جالنہ پر حملہ کیا جو اس ضلع کا آباد و خوشحال قصبہ تھا جس میں بہت سے سوداگر اور مالدار لوگ رہتے تھے اور اس قصبہ کے تاجروں کا قیمتی مال و اسباب اور نقد جواہرات وغیرہ اس میں رہتے تھے۔ سیوا جی نے جالنہ کو لوٹ لیا اور [illegible] اس کے بعد آس پاس کے جو قصبے تھے ان پر بھی دھاوے کر کے وہاں بھی لوٹ مار کرکے اور آگ لگا کر ان کو برباد کر دیا۔ جالنہ کا یہ قصبہ بالاگھاٹ کا تجارتی مرکز تھا اور جہاں تاجروں کا مالِ تجارت رکھا جاتا تھا۔ جالنہ میں ایک بزرگ سید جان محمد نامی تھے جو بڑے صاحب کشف و کمال بزرگ تھے اور صاحبِ ارشاد درویش تھے ریاضت و عبادت میں ان کا بڑا مرتبہ تھا اور لوگوں کو دعوت و ہدایت دیتے رہتے تھے۔ جب بھی کوئی دشمن اس قصبہ کا رخ کرتا تھا وہاں کے لوگ مال و عیال کو لے کر انہی سید کے تکیہ میں پناہ لے لیتے تھے اور کافروں کی آفت سے محفوظ رہتے تھے اس سال بھی جب مرہٹوں نے حملہ کیا تو مال دار اور صاحب سرمایہ اشخاص نقد و جنس ساری مالیت لے کر اس درویش کے تکیہ پر آگئے۔ جب سیوا جہنمی کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان بزرگ کا پاس و ادب ملحوظ نہیں رکھا اور ان کے ہاں پناہ گزینوں پر حملہ کر دیا اور جب سید ان کو منع کرنے لگے تو مرہٹوں نے ان کو اور ان کے آدمیوں کو بھی جھڑک دیا اور دھکیل دیا۔ سید جان محمد جو دین و تقویٰ کی دعوت کے سبب سارے دکن میں مشہور تھے اور ان کی باطنی توجہ بھی تیر اجل کا حکم رکھتی تھی۔ بدا صل سیوا کے انقطاعِ حیات کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ جلد ہی طبعی موت مر گیا۔

سیوا اور اس کا جانشین سنبھا

سیوا اسی سال (۱۰۹۰ھ؍ ۲۳ سنہ جلوس) مرتضیٰ آباد کے نواح میں جہنم رسید ہو گیا۔ میں نے اس کی تاریخ بھی "کافر بہ جہنم رفت" نکالی ہے۔ سیوا کے دو بیٹے تھے سنبھا اور رام راجہ سنبھا

باپ کی جگہ گدی نشین ہوا اور اس نے کب کلش برہمن کو جو الہ آباد سے اس کے ہمراہ آیا تھا اپنا دیوان اور صاحب مدار بنایا۔ سبنھا کا باپ سیوا کچھ خوبیاں بھی رکھتا تھا۔ مثلاً وہ اپنے تعلقہ کی رعایا کی عزت و ناموس کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا اور بجز اس کے کہ وہ باغی تھا قافلوں کو لوٹ لیتا تھا اور مردم آزاری کرتا رہتا تھا۔ دوسرے کوئی بُرے اعمال اس سے ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ جب اسیری اور لوٹ میں لوگوں کے اہل و عیال اور عورتیں اور کلام اللہ کے نسخے آتے تو وہ ان کی حفاظت و احترام کے لئے بڑی تاکید کرتا تھا اور جو بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا وہ اسے سزا دیتا تھا۔ مگر اس کا یہ بدبخت بیٹا سبنھا باپ کی روش کے خلاف دوسری قوموں کی عورتوں کو جمع کرنے اور اپنی ہی مقامی رعیت کے ناموس و آبرو پر ہاتھ ڈالنے لگا۔ اس کا باپ سیوا اگرچہ مشہور اور آباد پرگنوں کو لوٹنے میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا مگر اس نے کبھی بھی اورنگ آباد اور برہان پور پر جو بادشاہوں کے پایہ تخت کہلاتے تھے۔ دست درازی کی ہمت نہیں کی تھی۔ جب اس کے رفیق اور مشیر اسے ان دونوں شہروں کو تاخت و تاراج کا مشورہ دیتے تھے تو وہ دور بینی کی وجہ سے قبول نہیں کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "اگر ہم نے ان دو شہروں کو لوٹنے کی کوشش کی تو عالمگیر بادشاہ کی غیرت بھڑک اٹھے گی اور وہ لازماً ادھر کا رخ کریں گے پھر بادشاہوں کی لڑائی نہ معلوم کس نتیجہ پر پہنچا دے گی" سیوا کے جانشین سبنھا نے باپ سے ایک قدم آگے بڑھ کر ان شہروں پر حملہ کرنے کی رسوائی مول لی۔

برہان پور کے مضافات پر مرہٹوں کا حملہ

۱۸ محرم ۱۰۹۱ھ مطابق ۲۳ جلوس کو جب کہ برہان پور پر خان زماں کی نیابت میں کاکر خاں افغان صوبہ دار تھا اور جزیہ کے منصب پر بھی مامور تھا اور ان دنوں اس کے پاس دو تین سو سواروں سے زیادہ جمعیت نہیں تھی سبنھا تقریباً بیس ہزار سوار لے کر نکلا اور صوبہ برار کے اطراف میں لوٹ مار کرتے ہوئے ۷۵ کوس تک یلغار کرتے ہوئے نکل گیا اس زمانہ میں تاخت و تاراج کا یہی طریقہ تھا پھر اچانک وہاں سے پلٹ کر ایک صبح کو جب کہ کسی طرف بھی کاذبلی کی فوج کے گشت کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ اچانک اس نے بہادر پورہ پہنچ کر حملہ کر دیا۔ بہادر پورہ برہان پور سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر مال و اسباب سے بھرپور تجارتی پڑاؤ تھا وہاں کھتری صراف اور تاجر رہتے تھے ادھر دکان میں جواہرات سونا چاندی تمام بند رکھا ہوا ہوں سے

آنے والا لاکھوں کا ساز و سامان بھرا رہتا تھا۔ مرہٹے اچانک بے خبری میں پہنچے اور انھوں نے بہادر پورہ کو اور ایک دوسرے شہر پورہ کو جو شہر پناہ سے باہر واقع تھے گھیر لیا۔ خاص طور سے بہادر پورہ پر ان کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ کوئی شخص بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان و آبرو اور مال و متاع کو بچا کر نکل نہ سکا۔ کاکر خاں اور برہان پور کے لوگ اس وقت واقف ہو سکے جب کہ دونوں بستیوں سے دھواں اور آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ نائب صوبہ دار کے پاس اس وقت اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ باہر نکل کر مرہٹوں کا مقابلہ کر سکتا اس لئے وہ محصور ہو گیا اور دروازے برج اور فصیلوں کو مضبوط کرنے کی تدبیریں کرتا رہا۔ مرہٹوں نے جب دیکھا کہ ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہے تو انھوں نے شہر پناہ سے متصل جتنی بستیاں تھیں اور جو شہر سے جدا نہیں بلکہ وسط شہر کا حکم رکھتی تھیں جیسے حسن پورہ، شاہ گنج شاہ جہاں پورہ، خرم پورہ، نواب پورہ اور ان کے علاوہ کوئی سترہ کے قریب اور بستیوں کو گھیر کر بری طرح لوٹ لیا اور ان میں آگ لگا دی یہ ساری بستیاں تاجروں اور صرافوں کے لاکھوں کی مالیت کے ساز و سامان سے بھری ہوئی تھیں یہاں کے رہنے والے بعض غیرت مند شرفا نے اپنی عورتوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا اور خود بھی لڑ کر جان دیدی اور بہت سے لوگ تن بہ تقدیر صبر کر کے بیٹھے رہے۔ جو لوگ قلعہ کے متصل اور شہر پناہ کے دروازہ کے قریب تھے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر بڑی بدحواسی کے عالم میں شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

مرہٹوں کی لوٹ مار

مرہٹے برابر تین دن تک بڑے اطمینان سے مضافات کی بستیوں کو لوٹتے رہے۔ مرہٹوں نے گھر تک کھدوا دیئے اور بعض مقامات سے ان کو بڑی مقدار میں وہ دفینے بھی مل گئے جو مدتوں سے دفن تھے اور اکثر جگہ خود صاحب خانہ کو ان دفینوں کا پتہ نہیں تھا۔ مضافات کو لوٹ لینے کے بعد مرہٹوں نے زینے تیار کر کے شہر پناہ پر بھی یورش کی مگر منصب داروں کی ایک جمعیت نے مورچوں پر دروازوں پر اور برج و فصیل پر بڑی بہادری سے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور ان کو دھکیل دیا جس کی وجہ سے مرہٹے شہر پناہ کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ مرہٹوں نے پہلی لوٹ میں تانبے پیتل کے برتن چینی کا سامان تانبے کے سکے اور کرانہ کا سامان جیسے کالی مرچ، دار چینی، جوز، جوتری، گرم مصالح اور لوگوں کے استعمال کے کپڑے تک لوٹ کر جمع کر لئے تھے مگر جب ان کے ہاتھ سونے

چاندی کے ذخیرے جڑاؤ زیورات اور بھاری قیمتی کپڑے آ گئے اور لوٹ کا مال اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کا اٹھانا محال ہو گیا تو انھوں نے پہلی تمام چیزوں کو وہیں پھینک دیا اور سونا وغیرہ لے کر چلے گئے ان کے جانے کے بعد راستوں بازاروں میں اتنا روپیہ پیسہ اور مال و اسباب پڑا ہوا تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

خان جہاں صوبہ دارِ دکن کی روش

جب اورنگ آباد میں دکن کے صوبہ دار خان جہاں بہادر کوکلتاش کو برہان پور پر مرہٹوں کی لوٹ مار کی اطلاع ملی تو وہ بلا توقف وہاں سے لشکر کو لے نکلا اور اس تیزی سے یلغار کی کہ تین چار دن کے راستہ کو ایک دن اور ایک رات میں طے کر لیا اور بیس کوس پر فردا پور کی تلہٹی میں پہنچ گیا مگر وہاں پہنچ کر اس نے اچانک ٹھیر جانے کا فیصلہ کیا اور تین چار گھڑی جانوروں کو آرام دینے اور سستانے میں گذار دیں۔ وہ لوگ جو خان جہاں سے بدظنی رکھتے ہیں ان کے کہنے کے مطابق مشہور یہی ہے کہ سنبھا کے وکیل نے خان جہاں کو بھاری رشوت دے کر درخواست کی تھی کہ وہ چار پانچ گھڑی اسی جگہ توقف کرے۔ یہ بات واضح تھی کہ مرہٹے برہان پور سے بھاگنے کے بعد مال و اسباب کی گراں باری اور خان جہاں بہادر کے تعاقب کے ڈر سے اپنے دور دراز کے مشہور قلعوں تک نہیں جا سکتے تھے ان کے تصرف میں یہی راہ تھی کہ وہ تعلقہ بگلانہ میں سالیر کے قلعہ کا رخ کریں جو تمام قلعوں کی نسبت قریب بھی تھا اور ان کے قبضہ میں تھا چنانچہ انھوں نے سالیر جانے کے لئے پرگنہ مصطفیٰ آباد عرف چوپڑہ کا ہی رخ کیا۔ اس صورت میں خان جہاں پر لازم تھا کہ وہ فردا پور سے بلا تاخیر بائیں ہاتھ پر دھرن گاؤں کی طرف نکل جاتا اور وہاں سے چوپڑہ کے راستہ پر پہنچ کر ان کافروں کو روک لیتا مگر وہ دشمن کے وکیل کی گذارش کے مطابق عیدل آباد کے سیدھے مگر طویل راستے سے روانہ ہوا اور غنیم کو کافی وقت مل گیا کہ وہ سارے مال متاع سونا چاندی کپڑا پوشاک اور اسیروں کو لے کر خان جہاں کے برہان پور پہنچنے تک چوپڑہ کے راستہ سے یلغار کرتے ہوئے چار پانچ دن میں سالیر کے قلعہ میں پہنچ جائے۔

برہان پور کے علماء کی نالش

برہان پور کے علماء، شرفا اور مشائخین نے بادشاہ کے پاس فریاد کی اور ایک محضر بھجوایا جس میں کافروں کے غلبہ و تسلط اور مسلمانوں کے مال و ناموس کی بربادی کا ذکر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اب یہ

علاقہ دار الحرب بن گیا ہے) اس لئے یہاں کی جمعہ کی نماز ترک کر دی گئی ہے۔ اس عرض داشت کے پہنچنے پر بادشاہ نے خان جہاں بہادر کے نام سخت فرمان بھیجا جس میں اس کی روش پر اعتراض کیا گیا تھا اور یہ اشارہ بھی تھا کہ خود بدولت دکن کے کافروں کی سرکوبی کے لئے وہاں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خان جہاں پر بادشاہ کا سخت عتاب نازل ہوا' چنانچہ خان جہاں بہادر نے اس سال اپنی ترقی اور منصب میں اضافہ کی تجویزوں کا جو طومار بھیج رکھا تھا۔ خلاف دستور سابق بادشاہ نے ان سب کو یک قلم نامنظور کر دیا اور دکن کے اس فساد اور شاہزادہ محمد اکبر کے فرار کی وجہ سے برہان پور کی طرف پیش خانہ شاہی نکالنے کا حکم صادر کر دیا۔

شہزادہ محمدؐ اکبر کی صحرانوردی

(جلوس کا چوبیواں سال مطابق ایک ہزار اکیانوے ہجری)

محمد اکبر کی پریشانی

جب شاہزادہ محمد اکبر کا لشکر منتشر و پراگندہ ہو گیا اور اسے پوری طرح ہزیمت ہو گئی تو اس کے اطراف اس کے قدیم ملازم اور راجپوت بس تین چار سو کی تعداد میں رہ گئے نہ کوئی فوج رہی نہ جمعیت۔ اس کا ساتھ دینے والوں میں قدیم الخدمت ضیاء الدین شجاعی اور دو تین قابل افسر تھے۔ اس کے لشکر کا سارا مال و اسباب خزانہ اور توپ خانہ جتنا کچھ تھا لٹا اور باقی بادشاہی قبضہ میں آ گیا' اس سامان کے ساتھ اس کا ایک خورد سال بیٹا نیکو سیر اور دو بیٹیاں بھی بادشاہ کی تحویل میں آ گئیں' اس کا ایک لڑکا جو سن شعور کو پہنچ گیا تھا۔ راجپوتوں کے ہاتھ پڑ گیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اب محمد اکبر کا برا حال تھا' وہ حیران و پریشان سوچ رہا تھا کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں مگر کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی کبھی تو وہ شاہجہاں آباد اور لاہور کا ارادہ کر کے اجمیر کی راہ لیتا تھا اور کبھی ایران کے ارادہ سے کسی اور سمت بھٹکنے لگتا تھا مگر جس طرف بھی جاتا فوج دار اور زمیندار بادشاہ کا حکم پہنچ جانے کے سبب سد راہ ہو جاتے تھے اس کے تعاقب پر شاہزادہ محمد معظم کو مامور کیا گیا تھا مگر ایک مشہور روایت کے مطابق محمد معظم اس کے تعاقب سے پہلو تہی کرتا رہا اور برائے نام عنان کشیدہ اس کے پیچھے جاتا رہا۔

دکن کی طرف فرار

محمد اکبر کو جو موقع ملا تو اس نے لاہور اور ملتان کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور بعض زمینداروں کی راہنمائی میں دشوار گذار کوہستانی علاقے سے دکن کی طرف روانہ ہو گیا اور اکبر پور کے تعلقہ کے گھاٹوں سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر راجہ موہن سنگھ کی سرحد سے اس نے دریا کو عبور کیا راجہ موہن سنگھ میر بحری کے محکمہ کے تحت محرر سوانح تھا۔ وہاں سے اکبر تھالنیر کے قلعہ دار میر نور اللہ ولد میراں کے تعلقہ کی سرحد پر پہنچا اس دوران میں دربار سے صوبہ دار دکن خان جہاں بہادر اور دوسرے تمام فوج داروں کے پاس کمر فرامین اور احکام پہنچ چکے تھے کہ اکبر جس جگہ بھی پایا جائے اس کو زندہ گرفتار کر لیا جائے اور اگر ممکن نہ ہو قتل کر دیا جائے۔ حسب الحکم خان جہاں محمد اکبر کو گرفتار کرنے کے لئے یلغار کرتے ہوئے تعاقب میں پہنچا اور اس سے چودہ پندرہ کوس تک پہنچ بھی گیا مگر قریب پہنچنے کے باوجود اس نے شہزادہ کو گرفتار کرنے سے چشم پوشی کی۔ یہ بات میر نور اللہ کی عرض داشت سے جو ایسے معاملات میں بڑا صاف گو اور بے باک تھا بادشاہ کو معلوم ہوئی، اس معاملہ میں بھی بادشاہ کا اعتراض آمیز فرمان جاری ہوا اور تمام خبر نویسوں کو بھی تہدیدی احکام دیئے گئے۔

خون آلود لبادہ

جب محمد اکبر بگلانہ کی سرحد پر طہیر کے قلعدار اور فوج دار راجہ دیبی سنگھ بندیلہ کے تعلقہ میں پہنچا تو راجہ نے محمد اکبر کو روکنے اور گرفتار کرنے کے لئے اپنی فوج متعین کر دی مگر فوج اس وقت پہنچی جب کہ محمد اکبر بگلانہ کی سرحد سے گذر چکا تھا۔ البتہ اس کے ساتھ چند راجپوت پیچھے رہ گئے تھے جن کو راجہ کے آدمی تسلی دلاسا دے کر اپنے ساتھ دیبی سنگھ کے پاس لے آئے۔ ابھی راجہ ان راجپوتوں سے محمد اکبر کے متعلق استفسار کر رہا تھا کہ راجہ کے چند دوسرے سوار محمد اکبر کے خون آلود لبادہ لے کر آئے جو اس نے گرمی کی وجہ سے اتار کر اپنے ایک ملازم کے کاندھے پر ڈال دیا تھا، اور راجہ کے سواروں نے اس ملازم کو جا لیا تھا اور اسے زخمی کر دیا تھا۔ جب تک کہ اس بات کی تحقیق ہوتی راجہ کو گمان ہوا کہ شاید محمد اکبر کی جان پر ہی کوئی آفت آگئی اور وہ اس بات سے ڈر گیا اور اپنے سواروں پر غصہ کرتا رہا۔

اکبر سنبھا کی پناہ میں

مختصر یہ کہ محمد اکبر فرنگیوں کی سرحد سے بگلانہ کے کوہستان میں چھپتا چھپاتا ایک خطرناک سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پہاڑی لوگوں

کو کچھ رقم دے کر ان کی رہبری حاصل کی اور سنبھا کے تعلقہ راہیری کی سرحد پر پہنچ گیا۔ سنبھا نے اس کا استقبال کیا اور اپنے حاکم نشین مقام پر جو قلعہ راہیری سے تین کوس پر تھا اسے ٹھہرا دیا اور اس کے اخراجات کا انتظام کرا دیا۔ محمد اکبر کے بقیہ حالات آگے بیان ہوں گے۔

بادشاہ عالمگیر دکن میں

(جلوس کا پچیسواں سال مطابق ۱۰۹۲ھ)

برہان پور میں قیام اس سال عید الفطر کے بعد بادشاہ عالمگیر خلد مکاں نے دکن کے کافروں کی تنبیہ کے لئے دکن کا رخ کیا۔ سفر میں شاہزادے بھی رکاب میں تھے۔ بادشاہ نے راستہ میں لوگوں کے معاملات کے تصفیے کرتے اور شکار کرتے ہوئے سفر جاری رکھا اور اکبر پور کے گھاٹ سے دریا کو عبور کیا۔ ۲۴ ماہ ذی قعدہ کو لشکر برہان پور پہنچ گیا۔ بادشاہ نے قلعہ ارک کے دولت خانہ میں قیام فرمایا۔ صوبہ دار دکن خاں جہاں بہادر اور دکن کے چاروں صوبوں کا دیوان امین خاں فوج داروں اور متصدیوں کے ساتھ بارگاہ شاہی میں باریاب ہوا۔ بیجا پور، قطب شاہ اور مرہٹوں کے نامی گرامی صاحب فوج سردار بھی خدمت شاہی میں حاضر ہوئے ان کو خلعت، منصب ہاتھی گھوڑے اور جواہرات عطا ہوئے۔

جزیہ کی وصولی کا بندوبست جزیہ کی ادائیگی کے معاملہ میں شہر برہان پور اور پرگنوں کے کفار بادشاہی ملازموں کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے اور کوئی پرگنہ ایسا نہیں تھا جہاں کی رعیت فوج داروں اور مقدموں کی اعانت سے ہنگامہ، فساد اور لڑائی پر آمادہ نہ ہو۔ بادشاہ نے میر عبدالکریم کو بلدۂ برہان پور کے جزیہ کی وصولی پر مامور کیا۔ عبدالکریم بڑا منتظم اور دیانت و فضیلت کے اوصاف میں ممتاز تھا اور بادشاہ کا استاد زادہ تھا۔ اس کو سوار پیادے اور ضرورت کا تمام ساز و سامان دے دیا گیا اور کوتوال کو حکم دیا کہ جو بھی جزیہ کی ادائیگی میں تساہل برتے اُسے سزا دی جائے۔

آتش زدگی کا حادثہ برہان پور میں بادشاہ کے قیام کے دوران آتش زدگی کا حادثہ پیش آیا۔ قلعہ ارک اور چوک سے متصل ایک سرائے تھی اس

ہیں وہ لوگ جن پر سرکاری واجبات اور مطالبات ہوتے تھے محبوس رکھے جاتے تھے اسی میں بادشاہی تنور بھی لگایا جاتا تھا۔ اس سرائے میں بارود کے چند تھیلے پڑے ہوئے تھے اتفاق سے تنور سے سرائے میں آگ لگ گئی اور بارود تک جا پہنچی جس کے دھماکے سے چھت اڑ گئی اور بہت سے لوگ جھلس گئے۔ اسی ضمن میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ بادشاہ کی خواب گاہ کے نچلے تہ خانہ میں بھی بارود کے تیس بورے رکھے ہوئے ہیں جب اس کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ آغاز جلوس سے ہی جب کہ بادشاہ دکن سے دارالخلافہ کی طرف گئے تھے۔ یہ بارود توپ خانہ کے افسروں اور قلعہ کے متصدیوں نے اس جگہ رکھوا دی تھی اور اس وقت سے اب تک اسے وہاں سے نہیں اٹھوایا گیا تھا۔ تمام توپ خانے کے افسر اور قلعہ کے متصدی بادشاہ کے زیر عتاب آگئے اور توپ خانہ کے داروغہ اور کارخانہ جات کے نگران کوئی سات آٹھ آدمیوں کے منصب کم کر دیے گئے۔ بادشاہ نے فرمایا اگر جہانگیر بادشاہ ہوتے تو تمام متصدیوں کو انہی بارود کے تھیلوں میں رکھ کر اڑا دیتے۔ اس میں شک نہیں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ نے دین داری کو پوری طرح اپنا لیا تھا۔ اور ان کے اخلاق بڑے وسیع اور بلند تھے زیادہ سے زیادہ جو سزا وہ دیتے تھے۔ بس یہ کہ منصب گھٹا دیتے تھے اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد ہی بخشیوں کی کارسازی اور سفارش پر بحال کر دیے جاتے تھے۔

اورنگ آباد کو روانگی

برہان پور میں بادشاہ نے تین چار ماہ تک قیام کیا اس کے بعد اورنگ آباد روانہ ہو گئے۔ میر عبدالکریم امین جزیہ نے عرض کیا پورے بلدہ برہان پور میں سال گذشتہ کے جزیہ کی رقم چھبیس ہزار روپیہ خزانہ سرکار میں جمع کرادی گئی ہے۔ اس خانہ زاد نے تین ماہ کی مدت میں بلدہ برہان پور کے نصف محلوں پر ایک لاکھ آٹھ ہزار کے سرکاری واجبات مشخص کر دیے ہیں اور اب وہ امیدوار ہے کہ رکاب شاہی میں ہم سفر ہے اور جزیہ کی خدمت کسی اور کے سپرد کر دی جائے" بادشاہ نے اس کارگذاری پر اس کو ترقی دی اور بڑی تعریف کی اور حکم دیا کہ جزیہ کی خدمت پر اپنے نائب کو مقرر کر کے سفر میں ہمراہ رہے۔

دلیر خاں کا انتقال

اثنائے راہ میں اطلاع ملی کہ بہادر افغان سردار دلیر خاں اچانک بلا کسی عارضہ کے فوت ہو گیا۔ عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ چونکہ اعظم شاہ رات کے وقت خفیہ طور پر دلیر خاں سے ملنے چلا گیا تھا اور بہادر شاہ نے اس

سے واقف ہوکر بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی تھی اس نے دلیر خاں نے زہر کھا لیا۔

رام درّہ پر فوج کشی

اورنگ آباد پہنچنے کے بعد بادشاہ نے شاہزادہ محمد معظم کو قلعوں کی تسخیر اور رام درہ کے کافروں کی سرکوبی کے لئے متعین کیا اور شاہزادہ محمد اعظم کو سرکار بگلانہ میں ملہیر کے متصل قلعہ سالیر کی تسخیر کے لئے بھیجا جو چندسال سے دشمن کے قبضہ میں تھا

شاہزادہ محمد معظم کی ناکامی

شاہزادہ محمد معظم نے جسے کوکن کے رام درہ پر مامور کیا گیا تھا فوج کشی کرکے اس سارے علاقہ کو تاخت و تاراج کر دیا اور دشوار گذار درّوں پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں داخل ہوکر بے شمار کافروں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس مہم میں خواجہ ابوالمکارم نے جو شاہزادہ کا قدیم نمک خوار تھا اور دوسرے بادشاہی افسروں نے بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ مگر اس علاقہ میں بجز مسور کی دال جوار باجرہ اور ناریل منجل کے علاوہ کچھ اور نہیں ملتا تھا اور یہ چیزیں اجنبی اور نو وارد اشخاص کے موافق نہیں تھیں۔ خاص طور سے اونٹ اور گھوڑوں کے لئے تو قطعاً وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آتی اس لئے بیشتر آدمی اور جانور مرنے لگے یہاں تک کہ شاہزادہ کے طویلۂ خاص تک میں کوئی گھوڑا سواری کے لائق نہیں رہا اور لشکر کے اکثر آدمی پیادہ ہو گئے پھر کافروں نے چاروں طرف سے ناکہ بندی کرکے رسد پہنچنے نہ دی اور لشکر کے لوگ جان سے بیزار ہو گئے اور شاہزادہ کا وہاں مزید قیام کرنا دشوار ہو گیا۔ جب ان حالات کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو شاہزادہ کے نام حاضری کا فرمان صادر ہو گیا۔

مرہٹوں کے قلعوں پر فوج کشی

(جلوس کا چھبیسواں سال مطابق سن ایک ہزار ترانوے ہجری ۱۰۹۳ھ)

قلعہ سالیر پر قبضہ شاہزادہ محمد اعظم کو قلعہ سالیر کی تسخیر کے لئے نامور کیا گیا تھا۔ یہ قلعہ ایسا دشوار گذار ہے کہ اس کا محاصرہ کسی طور ممکن نہیں اس کے اطراف سمندر کے کنارے بڑے بڑے گہرے غار ہیں اگر اس سر بفلک قلعہ کے اطراف ایک لاکھ سوار بھی گھیرا ڈال دیں تو کچھ نہیں کر سکتے۔ ان دنوں سرکار بگلانہ کا فوج دار نیک نام خاں تھا۔ جو قلعہ ملہیر کا قلعہ دار بھی تھا۔ سالیر اور ملہیر کے درمیان چھ کوس سے زائد کا فاصلہ نہیں تھا باوجود اس کے کہ سالیر دشمن کے قبضہ میں تھا۔ نیک نام خاں اس ضلع کا بندوبست بڑی عمدگی سے سنبھالے ہوئے تھے۔ ابھی شاہزادہ محمد اعظم کے مقرر ہونے کی خبر نہیں ملی تھی کہ اس نے غنیم کے قلعدار کو جو سالیر میں تھا نامہ و پیغام دے کر اور ہدیے تحفے بھیج کر اپنی طرف مائل کر لیا تھا اور نقد و جنس کی صورت میں کافی بڑی رقم اسے پہنچائی تھی اور اس کے لئے چار ہزاری منصب کے فرمان کی اجرائی کا وعدہ بھی دربار سے طلب کر لیا تھا۔ محمد اعظم کے قلعہ کے قریب پہنچ جانے کے باوجود اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور بڑی سعی و جہد کے بعد قلعہ دار کو قلعہ سپرد کر دینے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ محمد اعظم کو قلعہ کا محاصرہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور بغیر کسی لڑائی کے قلعہ بادشاہی کارگذاروں کے قبضہ میں آگیا۔ محمد اعظم چونکہ قلعہ کو بزور شمشیر فتح کر کے اپنا کارنامہ دکھانا چاہتا تھا اس لئے بغیر جنگ کے اس طرح قلعہ پر قبضہ کر لینا اسے پسند نہ آیا اور وہ نیک نام خاں سے ناراض ہو گیا اور اس کے خلاف دربار میں بڑی شکایات لکھ بھیجیں۔ مگر نیک نام خاں کی یہ مساعی بادشاہ کی مرضی کے مطابق تھیں اور بغیر جنگ و جدال اور خوں ریزی کے قلعہ ہاتھ آگیا تھا اس لئے شہزادہ کی شکایات پر بادشاہ نے کوئی توجہ نہیں دی۔

قلعہ رام سیج کی پہلی فتح جس زمانہ میں صاحب قران ثانی شاہ جہاں بادشاہ دوسری بار دکن گئے تھے تو گلشن آباد اور نظام الملک کے کوکن کے قلعوں کی تسخیر کے لئے جو مہیں مقرر کی تھیں تو سب سے پہلی مہم قلعہ رام سیج پر بھیجی تھی۔ رام سیج

دوسرے سر بہ فلک پہاڑوں کی نسبت ایک چھوٹی دشوار گذار پہاڑی پر اس میں کوئی توپ بھی نہیں تھی۔ چنانچہ وہ معمولی سی کوشش کے بعد بادشاہی قبضہ میں آگیا تھا۔ قلعہ کے اس قدر جلد فتح ہو جانے سے بڑا نیک شگون لیا گیا تھا چنانچہ دوسرے بڑے بڑے قلعے بھی مختصر مدت میں فتح ہو گئے تھے۔ اپنے باپ شاہجہاں کی تقلید میں اس مرتبہ خلد مکاں نے بھی سب سے پہلی فوج شہاب الدین خاں کی کمان میں رام سیج کے قلعہ کی تسخیر کے لئے متعین کی۔ شہاب الدین خاں نے محاصرہ کرلینے کے بعد نقب لگانے مورچے باندھنے دمدمے اٹھانے اور قلعہ پر یورش کرنے کی جتنی تدبیریں تھیں سب کریں اور بڑی محنت و جاں فشانی سے قلعہ پر فوج کشی کی مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا وجہ یہ تھی کہ اس وقت رام سیج کا قلعہ دار تمام مرہٹہ سرداروں میں تجربہ کار اور ہوشیار سردار تھا اور بادشاہی فوج کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر رہتا تھا۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں بادشاہی فوج کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکی۔

ناکام حملہ اور پسپائی

قلعہ رام سیج پر جو فوج مقرر کی گئی تھی اس میں مؤلف تاریخ (خافی خاں) بھی شامل تھا۔ اس قلعہ میں کوئی آہنی توپ نہیں تھی البتہ چمڑے کا کافی بڑا ذخیرہ رکھا ہوا تھا محصورین نے لکڑی کی توپ بنائی اور اس پر چمڑہ منڈھ دیا۔ اسی چوبی توپ سے وہ گولہ باری کر رہے تھے اور بلاشبہ یہ توپ دس توپوں کا کام دے رہی تھی۔ جب شہاب الدین خاں قلعہ کی تسخیر میں ناکام رہا تو بادشاہ نے بہ تقاضائے مصلحت اس کو واپس بلا لیا اور خان جہاں بہادر کو کلتاش کو قلعہ کی تسخیر کے لئے مقرر کردیا۔ خان جہاں بہادر نے بھی پوری کوشش کرلی مگر قلعہ فتح نہیں ہوا۔ اس کی تمام تر کارگذاریوں کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اسی محاصرہ کے دوران خان جہاں بہادر نے ایک منصوبہ بنایا کہ رات کے وقت توپ خانہ کی فوج آتش باری کا سامان لے کر عام یورش کی تیاریاں کرے اور قلعہ کے ایک طرف حملہ کا اعلان کرکے پیش قدمی کرے تاکہ قلعہ والے اسی جانب متوجہ رہیں اور اپنی ساری توپوں کو اس طرف لگا دیں اس موقع پر دوسری طرف سو دو سو دلیر اور بہادر جوان جو قلعہ گیری کے فن میں پوری مہارت رکھتے ہوں، چھپتے چھپاتے مناسب جگہ کا سراغ لگا کر پہنچیں وہ اپنے ساتھ روشنی اور قلعہ کشائی کا سامان بھی نہ لے جائیں بس ضروری ہتھیار اور کمندیں لے لیں، جب قلعہ

والے دوسری طرف متوجہ ہوں تو قلعہ کی دیواروں پر چپکے سے چڑھ جائیں۔ خان جہاں کی یہ تدبیر تو بڑی کارگر تھی مگر قلعہ دار کو بھی اس کی اطلاع مل گئی اس نے اس حملہ کے سدباب کے لئے اپنی تیاریاں کرلیں۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا کہ بادشاہی لشکر جس طرف حملہ کرے اس طرف بازار کے عام آدمی شوروغوغا کرتے ہوئے جمع ہو جائیں۔ ان کے ساتھ چند جنگجو سپاہی بھی متعین رہیں اور نفیری نقارے بجاتے رہیں تاکہ حملہ آوروں کو یہ گمان ہو کہ ساری فوج اس طرف جمع ہو گئی ہے اور دوسری سمت خالی ہے ان لوگوں کو بڑے بڑے پتھر لڑھکانے کے لئے چھپر اور پرانے لحاف تیل میں تر کر کے دیدیئے گئے تاکہ ان میں آگ لگا کر حملہ آوروں پر پھینک دیئے جائیں۔ دوسری طرف خان جہاں کے خفیہ حملہ کے جواب میں جانباز دلیر آدمیوں کا دستہ متعین کر دیا گیا اور اُسے حکم دیا گیا کہ وہ فصیلوں برجوں پر اس طرح ساکت و صامت خاموش بیٹھا رہے کہ کسی کی آواز سنائی نہ دے۔ ان لوگوں کو آہنی لزکیلے دستانے پہنا دیئے گئے۔ چنانچہ یہ سپاہی ناخواندہ مہانوں کے استقبال میں خاموشی سے منتظر رہے اور جیسے ہی حملہ آوروں میں سے دو اشخاص نے فصیل پر چڑھ کر سر اٹھایا قلعہ کے جوانوں نے اس طرح آہنی دستانے ان کی شکلوں پر کھینچے کہ سر کی کھال آنکھوں سمیت اُتر آئی اور وہ اُلٹ کر ایسے گرے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لپیٹ میں لیتے ہوئے نیچے پہنچ گئے اور خان جہاں کا یہ حملہ ناکام ہو گیا۔

جنات کی تسخیر کا قصہ

اسی لڑائی کا ایک دلچسپ قصہ یہ مشہور ہے کہ خان جہاں بہادر کے طویلے کے ایک سائیس نے عرض کیا کہ مجھے جنوں کی تسخیر کے فن میں مہارت حاصل ہے۔ اگر سو تولہ سونے کا ایک سانپ بنا کر میرے ہاتھ میں دے دیا جائے اور مجھے حملہ آور فوج کا پیش آہنگ بنا دیں تو میں جنات کی مدد سے فوج کو قلعہ کے دروازہ پر پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ خان جہاں نے اس کی فرمائش پوری کرنے کا حکم دیدیا مگر ابھی وہ حملہ آور فوج کے ساتھ نصف راستہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ سن کی رسیوں کا جلتا ہوا ایک گولا اس کے سینہ پر اس زور سے آکر لگا کہ سونے کا سانپ تو ہاتھ سے چھوٹ کر پتہ نہیں کہاں گیا اور اس نے لڑھکتے لڑھکتے پہاڑ کے دامن میں ہی جا کر سانس لی۔ مختصر یہ کہ خان جہاں بہادر بھی جب کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو بادشاہ نے

اسے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیدیا۔ جب بادشاہی لشکر وہاں سے کوچ کرنے لگا تو خان جہاں نے حکم دیا کہ جو مکڑیاں مورچے باندھنے کے لئے کافی خرچ کر کے سنگلاخ زمین میں نصب کی گئی تھیں جلادی جائیں۔ اس وقت قلعہ والے قلعہ کے کنگروں پر جمع ہوکر واپسی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور بادشاہی فوج کو گالی گفتار سے طنز و استہزاء سے نواز رہے تھے اور شوخی کے ساتھ ڈھول نقارے بجا بجا کر مذاق اُڑا رہے تھے۔

بعد میں اس مہم پر قاسم خاں کرمانی جو سپہ سالاری اور کارگذاری میں بڑی شہرت رکھتا تھا مقرر ہوا اس نے بھی بڑی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا آخر بادشاہ نے اس قلعہ کی تسخیر کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیا اور قاسم خاں کو دوسری خدمت پر مامور کر دیا۔

قلعہ رام سیج پر قبضہ

سبنھا نابکار نے رام سیج کے قلعہ دار کی اس کارگذاری پر خوش ہوکر اس کے لئے خلعت مرصع کٹھ اور نقد رقم بھیجی اور دوسرے قلعہ داروں پر اسے امتیاز عطا کر کے اسے ایک مشہور اور بڑے قلعہ پر مقرر کر دیا۔ رام سیج پر نیا قلعہ دار مقرر ہوا تو لمہیر کے قلعہ دار نیک نام خاں نے رام سیج کے اطراف کے ایک زمیں دار عبدالکریم نامی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کی مدد سے قلعہ کو نئے قلعہ دار کے قبضہ سے نکال لیا اور بادشاہی افسروں کے سپرد کر دیا۔

اورنگ زیب کے باغی بیٹے کا عبرت ناک انجام

محمد اکبر کی سبنھا سے بیزاری

اب ہم شہزادہ محمد اکبر کے ایران جانے کا حال لکھتے ہیں۔ محمد اکبر ڈھیری جا کر سبنھا کا مہمان تو بن گیا تھا، مگر چونکہ سبنھا نے شاہزادہ کے شایان شان خاطر مدارات نہیں کی تھی اور محمد اکبر کے ہمراہیوں کو خرچ اخراجات بھی ضروریات کے مطابق نہیں مل رہے تھے اور وہ سب بڑی تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے شاہزادہ بہت بددل ہو گیا تھا پھر انہی دنوں ایک اور ناخوش گوار بات پیش آئی۔ سبنھا کے پاس ایک دن محمد اکبر بیٹھا ہوا تھا وہاں کا قاضی سبنھا

کی خوشامد میں بیوقوفی سے کہہ بیٹھا " مہاراج کے دشمن پامال ہو جائیں " محمد اکبر کو اس کے اس طرز پر غصہ آ گیا اُس نے قاضی کو تو " احمق " کہہ کر ڈانٹ دیا اور سنبھاجی سے مخاطب ہو کر کہا " ہمارے سامنے ایسی لغو بات کا کہنا اور تمہارا اس کو سن لینا بڑی بدتہذیبی اور بدنمائی کا ثبوت ہے " پھر انہی دنوں یہ خبر بھی گرم تھی کہ بادشاہ نے جمدۃ الملک اسد خاں کے بیٹے اعتقاد خاں کی کمان میں قلعہ راہیری کی تسخیر کے لئے ایک فوج متعین کی ہے۔ غرض ان تمام وجوہ کے تحت محمد اکبر نے بہر صورت ایران چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے دو چھوٹے جہاز تیار کرائے اور جہازوں میں چالیس دن کا ذخیرہ رکھوا دیا اور وہاں سے روانہ ہونے کی ٹھان لی ان دنوں سمندر میں سیدی یاقوت خاں حبشی کا بڑا زور تھا اس نے بادشاہ کے ڈر سے پہلے تو چاہا کہ شاہزادہ کا راستہ روکنے کے لئے چند جنگی جہازوں کو متعین کر دے مگر آخر میں اُس نے اغماض سے کام لیا اور محمد اکبر نے اللہ پر توکل کر کے اپنے جہاز سمندر میں ڈال دیئے اس وقت اس کے ساتھ ضیاء الدین محمد شجاعی تھا اور بس چالیس پچاس بھروسہ کے آدمی رہ گئے تھے۔

مسقط میں شہزادہ کی گرفتاری

اس بحری سفر میں محمد اکبر کو بڑے خطرناک حادثوں سے دوچار ہونا پڑا اور اس کا جہاز ناموافق موسم کی وجہ سے امام مسقط کے ماتحت جزیرہ پر پہنچ گیا اور مسقطیوں نے شاہزادہ کو گرفتار کر کے امام کے پاس پہنچا دیا۔ امام مسقط قلمرو ایران کا زمیندار اور شاہ ایران کی طرف سے مستقل حاکم تھا۔ اس نے بظاہر شاہزادہ کی آؤ بھگت کی اور بڑی مدارات کی، مگر عملاً اس کو نظربند کر دیا اور خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو اطلاع دیدی۔ اپنی عرض داشت میں اُس نے یہ شرط پیش کی کہ " اگر دو لاکھ روپیہ نقد دیا جائے اور مسقط کا جو سامان جہازوں پر بندرگاہ سورت جاتا ہے۔ اس پر عُشر کی معافی کی سند کسی معتبر بادشاہی ملازم کے ہاتھ بھیج دی جائے تو محمد اکبر کو اس کے حوالہ کر دیا جائے گا "

بادشاہ نے اس کی عرض داشت پر بندرگاہ سورت کے متصدیوں کو لکھ دیا کہ امام مسقط کی درخواست کے مطابق عمل کیا جائے۔

سورت کے متصدی نے شہزادہ کو لانے کے لئے حاجی فاضل نامی کو مقرر کر دیا۔ جو بادشاہ کا موروثی خانہ زاد تھا اور اس خاندان کا فرد تھا جس کے ذمہ بادشاہی بیڑہ کی کپتانی

اور ناخداؤں کے فرائض تھے اور وہ تمام زبانوں سے خوب واقف تھا۔ اس اثناء میں شاہ ایران کو بھی اطلاع مل گئی کہ محمد اکبر کو امام مسقط نے گرفتار کر رکھا ہے۔ اُس نے امام کے پاس مسلسل تہدید آمیز احکام بھیجے کہ۔ ہمارے مہمان کو بلا تاخیر شایان شان اہتمام کے ساتھ روانہ کر دے۔ ورنہ ایران کی فوج اس پر حملہ کر دے گی۔ شاہ نے امام مسقط کے خلاف فوج کشی کے احکام جاری بھی کر دیئے اور اپنا پیش خیمہ بھی منصب کرا دیا آخر امام نے مجبور ہو کر شاہزادہ محمد اکبر کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ شاہ سلیمان کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔

ایران میں شاندار استقبال

ایران میں محمد اکبر پر جو کچھ گذری اس کی تفصیلات مختلف روایتوں سے سننے میں آئی۔ راقم سطور نے جو حالات محمد ہاشم تبریزی سے سنے ہیں وہی بیان درج کر دیتے ہیں محمد ہاشم تبریزی برہان پور کا بخشی اور واقعہ نگار تھا اور ایران کے متوفی الممالک محمد ابراہیم کا بھانجہ تھا۔ یہی محمد ابراہیم شاہ ایران کی طرف سے محمد اکبر کو لانے کے لئے مہمان دار مقرر ہوا تھا۔ جب ایران کی ایک ماتحت بندرگاہ پر محمد اکبر کے پہنچنے کی اطلاع شاہ سلیمان کو ملی تو اُس نے مہمان داری کے لئے محمد ابراہیم کو مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ایک چابک دست مصور کو بھی مقرر کیا گیا تھا کہ وہ محمد اکبر کی تصویر اس طرح خاموشی سے بنائے کہ محمد اکبر کے ساتھیوں اور بادشاہ (عالمگیر) کے آدمیوں کو اس کی خبر نہ لگنے پائے اور یہ تصویر اصفہان جلد از جلد روانہ کر دے۔ شاہ ایران نے شاہی مہمان کی خاطر تواضع کے لئے خاص احکامات دیئے تھے کہ شاہزادہ کو جو چیزیں پسند ہوں وہ مہیا کی جائیں خاص طور سے وہ چیزیں جن کا شہزادہ ہندوستان میں عادی رہا ہے جیسے پان، آم، انناس اور دوسرے ماکولات۔ ملبوسات وغیرہ اور وہ خوشبوئیں۔ جو ہندوستان میں پائی جاتی ہیں جب محمد اکبر اصفہان سے تین کوس پر پہنچا تو اسے شاہی باغ میں ٹھیرا گیا اور شاہ سلیمان نے خود باغ تک آ کر استقبال کیا۔ محمد اکبر شاہ کی پذیرائی کے لئے باغ کے دروازہ تک آیا اور پانچ الماس اور یاقوت کے قیمتی دانے نذر دیئے اور کہا اگرچہ ایران کے بزرگوں کے نزدیک نذر اور ہدیہ ہاتھ میں لے کر بڑوں سے ملنے کا رواج نہیں ہے مگر ہندوستان میں اپنے سرپرست کے پاس خالی ہاتھ جانا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے" شاہ ایران نے بڑی شفقت کا اظہار کیا اور اس کو خوش آمدید کہتے ہوئے حافظ کے چند

شعر پڑھے اور اس کے ہاتھ سے جواہرات اٹھا کر اپنی پگڑی میں رکھ لئے۔ محمد اکبر نے بھی بادشاہ کے جواب میں حافظ کے چند شعر پڑھے۔ ناشتہ تناول کرنے کے بعد دونوں میزبان و مہمان گھوڑوں پر سوار باتیں کرتے ہوئے روانہ ہوئے ان کے راستہ میں زربفت اور مخمل بچھایا گیا تھا جو کاشان کا بنا ہوا تھا اور بندرگاہوں کی چھینٹ تھی۔ یہ فرش اس مکان تک بچھایا گیا تھا جہاں محمد اکبر کو قیام کرنا تھا۔

جشن خزاں کا اہتمام

راوی کا بیان ہے کہ شاہ ایران جس گھوڑے پر سوار تھا وہ بہت ہموار چال چل رہا تھا مگر شاہزادہ کا گھوڑا بہت شوخی اور طراری دکھا رہا تھا محمد اکبر کے چابک سوار نے جلدی سے ایک دوسرا گھوڑا اس کے پاس پہنچایا محمد اکبر نے اس تیزی اور مہارت سے گھوڑے کی سواری بدلی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے اور تعریف کرنے لگے۔ جب دونوں شہر میں پہنچے تو اس مقام پر جہاں سے محمد اکبر کے مہمان خانہ کے لئے راستہ علیحدہ ہوتا تھا اس کے گھوڑے کے سامنے شاہ نے اپنی سواری روک لی اور اسے مہمان خانہ کی طرف پورے احترام سے رخصت کرتے ہوئے فرمایا" کہ کل جب تک کہ میں تم سے ملنے نہ آؤں تم اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا میرا انتظار کرتے رہنا"۔ دوسرے دن بھی شاہ شاہزادہ سے ملنے گیا کچھ دیر بیٹھ کر دل لگی کی باتیں کیں پھر محمد اکبر کو ساتھ لے کر اپنے گھر لے گیا۔ غرض ہر روز اسی طرح نئی نئی مجلسیں اور محفلیں جمتی رہیں۔ ایران میں جب خزاں کا موسم آتا ہے تو دو ماہ چالیس دن تک صحرا اور باغات میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ نیا لباس پہننے کے لئے عریاں ہو جاتے ہیں۔ شاہ ایران نے پت جھڑ کے موسم میں محمد اکبر کے اعزاز میں "جشن خزاں" منعقد کیا۔ چنانچہ شاہی باغ کے درختوں میں مروارید کے شگوفے اور پھل لگائے گئے اور تمام درختوں کی آرائش کی گئی۔ جب شاہزادہ محمد اکبر باغ میں آیا تو یہ تماشا دیکھ کر حیران رہ گیا اور بادشاہ سے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے مروارید کے دریا آپ کے تصرف میں ہیں کہ سارا باغ مروارید کی کلیوں اور پھول پھلواری سے جگمگا رہا ہے۔ ویسے ہندوستان کے جواہر خانہ میں بھی اتنے جواہرات موجود ہیں کہ اگر چاہیں تو مختلف جواہرات سے باغ کی آرائش کر سکتے ہیں"

محمد اکبر کا فرضی بیٹا

ایک دن ایران کی ایک بندرگاہ سے خبر ملی کہ شاہزادہ کا لڑکا فرخندہ اختر نامی ہندوستان سے وہاں پہنچ گیا ہے۔ شاہ نے

اس خبر پر محمد اکبر کو اس کے بیٹے کی آمد پر مبارک بادی کا پیغام دیا اور کہا کہ میں اس کو لانے کے لئے مہمان دار مقرر کر رہا ہوں تم بھی اس کے نام ایک خط لکھ دو۔ شاہزادہ نے جواب دیا کہ میں نے ہندوستان میں اپنے بیٹوں کو چھوڑ دیا تھا اور ان کو ان کے دادا نے اپنے پاس بلا لیا تھا ان کے علاوہ میرا اور کوئی بیٹا نہیں جو یہاں آئے۔ شاہ نے اس کو بلوانے اور مہمان دار روانہ کرنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر محمد اکبر سماجت و اصرار کے ساتھ برابر انکار کرتا رہا اور اس نوجوان کو پیغام بھجوایا کہ تم اپنی نشانی لکھ بھیجو۔ تاکہ معلوم ہو کہ تم میرے بیٹے ہو اس نے جواب دیا کہ آپ کے سامنے آنے کے بعد ہی میں اپنے بیٹے ہونے اور آپ کے باپ ہونے کا ثبوت دوں گا۔ اس کے باوجود محمد اکبر اس کو بیٹا تسلیم کرنے سے برابر انکار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس اجنبی جوان نے اس صدمہ سے کہ محمد اکبر نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اپنے گلے میں رسی کا پھندہ ڈال لیا مگر شاہ ایران کے ملازموں نے اسے خودکشی سے بچا لیا اور رسی اس کے گلے سے نکال لی شاہ نے اس کے لئے روزینہ بھی مقرر کرا دیا مگر محمد اکبر نے اُس کو بیٹا نہ تسلیم کرنا تھا نہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد محمد اکبر نے شاہ ایران سے ہندوستان پر فوج کشی کے لئے امداد اور کمک کی درخواست کی تو شاہ نے کہا "تمہارے باپ کی زندگی تک تو تم ہمارے عزیز مہمان ہو ان کے بعد جب تمہارا اپنے بھائیوں سے کوئی معاملہ درپیش ہو گا تو جو کچھ ہم سے ہو سکے گا، ہم تمہاری امداد کریں گے"۔

جعلی دستاویز

جب کچھ مدت گذرنے پر سلیمان شاہ کا انتقال ہو گیا تو سلطان حسین اس کا جانشین بنا وہ بھی شاہزادہ کی خاطرداری اور مہمان داری میں پہلے سے کہیں زیادہ کوشاں رہا۔ شاہ حسین کے زمانہ میں ایک دن شاہزادہ نے جملۃ الملک اسد خاں کی ایک تحریر کو دستاویز بنا کر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے انتقال کی خبر مشہور کرا دی اور پھر شاہ سے فوج اور خرچ دینے کی درخواست کی۔ شاہ حسین نے جواب دیا کہ "ہمارے خفیہ واقعہ نویس ٹھٹھہ میں اور ہندوستان کی بندرگاہوں پر موجود ہیں اور وہ وہاں کی ضروری اور اہم اطلاعات برابر دیتے رہتے ہیں وہاں سے صحیح خبریں آ جائیں گی تو جو بھی خدمت ہم سے ہو سکے گی ہم دریغ نہیں کریں گے"۔ بعد میں اس کے برعکس ہی اطلاعات آئیں اور شہزادہ محمد اکبر کو بڑی شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ اس واقعہ کے بعد اس کی عزت و آبرو اور

احترام میں بھی بڑا فرق پیدا ہوگیا۔

شاہزادہ محمد اکبر کا انجام

اب ہر طرف سے مجبور ہوکر شہزادہ نے یہ درخواست کی کہ "عراق کی آب و ہوا میرے موافق نہیں ہے مجھے اجازت دی جائے کہ میں خراسان کی سرحد پر گرم سیر علاقہ میں جو ہندوستان کی سرزمین سے قریب ہے جاکر ٹھیر جاؤں اور وہاں کے حکام کو لکھ دیا جائے کہ جب بھی مدد اور کمک کا وقت آئے تو میری کمک کے لئے فوج فراہم کردی جائے"۔ اس درخواست پر شاہ ایران نے بادشاہزادہ کے ماہانہ خرچ مقرر کرکے ہرات کے ملحقہ علاقوں کے محصول میں سے اس کی تنخواہ جاری کرادی اور یہ بھی حکم لکھ کر دے دیا کہ جب بادشاہزادہ محمد اکبر کو اس کے بھائیوں کے ساتھ مقابلہ پیش آئے تو پندرہ ہزار سوار سرکاری ملازموں میں سے بعد رخصت میں سے امدادی دستے فراہم کرکے شاہزادہ کے ساتھ دے دیے جائیں"۔ اس انتظام کے بعد شاہزادہ گرم سیر خراسان کے مضافات میں جاکر ٹھیر گیا اور خوشی ناخوشی وہاں اپنے اوقات گذارنے لگا۔ یہاں تک کہ عالمگیر بادشاہ کے آخری عہد میں وہ سلطنت کی آرزو دل میں لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

مغربی ساحل پر رام درہ کی ناکام مہم؛

(جلوس کا ستائیسواں سال مطابق سن ایک ہزار چورانوے ہجری ۱۰۹۴ھ)

اگرچہ مؤلف ہٰذا کو ان دو تین سال میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق کوئی تحقیق نہ ہوسکی دوسری جگہ سے بھی کوئی ایسی دستاویز مجھے نہیں ملی جس میں قابل ذکر حالات درج ہوں لیکن اس عرصہ کے متعلق مجھے حالات کا پتہ معتبر راویوں کی زبانی چل سکا۔ ان میں میرے مرحوم و مغفور بھائی محمد مراد خاں بھی ہیں جن کے بیانات پر میں کلی اعتماد رکھتا ہوں وہ دربار شاہی کے تربیت یافتہ تھے۔ جب سرکاری خدمت پر متعین ہوتے تو ان کے ذریعہ مجھے کافی تفصیلات

معلوم ہوتی تھیں، اس کے علاوہ میں نے خود رام درّہ کے سفر کے دوران اور حیدرآباد کے عہدہ حجابت (سفارت) پر متعین ہونے کے بعد بذاتِ خود بہت سے حالات کا مشاہدہ کیا تھا۔ روایات کے اختلاف کی اچھی طرح تحقیق کر لینے کے بعد یہ تمام واقعات میں یہاں درج کر رہا ہوں اگر کسی اور نسخہ یا کسی اور راوی کے بیان سے کوئی کمی بیشی علم میں آئے تو مطالعہ کرنے والے مجھے اس معاملہ میں معذور جانیں۔

رام درہ پر فوجوں کی روانگی

جلوس کے ستائیسویں سال کے آخر میں بادشاہ نے احمد نگر سے شاہزادہ معظم کو رام درّہ کے قلعوں کی تسخیر کے لئے مامور کیا تھا یہ قلعہ سنبھا کے قبضہ میں تھے اور اس جانب اب تک بادشاہی فوجوں کا گذر نہیں ہوا تھا۔ شاہزادہ کے ساتھ آتش خاں داروغہ توپ خانہ کو لطیف شاہ دکنی کے ساتھ جسے سرفراز خاں کا خطاب عطا ہوا تھا مقرر کیا گیا تھا ان کے علاوہ بہلول خاں کا بھائی اخلاص خاں اور مشہور مرہٹہ سردار ناگوجی بھی تھا جو اس علاقہ سے بخوبی واقف تھا۔ شاہزادہ کے ہمراہ اس کا خاص تربیت دادہ ملازم خواجہ مکارم بھی تھا بادشاہ ان ہی دنوں اس کو لزصدی کے منصب پر سرفراز کیا تھا اور جاں نثار خاں کا خطاب دیا تھا خواجہ مکارم اگرچہ چھوٹا منصب دار ہی تھا مگر صحیح الرائے اور بہادر ہونے کے سبب بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا تھا۔ شاہزادہ کی فوج بیس ہزار سواروں پر مرتب کی گئی تھی۔ فوج کی واقعہ نگاری پر سعادت خاں عرف محمد مراد کو جو پورے دکن کی واقعہ نگاری کا افسر اعلیٰ تھا مقرر کیا گیا۔ ان سب منصب داروں اور فوجی افسروں کو بادشاہ ہاتھی گھوڑے خلعت اضافہ وغیرہ عطا کیا۔

سانپ گاؤں کا معرکہ

اثنائے راہ میں دشمن کی فوجوں سے سخت مقابلے ہوئے بادشاہی آدمی بھی ان تنگ دروں میں کافی تعداد میں کام آگئے مگر آخر کار لشکر نے دشمن کو مار بھگایا۔ جب لشکر سانپ گاؤں پہنچا جہاں ایک دشوار گذار بلند ترین قلعہ تھا تو شاہزادہ نے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ شاہی امراء نے بڑی جاں نثاری کا ثبوت دیا جاں نثار خاں اور دو تین مشہور امرار بھی زخمی ہو گئے تاہم چند ہی دن میں یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ بعد میں جب لشکر رام درّہ میں داخل ہوا تو یہ درہ سخت دشوار گذار تھا پھر

وہاں کی آب و ہوا بھی لشکر کے موافق نہیں آئی اور کافروں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے لشکر کی رسد کو ہر طرف سے منقطع کر دیا۔ بادشاہی لشکر بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا ایک طرف سمندر تھا اور دو جانب پہاڑ تھے۔ جو زہریلے درختوں سے بھرے ہوئے تھے ان پہاڑوں میں سانپ بھی بکثرت تھے۔ اس موقع پر غنیم کو اچھا موقع مل گیا اور اس نے رسد اور چارہ گھاس کی ناکہ بندی کر دی۔ رسد لانے کے لئے جو فوج بھی جاتی اس میں سے بہت کم آدمی اور جانور صحیح سلامت واپس آتے تھے انسانوں اور جانوروں کے لئے اگر کوئی غذا رہ گئی تھی تو صرف ناریل اور بوندا تھا جس کے کھانے سے زہریلے اثرات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرا غلہ نہیں ملتا تھا۔ اس غذا کے کھانے سے آدمی اور جانور بہت زیادہ تلف ہونے لگے اور غلہ کی گرانی اور کمیابی اس درجہ تک پہنچ گئی کہ بعض وقت گیہوں کا آٹا تین روپیہ چار روپیہ "۳ آثار" بھی نہیں ملنے لگا۔ لشکر میں جو موت کے پنجہ سے نجات پا گئے تھے ان کا حال مُردوں سے بدتر تھا۔ نہایت کمزور نزار ہو گئے تھے کسی امیر کے طویلہ میں گھوڑا باقی نہیں رہا کہ سواری کے کام آتا۔

بحری جہازوں سے کمک

بادشاہ کو جب لشکر کی اس بدحالی کی اطلاع ملی تو بندرگاہ سورت کے متصدی کے نام حکم صادر ہوا کہ جس طرح بھی ممکن ہو جہازوں پر غلہ بار کرا کے سمندر کی راہ پہنچا دے۔ غنیم کو بھی اس انتظام کی خبر ہو گئی چونکہ دریا میں ہر جگہ اس کے بنائے ہوئے قلعے تھے۔ اس لئے اس نے آسانی سے غلہ لانے والی کشتیوں کا راستہ روک کر ان کو لوٹ لیا۔ بس چند ایک کشتیاں بہ مشکل لشکر تک اناج پہنچا سکیں مگر یہ اتنا کم مقدار میں تھا کہ ہر امیر کے بازار میں جو لشکر گاہ میں قائم کر دیا گیا تھا۔ تیس چالیس ٹکے سے زیادہ اناج نہ پہنچ سکا۔ یہاں تک کہ شاہزادہ کی واپسی کے احکام آ گئے اور لشکر ہر جگہ جنگ کرتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں واپس آ گیا۔

حیدر آباد پر بادشاہی فوجوں کی یلغار

حیدر آباد پر فوج کشی کی تیاریاں

ان ہی دنوں حیدر آباد کے حالات بہت تشویش ناک ہو گئے تھے، وہاں کا فرماں روا ابوالحسن تاناشاہ عیش کوشی میں مبتلا تھا اور اس نے اپنا سارا ملک اکنا و مادنا نامی دو کافروں کے سپرد کر رکھا تھا۔ مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ فسق و فجور علانیہ ہونے لگا تھا۔ شراب نوشی عام ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ ابوالحسن سنبھا دارالحربی کی برابر مدد کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ قلعوں کی فتح و تسخیر کے لئے اس نے سنبھا کو ایک لاکھ ہون کی مدد دی تھی اور اس معاملہ میں وہ بہت زیادہ بدنام ہو چکا تھا۔ ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ میر ہاشم کا والد سید مظفر، ابوالحسن کا مقرب امیر تھا اور اسی کی مدد سے ابوالحسن تخت نشین ہوا تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے سید مظفر کو وزارت کے عہدہ پر مامور کر دیا مگر کچھ عرصہ بعد ہی اس کی وزیر سے نبھ نہ سکی اور اس نے اکنا مادنا کے بہکانے سے جس کا ذکر ابوالحسن کی سلطنت کے احوال میں تفصیل سے آئے گا۔ سید مظفر کو وزارت کے عہدہ سے معزول کر دیا اور وکالت کا عہدہ اور سلطنت کے کے اختیارات ان دو کافروں کے سپرد کر دیئے۔

جب ابوالحسن نے سید مظفر کو معزول کر کے نظر بند کر دیا تو اس کا بیٹا میر ہاشم بادشاہ عالمگیر کے حضور فریادی بن کر آیا اور مقربان بارگاہ کے وسیلے سے ابوالحسن کے خلاف نالش کی اور حیدر آباد کو فتح کرنے کی ترغیب دی اور اپنے باپ سید مظفر کو طلب کرنے کی گذارش کی جس کو ابوالحسن نے اپنے پاس نظر بند کر رکھا تھا۔ اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ گولکنڈہ اور صوبہ ظفر نگر کے تعلقہ رام گیر کے چند پرگنوں پر اس کے بدعاقبت امیروں نے اس دعوے کے ساتھ کہ یہ پرگنے تلنگانہ میں داخل تھے قبضہ کر لیا ہے۔ ان وجوہ سے بادشاہ نے حیدر آباد کی فتح اور ابوالحسن کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا اور پہلے خان جہاں بہادر کو کنتاش کو راجہ رام سنگھ اور دوسرے امراء کے ہمراہ ابوالحسن کے امراء کی سرکوبی اور ان کے قبضے سے مذکورہ بالا پرگنوں کو نکالنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، خان جہاں کے ساتھ اس کے لڑکے بھی تھے جن میں خصوصیت سے ہمت خاں بڑا بہادر اور دلیر شہسوار تھا۔ بعد میں اس مہم پر شاہزادہ محمد معظم کو اب بجاری

فوج کے ساتھ مامور کیا گیا جس میں صفدر خاں صفدر، جمدۃ الملک کا بیٹا اعتقاد خاں ملتفت خاں، سید عبداللہ خاں بارہہ، جاں نثار خاں اور دو تین مشہور راجے مہاراجے اور جنگجو امیر تھے۔ بادشاہ نے ان کو خاص مراعات، اضافہ، ہاتھی گھوڑے جواہرات اور نقارہ وغیرہ مرحمت فرمائے اور پورے انتظام و بند و بست کے بعد اس فوج کو تلنگانہ کی فتح کے لئے رخصت کر دیا۔

سیاسی جوڑ توڑ

انہی دنوں بادشاہ نے مرزا محمد داروغہ غسل خانہ کو جو دربار کا تربیت یافتہ، زبان آور اور خلد مکاں کا مزاج داں تھا۔ ابوالحسن قطب الملک کے پاس بھیجا کہ "تمہارے پاس نہایت شفاف اور خوش قطع اور مربع دو الماس ہیں جن کا وزن ڈیڑھ سو سرخ ہے یہ الماس دوسرے تحائف اور واجب الادا لقیہ نذرانوں کے ساتھ روانہ کر دو" برسر عام تو بادشاہ نے اسے یہ پیغام دیا مگر خلوت میں اس کو بلا کر کہا۔ "ہم تجھے پتھر کے ان بے کار ٹکڑوں کے لئے نہیں بھیج رہے ہیں۔ ہم کو ان کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تو اس بہانہ سے وہاں جا کر اس کی بد اعمالیوں کی تحقیق کرے جن کی اطلاعات ہم کو ملتی رہی ہیں اس کام پر خاص طور سے تجھے بھیجنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تو ہمارا جاں نثار خانہ زاد اور مزاج داں ہے اور تجھ سے امید ہے کہ تو دوسروں کی طرح مال اسباب پر فریفتہ ہو کر اس سے خوشامدانہ بات نہیں کرے گا، بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو اس کے پاس جانے کے بعد نہایت درشتی اور سختی سے پیش آنا رہ تاکہ وہ بھی تیرے ساتھ درشتی اور سخت کلامی کرے اس طرح اس کی گوشمالی اور سرکوبی کے لئے ہمارے ہاتھ ایک حجت آجائے گی بس تیرا کام یہ ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو تو اس کے ساتھ الجھنا اور بگڑتا رہ اور بات چیت میں قطعاً اس کے ادب آداب کا خیال نہ کر اور اس سے ملاپ کرنے کی ہرگز کوشش نہ کر۔"

شاہی ایلچی دربار حیدرآباد میں

جب مرزا محمد نے حیدرآباد جا کر بادشاہ کا حکم پہنچا دیا اور جس وزن اور صفت کے الماس کہے گئے تھے اس سے طلب کئے تو ابوالحسن نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور جواب دیا کہ "ایسے الماس میرے پاس نہیں ہیں اگر ہوتے تو بلا حکم ہی میں اپنے لئے باعث سعادت جان کر حضور میں بھجوا دیتا" اس سے پہلے بھی اعلیٰ حضرت شاہجہاں کے زمانہ میں جو الماس کان سے برآمد ہوئے تھے اور بارگاہ شاہی کے نذرانہ کے قابل تھے۔ عبداللہ قطب الملک نے حسب الحکم فرمان جاری ہوتے بغیر ہی بھیج دیئے تھے۔ تاہم ابوالحسن نے الماس کے چند تراشیدہ اور ناتراشیدہ جن بہا

پتھر زمانی یا توتوں کے ہمراہ جو اس کے پاس نذر کے قابل تھے حوالہ کر دیئے۔ اس کے بعد بات چیت میں اکثر مرزا محمد بادشاہ کے حکم کے مطابق عمداً ابوالحسن کی حرف گیری کرتا رہتا تھا اور بے محابا سوال جواب کر کے اس کو قائل کرتا رہتا تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں ابوالحسن کی زبان سے نکل گیا کہ "ہم بھی اس حقیر خطۂ ارض کے بادشاہ کہلاتے ہیں" مرزا محمد نے زجر و توبیخ کرتے ہوئے غصہ سے کہا "تم کو اپنے لئے لفظ بادشاہ استعمال نہیں کرنا چاہئے"۔ ابوالحسن نے اس خیال سے کہ یہ بات عالمگیر بادشاہ تک پہنچے گی تو زیادہ شکر رنجی کا سبب بن جائے گی۔ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "مرزا محمد تمہارا یہ اعتراض غلط ہے۔ ہم اگر بادشاہ نہ کہلائیں تو حضرت عالمگیر شاہنشاہ کیسے کہلائیں گے"۔

میں نے خود محمد مراد خاں کی محفل میں مرزا محمد کو بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ "کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جس میں میں نے اعتراض و نکتہ چینی کر کے ابوالحسن کو لاجواب نہ کر دیا ہو مگر یہ ایک بات ایسی تھی جس میں ابوالحسن نے مجھے لاجواب کر دیا"۔

گولکنڈہ کی فوج

بہرحال جب حیدرآباد سے مرزا محمد واپس چلا گیا اور ابوالحسن کو شاہزادہ محمد معظم اور خان جہاں بہادر کوکلتاش کی سرداری میں بادشاہی فوجوں کے مقرر ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے ابراہیم خاں عرف حسینی بیگ کو جو دربار قطب شاہی کا بڑا امیر تھا اور سپہ سالار حیدرآباد کہلاتا تھا "خلیل اللہ خاں" کا خطاب دے کر مقابلہ پر متعین کیا اس کے ساتھ شیخ منہاج اور رستم راؤ بھی تھے یہ رستم راؤ ابوالحسن کے صاحب سیف وقلم ہندو مشیروں میں سے تھا اور مادنا وزیر کا چچازاد بھائی تھا۔ ان سب کی کمان میں ابوالحسن نے تیس چالیس ہزار سواروں کی فوج بادشاہی لشکر کے مقابلہ میں روانہ کی۔

صلح کی شرائط

شاہزادہ محمد معظم حتی المقدور جنگ تک معاملہ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ جب فوج بیجاپور اور حیدرآباد کی سرحد پر پہنچی تو اس نے خلیل اللہ خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ابوالحسن حسب ذیل امور پر راضی ہو جائے تو اس کے قصوروں کی معافی کے لئے بارگاہ شاہی میں سفارش کی جا سکتی ہے۔ اول یہ کہ وہ اظہار ندامت کر کے معافی کی درخواست دے اور امور مملکت سے اکنا مادنا کو بے دخل کر دے اور ان کو قید میں ڈال دے۔ دوسرے یہ کہ سیڑم اور رام گیر وغیرہ پرگنوں سے جن پر بے جا دعوٰی کر کے اس نے قبضہ کر لیا ہے دست بردار ہو جائے اور ان کو بادشاہی کارندوں کے حوالہ کر دے۔ تیسرے

یہ کہ وہ موجودہ اور سابقہ ساری پیش کش (خراج اور نذرانہ) بلا توقف دریا میں روانہ کردے دکن کے ناقص العقل امراء نے ازراہ غرور مہمل جواب دے دیئے اور بادشاہی غضب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کی آخرکار معاملہ دونوں طرف سے جنگ پر ہی جاکر ٹھیرا اور دونوں فریقوں نے اپنی اپنی فوجیں مقابلہ کے لئے بڑھا دیں۔

دکن کی فوجوں سے سخت مقابلہ

خان جہاں کوکلتاش نے حیدرآباد میں جتنی لڑائیاں لڑیں اگرچہ ان سب کا ذکر اس مختصر انتخاب میں کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم صرف ایک لڑائی کا حال مختصراً بیان کرتے ہیں۔ ایک دن جب کہ خلیل اللہ خاں سے بادشاہی فوج کا مقابلہ ہوا تو خان جہاں کے ساتھ دس گیارہ ہزار سواروں سے زیادہ نہیں تھے ابوالحسن کے امراء کے ساتھ تیس ہزار سے زائد سوار تھے۔ بادشاہی ہراول پر ہمت خاں بہادر مامور تھا۔ صبح ہی سے کوچ اور حملہ کے نقارے بجنے لگے۔ بان چھٹنے اور توپیں و بندوقیں داغنے لگیں اور ایسا سخت معرکہ برپا ہوا کہ سہ پہر تک ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے اور خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ دونوں طرف سے کئی ایک سردار زخمی ہو گئے۔ دشمن نے بادشاہی فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا ؎

سپہ از دو رو تیغ برہم نہاد
زرہ دیدہ از بیم برہم نہاد

خان جہاں پر دشمن کا حملہ

ہمت خاں بہادر کے ہراول پر دشمن کا شدید دباؤ تھا اس کے پاس سے برابر کمک کے اور دشمن کے غلبہ کے پیغام آرہے تھے۔ خود خان جہاں بہادر دکن کی فوجوں سے اس قدر مغلوب ہو گیا تھا کہ اسے خود اپنی نجات دشوار معلوم ہو رہی تھی اور ہر گھڑی دکن والوں کے حملے شدید ہوتے جا رہے تھے۔ اسی حال میں برتی خاں جس کا لقب بات بھنگہ تھا جو دکن کا مشہور جانباز اور لڑاکا افسر تھا اور اس کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر بندوق کی گولی سے زیادہ دور تک ضرب لگاتا تھا۔ بھالا ہاتھ میں لئے گھوڑا اڑاتے ہوئے خان جہاں بہادر کے ہاتھی کے سامنے آپہنچا اور چیخ کر دریافت کیا۔ "تمہارے سردار کے خاصہ کا ہاتھی کون سا ہے؟" پھر اس نے نیزہ سنبھال کر خان جہاں بہادر پہ پھینکنا چاہا۔ خان جہاں نے چلا کر آواز دی کہ "میں ہوں سردار" اس پر جو اس کی توجہ دیا اٹھی کر خان جہاں نے اسے نیزہ پھینکنے کی مہلت نہ دی

عد کی تھی میں تیر جوڑ کر ایسا تاک کر مارا کہ وہ گھوڑے پر سرنگوں ہو گیا۔

مست ہاتھی کا کارنامہ اس وقت تک دکن کی فوجوں نے بادشاہی فوج کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا ہر گھڑی ہراول سے چنداول تک تمام افسر غنیم کے غلبہ کے پیغام بھیج رہے تھے اور کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کہ خان جہاں کی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلتی کہ اس نازک وقت میں ایک فیل بان نے اپنے مست ہاتھی کو جو راجہ رام کے فیل خانہ میں بندھا ہوا تھا باہر نکالا اور تین چار من کی زنجیر اس کے منہ میں دے دی اور اسے ہمت خاں بہادر کی ہراول فوج میں پہنچا دیا اس وقت ابوالحسن کی فوج کے مشہور راؤت اور جنگجو سردار ہراول کے مقابلہ پر گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ جب مذکورہ مست ہاتھی کو ان کے مقابلہ پر ہنکا دیا گیا تو اس جنگی ہاتھی نے بڑی تباہی مچائی وہ جدھر بھی بھاری زنجیر سے ضرب لگاتا اور اپنی سونڈ بلاتا ہوا حملہ کرتا تھا۔ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو جاتی تھیں۔ ہاتھی کو دیکھ کر دکن کے دو تین سرداروں کے گھوڑے بدک گئے اور اپنے سواروں کو زمین سے اُچھال دیا بس تھوڑی ہی دیر میں دکن کی فوج کو ہزیمت ہو گئی اور خان جہاں بہادر نے فتح کا شادیانہ بجوا دیا اور اسی جگہ خیمہ لگا دینے کا حکم دیا بہت سا مال غنیمت اور بے شمار ہاتھی گھوڑے مع توپ خانہ کے بادشاہی فوج کے ہاتھ آ گئے۔

سیڑم کی گڑھی پر قبضہ خان جہاں نے چند دن تک اسی جگہ قیام کیا اور شہزادہ کی فوج کا اور پیچھے رہ جانے والے بعض سرداروں کا انتظار کرتا رہا اس اثنا میں جاں نثار خاں عرف خواجہ مکارم کو سیڑم کی گڑھی فتح کرنے کے لئے جس پر ابوالحسن کے آدمیوں نے قبضہ کر لیا تھا مقرر کیا گیا۔ اُس نے بڑی کوششوں کے بعد گڑھی پر قبضہ کر لیا اور اطراف میں تھانے قائم کر دیئے۔ پھر دکن کی فوج نے حملہ کر کے گڑھی کا محاصرہ کر لیا جاں نثار خاں نے بارہا گڑھی سے باہر نکل کر دکن کی فوج سے مقابلہ کیا اور ابوالحسن کے سرداروں کو شکست دے کر بھگا دیا اور گڑھی کی حفاظت پر جما رہا۔

سہ روزہ جنگ اور شکست اب خلیل اللہ خاں کی مدد پر مادنا اور رستم راؤ کے خاصہ کی فوج جس میں دس ہزار سوار تھے اور جو اطراف کے پرگنوں میں متعین تھی۔ بادشاہی لشکر کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئی۔ جب دکن

کے حکام عذر آمیز پیغام بھیجتے رہے۔ آخر فریقین میں ایک سخت مقابلہ ہو گیا۔ تین دن تک بڑی شدت سے لڑائی ہوتی رہی، ہر لڑائی میں طرفین کے بکثرت آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ چوتھے دن تو ایسی خوں ریز جنگ ہوئی کہ ہمت خاں بہادر، سید عبداللہ خاں، راجہ مان سنگھ اور خان جہاں کی فوج کا دیوان سعادت خاں زخمی ہو گئے۔ آخر بادشاہی لشکر کے جاں توڑ حملوں سے دشمن کو شکست ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ راجہ رام سنگھ اور سید عبداللہ خاں نے دکن کی فوج کے تعاقب کا مشورہ دیا مگر شاہزادہ نے اور خان جہاں نے اسے خلاف مصلحت جانا اور حکم دے دیا کہ اسی جگہ خیمہ لگا کر ٹھہر جائیں۔ اس کے بعد فتح کی عرض داشت بادشاہ کے پاس بھجوا دی گئی۔ اخبار نویسوں کے ذریعہ بادشاہ کی شاہزادہ کے تعاقب نہ کرنے کا سبب معلوم ہو گیا۔ بادشاہ نے دشمن کا تعاقب چھوڑ دینے کو ناپسند کیا، اور شہزادہ اور خان جہاں کے خلاف اعتراضات تحریر کیا ہے۔

شاہزادہ اور خان جہاں کا قابل اعتراض رویہ

واضح رہے کہ ایک عرصے سے بادشاہ کو شاہزادہ سے بڑی کدورت ہو گئی تھی اور خان جہاں بہادر سے بھی شکایات تھیں ایک تو یہ کہ اُس کے لشکر میں فسق و فجور کا بہت زیادہ رواج تھا اور بادشاہ نے بارہا اس پر اعتراض کیا تھا اور فرمان صادر کئے تھے مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا پھر شاہزادہ محمد اکبر کے تعاقب میں بھی اس نے کوتاہی کی تھی کہ سلطان پور کے کوہستان پر نزدیک پہنچ جانے کے باوجود اس نے شہزادہ کو گرفتار کرنے سے پہلو تہی برتی تھی۔ یہ کیفیت پرگنہ تھالیر کے فوج دار میر نور اللہ ولد میر میراں کی رپورٹ سے بادشاہ کو معلوم ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں بعض ملکی اور مالی امور میں بھی اس کی بے راہ روی کی شکایات خلد مکاں کے کانوں تک پہنچ چکی تھیں۔ جب بھی دربار سے نصیحت آمیز فرامین جاری ہوئے تو وہ ان کا جواب گستاخی سے ہی دیا کرتا تھا اور برسر اجلاس بادشاہ کے دودھ شریک بھائی ہونے کا ادعا کر کے نامناسب کلمات ادا کرتا رہتا تھا۔ تعاقب نہ کرنے کا معاملہ بادشاہ کے ملال خاطر میں اضافہ کا باعث بن گیا۔ پھر چند اور بھی ناپسندیدہ باتیں عرض شاہی میں پہنچیں جن سے بادشاہ کی خفگی زیادہ ہو گئی۔

شہر حیدر آباد پر بادشاہی فوجوں کا قبضہ

(جلوس کا اٹھائیسواں سال مطابق سن ایک ہزار پچانوے ہجری ۱۰۹۵ھ)

عالمگیر کا عتاب آمیز فرمان

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں جب فتح کی عرض داشت حضرت خلد مکاں کے پاس پہنچی تو یہ بات ناگوار خاطر گذری کہ دکن کی فوج کے ہزیمت اٹھانے کے بعد اس کا لشکرگاہ تک تعاقب نہیں کیا گیا۔ چنانچہ بادشاہی لشکر نے اس لڑائی میں حسن کارگذاری کا جو ثبوت دیا تھا اس پر پانی پھر گیا اور بادشاہ نے سخت اعتراضات کئے اور اس سلسلہ میں خان جہاں بہادر اور شاہزادہ شاہ عالم کے نام غضب آلود فرمان صادر ہوا۔ اس فرمان سے شاہزادہ بھی بہت رنجیدہ ہو گیا۔

مذکورہ بالا معرکہ کے بعد سے ابوالحسن کے سردار پھر سوار ہو کر مقابلہ پر نہیں آئے۔ مگر دکن کی فوج کبھی کبھی رات کے وقت پر چھاپے مارتی رہی تھی۔ اور دن میں بھی وہ دور دور سے طلایہ گردی کر کے اپنی موجودگی سے آگاہ کرتی رہتی تھی اور اپنی لشکرگاہ کی طرف لوٹ جاتی تھی۔ مگر شاہزادہ اور خان جہاں بہادر چونکہ آزردہ خاطر تھے اس لئے انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی اور چار پانچ ماہ تک بغیر کسی کارروائی کے وہیں پڑے رہے۔ اس بات سے بادشاہ کے رنج و خفگی میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس نے دستِ خاص سے فرمان لکھا اور اس روش پر سخت گرفت کی اور سرزنش کی اور خان جہاں بہادر کو یہ مصرع لکھا۔ ع

"اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست"

(یہ سب کچھ بس تیرا ہی کیا دھرا ہے)

شاہ عالم کی مجلس مشاورت

شاہ عالم کو جب یہ عتاب آمیز فرمان ملا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور سیج کر اس نے اجلاس منعقد کیا اور خان جہاں بہادر اور دوسرے صاحب الرائے امراء کو جمع کر کے دشمن کی سرکوبی کے لئے مشورہ کیا۔ اس اثناء میں حیدر آباد کے سرداروں کو پتہ چل گیا تھا کہ شاہ عالم (شاہزادہ محمد معظم) صلح کی طرف مائل ہے چنانچہ انھوں نے بڑے دل کش پیغام بھیج کر اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور اس سے برابر مراسلت کرتے رہے تھے خان جہاں بہادر بھی

چونکہ بادشاہ کی طرف سے رنجیدہ تھا اور دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ اس لئے اس نے جنگ کا مشورہ نہیں دیا ۔ بعض امراء بھی اس معاملہ میں اس کے ہم زبان تھے مگر سید عبداللہ خاں اور دو تین راجہ مقابلہ اور جنگ پر زور دے رہے تھے چونکہ آراء میں اختلاف تھا اس لئے مجلس مشاورت کو اس دن ملتوی کر دیا گیا ۔ دوسرے دن سید عبداللہ خاں بارہہ نے خلوت میں عرض کیا کہ اگرچہ خان جہاں بہادر بادشاہ کا خیر خواہ تجربہ کار قدیم الخدمت سردار ہے مگر بہتر صلاح یہی ہے کہ بادشاہ کی مرضی کے خلاف عمل نہ کیا جائے اور اس حیلہ باز دشمن پر جو صلح کی درخواستیں کر کے مہلت حاصل کرنا چاہتا ہے فوراً حملہ کر دیا جائے ۔ اگر خان جہاں بہادر ہراول پر رہنا چاہے تو فدوی کو چنداول پر مقرر کر دیا جائے ورنہ یہ بندہ تیار ہے کہ ہراول پر جائے اور اپنی جان قربان کر دے ۔ آپ کسی ایک اپنے فرزند کے نام ہراول کی سرداری کر دیجئے میں اس کی رکاب میں اپنی جان لڑا دوں گا "

دکن کے سرداروں کا صلح سے انکار

اس گفتگو کے بعد شاہ عالم نے محمد ابراہیم سپہ سالار حیدرآباد کو پیغام دیا کہ میں تمہاری طرف سے جو اغماض برتا تھا اور رعایت کی تھی ۔ اُس کے سبب میں بادشاہ کے عتاب میں آگیا ہوں اب طرفین کی بھلائی اور تمہاری سلطنت کی آبرو اسی میں ہے کہ تم سیرم کے پرگنے اور گڑھی اور کیر اور دوسرے سرحدی محالات پر سے جو بادشاہی قبضہ میں آچکے تھے دست بردار ہو جاؤ اور سرحدوں سے لوٹ جاؤ تو میں اس بات کو ابوالحسن کے قصوروں کی معافی اور سفارش کے لئے بہانہ بنا کر حضور میں عرض داشت بھیج دوں گا ۔ جب یہ خط بادشاہی محل کے ناظر زمرد نامی کے ہمراہ محمد ابراہیم سپہ سالار کے پاس پہنچا تو وہ خوش ہو گیا کیونکہ خط اس کے حسب مرضی تھا چنانچہ اس نے اس کا جواب دینے کے لئے دوسرے سرداروں کو مشورہ پر بلا لیا ان جاہل سرداروں نے متفق ہو کر کہ ہم صلح نہیں کریں گے ، تم جواب دیدو کہ " سیرم کا سرحدی قلعہ ہماری تلواروں اور نیزوں کی نوک سے بندھا ہوا ہے اور ہم جنگ کے لئے تیار ہیں " اسی دن دشمن کی طرف سے مرہٹوں نے بان پھینکنے شروع کر دیئے اور ایک بان خاصہ کا کھانا پہنچاتے وقت شاہزادہ کے سراپردہ کے اندر تک چلا آیا اور اس کی ضرب سے خواص کے سر پر کھانے کا تھال الٹ کر گر گیا ۔ پھر اسی دن ابوالحسن کے پاس

سے ایک بڑا توپ خانہ اور تازہ دم فوج آ چکی تھی۔ دکن کی فوج توپوں سے ہوائی گولے چھوڑ رہی تھی جن کے دھماکوں سے شہزادہ کے لشکر میں بڑا شور ہو رہا تھا ساتھ ہی دکن کے گوریلا دستے بادشاہی فوج کی رسد وغیرہ پر مسلسل چھاپے مار رہے تھے۔

مقابلے کی تیاریاں

ان تمام باتوں سے شاہزادہ کی غیرت جوش میں آگئی اور اس نے صف بندی کرا کے شاہزادہ معزالدین کو خان جہاں بہادر کے ہمراہ حسب سابق ہراول پر مقرر کیا۔ صفدر خاں، ہمت خاں اور دوسرے بہادروں کو دلیر راجاؤں کے ساتھ میمنہ میسرہ اور حاشیہ کی فوجوں پر متعین کیا۔ سید عبداللہ خاں کو چند افسروں کے ساتھ چنداول پر مقرر کیا گیا اور قلب لشکر میں اپنے ہمراہ ملتفت خاں خوافی، راجہ مان سنگھ، سمندر بیگ اور خواجہ ابوالمکارم کو لے لیا اور اس ترتیب کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر بادشاہی لشکر بڑھا۔

دوسری طرف ابوالحسن کے سرداروں نے مشورہ کر کے اپنے لشکر کے بہیر (رسد اور بار برداری دستے) کو اس مقام سے جہاں وہ تھا، تین جانب تین چار کوس پر روانہ کر دیا اور توپ خانہ کی لڑائی کو سودمند نہ جان کر انھوں نے بڑی بڑی توپوں کو غاروں میں چھپا دیا اور چند توپوں کو زمین میں دفن کر دیا پھر اپنے لشکر کو دو تین فوجوں میں تقسیم کیا، ایک فوج کو بادشاہی ہراول کے مقابلہ پر دوسروں کو حاشیہ بردار فوج کے سامنے اور ایک بھاری فوج جس پر دو تین ہزار سوار تھے۔ سید عبداللہ خاں کے مقابلہ پر مقرر کی گئی کیونکہ دکن کا دستور ہے کہ وہ چنداول پر شدت سے اور کثرت سے حملہ کرتے ہیں۔

خوں ریز جنگ اور کامیابی

صف آرائی کے بعد دکن والوں نے بڑی تیز رفتاری سے یلغار کی اور ہر طرف سے بادشاہی لشکر پر حملہ کر دیا۔ بادشاہی فوج نے بھی ان کے حملوں کو روکا اور ایک سخت خوں ریز لڑائی چھڑ گئی ؎

زہر سو شدہ انجمن فوج فوج چو دریا کہ خیزد زہر گوشہ موج
ز آمد شد تیر و تیغ و سناں رواں شد پیاپے ز تنہا رواں

دکن کے سرداروں نے بڑی بہادری اور دلیری سے حملے کئے اور بادشاہی ہراول اور چنداول کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس لڑائی میں شاہزادہ معزالدین خان جہاں کے بیٹے ہمت خان اور جمدۃ الملک کے بیٹے اعتقاد خاں نے بڑی بہادری اور سرفروشی

کا مظاہرہ کیا ۔ سید عبداللہ خاں بڑی کوشش کے بعد اپنے مقابل کی فوج کو پسپا کر کے میمنہ اور میسرہ کی مدد پر پہنچ گیا۔ دوپہر تک سخت لڑائی ہوتی رہی اور آخر دکنی شکست کھا کر بھاگ گئے اور شاہزادہ کی فوج نے تعاقب کر کے ابوالحسن کے سرداروں کو دشمن کی لشکر گاہ تک بھگا دیا اور دکن کی لشکر گاہ تک بھگا دیا اور دکن کی لشکر گاہ میں بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ شیخ منہاج نے دو زبان داں سواروں کو شاہزادہ معزالدین اور بادشاہی فوج کے ہراول کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ "جنگ و جدال کا مقابلہ ہمارے تمہارے درمیان ہے شاہان سلف نے بھی مسلمانوں کے اہل و عیال اور آبرو ناموس کو ہمیشہ اپنی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا ہے ۔ اس لئے ہم کو تین چار گھڑی کی مہلت دیدی کہ اپنے خانزادوں کی طرف سے ہم مطمئن ہو کر دوبارہ مقابلہ پر آئیں' امید ہے یہ بات مروت سے بعید نہیں سمجھی جائے گی" شاہزادہ معزالدین نے باپ کی اجازت لے کر عنان کھینچ لی اور نگہبانوں کو مقرر کر دیا کہ دشمن کے مال و اسباب اور اہل و عیال پر کسی کو دست درازی کرنے نہ دیں ۔ دکنی فوج نے اپنی عورتوں اور اہل و عیال کو گھوڑوں ہاتھیوں پر سوار کر کے ایک قریبی گڑھی میں بھجوا دیا ۔ اور سہ پہر کو دوبارہ ہر طرف سے دکن کی فوجیں مقابلہ کے لئے میدان میں آگئیں اور پہلے دن سے بھی زیادہ شدت سے حملے کئے دونوں طرف سے بڑی بہادری کے مظاہرے ہوئے اور کثیر تعداد میں آدمی مارے گئے ۔ بادشاہی فوج کے بھی دو ہاتھی گر گئے دوسری طرف شیخ منہاج اور رستم راو زخمی ہو گئے ۔ شاہی دیوان بندرابن کو دکنیوں نے زخمی کر دیا اور اس کی سواری کا ہاتھی ہنکاتے ہوئے لے کر چلے گئے ۔ سید عبداللہ خاں کے منہ پر بھی ایک بان کے دستہ کی ضرب لگی تھی مگر وہ اسی حالت میں ایک اور راجہ کو ساتھ لے کر پہنچا اور بندرابن کو دکنیوں کے نرغہ سے چھڑا لیا ۔ بادشاہ کے میر بخش غیرت خاں کی بیوی اپنی ایک سہیلی کے ساتھ بان کی ضرب سے ہاتھی کی عماری ہی میں ماری گئی اور دونوں طرف کے چار پانچ نامی سردار بھی کام آگئے اور بکثرت سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے ۔ دکنیوں نے شام تک ثابت قدمی سے مقابلہ کیا آخر ان کو شکست ہوئی اور بھاگ گئے ۔

شخصی مقابلہ کی دعوت ایک مرتبہ دکن کے سرداروں نے شاہزادہ کو پیغام دیا کہ صف در صف جنگ میں دونوں طرف کے مسلمانوں کی

ایک کثیر تعداد ہلاک ہو رہی ہے بہتر یہ ہے کہ ہمارے ایک دو سردار اور تمھارے تین چار سردار فوج کو درمیان میں لائے بغیر میدان میں آئیں اور ایک دوسرے سے مقابلہ کرلیں اور فن سپہ گری میں اپنے اپنے زور بازو کا مظاہرہ کریں پھر دیکھیں کہ اللہ کس کی مدد کرتا ہے۔" جب ان کی تجویز شاہ عالم کے سامنے پیش ہوئی تو شاہ عالم نے جواب دیا۔ "تم کو اس کی جرأت اس لئے ہوئی ہے کہ تمھارے ہاں شمشیر بازی کا بہت زیادہ رواج ہے اور تلوار کے بہترین استعمال پر تم کو بڑا غرہ ہے۔ مگر ہم اس کے باوجود یہ دیکھتے آئے ہیں کہ جب بھی دکن والوں پر عرصۂ کارزار تنگ ہو جاتا ہے تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور سپاہ گری کے سارے ہنر ایک طرف دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو فرار سے بدتر ننگ و عار کوئی نہیں ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ مقابلہ کی جنگ میں سید عبداللہ خاں اور ہمارے لشکر کے ایک دو سردار ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوا کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں تم بھی اپنے ہاتھیوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوا دو اور معرکۂ کارزار میں بہادری اور شجاعت کا ثبوت دو۔" دکنیوں نے جواب میں کہلوا دیا۔ "ہم ہاتھی پر سوار ہو کر اور اُسے پابہ زنجیر کر کے جنگ کرنا نہیں جانتے۔" شاہزادہ نے بھی جواب دیا "ہم بھی اس جنگ گریز سے واقف نہیں۔"

شہر حیدرآباد میں فوجوں کا داخلہ

دوسرے دن جب سورج طلوع ہوا تو ہرکاروں نے خبر پہنچائی کہ ابوالحسن کے سردار حیدرآباد کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ فتح کا شادیانہ بجاتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں حیدرآباد کی طرف کوچ کر دیا جائے۔ جب بادشاہی لشکر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے حیدرآباد پہنچ گیا تو حیدرآباد میں مادنا نے خلیل اللہ خاں عرف محمد ابراہیم کے خلاف ایک سازش کر رکھی تھی۔ اُس نے محمد ابراہیم پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ شاہزادہ سے درپردہ مل گیا ہے اور ابوالحسن کو اُس نے اس قدر بدظن کر دیا تھا کہ اس نے محمد ابراہیم کو قید کر لینے بلکہ قتل کرا دینے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ جب محمد ابراہیم کو یہ اطلاعات ملیں تو وہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عنایات و اکرامات سے نوازا گیا۔ جب حیدرآباد میں یہ چرچا ہونے لگا کہ دکن کا سپہ سالار شاہ عالم سے جا کر مل گیا ہے تو ابوالحسن بدحواس ہو گیا اور اس نے نہ تو اپنے ارکین حکومت سے مشورہ کیا نہ لوگوں کے مال و اسباب اور اہل و عیال کے بچانے کا

کوئی انتظام کرایا بس چپکے سے رات کے ابتدائی حصہ ہی میں اپنے محل کی عورتوں اور جواہرات اور نقد کے صندوقوں کو بار کرا کے قلعۂ گولکنڈہ میں چلا گیا۔ جیسے ہی اس کے فرار کی خبر پھیلی میں شہر میں لوٹ مار شروع ہوگئی۔ چنانچہ خود ابوالحسن کے تمام ذخائر اور تاجروں کا مال و اسباب جو چار پانچ کروڑ کا ہوگا لوٹ لیا گیا۔ فوج اور شہر والوں کے ناموس و آبرو پر بھی آفت آئی، اس دن شہر حیدرآباد میں ایسا معلوم ہوتا تھا ایک قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ شہر کے ہزاروں شرفا سارا مال و اسباب چھوڑ بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑے گولکنڈہ کی طرف پیدل ہی روانہ ہوگئے۔ عورتیں ننگے سر بے پردہ بھاگم بھاگ چلی جا رہی تھیں۔ لوٹ مار کا یہ ہنگامہ شہر کے اوباشوں اور غنڈوں نے برپا کر دیا تھا۔ شاہزادہ کو خبر ہونے تک غنڈہ عناصر نے شہر کو صاف کر دیا۔ اور شہر کے امیر و غریب راتوں رات جو کچھ مال و اسباب اٹھا سکتے تھے اٹھا کر اپنے اہل و عیال کو گھسیٹتے ہوئے قلعہ میں پہنچ گئے۔ ابھی صبح نہیں ہوتی تھی کہ بادشاہی فوج نے شہر پر حملہ کر دیا اور بلا روک ٹوک اندر داخل ہوگئی۔ شہر میں تمام راستوں بازاروں گلی کوچوں میں نقد روپیہ امرا اور تجار کا قیمتی ساز و سامان بھاری کپڑے، چینی کے برتن اور ابوالحسن کے فراش خانہ کے قالین بکھرے پڑے تھے۔ ہاتھی گھوڑے بے لگام پھر رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت اس شہر سے ہو کر نکل گئی ہے۔

چو سلطان خاور برافراخت سر — برامان گردوں برافراشت زر

بسی درج و صندوق یا قفل زر — پر از لعل و یاقوت و دُر و گہر

ز پوشیدنی و ز گستردنی — ز ہر چیز کاں بود آوردنی

ز دیبا و زربفت و خز و حریر — ز دینار و یاقوت و مشک و عبیر

بسی زیور از گوہر آبدار — بسی خاتم و بارہ و گوشوار

سارا مال و متاع لٹ گیا اور شہر کے ہندو مسلمان گھرانوں کی عورتیں بچے وغیرہ بڑی تعداد میں اسیر بنا لئے گئے۔ شرفاء اور غربا کی عزت و آبرو خاک میں مل گئی بھاری بھاری قالین جن کو اٹھا کر لے جانا ممکن نہ تھا خنجر اور تلوار سے پارہ پارہ کر کے ایک ایک آدمی ایک ایک ٹکڑا لے بھاگا۔ شاہ عالم نے فوجی پولس کے جوانوں کو نگرانی کے لئے متعین کر دیا تھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا لوٹ برابر جاری رہی آخر شاہزادہ نے لشکر کے

کوتوال کو حکم دیا کہ بادشاہی دیوان کے ہمراہ چار پانچ سو سواروں کا دستہ لے کر سارے مال و اسباب کو ضبط کرے۔ شاہ عالم نے سخت گیر سپاہیوں اور محافظوں کو مقرر کر دیا تھا کہ جو بھی لوٹ مار کرتا ہوا یا آگ لگاتا ہوا نظر آئے۔ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس انتظام کے بعد فتنہ کی آگ کچھ دب گئی مگر پوری طرح شہر کا بندوبست نہیں ہو سکا۔

صلح کی شرائط

اس دوران میں ابوالحسن کے فرستادہ ایلچی اس کی معافی کی درخواست لے کر حاضر ہوں اور بڑی عاجزی اور آہ وزاری سے کردہ وناکردہ قصوروں کو معاف کر دینے کی التجا کی۔ اس وقت ابوالحسن ہر بات کو ماننے پر تیار ہو گیا تھا اور شہر والوں کا حال اس قدر قابل رحم تھا کہ شہزادہ کو ابوالحسن پر اور شہر والوں پر رحم آگیا اور اس نے مندرجہ ذیل شرطوں پر بادشاہ کے پاس اس کے معافی نامہ کی سفارش کی حامی بھر لی۔

۱۔ ابوالحسن ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ کا نذرانہ پیش کرے اور یہ رقم سالانہ مقررہ خراج کے ماسوا ہوگی۔

۲۔ اکنا اور مادنا دونوں کو گرفتار کر کے بے دخل کر دیا جائے کیونکہ یہی دونوں بھائی حیدرآباد کی اس تباہی کا باعث تھے۔

۳۔ گڑھی سیڑم پرگنہ کہیر اور دوسرے مفتوحہ محالات سے دست برداری اختیار کر لی جائے۔

اکنا مادنا کا قتل

ان شرائط میں ابوالحسن مذکورہ دونوں بدسرشت بھائیوں کو گرفتار کرنے میں تامل کر رہا تھا اور اس سلسلہ میں نامہ و پیام کا تبادلہ ہو رہا تھا اس وقت فوج کے اور دربار کے چند سرداروں اور محل کی بااثر خواتین نے یہ دیکھ کر کہ محض ان دو دجال صفت بھائیوں کی وجہ سے معاملات بگڑتے جا رہے ہیں اور ان ہی دو منحوسوں کی وجہ سے حیدرآباد تباہ و برباد ہو گیا۔ ملک پر فوج کشی کی آفت آئی اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہا ان دونوں کا قصہ تمام کر دینے کی فکر کی۔ چنانچہ سَرومَاں اور جانی صاحبہ نے جو محل میں بڑا تسلط اور اثر رکھتی تھیں اور مرحوم عبداللہ شاہ کی حرم تھیں ابوالحسن کو اطلاع دیئے بغیر دربار کے چند محرم راز اشخاص کو اور جمشید نامی غلام اور اس کے ساتھیوں کو ان دونوں بدکردار زناداروں کو قتل کر دینے کا اشارہ کر دیا۔

مقررہ وقت پر جب وہ دونوں شامت کے مارے دربار سے نکل کر گھر کی طرف جانے لگے تو جمشید نے غلاموں کے ایک گروہ کے ساتھ راستہ میں ان پر حملہ کرکے دونوں کو قتل کردیا۔ رستم راؤ اپنے گھر جا چکا تھا اسے بھی گھر میں گھس کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس واقعہ کے بعد ان تینوں کا گھر بار اور مال و اسباب بھی لوٹ لیا گیا اور دوسرے بہت سے ہندو مارے گئے اور تباہ و تاراج ہو گئے۔ ان دونوں کے سر کاٹ کر ایک قابل بھروسہ سمجھ دار آدمی کے ذریعہ شاہزادہ کے پاس بھجوا دیئے گئے۔

ابوالحسن تاناشاہ اور اکنّا مادنّا کا اقتدار

دربار قطب شاہی کے اندرونی حالات

اب ہم ان دونوں بھائیوں اکنا مادنا کے برسر اقتدار آنے کے متعلق چند تفصیلات لکھیں گے اور اس ضمن میں ابوالحسن کے حسب نسب پر بھی روشنی ڈالیں گے یہ واقعات بہرحال بڑے دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ نے تقریباً پچاس سال تک فرماں روائی کی تھی۔ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا صرف دو تین لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک لڑکی کا نکاح سید احمد نامی عرب کے ایک عالم و فاضل موروثی سید سے ہوا تھا اور عبداللہ قطب شاہ نے اسے امارت کے درجہ پر فائز کردیا تھا اور تمام امور مملکت میں اسی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد میر (سید) احمد کے باپ کا ایک شاگرد سید سلطان نامی جو حسب نسب میں میر احمد کے خاندان پر فضیلت رکھتا تھا۔ عبداللہ قطب شاہ کی خدمت میں پہنچا اور اس کا مقرب بن گیا۔ شاہ نے اپنی دوسری لڑکی کو اس سے منسوب کردیا۔ دربار میں روز بروز سید سلطان کے اعزاز و مراتب بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ دونوں سیدوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایک دن قطب شاہ نے سید سلطان سے پوچھا کہ "تم میر احمد کے بزرگوں سے واقف ہو؟" اس نے جواب میں کہا "ہاں میں جانتا ہوں وہ موروثی فضیلت رکھتے ہیں اور ہمارے اُستاد زادے ہیں"۔ سخن سازوں نے اس بات کو الٹ پھیر کر کچھ اس طرح لگائی بجھائی کی کہ میر احمد کے دل میں سید سلطان کے خلاف عداوت بیٹھ گئی اور دونوں سیدوں کا یہ جھگڑا طول پکڑتا چلا گیا۔ یہاں تک

کہ سید سلطان کی شادی کا دن آپہنچا اتفاق سے انہی دنوں میں جب کہ شادی کے ہنگامے گرم تھے دونوں کے درمیان کچھ ایسی چشمک ہوتی اور ناگوار باتیں پیش آئیں میر احمد نے قسم کھائی اور قطب شاہ کو پیغام دیا کہ اگر تم اپنی لڑکی سید سلطان کو دے رہے ہو تو مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیدو" چنانچہ اس نے حیدر آباد سے روانگی کی تیاری بھی شروع کر دی۔لوگوں نے بہت سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا۔ محل میں سروآں کا بڑا اثر تھا۔ وہ اور محل کی دوسری عورتیں میر احمد کی حامی بن گئی تھیں۔ عبداللہ شاہ کو چونکہ میر احمد اور اپنی بڑی لڑکی کی رضاجوئی منظور تھی اس لئے مجبوراً وہ سید سلطان سے رشتہ کو ختم کرنے پر راضی ہو گیا۔آخر کار اس قضیہ کا یہ حل نکالا گیا کہ چھوٹی لڑکی کا نکاح سید سلطان کے بجائے ابوالحسن نامی سے کر دیا جائے جو عبداللہ شاہ کی ننھیال میں دور کا رشتہ دار تھا۔

ابوالحسن کے ابتدائی حالات

ابوالحسن نے اپنی جوانی نقیروں کی صحبت میں آوارہ گردی میں بسر کی تھی قطب شاہ کے درباری اس کے بگڑے ہوئے اطوار پر ہمیشہ معترض رہتے تھے اور وہ ایسا بے وقعت ہو چکا تھا کہ عبداللہ شاہ نے کبھی بھی اس کی تربیت و ترقی کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ابوالحسن نے بھی درویشوں کا لباس پہن لیا تھا اور سید راجو (قتال) کی خانقاہ میں جو سولہ سال سے اس کا مرشد تھا بڑی مایوسی اور دل شکنی کی حالت میں بسر کر رہا تھا۔ جو آدمی خلق کی نظروں میں مردود ٹھیرتا ہے وہ خالق کا منظور نظر بن جاتا ہے۔ابوالحسن کے بھی دن پھرے اسی شادی کی محفل میں کہ عقد کی گھڑی طے پا چکی تھی اسے ڈھونڈ کر لوگ لے گئے حمام کرایا خلعت پہنائی قیمتی مروارید کا سہرا اس کے سر پہ باندھا اور الماس سے مرصع سازوالے عراقی گھوڑے پر اس کو سوار کرا دیا اور ان سارے انتظامات و لوازمات کے ساتھ جو سید سلطان کے لئے مہیا کئے گئے تھے اسے شاہانہ محفل میں پہنچا دیا اور وہ بادشاہ کی لڑکی سے عقد کر کے دلہن کو اپنے گھر لے آیا۔

میر احمد اور ابوالحسن کا تنازعہ

سید سلطان کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ اپنا گھر بار مال اسباب لٹا کر دل شکستہ و غم زدہ شہر سے نکل گیا اور محمد امین خاں کے پاس پہنچ گیا۔ جب عبداللہ قطب شاہ کی وفات ہو گئی تو میرا۔

بھی ایک سید کو تباہ کرنے کا خمیازہ برداشت کرنا پڑا۔ دراصل میر احمد کو اپنے اثر و رسوخ اور بادشاہ کی دامادی کا بڑا غرور ہو گیا تھا وہ دربار کے امراء کو خاطر میں نہیں لاتا تھا خاص طور سے سید مظفر کو اس کے سلوک کی بڑی شکایت تھی۔ سید مظفر معمولی امیر نہیں تھا۔ ماژندران کے سلاطین زادوں میں خلیفہ سلطان کے سلسلہ سے اس کا تعلق تھا اور حیدرآباد کے صاحب فوج بڑے امیروں میں اس کا شمار ہوتا تھا اس کے علاوہ میر احمد کا سلوک موسیٰ خاں محل دار سے بھی اچھا نہیں تھا غرض وہ اپنی ترنگ میں قطب شاہی امراء کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ محل کی عورتوں کو بھی اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے برعکس ابوالحسن سب کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتا تھا۔ عبداللہ قطب شاہ کے آخری دنوں ہی میں جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا جو اس کی وفات کے بعد اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ باہر میر احمد اپنی فوج لے کر جنگ پر کمربستہ تھا تو اندر میر احمد کی بیوی جسے بڑی اماں صاحب کہا جاتا تھا برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے حبشی اور ترکی کنیزوں کے ساتھ آمادۂ فساد تھی۔ اندر اور باہر ہر طرف لڑائی چھڑ گئی۔ جس میں سید مظفر موسیٰ خاں محل دار کی کوشش سے دربار کے تمام بڑے بڑے امیر ابوالحسن کے رفیق بن گئے۔

اکنا مادنا کا اثر و رسوخ

مادنا اور اکنا دونوں بھائی سید مظفر کے معتبر پیش کار تھے ان دونوں نے بھی ابوالحسن کو برسرِ اقتدار لانے کے لئے بڑی دوڑ دھوپ کی آخر سب نے مل کر میر احمد کو مغلوب اور بے اختیار کر کے نظر بند کر دیا اس طرح اسے حسد اور دشمنی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور ابوالحسن کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور وزارت پر سید مظفر فائز ہوا۔ جس نے پہلے ہی سے کوئی خطاب قبول نہیں کیا تھا۔ سید مظفر نے میر احمد کو برباد کرنے کی تدبیر کی تھی مگر اس کو بھی جلد ہی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ہم اس قصہ کو بھی مختصراً تحریر کر دیتے ہیں۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جو بھی امیر اپنی کوشش اور مدد سے کسی بادشاہ کو تخت نشین کراتا ہے تو قدرتی طور پر امور مملکت اس کے قبضہ و اختیار میں آجاتے ہیں پھر اس کا دماغ عرش پر جا پہنچتا ہے اور وہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اپنے آقا پر تسلط قائم رکھنا چاہتا ہے کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو اس کا یہ رویہ دشوار گذرنے لگتا ہے اور وہ اس کا متحمل نہیں کر پاتا بس یہیں سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور بادشاہ اور وزیر ایک دوسرے کی جڑ کاٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ ابوالحسن اور سید مظفر کے درمیان بھی یہی

صورت پیش آئی اور جب ایک مرتبہ نزاع ہو گئی تو روز بروز آپس میں کدورت اور دشمنی بڑھتی چلی گئی اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ ابوالحسن اس کے اختیارات کو گھٹانے اور اسے وزارت سے معزول کرنے کی فکر میں رہنے لگا مگر کئی ایک تدبیروں اور منصوبوں کے بعد بھی اسے وزیر کے خلاف کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر سید مظفر کے گھرانہ کا قدیم پیش کار مادنا پنڈت ابوالحسن کا ہم راز و دم ساز بن گیا۔ اس پنڈت مادنا نے سید مظفر کے بڑے بڑے جمع داروں کو ورغلا کر ابوالحسن کا حامی بنا دیا اور ایسی منصوبہ بازی کی کہ چند صاحب فوج افسروں کو سرکاری کاموں کے بہانے بیرونی اضلاع پر بھیج دیا۔ جب سید مظفر تنہا ہو گیا تو ابوالحسن کے حامیوں نے قلمدان وزارت اس سے چھین کر خلعت اور قلم دان مادنا کے تفویض کرایا اور پیش کاری کی جگہ پر اس کے بھائی اکنا کو مقرر کر دیا۔ اور پھر مادنا کو بھی اپنی نمک حرامی کا پھل چکھنا پڑا۔ چنانچہ وہ اور اس کا بھائی اکنا قتل کر دیئے گئے۔ [1]

از دور نیفتد قدحِ تلخِ مکافات
زہری کہ چشیدن نتوانی مچشانی

سید مظفر کی رہائی

ان ہی دنوں شاہزادہ کے پاس دربار سے سید مظفر کی طلبی کے احکام پہنچے سید مظفر کو قطب شاہ نے اپنے پاس نظر بند کر رکھا تھا اور اس کے بیٹے میر ہاشم نے بادشاہ کے پاس اس کی رہائی کے لئے نالش کی تھی شاہزادہ نے اسے لانے کے لئے خان جہاں کے بیٹے نصرت خاں کو مقرر کیا۔ نصرت خاں نے کوہیر جا کر ابوالحسن کو بادشاہی احکام سے مطلع کیا اور ابوالحسن نے سید مظفر کو رستم راؤ کے ساتھ نصرت خاں کے پاس بھجوا دیا۔ جب سید مظفر دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے اسے منصب عطا کرنا چاہا مگر اس نے اپنے ولی نعمت قطب الملک کی نمک خواری کا لحاظ کر کے منصب قبول نہیں کیا اور کعبۃ اللہ جانے کی اجازت حاصل کر لی اور ایک قول کے مطابق اس کا لشکر ہی میں انتقال ہو گیا۔

---

[1] اسی سے پہلو بتایا گیا ہے کہ اکنا مادنا کے ساتھ رستم راؤ کو بھی اس کے گھر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے سید مظفر کی واپسی کا قصہ اس قتل کے واقعہ سے پہلے پیش آیا تھا۔

شاہ عالم اور خان جہاں کی حیدرآباد سے واپسی

حیدرآباد سے صلح کی منظوری
جب ابوالحسن کے ساتھ صلح کے متعلق شاہزادہ شاہ عالم کی عرض داشت حضرت خلد مکاں کے پاس پہنچی تو بظاہر تو اس کی منظوری کا اعلان کر دیا اور خان جہاں بہادر کی فوج کے دیوان اور دربارِ شاہی کے تربیت یافتہ امیر سعادت خاں کو حجابت (سفارت) کے عہدہ پر مامور کر کے حیدرآباد کے سابقہ اور حالیہ خراج اور نذرانے وصول کرنے کی تاکید کی۔ مگر بادشاہ نے خفیہ طور پر شاہ عالم اور خان جہاں بہادر پر اس صلح کے بارے میں عتاب شاہی نازل ہوا اور خان جہاں کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔

خان جہاں سے بادشاہ کی ناراضگی
خان جہاں بہادر بڑا بہادر، تجربہ کار صاحب "تدبر مزاج" تھا اس کے جنگی کارناموں کا حال ہم لکھتے ہیں مگر اس کی بعض حرکتوں کے سبب بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا تھا اور طرفین میں اچھی خاصی شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر ان ہی دنوں اسد خاں کے بیٹے اعتقاد خاں نے شجاعت وجاں نثاری دکھا کر بڑی شہرت حاصل کی تھی اور بادشاہ کی اطاعت میں بڑی سرگرمی دکھا رہا تھا اس کے ساتھ صلابت خاں کے بیٹے تہور خاں اور خواجہ ابوالمکارم جیسے دو تین نوجوان خانہ زادے بڑی بہادری اور کارگزاری دکھا رہے تھے۔ بادشاہ ان بہادر نوجوانوں کو ترقی دینے اور اوپر لانے کے لئے کوشاں تھا۔ خان جہاں کی عرض داشت کے جواب میں بادشاہ نے کمرا اعتراض کرتے ہوئے فرمان صادر کیا اور اس میں اعتقاد خاں اور تہور خاں کی تعریف کرتے ہوئے یہ فقرہ بھی لکھ دیا کہ " یہ خانہ زاد کہ ابھی ان کے منہ سے دودھ کی بو تک نہیں گئی ہے۔ اس سال خوردہ (یعنی خان جہاں) کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر فداکاری اور جاں نثاری دکھا رہے ہیں۔

خان جہاں کی مرہٹوں سے سازباز
جن دنوں بادشاہ کے یہ فرمان پہنچے اعتقاد خاں وغیرہ شاہ عالم کی فوج میں متعین تھے۔ بادشاہ کے اس فرمان پر خان جہاں کو نوجوان سرداروں سے بڑا بغض پیدا ہو گیا اور اس نے خفیہ

طور پر سنبھا کو لکھا کہ میں لشکر میں گرانی اور عسرت کی اطلاع بادشاہ کو بھیج کر اعتقاد خاں خواجہ ابو المکارم اور تہور خاں کو رسد اور غلہ لانے پر مامور کردوں گا۔ تم ایک بڑی فوج لے کر ان پر حملہ کردو اور ان کو اسیر بنالو یا قتل کرادو۔" اتفاق سے یہ خط سعادت خاں کے ہاتھ پڑگیا جو خان جہاں کی فوج کا دیوان اور ہرکاروں کا داروغہ بھی تھا۔ اگرچہ سعادت خاں کا خان جہاں سے پرانا تعلق تھا۔ کیونکہ وہ اس کی صوبہ داری میں سارے دکن کے محکمہ واقعہ نگاری کا افسر اعلیٰ رہا تھا اور دونوں عرصہ تک ساتھ ساتھ رہے تھے۔ مگر اس وقت بادشاہ کا حق نمک زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ پھر اسے اعتقاد خاں کے باپ جملۃ الملک کا بھی زیادہ خیال تھا اس لئے اس نے بظاہر تو سارا معاملہ وہیں دبا دیا اور اس راز کو افشاء ہونے نہ دیا۔ مگر خفیہ طور پر اعتقاد خاں کے پاس جاکر پہلے تو اس سے اس راز کے اخفاء پر قسم لی اور پھر ساری صورت حال بتادی۔ اس اطلاع پر اعتقاد خاں بہت پریشان ہوگیا۔ آخر میں مشورہ کے بعد یہی طے پایا کہ خلوت میں شاہزادہ کو اس سے مطلع کردیا جائے۔ شاہ عالم نے بڑی سیر چشمی سے کہا کہ اس معاملہ کو خان جہاں کے سامنے ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ جب بھی وہ اعتقاد خاں کو بھیجنے کے لئے عرض کرے گا۔ ہم اس کی درخواست کو قبول کریں گے مگر اعتقاد خاں کو ہماری طرف سے یہ بتا دیا جائے کہ وہ اس کے پاس جانے سے انکار کردے۔ بہرحال جب شاہزادہ کے لشکر میں غلہ چارہ گھاس کی قلت ہوگئی اور گرانی بڑھ گئی تو یہ ارادہ کیا گیا کہ بعض امور کے متعلق جوابات کے ملنے تک قصبہ کوہیر میں جاکر قیام کیا جائے اور وہیں بادشاہ کے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔

بادشاہی سفیر پر غنیم کا حملہ

سید مظفر حیدرآبادی کا بیٹا میر ہاشم بادشاہ کے اورنگ آباد پہنچنے کے بعد خدمت شاہی میں اپنے بیٹے کے ساتھ باریاب ہوا تھا اور بادشاہی عنایات سے سرفراز کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے شہزادہ کی سفارش پر ابوالحسن کے لئے خلعت اور جواہرات بھیجنے کا ارادہ کیا تو اسی میر ہاشم کے ذریعہ یہ شاہی عطیات بھجوا دیئے۔ اس کے ساتھ میر عبدالکریم اور بادشاہ کے چند نامی گرامی امیر بھی تھے۔ میر ہاشم یہ سب عطیات لے کر حیدرآباد کے قریب پہنچ گیا، مگر اس وقت تک یہ شہرت عام تھی، کہ بادشاہ خلعت اور جواہرات بھیج کر ابوالحسن کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اصل منشاء تو یہ ہے اس بہانہ میر ہاشم فوج کو لے کر اندر داخل ہوجائے۔ کیونکہ اس سارے تنازع

میں اصل مدعی تو وہی ہے اور اب وہ بادشاہی فوج کی مدد سے قلعہ حیدرآباد کو فتح کرنے آیا ہے۔ ان افواہوں اور غلط فہمیوں کی بنا پر جونہی میر ہاشم اور بادشاہی فوج (قلعہ گولکنڈہ) پہنچی تو شرزہ خاں اور عبدالرزاق خاں لاری ایک فوج لے کر قلعہ سے باہر نکلے اور انھوں نے بادشاہی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ یہ لوگ چونکہ غافل اور بے خبر تھے۔ نیز بادشاہی لشکر کی طرف سے ان کو کوئی کمک بھی نہیں مل سکی تھی۔ اس لئے شکست کھا گئے اور ایک دو سردار میر ہاشم کے ساتھ زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے اور بقیہ فوج کو دشمن نے تاخت و تاراج کر دیا۔ اس وقت شاہ عالم حیدرآباد شہر سے غلہ کی گرانی کا بہانہ کر کے کہیر میں آکر ٹھیر گیا تھا۔ اسی دوران میں بادشاہ کے حسب الحکم قلیچ خاں بہادر عرف عابد خاں ایک منظم فوج لے کر شاہزادہ کے پاس پہنچا بظاہر تو اس نے یہی مشہور کیا کہ وہ خراج اور نذرانہ وصول کرنے آیا ہے۔ مگر وہ دراصل بعض خاص خاص امور کے سلسلہ میں بھیجا گیا تھا جو بادشاہ کے پیش نظر تھے اس کے بعد ہی بادشاہ نے شہزادہ کو اپنے حضور طلب کر لیا۔

معظم خاں اور خان جہاں کا تنازعہ

قلعہ بیجاپور کا محاصرہ چونکہ بہت طویل ہو چکا تھا اس لئے خلد مکاں نے خود بیجاپور کی تسخیر کا ارادہ کیا اور چار ماہ شعبان (۱۰۹۵ھ) کو شاہی لشکر نے بیجاپور کی طرف کوچ کر دیا۔ اس وقت خان جہاں بہادر حضور میں پہنچ چکا تھا مگر انہی دنوں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا بادشاہی جلوخانہ میں پالکی کے آگے پیچھے بڑھانے پر شاہزادہ محمد کام بخش کے خسر معظم خاں کے اور خان جہاں بہادر کے آدمیوں میں بڑا سخت جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے خان جہاں کو بھیجا کہ وہ جا کر اپنے آدمیوں کو ہٹا دے اور منتشر کر دے اور سرکاری چیلوں کو بھی مامور کر دیا تھا کہ وہ دونوں طرف کے لڑنے والوں کو قابو میں کر لیں۔ خان جہاں بہادر نے دربار سے باہر آنے کے بعد بجائے روک تھام کے یہ حکم دے کر کہ "معظم خاں کے بازار کو لوٹ لو" اپنے آدمیوں کو اور مشتعل کر دیا۔ جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اسے سخت ناگوار گذرا۔

اکبرآباد کے جاٹوں کی شورش

انہی دنوں اکبرآباد کے قریب جاٹوں کے فتنہ و فساد کی بارہا اطلاع مل چکی تھی مذکورہ واقعہ اور رنجش کے بعد بادشاہ نے خان جہاں کو درکاب میں ساتھ رکھنے کے بجائے، اکبرآباد کے جاٹوں کی سرکوبی اور

ان کی گڑھی سنسنی (ستی) کو مسمار کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جاٹوں کے سرغنہ نے یہ گڑھی بنا کر اس کو اپنی پناہ گاہ بنا لیا تھا اور ہر مہینہ قافلوں کو لوٹتا رہتا تھا اور اکبرآباد کے نواح تک اس کی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں۔

بیجاپور کے خلاف بادشاہی لشکر کی فوج کشی

بیجاپور پر شہزادہ اعظم کا ناکام حملہ

بیجاپور کے والی سکندر نے جو حقیقت میں تخت کا اصلی وارث بھی نہیں تھا مرہٹوں کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی اور بادشاہی حکام سے نفاق اور شرانگیزی پر عمل پیرا تھا اس کی شکایات بادشاہ کو متواتر پہنچتی رہی تھیں اور بادشاہ نے بارہا اسے نصیحت آمیز فرمان لکھے تھے مگر کسی تہدید اور وعدہ وعید کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور اس نے کبھی اپنی روش نہیں بدلی آخر بادشاہ نے بیجاپور کی تسخیر کے لئے شاہزادہ محمد اعظم کی کمان میں بہادر امیروں اور منظم لشکر کو دے کر روانہ کیا۔ مگر جب شاہزادہ فوج لے کر بیجاپور کے قریب پہنچا تو حالات بہت نازک تھے کیونکہ ہر طرف دکن کی فوجیں عبدالرؤف اور شرزہ خاں کی سرداری میں گشت کرتی پھر رہی تھیں پھر اس سال زراعت کے خراب ہو جانے کے سبب سارے شہروں میں سخت گرانی اور قحط پڑا ہوا تھا۔ پھر دکن کے چھاپہ ماردستوں نے بیجاپور کی طرف آنے والی رسد کو مسدود کر رکھا تھا اور بادشاہی لشکر میں اس درجہ گرانی اور غلہ کا کال تھا کہ لوگ ٹکی روٹی کو محتاج ہو گئے تھے۔ جو فوج بھی رسد اور چارہ لانے جاتی تھی۔ صحیح سلامت لوٹ نہیں سکتی تھیں۔ اس حال میں دکنی فوجوں نے چاروں طرف سے بادشاہی لشکر کو گھیر لیا اور محمد اعظم شاہ اور اس کی ہمراہیوں پر حالات بالکل تنگ ہو گئے۔ جب بادشاہ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو مجاہد خاں، تیرانداز خاں، خنجر خاں اور دوسرے امراء کے ساتھ شاہزادہ کے لشکر میں رسد اور غلہ پہنچانے کے لئے متعین کیا گیا۔ جب غازی الدین خاں بیس ہزار توے بیلوں پر رسد لدوا کر بیجاپور سے پندرہ سولہ کوس پر پرگنہ رینڈتی میں پہنچا تو بیجاپور کے سرداروں نے شاہزادہ کے لشکر کو گھیر رکھا تھا اور محصورین کا یہ حال تھا کہ فاقہ اور بھوک سے آدمی کیا جانور کیا سب ہڈی چمڑا رہ گئے تھے۔ مشہور روایت

کے مطابق۔ جب سب کے حوصلے پست ہو گئے تو شاہزادہ کی محل خاص جانی بیگم میدان میں آ گئیں اور ہاتھی پر چڑھ کر خود تیراندازی کرنے لگی اور امراء وغیرہ کو تسلی اور اطمینان دلا کر ان کی ہمت بندھاتی رہتی۔ یہاں تک کہ غازی الدین کی کمک پہنچ گئی۔

ہولناک لڑائی اور رسد کی فراہمی

غازی الدین کے آتے ہی بیجاپور کے سرداروں نے چند ہزار سواروں اور پیادوں کو شاہزادہ کے محاصرہ پر چھوڑ دیا اور چالیس پچاس ہزار سوار اور تقریباً دو لاکھ کرناٹکی پیادوں کو لے کر وہ امدادی فوج کے مقابلہ پر آ گئے۔ جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو میدان کارزار میں حد نگاہ تک سوار پیادوں کا کھیت ہی کھیت نظر آتا تھا اور تیر و سناں کی چمک دمک آنکھوں کو چندھیا دیتی تھی۔ دکن کی فوج کی کثرت سے انگل برابر زمین بھی نہیں دکھائی دیتی تھی بادشاہی فوج اس کے مقابلہ میں دسواں حصہ بھی نہیں تھی۔ اول اول تو دکنیوں کی کثرت کے سبب بڑی افراتفری مچی مگر جلد ہی غازی الدین خاں اور فیروز جنگ و مجاہد خاں دونوں بھائیوں نے دشمن کی کثرت کو خاطر میں نہ لا کر اللہ کی عظمت کا سہارا لیتے ہوئے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور بہادرانہ دشمن پر جا پڑے۔ اس وقت ایسی خوں ریز ہولناک جنگ ہوئی کہ آسمان نے مدتوں میں ایسی لڑائی روئے زمین پر نہ دیکھی ہو گی، مغل بہادر بارے غیرت کے جان دے دینے پر تُل گئے اور دونوں طرف سے بکثرت آدمی خون میں نہائے ہے

برانگیخت وزمی چو بارندہ میغ
نگرگش زپیکاں و باراں ز تیغ

آخر بڑی سخت جھڑپوں اور حملوں کے بعد جن میں فیروز جنگ کے بھائی مجاہد خاں نے بڑی شجاعت اور دلیری کا مظاہرہ کیا دشمنوں کی صفوں کو توڑتے ہوئے رسد اور چارہ بغیر کسی نقصان کے شاہزادہ محمد اعظم کے لشکر میں پہنچا دیا گیا اور محمد اعظم شاہ کو اس جان لیوا محاصرہ سے نجات ملی اور وہ بے اختیار آفریں شاباش کہتے ہوئے غازی الدین خاں بہادر سے بغل گیر ہو گیا اور بڑی عنایات و نوازشات سے نوازا گیا۔ جب یہ روداد بادشاہ کو ہرکاروں کے ذریعہ ملی تو بادشاہ نے اضافہ ترقی اور شاہانہ عنایات سے معزز کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیروز جنگ کی کوششوں سے تیموری خاندان کی آبرو رکھ لی۔ فیروز جنگ کی اولاد بھی قیامت تک خدا کے حفظ وامان میں رہے۔

جب بادشاہ کو شاہزادہ محمد معظم کے لشکر میں نفاق اور پھوٹ پڑ جانے کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے قلیچ خاں بہادر عرف عابد خاں کو جو بادشاہ کا مزاج داں اور کار گزار آدمی تھا، بعض خاص امور کے لیے جو بادشاہ کے پیش نظر تھے۔ ابوالحسن کے پاس روانہ کیا اگرچہ اس کی روانگی کے متعلق یہی مشہور کیا گیا کہ وہ گولکنڈہ کا خراج وصول کرنے جا رہا ہے۔ اس کے ہمراہ میر عبدالکریم منشی جس کا خطاب امیر خاں ہو گیا تھا، اور جو اس زمانہ کا بڑا کارگزار آدمی سمجھا جاتا تھا اور محمد ہاشم کو ایک فوج کے ہمراہ روانہ کیا گیا اس وقت یہ دونوں شاہزادہ محمد اعظم کے لشکر میں ملازم تھے۔

عالمگیر کا بیجاپور کی طرف کوچ

اسی اثنا میں قلعہ بیجاپور کے محاصرہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے اور اس سبب سے بھی کہ بادشاہ کو شاہزادہ محمد اعظم کے ہمراہی امراء کے باہمی نفاق کی اطلاعات بھی مل رہی تھیں، بادشاہ نے خود بیجاپور جانے کا ارادہ کر لیا جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ اوائل شعبان اٹھائیس جلوس میں شولاپور سے بیجاپور کی طرف کوچ عمل میں آیا اور ۲۱ ماہ شعبان کو بادشاہ کی سواری قلعہ کے محاذ پر پہنچ گئی۔ بادشاہ کی آمد کی خبر سنتے ہی محصورین کے ہوش پراگندہ ہو گئے۔ بادشاہ نے شاہ عالم، روح اللہ خاں بہادر، فیروز جنگ، سید عبداللہ خاں بارہہ اور بعض دوسرے اہم آزمودہ امیروں کو بیجاپور کے محاصرہ اور تسخیر کے لئے اور شاہزادہ محمد اعظم کی کمک کے لئے غیرت افروز کلمات کہہ کر رخصت کیا۔ اور تمام امیر اور شاہزادے قلعہ کو تسخیر کرنے کے لئے مورچے باندھنے، نقب لگانے اور یورش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کی مسابقت میں ہر ایک بڑھ چڑھ کر بہادری دکھانے لگا۔

شاہ عالم کی بیجاپور سے خفیہ مراسلت

شہزادہ شاہ عالم (محمد معظم) کا مورچہ دائیں بازو پر شاہ پور دروازہ کے مقابل تھا۔ اس نے چاہا کہ غنیم کے آدمیوں سے نامہ و پیام کر کے ان کو اپنے ساتھ ملائے تاکہ قلعہ کی فتح کا سہرا اس کے سر بندھے۔ چنانچہ وہ بیجاپور کے امیروں کی دل دہی کے لیے کوشاں رہا۔ ان دنوں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شاہ عالم کا معتمد افسر شاہ قلی جو ایرج خانی زمرہ سے تعلق رکھتا تھا اور بڑا جری اور بے باک سمجھا جاتا تھا۔ خفیہ طور پر قلعہ میں جا کر سکندر شاہ سے مل آیا ہے۔ اس طرف سے بھی کبھی کبھی سید عالم نامی ایک افسر شاہزادہ کے پاس محبت آمیز پیام بھیجتا رہتا تھا۔

مگر یہ راز کب تک پوشیدہ رہ سکتا تھا جب کہ شہزادہ محمد اعظم جو برابر کا مقابل اور وارث ملک تھا۔ قریب ہی پڑاو ڈالے پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ یہ راز افشا ہو کر رہا۔ اس میں بھی شاہ قلی کی بداحتیاطیوں کا بہت دخل تھا، وہ اس بات سے غافل ہے کہ ع

نہاں کے ماند آں رازی کزو سازند محفلہا

اپنی ان کوششوں پر اترانے لگا تھا اور چاہتا تھا یہ کارنامہ اسی کے ہاتھ سے انجام پائے، ویسے بھی شاہ قلی ایک اوباش مزاج آدمی تھا حوصلہ اور ظرف اتنا نہیں تھا، ایک بڑے کام کو خاموشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتا چنانچہ اس کا یہ رویہ تھا کہ جب بھی وہ ڈیوٹی تبدیل کرانے قلعہ کے نیچے مورچوں پر آتا تو قلعہ والوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے کہتا تھا۔ ادھر تو بھائی بھی تمھارے اپنے آدمی ہیں۔ ذرا سوچ سمجھ کر ہی اس طرف گولہ باری اور سنگ باری کرنا" اپنے آدمیوں کو بھی علانیہ تسلی دلاسا دیتا پھرتا تھا کہ "گھبراؤ نہیں قلعہ والوں کی طرف سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا" اس کی یہ باتیں زبانوں پر چڑھ گئیں اور محمد اعظم شاہ تک پہنچ گئیں اور مخبروں کے ذریعہ بادشاہ کو بھی ان کا علم ہو گیا، یہ بھی اطلاع دی گئی کہ تلاوش کے دن شاہ قلی قلعہ کے اندر سکندر شاہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور بیجاپور کا ایک افسر سید عالم نامی راتوں میں قلعہ سے اتر کر شاہزادہ سے خلوت میں باتیں کرتا رہتا ہے۔" جب روح اللہ خاں کوتوال لشکر نے بھی اس کی تصدیق کر دی تو بادشاہ نے سیادت خاں صدر کو اور کوتوال کو حکم دیا کہ خفیہ طور پر جاسوسی کر کے سید عالم کو اس وقت گرفتار کر لو جب وہ شاہ عالم کے پاس آیا ہو، شاہ قلی کو بھی گرفتار کر لینے کے احکام دیے گئے مگر کوتوال کی تدبیر کارگر نہیں ہو سکی۔

شاہ قلی کی گرفتاری اور تحقیقات

آخر یہ منصوبہ بنا کہ ایک شخص نے قاضی کے پاس شاہ قلی کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اور اسے قاضی کے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا گیا مگر جب وہ عدالت میں حاضر ہو رہا تھا تو اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ پہلے تو بڑی نرمی سے اس سے باز پرس کی گئی مگر اس نے آمد و رفت اور قلعہ والوں سے گفت و شنید سے لاعلمی کا اظہار کیا اور بڑے اوباشانہ انداز میں جرم سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جب مشکیں باندھ کر شکنجہ پر چڑھا دیا گیا تو ابھی بس چند بید ہی مارے گئے تھے کہ چیخنے چلانے لگا اور سارا بھید کھول دیا اور چند آدمیوں کے اور بھی نام بتا دیئے جیسے مومن خاں، نجم ثانی، سید عبداللہ خاں بارہہ، بندرابن دیوان شاہ اور محمد صادق وغیرہ بادشاہ

عالمگیر نے شاہ عالم کو خلوت میں طلب کیا اور یہ سارا معاملہ سامنے رکھ کر اس سے بازپرس کی اور اس کی روش کی سخت شکایت کی۔ شاہ عالم نے شاہ قلی کو اپنا ملازم ماننے سے بھی انکار کر دیا تھا مگر بادشاہ نے کھلے ثبوت دکھا کر اسے خوب شرمندہ کیا اور سید عبداللہ خاں کو قید کر دینے اور دوسرے مشتبہ آدمیوں کو لشکر سے خارج کر دینے کے احکام جاری کر دیئے پہلے ہی حیدرآباد کے مقدمہ میں بادشاہ، شاہ عالم سے ناراض تھا۔ اب جب کہ اس کے متعلق پوری طرح یقین حاصل ہو گیا تو بادشاہ کی توجہ اور عنایات اس کی طرف سے گھٹتی چلی گئیں۔ اگرچہ بظاہر اس کے مراتب، منصب اور ولی عہدی کے اعزاز میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ روح اللہ خاں نے سید عبداللہ خاں کے قصوروں کی معافی کے لئے بارہا سفارش کی تھی۔ اس لئے بادشاہ نے اسے نظر بند رکھنے کے لئے روح اللہ خاں کے حوالہ کر دیا۔ آخر چند دن بعد روح اللہ خاں کی سفارش اور ضمانت پر اس کی رہائی کے احکام دیدیئے گئے۔

بیجاپور کی فتح اور حیدرآباد کی طرف کوچ

(جلوس کا انتیسواں سال مطابق سن ایک ہزار چھیانوے اور ستانوے ہجری ۱۰۹۶-۹۷ھ)

قلعہ بیجاپور کی تسخیر غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ اور دوسرے امرائے نامدار کی سعی و تردد سے بیجاپور کے سرداروں اور محصوروں پر حالات اس قدر تنگ ہوئے اور قلعہ میں غلہ اور چارہ نہ پہنچنے کے باعث دکنیوں کی ایک کثیر تعداد بھوک سے تلف ہو گئی تو محصورین مجبور ہو گئے۔ آخرکار شرزہ خاں اور دوسرے سرداروں نے سکندر شاہ بیجاپوری کی طرف سے امان طلب کرلی اور تیسویں جلوس کے آغاز میں ماہ امر (مطابق اوائل ذی قعدہ ۱۰۹۷ھ) سن ایک ہزار ستانوے ہجری کو قلعہ کی کنجی بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی اور سکندر قید ہو گیا اور خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ قلعہ بیجاپور کی فتح کی تاریخ "سد سکندر گرفت" سے نکالی گئی۔ کہتے ہیں شیخ (ہدایت کیش) ممالک محروسہ کے واقعہ نگار نے اس فتح کو درج کرنے کے لئے عرضی پیش کی۔ بادشاہ خلد مکاں نے دست خاص سے یہ فقرہ لکھ کر دستخط کر دیئے۔

"بدستیاری فرزند ارجمند بی ریو رنگ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ

مفتوح گردید۔

(مخلص فرزندار جمند غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہوا)
یہی مضمون امیر خاں صوبہ دار کابل کے نام صادر کردہ فرمان میں بھی درج کیا تھا۔

سکندر عادل شاہ کی گرفتاری

بادشاہ نے سکندر شاہ کو دولت آباد بھیج دیا اور وہاں کے قلعہ دار کو اس کی حفاظت اور اعزاز کے لئے تاکیدی احکام و ہدایات دیں اور اس کے شایان شان اخراجات مقرر کرا دیئے' بادشاہی ملازموں کو بھی ترقی و اضافہ عطا کیا اور لواح بیجا پور کا بندوبست کرنے کے بعد حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کر کے گلبرگہ کی طرف کوچ کر دیا۔

ابوالحسن تاناشاہ کی مجبوریاں

دربارِ ابوالحسن اور حاجب حیدرآباد (ریذیڈنٹ) -- سعادت خاں کے نام خوف و رجا پر مشتمل فرامین جاری کئے گئے جن میں والیٔ حیدرآباد سے وصول طلب خراج اور نذرانہ کی رقم کی وصولی کی سخت تاکید کی گئی تھی۔ ابوالحسن والیٔ حیدرآباد اس معاملہ میں نہایت حیرت زدہ اور سراسیمہ تھا۔ سعادت خاں کے نام بادشاہ نے خفیہ حکم یہ بھی بھیجا کہ" چونکہ ما بدولت نے حیدرآباد کی تسخیر کا قطعی ارادہ کر لیا ہے اور بہت جلد ہماری سواری اس طرف پہنچنے والی ہے تم رقم کی وصولی میں پوری شدت اور سختی سے کام لو اور بس سمجھ لو اس خدمت کی ادائیگی پر تمہارے مجرا اور تسلیمات کا دارو مدار ہے "۔ سعادت خاں نے (بادشاہ کے حسب منشاء) ابوالحسن کو شاہی عنایات و توجہات کی امیدیں دلاتیں نذرانہ کی رقم کی وصولی کے لئے سختی سے مطالبات کئے۔ ابوالحسن کو جب اپنی حفاظت کی امید بندھی تو اس نے زر نقد کے نہ ملنے کا عذر کیا۔ البتہ سعادت خاں کو اپنی اطاعت کا یقین دلا کر پیغام دیا کہ" چونکہ میں زر نقد فراہم کرنے سے معذور ہوں' اس لئے جتنے بھی جواہرات اور زیورات محل میں عورتوں کے پاس ہیں اور جو بھی مرصع آلات موجود ہیں بھجوا دیتا ہوں' آپ اپنے کسی کم عمر خواجہ سرا کو بھجوا دیں تاکہ محل میں جو کچھ زیور اور مرصع ساز و سامان ہے علیحدہ کروا کے اس کے حوالہ کر دوں "۔ مگر سعادت خاں نے خواجہ سرا کو بھجوانے سے انکار کر دیا۔ اور چند دن کی گفتگو کے بعد بادشاہ کے گلبرگہ پہنچ جانے کی خبر مشہور ہو گئی اس وقت ابوالحسن خوف و امید کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ آخر اس نے حاجب (سعادت خاں) کے آدمیوں کو بلا کر جواہرات' زیورات اور مرصع آلات کے نو تھال ان کی

مہر ستوں کے ساتھ جن میں قسمت کی تشخیص اور تعین نہیں کیا گیا تھا۔ سرپوش باندھ کر اور اس پر موم کی مہر لگا کر امانتاً سپرد کر دیے کہ ان کو سعادت خاں اپنے گھر میں (بطور امانت) محفوظ رکھے۔ دو تین دن کے اندر جو کچھ زر نقد میسر آیا وہ بھی اُس نے بھجوا دیا اور جواہر خانہ کے سررشتہ دار کے ساتھ جواہرات کے پرکھنے والے کو حاجب کے گھر بھیجا کہ جواہرات کی قیمت کا تعین کر کے سعادت خاں کی مہر سے تندرانہ کی تبض (وصول) حاصل کر لی جائے۔ اور اس کی عرض داشت کے ساتھ جس میں اطاعت و فرماں برداری کا اظہار اور قصوروں کی معافی کی التجا کی گئی تھی بادشاہ کے پاس بھجوادی جائے۔ اتفاق سے دوسرے ہی دن ابوالحسن نے بادشاہ کے لئے پھلوں کے چند ٹوکرے روانہ کئے تھے ان کے ہمراہ سعادت خاں نے بھی اپنی طرف سے میوہ کی ڈالی حضور میں روانہ کر دی۔

بادشاہی حاجب سے ابوالحسن کا قضیہ

صلح کی گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور چند ہی دن بعد بادشاہ کے گلبرگہ سے گولکنڈہ کی طرف کوچ کرنے کی خبر ابوالحسن کو مل گئی اس خبر کو سُن کر وہ سخت پریشان ہو گیا، اس وقت تک بادشاہ کے گولکنڈہ کو فتح کر لینے کے قطعی ارادوں کا ہر طرف چرچا ہونے لگا تھا۔ پریشان ہو کر ابوالحسن نے سعادت خاں کو پیغام بھیجا کہ "ہم نے جواہرات اور زیور اسی توقع پر بھجوائے تھے کہ بادشاہ رحم کھا کر ہمارے ناموس و آبرو کو بحال رہنے دے گا، لیکن اب جب کہ مایوس کُن خبریں مل رہی ہیں اور حضرت عالمگیر کے اس جانب متوجہ ہونے سے اس عاجز کی طرف ان کی بے توجہی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور قصوروں کی معافی کو قبول کر لینے کی اب کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو ہمارے امانت رکھائے ہوئے تھال واپس بھجوا دیے جائیں" سعادت خاں نے جواب دیا۔ "چونکہ مجھے تحقیق سے نہیں معلوم تھا کہ بادشاہ سلامت اس طرف آنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اس لئے میں نے نمک حلالی کے ساتھ جواہرات کے تھال اسی طرح سربمہر میوہ کی روانہ کردہ ڈالیوں میں آپ کی سرکار سے جانے والی بھنگیات کے ہمراہ بھیج دیئے تھے۔ اب تو وہ تھال جا چکے ان کے عوض میرا سر حاضر ہے اور میری جان بادشاہ کے نام پر فدا ہونے کے لئے پیش ہے"۔

سعادت خاں کی رہائی

غرض اس معاملہ میں دونوں کے درمیان بڑا شر و فساد برپا ہوا اور ابوالحسن نے حاجب (ریذیڈنٹ) کے گھر پہ فوج کا پہرہ لگوا دیا۔

اور دو دن تک یہ قضیہ برپا رہا ۔ بعد میں سعادت خاں نے ابوالحسن کو پیغام دیا کہ " اس معاملہ میں تم حق بجانب ہو، مگر میں نے صرف بادشاہ کے حکم و مرضی کے مطابق حق نمک کا پاس کر کے ان تھالوں کو بادشاہ کے پاس روانہ کرنے ہی میں اپنی خیریت دیکھی تھی ۔ اب جب کہ وہ جا چکے ہیں بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ۔ لیکن اب جو صورت درپیش ہے اس میں مجھے بہرحال قتل ہونے کے لئے راضی رہنا چاہئے اور اپنے ولی نعمت پر اپنی جان قربان کر دینی چاہئیے اور میں اس کے لئے تیار بھی ہوں، مگر تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو کہ بادشاہ ایک مدت سے تمہارے استیصال کے لئے بہانہ تلاش کرتا رہا ہے ۔ اب اگر تم مجھے قتل کرا دو گے تو بادشاہ کو حاجب کے قتل سے بہتر اور کیا بہانہ مل سکتا ہے اور اگر میں زندہ رہا تو تمہاری خطاؤں اور قصوروں کی معافی کی امید بہرحال باقی رہتی ہے اور بشرطِ حیات میں حتی المقدور تمہاری بھلائی اور نجات کے لئے کوشاں رہوں گا " ۔ اس سے پہلے بھی چونکہ سعادت خاں بعض معاملات میں بادشاہ کی مرضی کے خلاف ابوالحسن کے حق میں کچھ کام کر چکا تھا اور اپنے حق خدمت کو اس پر ثابت کر دیا تھا ۔ نیز پیش آنے والے حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے سعادت خاں کی بات اس کے لئے قابلِ قبول بھی تھی ۔ اس لئے اس نے سعادت خاں کی مزاحمت ترک کر دی، بلکہ مصلحتًا اس کو اپنے دربار میں طلب کر کے پہلے کی نسبت زیادہ اس کا اعزاز و اکرام کیا اور اسے خلعت جدھر اور الماس وغیرہ پیش کئے ۔

سعادت خاں کا علمائے حیدرآباد سے مباحثہ

انہی دنوں ابوالحسن کی مجلس میں حیدر آباد کے علماء و فضلاء نے ایک دن بادشاہ دین پرور (عالمگیر) کی خوبیوں کا ذکر چھیڑ دیا اور یہاں تک بات پہنچائی (بلکہ دور کی کوڑی لے کر آئے) کہ یوں تو عالمگیر بادشاہ کے صلاح و تقویٰ اور دانائی و تدبر کی داستانیں خاص و عام ہر ایک کی زبان پر ہیں مگر جن دنوں بادشاہ نے تربیت خاں کو اپنا سفیر بنا کر شاہ ایران کے پاس بھیجا تھا اور وہ اپنی بدسلوکی کی وجہ سے خفت اٹھا کر وہاں سے لوٹ آیا تھا اور اس کی نحوست کے سبب بادشاہ اور شاہ ایران کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی تھی اور دونوں طرف سے فوج کشی تک معاملہ بڑھ گیا تھا ۔ اسی زمانہ میں شاہ عباس (ایران) کے بھیجے ہوئے گھوڑے بادشاہ کے حضور پہنچے تھے اور بادشاہ نے تعصب و غصہ میں حکم دے دیا تھا - گھوڑوں کو ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دو ۔ بادشاہ سلامت کی شریعت نوازی اور ان کے زہد

تقویٰ کے دعوے مسلم، مگر شرع کے خلاف ان کے اس اسراف کو بجز نفس امارہ کی پیروی کے آخر کس بات پر محمول کیا جائے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ گھوڑے علما و فضلا اور مستحق لوگوں کو سواری کے لئے عطا فرما دیتے، تاکہ بہت سے لوگ ان سے فیضیاب ہو سکتے۔ سعادت خاں نے جواب دیا۔ یہ بات کہ ہمارے دین دار بادشاہ نے شاہ ایران کی خفگی میں گھوڑوں کو ذبح کرا کے فقیروں میں تقسیم کرا دیا۔ قطعًا غلط ہے۔ یہ تو بس یوں ہی عوام میں افواہ پھیل گئی ہے۔ اصل واقعہ صرف یہ ہے کہ جب شاہ ایران کے پاس سے گھوڑوں کے آنے کی اطلاع حضور میں پہنچی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ مقررہ وقت پر گھوڑوں کو معائنہ میں پیش کیا جائے اتفاق سے جس وقت اصطبل کا داروغہ گھوڑوں کو نذر میں پیش کرنے کے لئے لایا تو بادشاہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ دل میں خیال گذرا کہ چونکہ تمام گھوڑوں کے دیکھنے میں خاصا وقت لگ جائے گا اور تلاوت کے لئے وقت نہ نکل سکے گا۔ لہٰذا آج کی تلاوت کا بقیہ حصہ بھی کل ہی پڑھ لیا جائے گا۔ اب چل کر گھوڑوں کا معائنہ کر لینا چاہئیے۔ یہ سوچ کر بادشاہ کلام پاک بند کرنا ہی چاہتے تھے کہ ایک آیت کریمہ پر نظر پڑی، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی تھی، جو اس قصہ سے متعلق ہے، کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار گھوڑے نذر میں آئے، وہ اُن کے معائنہ میں مشغول ہوگئے، جب نو سو گھوڑوں کا معائنہ کر چکے تو معلوم ہوا کوئی سنت نماز اور ایک روایت کے مطابق فرض نماز قضا ہوگئی حضرت سلیمان نے اس کے کفارہ میں گھوڑوں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ اس آیت کی تلاوت کرتے ہی بادشاہ آب دیدہ ہوگئے اور اس کو اپنے حسب حال جان کر اپنے نفس کی تنبیہ کے لئے حضرت سلیمان کی سنت پر عمل کرنا چاہا اور ان کی سواری کی لذت کو اپنے لئے حرام سمجھتے ہوئے ان کو ذبح کر دینے کا حکم دیدیا تھا۔ اب عام لوگ جو چاہیں قیاس آرائیاں کرتے رہیں۔ حیدر آباد کے علماء نے یہ جواب سن کر کہا۔ اگر یہ بات تھی تو ان گھوڑوں کو ذبح کرنے کے لئے ایران کے امراء کے گھروں پر بھجوانا کیا ضروری تھا۔ سعادت خاں نے کہا یہ بات بھی غلط مشہور ہوگئی ہے۔ چونکہ ان دنوں شاہجہاں آباد نیا نیا آباد ہوا تھا اور ہر محلہ ایران کے کسی نہ کسی امیر کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایرانی امراء نے حویلی نہ بنائی ہو اور اس صورت میں کہ اگر گھوڑے کسی ایک مقام پر ذبح کئے جاتے، ہجوم بہت زیادہ ہو جاتا تھا اور لازمًا فقراء کو اپنا حصہ لینے میں دقت ہوتی تھی۔ اس لئے حکم ہوا تھا کہ ہر محلہ میں ایک دو گھوڑے

ذبح کئے جائیں اور محلہ کے مستحقوں میں گوشت تقسیم کرا دیں ۔ جب واقعہ نگاروں کے ذریعہ حیدرآباد کے علماء سے سعادت خاں کا یہ مباحثہ حضرت خلد مکان کے علم میں آیا تو بادشاہ نے سعادت خاں کو اس پر آفریں اور شاباش دی ۔

عالمگیر مزار گیسودراز پر جس وقت بادشاہ نے گلبرگہ پہنچ کر اس کے مضافات میں قیام کیا تو وہ کئی بار حضرت قدوۃ الواصلین سید محمد گیسودراز کے مزار پر گیا اور درگاہ کے خدام کو بیس ہزار روپیہ نذر کیا ۔ کچھ عرصہ کے قیام کے بعد بادشاہ نے ظفر آباد کی طرف کوچ کیا اور بیس دن تک وہاں قیام کرنے کے بعد حیدرآباد کی جانب پیش خانہ شاہی کو بڑھانے کا حکم دیا ۔ ابوالحسن کو جب یہ تشویش ناک خبر ملی تو اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کے دن تاریک ہو گئے اور اس کی سلطنت کا زوال سر پر آ چکا ہے آخری کوشش کے لئے اس نے سخن داں آدمیوں کے ذریعہ عریضہ خدمت شاہی میں روانہ کیا جس میں اظہار اطاعت کرتے ہوئے قصوروں کی معافی کی التجا کی گئی تھی اور اپنی روش کو بدلنے کا وعدہ کیا تھا ۔ عریضہ کے ساتھ تحائف وہدایا بھی روانہ کئے مگر ؏

باران بے محل ندہد نفع کشت را

(بے وقت کی بارش سے کھیت کو کیا فائدہ)

عالمگیر کا ایک تاریخی فرمان اس کے عریضہ کا جواب زبان شمشیر کے حوالہ کرکے سعادت خاں کے نام اس کے قصوروں کی توضیح میں فرمان صادر ہوا جس کا مضمون تھا ۔

"اگرچہ اس بد عاقبت کے افعال قبیح احاطۂ تحریر سے باہر ہیں مگر چند ایک بطور مثال بیان کئے جاتے ہیں ۔ پہلی بات تو یہ کہ اس نے اپنے ملک و سلطنت کے اختیارات ایک ظالم اور فاجر کافر کے ہاتھ میں دیدیئے اور سادات و مشائخ اور علماء کو اس کے ہاتھوں ذلیل وخوار کرایا ۔ پھر وہ فسق وفجور کو کھلم کھلا رواج دیتا رہا اور بذات خود بھی ریاست و دولت کے نشہ میں مست شب و روز کبائر میں مبتلا رہا ، بلکہ کفر و اسلام ، ظلم و عدل ، فسق و عبادت کا فرق تک مٹا دیا ۔ اور حربی کافروں (مراد مرہٹوں سے) کی اعانت میں گرم

رہا اور اوامر و نواہی کی اطاعت قطعاً ترک کر دی ۔ حالانکہ دار الحرب کے کافروں کی اعانت کی ممانعت میں کلام مجید کی واضح نص موجود ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ اس نے اس حکم الٰہی کی سرتابی کر کے اپنے آپ کو خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک رسوا کیا ۔ ان معاملات میں بارہا نصیحت آمیز فرمان آداب واں مزاج گرفتہ آدمیوں کے ذریعہ دربار سے صادر کیے گئے تھے مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، بلکہ اسی قریب میں ہم کو اطلاع ملی کہ اس نے بدکردار سنبھا کے پاس ایک لاکھ ہون بھجوائے ہیں ۔ بہر حال غرور و مستی میں اپنے ان کرتوتوں اور بداعمالیوں پر نظر نہ ڈالنا اور دونوں جہاں میں اپنی نجات و رستگاری کی امید رکھنا؟

زہے تصور باطل زہے خیال محال

جب ابو الحسن قطعاً مایوس ہو گیا تو اس نے "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق، شاہی لشکر کے مقابلہ پر فوجوں کو مقرر کرنے کی فکر کی، اور شیخ منہاج، شرزہ خاں اور مصطفیٰ خاں لاری اور دکن کے دوسرے جنگجو سرداروں کو مقابلہ پر مقرر کر کے رخصت کیا ۔ روانگی کے وقت یہ ہدایت کی کہ اگر بادشاہ پر فتح پاؤ تو حتی المقدور کوشش کرو کہ بادشاہ زندہ گرفتار ہو جائیں پھر ان کو پورے اعزاز کے ساتھ ہمارے پاس لے آؤ" اس کے معذور و الفعل جاہل امیر کہنے لگے کہ "ہمارے دل تو محمد عالمگیر کی طرف سے جل کر پھپھولے بنے ہوئے ہیں فتح پانے کے بعد اس کا احترام تو ہم سے نہ ہو سکے گا" جب حیدرآباد سے دو منزل پر بادشاہی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو دکن کے سردار چالیس پچاس ہزار سوار لے کر نمودار ہوئے اور انھوں نے دور دور سے لشکر کے اطراف دائرہ بنا لیا ۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ بیجاپور کی تسخیر کے بعد ابراہیم گڈھ کے محاصرہ پر بھیجا گیا تھا گولکنڈہ کی طرف پیش قدمی کے دوران اس کے پاس سے فتح کی عرض داشت قلعہ کی طلائی چابی کے ساتھ پہنچی جس میں ابراہیم گڈھ کی فتح کی خوش خبری درج تھی اور رکاب شاہی میں شرکت کے لئے اس کی روانگی کی اطلاع بھی تھی ۔

عالمگیر گولکنڈہ کے دروازوں پر

گولکنڈہ کا محاصرہ ۲۴ ربیع الاول ۱۰۹۸ھ کو بادشاہ نے قلعہ گولکنڈہ پر گولہ کی مار کے فاصلہ پر اپنی لشکرگاہ قائم کردی اور گولکنڈہ کے اطراف واکناف ایک قیامت سی برپا ہو گئی۔ بادشاہ نے قلعہ گیری کی تیاریوں کا حکم دیدیا۔ لشکر کے لوگ دمدمہ بنانے نقب لگانے مورچے باندھنے اور گولہ باری کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ بادشاہ کو برابر اطلاع مل رہی تھی کہ ابوالحسن کی فوجیں لشکر کے اطراف گشت لگا رہی ہیں اور چھاپے مارتی رہتی ہیں۔ جب امرائے لشکر نے دکن کی فوجوں کو ان کارروائیوں سے روکنے کی کوشش کی تو دونوں لشکروں میں زبردست مقابلے شروع ہو گئے۔ دشمن نے قلعہ پر سے گولہ باری شروع کردی اور آتشیں بان پھینکنے لگا۔ ابتداء میں تو دکن کی فوجوں کا غلبہ نمایاں تھا۔ چنانچہ خواجہ ابوالمکارم چند نامی گرامی مغل سرداروں اور سادات بارہہ کے ساتھ جو شاہ عالم کی فوج میں ملازم تھے۔ زخمی ہو گیا اور دونوں طرف سے ایک بڑی جماعت بھی ماری گئی۔ مگر جب بادشاہی لشکر کے بہادروں نے بڑھ چڑھ کر حملے کرنے شروع کئے اور ان کا سختی سے مقابلہ کیا تو دکنی فرار ہونے لگے۔

فیروز جنگ کی سپہ سالاری جب فیروز جنگ ابراہیم گڑھ سے گولکنڈہ پہنچ گیا تو میدان جنگ کا سپہ سالار (فیلڈ مارشل) اس کو مقرر کردیا گیا اور محاصرہ مورچہ بندی، دمدمہ سازی، نقب زنی، فوجوں کی تعیناتی اور تقسیم کار غرض سارے اختیارات اس کے سپرد کردیئے گئے۔ اسی محاصرہ کے آغاز میں مورچال بڑھانے کی جدوجہد میں قلعہ سے ایک توپ سر ہوئی اور گولہ سنسناتا ہوا فیروز جنگ کے باپ قلیچ خاں کے سیدھے ہاتھ پر آکر لگا قلیچ خاں بڑا تجربہ کار پرانا امیر تھا۔ اس ضرب سے دو تین دن بعد ہی وہ فوت

ہو گیا۔

شاہ عالم کی ابوالحسن سے سازباز

شہزادہ شاہ عالم گولکنڈہ کے محاصرہ میں دائیں بازو کے مورچوں پر متعین تھا ابوالحسن کے محبت آمیز پیغام تحف و ہدایا کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں سفارش کرنے کے لئے مسلسل شاہ عالم کے پاس پہنچ رہے تھے۔ بیجاپور کی طرح شاہ عالم کا ارادہ یہی تھا کہ معاملہ صلح پر ختم ہو یا جنگ پر دونوں صورتوں میں اسی کی وساطت سے یہ مہم سرانجام پائے۔ اسی لئے وہ تاحد امکان ابوالحسن کو اپنا ممنون احسان بنانا چاہتا تھا۔ واضح رہے یہی حرکت اس نے بیجاپور کے محاصرہ میں کی تھی اور بادشاہ اس سے سخت بدگمان ہو گیا تھا اس مرتبہ بھی وہ اسی روش پر چل رہا تھا اور بے خبر تھا کہ یہ بات اس کے لئے وبال جان بن جائے گی اور بے آبروئی کا سبب ہو گی۔ چنانچہ جلد ہی یہ بھانڈا پھوٹ گیا درمیان میں لگائی بجھائی کرنے والوں کی بن آئی انھوں نے اس نامہ و پیام کی ٹوہ ملتے ہی بادشاہ کے سامنے بڑی رنگ آمیزی سے اس معاملہ کو پیش کیا۔ اور تو اور انھوں نے شاہزادہ کی محل خاص نورالنساء بیگم کو بھی ان کانٹوں میں گھسیٹ لیا۔ نورالنساء خاندان نجم ثانی کے مرزا سنجر کی بیٹی تھی بڑی خوبیوں کی مالک اور حسن اوصاف سے آراستہ تھی۔ ہندی شاعری میں بھی اسے مہارت اور ملکہ حاصل تھا۔ سخاوت اور فیض رسانی میں بھی خوب نام پیدا کیا تھا۔ اپنے انداز دلبری اور اطاعت و سلوک سے شوہر کو اس طرح اپنا فریفتہ و گرویدہ بنالیا تھا کہ دوسری بیگمات اس سے حسد و رشک کرنے لگی تھیں چغل خوروں نے نورالنساء بیگم پر بھی عصمت و حیا کو بالائے طاق رکھ دینے اور ابوالحسن اور شاہزادہ کے مابین رسل و رسائل کا ذریعہ بننے کا الزام لگایا اور بھی طرح طرح کی باتیں اس سے منسوب کر دیں۔ یہاں تک بادشاہ کے کان بھرے کہ نورالنساء بیگم بھیس بدل کر قلعہ کے اندر بھی ہو آئی ہے اور یہ عہد و پیمان طے پایا ہے کہ اگر بادشاہ ابوالحسن سے صلح کی تجویز کو قبول نہ کرے گا تو شاہزادہ ابوالحسن کا ساتھ دے گا۔ یہ باتیں شاہزادہ کے مخالفوں کے ذریعہ ہر جگہ پھیل گئیں اور ان کا خوب ہی چرچا ہونے لگا۔ انہی دنوں جب کہ یہ افواہیں گرم تھیں۔ ایک اور واقعہ پیش آگیا جس نے مزید بدگمانیاں پیدا کر دیں شہزادہ کے پالکی خانہ کے داروغہ نے ایک دن اس سے عرض کیا کہ زنانہ سواریاں دولت خانہ سے کافی دور ٹھیری ہوئی ہیں اور قلعہ کے آدمی وقت بے وقت باہر نکل کر مورچوں پر حملہ

کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ زنانہ کیمپ کو کوئی خطرہ لاحق ہوجائے۔ شاہزادہ نے حکم دیا کہ زنان خانہ کو دولت خانہ سے قریب لے آئیں۔ جب یہ منتقلی ہورہی تھی تو شہزادہ محمد اعظم شاہ کے ہمراہیوں نے بادشاہ کو یہ خبر پہنچا دی کہ "شہزادہ قلعہ میں جانے کی فکر کررہا ہے" یہ سنتے ہی بادشاہ کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور شاہزادہ کے غسل خانہ کے داروغہ حیات خاں کو بادشاہ نے خلوت میں طلب کرکے سختی سے شاہزادہ کے ارادوں کے متعلق دریافت کیا، اور ابوالمکارم کو بھی بلایا جو اگرچہ شاہ عالم کا تربیت یافتہ تھا مگر بادشاہ بھی اسے اپنے راست گو عقیدت مندوں میں شمار کرتا تھا۔ اس کے ذریعہ بھی شاہزادہ کے راز سے واقف ہونے کی ہر طرح کوشش کرلی گئی مگر ان دونوں نے عرض کیا کہ شاہزادہ کی غرض صرف یہی ہے کہ اس کی سفارش پر یا تو ابوالحسن کے قصور بادشاہ معاف کردیں یا اس کی کوششوں سے بزور شمشیر قلعہ فتح ہوجائے۔ اس کے علاوہ قطعًا شاہزادہ نے کوئی غلط ارادہ نہیں کیا ہے، نہ اس کی کسی بات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے۔ اب ہم کس طرح خواہ مخواہ غلط باتیں عرض کرکے مرشد زادہ پر بہتان اور اتہام لگائیں۔ حیات خاں نے بادشاہ کے بار بار کے اصرار پر بڑے قوی دلائل سے شاہزادہ کی بے گناہی ثابت کردی تھی مگر بادشاہ کے دل میں جو کھٹک پیدا ہوگئی تھی نہیں نکلی۔ چونکہ اس دن بادشاہ نے بخشیوں اور محرم راز مقربوں کو خفیہ طور پر ہدایت کردی تھی کہ وہ متعدد کارگزار آدمیوں کے ساتھ چوکی خانہ میں حاضر رہیں۔ بعد میں بادشاہ نے چاہا کہ شاہ عالم کو لانے کے لئے ایک فوج حیات خاں کے ساتھ بھیج دی جائے مگر حیات خاں نے عرض کیا۔ "فوج کی کیا ضرورت) اگر بادشاہ حکم دیں تو بارگاہ والا سے ایک چیلہ جاکر شاہزادہ کو اپنے ساتھ لیتا آئے گا کیونکہ بجز اطاعت امر کے اس کے دل میں کوئی دوسرا ارادہ ہے نہ اس کی نیت میں فتور ہے۔"

شاہ عالم اور اُس کے بیٹوں کی گرفتاری

۸ ربیع الثانی ۲۹ جلوس کو حیات خاں کی گذارش کے مطابق ایک چیلہ کو حکم ہوا کہ "شاہ عالم کو اس کے منجھلے بیٹے محمد عظیم کے ہمراہ خدمت شاہی میں حاضر کردے" شاہ عالم اس حکم کے آتے ہی بلاتوقف باپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ مگر ابھی وہ بادشاہ کی خدمت میں لمحہ بھر بھی نہیں بیٹھا تھا کہ، جملۃ الملک اسد خاں جسے بادشاہ نے پہلے ہی شہزادہ کو نظر بند کرنے کے احکام دیدیے تھے، شاہ عالم کے پاس آیا اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ

- بادشاہ کے حکم سے چند باتیں آپ سے خلوت میں کہنے کی ہیں" شاہ عالم اٹھ کر اس کے ساتھ ہو گیا اور اسد خاں اسے اس مقام پر لے گیا جو پہلے ہی سے مقرر کر لیا گیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد شاہ عالم اور محمد عظیم سے ہتھیار اتار دینے کا مطالبہ کیا گیا اور اس کو بتایا گیا کہ بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ "آپ چند دن دنیا کے کاروبار سے یکسو ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول رہیں"۔ شاہ عالم کے لئے بجز اطاعت حکم کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس وقت معز الدین اور رفیع القدر بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ وہاں لائے گئے۔ ان کو بھی ہتھیار اتار کر باپ کے ساتھ بٹھا دیا گیا کہتے ہیں اس خبر کے ملنے سے ہتھیار اتارنے تک شاہ عالم کا ایک بیٹا بہت برہم تھا اور وہ کچھ نہ کچھ کر گذرنے پر تل گیا تھا مگر شاہ عالم نے اُسے کڑی نگاہ سے دیکھ کر روک دیا اور اطاعت اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔ شہزادوں کی نظر بندی کے بعد بادشاہ نے شاہ عالم شاہزادہ محمد معظم کے عام لاؤ لشکر کو بحق سرکار ضبط کر لینے کا حکم بھی صادر کر دیا اور چالیس ہزاری چالیس ہزار کے منصب سے جس میں سات ہزار سوار دو اسپہ اور سہ اسپہ تھے۔ شہزادہ کو برطرف کر کے دس کروڑ دام کا انعام بھی منسوخ کر دیا اور شہزادہ کی جاگیر کے محالات سے اس کے لشکر کے آدمیوں کو تنخواہیں دینے کے احکام صادر کر دیئے۔

نور النساء بیگم کی ذلت و خواری

شاہ عالم کی بیوی نور النساء بیگم کے متعلق پہلے دن تو صرف یہ حکم ہوا تھا کہ اس کے اموال ضبط کر لیں اور اسے قید کر دیں۔ مگر تیسرے چوتھے دن یاقوت نامی خواجہ سرا کو جسے بعد میں محرم خاں کا خطاب ملا تھا اور جو بدصورتی اور درشت گوئی میں مشہور تھا، مامور کیا گیا کہ اس کے سارے اثاثے اور مال و اسباب کو ضبط کرے اور وہ زیور بھی اتروائے جو اُس کے گلے میں اور کانوں میں ہوں اور صرف ان کپڑوں میں جو اس کے بدن پر ہوں، اسے قیام گاہ سے منتقل کر دیا جائے اور ایسے خیمہ میں جس میں قیدیوں کے رکھنے کے قابل فرش وغیرہ ہو پوری ذلت کے ساتھ بند کر دیا جائے۔"

یاقوت خواجہ سرا نے نور النساء بیگم کے پاس آ کر بڑی سختی اور درشتی سے بات کی اور نقد روپیہ اور مرصع سامان کی تلاش اور تفتیش میں بہت سختی برتی اور نا ملائم و نا مناسب باتیں سنائیں آخر نور النساء بیگم نے تنگ آ کر اسے گالی دی اور کہا ۔ بادشاہ میرے باپ کی جگہ ہے جو بھی عزت و آبرو مال و دولت ہمارے پاس ہے وہ اسی کی عطا کردہ ہے اب اگر وہ لینا چاہتا ہے تو اسے اس کا اختیار ہے مجھے اس پر کوئی عذر نہیں۔ مگر تجھے میرے ساتھ

اس طرح کا سلوک کرنے اور سختی برتنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ یاقوت نے جاکر نہ معلوم کس انداز میں نور النساء بیگم کے اس شکوہ شکایت کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ بادشاہ کا غیظ وغضب اور بڑھ گیا۔ اگرچہ بادشاہ کی سوتیلی بہن نے اس کی سفارش بھی کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی غذا اور دوسری ضروریات کا انتظام بھی معمولی طریقہ پر کیا جاتے۔ اسی طرح شاہ عالم کے ساتھ بھی روز بروز سختیاں زیادہ ہونے لگیں ۔کہتے ہیں چند دن بعد بادشاہ نے قید خانہ میں اس کے پاس پیغام بھجوایا تھا کہ " وہ اپنے قصوروں کا اقرار کرکے معافی طلب کرے تاکہ اس کے بے شمار قصوروں کو ہم معاف کردیں "مگر شاہ عالم نے اس قبول واعتراف سے انکار کردیا اور جواب میں کہلوایا کہ" اگرچہ میں بہ باطن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور والد بزرگوار کا قصوروار سمجھتا ہوں مگر بظاہر کوئی ایسا قصور مجھ سے سرزد نہیں ہوا جس پر مجھے معافی طلب کرنی پڑے "

شاہ عالم قید وبند کی مشکلات میں

اس جواب پر خلد مکاں کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور حجامت کرانے ناخن تراشنے کی بھی ممانعت کردی اور اچھی غذا ٹھنڈا پانی اور پسندیدہ لباس پہننے سے روک دیا۔ شاہ عالم کی دوسری بیویاں جن میں رانی چترباتی بھی تھی ۔ اس غضب وغصہ سے محفوظ رہیں ۔کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں تھا۔ اور وہ بے قصور تھیں۔ نور النساء بیگم کا ایک محرم راز خواجہ سرا تھا اس کا نام لوتید تھا اس کو بھی قید کرلیا گیا اور اس کا گھر بار بھی ضبط ہوگیا ۔قید میں اس کو شکنجہ میں کس کر اور طرح طرح کی اذیت دے کر شاہ عالم کی عقیدت وفاداری اور نور النساء بیگم کی خیر خواہی کی ہی شہادت دی اور ان کے خلاف کوئی بات زبان سے نہیں نکالی ۔جب وہ تاب نہ لاکر مرنے کے قریب ہوگیا تو اس کو ان سزاؤں سے چھٹکارا ملا۔ نور النساء بیگم کا چچا مرزا شکر اللہ تھا اس کا خطاب شاکر خاں تھا۔ اس کے متعلق بھی لوگوں نے یہ الزام لگایا تھا کہ وہ ابوالحسن اور شاہ عالم کی مراسلت ونامہ وپیام میں واسطہ تھا اس کو بھی بڑی ذلت کے ساتھ قید میں ڈالا گیا ۔شاہ عالم کے دو خواجہ سراؤں کو قید میں ڈال کر شکنجہ میں دیدیا گیا اور طرح طرح کی اذیت دے کر تحقیقات کرائی گئی اور تنگ آکر ان کو بھی اس عذاب سے نجات دیدی۔

گولکنڈہ پر یورش اور مقابلے

اب ہم شاہ عالم کی قید کے دل خراش حالات کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں اور قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کا حال بیان کرتے

ہیں۔ بادشاہی لشکر روز بروز اپنے مورچے کو قلعہ کی طرف بڑھاتا رہا۔ ایک دن جب کہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ مورچے لگانے کے انتظام میں تھا قلعہ سے شیخ نظام مصطفیٰ خاں لاری عرف عبدالرزاق وغیرہ باہر نکلے اور بادشاہی فوج پر دلیرانہ حملہ۔ اس وقت بڑی سخت جھڑپ ہوئی اور کشور سنگھ بارہ کاری زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ راجپوتوں کی ایک جمعیت بھی ماری گئی۔ بڑی مشکل سے اس کو دکنیوں کے ہاتھ سے بچایا گیا۔ ادھر سے دکنیوں کے بھی چند نامی سردار مارے گئے مگر دکنیوں کا اتنا ہجوم اور غلبہ تھا کہ بادشاہی فوج نے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے یہ کوشش کی کہ دکنیوں کے کسی مقتول کی لاش پر قبضہ کرے مگر ممکن نہ ہوا اور وہ اپنے مقتولوں کو بادشاہی لشکر کے چند مقتولوں سمیت میدان سے اٹھالے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ جب ایران توران کے بہادروں سادات بارہہ اور پٹھانوں راجپوتوں نے مل کر حملہ کیا تو تب کہیں جاکران کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ گئے۔ بس اس دن کے بعد اس طرح کا کوئی سخت مقابلہ نہیں ہوا۔ بلکہ شیخ منہاج اور شیخ نظام اور ابوالحسن کے دوسرے اور بھی آدمی بادشاہی آستانہ پر حاضر ہو گئے اور عمدہ مناصب وخطابات سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ محمد ابراہیم جو سب سے پہلے راہِ ہدایت پر آگیا تھا۔ سات ہزاری چھ ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا اور اسے مہابت خاں کا خطاب بھی مرحمت ہوا اور وہ سب سے بڑھ کر قلعہ کی تسخیر کے لئے کوشاں رہا۔ شیخ نظام حاضر ہوا تو اسے بھی چھ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب اور تقرب خاں کا خطاب عطا ہوا۔ ابوالحسن کے تمام ملازموں میں صرف ایک سردار ایسا تھا جس نے قلعہ کی تسخیر تک برابر ابوالحسن کا ساتھ دیا اور قلعہ کے مفتوح ہونے والے دن بھی اس نے ایسی غیر معمولی بہادری دکھائی جسے عقل باور نہیں کر سکتی جس کا ہم آگے ذکر کریں گے۔ یہ ثابت قدم وفادار شخص مصطفیٰ خاں لاری عرف عبدالرزاق تھا۔

سمرہ کا تھیلا جسے بادشاہ نے سیا تھا

بہرحال محاصرہ کافی طویل ہو گیا قلعہ میں توپ خانہ کا سامان گولہ بارود بہت زیادہ تھا اور قلعہ والے رات دن مسلسل آتش باری اور گولہ باری کر رہے تھے۔ کسی وقفہ کے بغیر بندوقوں سے گولیاں برس رہی تھیں اور توپوں کے دہانے آگ اگل رہے تھے بارود کے دھوئیں سے ایسے دل بادل چھائے رہتے تھے کہ دن پر رات کا گمان ہونے لگتا تھا کوئی دن نہ جاتا تھا

کہ بادشاہی لشکر میں کارگزار آدمی تلف اور زخمی نہ ہوتے ہوں۔ اس کے باوجود بادشاہی امیروں اور افسروں نے بڑی بہادری سے یورش جاری رکھی۔ خاص طور سے نیرزر جنگ، قوام الدین خاں کا بیٹا صف شکن خاں توپ خانہ کا داروغہ غیرت خاں اور گولکنڈہ کا مہابت خاں ان لوگوں نے قلعہ کشا بہادر فوجیوں کے ساتھ بڑے کارہائے نمایاں کر دکھائے اور سب سے بڑھ کر جاں فشانی کا ثبوت دیا اور جس مہم کا ایک سال میں انجام پانا محال تھا اسے ایک ماہ چند دن میں ختم کر کے دکھا دیا اور مورچوں کو خندق کے کنارے تک پہنچا دیا اور بادشاہ نے خندق پاٹنے کا حکم دیدیا۔ کہتے ہیں اس موقع پر سب سے پہلے خلد مکاں نے وضو کر کے اپنے دست مبارک سے نمدہ کا ایک تھیلا سیا تاکہ اس میں مٹی بھر کر خندق میں ڈالی جائے۔ پھر نہایت بلند دمدمے تیار کئے گئے اور بھاری بھاری کوہ پیکر توپیں ان پر چڑھا دیں اور قلعہ کے بالکل محاذی مورچہ بندی کر دی۔ اور ایسی شدید ترین گولہ باری کی کہ مضبوط قلعہ دہل گیا

قحط سالی کی مصیبت

گولکنڈہ پر فوج کشی کے وقت بادشاہی لشکر کو سب سے بڑی مشکل غلہ اور چارہ کی تھی۔ اناج کا ایسا کال تھا کہ اچھے اچھے صاحب ثروت لوگ بھی عاجز آ گئے تھے۔ اس سال سارے دکن میں بارش نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے جوار اور باجرہ کے خوشے نکل نہ سکے۔ یہ وہاں خریف کا اناج ہے اور اس ملک کے غریبوں کا دارو مدار اسی جوار اور باجرہ پر ہے۔ پھر شالی کی ساری زراعت بھی جس پر حیدرآباد کے باشندوں کی گذر بسر ہے۔ فوج کشی کے ہنگاموں اور بارش کی کمی کی وجہ سے اس سال نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ دکن کی چھاپہ مار فوجوں اور سنبھا کی جمعیت نے جو حیدرآباد کی کمک پر آ گئی تھی۔ لشکر کے اطراف ناکہ بندی کر رکھی تھی اور وہ چھاپے مار کر لشکر تک رسد اور غلہ پہنچنے نہیں دیتے تھے۔ قحط کے ساتھ ساتھ لشکر میں وبا بھی پھوٹ پڑی اور بہت سے بندگان خدا ہلاک ہو گئے۔ ان حادثات میں خلق خدا بری طرح ماری گئی۔ بہت سے بھوک کی تاب نہ لا کر ابوالحسن کے پاس اٹھ کر چلے گئے اور بعض منافقت پر اتر آئے اور محصوروں کی مدد کرنے لگے۔

بادشاہ نے شہزادہ محمد اعظم شاہ کو شاہ عالم سے نفاق و دشمنی کی بنا پر احتیاطاً اکبرآباد کے بندوبست کے لئے لشکر سے رخصت کر دیا تھا اور وہ برہان پور پہنچ گیا تھا۔ اب جو محاصرہ بہت طویل ہو گیا تو اسے دوبارہ طلب کر لیا۔ روح اللہ خاں جو نہایت عمدہ کارگزار امیر اور

امور سلطنت میں بہتر۔ین مشیر تھا بیجاپور کے بندوبست پر مامور تھا اس کو بھی بادشاہ نے بلالیا۔ محمد اعظم شاہ کے آنے کے بعد غلہ کی گرانی حد سے بڑھ گئی تھی۔ آخر بادشاہ نے مرزا یار علی کو جوامانت ودیانت اور بادشاہی سرکار کے کام سرانجام دینے میں بڑی شہرت رکھتا تھا اور باوجود شاہی توجہات وعنایات کے اُس نے خطاب اور اضافہ قبول نہیں کیا تھا۔ رسد اور غلہ کی داروغگی پر مامور کردیا۔ مگر مرزا یار علی نے مذکورہ بالا مصائب اور دشواریاں کی وجہ سے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا، کیونکہ اس میں اس کی نیک نامی اور قدر و اعتماد کے مجروح ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس کے شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو پہلے سے رنجش تھی کیونکہ اُس نے بعض امور مملکت میں شہزادہ کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کے انکار پر شاہزادہ محمد اعظم نے بادشاہ کے حضور شکایتاً کہا "حضور والا کے اس فضل وکرم کے باوجود اس پاجی کی یہ ہمت کہ وہ اپنے ولی نعمت کے حکم کو ماننے سے انکار کررہا ہے"۔ بادشاہ کو بھی اس کا انکار گراں گذرا تھا۔ لہٰذا حکم دیا کہ اسے دھکے مار کر دفتر شاہی سے باہر نکال دیں۔ اس کی جگہ روح اللہ خاں کی تجویز پر شریف خاں' عرف میر عبدالکریم کو رسد اور غلہ کی فراہمی پر مامور کیا گیا۔ شریف خاں پہلے جزیہ کے محکمہ میں تھا اور اُس سے ایک دنیا تنگ آچکی تھی اور تمام منصوبوں کے دل اس کی زیادتیوں سے پاش پاش ہوگئے تھے۔ اب رسد وغلہ پر مامور ہوا تو مخلوق کی مزید گالیاں اور بددعائیں اسی کے دامن میں پڑیں۔ انہی دنوں بارش اور سیلاب سے بھی لشکر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے باوجود محاصرہ جاری رہا۔

وقائع نعمت خاں عالی کا حوالہ نعمت خاں عرف مرزا محمد جسے بعد میں دانشمند خاں کا خطاب ملا تھا۔ اس زمانہ کا بڑا مستعد اور کارگزار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ نظم ونثر اور اکثر علوم عقلی ونقلی میں اسے بڑی دست رس اور عبور حاصل تھا۔ مگر اس کا کوئی کلام ایسا نہیں ملتا ہے جس میں اُس نے ہجو ملیح اور بذلہ گوئی سے کام نہ لیا ہو۔ اس نے بھی محاصرہ حیدرآباد کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ اس میں سے ہم چند سطریں منتخب کرکے معمولی سی کمی وبیشی کے ساتھ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کرتے ہیں۔

گولکنڈہ کے ایک کتے کا کارنامہ

ماہ رجب کے وسط میں جب کہ محاصرہ پر تین ماہ ہو چکے تھے سپہ سالار غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ نے اپنے مورچوں سے شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا۔ کیونکہ اس کو اطلاع ملی تھی کہ اس وقت قلعہ کے محافظ خواب غفلت میں مدہوش ہیں چنانچہ تین گھڑی رات کو قلعہ پر یورش کی تیاری کی گئی اور کوئی چار گھڑی شب کو کمندوں اور زینوں کے ذریعہ چڑھائی کردی گئی اور دو بہادر جاں باز قلعہ کے کنگرہ کے قریب پہنچ گئے ان دونوں کے پیچھے کمند کے قلابوں میں زینے لگا لگا کر اور لوگ بھی فصیل پر چڑھنے لگے تھے جس وقت وہ دونوں اگلے آدمی دیوار پر پہنچے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت ایک کتا فصیل پر چڑھ کر نیچے خندق کے پاس لاشوں پر کودنے کی فکر میں تھا جب ان دونوں کو اس نے دیکھا تو بھونک بھونک کر ان پر جھپٹنے لگا اس کے شور وغل سے قلعہ کے محافظ جاگ گئے اور جو لوگ اوپر پہنچ چکے تھے ان کو تہ تیغ کردیا۔ چراغ اور مشعل لے کر ہر طرف سے سپاہی نکل آئے اور کمندوں کو دیوار پر سے اکھاڑ دیا اور بہت سے لوگ جو زینوں پر چڑھ کر اوپر پہنچ رہے تھے نیچے گر کر ہلاک ہو گئے اور بقیہ آدمیوں کو آتشیں ڈبے پھینک پھینک کر جلا دیا گیا۔

فتح کی غلط اطلاع

جس وقت یہ بہادر قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے تھے حاجی محراب یہ سمجھ کر کہ قلعہ فتح ہو گیا، اور خوشی کے مارے سراسیمہ وار ہوا کی رفتار سے اس جلدی میں دوڑا کہ فتح کی خوش خبری پہنچائے ہیں کوئی دوسرا اس سے بازی نہ لے جائے۔ طلوع صبح کے وقت جب کہ حضرت خلد مکاں سجادہ پر اوراد و وظائف پڑھنے میں مشغول تھے وہ حضور میں پہنچا اور دور ہی سے مبارک باد و تہنیت کے آوازے لگانے شروع کردیئے اور فیروز جنگ اور مورچوں پر متعینہ سرداروں کی طرف سے فتح کی مبارکباد دی۔ بادشاہ نے بھی خوش ہو کر نوبت بجانے کا اشارہ کردیا جو لوگ حضور شاہی میں حاضر تھے تسلیمات بجا لائے اور مبارکبادیاں پیش کرنے لگے۔ بادشاہ نے سواری اور خاص پوشاک طلب کرلی بہر حال بارگاہ شاہی میں ہوا خواہوں پر خوشی و مسرت کا نشہ سا چڑھ گیا تھا اور سب اس نشہ میں بے خود ہورہے تھے۔ اس جگہ نعمت خاں نے حسب ذیل اشعار دیئے ہیں جن میں فتح کی خوشی اور مسرت کا منظر کھینچا گیا ہے مگر آخر میں یہ خوش فہمی جاتی رہی اور معلوم ہوا بادشاہی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

اشعار

نوید فتح و ظفر چوں بہ پادشاہ رسید — نوائی عیش و طرب تا بمہر و ماہ رسید
ز صدمہ گوش ملائک آسماں کر شد — زبس کہ نعرۂ شاباش و واہ واہ رسید
شگفتگی ز تبسم بہ خندہ منجر شد — سخن گذشت ازاں ہم بقاہ قاہ رسید
بہ صحبتی شدہ مشغول ہر یک از طرزی — کہ کیف شادی شاں زود چوں نگاہ رسید
یکے بجست کہ فال من ست آمدہ راست — تمام شد غم دل حالت رفاہ رسید
یکی بشرط کہ نذر است کوچ تا دہلی — تواں بعرض چہل روز یا دو ماہ رسید
یکے دواند جائی ساربان خود تا صد — کہ خلقتے وحشت گر شتر بگاہ رسید
یکے بگفت کہ پالان بدوزائی ظالم — چہ پر شگافتم ایں ست چوب گاہ رسید
یکے سوار شد و رفت و گفت با نوکر — بیا اجین کہ خواہی بہ نیمہ راہ رسید
ز قلعہ گولہ افتاد در ہمیں اثنا — کشید نالہ اجل کشتہ کہ آہ رسید
چو غنچہ جمع شدہ زیر لب بہم گفتند — چہ بود ایں ز کجا از کدام راہ رسید
چو گل بخندہ یکے گفت شلک فتح است — چہ خوب شد کہ بریں مدعا گواہ رسید
ہنوز بر لب او بود ایں سخن کہ ز دور — گلولہ دگر آمد ببارگاہ رسید
یکے بر پشتہ برآمد کہ من ببینم چیست — بلند شد دو سہ گامی کہ بقعر چاہ رسید
سجاست دیگری کہ ہم چہ باید دید — ازاں وقوف گلولہ بقتل گاہ رسید
مدبری بہ عقب رفت و دوربی طلبید — بہ دید و گفت شکستی بریں سپاہ رسید
دریں مکالمہ بودند تا خبر آمد — کہ چشم زخم عظیمی بفوج شاہ رسید

ابوالحسن کی سگ نوازی

دوسرے دن جاسوسوں کی زبانی معلوم ہوا کہ بدکردار ابوالحسن نے اس کتے کو زربفت کی جھول پہنائی، مرصع پٹہ اور طلائی زنجیر اس کے گلے میں ڈلوائی اور اسے اپنے سامنے باندھنے کا حکم دیا۔ بہرحال لشکر والوں پر عجب حال گذرا اور ایک طرفہ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ حیران و سرگرداں تھے۔ مگر بچے بڑی بے فکری سے ہنستے بولتے یہ قطعہ الاپتے پھر رہے تھے۔

قطعہ

سخن را بود در تقارب قبول | فعولن فعولن فعولن فعول
الٰہ است اللہ رحمٰن خدائی | مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار | ندانم چہ شد حصہ این سپاہ
شمار فلک چیست ہفت آسماں | کہ از دود باروت گشتہ سیاہ
تکلم سخن گو و قل حرف زن | و لے گاہ بار شک و گاہی باہ
امین و متین محکم و استوار | چہ دیوار این قلعہ بے اشتباہ
بود ارض و غبرا زمین آنکہ شد | پر از مردہ زیر و زبر در سہ ماہ
نخذ راں عقب پاشنہ اجل پای | ہمہ زخم خوردہ است درجنگ گاہ
ریہ شش تفا چہرہ و وجہ روی | ہمہ شد ز آسیب گولہ تباہ
ید و جارحہ دست و حلقوم ناں | خدا از آفت آن دارد نگاہ
بعیر اشتر است و جرس چہ درای | غنیمش تردد برو از نیمہ راہ
رجل مرد و مرأت زن و زوج جفت | جدا گشتہ از ہمدگر سال و ماہ
کراں عود و بربط ترنم سرود | شکست این ہمہ محتسب بے گناہ
و لے سنج چنگ است و مزمار نال | کہ در خواب بیند کسے گاہ گاہ
کلام و عبارت سخن شعر بیت | چو این قطعہ خواندہ بگو واہ واہ

جب تین نقب فصیل اور برجوں کے نیچے پہنچ گیئں تو بادشاہ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ نقب قلعہ کے نیچے پہنچ چکی ہے اور جلد ہی بارود بھر کر ان کو آگ لگا دی جائے گی۔

عالمگیر کے خلاف قاضیوں کا فتویٰ

اس سے پہلے ہم اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ خلد مکاں نے قاضی شیخ الاسلام سے بیجاپور اور حیدرآباد کی مہم کے جواز میں مسئلہ دریافت کیا تھا اور قاضی نے خلاف مرضی جواب دیا تھا چونکہ قاضی عرصہ سے بیت اللہ کی زیارت کی آرزو رکھتا تھا اب جو یہ بات پیدا ہوئی تو اس نے عہدۂ قضا سے استعفا دے دیا اور حج کے لئے روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد قاضی عبداللہ اس کی جگہ مقرر ہوا تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ ابوالحسن مسلمان ہے اور بادشاہ کے حکم کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور اس لڑائی میں

ہر روز دونوں طرف سے مسلمانوں کی کثیر تعداد قتل ہو رہی ہے۔ اگر بادشاہ ابوالحسن کے قصوروں کو معاف کر دیں تو "الصلح خیر بہ قتال و جدال" مصالحت کی صورت نکل آئے گی اور شرع کے مطابق مسلمانوں پر یہ رحم بے جا نہیں رہے گا" اس بے جا عرض داشت پر بادشاہ نے اعتراض کیا اور حکم دیا کہ "قاضی کچھ عرصہ تک اپنے خیمہ میں تنقیح قضایا میں معروف رہے اور مجرا تسلیمات کے لئے دربار میں نہ آئے"۔

نعمت خاں کا شہر آشوب

نعمت خاں کے ایک قصیدہ میں حیدرآباد کے محاصرہ کی سختیوں کا ذکر ہے اسے ان نے شہر آشوب سے موسوم کیا ہے، اس کے چند شعر ہم درج کرتے ہیں۔

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانی　　چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانی
بداں حدی رسیدہ خلق را افلاس و ناداری　　کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخن دانی
سپاہی ہم بمیدان قناعت می کند جولاں　　ز شمشیر و سپر دارد دمے آب و لب نانی
طبیب از علم طب دریا دمی دارد ہمیں معنی　　نباشد خوب تر از شربت و بیمار درمانی
منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل　　ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانی
زبس عطار مشتاق است قوت لایموتی را　　بجنبش آش و نان آید چو بنویسد اشتہانی
ز فکر مفلسی رمال از بس ریش خود کندہ　　نمودہ با دو دستی سینہ اش را شکل لحیانی
نباشد آں قدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را　　کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانی
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر　　برائی آنکہ معلومش نشد شوال و شعبانی
ز حیرت گفت قاری من کلوا می خواندہ ام یارب　　نخواندم ہیچ گرلا تا کلوا در ہیچ قرآنی
شدہ خیاط ہم چوں سوزنی از تنگ چشمیہا　　ہمیشہ چشم دوزد دامنش بر جیب احسانی
رسیدہ جاں سپاری کار تنبولی زبے برگی　　برائے سرخ روئی چوں ندارد بیڑہ پانی
تنور آسا بخاکستر نشستہ نانبا زیں غم　　کہ از افتادن نان بر سرش افتاد نادانی
دریں لشکر بجانم یا بدم یا خویش می سنجد　　نماندہ در دکان بقال را جز سنگ و میزانی
نہ بیند روی زر حجام اگر آئینہ بفروشد　　کہ یک مو در بساطش نیست غیر از چشم حیرانی
ز خامی می پزد سودا نمی یابد چو باورچی　　برنج و روغن و سیر و پیاز و مرغ و حلوائی
بگنجا کاغذی کو کاغذ رنگیں ز پر کاری　　کہ پندارم کماچ سرخ از خشخاس افشانی

زگہر یالی یکے پرسیداز مدت چہ ماندآیا
بگفت احوال اگرایں است پہری ساعتی آئی

صدائے ماتمی از خانہ برخاست پرسیدم
چہ شد گفتند دریں خانہ واردگشتہ مہمانی

زجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ
کہ شخصی دید شب در واقعہ پرآرد انبانی

یکے گفت ای خداوند کریم از حرمت عیسیٰ
برائے افرست امروز ہم چہ مائدہ خوانی

یکے گفت اے خداوندا بحق نوح پیغمبر
برائے قلعہ گلکندہ بکن ایجاد طوفانی

یکے می گفت بہر قرض دادن خلق کن یارب
یہودی ہندوی نصرانی گبری مسلمانی

با ہل حرف با ید گفت اہل حرفہ بسیار است
بخاموشی اداکردم سخن رانیست پایانی

سپہ سالار عبدالرزاق خاں لاری کی مدافعت

طوفان باراں اور فوج کشی ماہ شعبان کے وسط میں دو تین دن تک اس شدت کی بارش ہوئی کہ بادشاہی لشکر گاہ میں جل تھل ہوگیا جیسے پانی کی سطح پر بلبلے بن کر تیرنے لگے۔ ساری مورچہ بندی تہس نہس ہوگئی، دمدمے گر پڑے نقب میں پانی بھر گیا۔ پانی اس طرح ندی نالے بن کر نکلا کہ توپ خانہ تیرنے لگا کیچڑ پانی اور سیلاب میں نقل و حرکت دشوار ہوگئی۔ عین اس پریشانی میں قلعہ والوں نے لشکر پر حملہ کردیا۔ سلیم خاں حبشی جو خود کو بڑا بہادر اور دلیر سمجھتا تھا مقابلہ پر جم گیا مگر جب اُس نے دیکھا کہ اب کسی طرح بھی اس گرداب بلا سے نکلنا ممکن نہیں تو اپنے آپ کو ایک غار میں گرادیا۔ بادشاہی فوجوں میں صف شکن خاں سب سے زیادہ قلعہ کی تسخیر کے لئے کوشش کر رہا تھا مگر جب گولکنڈہ کے عبدالرزاق خاں لاری نے اس کے مورچوں پر حملہ کیا تو اس کو شکست ہوگئی اور وہ زخمی ہوگیا مگر اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے آپ کو زخمیوں اور لاشوں میں چھپالیا اور اس طرح کیچڑ پانی میں لت پت دم سادھے پڑا رہا اور اس تدبیر سے اپنی جان بچالی۔ جمشید نامی افسر بھی بہادری کی بڑی ڈینگ مار رہا تھا مگر حیدرآباد کی فوج نے حملہ کیا تو مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ قلعہ والوں

نے غیرت خاں میر آتش پر حملہ کر کے اسے بھی میدان سے بھگا دیا وہ دونوں طرف سے بری طرح گھر گیا تھا۔ بہ مشکل وہ اس نرغہ سے جان بچا کر فرار ہو سکا مگر بد نصیبی اس کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی۔ وہ پناہ لینے کے لئے ایک غار میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی دشمن بھی وہاں پہنچ گیا۔ غار میں چونکہ وہ کیچڑ پانی میں بری طرح آلودہ ہو گیا تھا اس لئے وہ پہچان نہیں سکے کہ یہ بادشاہی توپ خانہ کا افسر اعلیٰ ہے۔ عام اسیروں کے ساتھ اسے بھی گرفتار کر لیا گیا مگر عین اسی وقت چند پٹھانوں نے جو پہلے کبھی شاہ عالم کی فوج میں ملازم تھے اور اس وقت ابوالحسن کے پاس ملازم ہو گئے تھے۔ غیرت خاں کو پہچان لیا اور دوسروں کو بھی بتا دیا اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار سے باہر نکال لائے۔ اسی طرح سربراہ خاں عرف جلال چیلہ جو بادشاہ کا قدیم الخدمت محرم بارگاہ ملازم تھا۔ دوسرے بارہ منصب داروں کے ساتھ دشمن کے ہاتھ قید ہو گیا۔

جب بادشاہ کو اس طوفان خیز بارش میں قلعہ والوں کے اس حملہ کی خبر ملی تو فیل خانہ کے داروغہ حیات خاں کو حکم ہوا کہ وہ شتر اشتی زین پوش ہاتھیوں کو لے کر اس نالہ پر پہنچ جائے۔ جہاں معرکۂ کارزار گرم تھا اور ان کی مدد کرے۔ ہاتھیوں کا یہ دستہ وہاں پہنچ تو گیا مگر بارش اور سیلاب کی شدت کی وجہ سے وہ کوئی کمک نہیں پہنچا سکا۔ اور حیات خاں اپنے لشکریوں کے ساتھ رات گئے تک کیچڑ پانی میں حیران و سرگرداں رہا۔ آخر مجبور ہو کر وہ نصف شب کو اپنے خیموں پر لوٹ آیا۔

بادشاہی فوج کے اسیر

حملہ آور فوج تمام اُسیروں کو قلعہ میں لے گئی اور ان سب کو ابوالحسن کے سامنے پیش کر دیا۔ غیرت خاں نے اپنے آپ کو بے جان میت کی طرح بنا رکھا تھا یا مارے دہشت کے اس کے حواس جاتے رہے تھے۔ اس کی پیشانی پر بندوق کے فتیلے سے داغ دیا گیا تو ہوش میں آ گیا۔ ابوالحسن نے دو تین دن تک ان کو اپنا مہمان بنا کر رکھا۔ پھر غیرت خاں اور سربراہ خاں کو گھوڑا اور خلعت عطا کر کے اور دوسروں کو بھی خلعت و انعام دے کر پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ سربراہ خاں کو قلعہ کے گودام اور ذخائر بھی دکھائے گئے جن میں ڈھیروں اناج اور بارود کے بے حساب ذخیرے موجود تھے تاکہ وہ جا کر یہ اطلاع دے کہ قلعہ میں ذخیروں کی کمی نہیں ہے۔ رخصت کرتے وقت بادشاہ کے نام عرض داشت اور زبانی پیغام

بھی دیئے اور اسے تسبیں دے کر رخصت کر دیا۔

جب یہ لوگ جان کی خیر مناتے قلعہ سے رہا ہو کر لشکر میں پہنچے اور بادشاہ کو ان کی واپسی کی خبر ملی تو بادشاہ نے ان پر عتاب نازل کیا۔ غیرت خاں ایک ہزار دوسو سوار کا منصب دار تھا اس کو صرف پانچ سو کا منصب دار بنا دیا گیا۔ البتہ خطاب بحال رہا پھر اس کے متعلق حکم ہوا کہ اسے بنگالہ پر مقرر کر دیا جائے۔ سربراہ خاں کے متعلق فرمایا "بھاگنا تو غلاموں کا شیوہ ہے اس کا خطاب واپس لے لیا گیا مگر اسے چار سو کے منصب پر بحال رکھا۔ بادشاہ نے ابوالحسن کی عرض داشت کو فیروز جنگ کے پاس بغیر پڑھے بھجوا دی کہ اس میں جو باتیں قابل عرض ہوں وہ ملاحظہ میں پیش کرے۔ بعد میں جب جلال چیلہ (سربراہ خاں) نے ابوالحسن کا زبانی پیغام پیش کرنے کی اجازت مانگی تو فرمایا "رات میں وہ خلوت شاہی کے پس پردہ آکر عرض کرے"۔

ابوالحسن کا پیغام صلح

ابوالحسن نے جو عرض داشت اور زبانی پیغام بھیجا تھا اس کا مفہوم کچھ اس طرح کا تھا۔

"میں خود کو بارگاہ والا کا عاجز اور جاں نثار بندہ سمجھتا ہوں۔ اس بندۂ عاجز سے جو بھی قصور دانستہ یا نادانستہ سرزد ہوئے تھے میں ان کی سزا بھگت چکا ہوں اور اب میں معافی اور فضل وکرم کا خواستگار ہوں۔

دوسری بات یہ کہ "اس صورت میں کہ قلعہ حضور کے کارگزاروں کے قبضہ میں آجائے اور حضور خیر وعافیت کے ساتھ دارالخلافہ کو لوٹ کر جائیں تو لازماً اس تباہ و برباد ملک کا انتظام آپ کسی نہ کسی شخص کے سپرد کریں گے ہی میں امیدوار ہوں کہ آپ یہ ذمہ داری میرے ہی سپرد فرمائیں کیونکہ آپ جس امیر کو بھی یہاں مقرر کریں گے تو اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے منصب اور دوسرے اخراجات پر جو رقم خرچ ہوگی وہ اس سرزمین کے محصول سے زائد ہو جائے گی۔ اور پھر وہ بڑی دقتوں کے بعد اس ملک کو آباد کر سکے گا۔ جو اب ویرانہ اور کھنڈر بن چکا ہے۔ یہاں کا نظم ونسق بھی بڑی مشکل

سے ہی درست ہو سکے گا کیونکہ فوجوں کی آمد و رفت کی وجہ
سے یہ علاقہ ایسا تباہ ہوا ہے کہ سات آٹھ سال میں کہیں جاکر
آباد ہو سکے گا ؛
ان حالات میں ظاہر ہے کہ یہ بندۂ عاجز بارگاہ شاہی میں اب
تک جو کچھ پہنچاتا رہا ہے۔ یہاں تعین کیا جانے والا کارگذار اس
کی وصولی میں ناکام رہے گا۔ اگر حضور اس عاجز کی التماس قبول
فرمالیں تو واپسی کے بعد سرحد تک ہر منزل پر جہاں بھی حضور
کا قیام ہوگا میں کروڑ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ اور ہر یورش
کے عوض اور حضور کے قلعہ کے نیچے قدم رنجہ ہونے کے سلسلہ
میں ایک کروڑ روپیہ خیر مقدم کے طور پر نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔
" یہ خدمات میں اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ اب مزید مسلمانوں
کی خوں ریزی نہ ہو اور آپ کی فاتح و مظفر فوج کے سپاہی اپنے
اہل و عیال سے مزید عرصہ تک جدا نہ رہیں ؛
اور اگر بندہ کی درخواست قبول نہ کی جائے اور بندگان عالی کو زیادہ
وقت منظور ہو تو پھر میں لشکر بادشاہی کی سہولت کے لئے پانچ
سو چھ سو ہزار من غلہ جسے سرکار کے چیلہ جلال نے خود اپنی آنکھوں
سے قلعہ کے ذخیروں میں دیکھا ہے حضور والا کی خدمت میں
بھجوا دوں ؛

بادشاہ کا جواب اور حملہ کی تیاری

جلال چیلہ کی زبانی جب یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں تو بادشاہ نے جواب میں فرمایا۔
" اگر ابوالحسن ہمارے حکم اور فرمان کا بندہ ہے تو وہ دست
بستہ حاضر ہو جائے یا اس کی گردن میں رسی ڈال کر ہمارے
سامنے حاضر کر دیا جائے، پھر جو کچھ ہماری مروت کا تقاضہ
ہوگا عمل میں آئے گا ؛
بادشاہ نے ابوالحسن کی درخواست کے علی الرغم اسی دن ہدایت کی کہ بہار کے

متصدیوں کے نام گرز برداروں کے ذریعہ احکام بھیجے جائیں کہ وہ دو گز طول اور ایک گز عرض کے تھیلے سلوا کر قلعہ گیری کے دوسرے سامان کے ساتھ روانہ کریں، تاکہ خندق کو از سر نو پاٹ کر قلعہ پر یورش کی جائے۔

اس حکم پر بعض لوگ کہنے لگے۔ لو بھئی اب یہاں پڑے سڑتے رہو، کیونکہ اب ان تھیلوں کے بھرنے اور خندق پاٹنے میں عمر گذر جائے گی۔ کاش بادشاہ ابوالحسن کی یہی درخواست قبول کر لیتے کہ وہ غلہ سے بھرے ہوئے تھیلے بھیج دیتا۔ اناج کھا کر تو ہماری جان میں جان آتی اور خالی تھیلے مٹی بھرنے کے کام آجاتے اور انہی سے خندق پاٹ دی جاتی۔ غرض لشکر کے چھوٹے بڑے جنگ کی مزید تیاریوں پر بڑے فکر مند اور بیزار بیزار ہو چلے۔ بڑے لوگوں کا تو یہ حال تھا مگر بچوں کو لڑکوں کو ان سب باتوں کی کیا فکر، وہ تو اپنا نصاب یاد کرنے کے لئے یہ شعر الاپتے پھرتے تھے۔

فاعلاتن فاعلاتن ــ فاعلاتن فاعلات
باز در بحر رمل شد ــ موج زن آب حیات
خامۂ من خضر راہ شوق شد در رہبری ــ چار موج بحر خوش موج است گر بشمری
لیس کہ برہم خورد دنیا جھگی برباد رفت ــ امر کار و قول گفت و فعل کردو اسم نام
رسم دادن از جہاں رفت و گرفتن ماندہ است ــ اجر مزد و عشوۂ ناز و عزم تا وان دین وام
بے سرہ پاگشت لشکر آں قدر کز یاد رفت ــ نوم خواب و مشی رفتن بعد دوری خطوگام
خان و ماں کو تا کسی داند کہ اینہا نیز ہست ــ جنب پہلو جار ہمسایہ نگہبان سطح بام
زبدہ مسکہ دہن روغن قطن پنبہ صوف پشم ــ ماندہ است از خوردن و پوشیدن الحق نام
عام و حول و حجہ سال و اسبوع ہفتہ شہر ماہ ــ منقضی در قحط و بیماری و محنت شد تمام
سبت شنبہ جمعہ آدینہ احد یکشنبہ است ــ لیک از کلفت ندانم این کدام است آں کدام
نیست غیر از حسرت و اندوہ مارا ہیچ کار ــ غدوہ بکرہ بامداد و فجر و مغرب صبح و شام
لون رنگ و ریح بوں و باد و طین و نیم میغ ــ زرد و منتن تند و ناخوش کس چہ گوید والسلام

بارودی سرنگیں

۱۰ شعبان (۱۰۹۸ھ) کو قلعہ کے نیچے متعینہ کارپردازوں نے اطلاع دی کہ نقب لگانے والوں نے اور توپ خانہ کے عملے

تین برجوں کے نیچے نقب پہنچا دی ہے اور ان کو بارود سے بھر دیا گیا ہے اور اب وہ ان نقبوں میں آگ لگانے کے لئے حکم کے منتظر ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ "جو جمعیت اس طرف کے مورچوں پر مامور ہے وہ یورش اور حملہ کا ارادہ ظاہر کرکے فصیل کے اطراف نعرے بلند کرے اور شور وغل مچائے تاکہ قلعہ کے محصور بدحواس ہو کر برج اور حصار پر جمع ہو جائیں۔ اور اسی وقت ان نقبوں میں آگ لگا دی جائے۔"

گولکنڈہ کا سپہ سالار عبدالرزاق لاری بھی غافل نہیں تھا۔ اس کو بھی ان نقبوں کے بارے میں اطلاعات مل چکی تھیں چنانچہ اس نے ان کا کھوج لگایا اور اپنے ماہر نقب بازوں کو مقرر کیا انھوں نے جلدی جلدی قلعہ کے اندر نقبوں کے مقابل زمین کھودنی شروع کی اور ہاتھوں ہاتھ مٹی نکال کر سرنگ بنالی۔ ایک نقب سے بارود اور فتیلہ سارے کا سارا نکال لیا اور دوسری دو نقبوں سے بھی تھوڑی بہت بارود نکل آئی پھر ان میں اتنا پانی بھر دیا کہ ان کے سلگنے کا امکان نہیں رہا اور برج اور فصیل کے اڑنے کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

ہلاکت خیز دھماکہ قلعہ کے باہر حملہ کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں بادشاہی لشکر حملہ کا اعلان کرتے ہوئے نعرے لگانے لگا۔ قلعہ کے بھی لوگ فصیل پر جمع ہو گئے۔ بادشاہی توپ خانہ کے افسر قلعہ والوں کے فصیل پر آنے کے منتظر ہی تھے اسی وقت ایک نقب کو آگ لگانے کا اشارہ کر دیا گیا۔ قلعہ والوں نے بہت سی بارود نکال لی تھی اور پانی بھرنے سے بہت کچھ ضائع ہو چکی تھی اس لئے جب برج اڑا تو بارود کی حدت قلعہ والوں کی نسبت حملہ آور فوج کی جانب ہی زیادہ تھی اور بس دیکھتے ہی دیکھتے توپ خانہ کا ایک بڑا عملہ مرحلوں پر بیٹھے ہوئے بندوقچی اور وہ سارے سپاہی جو قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے جھلس گئے اور برج کے پتھر اڑنے سے بھی ایک بڑی جماعت ہلاک ہو گئی۔ عجیب اتفاق کہ اس حادثہ میں اتنے ہی آدمی ہلاک ہوئے جتنے اس سال سن ہجری کے عدد تھے (۱۰۹۷ھ) ان میں نامی گرامی اشخاص کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ قلعہ والوں میں سے بھی چند آدمی مارے گئے تھے۔

بادشاہی لشکر کے بہادر قلعہ کے نیچے اس انتظار میں جمع ہوئے تھے کہ جیسے ہی برج اڑے اور فصیل گرے وہ یورش کر کے قلعہ میں داخل ہو جائیں گے مگر معاملہ کچھ

برعکس ہی ظاہر ہوا۔ دھماکہ قلعہ کے اندر ہونے کے بجائے باہر کی طرف ہی زیادہ ہوا تھا اور لوگوں کے ہلاک ہونے زخمی ہونے کا ایسا شور برپا ہوا کہ حملہ آور بدحواس ہو گئے۔ گرد و غبار بارود کا دھواں چھا گیا تھا اور برج کا ملبہ بادشاہی فوج پر ہی آ کر گرا تھا۔ اس سے حملہ آوروں کو آگے بڑھنے کا کوئی موقع نہ مل سکا بلکہ ان کے سامنے بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ محصورین نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور وہ جان لیوا ہتھیاروں کو سنبھالے قلعہ پر سے آسمانی بلا کی طرح اتر آئے اور بادشاہی فوج کے باقی ماندہ حملہ آوروں اور توپ خانہ کے عملہ پر حملہ کر دیا اور مورچوں پر قابض ہو گئے۔

بادشاہ کو جب محاذ جنگ کی رپورٹ ملی تو اس نے دشمن پر سخت حملہ کرنے کے احکام نافذ کئے۔ بڑی کوششوں کے بعد جب کہ دونوں طرف سے ایک کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی اور بکثرت آدمی زخمی ہو گئے۔ بادشاہی فوج دوبارہ مورچے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر ابھی مورچہ بندی ٹھیک سے ہونے نہ پائی تھی اور مقتولین کو شمار کیا جا رہا تھا کہ دوسری نقب کو بھی آگ لگا دی گئی۔ اس دھماکہ پر بھی بادشاہی آدمیوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ کیونکہ جو لوگ از سرِ نو مورچہ بندی کرنے محاذ پر پہنچے ہوئے تھے قلعہ کا برج اڑا تو انہی پر بڑے بڑے پتھر آ کر گرے اور مرنے زخمی ہونے والوں کی چیخ پکار سے کہرام مچ گیا اس حادثہ میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد پہلے حادثہ سے ڈبل گنی تھی ان کے شمار کے اعداد لفظ "غوغا" کے حروف سے نکل سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر لوگ ایسے تھے جن میں سے کسی کے ہاتھ پاؤں ضائع ہو گئے تھے تو کسی کی بتیسی جھڑ گئی تھی اور یہ واویلا مچاتے ہوئے کہہ رہے تھے "ہائے ہم کیا ان بھاری پتھروں کی مار کھانے قلعۂ حیدرآباد کے نیچے آئے تھے۔ سارے ہم تو الماس اور یاقوت کی آرزو اور لالچ میں چلے تھے۔ ہم کو کیا معلوم تھا کہ پتھروں کی مار کھا کر اپنے ہاتھ پاؤں اور دانتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ گولکنڈہ والوں کو کوس رہے تھے کہ ہم کتنا ہی اس سنگین قلعہ سے سر پھوڑتے رہیں سنگ دل ابوالحسن گولکنڈہ کا قلعہ نہیں چھوڑنے کا۔

عالمگیر میدان جنگ میں

بادشاہی لشکر میں یہ فریاد و ماتم بپا تھا کہ قلعہ کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا اور ان مورچوں اور مرحلوں پر جن کو بادشاہی لشکر نے گذشتہ چھ ماہ میں قلعہ کے اطراف بڑی مشکلوں سے تیار کیا تھا قبضہ

کرلینا چاہا۔ غازی الدین خاں فیروز جنگ بہادر اپنی جمعیت کو لے کر ان کے مقابلہ پر بڑھا، مگر وہ دشمن کی یلغار کو روک نہ سکا۔ بڑی سخت خوں ریز لڑائی ہوئی جس میں بادشاہی لشکر کے کافی آدمی مارے گئے ان کی تعداد "حشر گاہ" کے لفظ سے نکلتی ہے۔ اگرچہ فیروز جنگ نے اس لڑائی میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جب فیروز جنگ کی ہزیمت کی اور دشمن کے غلبہ کی خبر بادشاہ کو ملی تو اس نے سواری طلب کرلی اور اپنی افواج خاصہ کے جلو میں وہ محاذ پر پہنچ گیا اور گولہ کی مار کی مسافت پر سواری ٹھیر گئی۔ بادشاہ عالمگیر کے چتر شاہانہ کو دیکھ کر کمان داروں اور سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ بادشاہ نے گولہ باری کی پروا کئے بغیر تخت رواں پر سوار میدان جنگ میں پیش قدمی کی حالانکہ اسی وقت ایک گولہ کی جھپٹ میں بادشاہ کے پاس کھڑے ہوئے ایک مصاحب کا ہاتھ اڑ گیا تھا، مگر عالمگیر کسی ہراس وخوف کے بغیر اپنی فوجوں کو لڑاتا رہا۔ غرض اس دن بادشاہ نے، اور بادشاہ کی رکاب میں فیروز جنگ اور دوسرے جنگجو بہادروں نے خوب دلیری اور جاں نثاری دکھائی۔

بادشاہ کی رکاب میں لڑنے والے "قلعہ والوں کو پسپا کرتے جارہے تھے کہ اچانک سیاہ بادل آسمان پر چھاگئے، بجلیاں کوندنے لگیں اور کڑک اور گرج سے میدان دہل گیا پھر ایسی دھواں دھار طوفانی بارش ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے لشکر پانی کے گرداب میں پھنس گیا۔ ؎

برآمد یکے میغ از تیغ کوہ — بغرید غریدن با شکوہ
بجنبش درآمد زمین وزماں — توگفتی بخواہد پریدن جہاں
چو باران نیساں بہارید تیر — توگفتی شدہ پارۂ ابر مطیر
وزاں سو برہمن لشکر تیز چنگ — زقلعہ ہمہ گولہ بارید وسنگ

ادھر بارش کی بوچھاڑ تیر دستاں کا کام کر رہی تھی، اور ادھر قلعہ سے غنیم ہولناک گولہ باری اور سنگ اندازی کر رہا تھا۔ آخر بارش نے میدان جنگ کی آگ کو ٹھنڈا کردیا۔ بادشاہی حملہ آور پیچھے لوٹ آئے، اور قلعہ والے بھی حیران وپریشان پسپا ہو گئے۔
سیلاب ایسا آیا کہ گھوڑے تیرنے لگے اور بادشاہی لشکر کے تمام دمدمے اور مورچے گر پڑے
اس موقع پر گولکنڈہ کی فوج نے دوبارہ مورچوں پر حملہ کیا اور ان بڑی بڑی توپوں کو

جن کو بڑے خرچ اور بڑی محنت کے بعد ان دمدموں پر پہنچایا گیا تھا، قبضہ کرلیا۔ اور مورچوں پہ جو بھی سامان جنگ اور مال و اسباب تھا اٹھا لے گئے اور جو چیزیں نہ لے جا سکے ان کو وہیں تباہ کردیا۔ خندق پاٹنے کے لئے بڑے بڑے شہتیر خندق پر رکھ کر ہزاروں مٹی اور ریت سے بھرے ہوئے تھیلے ڈال دیئے گئے تھے۔ قلعہ والوں نے وہ سارے شہتیر اور تھیلے نکال کر ہاتھوں ہاتھ قلعہ میں پہنچا دیئے، اور اس مال مفت سے قلعہ کے ان رخنوں اور شکستہ دیواروں کو بھر دیا، جو بارودی سرنگوں کے پھٹنے سے پیدا ہو گئے تھے۔ اور زبان حال سے کہہ رہے تھے ؎

چہ خوش بود کہ بر آید کرشمہ دو کار

بارش اور سیلاب سے بڑے گہرے نالے حائل ہو گئے تھے مگر فیروز جنگ اپنے ساتھیوں کو لے کر کیچڑ پانی میں آگے بڑھا اور دشمن پر شدید حملے کئے مگر وہ دشمن کی یلغار کو روک نہ سکا۔ اسی دوران میں بادشاہی ہاتھیوں میں سے ایک قیمتی ہاتھی جس کی قیمت چالیس ہزار روپیہ تھی توپ کا گولہ لگنے سے ڈھیر ہو گیا۔

مباحثہ اور مجادلہ آتش و آب کے اس طوفان میں چند آدمیوں میں بڑی دلچسپ نوک جھونک شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا۔ "جو برج منہدم ہوا ہے وہ کون سا ہے؟" دوسرے نے بگڑ کر جواب دیا۔ "دیکھتے نہیں ہو بارود کے دھوئیں کی ایسی گہری چادر حائل ہے کہ شکستہ و سالم برجوں کا فرق کس طرح معلوم ہو سکتا ہے" تیسرے نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "سب اندھے ہو گئے ہیں، دیکھتے نہیں ہو کہ خندق کی شہتیریں اور تھیلے نکال کر ان لوگوں نے رخنہ بھر دیتے ہیں اور دیواریں کھڑی کر دی ہیں" پہلے شخص نے حیرت سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے قلعہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ کیا ماجرا ہے آخر ان لوگوں نے کس طرح گری ہوئی دیوار کو اتنی بلندی تک اتنی جلدی سی بنا دیا" اس پر دوسرے نے کوئی طنز کیا اور آپس میں گالم گلوچ ہونے لگی بلکہ معاملہ تھا ہاتھا پائی اور خانہ جنگی تک پہنچ گیا۔ ان کے باہمی جھگڑے کو دیکھکر قلعہ والے ہنسی اڑانے لگے کہ شاباش اسی طرح لڑتے رہو۔ آخر کچھ لوگ بیچ بچاؤ کے لئے دوڑے اور لڑنے والوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لئے دوربین منگائی گئی جو اس وقت فراہم نہ ہو سکی۔ چونکہ شام ہو گئی تھی اس لئے اس مقدمہ کی تحقیق دوسرے دن پر

ملتوی کردی گئی۔

لشکر نے بھی رات کو آرام کیا۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی ؂

دگر روز چوں گنبد لاجورد
برآورد وبنمود یاقوت زرد

بارود اور فتیلہ کی چوری

بادشاہ سلامت تیسری سرنگ کو اپنی نگرانی میں آگ دکھانے کے لئے سوار ہوئے اور میدان جنگ میں پہنچے ؂

بہ توسن نشستہ شہ پر شکوہ | چو خورشید رخشندہ بالائے کوہ
در افتاد دریائی لشکر بہ موج | چو ماہی زرہ پوش گرداں فوج
زمیں جملہ گردید صرف غبار | زخون یلاں شد حساب آشکار
امیراں ہمہ جا بجا دور شاہ | بنوعی کہ انجم بود گرد ماہ
زگل در بہاراں سپہ بود بیش | ولے ہم چو غنچہ ہمہ سر بہ پیش
یکے سرخ پوشیدہ اما زبیم | رخش زرد وخیرہ شدہ با غنیم
یکے غنچہ ساں گرز افراختہ | ولے ہم چو گل رنگ را باختہ

کجک برکف فیلباں می نمود
چو ماہ نو از آسماں کبود

بادشاہ کے حکم پر فوج نے تیسری سرنگ کو آگ دکھانے کی بہت کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ نہ شعلہ اٹھا۔ نہ سرنگ پھٹی۔ اب آگ نہ لگنے کی تحقیق اور جستجو ہونے لگی مگر کافی تگ ودو کے بعد بھی اس کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ آخر ایک راست گو جاسوس نے عرض کیا کہ "محصوروں نے بارود نکال لی ہے اور اس کا فتیلہ بھی کاٹ لیا ہے" اس اطلاع کے بعد بادشاہ نے حملہ کو دوسرے دن پر ملتوی کر دیا۔ اور خیموں کی طرف مراجعت کی۔ اس لڑائی میں فیروز جنگ کو تیر کے دو زخم آئے تھے اور ایک بڑی جمعیت بھی زخمی ہو چکی تھی۔ بادشاہ نے فوجوں کی کمان اور قلعہ کی تسخیر کی ذمہ داری شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو تفویض کر دی۔

حیدرآباد کا نظم ونسق

چونکہ قلعہ کا محاصرہ بہت طویل ہو گیا تھا اس لئے ارکین سلطنت نے مشورہ دیا کہ "ابوالحسن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ قلعہ کا اس

طرح محاصرہ جاری رکھ کر بقیہ مفتوحہ علاقہ اور شہر حیدر آباد کا بندوبست اور نظم و نسق سنبھال لیا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ حیدر آباد اور اس کی نواحی آبادیوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد گولکنڈہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ابوالحسن آخر کب تک قلعہ بند رہے گا۔ بادشاہ نے اس رائے کے مطابق حیدر آباد کے تمام مقبوضہ علاقوں پر حکام کا اور عدالت کے عہدہ داروں کا تقرر کر دیا اور حکم جاری کر دیا کہ دفاتر اور احکام میں شہر کا نام "دارالجہاد حیدر آباد" لکھا جایا کرے۔ داروغہ بیوتات عبدالرحیم خاں کو شہر کے احتساب اور نگرانی پر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ شہر میں کافروں کی جو بھی رسمیں رائج ہوں اور جن بدعتوں کو ابوالحسن نے پھیلا دیا ہے۔ ان سب کو ختم کر دیا جائے اور بت خانوں کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدیں بنا دی جائے۔

بے ادبی کا خمیازہ

قلعہ کے محاصرہ کرنے والے امیروں اور سرداروں میں قوام الدین خاں کا بیٹا صف شکن خاں بھی تھا وہ ایرانی امیروں کے مقابلہ میں دل و جان سے قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک دن ایک ایرانی عالم نے جو اس کا ہم نشیں اور مصاحب تھا کہا "اس قلعہ میں مومن صالح، صحیح النسب سادات اور علماء محصور ہیں اور یہ ساری فوج کشی ان کے خلاف ہو رہی ہے اور ان کو ان کے اہل و عیال کو بے آبرو کیا جا رہا ہے" صف شکن خاں نے جواب دیا "اگر امام حسینؑ بھی اس قلعہ میں ہوں گے تو بھی میں اس قلعہ کو فتح کر کے رہوں گا" اس کی یہ بات خیمہ بہ خیمہ شہرت پا گئی۔ اس کے مخالفوں کو بھی بہانہ ہاتھ آگیا انھوں نے اس لغو بات کو اور بے ادبی اور دوسرے بہت سے قضیئے کھڑے کر دیئے۔ یہ بھی بدنام کیا کہ وہ قلعہ والوں سے سازباز رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے اس پر عتاب کیا۔ چند دن تک اسے معزول بلکہ مقید کر دیا گیا تھا اس کا مال و اسباب بھی ضبط ہو گیا تھا۔ مگر پھر بادشاہ نے اس کے قصور معاف کر دیئے اور اسے میر آتشی (توپ خانہ کا کمان دار) کے عہدہ پر مامور کر دیا جس پر صلابت خاں اور دوسرے حواس باختہ امراء کے تقرر کی تجویز تھی مگر یہ لوگ اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار ہی کر رہے تھے اور توپ خانہ کا سارا نظام کسی مستقل نائب کے نہ ہونے سے درہم برہم ہو چکا تھا۔

سچ ہے ؎

یکے در مقسم اقبال و ادبار — بغیر از قدرت حق نیست مختار
یکے را ساخت باتوفیق دم ساز — بہ پیش آرد سرفرازی سرفراز
یکے را بے سعادت کرد بدنام — کہ پیشتر او تو ناکامی تو ناکام

یہاں تک جو عبارت ہم نے لکھی ہے وہ نعمت خاں عالی (مصنف وقائع عالمگیر) سے ماخوذ ہے جسے ہم نے قدرے کمی بیشی کے ساتھ نقل کردیا ہے اب طولِ کلام کے اندیشہ سے اس اقتباس کو اسی جگہ ختم کرکے ہم قلعۂ گولکنڈہ کی تسخیر کا بقیہ حال درج کرتے ہیں۔

گولکنڈہ کا بہادر سپہ سالار

دوران محاصرہ میں ہی ابوالحسن کے اکثر امیر اور سردار بارگاہِ شاہی میں چلے آئے تھے اور ان کو بادشاہ نے بڑے بڑے مناصب خطابات نقارہ ہاتھی گھوڑے اور جواہرات عطا کئے تھے۔ ان عطایا کی تفصیل کو ہم چھوڑتے ہیں۔ ابوالحسن نے اپنے ایک امیر شیخ منہاج کو قید کردیا تھا اور اس کا گھر بار بھی ضبط کرلیا تھا۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ بادشاہی لشکر میں جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس طرح گولکنڈہ کے بڑے بڑے امراء میں سے ابوالحسن کے ساتھ صرف عبدالرزاق لاری جس کا خطاب مصطفیٰ خاں تھا اور عبداللہ خاں پنّی افغان رہ گئے تھے۔ یہ دونوں ماہ شوال کے آخر تک کہ محاصرہ پر آٹھ ماہ گذر چکے تھے۔ ابوالحسن کی طرف سے بڑی جاں فشانی سے لڑتے رہے۔ ان میں سے عبداللہ خاں کے قدم بھی ڈگمگا گئے اس نے امرائے بادشاہی سے خفیہ طور پر نامہ و پیام قائم کرکے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ بادشاہی لشکر کے لئے قلعہ کا دروازہ کھول دے گا مگر عبدالرزاق لاری (تنہا وہ آدمی تھا) جو کسی طمع اور خوف میں نہیں آیا اور برابر مدافعت پر ثابت قدم رہا حالانکہ اس کے نام بھی فرمان گیا تھا جس میں بادشاہ نے چھ ہزاری چھ ہزار سوار کے منصب اور دوسری عنایات کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے صاف انکار کردیا تھا بلکہ اس وفاداری آدمی سے یہ بے ادبی بھی سرزد ہوئی کہ اس نے قلعہ کے برج پر چڑھ کر بادشاہ کا لکھا ہوا فرمان لشکر کے آدمیوں کو دکھایا اور اسے پارہ پارہ کرکے نیچے پھینک دیا اور جو جاسوس بادشاہ کا فرمان لایا تھا اسے زبانی پیغام دیا کہ "یہ جنگ کربلا کی لڑائی کے مشابہ ہے اور عبدالرزاق جب تک اس کی جان میں جان ہے۔ بائیس ہزار کے اس لشکر میں شامل نہیں ہوگا جس نے پہلے تو امام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر امام پر ہی تلوار کھینچ لی تھی۔ بلکہ وہ دوسری طرف بہتر آدمیوں کی

جمعیت میں ہی شریک رہ کر دنیا و آخرت کی سرخ روئی حاصل کرنے کا امید وار ہے۔"
جب لاری کے متعلق یہ باتیں بادشاہ کے علم میں لائی گئیں تو بظاہر بادشاہ نے اعتراض کے لہجہ میں کہا تھا۔ افسوس اس بدبخت بازاری لاری پر" مگر بہ باطن بادشاہ نے اس کی اس نمک حلالی پر آفریں ہی کہی۔
یہ لاری کی نمک حلالی اور تن دہی کا نتیجہ تھا کہ بادشاہی لشکر اس طویل عرصہ تک قلعہ پر قابو نہ پا سکا حالانکہ اس عرصہ میں بڑی دلیری اور بہادری سے پے در پے حملے کئے گئے بارہا خندق کو پاٹنے کی کوشش کی گئی۔ ریت اور مٹی سے بھرے ہوئے کئی ہزار تھیلے ڈال دیئے گئے۔ ہزاروں مردہ جانور اور آدمیوں کی لاشیں بھی خندق میں ڈال دی گئی تھیں جن میں سے بہت سے وہ لوگ تھے جو قحط میں مرے تھے اور بہت سے وہ تھے جو مورچوں اور مرحلوں پر لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ اس عرصہ میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہی فوج کے بہادر آدمی قلعہ پر چڑھ گئے اور قلعہ کی فتح میں کوئی کسر نہیں رہ گئی مگر ہر بار قلعہ والے ہوشیار ہو گئے اور ان کو ناکام کر دیا۔ آخر آٹھ نو ماہ دس دن کے محاصرہ کے بعد بادشاہ عالمگیر کی اقبال مندی نے اثر دکھایا اور قلعہ کسی فوجی کارروائی کے بغیر ہی بآسانی ہاتھ آ گیا اور بدنصیب ابوالحسن گرفتار کر لیا گیا۔

قلعہ گولکنڈہ کی فتح

جلوس کا اکتیسواں سال مطابق سن ایک ہزار اٹھانوے ہجری ۱۰۹۸ھ

عبداللہ خاں کی غداری

اس سال کے ماہ ذی قعدہ کے آخر میں روح اللہ خاں کی کوششوں اور رن مست خاں افغان پنی کی وساطت سے ابوالحسن کا مشہور اور معتبر ملازم عبداللہ خاں پنی در پردہ بادشاہی لشکر سے مل گیا اس وقت وہ قلعہ گولکنڈہ کے ایک دروازہ پر جو "کھڑکی" کے نام سے مشہور تھا صاحب اختیار کمان دار تھا۔ اس سازش کے مطابق ایک رات کے آخر حصہ میں روح اللہ خاں، مختار خاں، رن مست خاں، صف شکن اور خواجہ مکارم جس کا خطاب جان نثار خاں تھا

اور جو بہادرانہ حملوں کی وجہ سے بادشاہ کے پاس تقرب وسرفرازی پاگیا تھا قلعہ کے مقررہ مقام پر پہنچ گئے اور زینے لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور عبداللہ خاں کے اشارہ اور رہنمائی پر ان راستوں سے جو توپوں کی ضرب سے دیوار کے ٹوٹنے سے بن گئے تھے اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت شاہزادہ محمد اعظم اپنی فوج کے ساتھ ہاتھی پر سوار دروازہ پر پہنچ گیا تھا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

سپہ سالار لاری کی بے مثل بہادری

جس وقت حملہ آور قلعہ کے دروازہ پر اندر کی طرف سے پہنچ گئے تھے اور محافظوں کو گرفتار کرنے اور دروازہ کھولنے کی فکر میں تھے اور قلعہ کے فتح ہو جانے کی خبر سارے قلعہ میں پھیل گئی تھی عبدالرزاق لاری اطلاع ملتے ہی ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں ڈھال لے کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گیا کیونکہ اسے زین و کمر باندھنے تک کی مہلت نہیں تھی۔ اس کے ساتھ صرف دس بارہ آدمی تھے وہ ان کو لے کر دروازہ پر پہنچا مگر اس وقت تک دروازہ کھول دیا گیا تھا اور بادشاہی فوج جوق در جوق قلعہ میں داخل ہوتی جارہی تھی اس ریلے میں عبدالرزاق کے دس بارہ ساتھی بھی مستغرق ہو گئے اور وہ دریا کے مقابلہ پر ایک قطرہ اور سورج کے سامنے ایک ذرہ کی طرح تنہا و بے مددگار رہ گیا مگر ذاتی طور پر وہ اس قدر بہادر اور دلیر تھا کہ اس نے اکیلے ہی بادشاہی فوج کا راستہ روک دیا اور اس دلیری اور شجاعت کے ساتھ کہ عقل باور نہیں کر سکتی۔ وہ برابر حملے کرتا رہا اور یہ نعرہ لگاتا رہا۔ "میری جان ابوالحسن پر قربان ہے"۔ ایک طرف وہ تنہا تھا اور دوسری طرف ہزاروں آدمی تھے جو اس پر تلواریں چلا رہے تھے۔ تلواروں اور نیزوں کے اتنے کاری زخم آئے کہ سر سے پاؤں تک وہ خون میں نہا گیا مگر اس قدر سخت جان آدمی تھا کہ قلعۂ ارک تک برابر مدافعت کرتا رہا اور مقابلہ سے نہیں ہٹا۔ بارہ زخم تو صرف اس کے چہرہ پر لگے تھے اور چہرہ کی کھال پیشانی آنکھوں اور ناک پر سے اتر گئی تھی، آنکھ پر بھی بڑا گہرا گھاؤ لگا تھا۔ جسم پر تو ستاروں کی طرح زخموں کے نشان تھے، گھوڑا بھی بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور لرز رہا تھا۔ آخر اس کے ہاتھ سے باگ چھوٹ گئی، مگر وہ خود کو گھوڑے پر کمال ضبط کے ساتھ سنبھالے رہا اور گھوڑا اسے لے کر قلعہ ارک کے قریب ایک باغ میں لے کر چلا گیا جس کا نام "باغ نگینہ" تھا، باغ میں ایک پرانے ناریل کے درخت کے

نیچے گھوڑا پہنچ کر رک گیا تو اس نے درخت کا سہارا لے کر اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔ اور بیہوش پڑا رہا۔ دوسرے دن صبح حسینی بیگ کے چند آدمی ادھر سے گذرے ' گھوڑے کی نشانی اور دوسری علامتوں سے معلوم ہوگیا کہ یہ عبدالرزاق لاری ہے۔ لاری اس قدر زخمی ہو جانے کے بعد مرا نہیں تھا ابھی جان باقی تھی۔ لوگوں نے چارپائی پر ڈال کر گھوڑے اور ہتھیاروں کے ساتھ اسے اس کے گھر پر پہنچا دیا گیا اور اس کے آدمی علاج اور مرہم پٹی کرنے لگے۔ اس کی بہادری کا یہ ایک مختصر واقعہ ہے اس کی نمک حلالی اور دلیری کے اور بھی واقعات ہیں جو ہم آگے بیان کریں گے۔

ابوالحسن تاناشاہ کا سکون و اطمینان

جب ابوالحسن کو اس ہنگامۂ داروگیر کی خبر ملی اور سارے قلعہ میں آہ و بکا کا شور بلند ہوگیا تو ابوالحسن نے اپنے محل کی عورتوں کو تسلی دلاسہ دیا اور ان سے رخصت ہو کر بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ ایوان بادشاہی میں داخل ہوا اور شاہانہ تمکنت و وقار کے ساتھ اپنی مسند پر بیٹھ گیا اور ناخواندہ مہمانوں کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت ابوالحسن کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے اُس نے دسترخوان بچھانے اور کھانا لگانے کا حکم دے رکھا تھا۔ اسی اثناء میں روح اللہ خاں اور مختار خاں دوسرے امیر اور افسر پہنچ گئے۔ ابوالحسن نے سبقت کر کے ان کو سلام علیک کہا اور ان کے سلاموں کا شاہانہ وقار کے ساتھ جواب دیا اور آنے والوں میں سے ہر ایک کے ساتھ بڑی گرم جوشی حاضر جوابی اور خوش کلامی سے باتیں کرتا رہا۔ عقلمندوں نے درست کہا ہے کہ جب کبھی صاحب اقتدار و ثروت حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں تو بردباری اور حوصلہ سے کام لے کر پیش آمدہ حالات کے مطابق تسلیم و رضا کو اختیار کر لیتے ہیں ؎

باتیر قضا سپر بجز یہ ہشیار ۔ بالجملہ بہ تقدیر چہ صحرا چہ حصار
خفتان رضا گزیں و حصار از تسلیم ۔ باخیل حوادث چو بیفتد پیکار

اسیری میں ضیافت

بادشاہی امراء کے ساتھ یہ محفل صبح تک جمی رہی تھی اس دوران میں جب ابوالحسن کے رکاب داروں نے آکر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے تو ابوالحسن نے امراء سے کھانے کی اجازت طلب کی اور ان کو بھی شریک طعام ہونے کی دعوت دی۔ بعض بے مروت امیر ابوالحسن کو دسترخوان پر جانے کی

اجازت دینے کے مخالف تھے مگر مغل امیروں نے اس میں کوئی ہرج اور مضائقہ نہیں سمجھا اور اسے دسترخوان پر جانے کی اجازت دیدی ابوالحسن کے ساتھ مختار خاں اور ایک دو آدمی کھانے میں شریک ہو گئے۔ اس موقع پر روح اللہ خاں نے حیرت سے پوچھا۔ "کھانے کا یہ کونسا وقت ہے؟" ابوالحسن یا تو سوال کو سمجھا نہیں یا سمجھ کر عمداً اس نے جواب دیا۔ "یہی وقت تو میرے کھانے کا ہے"۔ روح اللہ نے وضاحت کی "یہ تو میں جانتا ہوں کہ یہ کھانے کا وقت ہے مگر مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ اس پریشانی کے عالم میں جناب والا کو کھانے کی طرف رغبت کیسے ہوئی؟" ابوالحسن نے جواب دیا۔ "یہ کیا تم نے عام لوگوں کی بات کہہ دی میرا تو یقین و اعتقاد خدا پر ہے جس نے شاہ و گدا سب کو پیدا کیا ہے اور وہ کسی حالت اور کسی بھی وقت اپنے بندہ سے نظر لطف و کرم کو نہیں پھیرتا اور اس کی قسمت کا لکھا ہوا رزق اس تک کسی حال میں پہنچا دیتا ہے"۔ ابوالحسن نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید کہا "میرے آباد باد صاحب اقتدار اور با اثر تھے اور انھوں نے بڑے عیش و آرام اور عزت و آبرو سے اپنی زندگی بسر کی مگر اللہ کی مصلحت ایسی تھی کہ میں نے اپنی زندگی کے پندرہ سولہ سال فقیری میں گذار دیئے پھر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم مجھ پر ہوئی اور بغیر اس کے کہ مجھے ذرہ برابر بھی اس کا تصور ہوا ہو یا دوسروں کو شان گمان گذرا ہو چشم زدن میں اللہ نے میرے لئے سلطنت و حکمرانی کا سامان مہیا کر دیا اور میرے دل کی ساری ہوس اور آرزو پوری ہو گئی۔ میں نے لاکھوں بخشے کروڑوں صرف کئے۔ اپنے عہد حکمرانی میں مجھ سے ضرور ناپسندیدہ اعمال سرزد ہوتے ہیں کہ اللہ نے ان کی پاداش میں مجھ سے نظریں پھیر لیں تاہم میں شکر گذار ہوں کہ اب میری زندگی کے بقیہ چند سال اللہ نے عالمگیر جیسے دین دار بادشاہ کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں"۔

سرارادت ما آستان حضرت دوست
کہ ہر چہ بر سر ما می رود ارادت اوست

بہر حال کھانے اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ابوالحسن نے سواری کا گھوڑا طلب کیا اور بادشاہی امراء کے ساتھ سوار ہو گیا۔ اس وقت اس کے گلے میں مروارید کے مالے پڑے ہوئے تھے۔

ابوالحسن عالمگیر کے حضور میں

اس وقت شاہزادہ محمد اعظم کے لئے قلعہ کے دروازہ پر ایک مختصر سا خیمہ نصب کر دیا گیا اور وہ اسی میں ابوالحسن کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ابوالحسن کو شہزادہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بڑے اطمینان و بشاشت سے آگے بڑھا اور گلے سے مروارید کا ایک ہار نکال کر شہزادہ کی خدمت میں نذر پیش کی شہزادہ نے اس کی پشت پر دست شفقت رکھا اور تسلی دلا سا دے کر اس بدنصیب کو بادشاہ سلامت کے حضور بھجوا دیا حضرت خلد مکان عالمگیر نے بھی اُس کے ساتھ شایان شان سلوک کیا۔ اور عزازو اکرام سے اُسے ٹھیرایا چند دن بعد جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے دوبارہ ملاقات کی زحمت دیئے بغیر اسے دولت آباد کے قلعہ میں بھجوا دیا اور اس کے لئے احکام دیدیئے کہ تمام آسائش کا سامان مہیا کر دیا جائے کھانے پینے پوشاک و خوشبو یات حسب ضرورت اور شایان شان فراہم کر دی جائیں۔

لاری موت وحیات کی کش مکش میں

قلعہ پر قبضہ کے بعد روح اللہ خاں اور بادشاہی گماشتوں نے ابوالحسن کے مال واسباب کو ضبط کر لیا۔ اس دوران عبدالرزاق کے بادشاہی فوج سے مقابلہ کرنے اور سخت زخمی ہونے کی اطلاعات بھی مل گئی تھیں۔ چنانچہ اس کو اس حالت میں کہ بالکل بے خبر بے ہوش تھا اور بس زندگی کی رمق رہ گئی تھی، روح اللہ خاں کے پاس پہنچا یا گیا۔ جیسے ہی صف شکن خاں کی نظر اس پر پڑی، چیخ کر کہا " یہ وہی بے ادب ناپاک لاری ہے، اس کا سر کاٹ کر دروازہ پر لٹکا دینا چاہیے "۔ روح اللہ خاں نے کہا " اس مردہ کے سر کو جس کی زندگی کی کوئی امید نہیں بادشاہ کے حکم کے بغیر کاٹ دینا مروت سے بعید ہے "۔ چنانچہ امراء نے بادشاہ کے پاس اس کا حال عرض کیا۔ جب خلد مکاں کو اس کی نمک حلالی، بہادری اور جرأت کے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو منصف مزاج قدرداں بادشاہ نے اس کے علاج کا حکم دیا۔ بادشاہی معالجوں میں سے ایک فرنگی طبیب اور ایک ہندو وید کو اس کے علاج معالجہ پر مقرر کیا گیا اور روزانہ اس کی صحت کی رپورٹ بادشاہ کے پاس پیش ہوتی رہی۔ ان ہی دنوں بادشاہ نے روح اللہ خاں سے فرمایا تھا۔ اگر ابوالحسن کے پاس عبدالرزاق لاری جیسا ایک اور آدمی ہوتا تو شاید قلعہ کی تسخیر میں اتنا ہی عرصہ اور لگ جاتا"۔ جراحوں نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اطلاع دی تھی کہ تقریباً ستر زخم لگے ہیں اور زخم پر زخم جو آئے ہیں وہ اتنے زیادہ ہیں کہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔ اس کی ایک آنکھ محفوظ رہ گئی تھی مگر دونوں آنکھوں کی بینائی خطرہ میں معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ نے اس کے علاج

اور تیمار داری کے لئے سخت تاکید کی اور بہتر سے بہتر انتظامات کا حکم دیا۔ تیرہ دن بعد بادشاہ کے پاس طبیبوں کی رپورٹ پیش ہوئی کہ۔ اب عبدالرزاق نے آنکھ کھول دی ہے اور لکنت سے باتیں کرنے لگا ہے اور اس کے صحت پا جانے کی امید ہوگئی ہے" بادشاہ نے حکم دیا کہ۔ ہماری طرف سے اس کو پیغام پہنچا دو کہ ہم نے اُس کے قصور معاف کر دیئے وہ اپنے بڑے بیٹے عبدالقادر نامی کو دوسرے بیٹوں کے ہمراہ جو ملازمت کرنے کے لائق ہوں، ہمارے پاس بھیج دے تاکہ ان کو منصب وغیرہ دے کر سرفراز کیا جائے اور وہ اپنے آپ کی طرف سے قصوروں کی معافی پیش کرکے اُس کے لئے بھی منصب اور عنایات حاصل کرلیں"۔ جب اس خطا بخش بادشاہ کا عنایت آمیز پیغام اُس نمک حلال بہادر لاری کو ملا تو اُس نے بہ مشکل لکنت کے ساتھ بادشاہ کی قدر دانی کا شکریہ ادا کیا اور جواب دیا کہ "یہ سخت جان ابھی تک جسم سے لگی ہوئی ہے مگر اب زندگی کی کوئی امید بھی نہیں رہی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کمال قدرت اور مہربانی سے مجھے دوبارہ زندگی بخش بھی دے تو اس بے دست و پا سے بادشاہ کی نوکری نہ ہو سکے گی کیونکہ جس شخص کے جسم کا رواں رواں ابوالحسن کے نمک سے پرورش پایا ہے وہ عالمگیر بادشاہ کی نوکری نہیں کر سکتا"۔ جب اس کی یہ بات بادشاہ تک پہنچائی گئی تو بظاہر تو بادشاہ کو رنج و ملال ہوا مگر بادشاہ نے دل میں اسے آفریں کہا اور حکم دیا کہ پوری طرح صحت یاب ہو جانے کے بعد اس کا معاملہ ملاحظہ میں پیش کیا جائے۔ اس کا سارا مال و اسباب جس میں سے بہت کچھ تو لوٹ مار کی نذر ہو چکا تھا اور تھوڑا بہت خائنوں نے غبن کر لیا تھا اسے بخش دیا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا اُسے پہنچا دیا گیا۔ عبدالرزاق لاری کا بقیہ حال ہم پھر کسی موقع پر بیان کریں گے۔

گولکنڈہ کا مالِ غنیمت! ابوالحسن کے اموال میں سے جو کچھ بہ حق سرکار ضبط ہو سکا تھا۔ اس میں اڑسٹھ لاکھ اکیاون ہزار ہون۔ دو کروڑ ترپن ہزار روپیہ تھا جس کا زر مالیتی چھ کروڑ اٹھاسی لاکھ دس ہزار روپیہ کا ہوتا تھا اس کے علاوہ جواہرات مرصع آلات طلائی اور نقروی ظروف کافی تعداد میں تھے۔ دفتر شاہی میں ایک ارب پندرہ کروڑ تیرہ لاکھ دام کی جمع بندی بھی درج ہوئی تھی۔

تاریخ فتح گولکنڈہ میر عبدالکریم نے جسے اسی لڑائی کے سلسلہ میں ملتفت خاں کا خطاب مل گیا تھا اور بعد میں اس نے میر خاں کا بھی خطاب پایا تھا اور دربار کے مستعد کارگزار آدمیوں میں سمجھا جاتا تھا فتح کی تاریخ کہی تھی۔ "فتح قلعہ گولکنڈہ مبارک باد" بادشاہ کو یہ تاریخ پسند آئی۔

اس جگہ اگر میں قلعہ گولکنڈہ کی بنیاد اس کے استحکام اس شہر کی خوبیوں اس سر زمین کی آب و ہوا وہاں کے سبز فام نمکین حسینوں کا ذکر لے بیٹھوں اور اس علاقہ کی سرسبزی اور خوش حالی بیان کرنے لگ جاؤں تو اپنے مقصد سے دور ہو جاؤں گا اس لئے تفصیلات سے پہلو بچا کر مختصراً گولکنڈہ کے کچھ حالات بیان کرتا ہوں۔

قلعہ گولکنڈہ کی تاریخ گولکنڈہ کا قدیم کچا قلعہ راجہ دیو رائے کے آبا و اجداد کا بنایا ہوا تھا جس پر بڑی سعی و جہد کے بعد بہمنی سلاطین نے قبضہ کر لیا تھا جب سلطنت بہمنیہ کا زوال ہوا (جس کا ذکر ہم اس کتاب کی تیسری جلد میں کریں گے یہ جلد سلاطین دکن اور ہندوستان کے اکیس صوبوں کے حالات پر مشتمل ہوگی) تو گولکنڈہ پر محمد شاہ بہمنی کا ایک امیر سلطان محمد قلی نامی جسے قطب الملک کا خطاب ملا تھا حاکم تھا۔ جب دکن میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو قطب الملک وہاں کا خود مختار فرماں روا بن گیا اور اس نے راجہ دیو رائے کے بناتے ہوئے اس کچے قلعہ کو جو ایک بلند ٹیلہ پر واقع تھا پختہ کر دیا۔ چند پشتوں بعد جب سلطنت محمد قطب الملک کو ملی (واضح رہے "قطب الملک" اس سلسلہ کے سلاطین کا خاندانی لقب ہو گیا تھا) تو اس نے قلعہ گولکنڈہ کی تعمیرات میں کافی اضافہ کیا۔ محمد قطب شاہ کو اپنی ایک عورت بھاگ متی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ بھاگ متی کی فرمائش پر اس نے قلعہ سے دو کوس کے فاصلہ پر ایک شہر بسایا اور اس کا نام اسی محبوبہ کے نام پر "بھاگ نگر" رکھا۔ کچھ عرصہ بعد جب بھاگ متی مر گئی تو بھاگ نگر کے نام میں قباحت محسوس کر کے اسے حیدر آباد سے بدل دیا۔ مگر عام لوگوں میں وہ اب تک بھاگ نگر کے نام سے ہی مشہور رہے۔

شہر خوباں بھاگ نگر مذکورہ بھاگ متی نے اس شہر میں شراب خانے اور قحبہ خانے بنا رکھے تھے وہاں کے حکام اور فرماں روا بھی بہت زیادہ عیاش تھے اس لئے طرح طرح کے فسق و فجور وہاں علانیہ ہونے لگے تھے جب

ابوالحسن بادشاہ بنا تو عیش و عشرت میں وہ سلاطین سابق سے بھی بازی لے گیا اور اس کے زمانہ میں فسق و فجور بہت زیادہ رواج پا گئے یہاں تک کہ حیدرآباد فسق و فجور اور عیاشیوں کا شہر کہلانے لگا۔ جب حضرت عالمگیر بادشاہ نے اسے فتح کرلیا تو اُسے "دارالجہاد" کا نام دیا۔ بعد میں جب شاہ عالم کی حکومت کا دور آیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے تو اس کا نام سرکاری دفاتر میں "فرخندہ بنیاد" لکھا جانے لگا۔ حیدرآباد کی آب و ہوا گرمی سردی میں معتدل رہتی ہے۔ وہاں کی زراعت اور غذا کا انحصار بس چاول پر ہے۔ اگر موسم باراں کے چار مہینوں میں دھیمی دھیمی بارش نہ ہو تو زراعت خراب ہو جاتی ہے اگر ایک دو دن بھی شدت سے بارش ہو جائے اور تالاب بھر جائیں تو یہ پانی سارے سال زراعت کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

قلعۂ سکر کی تسخیر

بیجاپور اور حیدرآباد کے درمیان ایک قلعۂ سکر نامی ہے اور وہاں اس ضلع کی بڑی آبادی ہے۔ اس قلعہ اور آبادی کا حاکم پریہ نایک نامی ایک شخص تھا جو دکن کی بدترین مردار خوار قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس علاقہ کی نگہبانی اور انتظام اسی شخص کے ذمہ تھا۔ بیجاپور اور حیدرآباد کے محاصرہ کے دوران اس نے بارہ ہزار پیادہ فوج سے سکندر شاہ بیجاپوری اور ابوالحسن (تانا شاہ) کی بہت مدد کی تھی بادشاہی لشکر کی رسد کاٹ دی تھی اور چھاپے مارتا رہا تھا۔ بادشاہ نے گولکنڈہ کے محاصرہ کے دوران روح اللہ خاں کے بیٹے خانہ زاد خاں کو جس نے ان دنوں اپنی کارگزاری اور بہادری کا اپنے ہمسروں سے لوہا منوا لیا تھا۔ پریہ نایک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کرنے اور قلعہ سکر کی تسخیر کے لئے مقرر کردیا تھا۔ خانہ زاد خاں نے وہاں پہنچ کر سکر کے اطراف فوج کشی کی اور اس کا محاصرہ کرلیا اسی دوران میں قلعہ گولکنڈہ کی فتح کی خبر پہنچ گئی۔ پریہ نایک نے بڑی عاجزی سے خانہ زاد خاں سے امان طلب کی اور اطاعت کا اقرار کیا۔ خانہ زاد خاں نے اسے معافی کی امید دلائی اور صورت حال بادشاہ کے حضور لکھ بھیجی۔ اسی سال (۱۰۹۸ھ) ماہ صفر میں پریہ قلعہ سے نکل آیا اور خانہ زاد خاں سے مل کر قلعہ کی کنجی پیش کردی۔ خانہ زاد خاں نے قلعہ میں اذان کہلواتی اور قلعہ کی اونچی پہاڑی پر ایک مسجد کی بنیاد رکھدی اور حسب الحکم وہاں کی قلعداری پر ایک بادشاہی ملازم کو مقرر کردیا اور پریہ کو اپنے ساتھ بادشاہ کے حضور لے آیا۔

بدشکل منصب دار

کہتے ہیں یہ مرد نور کافروں کی قوم سے تھا اور بدخصلتی میں وہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا تھا۔ جتنا وہ بدباطن اور بدسیرت تھا اتنا ہی بدشکل اور کریہہ المنظر بھی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تارکول اور نیل سے اٹھنے والے دھوئیں کو انسانی شکل میں مجسم کردیا گیا ہے۔ بادشاہ نے مصلحت کے سبب اسے پانچ ہزاری چار ہزار سوار کے منصب پر مامور کردیا تھا مگر دربار کے امراء میں سے جس کی بھی نگاہ اس پر پڑتی تھی وہ اس کی مکروہ شکل اور اس منصب مرتبہ کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتا تھا اور لاحول پڑھنے لگتا تھا۔ دو تین ہفتہ بعد ہی وہ طبعی موت مرگیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے اور ہمراہیوں کو ان کے اندازہ اور حوصلہ سے زیادہ منصب اور اعزاز عطا کئے۔

ادہونی پر فوج کشی

ادہونی کا قلعہ بیجاپور کے ایک افسر مسعود حبشی کے قبضہ میں تھا بادشاہ نے شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے لشکر پر غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو ہراول بناکر ادہونی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ فیروز جنگ کے ساتھ پانچ ہزار سوار بھیجے گئے چونکہ ان میں سے اکثر مغل سرداروں کو جاگیر نہیں مل سکی تھی اس لئے ان کو نقد تنخواہ دینے کے احکام صادر ہوئے۔ فیروز جنگ کے پیچھے ہی شاہزادہ محمد اعظم کو چالیس ہزار سوار اور بہت بڑے توپ خانے کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

ابوالحسن کی دولت آباد روانگی

لشکر کی تعیناتی کے بعد ہی بادشاہ نے دارالجہاد حیدرآباد کا بندوبست کرنے کے بعد وہاں سے ظفرآباد بیدر کی طرف کوچ کردیا۔ ابوالحسن کو دولت آباد بھیجنے کے لئے جاں سپار خاں کے سپرد کیا گیا تھا۔ مگر بعض موانعات کی وجہ سے اُسے روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ اب تک وہ رکاب شاہی کے ہی ہمراہ تھا۔ ظفرآباد بیدر پہنچنے کے بعد ابوالحسن کو دولت آباد رخصت کیا گیا۔ اس کی خاطر تواضع اور آرام و آسائش کے لئے بادشاہ نے کمر تاکید کی کہ جو کچھ اس کو پسند ہو وہ مہیا کردیا جائے۔

عالمگیر گلبرگہ اور بیجاپور میں

اوائل جمادی الاول میں بادشاہ کی سواری گلبرگہ کے قریب پہنچی۔ حضرت سید محمد گیسو دراز کی زیارت کے بعد بادشاہ نے سات منزلوں میں بیجاپور کی طرف سفر کیا اور آخر ماہ جمادی الاول میں سواری بیجاپور

پہنچ گئی۔ اس وقت بیجاپور کا شہر اور اس کے اطراف کا علاقہ گذشتہ حوادث کے سبب بالکل ہی تباہ و تاراج ہو چکا تھا بادشاہ نے وہاں چھاؤنی قائم کرنے عمارتیں بنانے اور رعایا کی دل جوئی کے لئے رفاہ عامہ کے احکام دیئے۔

قلعہ ادھونی کی فتح

(جلوس کا تیسواں سال مطابق سن ایک ہزار ننانوے ہجری ۱۰۹۹ھ)

ملکانو کے قلعہ پر قبضہ

شاہزادہ محمد اعظم شاہ ادھونی کی تسخیر کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ جب وہ اثنائے راہ میں قلعہ ملکانو (ملکالونر) پر جو بیجاپور کے دشوار گذار ماتحت قلعوں میں ایک مشہور قلعہ تھا، پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کا قلعہ دار مرچکا ہے اور اس کے نوعمر لڑکے کو جسے بیجاپور کے بادشاہ نے وہاں کا حاکم قرار دیدیا تھا قلعہ دار بنا دیا گیا ہے۔ شاہزادہ نے قلعہ کے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ محصوروں نے چند دن تک مدافعت کی آخر قلعہ کی کنجی لا کر پیش کر دی اور اطاعت اختیار کرلی بادشاہ کو جب قلعہ پر قبضہ کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے اس کا نام قلعہ اعظم نگر رکھ دیا۔ چونکہ بارش کا موسم آچکا تھا اس لئے شاہزادہ نے حسب الحکم اسی جگہ چھاؤنی ڈال دی۔

ادھونی کے قلعدار کی اطاعت

خان فیروز جنگ نے قلعہ ادھونی پر پہنچنے کے بعد قلعدار مسعود کے نام جو بیجاپور کا قدیم ملازم اور بوڑھا حبشی تھا اطاعت کا پیغام بھیجا مگر اس نے اطاعت اختیار کرنے سے انکار کردیا۔ آخر فیروز جنگ نے قلعہ کے اطراف و جوانب کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد محاصرہ کرلیا اور مورچے قائم کرکے نقب اور سرنگ لگانے کے احکام دیدیئے۔ قلعہ والوں نے بھی باہر نکل کر حملے کئے مگر ان کی ایک بڑی جماعت ماری گئی اور بکثرت آدمی اسیر بنالئے گئے۔ چند ایک سخت لڑائیوں اور جھڑپوں کے بعد مسعود نے عاجزی سے امان کی درخواست دی اور قلعہ بادشاہی آدمیوں کے حوالہ کردیا اور اطاعت اختیار کرلی۔ اور اپنے بیٹوں کو بادشاہ کے حضور

روانہ کر دیا۔ اپنے لئے ملازمت اور نوکری سے معافی کی درخواست کی جسے بادشاہ نے ازراہ نوازش قبول کر لیا۔

عبدالرزاق لاری کی صحت یابی

جب عبدالرزاق لاری کے پوری طرح صحت یاب ہو جانے کی اطلاع ملی تو صوبیدار کے نام احکام صادر ہوئے کہ عبدالرزاق کو تسلی دلاسا دے کر ہمارے حضور روانہ کر دو مگر عبدالرزاق نے حاضری سے معافی کی التماس کی اور عرض کیا کہ مجھے حضور والا اہل و عیال کے ساتھ بیت اللہ روانہ فرما دیں تاکہ طواف حرمین کی سعادت حاصل کر کے میں بادشاہ کی زیادتیٔ عمر کی دعا کروں" اس عرض داشت پر بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قید کر کے حضور میں بھیج دیا جائے۔ فیروز جنگ کو جب اس حکم کی اطلاع ملی تو اس نے لاری کی سفارش کی اور اس کا ضامن بن کر اسے اپنے پاس بلا لیا اور کچھ عرصہ تک اپنے ساتھ ہی رکھا چنانچہ اس کی دل دہی اور عزت افزائی کی وجہ سے ایک سال بعد لاری نے چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب قبول کر لیا اور بادشاہی ملازمت میں شامل ہو گیا۔

دربارِ عالمگیر کے دیانت دار عہدہ دار

(جلوس کا تینتیسواں سال مطابق سن ایک ہزار ایک سو ہجری ۱۱۰۰ھ)

اس سال کے آغاز میں سیدی مسعود کے بیٹے حاضر بارگاہ ہوئے۔ فیروز جنگ نے ان کے ذریعہ قلعہ کی طلائی چابی بھجوائی تھی۔ بادشاہ نے ان کو منصب عطا کر کے بادشاہی خدمتوں پر مامور کر دیا اور سیدی مسعود کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ فیروز جنگ کو بھی دربار میں حاضر ہونے کے بعد ہزاری ہزار سوار کا اضافہ عطا ہوا اور وہ دوسری عنایات سے بھی سرفراز کیا گیا۔

سعادت خاں پر عتاب شاہی

حیدرآباد کا حاجب (ریذیڈنٹ) سعادت خاں عرف محمد مراد بادشاہ کا جاں نثار اور عقیدت مند ملازم تھا مگر اس نے اپنی حجابت کے دور میں نیک سیرتی کی وجہ سے ابوالحسن کے قصوروں کو معاف کرانے کی سفارش کی تھی اور بعض معاملات میں اس کی رعایت ملحوظ رکھی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابوالحسن کا معاملہ فوج کشی اور جنگ تک پہنچے۔ اسی سلسلہ میں چند ایک باتیں اس نے بادشاہ سے مخفی بھی رکھی تھیں مگر ان معاملات کا بادشاہ کو علم ہو گیا تھا۔ ان میں اس بھاری رقم کا قضیہ بھی تھا جو ابوالحسن نے سنبھا کے پاس بھجوائی تھی اور سعادت خاں نے اس کی اطلاع حضور میں نہیں بھیجی تھی بادشاہ کو اس کی رپورٹ بالا بالا مل گئی تھی۔ اسی طرح بادشاہ نے چند ایک احکام بھیجے تھے مگر سعادت خاں نے ابوالحسن کی مروت میں ان کی تعمیل نہیں کرائی تھی۔ اس قابل اعتراض رویہ کی وجہ سے جب گولکنڈہ فتح ہونے کے بعد وہ حضور میں پہنچا تو اس پر بادشاہ کا عتاب ہوا اور اس کے منصب میں سے ایک صدی سو سوار (یا دو صدی دو سو سوار) کی تخفیف کر دی۔ خطاب واپس لے لیا حجابت کے زمانہ میں اس نے

اسی ہزار روپیہ لئے تھے اس کی بازیابی کے احکام صادر ہوئے۔

جواہرات کے نو تھال

یاد ہوگا کہ ابوالحسن نے سعادت خاں محمد مراد کے پاس جواہرات کے نو سر بمہر تھال امانت رکھائے تھے۔ ان سارے ہنگاموں میں یہ تھال اس نے بڑی محنت وکاوش سے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ جس زمانہ میں بادشاہ کا عتاب نازل ہوا اس نے بہت چاہا کہ وہ تھال بادشاہی جواہر خانہ کے متصدی وصول کرلیں مگر دفترداروں نے ان کو لینے سے انکار کردیا، کیونکہ ان کے ساتھ ان کی دستاویزات نہیں تھیں جو دفتر دیوانی میں بڑی لازم وملزوم سمجھی جاتی ہیں۔ بغیر دستاویز کے وہ صرف بادشاہ کے ملاحظہ اور حکم کے بعد ہی لینا چاہتے تھے۔ محمد مراد بڑی مصیبت میں تھا۔ بادشاہی دفتر ان تھالوں کو لینے سے انکار کررہا تھا اور بادشاہ کے سامنے پیش کرنے کی تجویز کررہا تھا اور بادشاہ کی خفگی اور ناراضگی کی وجہ سے محمد مراد کو ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ جواہرات کے یہ تھال بادشاہ کے سامنے پیش کردیتا کیونکہ خوف تھا کہ اس معاملہ پر بادشاہ غضبناک ہوجائے گا اس لئے یہ تھال اس کے لئے ایک دردسر بن گئے تھے اسی حال میں کوئی ایک سال نکل گیا۔ آخر جواہر خانہ کے پیش کاروں نے بادشاہ کو اطلاع دے دی کہ "محمد مراد جواہرات کے نو عدد خوانچے، جن پر لگی ہوئی موم کی مہر کا نقش واضح نہیں ہے اور ان کے سیاہہ کی دستاویز بھی ابوالحسن کے پیش کاروں کی مہر کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ بادشاہی جواہر خانہ میں داخل کرانا چاہتا ہے" بادشاہ نے ازراہ تفضل فرمایا کہ "اس معاملہ میں محمد مراد کی طرف سے ہم مطمئن ہیں اس نے خیانت نہیں کی ہوگی، وہ ہمارا سچا خانہ زاد ہے اور ہماری گود میں ہی کھیل کود کر بڑا ہوا ہے چونکہ اس نے فرائض حجابت کے ادا کرنے میں خلاف مرضی عمل کیا تھا اس لئے اس کی تنبیہ ہم نے ضروری سمجھی تھی" اس گفتگو کے بعد اسی دن بادشاہ نے منصب میں جو تخفیف کی تھی وہ بحال کردی اور اسے مرشد علی خاں کا خطاب عطا کرنا چاہا جو اس کے باپ کا بھی خطاب تھا مگر اس نے عرض کیا "ہم خانہ زادوں سے اکثر خطا سرزد ہوجاتی ہے اور عتاب کے موقع پر خطاب سے معزول کردیتے جاتے ہیں پھر نئے نام کے زباں زد ہونے میں عرصہ لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ باربار گمنام ہوتے رہتے ہیں دوسرے یہ کہ میں خود کو والد کے خطاب کے لائق بھی نہیں جانتا ہوں، اُمید وار ہوں کہ براہ کرم خانہ زاد نام پر ہی خطاب مرحمت ہو" بادشاہ اس کی بات پر ہنس دیئے

اور اس کی درخواست قبول کر لی۔

مصنف بڑا ایک عرصہ تک محمد مراد خاں کے ہمراہ رہا ہے اور اس کے اوضاع و اطوار سے میں بخوبی واقف ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اندرون خانہ اور بیرون خانہ اس کے بعض ہم نشیں اور ہم دم اسے یہ مشورہ دیتے رہتے تھے کہ خوانچوں میں سے قیمتی جواہر اور مرصع آلات نکال کر اسی شمار کے مطابق کم قیمت جواہرات رکھ دیئے جائیں مگر اس نے کبھی ان کی یہ باتیں قبول نہیں کیں اور اپنے ولی نعمت کی امانت میں قطعاً تصرف اور خیانت نہیں کی۔ بارہا میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "حق سبحانہ تعالیٰ نے اسی امانت داری اور عدم خیانت کے طفیل میں اس زمانہ میں جب کہ عزت و آبرو سخت خطرہ میں تھی۔ بادشاہ کی باز پرس سے اور خطرناک نتائج سے مجھے محفوظ ہی رکھا"۔

امانت و دیانت کی شرط

امانت و دیانت کا ذکر آ گیا ہے تو چند باتیں تحریر کئے بغیر جی نہیں مانتا۔ اس زمانہ کے تمام متصدی پیشہ (پیش کار۔ اہل دفتر) جو اپنی نفس پرستی میں مبتلا ہیں کسی کے دیانت دار ہونے کے قائل نہیں ہیں اور امانت و دیانت کو لغو سمجھتے ہیں مگر صاحب عقل لوگ خوب جانتے ہیں کہ آسمان کے نیچے امانت و دیانت سے بہتر کوئی صفت نہیں ہے۔ دیانت اور خلق خدا کی بے آزاری میں بلاشبہ بڑی برکت ہوتی ہے۔ عزت و آبرو ترقی باز پرس سے نجات اپنی اور اپنی اولاد کی خوش انجامی اسی سے وابستہ ہے ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

مگر شرط یہی ہے کہ امانت داری محض خدا کی رضامندی اور خلق خدا کو آزار نہ پہنچانے کی نیت سے ہو اور ملک کی آبادی اور ترقی پیش نظر رہے نہ کہ کسی مخلوق کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بہرحال مخلوق کا گلا کاٹ کر روز جزا کی باز پرس سے بے فکر رہنا بڑی حماقت ہے ؎

امین باید از داور اندیشناک

نہ از زجر دیوان و رنج ہلاک

جو لوگ اپنی نفس پروری کے لئے یا امیر و وزیر کی خوشنودی کے لئے رعیت پر ظلم توڑتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہی اسی مظلوم مخلوق کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ ان کے دماغ

ٹھکانے لگا دیتی ہے۔

میں اسی سلسلہ میں ان چند آدمیوں کا حال قلم بند کرنا چاہتا ہوں جو حضرت خلد مکاں کے دربار کے تربیت یافتہ تھے اور دیانت و امانت کی صفت سے موصوف تھے۔ اگرچہ ان سب کا تذکرہ کرنا مشکل ہے مگر چند ایک مشہور آدمیوں کا ذکر جن کے حالات سے میں واقف ہوں، تحریر کیا جاتا ہے۔

امانت خاں امیر مالیات

عاقل خاں خوافی کے بعد سب سے پہلا آدمی امانت خاں تھا جو دنیا کے تمام جھمیلوں کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں وہ سرکاری رقوم کی بچت اور گرداوری پہ محتاط و پریشاں حال رعیت اور زیر دستوں کی دل جوئی اور حق رسائی کو ترجیح دیتا تھا۔ جس زمانہ میں وہ دکن کی دیوانی کا افسر اعلیٰ تھا اس نے اورنگ آباد اور خاندیس کے صوبوں میں مال گذار رعایا اور زمینداروں پر بڑا احسان کیا۔ برسوں سے یہاں کی رعایا بدحال تھی اور برسوں سے اس پر سرکاری واجبات عائد تھے۔ ہر سال سرکاری منصب دار اور مال گذاری کا عملہ (احدی) بقایا محاصل کی وصول یابی کے لئے جاتا رہتا تھا مگر رعیت اس قدر بدحال تھی کہ ان فرضوں کی ادائیگی نہیں کر سکتی تھی۔ سرکاری عملہ اپنا بھتہ وغیرہ لے کر خالی ہاتھ لوٹ آتا تھا اور رعایا کے پاس مال اور ذخیرہ نہ ہونے کی رپورٹ دفتر میں لکھا دیتا تھا۔ امانت خاں نے سابقہ بقایا جو دس بارہ لاکھ روپیہ تک کا تھا معاف کرا دیا۔ اسی طرح نادار زمینداروں پر پیشکش اور نذرانہ کی بھاری رقمیں باقی تھیں جو کسی طرح وصول نہیں ہو رہی تھیں۔ یہ نذرانے بھی اس نے معاف کرا دیے۔ ایک دن حضرت خلد مکاں کی محفل میں امانت اور دیانت داری کی بات چھڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے امانت خاں کی تعریف کی۔ اس نے دست بستہ عرض کیا۔ مجھ سے بڑھ کر خائن کوئی دوسرا نہ ہوگا کہ اس سلسلہ میں ہر سال اپنے آقا و ولی نعمت کا لاکھوں روپیہ باقی دار عاملوں اور رعایا کو معاف کر دیتا ہوں اور خطا بخش بادشاہ سے عفو کی امید رکھتا ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا "ہم نے معاف کیا ہم جانتے ہیں کہ تم ہمارے لئے دنیا اور آخرت کے خزانے بھر رہے ہو"۔

خالصہ کے دیوان رشید خاں کو امانت خاں سے کچھ رنجش تھی۔ ایک دن اس نے جزیہ کی معافی کے پروانے جو امانت خاں مختلف دستاویزوں کے ساتھ ہندوؤں کو لکھ کر دیتا رہتا تھا۔

بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ پچاس فی صد ہندوؤں کو امانت خاں نے اسی طرح جزیہ کی معافی کے پروانے دے دیئے ہیں۔ بادشاہ چونکہ جزیہ کے قانون کو سختی سے نافذ کرنا چاہتا تھا اس لئے اسے یہ بات ناگوار گذری اور امانت خاں سے کہا۔ دوسرے تمام مالی اور ملکی مقدمات میں لوگوں کو معافی کی سند دینے کے لئے تم مختار ہو مگر جزیہ جسے ہم نے بڑی دشواری اور کوشش سے کافروں پر نافذ کیا ہے اس کی معافی سے ایک قانونی بدعت کا آغاز ہو جائے گا۔ اور جزیہ کا سارا بندوبست درہم برہم ہو جائے گا تو امانت خاں نے اس دن سے جزیہ کی معافی دینے سے توبہ کرلی؛

امانت خاں نہایت غریبانہ سادہ لباس پہنتا تھا۔ ساری عمر اس نے معمولی کپڑوں میں گذار دی۔ چنانچہ اس کا پاجامہ موٹے سفید لٹھے کا ہوتا تھا گھر میں خدمت کے لئے کنیز بھی نہیں تھی۔ اس والا نسب سید میں اور بھی کئی اعلیٰ اوصاف تھے اس کی انہی خوبیوں اور بھلائیوں کی برکت ہے کہ اس کی اولاد اب تک کہ یہ ۱۱۴۲ھ ہے چار پشتوں سے دکن کی دیوانی اور دوسرے ممتاز عہدوں پر فائز ہے۔ مردم آزار مال گزاری کے افسروں کے گھرانوں میں بلا فصل اس طرح اختیارات کبھی باقی نہیں رہے یہ بس امانت خاں کے خانوادہ کی ہی خصوصیت ہے۔

حاجی شفیع خاں سبزواری

دربار عالمگیر کا ایک اور دیانت دار عہدہ دار حاجی شفیع خاں سبزواری تھا مگر وہ اپنے ساتھ کے منصب داروں اور رعایا کے ساتھ بڑا سخت سلوک کرتا تھا آخر اسی سخت گیری کی وجہ سے بادشاہ کے عتاب میں آگیا اور منصب سے برطرف کر دیا گیا۔

عالمگیر کا پیش کار مرزا یار علی

اس کے بعد مرزا یار علی تھا جس کی تربیت خود خلد مکان نے کی تھی اس کی دیانت و امانت اس درجہ پر تھی۔ کہ بادشاہ نے اسے مسلسل اضافہ ترقی اور خطابات دینے چاہے اور دوسروں پر اس کو امتیاز عطا کرنا چاہا۔ مگر اس نے کبھی قبول نہیں کیا۔ ابتدا میں بخشی گری کا پیش کار تھا اور اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا مگر لوگوں میں سخت گیر مشہور ہو گیا تھا کیونکہ وہ بڑی کدو کاوش کے بعد ہی لوگوں کے معاملات کو طے کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام امور سلطنت میں دخیل ہو گیا اور دوسری خدمات کے ساتھ عرصہ تک محکمہ ڈاک کا داروغہ بھی رہا۔ اس

کی داروغگی کے زمانہ میں تمام بادشاہی اسناد پر اس کے تصدیقی دستخط ثبت ہوتے تھے اس کے دستخط اور مہر کے بغیر کوئی بادشاہی سند جاری نہیں ہوسکتی تھی۔ لوگوں کے کاموں میں چشم پوشی اور نیک نیتی سے کام لیتا تھا۔

یار علی کی لطیفہ گوئی

بادشاہ کے حضور بے باک اور گستاخ بھی تھا اس کا ایک بڑا دلچسپ لطیفہ ہے کہ ایک دن اس نے بادشاہ کے سامنے ایک نوعمر لڑکے کو منصب دلانے کے لئے کھڑا کر دیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر کہا "یہ تو کم عمر ہے" جواب میں یار علی نے دست بستہ عرض کیا "سرکاری ملازمت میں داخل ہونے اور جاگیر پانے تک تو اس کی ڈاڑھی بھی سفید ہو جائے گی"

بادشاہ کسی کو کوئی ہدیہ اور عطیہ دیتا تھا تو اس کی تسلیمات علیحدہ ادا کرنی پڑتی تھی۔ ایک دن عالمگیر بادشاہ نے میوہ کی ٹوکری اس کے پاس بھجوائی تھی دوسرے دن جب وہ حضور میں آیا تو بادشاہ کے عطیہ کا خیال اس کے ذہن میں نہیں رہا حسب معمول تسلیمات بجالایا شکریہ کی تسلیمات ادا نہیں کیں، بادشاہ نے یہ فروگذاشت بھانپ لی اور اسے یاد دلانے کے لئے پوچھا۔ میوہ کا مزہ کیسا تھا؟ یار علی اس اشارہ کو سمجھ گیا فوراً نیچے اترا اور مقررہ چار تسلیمات از سر نو ادا کیں اور مزید چار تسلیمات شکریہ کے بھی بجالایا اور عرض کیا "یہ تسلیمات سجدۂ سہو تھیں"

اسی گستاخی کے سبب وہ آخر بادشاہ کے اعتراض و عتاب میں آگیا۔ ایک دن تو اس نے غضب ہی کر دیا۔ کسی شرعی مقدمہ میں ایک تورانی کی شہادت پیش ہو رہی تھی یار علی نے کہہ دیا۔ "یہ تورانی ہے اس کی شہادت کا کیا اعتبار؟" بادشاہ کو ناگوار گذرا اور فرمایا "پاس ادب نہیں یہ نہیں سوچا کہ ہم بھی تورانی ہیں"

قاضی القضات شیخ الاسلام

بے دیانت دار آدمیوں میں قاضی عبدالوہاب کے فرزند قاضی القضاۃ شیخ الاسلام بھی تھے۔ اپنے باپ بھائیوں اور اس زمانہ کے اکثر قاضیوں کے برخلاف شیخ الاسلام نہایت بے غرضی اور دیانت داری سے مقدمات کی تنقیح کرتے اور قضایا کو فیصل کرتے تھے۔ زمانہ کے بگاڑ کو پیش نظر رکھ کر کہ اکثر لوگ شہادتوں میں عینیہ طور پر دروغ گوئی سے کام لینے کے عادی تھے۔ شیخ الاسلام گواہوں کے پیش ہو جانے کے بعد بھی اثبات حق کا کم ہی فیصلہ دیتے تھے بلکہ تا مقدور

کوشش کرتے تھے کہ مدعی اور مدعا علیہ میں مصالحت ہو جائے۔

محمد یار خاں دوسرا ایک عالی نسب امیر محمد یار خاں تھا جو آصف خاں کا پوتا تھا جو دیانت داری کے ساتھ دوسرے اوصاف لائقہ سے بھی ممتاز تھا۔

شجاعت خاں صفاہانی شجاعت خاں صفاہانی بھی حسن دیانت اور کم آزاری خلق میں مشہور تھا۔ بادشاہ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ احمد آباد کے کم منصب عہدہ داروں میں سے تھا مگر غائبانہ اس کی خدمات اور کارگزاری کے سبب دربار سے اسے پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا اور وہ احمد آباد کا صوبہ دار بنا دیا گیا جس کے ساتھ اجمیر اور جودھ پور کا انتظام بھی اسی کے سپرد تھا اس نے کبھی بھی چھوٹے بڑے معاملات میں لالچ اور طمع سے کام نہیں لیا بے غرضی سے خدمت انجام دیتا رہا۔

اعتماد خاں عرف ملا طاہر ایک اور امیر اعتماد خاں عرف ملا طاہر تھا جو شجاعت خاں کے رفیقوں میں سے تھا وہ بھی پہلے بس دو سو سوار کا افسر تھا اسے بھی بادشاہ نے غائبانہ طور پر دو ہزاری کا منصب دیا اور سورت کی بندرگاہ کا متصدی اور احمد آباد کا دیوان بنا دیا۔ احمد آباد کی دیوانی اس کے پاس مدتوں تک رہی۔ آخر اس کی کارگزاری اور دیانت داری کی اس قدر شہرت ہوئی کہ بادشاہ کے پاس اس کی بہت زیادہ قدر اور بڑا اعتبار تھا۔ بادشاہی رقم کی گرداوری میں وہ اس قدر سخت تھا کہ ایک مرتبہ اس کا حقیقی بھائی آقا محمد زماں جو تجارت کرتا تھا ایران سے آیا اور اعتماد خاں کے گھر پر ہی ٹھہرا اس نے بھائی کے مال تجارت کے عشر کو جو دو سو روپیہ ہوتا تھا معاف کرنا نہ چاہا اور حساب کر کے اپنی طرف سے سرکار میں رقم جمع کرنے کا ارادہ کر لیا آقا محمد زماں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے مال کا عشر خود ہی ادا کر دیا مگر بھائی سے رنجیدہ ہو کر احمد آباد چلا گیا۔ اعتماد خاں کو اس کے اس رویہ سے اس قدر صدمہ اور رنج ہوا کہ پھر اس نے نزع کے وقت تک اپنے بھائی کی شکل نہیں دیکھی۔

عنایت اللہ خاں ایک اور امیر عنایت اللہ خاں شرفائے کشمیر میں سے تھا اس نے محکمہ دیوانی میں امانت و دیانت اور اس خوبی سے خدمات انجام دیں کہ کشمیریوں کی عزت و آبرو محض اس کی حسن کارگزاری کے طفیل بحال ہو گئی روز بروز وہ منصب بہ منصب ترقی کرتا رہا بادشاہ کو اس کی خاطر داری اس قدر ملحوظ رہتی تھی کہ ایک مرتبہ خیمہ گاہ

کی جگہ کے سلسلہ میں اس کے آدمیوں اور جمدۃ الملک اسد خاں کے آدمیوں میں تو تکار اور جھڑپ ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے سخت ناراض ہو گئے تو بادشاہ نے جمدۃ الملک جیسے امیر کو حکم دیا کہ وہ عنایت اللہ خاں سے ملنے کے لئے جائے اور اس سے عذر خواہی کرے۔

اشرف خاں اور عبدالرحمٰن خاں

اسی طرح اسلام خاں کے بیٹے اشرف خاں، عبدالرحمٰن خاں، اور حاجی عبدالرحیم خاں بھی تھے جو بادشاہی خانہ زادوں میں صاحب نام و نشان سمجھے جاتے تھے اور بخشی گری اور دوسری خدمات پر مامور رہے تھے ان بھائیوں نے بھی بڑی دیانت داری اور نیک نامی سے زندگی گزاردی۔

حمید الدین خاں

رکاب شاہی کے کوتوال سربراہ خاں کا بیٹا حمید الدین خاں کا بھی اسی زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

عبدالرحیم خاں اور میر احمد خاں

بیوتات کا داروغہ عبدالرحیم خاں اور میر احمد خاں جو آپس میں بھائی بھی کہلاتے تھے نیک نام اور دیانت دار تھے مگر بعض مقدمات میں لوگوں نے ان کی سختی کی شکایت کی ہے۔

عبدالوہاب استر آبادی

کم منصب متصدیوں (مال گزاری کے افسروں) میں عبدالوہاب استر آبادی بھی واقعی دیانت دار آدمی تھا اس کو حیدر آباد کا دیوان بنا دیا گیا تھا۔

ہم نے جن جن کے نام گنائے ہیں ان کے علاوہ دربار عالمگیری سے وابستہ خدام میں بہت سے لوگ دیانت دار اور اوصاف حمیدہ سے ممتاز تھے ہم اگر ان سب کا ذکر کرنے لگ جائیں تو ایک علیحدہ کتاب بن جائے گی مگر دنیا میں لوگوں کی زبان سے کون بچا ہے لو حقیقت میں بے عیب ذات صرف خداوند تعالیٰ کی ہے۔

طاعون کی مہلک وبا

انہی دنوں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور جو چند سال دکن سے لے کر بندرگاہ سورت اور احمد آباد تک طاعون کا زور رہا۔ جسے بھی یہ ظالم وبا لگ جاتی۔ علاج تیمارداری کی مہلت تک نہیں ملتی اور بیمار چٹ پٹ اس کی بھینٹ چڑھ جاتا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس وبا کے ہاتھوں انسان کا بیج ہی دنیا

سے اٹھ جائے گا۔ موت کی بس ہوا سی چل گئی تھی کہ زندگی کے تناور درخت گرتے جا رہے تھے۔ طاعون کی گلٹی انگور یا بیر کے دانہ کے برابر بغل میں یا کوٹھے کے نیچے یا ران کی جوڑ میں نکل آتی تھی اور آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور وبائی بخار کی حرارت چڑھ جاتی تھی ان علامات کے پیدا ہوتے ہی وارثوں کے لئے کفن دفن کا انتظام ضروری ہو جاتا تھا کیونکہ مریض کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہتی تھی۔ مکانوں میں بازاروں میں روزانہ ہزارہا آدمی طاعون میں مبتلا ہو کر سو رہے تھے۔ ان بے بضاعت مرنے والوں میں سے کم ہی لوگوں کو کفن اور قبر میسر آتی تھی۔

اس وبا میں بادشاہ کی خاص کنیز جس کو اورنگ آبادی محل کہتے تھے اور فاضل خاں صدر اور محمد راج بھی ہلاک ہو گئے۔ محمد راج جسونت سنگھ کا لڑکا تھا جسے محل شاہی کی بیگمات نے پرورش کیا تھا۔ ان کے علاوہ چند اور نامی گرامی آدمی بھی وبا کی نذر ہو گئے تھے۔ اس مرگ انبوہ کی تاریخ نکالی گئی تھی۔ ع

"قیامت بود یا شور و بابوذ"

طاعون کا آغاز جلوس کے ۳۶ تیسویں سال میں (دربار شاہی کی اطلاع کے مطابق) ہوا تھا اور سات آٹھ سال تک برابر یہ وبا پھیلی رہی۔ وبا کے شائع ہونے کے بعد اہل دربار کے مشورہ پر بادشاہ نے بیجاپور سے اکلوج کی طرف کوچ کر دیا اور لشکر میں وبا کسی قدر کم ہو گئی۔

سنبھاجی مرہٹہ کا عبرت ناک انجام

(جلوس کا چونتیسواں سال مطابق گیارہ سو ایک ہجری سنہ ۱۱۰۱ھ)

بادشاہ نے اس سال کے آغاز میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو امراء کے ساتھ بہادر گڑھ اور گلشن آباد کے کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور فیروز جنگ کو ایک منتظم فوج دے کر راج گڑھ کی سمت قلعوں کی تسخیر کے لئے رخصت کیا۔ سبنھا کی سرزنش کے لئے مقرب خاں عرف شیخ نظام حیدرآبادی کو چند روشناس افسروں کے ساتھ متعین کیا۔

مقرب خاں دکنی

متعینہ امراء نے مفوضہ خدمات کو بڑی بہادری اور کوشش سے سرانجام دیا۔ فنون سپاہ گری اور فوجی کارروائیوں میں مقرب خاں کا شمار دکن کے مشہور اور جنگجو افسروں میں ہوتا تھا۔ اس نے کولاپور کے نزدیک قلعہ پرناکہ کی تسخیر کے لئے فوج کشی کی اور اطراف واکناف کی اطلاعات حاصل کرنے خاص طور سے سبنھا کے ٹھکانہ کا پتہ لگانے کے لئے ہوشیار جاسوسوں کو مقرر کر دیا۔ سبنھا اپنے باپ سے دس گنا زیادہ موذی تھا۔ اپنے آپ کو سبنھا سواتی کے لقب سے مشہور کر کے اس نے بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دنوں وہ اپنے اصلی مقام راہیری سے نکل کر قلعہ کہیلنہ میں جا کر ٹھیرا ہوا تھا اور کافی ذخائر محفوظ کر رکھے تھے اور حفاظت کا ہر طرح کا سامان اور بندوبست کر لیا تھا۔

سنگمینر کی تفریح گاہ

سمندر سے ایک منزل پر پرگنہ سنگمینر واقع تھا اسی پرگنہ کی سرحد سے دریائے گنگا رگودا وری ابتی تھی دریا کے قریب ایک دشوار گذار پہاڑی کے درہ میں سبنھا کے دیوان کب کلس نے ایک شاندار عمارت جو نقش و نگار سے آراستہ تھی اور اطراف میں سبزہ زار اور میوہ دار درختوں کے باغ تھے تعمیر کرائی تھی۔ جن دنوں بادشاہی افواج نے اس طرف کا رخ کیا تھا۔ سبنھا قلعہ کہیلنہ سے نکل کر گنگا اشنان اور سیر و تفریح کے لئے مذکورہ مقام پر گیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کب کلس اور اہل و عیال بھی تھے اور اس کا بیٹا ساہو بھی ہمراہ تھا۔ چند مرہٹہ سردار بھی دو تین ہزار سواروں کے ساتھ اس کی رکاب میں تھے۔ گنگا اشنان کے بعد وہ اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ اسی درہ والے مکان اور باغ میں ٹھیر گیا۔ چونکہ اپنے باپ کے علی الرغم وہ شراب وکباب اور عیاشی کی طرف مائل تھا اس لئے اس وقت بھی لہو ولعب کے سارے سامان اور خوبصورت عورتیں اس کے اطراف موجود تھیں اور وہ وہاں جی کھول کر داد عیش دے رہا تھا۔ بظاہر کوئی خطرہ بھی نہیں تھا کیونکہ یہ مکان اور باغ دشوار گذار درہ میں تھا جس کے اطراف بہت گھنا جنگل تھا۔

مقرب خاں دکنی کی یلغار

مقرب خاں کے جاسوس برابر اس کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے جب وہ اس عشرت کدہ میں اطمینان سے ٹھیر گیا تو تیز رفتار ہرکاروں نے اس کی اطلاع مقرب خاں کو پہنچا دی۔ مقرب خاں نے اس مقام کے دشوار گذار ہونے کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر دو ہزار شہسواروں اور ایک ہزار تیر انداز پیدل فوج کو لے کر کولا پور سے روانہ ہو گیا جو سنبھا کے مقام سے پینتالیس کوس پر تھا۔ مقرب خاں کے ہمراہیوں نے اسے روکا بھی کہ راستہ بہت دشوار ہے اور درمیان میں سربفلک گھاٹیاں مثلاً انبہ گھاٹ وغیرہ حائل ہیں اور سخت دشوار درے ہیں جہاں سے تیس چالیس بے ہتھیار پیادے بھی سنگ اندازی شروع کر دیں تو بڑی سے بڑی فوج کو بھی ان دروں اور گھاٹیوں سے گذرنا محال ہو جاتا ہے مگر مقرب خاں جہاد کی آرزو سے سرشار تھا اس خیال سے کہ اگر میں اس کافر پر غالب آ گیا تو میرا شمار بھی غازیوں کے زمرہ میں ہوگا اور اگر معاملہ برعکس رہا تو درجۂ شہادت سے بے نصیب نہیں رہوں گا اس نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور سوار ہو کر یلغار کرتے ہوئے دشوار گذار راہوں پر سفر شروع کر دیا جب کسی تنگ اور خطرناک مقام پر پہنچتا تھا تو پہلے خود پیادہ ہوتا تھا پھر اس کے ہمراہی بھی رفاقت کرتے تھے غرض وہ لشکر کو لے کر اس گھنے جنگل میں سے بڑی برق رفتاری سے گذر گیا اور اس مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں سنبھا ٹھیرا ہوا تھا۔

سنبھا جی مرہٹہ کی گرفتاری

کہتے ہیں جب بدنصیب سنبھا کے ہرکاروں نے بادشاہی فوج کے آنے کی اطلاع دی رجے مرہٹے اپنی زبان میں مغلوں کا لشکر کہتے تھے، تو وہ نشہ میں بدمست ہو رہا تھا اور اس گھمنڈ میں کہ اس مقام پر بھلا مغل کیسے پہنچ سکتے ہیں غضبناک ہو گیا اور حکم دیا کہ ان ہرکاروں کی زبان کاٹ دو

نشہ میں نہ سواری کی فکر کی نہ مورچہ بندی کا بندوبست کرایا یہاں تک کہ مقرب خاں اپنے بیٹے بھتیجوں اور دس بارہ بہادر افسروں کے ساتھ جن کی رکاب میں دو سو تین سو سوار تھے اس کے سر پر آپہنچا اور تلواریں سونت لیں اس وقت بدمست سبنھا کا نشہ ہرن ہوا اور وہ اس فوج کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تھی اور جس میں سے اکثر آدمی بھاگ چکے تھے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا اور اسلحہ باندھنے کی فکر کی اس کا وزیر کب کلش جو اس کا فدا کار ہم نشیں تھا اس کے سامنے سینہ سپر ہوگیا اور نامی گرامی مرہٹوں کی ایک جمعیت لے کر مقابلہ پر بڑھا مگر لڑائی کے آغاز ہی میں ایک تیر اس کے بازو پر آکر لگا۔ اس کا سیدھا ہاتھ لٹک گیا اور وہ بدحواس ہوکر گھوڑے سے گر پڑا اور چلایا۔ "میں تو رہ گیا"۔ سبنھا بھی فرار ہونے کی فکر میں تھا مگر وہ بھی گھوڑے سے پھسل گیا اور اسے آواز دی۔ "پاجی میں بھی رہ گیا" جیسے ہی سبنھا کے ساتھ کے چار پانچ مرہٹے گرے۔ باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور سبنھا بت خانہ کی عمارت میں جاکر چھپ گیا اور وہاں محصور ہوگیا۔ تلاش کرنے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ بت خانہ میں چھپا ہوا ہے تو بادشاہی فوج نے بت خانہ کو گھیر لیا اس نے کچھ دیر تک لاحاصل ہاتھ پیر مارے آخر چند آدمیوں کے ہلاک ہوجانے کے بعد خود کو گرفتاری کے لئے پیش کردیا۔ اس کے ساتھ جتنے اس کے عزیز اقارب عورتیں بچے تھے پکڑ لئے گئے۔ ان میں اس کا خورد سال بچہ ساہو بھی تھا۔ اس کی عمر اس وقت سات آٹھ سال تھی گرفتار ہونے والے مردوں اور عورتوں کی بھی تعداد چھبیس تھی۔ جن میں اس کی دو عورتیں اور بعض عزیز واقارب تھے صرف اس کا چھوٹا بھائی رام راجہ گرفتاری سے بچ گیا تھا جسے سبنھا نے ایک قلعہ میں قید اور نظر بند کر رکھا تھا ان سب کو باندھ کر بالوں سے کھینچتے ہوئے مقرب خاں کی سواری کے پاس لایا گیا۔ اس وقت مقرب خاں ہاتھی پر سوار تھا۔ سبنھا نے بت خانہ میں اپنی ڈاڑھی مونڈ دی تھی اور جسم پر بھبھوت مل کر بیراگی بن گیا تھا مگر اس کے کپڑوں میں سے مروارید کی مالا لوگوں کو نظر آگئی پھر جس گھوڑے پر وہ سوار تھا اس کے پاؤں میں سونے کی جھانجھن پڑی ہوئی تھی ان علامتوں سے اسے پہچان لیا گیا تھا۔ مقرب خاں نے اس کو اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا اور اس کے ساتھیوں کو طوق وزنجیر میں جکڑ کر بعض کو ہاتھیوں پر اور بعض کو گھوڑوں پر سوار کرکے فتح کے نقارے بجاتے ہوئے وہاں سے لشکر لوٹا اور اسیروں کو سخت

نگرانی اور احتیاط کے ساتھ لشکر گاہ میں پہنچا دیا گیا اور ساری تفصیلات بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیج دی گئیں۔

سنبھا کی گرفتاری پر خوشیاں

اس سے پہلے کہ مقرب خاں کی عرض داشت بادشاہ کے پاس آتی، جاسوسوں اور مخبروں کے ذریعہ یہ خوش خبری بادشاہی لشکر گاہ میں پہنچ چکی تھی اور اس کا میابی پر ہر خیمہ میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ چند ہی دن میں اطلاع آگئی کہ مقرب خاں مع اسیروں کے قریب آ چکا ہے۔ اس وقت خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اکلوج سے دو کوس پر ٹھیرے ہوئے تھے بادشاہ نے حمید الدین خاں نائب کوتوال کو مقرب خاں کے استقبال کے لئے بھیجا لاکھوں آدمی ان بدبختوں کا تماشا دیکھنے کے لئے کوتوال کے ساتھ ہو گئے۔ اسیروں کو ایرانی دستور پر تختہ کلاہ کر کے مضحکہ انگیز لباس پہنا دیا گیا تھا اور طرح طرح سے شکنجوں میں جکڑ کر ذلت وخواری کے ساتھ اونٹوں پر سوار کر کے لایا گیا اور ڈھول اور نفیری بجاتے ہوئے اسیروں کے جلوس کی سارے لشکر میں تشہیر کرائی گئی۔ لوگوں نے اس خوشی میں شادیانے بجائے لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں نے جو اس باغی کافر کے ہاتھوں تنگ آ چکے تھے اور ان کے دل اس کے ظلم وستم سے خون خون تھے اس کی گرفتاری پر خوب خوشیاں منائیں کہتے ہیں لوگوں میں اس قدر جوش وخروش تھا کہ مقرب خاں کے قریب آنے کی خبر ملی تو چار پانچ دن تک عورت مرد بچے خوشی کے مارے راتوں کو سوتے نہیں تھے اور دو منزل تک سب کے سب اس ظالم کی گرفتاری پر خوشیاں مناتے ہوئے استقبال کے لئے گئے تھے جس قصبہ اور گاؤں میں بھی اس کی گرفتاری کی خبر پہنچی ہر جگہ لوگ خوشی سے ڈھول بجانے لگے جہاں سے بھی سنبھا کا اور مرہٹہ اسیروں کا گذر ہوا چھتوں پر راستوں پر عورتوں، مردوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے جو خوشیاں مناتے ہوئے اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور بہت سے لوگ ہر جگہ سے اس جلوس میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ چند دن تک بس ایسا معلوم ہوتا تھا لوگوں کے لئے راتیں شب برات اور دن عید کے دن ہو گئے ہیں۔

سنبھا قید خانہ میں

جب ان سزاوار قتل بدبخت اسیروں کو لشکر گاہ میں پہنچا دیا گیا تو بادشاہ نے ان کو دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ دربار میں امراء وحکام اور عام وخاص سب جمع تھے۔ اسیروں کو دیکھنے کے بعد بادشاہ نے تخت

سے اتر کر شکرانہ کے دو رکعت ادا کئے۔ اس وقت جب کہ بادشاہ نماز ادا کر رہے تھے۔ کب کلس برہمن نے جو زنجیروں اور شکنجوں میں اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ صرف اس کی آنکھیں اور زبان حرکت کر سکتی تھی بادشاہ سلامت کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر سبنھا کو مخاطب کیا اور فی البدیہہ ایک ہندی شعر پڑھا جس کا مضمون تھا کہ۔ اے راجہ تجھے دیکھتے ہی بادشاہ عالمگیر کو اس جاہ و جلال کے باوجود تخت نشینی کی تاب نہیں رہی اور وہ بے اختیار تیری تعظیم کے لئے تخت سے اتر آیا۔ بادشاہ نے ان کو قید خانہ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔

سنبھاجی کا قتل اور تشہیر ان کے بارے میں دربار کے خیر خواہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ ان کو جان کی امان دے دی جائے اور اس کے مقرر کردہ قلعہ داروں سے قلعوں کی کنجیاں (اور اطاعت نامے) طلب کر لئے جائیں اور ہر جگہ قلعہ داروں کو مقرر کر کے ان قیدیوں کو کسی قلعہ میں قید کر دیا جائے۔ سبنھا اور اس کے ساتھی بھی سمجھ گئے تھے کہ اب ان کا خاتمہ پھانسی پر ہی ہونے والا ہے۔ اگر جان بخشی ہو گئی تو عمر بھر ذلت و خواری سے قید میں سڑنا پڑے گا اور ہر روز ان کے لئے ایک مرگ تازہ آمادہ رہے گی اسی لئے وہ دونوں کب کلس اور سبنھا ہرزہ گوئی پر اتر گئے تھے۔ اللہ کی مشیت بھی یہی تھی کہ ان مفسدوں کی جڑ دکن سے ہمیشہ کے لئے نہ نکلنے پائے۔ اور بادشاہ کی بقیہ عمر ان کے خلاف قلعہ گیری میں بسر ہو اس لئے بادشاہ نے جان بخشی کا مشورہ قبول نہیں کیا اور غیرت شاہانہ کا تقاضا بھی ہوا کہ اُن کی زندگی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ ان کے خاتمہ کے بعد قلعے بہت جلد قبضہ میں آجائیں گے۔ چنانچہ بادشاہ امان کا قول دینے اور قلعوں کی کنجیاں طلب کرنے پر راضی نہیں ہوا اور حکم دیا کہ پہلے ان دونوں کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے تاکہ ان کی بیہودہ گوئی کا سلسلہ ختم ہو۔ بعد میں ان کی آنکھیں نکلوا دی جائیں۔ اس کے بعد دس گیارہ آدمیوں کے ساتھ ہر طرح عذاب دے کر ان کو قتل کر دیا جائے۔ اور سبنھا اور کب کلس دونوں کی کھال میں اور کھوپڑیوں میں گھاس بھر کر دکن کے تمام شہروں اور مشہور بستیوں میں ساز و نقارے کے ساتھ تشہیر کرائی جائے۔ بلاشبہ مردم آزار فسادیوں کی سزا یہی ہے۔

ساہو جی کی پرورش اس کے سات سالہ بیٹے ساہو کی بادشاہ نے جان بخشی کر دی اور اس کے چند اور آدمیوں کی بھی جان بخشی کا حکم صادر ہوا۔ ساہو

کے لئے حکم ہوا کہ اسے بادشاہی احاطہ میں نظر بند رکھیں اس کی تربیت کے لئے سمجھ دار اتالیق بھی مقرر کر دیئے اور اسے سات ہزاری کا منصب مرحمت فرمایا۔ دربار کے مقربوں کی تجویز پر اس کے لئے علیحدہ دیوان اور بخشی بھی مقرر کئے گئے ۔ مگر اس "مار کشتن ربچہ مارنگا ہداشتن و آتش فرونشاندن و اخگر گذاشتن"۔

(سانپ کو مارنے اور سانپ کے بچہ کو پالنے آگ بجھانے اور چنگاری چھوڑ دینے) کا نتیجہ خلد مکاں کی وفات کے بعد ظاہر ہو کر رہا جس کا ذکر ہم مناسب موقع پر کریں گے ۔۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ ؎

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

عورتوں کو جن میں سنبھا کی ماں اور اس کی لڑکی بھی تھی قلعہ دولت آباد میں بھجوا دیا۔ اس فتح کی تاریخ ہے ۔ "بازن و فرزند سنبھا شد اسیر"۔

بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی جس پر بادشاہ نے خوش ہو کر خلعت عطا کی تھی ۔

سنبھا جی کی بدکرداری

میں عبد الرزاق خاں لاری کے ہمراہ قلعہ راہیری کے قریب اس حویلی میں جسے سنبھا نے تعمیر کرایا تھا ۔ چند دن تک قیام کر چکا ہوں وہاں کے لوگوں کی زبانی سننے میں آیا کہ سنبھا بڑا حرامی اور مفسد تھا ۔ چنانچہ اس کی بد اعمالیوں کے جو قصے سنے ہیں ان میں ایک واقعہ نمونہ کے طور پر یہاں لکھا جاتا ہے ۔

یہ علاقہ (راہیری) سخت گرم تھا اور بس جہنم کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا ۔ ساری زمین پہاڑی اور سنگین تھی گرمیوں کے آخر میں تو وہاں پانی کی بہت قلت ہو جاتی تھی اور لوگ پانی کے لئے سخت پریشان رہتے تھے ۔ سیوا نے اپنے مکان سے متصل ایک باؤلی کھدوائی تھی ۔ اس کے ساتھ ہی سنگ خارا سے ایک حجرہ کر بنا دیا تھا ۔ اس میں پتھر کی ایک چوکی بھی بنائی تھی ۔ گرمی میں وہ اسی جگہ بیٹھا کرتا تھا جب وہاں کے ساہوکاروں اور غریب غربا کی عورتیں پانی لینے کے لئے باؤلی پر آتی تھیں تو سیوا جی ان کے بچوں کو پھل پھلاری دیتا تھا اور ان عورتوں سے بات کرتا تھا تو ماں بہن کہہ کر بات کرتا تھا ۔ جب راج سنبھا کے ہاتھ آیا تو وہ بھی اسی باؤلی کے حجرہ کہ میں بیٹھا کرتا تھا اور جب رعیت کی بہو بیٹیاں وہاں

پانی لینے آتی تھیں۔ کیونکہ بجز اس باولی کے ان کو پانی نہیں ملتا تھا تو وہ ناپاک یہ حرکت کرتا تھا کہ جس وقت کوئی عورت پانی بھر کر گھڑا سر پر رکھ لیتی اور ایک ہاتھ گھڑے پر اور ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر زینہ پر اس جھروکہ کے پاس سے گذرنے لگتی تو وہ ملعون ہاتھ بڑھا کر اس عورت کے پستان پکڑ لیتا تھا اور گھڑی دو گھڑی تک اسے اوپر جانے نہیں دیتا تھا وہ غریب عورت مجبوراً سر سے مشکا اُتار کر نیچے رکھ دیتی اور کامل فضیحت و رسوائی کے بعد ہی اس سے چھٹکارا پاکر وہاں سے نکل پاتی۔ اس کی ایسی ہی زیادتیوں کی وجہ سے وہاں کی رعایا تنگ آکر فرنگیوں کے علاقہ میں چلی گئی تھی جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ آخر وہ بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہا۔

چند اہم واقعات اور قانونی اصلاحات

جلوس کا بتیسواں سال مطابق سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ)

مقرب خاں پر عنایاتِ شاہانہ

عالمگیر بادشاہ نے اجمیر سے دکن کی طرف کوچ محض اس کافر حربی (سنبھا) کی سرکوبی کے لئے کیا تھا۔ مقرب خاں نے جس طرح یہ کارنامہ انجام دیا اور نمایاں فتح حاصل کی۔ مرہٹوں کے فتنہ و فساد کے آغاز سے اس سال تک ایسا کارنامہ کسی شہزادہ اور امیر نے نہیں کر دکھایا تھا اس کی حسن کارکردگی کے صلہ میں خلد مکاں چاہتے تھے کہ اسے نمایاں اضافہ اور عمدہ خطاب اور خصوصی عنایات سے نوازکر دربار کے اور دکن کے امراء میں اس کو امتیاز خاص عطا کریں مگر پایۂ تخت کے بعض مقربوں اور قدیم الخدمت خانہ زادوں نے حسد اور ہم چشمی کے سبب دلیل و حجت بازی کر کے ایسا کرنے نہیں دیا۔ تاہم بادشاہ نے مقرب خاں کو ہزار سوار کا اضافہ اور خان زماں فتح جنگ کا خطاب عطا کیا۔ نقد پچاس ہزار روپیہ خلعت اور طلائی و نقروی ساز کے ساتھ گھوڑا ہاتھی مرصع جمدھر دھوپ اور پرتلہ عنایت فرمایا اور مقرب خاں کے بیٹے اخلاص خاں کو جو چار ہزاری چار ہزار سوار کا منصب دار تھا خان عالم کا خطاب اور ایک ہزار سوار کا اضافہ عطا فرمایا اسی طرح خان زماں کے چار پانچ بیٹوں اور بھتیجوں

کو بھی منورخاں، اختصاص خاں وغیرہ کے خطابات اور عنایات شاہانہ سے نوازا اور خان زماں کے ہمراہ جتنے منصب دار متعین تھے سب کو حسب مراتب اضافہ مرحمت ہوا اور تین دن تک فتح کا شادیانہ بجایا گیا اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ (گلبرگہ) کے خادموں کے لئے فی سبیل اللہ دس ہزار روپیہ بھجوایا۔

ان ہی دنوں غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے عارضۂ چشم اور اس کی بینائی کے جاتے رہنے کی اطلاع ملی۔ بادشاہ کو اس خبر سے بہت صدمہ اور افسوس ہوا اور اس کے علاج کے لئے حضور سے ایک تجربہ کار معالج چشم کو بھیجا گیا۔

قلعہ راج گڈھ پر مرہٹوں کا قبضہ

راج گڈھ کا قلعہ سیوا اور سبنھا کا حاکم نشین قلعہ تھا اور بہادر افسروں کی جرأت وسعی کے بعد فتح ہو گیا تھا۔ راج گڈھ کی قلعہ داری بادشاہ نے ابوالخیر خاں ولد عبدالعزیز خاں کے سپرد کی تھی۔ عبدالعزیز خاں، بیرم خاں خان خاناں کے تربیت یافتہ غلاموں میں سے تھا اور اپنی شجاعت اور خوش نصیبی سے وہ تین ہزاری کے مرتبہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور ایک عرصہ تک وہ خیبر کی قلعہ داری پر مامور رہا تھا اور بڑے نمایاں کارنامے انجام دیتے تھے۔ بادشاہ نے اسی خیال سے کہ اس کا باپ قلعہ داری کے فن میں ممتاز تھا ابوالخیر خاں کو راج گڈھ کی قلعہ داری پر مقرر کیا تھا۔ اسی زمانہ میں کہ ابھی سبنھا کی گرفتاری کی خبر مشہور نہیں ہوئی تھی۔ مرہٹوں کی ایک فوج نے قلعہ راج گڈھ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ابوالخیر خاں کو قلعہ خالی کر دینے کا پیغام بھیجا تھا ان کے غلبہ وتسلط کو دیکھ کر ابوالخیر خاں ڈر گیا اور اس بے جوہر کم اصل آدمی نے باوجود اس کے کہ فیروز جنگ کا لشکر قریب ہی تھا جان ومال اور اہل وعیال کی امان کا قول لے کر قلعہ ان کے حوالہ کر دیا اور رات کے وقت دو تین زنانہ ڈولیوں کے ساتھ باہر نکل آیا باقی مستورات پیدل ہی ساتھ تھیں وہ قلعہ سے بس چند پٹارے صندوق زنانہ کپڑے نقد روپیہ اور زیور ہمراہ لے سکا تھا مرہٹے اطراف میں منتشر ہو گئے تھے مگر اس کے قلعہ سے باہر آنے کا انتظار ہی کر رہے تھے جیسے ہی اس کے برآمد ہونے کی خبر ملی مرہٹوں نے اس کا راستہ روک لیا اور نقد وجنس جو بھی ساتھ تھا اس سے چھین لیا اور بڑی بے عزتی کے ساتھ اس کو عورتوں سمیت وہاں سے روانہ کر دیا۔ دو گھڑی رات گذرنے پر وہ روتا پیٹتا فیروز جنگ کے لشکر میں پہنچا جب اس کی اطلاع بادشاہ سلامت کو ملی تو اس کو منصب وجاگیر سے برطرف کر کے

بادشاہ نے ایک سخت گیر گرز بردار کو مقرر کیا کہ وہ اسے سورت کی بندرگاہ پہنچا دے اور وہاں سے بیت اللہ روانہ کر دے۔ خلد مکاں کو شیخ عبداللطیف ساکن برہان پور سے بڑی عقیدت تھی۔ ابوالخیر خاں کی والدہ اور عبدالعزیز خاں کے سارے وابستگان اس درویش کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ ابوالخیر خاں کی والدہ شیخ عبداللطیف کا خط لے کر بادشاہ کے حضور پہنچی اور بڑی آہ وزاری کر کے ابوالخیر خاں کے لئے معافی اس کے منصب کی بحالی منظور کرائی اور اس کو واپس بھیج دینے کا پروانہ حاصل کر لیا اور بندرگاہ سورت کے متصدی کے پاس وہ پروانہ بھجوا دیا مگر جس وقت یہ حکم وہاں پہنچا ابوالخیر خاں جہاز پر سوار ہو چکا تھا اور جہاز نے لنگر اٹھا دیا تھا۔

توپ خانہ کے عملہ کی شورش

بادشاہ نے ان واقعات کے بعد اکلوج سے کوچ کر دیا اور لشکر بلوتا کے توابعات کورگاتوں رکوش گالز کرہ گالز) اور شکارلپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس علاقہ میں کچھ عرصہ تک لشکر گاہ قائم رہی انہی دنوں کا قصہ ہے کہ ایک روز جب کہ دربار شاہی کے انعقاد کا اہتمام ہو رہا تھا اور انتظامات پر سہراب خاں میر تزک دوم کی ڈیوٹی تھی۔ توپ خانہ کے ایک افسر کے سر پر سہراب خاں کی دستی چھڑی سے ضرب لگ گئی اس وقت توپ خانہ کی فوج کے آدمی وہاں جمع تھے انھوں نے اپنے افسر کی حمایت میں ہجوم کر دیا اور سہراب خاں کی خوب ذلت کی صلابت خاں میر تزک اول تھا وہ ان کی تادیب کے لئے آیا مگر معاملہ کچھ اتنا ہی ہوا اور بڑا ہنگامہ و فساد مچ گیا میر تزک کے جرگہ میں مطلب خاں بھی شامل تھا ہجوم نے اس کو بھی ذلیل کر دیا۔ یہ ہنگامہ اس قدر بڑھ گیا کہ بادشاہ خود دیوان سے اٹھ کر آیا اور مخلص خاں کو جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنی توپ خانہ کا داروغہ مقرر ہوا تھا۔ فتنہ رفع کرنے کے لئے سختی کے ساتھ تاکید اور تہدید کی صلابت خاں اپنے ہمراہیوں کی حفاظت میں تلوار اور سپر کے زیر سایہ بمشکل اس ہجوم سے نجات پا کر اپنے گھر پہنچا دوسرے دن بھی فساد کا اندیشہ تھا اس لئے وہ گھر سے نہیں نکلا کیونکہ دوسری صبح کو بھی توپ خانہ کے سارے آدمی ایک بڑے ہجوم کے ساتھ جمع ہو گئے تھے جس میں وہ مغل جو بیکار تھے، بازار کے اوباش اور موقع طلب شر پسند لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ حسب الحکم روح اللہ خاں دربار سے سوار ہو کر شورش پسندوں کو سمجھانے اور صلابت خاں کو لانے

کے لئے نکلا اور بڑی تشویش و پریشانی کے ساتھ صلابت خاں کو نکال کر دربار میں پہنچایا آخر بڑی کوششوں کے بعد فتنہ و فساد ختم ہوا اس ہنگامہ کے نتیجہ میں توپ خانہ کے چند افسروں کے منصب میں تخفیف کر دی گئی اور ان کو مجرا سلام سے روک دیا گیا۔

آغر خاں کی شہادت

صوبہ اکبر آباد کے واقعہ نگار کے پاس سے اطلاع پہنچی کہ آغر خاں کابل سے حسب الحکم خدمت شاہی میں حاضری کے لئے روانہ ہوا تھا جب وہ اکبر آباد کے قریب پہنچا تو جاٹوں نے اس کے قافلہ پر حملہ کر دیا اور قافلہ پر عقب سے حملہ کر کے تمام بیلوں کو اور چند گاڑیوں کو لوٹ لیا اور عورتوں کو بھی اسیر بنا کر لے گئے۔ آغر خاں کو خبر ہوئی تو اس نے ان کا تعاقب کیا اور ان کی گڑھی تک پہنچ گیا اور ان پر حملہ کر کے قافلہ والوں کی عورتوں کو چھڑا کر روانہ کر دیا اور غیرت و حمیت کے سبب گڑھی کا محاصرہ کر لیا اسی محاصرہ کے دوران بندوق کی گولی اسے لگی اور وہ مع اپنے داماد کے وہیں شہید ہو گیا۔

خان جہاں پر عتاب شاہانہ

اس سے پہلے بادشاہ نے خان جہاں بہادر کوکلتاش کو جاٹوں کی سرکوبی کے لئے مامور کر کے بھیجا تھا اس نے وہاں پہنچ کر کافی جدوجہد کی تھی اور سنسنی (دستی) نامی گڑھی اور دوسرے دشوار گذار مقامات کو جسے جاٹوں کے سردار نے تعمیر کرایا تھا مسمار کرنے اور جاٹوں کی سرکوبی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر حسب مدعا یہ مہم پوری طرح وہ سرانجام نہیں دے سکا تھا۔ خان جہاں کی سابقہ بعض حرکتوں کی وجہ سے بادشاہ پہلے ہی سے ناخوش تھے اب جو آغر خاں کا یہ سانحہ پیش آ گیا تو بادشاہ نے شاہزادہ محمد بیدار بخت کو جاٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا اور خان جہاں کو بنگالہ کا صوبہ دار مقرر کر دیا مگر ابھی وہ وہاں پہنچا نہیں تھا کہ اسے معزول کر کے لاہور کی صوبہ داری پر تقرر کر دیا۔ پھر وہاں سے بھی اسے دوسرے صوبہ پر بھیج دیا۔ اس طرح تین چار سال تک وہ ایک صوبے سے دوسرے صوبہ تک سفر کرتے ہوتے سرگرداں رہا کہ جہاں بھی وہ جاتا تھا جاگیر کا محصول وصول نہیں ہونے پاتا تھا اور سفر کی دوڑ دھوپ میں کافی رقم خرچ ہو جاتی تھی آخر میں اسے بادشاہ نے حضور میں طلب کر لیا۔

نئے قوانین اور اصلاحات

اسی زمانہ میں حکم صادر ہوا کہ ہندو پالکی پر اور عراقی عربی گھوڑوں پر بغیر حکم کے سواری نہ کریں۔ نرخ کی نگرانی کرنے والے افسر اس سال تک برابر مامور تھے مگر علماء نے بادشاہ کو از روئے شرع مسئلہ بتایا کہ نرخوں کا تعین خلاف شرع ہے۔ بیچنے والا اپنے مال کو جس نرخ پر بھی چاہے فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کے مطابق بادشاہ نے تمام شہروں میں تعین نرخ کے قانون کو منسوخ کر دیا کہ آج سے کسی پر بھی نرخ کا تعین نہ کیا جائے۔ ایک دوسرا حکم یہ نافذ ہوا کہ ملازمین سرکار کے منصبوں کی یادداشت جب مرتب ہو جاتی ہے تو وہ منصب داروں کے پاس ہی رہ جاتی ہے۔ مگر اب منصب داروں کی ساری یادداشتیں بادشاہی محکمہ میں بخشیوں کے پاس ریکارڈ میں رکھی جائیں اور (منصب داروں نوجیوں کے) حلیہ کے فارم جو علیحدہ مثل (فائل) میں رکھے جاتے ہیں مذکورہ بالا منصب کی یادداشت کے ساتھ ہی منسلک رکھے جائیں۔ جاگیرداری کے محاسبہ کے وقت منصب داروں پر سرکاری مطالبات کے کافی بقایاجات نکلے تھے۔ اس سال بادشاہ نے سرکاری گماشتوں کو مقرر کیا کہ وہ منصب داروں کو حسابات صاف کرنے کے لئے محکمہ حساب میں پیش کریں۔ اس حکم کے بعد منصب دار عموماً روپیہ خرچ کر کے حساب کتاب کے جھنجھٹ سے بچتے رہتے تھے اور محاسبہ میں حاضری کو ملتوی کراتے رہتے تھے۔ ایک اور الجھن یہ پیدا ہو گئی تھی کہ منصب داروں کے زمرہ میں مرہٹوں اور دکنیوں کا اچھا خاصا اضافہ ہو گیا تھا، جو اچھے اچھے منصبوں پر فائز کئے گئے تھے۔ اب منصب دار زیادہ تھے اور خدمتیں کم، نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم دربار کے خانہ زادوں کو چار چار پانچ پانچ سال تک جاگیر میسر نہیں ہوتی تھی۔ جب موسوی خاں "دیوان تن" (افسر تقرر و بھرتی) مقرر ہوا تو اس نے یہ قاعدہ منظور کرایا کہ نئے ملازم ہونے والے منصب داروں سے مچلکہ لے لیا جائے کہ منصب کی یادداشت کے تیار ہو جانے کے بعد سے جاگیر کے پانے تک جو عرصہ گزرتا ہے وہ اس کی تنخواہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ جاگیر ملنے کے بعد اگر کبھی جاگیر واپس لے لی جائے، اور پھر دوبارہ کبھی جاگیر ملے تو اس درمیانی عرصہ کے واجبات محاسبہ میں وضع کرتے جائیں گے۔ اس قاعدہ پر جو لوگوں میں موسیٰ خاں کی بدعت کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بڑی بے چینی پھیل گئی اور لوگ شکایت کرنے لگے۔ چنانچہ بادشاہ نے موسوی خاں کی سفارش پر اس سال سابقہ دستور کے خلاف کہ نئے ملازم کو منصب کا

صداقت نامہ پیش کرتے ہی فوج میں متعین کر دیا جاتا تھا یہ قاعدہ نافذ کیا کہ ملازم کو جب تک جاگیر نہ مل جائے اس کی تعیناتی نہ کی جائے بجز اس کے کہ وہ خود اپنی مرضی سے کسی خدمت پر مامور ہونا چاہتے۔ اس قاعدہ کے نفاذ سے قبل کے جو معاملات تھے ان میں بڑی دفتری الجھن پڑ گئی تھی۔ بہت سے ایسے منصب دار تھے جو منصب پر مامور کر دیئے گئے تھے مگر ان کو جاگیر نہیں ملی تھی ان سے اس زمانہ کی تنخواہوں کا مطالبہ نہ کرنے کے مچلکے بھی لے لئے گئے تھے مگر ان مطالبات کو وضع کر دینے کے بعد بھی سرکاری دفتر پر ان منصب داروں کے کافی بقایاجات نکلتے تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ ان کا محاسبہ جلد از جلد وصول ہو جائے تاکہ اُن کو بقایاجات مل جائیں۔ اس لئے وہ دفتروں کے چکر کاٹتے رہتے تھے، مگر دفتر کے متوفی دا فرحسابات اَنی اَن سُنی کر کے منصب داروں کے محاسبہ کو ٹالتے رہتے تھے۔ منصب دار قابل وکیل کو مقرر کر کے سات آٹھ ماہ تک پیروی کرنے کے بعد اور کافی روپیہ خرچ کرنے کے بعد اپنے مطالبات ثابت کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو پورا زور لگانے کے بعد وہ مطالبہ کا چوتھائی حصہ ہی وصول کر پاتا تھا۔ آخر رفتہ رفتہ یہ سارا قاعدہ اور دستور ختم ہو گیا اور محاسبہ کا قانون معطل ہو گیا۔

مغربی ساحل پر پرتگیزوں کی آبادیاں

(جلوس کا چھتیسواں سال مطابق گیارہ سو تین ہجری سنہ ۱۱۰۳ھ)

عالمگیر بیجاپور میں

اب شاہزادہ محمد معظم شاہ عالم کے دن بھی پھرے (شاہزادہ گولکنڈہ کے محاصرہ سے برابر قید میں تھا) خلد مکاں نے ارادہ کیا کہ شاہزادہ پر لطف و عنایات کا اظہار کر کے اس کے رد عمل اور شاہزادہ کے مافی الضمیر کا پتہ لگائیں۔ چنانچہ ایک دن اپنے محرم راز خواجہ سرا کے ہاتھ شاہزادہ کے پاس ایک قلمدان بھجوایا، جس میں ضروری سامان کے ساتھ ایک چاقو بھی رکھا ہوا تھا، چونکہ چھری یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا حربہ قیدیوں کے پاس بھیجنا خلاف ضابطہ تھا، اس لئے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ تم دیکھتے رہو کہ قلمدان پانے کے بعد شاہزادہ کیا کرتا ہے اگر وہ قلمدان کھولنے کے بعد چاقو رکھنے میں تامل کرے تو تم اس سے کہہ دو کہ بادشاہ نے عمداً یہ چاقو بھیجا ہے۔ اگر وہ اس کو بلا مضائقہ رکھ لے تو اس سے کچھ نہ کہو اور لوٹ آؤ۔ جب خواجہ سرا شاہزادہ کے پاس وہ قلمدان لے کر گیا تو

شاہزادہ نے شاہی تحائف کے آنے پر جو آداب ادا کرنے پڑتے ہیں ادا کئے اور قلم دان کو کھولا جیسے ہی اس کی نظر چاقو پر پڑی، ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ شاید یہ غلطی سے آگیا ہے۔" خواجہ سرا نے عرض کیا۔ نہیں بادشاہ نے ازراہِ مہربانی اپنے ہاتھ سے یہ چاقو قلم دان میں رکھا تھا اور مجھے بتا بھی دیا تھا۔" جب شاہزادہ کے پاس سے لوٹ کر خواجہ سرا نے ساری کیفیت عرض کی تو بادشاہ نے کہا۔ "ہم اپنے فرزندوں کی غیرت کو خوب جانتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) کی ایک مرتبہ ذرا سی بے توجہی پر ہم نے خود منصب سے استعفیٰ دیدیا تھا اور گھر بیٹھ گئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی تلافی میں ہی ہم سے یہ گستاخی سرزد ہوئی تھی۔"

حدیث نبوی کا حوالہ

چند دن گذرنے کے بعد بادشاہ نے ایک حدیث نبوی جس کا مضمون یہ تھا کہ "حافظ قرآن کو اگرچہ وہ حبس دوام کا سزاوار ہو، عمر قید نہیں دی جا سکتی" دست خاص سے لکھ کر شہزادہ کے پاس بھیجا۔ شہزادہ (حافظ قرآن بھی تھا جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے) کو بھی احادیث پر کافی عبور تھا اور کئی ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ جب اس نے یہ خط پڑھا اور جان گیا کہ بادشاہ اس کی رہائی کا ارادہ رکھتے ہیں تو بادشاہ کی لکھی ہوئی حدیث کے جواب میں ایک دوسری حدیث لکھ کر بھیج دی جس کا مضمون تھا کہ "حافظ قرآن کو حبس دوام کی سزا نہیں دی جا سکتی، مگر باپ باوجود احترام حفظ کلام اللہ، بیٹے کو ہمیشہ کے لئے قید میں رکھ سکتا ہے۔" اس جواب پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور شاہزادہ پر زیادہ مہربانی کرنے لگا۔ چنانچہ بال ترشوانے کی پابندی اور قید شدید کی دوسری پابندیاں ختم کرا دیں اور شہزادہ کی رہائی کی امید پیدا ہو گئی۔

ہندی حروف تہجی اور شہروں کے نام

زمانۂ قدیم سے بعض شہروں، آبادیوں اور قلعوں کے ہندی نام زبان زد تھے۔ ان ناموں کے آخر میں الف سے ملتا جلتا حرف "ہ" لگا ہوا تھا جیسے مالوہ، بنگالہ، بگلانہ، پرنالہ ان کو لکھتے بھی اسی "ہ" کے ساتھ تھے۔ میر ہادی جس کا خطاب فضائل خاں تھا، محکمہ انشا پر مامور تھا۔ اس نے عرض کیا کہ ہندی رسم الخط میں کسی کلمہ اور اسم صریح کے آخر میں "ہ" کا حرف استعمال نہیں ہوتا ہے اور الف تو ہندی کلمہ میں لکھتے ہی نہیں۔ ہندی رسم الخط کے تیس حروف میں سے تیرہ حرف جیسے الف، حا، خا، ثا، ذال، زا، صاد، ضاد، طا، ظا،

ہیں، غین اور قاف ہندی کلمہ و کلام میں بالکل ہی متروک ہیں اور لکھنے بولنے میں استعمال نہیں ہوتے ان حروف کو ہندی تہجی میں شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ البتہ عین، الف اور ہمزہ کی جگہ ایک اور حرف ہے جسے وہ تحریر و تقریر میں کلمہ کے اول لاتے ہیں کلمہ کے وسط اور آخر میں اس کو بھی قطعاً استعمال نہیں کرتے۔ دس بارہ اعراب میں سے جو ہندی حروف کے لئے موضوع ہیں اور ان ہی اعراب پر ہندی حروف کو مرکب بنانے کا دارومدار ہے ایک حرکت "کا" بھی ہے اس کو البتہ کلمہ کے آخر استعمال کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اس کو الف کی صورت میں لکھتے ہیں اور الف کے مخرج سے ہی اسے پڑھتے ہیں۔ بس یہی وہ الف ہے جسے ہندوستان میں اسلام کے آغاز کے وقت فارسی انشا پردازوں نے سہواً حرف "ہا" سے فارسی خط میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے ان ناموں میں "ہا" کے استعمال کا کوئی جواز نہیں ان کو "الف" سے ہی لکھنا چاہیے۔ نکتہ سنج بادشاہ کو یہ تحقیق اور رائے پسند آئی اور اسی سال حکم ہوا کہ ان ناموں میں "ہا" کی جگہ "الف" لکھا جایا کرے، جیسے بنگالا، مالوا، ایکلانا جو شخص ہندی رسم الخط سے واقف ہے وہ اس کے لطف و نزاکت کو خوب محسوس کر سکتا ہے۔

رام راجہ مرہٹہ کی گدی نشینی

مخلص خاں کا توپ خانہ کی داروغگی سے تبادلہ کر دیا گیا۔ انہی دنوں اطلاع ملی کہ مرہٹوں نے رام راجہ کو جو سنبھا کا بھائی تھا اور قید میں پڑا ہوا تھا اسے باپ اور بھائی کی گدی پر بٹھا دیا اور ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا ہے اور قلعہ سے وہ لڑائی پر آمادہ ہو کر نکل آتے ہیں۔ رام راجہ نے اپنے سرداروں اور قلعہ داروں کو خلعت اور طلائی کڑے بھیجے اور فوج کے سرداروں کی دل جوئی کر کے اپنے باپ اور بھائی کی روش پر شہروں اور قلعوں کی تاخت و تاراج کے لئے انھیں بھجوا دیا۔

پرتگیزوں کی ساحلی آبادیاں

اس سے پہلے ہم نے حضرت صاحب قرآن ثانی کی سلطنت کے تذکرہ میں ہندوستان کے ساحلوں اور بندرگاہوں میں نصاریٰ (عیسائیوں) کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔ اب ہم ان کے بارے میں مزید کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ یہ لفرانی پرتگال کے بادشاہ کے بھیجے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے بندرگاہوں اور ساحلی شہروں پہاڑوں اور دشوار گذار مقامات پہ قلعے بنا لئے تھے

اور دیہات آباد کر لیے تھے۔ اکثر معاملات میں وہ بڑی رعیت پروری کا مظاہرہ کرتے تھے اور اپنی آباد کی ہوئی رعایا کو کسی طرح کی تکلیف نہیں دیتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ پورہ (محلہ) مقرر کرکے ان کا سرگروہ کسی مسلمان کو بنا دیتے تھے جو قاضی کی جگہ ان کے نجی اور جزوی معاملات اور نکاح وطلاق کے فیصلہ اور انتظام کرتا تھا۔ مگر انھوں نے اپنے علاقہ میں اذان اور نماز کو قطعًا رائج ہونے نہیں دیا اگر کوئی بدنصیب مسافر ان کے تعلقہ میں چلا جاتا تھا تو اسے وہ کوئی نقصان تو نہیں پہنچاتے تھے مگر وہ نماز بلاتشویش ادا نہیں کرسکتا تھا۔ سمندر میں وہ انگریزوں کے طریقے کے خلاف کبھی جہازوں کو نہیں لوٹتے تھے ہاں ایسے جہازوں کو جو مقررہ دستور کے مطابق ان کا "قول" (ضمانت) نہ لے چکے ہوں یا عرب اور مسقط کے جہازوں کو کہ ان کے ساتھ ان کی قدیم عداوت تھی حملہ کرتے تھے اور قابو پانے کی صورت میں لوٹ لیتے تھے۔ جو جہاز دور دراز بندرگاہوں میں شکست اور مرمت طلب پڑے رہ جاتے تھے ان کو وہ اپنا شکار سمجھتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا ظلم تو یہ تھا کہ ان کے تعلقہ کی رعیت میں سے جب کوئی مرجاتا تھا اور اس کا کوئی بڑا بیٹا نہ ہوتا اور نابالغ اولاد رہ جاتی" وہ اس کی اولاد کو سرکاری مملوک بنا لیتے تھے اور ان کو اپنے گرجاؤں میں جو وہ جگہ جگہ [illegible]تے ہوتے ہیں۔ پہنچا دیتے تھے۔ گرجا میں ان بچوں کو پادری نصرانیوں کے مذہب کی تعلیم دیتے تھے اور ان کو خواہ وہ کسی سید مسلمان کی اولاد ہوں یا ہندو برہمن کی عیسائی بنا لیتے تھے اور ان سے غلاموں کی طرح خدمت لیتے تھے۔

پرتگیزوں کی قلعہ بندیاں

عادل شاہی کوکن کے علاقہ میں سمندر کے متصل انھوں نے ایک قلعہ بنایا تھا وہاں پھر اچھا خاصا شہر بس گیا۔ اس کا نام "گووہ" (گوا) مشہور ہے۔ یہ شہر اور قلعہ ان کا حاکم نشین مرکزی مقام ہے۔ اور پرتگال کی طرف سے ایک مستقل کپتان وہاں رہتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے (مغربی ساحل) پر اور بھی بندرگاہیں اور دیہات آباد کر رکھے ہیں جو بہت سیر حاصل اور زرخیز ہیں۔ پرتگالی عیسائیوں کے یہ تعلقے اور آبادیاں بندرگاہ سورت سے چودہ پندرہ کوس نیچے جنوب کی طرف آباد ہیں ان کا سلسلہ جنوب مغربی ساحل پر انگریزوں کے تعلقہ۔ ممبئی "(بمبئی) اور حبشیوں کی سرحد تک جسے نظام شاہی کوکن کہتے ہیں پھیلا ہوا ہے۔ بگلانا کے پرگنوں کے عقبی پہاڑوں اور گلشن آباد کے دشوار گذار کوہستان میں انھوں نے چھوٹے بڑے سات

آٹھ قلعے بنا رکھے تھے ان میں دو قلعے جن کا نام دمن اور بسی تھے۔ گجرات کے سلطان بہادر سے انھوں نے قول اور اذن کے نام پر اپنی تحویل میں لے لئے تھے۔ ان قلعوں کو انھوں نے نہایت مضبوط و مستحکم کر لیا اور اطراف میں گاؤں اور دیہات آباد کر دیئے ساحل کے کنارے کوئی چالیس پچاس کوس تک طول میں ان کا قبضہ ہے مگر عرض میں ان کا رقبہ کوس ڈیڑھ کوس سے زائد نہیں ہے۔ یہ لوگ پہاڑوں کے دامن پر کھیتی باڑی کرتے ہیں اور اعلیٰ اجناس جیسے نیشکر انناس اور چاول وغیرہ بوتے ہیں ناریل اور تاڑ کے بے شمار درخت ہیں ان کا بھی کافی اچھا محصول ان کو مل جاتا ہے۔ تمام دیہاتوں میں انھوں نے "اشرفی" کے نام سے ایک سکہ بھی رائج کیا ہے جو چاندی کا ہے اور اس کی قیمت نو آنے ہوتی ہے۔ یہ سکہ ان کے ملک فرنگ کا ہے اس اشرفی کے علاوہ تانبہ کا ایک چھوٹا سکہ بھی رائج ہے جو "بزرگ" کہلاتا ہے۔ ایک "بزرگ" چار پیسوں کے برابر ہوتا ہے۔ بادشاہ کا حکم اور قانون وہاں قطعاً نافذ نہیں ہے۔ لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں تو جہیز میں ان کو دیہات دیتے ہیں۔ گھر کے اور باہر کے اکثر معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں ان کی عورتیں مردوں پر بہت حاوی رہتی ہیں۔ ان کی ملت میں صرف ایک ہی بیوی کرنے کا رواج ہے دوسرا عقد نہیں کرتے۔

پرتگیزوں پر معتبر خاں کا حملہ

جب بادشاہ کو اس قوم کی بد اعمالیوں کی خبر ملی تو گلشن آباد کے فوجدار معتبر خاں کے نام حکم صادر ہوا کہ فوج داروں اور حبشیوں کی کمک لے کر اس ضلع کے پہاڑوں سے اس گروہ کا اخراج عمل میں لاتے اور ان کا قلع قمع کر دے۔ معتبر خاں تو ائیتہ قوم اور ملا احمد بیجاپوری کے عزیز و اقارب میں سے تھا جس کا ذکر ہم اعلیٰ حضرت شاہجہاں کے تذکرہ میں کر چکے ہیں۔ بہادری اور کارکردگی میں وہ بڑی شہرت رکھتا تھا۔ حسب الحکم اس نے ایک بڑی جمعیت اور قلعہ گیری کا سامان فراہم کر لیا اور دوسروں کی مدد اور کمک لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کوکن نظام شاہی کے متصلہ ساحل کا کپتان گووہ کے کپتان کا ماتحت تھا اور اس کی نسبت کمزور تھا۔ معتبر خاں نے پہلے اسی علاقہ پر حملہ کیا اور ان کے ایک دو چھوٹے قلعوں پر جن میں سامان جنگ نہ تھا بہ آسانی قبضہ کر لیا۔ پرتگالی میدان کی لڑائی نہیں لڑ سکتے اور بجز بندوق اور تلوار کے دوسرا ہتھیار بھی ان کے پاس نہیں ہوتا۔ تلوار بھی بس

تیغ جیسی ہوتی ہے۔ گھوڑے بھی نہیں ہوتے۔ مسلمان گھوڑ سواروں کو دیکھتے ہی وہ بھاگ گئے اور دمن اور بسی کے قلعوں میں جا کر پناہ لی۔ عیسائیوں کی ایک جماعت کو بیوی بچوں سمیت بادشاہی فوج نے اسیر بنا لیا اور یہ دو قلعے جن کو وہ خالی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ معتبر خاں کے قبضہ میں آ گئے۔ اس حملہ کے بعد پرتگالیوں نے دمن اور بستی کے قلعوں کو مضبوط کر لیا تھا مگر ان میں سخت خوف و دہشت پھیلی ہوئی تھی اور مغربی ساحل کی تمام بستیوں میں ہل چل مچ گئی تھی۔

پرتگیز گورنر کی عاجزی اور معافی

جب یہ خبر، کوکن عادل شاہی کے تعلقے گووا میں وہاں کے کپتان کو ملی تو وہ سخت پریشان ہوا چونکہ وہ اپنے آپ کو پرتگال کا صوبہ دار اور نائب سمجھتا تھا لہٰذا اس نے بڑی عاجزی اور انتہائی تضرع کے ساتھ بارگاہ شاہی میں عرض داشت بھیجی اور دربار کے مقربوں اور امراء کو بھی درخواستیں لکھیں کہ ہم تو آپ بے تنخواہ کے نوکر ہیں اور سمندر پر شرپسندوں کی روک تھام کرتے رہتے ہیں۔ سمندر کے کنارے ناکارہ زمین کے چند قطعات کو جو اس سر زمین کے فرماں رواؤں نے ہمارے بزرگوں کو عطا کئے تھے ہم نے آباد کر لیا ہے اور بادشاہ کی خدمت میں ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں۔ ہم خانہ بدوش لوگ ہیں اور ہمارا اصل گھر دریا پر جہازوں میں ہی ہے۔ اگر یہاں ساحل پر رہنا حضور والا کے خلاف مرضی ہے تو ہم جہازوں پر سوار ہو جائیں گے کیونکہ ہمارے بادشاہ نے ہندوستان کے بادشاہ سے جنگ و پرخاش کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم سے کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوگی بلکہ ہم سمندر پر اپنے جہازوں کے ذریعہ ہندوستان کے ساحل کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ واضح رہے پرتگالی اپنے آپ کو سمندر کا مالک و مختار سمجھتے تھے۔ سمندر پر جہازوں کی جنگ میں ان کو مہارت حاصل تھی وہ کسی اور قوم کو نہیں تھی۔ گووا کے کپتان نے ان عرضیوں اور درخواستوں کے ساتھ دربار عالمگیر کے حاشیہ نشینوں اور امیروں کے پاس بہت سے تحائف اور ہدیئے بھی روانہ کئے تھے۔ امرائے دربار نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ جب تک خشکی کا پورا بندوبست اور کافروں کا بخوبی قلع قمع نہ ہو جائے سمندر کی بھڑوں کے اس چھتے کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ غرض بادشاہ نے معتبر خاں کے نام ان کے قصوروں کو معاف کر دینے اور اسیران فرنگ کو رہا کر دینے کے احکام صادر فرما دیئے۔

ایران میں شرعی قوانین کا نفاذ

صوبہ ملتان کے اخبار نویسوں نے اطلاع دی کہ ایران کا فرماں روا سید شاہ سلیمان جو تیس سال سے حکم ران تھا فوت ہو گیا اور اس کی جگہ سلطان حسین تخت نشین ہوا ہے نئے بادشاہ نے ہندوستان کے دین پرور بادشاہ کی تقلید میں حکم جاری کر دیا ہے کہ تمام قلم رو ایران میں شراب، جوا، گانا بجانا اور فحاشی ممنوع کر دی جائے اور سارے قمار خانے اور خرابات بند کر دیئے جائیں۔

شاہ عالم کے بیٹوں کی رہائی

بادشاہ نے شہزادہ شاہ عالم کے بیٹوں شہزادہ معزالدین اور شاہزادہ محمد عظیم کو قید سے رہا کر دینے کا حکم دیا اور دونوں کے منصبوں کی اشلہ پیش کرنے کی ہدایت کر دی۔ دونوں کے لئے بادشاہی شامیانہ سے متصل خیمے لگائے گئے۔ چند دن بعد دونوں بھائیوں کے منصب بحال ہو گئے اور بادشاہ نے شاہزادہ معزالدین کو فوج اور توپ خانہ دے کر کوکن کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور شاہزادہ محمد عظیم کو اپنی پیشی میں متعین اور مامور کیا وہ بادشاہ کی طرف سے کاغذات پر دستخط کرتا تھا۔

جنجی چجاور پر فوج کشی

بیجا پور کے ماتحت جنجی اور چنجاور کا علاقہ تھا وہاں کے زمیندار بھی بڑے سرکش اور باغی تھے ان کے پاس خزانہ بھی اچھا خاصا تھا، وہ زمانہ قدیم میں بیجانگر کے رام راجہ کے ماتحت اور ملازم تھے۔ مقتول سنبھا نے بھی انھیں اپنی طرف سے اس علاقہ پر مقرر کر دیا تھا۔ ہمیشہ بیجا پور کے سلاطین سے یہ لڑتے تھے دو تین مستحکم قلعے ایک عرصے سے ان کے قبضہ میں تھے انھیں کے بل بوتہ شوخی شرارت کرتے رہتے تھے۔ ان کے خلاف بادشاہ نے شاہزادہ محمد کام بخش کو جمدۃ الملک اسدخاں کی اتالیقی میں روانہ کیا اور ہراول پر اعتقاد خاں مقرر ہوا جس کو ذوالفقار خاں نصرت جنگ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ بہرہ مند خاں جمدۃ الملک کا نائب مقرر ہوا۔

عبدالرزاق خاں لاری کی فوج داری

عبدالرزاق خاں لاری کچھ عرصہ تک فیروز جنگ کے ہمراہ رہا بادشاہ نے اسے چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب دے کر عادل شاہی کوکن پر جو سمندر کے کنارے فرنگیوں کے تعلقہ گودا

سے منتقل ہے فوج دار بنا دیا۔ اور اس کے بیٹے عبدالقادر خاں کو دربار ہی میں رہنے دیا۔ عبدالرزاق خاں نے بادشاہی ملازمت مجبوراً قبول کی تھی اور اکثر وطن جانے کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ اخبار نویسوں کے ساتھ بھی وہ سختی سے برتاؤ کرتا تھا۔ اس کی فوج داری کے تعلقہ سے سوانح نگار نے اطلاع دی کہ عبدالرزاق خاں جہاز پر سوار ہو کر وطن جانے کی فکر میں ہے۔

اس اطلاع پر بادشاہ نے اس کے بیٹے عبدالقادر کو قید کر دینے کا حکم دیدیا۔ اور عبدالرزاق کو خدمت سے معزول کر کے گرز بردار کو مقرر کر دیا کہ وہ اسے حضور میں لے آئے۔ جب یہ خبر عبدالرزاق خاں کو ملی تو وہ گرز برداروں کے پہنچنے سے پہلے ہی جریدہ یلغار کرتے ہوئے حضور میں آ گیا وہاں سے چلتے وقت اس کے پاس اخراجات نہیں تھے اور باربرداری کے جانور بھی نہیں مل سکے تھے اس لئے اس نے اپنے خیمے اور زائد از ضرورت اسباب جلا دیا تھا۔ جب وہ بادشاہ کے حضور باریاب ہوا تو بادشاہ نے اسے پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب عنایت کر کے راہیری کی فوج داری پر مقرر کر دیا اور اس کے لڑکے کو بھی اس کے حوالہ کر دیا۔

خربوزوں پر محصول جب سے کہ دکن فتح ہوا تھا اور خاندان تیموری کے قبضہ میں آیا تھا موسم گرما کے خربوزوں کی فصل پر محصول معاف تھا کیونکہ خربوزے وہاں کے غریب اور عاجز لوگ دریا کے کنارے ریت میں بو لیتے تھے۔ خربوزوں کی فصل سے بادشاہی عاملوں اور جاگیرداروں کو کوئی آمدنی نہیں ہوتی تھی اور یہ محصول دیوانی کے اور زمینداروں کے گوشواروں میں بھی درج نہیں کیا جاتا تھا۔ انہی دنوں محرم خاں عرف خواجہ یاقوت باغات شاہی ممالک محروسہ کا داروغہ بنایا گیا تھا اسے جب معلوم ہوا کہ دریا کے کنارے اگنے والے خربوزوں کا محصول نہیں لیا جاتا ہے تو اس نے طبعی شرارت کے سبب عرض کیا کہ صوبہ جات دکن میں خربوزوں کا محصول جس میں بہت بڑی رقم وصول ہو سکتی ہے عائد نہیں ہے جس سے سرکار کا بھاری نقصان ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے اس کی تجویز پر خربوزوں پر محصول لینے کے احکام دیوانی کے حکام کو دیدیئے۔ اس حکم کے بعد خربوزوں کے محصول کے لئے علیحدہ عملہ اور منصب دار مقرر کئے گئے اور تمام پرگنوں میں جریب کی پیمائش سے یہ محصول لیا جانے لگا۔ ہر سال غریب اور بے بضاعت آدمی خربوزوں کی فصل سے دو تین ماہ کی روزی حاصل کر لیتے تھے اس حکم کے بعد ان کی روزی ماری گئی اور بدچلن عمال و حکام کے لئے ظلم و ستم کا

ایک ذریعہ اور نکل آیا۔ اس محصول کے نفاذ اور سرکاری آدمیوں کی سختیوں سے تنگ آ کر ان غریبوں نے جو اپنے اہل و عیال کے لئے تھوڑی بہت روزی پیدا کرتے تھے خربوزوں کی کاشت ہی چھوڑ دی۔

باغوں کی تالہ بندی

محرم خاں نے ایک نیا حکم اور نکلوایا کہ تمام صوبہ جات میں شاہی باغوں کو مقفل رکھا جائے اور عوام کا داخلہ بند کر دیا جائے حالانکہ بادشاہی باغ عام و خاص سب کی تفریح اور افادۂ عام کے لئے ہی لگائے جاتے ہیں اور اس وقت تک باغوں کے دروازے سب کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے مگر اس بدعاقبت نے لوگوں کو سیر و تفریح سے محروم کر دیا۔ اب لوگ باغ کے محافظوں کو کچھ دے دلا کر یا ان کی خوشامد و درآمد کر کے اندر چلے جاتے ہیں ؎

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
ظالماں رفتند و احتیاط بماند

محرم خاں کے اور بھی کرتوت ہیں جن کی وجہ سے شاہزادہ محمد کام بخش کو بے آبرو اور قید ہونا پڑا جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

ابوالحسن کی لڑکیوں کا عقد

ابوالحسن کی چار بیٹیاں تھیں ان کی اب تک شادی نہیں ہوتی تھی بادشاہ نے چاہا کہ اس کی بڑی لڑکی کو کسی سے منسوب کر دیں مگر اس نے قبول نہیں کیا اور پیغام دیا کہ "اگر بادشاہ اپنی خدمت میں مجھے وضو کرانے کی خدمت پر محرم شرعی بنا کر رکھ لیں تو یہ میرے لئے باعث فخر ہوگا۔ ورنہ میں تمام دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہوں" بادشاہ نے اس کے لئے یومیہ مقرر کر کے بڑے احترام کے ساتھ ابوالحسن کے پاس (قلعہ دولت آباد میں) بھجوا دیا۔ دوسری لڑکی کو سکندر بیجاپوری کے عقد میں دے کر قید و اسارت میں اس کا رفیق بنا دیا۔ تیسری لڑکی اسد خاں کے بیٹے عنایت خاں کے عقد میں آئی اور چوتھی نقش بندی گھرانے کے ایک نوجوان سے بیاہی گئی یہ عقد ابوالحسن کی مرضی کے خلاف تھا۔

روح اللہ خاں کی وفات

روح اللہ خاں میر بخشی جو موروثی مزاج داں امراء میں سے تھا اور بادشاہ کے مزاج سے بخوبی آشنا تھا اور لوگوں کے اڑے وقتوں میں بہت کام آتا تھا انتقال کر گیا اس کی تاریخ وفات ؎

ز روح در تن ملک نما ند ؛

نکالی گئی تھی۔ بادشاہ نے اس کی جگہ بہرہ مند خاں کو جو فوجی بھرتی کا افسر اور نائب وزیر بھی تھا میر بخشی بنا دیا اور شریف خاں دوبارہ "خدمت عرض" پر مامور ہوا۔

شہزادہ اعظم کے متعلق افواہیں

اس سال شاہزادہ محمد معظم کی رہائی کی خبر پھیلی ہوئی تھی اسی سلسلہ میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے ارادوں کے متعلق تشویش انگیز افواہیں اڑنے لگیں۔ بادشاہ نے مصلحتاً شاہزادہ محمد اعظم کو بنکاپور سے واکن گیرہ کی طرف جانے کا حکم دے دیا جو لشکر شاہی کے راستہ میں واقع تھا۔ جب شاہزادہ محمد اعظم شاہ اپنی آراستہ پیراستہ فوج کو لے کر کوچ کے لئے نکلا اور بادشاہی لشکر گاہ کے قریب پہنچا تو بادشاہی لشکر میں اس کے ارادوں کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیل گئیں اسی طرح بادشاہ کے متعلق بھی شاہزادہ کے لشکر میں بے سروپا باتیں ہونے لگیں۔ ان افواہوں کے پیش نظر شاہزادہ نے عرض داشت بھیجی کہ

"میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے حسب الحکم جلد از جلد مفوضہ خدمت پر پہنچ جانا چاہئے۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں لشکر والا میں داخل ہو گیا تو میرے ہمراہی جگہ جگہ اپنے دوستوں رشتہ داروں کے خیموں میں جا کر بیٹھ جائیں گے اور واپسی کے لئے نکلنے میں سستی اور کوتاہی کریں گے اور وقت ضائع ہوگا۔ تاہم جو بھی ارشاد ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا"

بادشاہ نے جواب دیا کہ۔

"ہم بھی تمہیں دیکھنے کا بہت زیادہ اشتیاق رکھتے ہیں مگر تمہارا لشکر میں آنا خلاف مصلحت ہے اس لئے ہم جریدہ شکار کے لئے نکل رہے ہیں تم بھی چار پانچ سو سواروں کے ساتھ دونوں بیٹوں کو لے کر جریدہ نکلو اور حاضر خدمت ہو جاؤ"

ایک موثر نفسیاتی علاج

بادشاہ نے شکار کے لئے مختصر خیمہ باہر نکالنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ خیمہ ایسے نشیب میں لگایا جائے کہ وہاں سے

لشکر نظر نہ آئے خفیہ طور پر بخشیوں اور جلو خاص کے داروغہ کو حکم ہوا کہ چند منتخب بہادروں کو مسلح کر کے ہمراہ لے لیں۔ بظاہر صرف یہ حکم دیا کہ سواری کے ساتھ زیادہ آدمی نہ آئیں۔ توپ خانہ کے قراولوں کو مامور کر دیا کہ بادشاہزادہ کے لشکر کی ناکہ بندی کر دیں اور دولت خانہ کی بھی سخت نگرانی کرتے رہیں کہ بلا حکم کوئی لشکر میں بھی داخل ہونے نہ پائے۔ میر تزکوں کو مقرر کیا گیا کہ عام آدمیوں اور تماشائیوں کو راستہ پر آنے جانے نہ دیں۔ جب دولت خانہ شاہی پر جو شکار کے نام سے باہر نصب کر دیا گیا تھا سواری پہنچی تو شاہزادہ کے پاس حکم گیا کہ دولت خانہ بہت مختصر لگایا گیا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ساتھ تین سو سوار سے زیادہ آدمیوں کو نہ لائے۔ پھر جب شاہزادہ حسب الحکم تین سو سواروں کو لے کر نکلا تو ایک اور حکم پہنچا کہ وہ صرف دو سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ آئے۔ شاہزادہ نے ایک سو سوار چھوڑ دیئے مگر کچھ اور آگے بڑھا تھا کہ بادشاہ کا ایک اور چیلہ پہنچا کہ وہ اپنے ہمراہ سو سواروں سے زیادہ نہ لائے اسی طرح سواروں کو کم کرنے کے احکام مسلسل پہنچتے رہے یہاں تک کہ جب شاہزادہ بارگاہ کے قریب پہنچ گیا تو جمال چیلہ نے حکم پہنچایا کہ شکار نشانہ پر ہے وہ بھڑک کر نکل جائے گا اس لئے زیادہ ہجوم ساتھ نہ آئے، کیونکہ جلو خانہ کا میدان بھی بہت مختصر ہے صرف تین جلو داروں (محافظوں) کو شاہزادہ اپنے ساتھ لے لے اور باقی تمام آدمیوں کو لوٹا دے۔

غرض شہزادہ اعظم جب بادشاہ کے پاس پہنچا تو صرف دونوں صاحبزادے ساتھ تھے۔ اس وقت بادشاہ کے ہاتھ میں بندوق تھی جس کا فتیلہ روشن تھا اور بادشاہ قابو میں آئے ہوئے شکار کا نشانہ لگائے ہوئے تھا۔ میر تزکوں کی روک ٹوک کی وجہ سے شہزادہ کے محافظ دستہ میں سے صرف دو جلودار اندر آ سکے تھے۔ اس حال میں جب کہ شاہزادہ اپنے آپ کو خطرہ میں اور دام بلا میں گرفتار دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ مختار خاں نے حاضر ہو کر حکم پہنچایا کہ تینوں شہزادے ہتھیار اتار دیں اور بادشاہ کے پاس غیر مسلح حاضر ہوں۔ اس حکم کو سن کر شہزادہ اور زیادہ اندیشناک ہو گیا مگر مختار خاں اسے تسلی دلاسا دے کر اپنے ساتھ بادشاہ کے حضور لے گیا۔ باپ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اعظم نے آداب تسلیمات بجا لائیں اور بادشاہ کا تین مرتبہ طواف کر کے نذرانے گذرانے۔ خلد مکاں نے بڑی شفقت اور مہربانی سے شہزادہ کو سینہ سے

لگا لیا اور بندوق شہزادہ کے ہاتھ میں دے دی اور شکار پر تیراندازی کا حکم دیا پھر شاہزادہ کو اپنے ساتھ ہی تسبیح خانہ میں لے جاکر اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور بڑے تپاک اور سرگرمی سے اس کے حالات دریافت کئے۔ چونکہ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ شاہزادہ کپڑوں کے نیچے زرہ پہنے ہوتے ہے۔ اس لئے بادشاہ نے ارگجہ کا پیالہ طلب کیا اور شہزادہ کی پوشاک اُتروا کر اپنے ہاتھ سے بادشاہ نے تسکین اور دفع حرارت کے لئے شہزادہ کو ارگجہ کی مالش کی بعد میں بادشاہ نے اپنی خاص تلوار جو تخت کے پاس رکھی رہتی تھی نیام سے کھینچی اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا' یہ تلوار فردوس مکانی (ہمایوں بادشاہ) کے عہد سے دست بدست ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے وہ تلوار شاہزادہ کے ہاتھ میں دیدی۔ شہزادہ اعظم نے تلوار لے تو لی' مگر رعب شاہی سے اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ بہرحال آداب بجا لاکر شہزادہ نے تلوار کو ملاحظہ کیا اور دوبارہ باپ کی خدمت میں واپس کرنا چاہا تو بادشاہ نے ازراہ عنایت وہ تلوار اعظم کو مرحمت فرمادی۔

اس کے بعد بادشاہ نے چند نصیحت آمیز باتیں کہیں اور اشارتاً اسے جتلا دیا کہ ہم نے تمھیں گرفتار کر لیا تھا مگر رہا کر دیا تھا۔ قید کی خبر تمھارے آدمیوں تک پہنچ چکی ہے اور وہ سب نہایت مایوس اور مغموم ہوں گے اس لئے اب تم جلد ہی واپس چلے جاؤ۔ شہزادہ رخصت ہونے لگا تو اسے خلعت اور جواہرات عطا فرمائے۔

کہتے ہیں شاہزادہ اعظم کے واپس ہونے تک محمد اعظم شاہ کی محل خاص جانی بیگم اور دوسری بیگمات بالکل مایوس ہو چکی تھیں اور محل میں عورتوں نے کہرام مچا دیا تھا۔ جب شہزادہ کے نجات پانے اور صحیح سلامت نکل آنے کی اطلاع ملی تو سب کے چہروں پر سرخی دوڑ گئی۔

کہتے ہیں اس کے بعد اعظم شاہ کا یہ حال ہوتا تھا کہ جب بھی اس کے نام بادشاہ کا فرمان جاتا تو وہ فرمان کے استقبال کے لئے سوار ہو کر نکلنے کے وقت سے اس کے مضمون سے واقف ہونے تک مارے خوف کے کانپتا رہتا تھا اور اس کا چہرہ کا رنگ اڑ جاتا تھا۔

ایک درویش کو تنبیہ مرزا یار علی ڈاک کا داروغہ تھا اس لئے بڑی دیانت داری اور حسن انتظام سے اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے تھے اور محکمہ ڈاک اور سوانح نگاری اور خبر رسانی کی تنظیم بڑی عمدگی سے سرانجام دی تھی اس کی

خدمات کی وجہ سے بادشاہ کے پاس اس کا بڑا اعتبار اور اثر و رسوخ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی طرح شہروں اور قصبہ جات میں سوانح نگاروں کی بڑی عزت پیدا ہو گئی بلکہ وہ صوبہ داروں اور فوج داروں کے شریک غالب بنے ہوئے تھے۔ اسی زمانہ میں بادشاہ نے بندرگاہ سورت کے سوانح نگار، محمد باقر نامی کو کسی قصور پر برطرف کر دیا تھا۔ (سیادت و فضیلت پناہ) سید سعد اللہ بڑے عالم و فاضل گوشہ نشین خرقہ پوش بزرگ تھے۔ بادشاہ کے پاس ان کا بڑا اثر تھا ان کی سفارش پر بادشاہ ہمیشہ دستخط خاص سے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان صادر کر دیتا تھا سید حاجت مندوں کے بارے میں سفارش لکھنے میں کبھی تامل نہیں کرتے تھے جرأت سے بادشاہ کے پاس سفارش کر دیتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے محمد باقر کو اور شاہی دارالشفا کے ایک حکیم کو کہ اسے بھی معزول کر دیا گیا تھا۔ بحال کرنے کے لئے حضور میں عرض کیا۔ بادشاہ نے سید کے لکھنے پر دونوں کو بحال تو کر دیا مگر جس طرح ہر مرتبہ سید کی سفارش پر بادشاہ دستخط خاص سے فرمان لکھ دیا کرتا تھا۔ اور کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا اس دفعہ خلاف معمول سید کے نام یہ مضمون صادر ہوا کہ

"اس سیادت پناہ کے لکھنے پر ہم نے دونوں کو ان کی خدمت پر بحال کر دیا ہے مگر آپ عالم و فاضل فقیر اور درویش آدمی ہیں لہٰذا آئندہ علما اور فقرا کے بارے میں ہی سفارش کریں، یہ لوگ (ملازم سرکار) انھوں نے ظلم و زیادتی پر کمر باندھ لی ہے، اور کے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے آپ سے ان کا کیا واسطہ اور تعلق۔ یہ بادشاہی کاموں میں خواہ کتنے ہی متقی اور متدین ہوں مگر سرکاری ملازمت اور خدمت قبول کرنے کے سبب یہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں ہی شامل ہیں۔ کلام اللہ میں حکم صریح ہے کہ ظالم کی اعانت ظلم میں شرکت کے برابر ہے۔ پھر آپ سے اس حکم کی خلاف ورزی کا اظہار کیوں ہوتا ہے؟"

نئی بھرتی کی ممانعت

دکن کی مہم کے طول پکڑ جانے کے سبب خاندان تیموریہ کے جمع کئے ہوئے خزانہ میں سے بہت کچھ خرچ ہو چکا تھا۔ مالیہ گھٹتا جا رہا تھا اور مطالبات بڑھتے جا رہے تھے۔ روح اللہ خاں مرحوم نئے نئے آدمیوں کو

بھرتی کرانے میں بہت زیادہ کوشاں رہتا تھا۔ بادشاہ نے اسے نئی بھرتی سے روک بھی دیا تھا مگر وہ تجویز و سفارش سے باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے خفگی سے کہا "ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اب ہم کو ملازموں کی ضرورت نہیں ہے تم لوگوں کو صاف جواب کیوں نہیں دے دیتے" روح اللہ خاں نے جواب میں عرض کیا "سلطنت خداداد ہندوستان شاہان ہفت اقلیم کی جائے پناہ رہی ہے۔ حاجت مندوں کو مایوس کن جواب دینا ہم خانہ زادوں کے لئے ممکن نہیں اور پاس ادب کے خلاف ہے۔ ہمارا کام تو حضور میں عرض کر دینا ہے قبول کرنا نہ کرنا ولی نعمت کا اختیار ہے" انہی دنوں کچھ عرصہ بعد مخلص خاں بھی بخشی کے عہدہ پر فائز ہوا۔ خلق خدا کو فائدہ پہنچانے میں وہ روح اللہ خاں سے بھی زیادہ آگے تھا اور بے جھجک بادشاہ کے سامنے امثلہ اور کاغذات رکھ دیتا تھا۔ بادشاہ نے دو تین بار اسے نصیحت کی اور نئی بھرتی اور سفارش و تجویز سے منع کر دیا۔ مگر اس نے کوئی اثر نہیں لیا۔ آخر ایک دن بگڑ کر دونوں بخشیوں پر بادشاہ نے سخت اعتراضات کئے۔ اور خاص طور سے مخلص خاں کو مخاطب کر کے عتاب فرمایا کہ "کتنی بار کہہ دیا کہ ہم کو نوکر نہیں چاہیے جو وقت اور ضرورت ہے اُسے تو سمجھتے نہیں ہو اور آقا کے حکم کی خلاف ورزی کئے جاتے ہو" بادشاہ نے اس قدر بُرا بھلا کہا کہ دونوں رنجیدہ ہو کر گھر بیٹھ گئے اور اپنے پیش کاروں سے کہہ دیا کہ "جو لوگ ملازمت کے لئے آئیں اُنھیں صاف جواب دیدیں اور نئے ملازموں کے اسناد جاری نہ کریں۔ اس طرح ارباب حاجت پر یہ دروازہ بند ہو گیا۔ بخشی حضور میں جاتے بھی تھے تو چپ چاپ مجسمہ کی طرح کھڑے رہتے تھے۔ جو لوگ برسوں سے ملازمتوں' جاگیروں کے لئے دوڑ لگا رہے تھے مایوس ہو گئے تھے اور بدخیالیوں میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے اور لشکر میں ہر خیمہ میں شکوہ شکایت کی گرم بازاری ہو گئی تھی

حاجی انوار کی صاف گوئی

انہی دنوں حاجی محمد انوار جو علوم عقلی و نقلی پر کامل عبور رکھتا تھا اور رشد و ہدایت کے آثار اس کے چہرہ سے ہی ظاہر تھے حضور میں باریاب ہوا اور خدمت پر مامور کیا گیا۔ اس موقع پر بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ "تمہارے بزرگوں میں سے بھی کوئی اس دربار کی ملازمت سے سعادت اندوز ہوا تھا یا نہیں؟" اس نے عرض کیا "اس ذلت کو تو بندہ نے ہی قبول کیا ہے" بادشاہ نے اس صاف گوئی پر خوش ہو کر اسے معقول منصب دیا۔ خان کا خطاب عطا کیا۔

اور مخلص خاں بخشی کی پیشی کاری پر مامور کر دیا۔ اُس نے خطاب کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ حاجی محمد الزار نے بڑی دیانت داری، راستی اور حسن کارکردگی سے اپنے فرائض انجام دیے۔ آخر اپنی خدمت سے استعفا دے کر بیت اللہ جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ بادشاہ نے ازراہ عنایت وقدر دانی اس سے فرمایا تھا کہ " ہماری طرف سے بھی چند لاکھ روپیہ مکہ معظمہ کے خادموں کو پہنچا دو " حرمین شریفین کی زیارت کے بعد اس نے وہ رقم وہاں پہنچائی جب وہ وہاں سے لوٹ کر آیا تو راستہ ہی میں بیمار ہو گیا اور لشکر میں پہنچ نہ سکا اور تمک آباد پہنچنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ جب اس کی وفات کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے بہت زیادہ افسوس کا اظہار کیا۔

قلعۂ پرنالہ پر مرہٹوں کا قبضہ

ہرکاروں کے ذریعہ اطلاع ملی کہ رام راجہ کی فوجیں میدان میں آگئی ہیں اور جن قلعوں اور علاقوں پر بادشاہی لشکر کا قبضہ ہو گیا ہے ان کو تاخت وتاراج کرنے لگی ہیں۔ قلعہ پرنالہ بیجاپور کے ماتحت قلعوں میں نہایت مستحکم اور بلند قلعہ تھا اور بڑی محنت وجاں فشانی کے بعد قبضہ میں آیا تھا معمولی سی لڑائی کے بعد وہ رام راجہ کے آدمیوں کے ہاتھ چلا گیا۔ بادشاہی قلعہ دار بے خبر تھا۔ جب اسے مرہٹوں کے حملہ کی اطلاع ملی تو حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے تاہم اُس نے آخر تک مدافعت کی اور زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔

یہ بھی اطلاع ملی کہ رام راجہ جنجی کے محافظوں کی مدد کے لئے جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور فوجیں جمع کر رہا ہے۔ جب پرنالہ کے سقوط کی اطلاع ملی تو بادشاہ کو بہت رنج ہوا کچھ دیر تک وہ فکرمند رہا پھر بہرہ مند خاں سے کہا۔

" پرنالہ نرفت بیجاپور رفت " پرنالہ کیا گیا، بیجاپور چلا گیا، اب اس کی تلافی کی جلد فکر کرنی چاہیے۔ پھر بادشاہ نے بہرہ مند خاں کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنے کا ارادہ کیا اور فوجی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ بادشاہی سزاول مقرر کئے گئے کہ بہرہ مند خاں کے پیش خانہ کو جلد باہر نکالیں۔ اسی اثناء میں اطلاع ملی کہ شاہزادہ معزالدین نے قلعہ پرنالہ پر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اب یہ تجویز ہوئی کہ خود بادشاہ سلامت بیرم پوری تشریف لے جائیں اور وہاں چھاؤنی قائم کر کے ہر طرف فوجوں کو بھجوائیں۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے دربار کے بخشی ناراض ہو گئے تھے بادشاہ نے ان کی دل جوئی کی اور بدستور سابق خلعہ

پیش کرنے کی اجازت دے دی اور حاجت مندوں کے لئے ملازمت کے دروازے پھر سے کھل گئے۔

مرہٹہ سرداروں کی یلغار

(جلوس کا سینتیسواں سال مطابق سن گیارہ سو چار ہجری ۱۱۰۴ھ)

شیخ الاسلام کی حج سے واپسی

اس سال بادشاہی لشکر نے بیرم پوری پہنچ کر چھاؤنی ڈال دی۔ بیرم پوری کے متعلق حکم ہوا کہ اسے اسلام پوری لکھا جائے۔ یہاں امرا نے عمارتیں بنوائیں اور غریبوں نے چھپر ڈالنے شروع کئے۔

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں شیخ الاسلام کعبۃ اللہ چلے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ وہ حج ادا کئے۔ وہاں کے رہنے والوں اور سادات کو اپنے فیوض سے نوازا اور خیر جاریہ کی چیزیں تعمیر کرائیں اور حصول برکت کے بعد وہ لوٹ آئے۔ جب اس سال شیخ الاسلام کے بندرگاہ سورت پر پہنچنے کی خبر آئی تو بادشاہ نے اُن کو اعزاز و اکرام سے بھجوانے کا حکم صادر کیا۔ قاضی شیخ الاسلام، بادشاہ اسلام کی اطاعت امر کا خیال کرکے طوعاً وکرہاً حضور میں آ گئے۔ بادشاہ نے بھی بڑی توجہ اور عنایت کا اظہار کیا۔ شیخ الاسلام کے کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے بار بار عطر اور خوشبو لگاتے رہے، اور ان سے ترقی کے ساتھ منصب اور سابقہ خدمت اور عہدۂ صدارت کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ ان کو آمادہ کرنے کے لئے ہر طرح کی آؤ بھگت اور خدمت انجام دی مگر اس پیرو حق نے ملازمت اور منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب بادشاہ نے مزید اصرار کیا تو مجبور ہو کر مصلحتاً دفع الوقتی کے لئے درخواست کی کہ "اس وقت تو میں وطن کی رخصت کا خواستگار ہوں احمد آباد جا کر میں وہاں بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کروں گا کچھ عرصہ تک اہل و عیال کے پاس بسر کروں گا اور اپنے بعض غریب رشتہ داروں کے حقوق ادا کروں گا اس کے بعد جب بھی بادشاہ یاد فرمائیں گے میں رکابِ شاہی میں حاضر ہو جاؤں گا" بادشاہ نے

قبول کر لیا اور خلعت وغیرہ دے کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

بادشاہ نے پرناکہ، راج گڑھ اور دوسرے قلعوں کی تسخیر کے لئے جگہ جگہ فوجیں مقرر کر دی تھیں۔ فیروز جنگ حسب الحکم بہادر گڑھ میں چھاؤنی ڈالے ہوئے پڑا تھا۔ اس کے نام حکم گیا کہ وہ اپنی لشکر گاہ تو وہیں رکھے، مگر جریدہ نکل کر بادشاہی لشکر میں آجائے اور قلعوں کی تسخیر میں شرکت کرے۔

مرہٹوں کی شورہ پشتی

سنبھا کے قتل کے بعد رام راجہ کی طرف سے بہت سے نامی گرامی مرہٹہ سردار بادشاہی لشکروں کو تنگ کرنے اور چھاپے مارنے کے لئے چاروں طرف منتشر ہو گئے تھے اور فتنہ انگیزی کرتے پھر رہے تھے، تمام واقعات کا تذکرہ تو باعث طوالت ہے ہم ان میں سے ایک دو کا ذکر کرتے ہیں۔ مرہٹہ سرداروں میں سنتا گھورپڑے اور دھنا جادو نامی بڑے سردار تھے اور ان کے پاس پندرہ بیس ہزار جنگی سواروں کی فوج موجود تھی، اور دوسرے صاحب فوج مرہٹے بھی ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ان دونوں نے بادشاہی فوج کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ خاص طور سے سنتا نابکار نے شہری آبادیوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا تھا اور بادشاہی فوجوں کے مقابلہ پر آ گیا اس کے متعلق بڑی شہرت تھی کہ جو بھی اس کے مقابلہ پر جاتا ہے، یا تو مارا جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے یا لٹ لٹا کر ہزیمت اٹھا کر لوٹتا ہے چنانچہ جس طرف وہ ملعون فوج کشی کے لئے نکلتا تھا کوئی بھی امیر اس کے مقابلہ پر جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا جس سمت بھی رخ کرتا تھا تہلکہ مچا دیتا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل خاں یکہ دکن کا مشہور جنگ باز سردار تھا۔ ہم اس کی جنگ کی تفصیلات کو بیان نہیں کریں گے۔ بہرحال سنتا نے پہلے ہی حملہ میں اس کے قدم اکھاڑ دیئے اور اس کی فوجوں کو بری طرح لوٹ لیا اسمٰعیل خاں لڑتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا مرہٹوں نے اسے گرفتار کر لیا اور آخر چند ماہ تک قید رکھنے کے بعد بھاری رقم لے کر اس کو رہا کیا۔ اسی طرح رستم خاں عرف شرزہ خاں جو خود کو شیر شرزہ سمجھتا تھا ضلع ستارہ میں اس کے مقابلہ پر شکست کھا گیا اور اس کا بھیر بنگاہ سب مرہٹوں نے لوٹ لیا اور گرفتار ہو گیا اسے بھی کافی رقم لے کر مرہٹوں نے رہا کیا تھا۔ اسی طرح علی مردان خاں عرف حسینی بیگ حیدر آبادی نے جو چھ ہزاری منصب دار تھا۔ اس کے مقابلہ میں بڑی بہادری دکھائی مگر اس کی فوج بھی مرہٹوں کے ہاتھوں تباہ و تاراج ہو گئی۔ چند نامی گرامی سردار

مارے گئے اور علی مردان خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار ہوگیا مرہٹوں نے اس کو رہا کرنے کے لئے دو لاکھ روپیہ لیا تھا اور اس کے ہمراہیوں سے بھی کافی رقم وصول کی تھی۔

بادشاہی امیروں کی شکست

یہ ساری خبریں بادشاہ کو مل رہی تھیں جن سے بادشاہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔ جن دنوں بادشاہ نے خان جہاں بہادر کو صوبہ جات بنگالہ وغیرہ سے معزول کرکے بے پروبال اپنے حضور میں طلب کرلیا تھا اور اس کی جاگیر وغیرہ بھی ضبط کرلی تھی وہ بھی خفگی کی وجہ سے مجرا تسلیمات کے لئے کم ہی حاضر ہوتا تھا۔ ان دنوں جان نثار خاں تہور خاں ولد صلابت خاں کی کارگذاری اور بہادری کا بڑا شہرہ تھا۔ یہ نئے نئے میدان کارزار میں آئے تھے اور بڑھ چڑھ کر کارگزاری دکھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ خلد مکاں نے کئی بار ان کی تعریف وتوصیف کرکے خان جہاں بہادر کو مطعون کیا تھا۔ کرناٹک کی سرحد پر جان نثار خاں اور تہور خاں وغیرہ کا مقابلہ سنتا سے ہوگیا جو وہاں مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے مامور کئے گئے تھے جب لڑائی چھڑی تو دونوں طرف سے کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوگئے۔ آخر بادشاہی فوج کو ہزیمت ہوئی تمام فوج توپ خانہ بہیر وغیرہ غارت ہوگیا جان نثار خاں زخمی ہوگیا اور بہ مشکل اپنی جان بچاکر نکلا' تہور خاں بھی زخمی ہوگیا تھا اُس نے اپنے آپ کو لاشوں اور زخمیوں کے انبار میں چھپا لیا اور کیچڑ میں لت پت دم سادھے پڑا رہا اور اس طرح اپنی جان بچالی۔ اسی طرح دوسرے بہت سے روشناس عمدہ افسروں کو رسوائی اور بدنامی اٹھانی پڑی اور ایک بڑی تعداد دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی اور بعض حیلہ بہانہ کرکے جان بچائے گئے۔

خان جہاں بہادر کا تبصرہ

جب یہ خبر ملی تو بادشاہ کو سخت رنج ہوا مگر بظاہر یہی کہا۔ "اختیار بندہ نیست ہمہ از جانب اللہ است" بندہ کا کیا اختیار سب کچھ من جانب اللہ ہے۔ اتفاق سے اسی دن محمد مراد خاں جو ایک مدت سے خان جہاں بہادر کا دوست اور رفیق تھا دربار سے لوٹتے ہوئے خان جہاں سے ملنے چلا گیا۔ چونکہ میدان جنگ کی اس پریشان کن خبر کا ہر خیمہ میں ہی تذکرہ ہو رہا تھا خان جہاں بہادر نے بھی بطور شماتت کے محمد مراد خاں سے پوچھا "سنتا کی فتنہ انگیزی اور بادشاہی خانہ زادوں کی کارگذاری کا حال جب معلوم ہوا تو حضرت نے کیا فرمایا۔" محمد مراد خاں نے کہا

اس خبر کے پیش ہونے کے بعد زبان مبارک سے یہی ارشاد ہوا کہ ان کا کیا قصور یہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔ خان جہاں بہادر نے کہا - خیر عالم بالا میں عرض مکرر کا قصہ نہیں چلتا کر دے کر واپس لے لیں، جس کسی کو روز ازل میں جو کچھ وہاں سے دے دیا گیا بس دے دیا گیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ سپہ سالاری اور فوج کشی میں مجھے کبھی خفت و بے آبروئی اٹھانی نہ پڑی "۔

شاہ عالم کا خیمہ شاہ عالم شاہزادہ محمد معظم کا خیمہ قیدیوں کی بارک میں تھا بادشاہ نے اس کا خیمہ "گلال بار" (بادشاہی شامیانہ) کے متصل لگانے کا حکم دیا اور اسے مجرا کے لئے آنے کی اجازت دیدی کبھی کبھی اس کے لئے خاصہ سے ناشتہ اور پھل بھی بھجواتے رہے۔

انگریز بحری قزاقوں کے روپ میں

(جلوس کا اڑتیسواں سال مطابق سن گیارہ سو پانچ ہجری ۱۱۰۵ھ)

قلعہ چنجی کا محاصرہ شاہزادہ محمد کام بخش اور جمدۃ الملک اسد خاں اور ذوالفقار خاں نصرت جنگ چنجی کے قلعہ پر پہنچ گئے اور ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پر کیمپ لگا دیا اور قلعہ کی تسخیر کی تیاریاں شروع کر دیں قلعہ چنجی کا طول و عرض اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ چند پہاڑیاں ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں اور ہر ایک علیحدہ علیحدہ نام سے قلعہ کہلاتی ہیں۔ ان کے منجملہ دو بہت اونچے پہاڑ ہیں جن میں توپ خانہ کا سامان غذائی ذخیرہ اور اسلحہ وغیرہ کافی تعداد میں موجود تھا۔ ان تمام پہاڑیوں کے اطراف محاصرہ کرنا تو ممکن نہ تھا۔ اس لئے جہاں جہاں تک مورچہ بندی ہو سکی، بادشاہی لشکر نے مورچے تقسیم کر لئے اور نقب لگوانے و دمدمے باندھنے کی تیاری شروع کر دی۔ بادشاہی فوج اس تگ و دو میں تھی، ادھر قلعہ والے تجربہ کار قلعداروں کی طرح برج اور فصیل کے استحکام میں لگے ہوئے تھے مگر ان کی طرف سے ایسا استغنا ظاہر ہو رہا تھا جیسے بادشاہی لشکر کی آمد سے ان کو قطعاً کوئی اندیشہ اور پریشانی لاحق نہیں

ہوتی ہے بس کبھی کبھی ایک دو توپیں سر کر دیتے تھے۔

اس اثناء میں اطراف کے زمیندار اور مرہٹہ فوجیں لشکر کے دائیں بائیں سے چھاپے مارنے کے لئے نمودار ہوتی رہیں اور غلہ رسد وغیرہ کے راستے مسدود کر دیتے بعض اوقات موقع پاکر وہ مورچوں پر بھی حملہ کر دیتے تھے اور مورچوں کو تباہ کر کے کافی نقصان پہنچاتے تھے۔ بادشاہی فوجوں اور محصورین نے جو جو تدبیریں کیں اور لڑائیاں لڑیں ان کی تفصیلات تو بہت زیادہ ہیں۔ ان کے بیان کا موقع نہیں، میں بُعد مسافت کی وجہ سے اس معرکہ کے متعلق مختلف بیانات منتشر تھا۔ جو کچھ معلومات قابلِ اعتبار اور ثقہ ذرائع سے وصول ہوئیں انھیں کو میں یہاں درج کرتا ہوں۔

محاصرہ جب بہت طویل ہو گیا تو بہت سے آدمی شہید ہو گئے اور دشمن کا غلبہ بھی روز بروز بڑھتا گیا۔ کیونکہ قلعہ والوں کی کمک پر برابر امدادی فوجیں پہنچ رہی تھیں تاہم ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ اور دوسرے امراء نے بڑے دلیرانہ حملے کئے اور محصوروں کو بہت زیادہ تنگ اور مجبور کر دیا۔

شاہزادہ کام بخش کی گرفتاری

چونکہ فوج کشی کے سارے اختیارات اور مالی معاملات نیز اس ضلع کا بندوبست جمدۃ الملک کے اور نصرت جنگ کے ہاتھ میں تھا شہزادہ کام بخش کبیدہ خاطر رہتا تھا۔ نوجوانی اور ناتجربہ کاری کے سبب شہزادہ کی طرف سے بعض باتیں ایسی ہوتیں کہ جمدۃ الملک اور نصرت جنگ کو ان کے جواب میں نصیحت آمیز کلمات کہنے پڑے، ان کی زبان سے شاہزادہ کی نسبت چند سخت اور تلخ الفاظ بھی نکل گئے۔ یہ بات محمد کام بخش کی مزید خفگی کا سبب بن گئی۔ شاہزادہ کی کوشش یہی تھی کہ قلعہ کی تسخیر اس کے نام لکھی جائے اور یہ سردار اپنا نام روشن کرنے کی فکر میں تھے۔ یہ معاملہ طول پکڑ گیا اور دونوں طرف سے شدید رنجش اور اختلافات پیدا ہو گئے۔ جب محصوروں کو اس اختلاف کی خبر ملی تو انھوں نے شاہزادہ سے ربط ضبط رسل و رسائل کا سلسلہ جاری کر کے اس کو اور ہوا دی اور بادشاہی فوجوں میں بڑا انتشار اور بدنظمی پیدا ہو گئی۔

اسی دوران میں نابکار سنتا کی آمد آمد کا غل مچ گیا۔ اور مرہٹوں نے بادشاہی فوجوں کی ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ چند دن تک بادشاہ کے ہرکارے قاصد گرز بردار اور

احکام لشکر تک پہنچ نہیں سکے ۔ نہ شاہزادہ اور جمدۃ الملک کو بادشاہ کی خبر مل رہی تھی نہ بادشاہ کو ان کی ۔ البتہ طرح طرح کی وحشت انگیز افواہیں سارے لشکر میں پھیلی ہوئی تھیں ۔ اس صورت حال سے دشمن خوب فائدہ اٹھا رہا تھا ۔ چنانچہ اُس نے شاہزادہ کو تشویش ناک خبریں پہنچا کر قلعہ میں آ جانے کی دعوت دی اور مسلسل پیغامات بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ شاہزادہ بہت زیادہ ہراساں اور پریشان ہو گیا ۔ چنانچہ بعض کے قول کے مطابق اس نے جمدۃ الملک کی عداوت کے پیش نظر اور بادشاہ کے متعلق کسی اطلاع کے نہ ملنے کی وجہ سے قلعہ میں محصوروں کے پاس چلے جانے کا ارادہ تک کر لیا تھا ۔ مگر بروقت جمدۃ الملک اور نصرت جنگ کو اس کی اطلاع مل گئی اور انھوں نے اچانک محمد کام بخش کے لشکر میں پہنچ کر اس کے خیمہ کو گھیر لیا اور شہزادہ کو خبر ہونے تک اس کے سر پر جا پہنچے اور گرفتار کر لیا ۔

چنجی کے قلعوں پر قبضہ

میں اس وقت جب کہ بادشاہی لشکر میں بڑا انتشار اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی ۔ سنتا پچیس ہزار سواروں کا لشکر لے کر پہنچ گیا اور بادشاہی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ سنتا کی فوج کشی سے بادشاہی امراء اس قدر مجبور ہو گئے کہ انھوں نے رسد اور بار برداری کو اور بھاری ساز و سامان کو سنتا کی لوٹ مار کے لئے وہیں چھوڑ دیا اور اپنی فوجوں کو ایک دشوار گذار مقام پر پہنچا دیا ۔ مشہور تو یہی ہے کہ مصلحت وقت کے مطابق مصالحت اس شرط پر ہوئی کہ سنتا بادشاہی لشکر اور سرداروں کا راستہ چھوڑ دے کہ وہ جو کچھ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں لے کر چلے جائیں اور باقی ، بھیرو بنگاہ اور لشکر گاہ کا ساز و سامان سنتا لوٹ لے ۔ بہرحال دونوں سردار لڑتے بھڑتے ایک پہاڑ کی پناہ میں چلے گئے ، اور جان بچا لے جانے کو غنیمت جانا ۔ کچھ دن بعد جب سنتا وہاں سے دفع ہو گیا تو دوبارہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا ۔ آخر قلعہ والوں نے تنگ آ کر تمام قلعوں کو خالی کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئے ۔ ایک روایت کے مطابق ان کو کافی رقم دی گئی تھی تاکہ وہ قلعے سپرد کر دیں ۔

جب خلد مکاں کو شاہزادہ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو بادشاہ نے بظاہر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ کیونکہ اسی کے متصل قلعہ کے فتح ہو جانے کی خبر بھی مل گئی تھی ۔ بادشاہ نے دونوں امیروں کی کارروائی پر اظہار پسندیدگی ہی کیا مگر اس بات پر دل میں بہت زیادہ

خفگی اور گرانی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ شاہزادہ کو دونوں سرداروں کے ساتھ حضور میں طلب کر لیا۔ شاہزادہ حضور شاہ میں پہنچنے تک اسی طرح قید میں تھا۔ حاضر ہونے کے بعد بادشاہ نے جمدۃ الملک کو نصیحت آمیز کلمات کہے اور کچھ ناراضگی کا اظہار کیا اور شاہزادہ کی رہائی کا حکم دے دیا۔

انگریز قزاقوں کی لوٹ مار

اس سے پہلے ہم سمندر پر انگریزوں کی فتنہ پردازی اور سیدی یاقوت خان کی مہم کا ذکر لکھ چکے ہیں کہ وہ قلعہ جنی (بمبئی) پر پہنچ گیا تھا اور قلعہ فتح ہونے ہی والا تھا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اس سال ایک بادشاہی جہاز جس کا نام گنج سوائی تھا جدہ گیا ہوا تھا۔ بندرگاہ سورت میں اس سے بڑا کوئی اور جہاز نہیں تھا اور ہر سال بیت اللہ کے سفر پر جاتا تھا۔ جدہ اور مخہ میں گنج سوائی نے ہندوستان کا مال و اسباب فروخت کر کے باون لاکھ روپیہ کا زر سرخ اور ریال کمایا تھا۔ جہاز کا کپتان محمد ابراہیم نامی اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا۔ اس نے آہنی جال بنا کر رکھے ہوئے تھے کہ غنیم کے جہاز سے مقابلہ ہو جاتے تو میں آہنی جالوں میں غنیم کے جہاز کو پھانس کر گرفتار کر لوں گا۔ جہاز میں کافی سامان جنگ تھا اور اسی توپیں اور چار سو بندوقیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ جب گنج سوائی سورت سے آٹھ نو روز کے فاصلہ پر پہنچا تو انگریزوں کا ایک جہاز جو بادشاہی جہاز کے مقابلہ میں بہت چھوٹا تھا نمودار ہوا۔ اس میں گنج سوائی کے مقابلہ میں چوتھائی سامان جنگ بھی نہیں تھا۔ جب دونوں جہاز گولہ باری کی زد پر آ گئے تو پہلے بادشاہی جہاز نے توپ سر کی مگر بدقسمتی سے توپ پھٹ گئی اور لوہے کے ٹکڑے جو اڑے تو تین چار آدمی تلف ہو گئے۔ اسی اثناء میں دشمن کے جہاز کا ایک گولہ جہاز کی درمیانی لکڑی پر لگا اسے جہاز رانوں کی زبان میں "ڈول" کہتے ہیں اور جہاز کی سلامتی کا دار و مدار اسی ڈول پر ہوتا ہے گولہ لگنے سے گنج سوائی کا ڈول ناکارہ ہو گیا۔ انگریزوں کو بھی اس کا پتہ چل گیا اور انھوں نے دلیری سے جہاز پر یورش کر دی اور اپنے جہاز کو بادشاہی جہاز کے قریب لا کر تلواریں سونت لیں اور گنج سوائی میں کود پڑے نصرانی تلوار کی جنگ میں مسلمانوں سے جیت نہیں سکتے تھے۔ پھر جہاز میں کافی سامان حرب موجود تھا اگر اس وقت کپتان ثابت قدمی اور استقلال سے کام لیتا تو ان کو مار بھگاتا مگر

انگریزوں کے جہاز کے غلبہ کو دیکھ کر محمد ابراہیم کپتان جو جہاز کا فوج دار بھی تھا۔ ایسا بدحواس ہوا کہ جہاز کے نچلے حصہ میں عرشہ کے نیچے اُتر گیا۔ اس نے مخہ میں ترکی کنیزوں کو خریدا تھا اور اپنی داشتہ بنائے ہوئے تھا۔ ان کنیزوں کے سر پر رومال باندھا کر ان کے ہاتھ میں تلواریں دیدی تھیں اور ان کو مقابلہ پر آمادہ کر رکھا تھا۔ انگریزوں نے حملہ کر کے پہلے ان کنیزوں کو گرفتار کر لیا اور سارے جہاز پر قابض ہو گئے۔ جو کچھ جہاز میں سرخ و سفید زر نقد تھا نکلوا کر مع اسیروں کے اپنے جہاز پر پہنچا دیا۔ ان کا جہاز اس نئے بار سے بہت زیادہ بوجھل ہو گیا تھا، اور وہ اپنے ملک کو یہ سارا بوجھ لے کر جا نہیں سکتے تھے اس لئے وہ اپنے جہاز کے ساتھ بادشاہی جہاز کو لے کر اپنے تعلقہ سے قریب ایک ساحل پر پہنچے اور تقریباً ایک ہفتہ تک مال کی تفتیش کر کے جہاز والوں کو برہنہ کر دیا اور جوان بوڑھی تمام عورتوں کی بے آبروئی کی اور پھر جہاز کو اور جہاز والوں کو چھوڑ دیا۔ اسی موقع پر بعض غیرت مند عورتوں نے قابو پا کر اپنے آپ کو دریا میں گرا دیا اور چند ایک نے چاقو اور خنجر چلا کر خود کو ہلاک کر لیا۔

اس سانحہ کی اطلاع بادشاہ کو بھیجی گئی اور بندرگاہ سورت کے سوانح نگار نے اس رپورٹ کے ساتھ انگریزوں کا سکہ بھی حضور میں بھیجا جو وہ ممبئی (بمبئی) میں اپنے بادشاہ کے ناپاک نام سے جاری کئے ہوئے تھے۔ ان اطلاعات پر بادشاہ نے انگریز گماشتوں کو گرفتار کر لینے کے احکام بھیجے جو بندرگاہ سورت میں تجارت کرتے تھے اور بندرگاہ سورت کے متصدی اعتماد خاں اور سیدی یاقوت خاں کے نام ممبئی (بمبئی) کے قلعہ کو فتح کر لینے کا فرمان صادر کیا۔ اس فساد انگیزی کا مقدمہ برسوں تک چلتا رہا۔

انگریز گماشتوں کی گرفتاری

انگریز اس کی ذمہ داری لینے سے انکار کر رہے تھے اور صاف مکر گئے تھے کہ یہ ان کی قوم کے کرتوت ہیں پھر وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ سابقہ خفت اور شرمندگی کے سبب یاقوت خاں بادشاہ سے آزردہ خاطر ہے اس لئے انھوں نے ڈھٹائی سے اپنے قلعوں کو مستحکم و مضبوط کر لیا اور آمد رفت کی راہوں کو بالکل مسدود کر دیا۔ ادھر بندرگاہ سورت کا متصدی جبشی کے قلعہ کے استحکام اور بندوبست کی اہمیت کو خوب محسوس کرتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا تدارک ممکن نہیں ہے اور ان ٹوپ والوں سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں اسے اندیشہ تھا کہ

بندرگاہ سورت کو مالی اعتبار سے بہت زیادہ نقصان پہنچے گا۔ اس کو بادشاہی رقوم اور سرکاری محاصل کی بڑی فکر رہتی تھی۔ بادشاہی محصول میں سے وہ ایک روپیہ بھی کم ہوتا ہوا دیکھ نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے بہ ظاہر حکم شاہی کے مطابق انگریز گماشتوں کو قید کردیا تھا مگر اندر ہی اندر وہ انگریزوں کی اس بدنامی کو دور کرنے کے لئے کوشش کرتا رہا۔ جب انگریزوں کو ان گماشتوں کے قید ہونے کی اطلاع ملی تو وہ سمندر یا ساحل پر جہاں کہیں بھی کسی بادشاہی منصب دار کو پاتے تھے قابو پاکر گرفتار کرلیتے تھے اور ان کو اپنے گماشتوں کے عوض قید کردیتے تھے۔ اس طرح یہ قضیہ بہت طول پکڑ گیا تھا۔

بمبئی کے انگریز گورنر سے ملاقات

جن دنوں یہ قضیہ چل رہا تھا بمبئی کے انگریز حاکم سے میری ملاقات کا کچھ عجب اتفاق ہوا۔ میں (مصنف) ان دنوں عبدالرزاق خاں لاری فوجدار راہیری کے ماتحت تھا اور بندرگاہ سورت کے پٹہ داروں سے جو بندرگاہ سورت میں صاحب اختیار تھے اور انھوں نے بادشاہی ذخیرہ اور عبدالرزاق خاں کے ذخیرہ کا پٹہ خریدا تھا۔ تقریباً دو لاکھ روپیہ کی نقدی اور سامان لے کر راہیری جا رہا تھا میرا راستہ سمندر کے کنارے فرنگیوں کے تعلقہ سے گذر کر جب انگریزوں کے تعلقہ بمبئی کی سرحد پر پہنچا تو مجھے عبدالرزاق کی تحریر ملی اور میں اس کے حسب ہدایت سیدی یاقوت خاں کے بدرقہ کے انتظار میں دس بارہ روز وہاں ٹھیر گیا۔ چونکہ عبدالرزاق خاں کے اور انگریزوں کے درمیان حیدرآباد کے قدیم تعلق کی بنا پر روابط تھے اس لئے اس نے انگریز حاکم کو بھی میرے لئے بدرقہ بھیجنے اور میری مدد کرنے کے لئے لکھ دیا تھا۔ انگریز حاکم نے اپنے دیوان کے بھائی کو اظہار اخلاص کے طور پر سرحد میں داخلہ دلانے اور مجھے اپنے ساتھ لانے کے لئے بھجوایا تھا۔ سرحد پر فرنگیوں کے تعلقہ کے کپتان نے اور میرے ہمراہیوں نے بھی اس مال واسباب کے ساتھ انگریزوں کی سرحد میں داخل ہونے سے بہت روکا مگر میں خدا پر توکل کرکے روانہ ہوگیا۔ انگریز حاکم کے دیوان کا بھائی میرے ساتھ تھا میں نے اس سے کہہ دیا کہ ملاقات کے وقت اگر جہاز کے قضیہ کا ذکر چھڑ گیا تو میں اُس کو منہ دیکھا جواب نہیں دوں گا، بلکہ کھری کھری بات ہی کہوں گا۔ انگریز کے وکیل نے بھی جو اس معاملہ کو طے کرانا چاہتا تھا اور انگریزوں کو نصیحت دینے کا حامی تھا مجھے بھی مشورہ دیا کہ آپ اطمینان کے ساتھ اس کو نصیحت کریں اور اس سے کھری کھری

بات ہی کہی۔

بمبئی میں خافی خاں کا استقبال

جب میں بمبئی کے قلعہ میں داخل ہوا تو دروازہ سے راستہ کے دونوں طرف بارہ بارہ چودہ چودہ سال کے لڑکے بندوقیں کاندھے پر رکھے قطار میں کھڑے ہوئے تھے کچھ آگے جانے کے بعد سبزہ آغاز نوجوان شان دار وردی پہنے پُرتکلف بندوقوں کے ساتھ دو رویہ صف باندھے ہوئے تھے۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد دراز ریش ایک ہی عمر کے انگریز اسی لباس اور ہتھیاروں کے ساتھ کھڑے ہوئے نظر آئے۔ ان کے بعد نوجوان ڈاڑھی مونڈے ہوئے برقنداز بڑی آراستہ اور مکلف وردیوں میں ملبوس تھے ان کے آگے سفید ڈاڑھی والے انگریز زربفت کی وردیاں پہنے کاندھوں پر بندوق رکھے بجے بجاتے کھڑے تھے۔ ان کے بعد سال خوردہ انگریزوں نے جو ٹوپ پہنے ہوئے تھے اور ان کی ٹوپیوں کے کناروں پر مروارید کا حاشیہ تھا۔ دونوں طرف صف بندی کر رکھی تھی۔ غرض دروازہ سے اس مکان تک جس میں اُن کا حاکم تھا، تقریباً سات ہزار مکلف و متقطع برقنداز اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے داغ محلہ اور معائنہ کے وقت فوجوں کی صف بندی ہوئی ہے۔

انگریز گورنر سے گفتگو

جب میں اس جگہ پہنچا جہاں وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تو میرے سامنے جاتے ہی انگریز حاکم بڑے تپاک سے کھڑا ہوگیا اور اپنے طریقہ پر سلام میں پیش قدمی کی اور معانقہ کیا۔ اور اپنے سامنے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خیریت، کیفیت کے بعد بڑی تلخ و شیریں راست و درشت باتیں ہوئیں وہ عبدالرزاق خاں سے اخلاص و محبت کا اظہار بھی بہت زیادہ کرتا رہا۔ ان ہی باتوں کے دوران جب اس نے پہلی بار انگریز گماشتوں کو (سورت میں) قید کرنے کا سبب دریافت کیا تو میں نے خدا اور رسول کو اپنا حافظ سمجھتے ہوئے خوب کھری کھری سُنائی کہ "تمھارے آدمیوں نے جو نازیبا حرکت کی تھی وہ انتہائی احمقانہ تھی تم اسی لئے اس کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتے ہو مگر یہ تو ایسی بات ہے کہ ساری دنیا میں سورج چمک رہا ہو اور کوئی عقلمند یہ پوچھ بیٹھے کہ بھلا بتاؤ دھوپ کہاں ہے" اس نے جواب دیا "جو لوگ ہم سے دشمنی رکھتے ہیں وہ دوسروں کا الزام ہمارے سر لگا رہے ہیں آپ کو کیسے یقین آگیا کہ یہ قصور ہمارے آدمیوں نے کیا ہے اور آپ آخر کس دلیل اور ثبوت کی وجہ سے

اس کے قائل ہو گئے"۔ میں نے کہا "اس جہاز میں میرے جاننے والے مال دار آدمیوں کی ایک جماعت تھی ان کے علاوہ دو تین درویش بھی تھے جو دنیاداری کی آلائشوں سے بالکل پاک تھے میں نے ان کی زبان سے سُنا ہے کہ جہاز کو لوٹتے اور لوگوں کو قید کرتے وقت جو گروہ سامنے آیا تھا ان کا لباس اور شکل صورت انگریزوں کی تھی۔ ان کے ہاتھوں اور بدن پر زخم کے نشان اور داغ تھے اور وہ اپنی زبان میں کہہ رہے تھے کہ "یہ وہ داغ ہیں جو سیدی یاقوت خاں کے محاصرہ کے وقت ہم کو پہنچے تھے اور آج ان کا داغ ہمارے دل سے نکل گیا۔ یعنی ہم نے بدلے لیا۔ ان کا ہی ایک ساتھی ہندی اور فارسی زبان بخوبی جانتا تھا اس نے ان کی باتوں کا ترجمہ کرکے ہم کو سُنایا۔

انگریز گورنر کی دروغ گوئی

جب اس نے میری یہ بات سُنی تو قہقہہ لگا کر کہا ٹھیک ہے انھوں نے ایسا ہی کہا ہوگا، مگر یہ ان انگریزوں کا گروہ ہے جو یاقوت خاں کے محاصرہ کے وقت زخمی ہوئے تھے اور یاقوت خاں نے ان کو قید کرلیا تھا۔ ان ہی میں سے بعض از خود ہم سے جدا ہو کر اس حبشی سے مل گئے اور مسلمان ہو گئے تھے یہ لوگ کچھ عرصہ یاقوت خاں کے پاس رہے پھر موقع پاکر اس کے پاس سے بھاگ نکلے چونکہ ہمارے پاس آنے کی شکل نہیں تھی۔ اس نے ڈینک مار والوں کے پاس جن کو سکنہ بھی کہتے ہیں اور یہ سمندروں پر قزاقی کرتے ہیں چلے گئے ہیں اور ان کے ملازم بن کر جہازوں کو لوٹتے پھرتے ہیں تمھارے بادشاہ کے آدمی ان پر قابو نہیں پاتے اور ہم کو مورد الزام ٹھیراتے ہیں"۔ اس کے جواب میں مسکراتے ہوئے میں نے کہا "تمھاری حاضر جوابی اور دانائی کی جو تعریف میں نے سُنی تھی دیکھ بھی لی تمھاری طبع آزمائی پر آفریں کہ تم نے اس مقدمہ پر بے سوچے سمجھے فی البدیہہ ایسی معقول تمہید باندھ دی، مگر تم یہ خاطر نشیں کرلو کہ بیجاپور اور حیدرآباد کے موروثی بادشاہ اور نابکار سیتھا میں سے کسی کو عالمگیر بادشاہ کے ہاتھوں نجات نہیں ملی۔ اس جزیرہ ممبئی کا کیا حشر ہوگا، ظاہر ہے"۔ پھر میں نے اس سے سوال کیا کہ "یہ روپیہ پر اپنا سکہ لگانا کیا سرکشی کا ثبوت نہیں ہے؟" اس نے جواب میں کہا "ہم ہر سال مال تجارت کے منافع میں کافی بڑی رقم اپنے ملک کو بھیجتے ہیں۔ ہندوستان کے بادشاہی سکہ میں مبادلہ کرتے وقت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کے بادشاہی

سکہ میں مبادلہ کرتے وقت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کے روپیہ والے سکہ میں بہت زیادہ کھوٹ نکل آتا ہے اور خرید و فروخت کے وقت یہاں جزیرہ میں بڑا مناقشہ ہوتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس پر اپنا نشان لگا کر اپنے تعلقہ میں رائج کیا ہے۔ سکہ کے علاوہ اور بھی مسائل پر میری اُس سے کافی بات چیت ہوئی۔ بعض باتیں اس کو ناگوار بھی گذریں۔ مگر عبدالرزاق خاں کا لحاظ کرکے اور اپنے امان دینے کے عہد و قرار کی وجہ سے اُس نے ضبط سے کام لیا اور رخصت ہوتے وقت جیسا کہ ان کا رواج ہے بڑی خاطر تواضع کی اور ضیافت کا سامان مہیا کیا مگر میں نے پہلے ہی یہ شرط لگائی تھی کہ رسمی تکلفات کا اہتمام نہ کیا جائے۔ اس لئے صرف عطر اور پان پر ہی میں نے اکتفا کیا اور اس خطرہ سے صحیح سلامت چلے آنے کو غنیمت جانا۔

انگریزوں کی قزاقی کا طریقہ

جزیرہ ممبئی (بمبئی) کا کل محصول کہ وہاں زیادہ تر ناریل اور تاڑ ہوتا ہے دو تین لاکھ سے زیادہ نہیں ہے اور ان مکار انگریزوں کی تجارت کا سرمایہ بیس لاکھ سے زائد کا نہیں ہے۔ باقی ان کی ناپائدار حکمرانی کا سارا دارو مدار سمندر کی قزاقی پر ہے کہ یہ کعبۃ اللہ جانے والے جہازوں کو ایک دوسال درمیان میں وقفہ کرکے لوٹ لیتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ جس وقت جہاز ہندوستان کا مال و اسباب بھر کر مکہ اور جدہ کی بندرگاہ پہ جاتے ہیں تو ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتے مگر جب وہ وہاں مال تجارت فروخت کرکے زر سرخ و سفید اور ابراہیمی سکے (اشرفیاں) اور ریال کما کر لوٹتے ہیں تو جاسوسی کرکے پہلے ہی پتہ لگا لیتے ہیں کہ کون سا جہاز زیادہ مالیت لا رہا ہے بس اسی پر حملہ کر دیتے ہیں۔ مرہٹوں نے بھی حبشیوں کے نوساختہ قلعہ، جزیرہ کے مقابل کھندیری "طلایہ" کا سر، کوژہ کے بحری قلعے بنا رکھے ہیں اور وہ ان کے اطراف جنگی کشتیاں تیار رکھتے ہیں اور سمندر میں موقع پاکر دست اندازی کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح قوم سنگنہ بھی جو "بواریل" کے نام سے بھی مشہور ہے اور صوبہ احمد آباد کے تعلقہ سورت کے مفسدوں میں شمار ہوتی ہے بحری قزاقی کرتی ہے مگر یہ لوگ مسقط اور بندر عباس سے آنے والے چھوٹے جہازوں پر چھاپہ مارتے ہیں بیت اللہ جانے والے بڑے بڑے جہازوں پر حملہ کرنے کی ان کو کبھی جرأت نہیں ہوئی نہ وہ ان سے مقابلہ کی جسارت کرسکتے ہیں اور یہ انگریز اپنی بدنامی کو اسی سنگنہ قوم کے سر منڈھنا چاہتا ہے

مرہٹے بادشاہی فوج کے مقابلے پر

اس سال کے واقعات میں قاسم خاں اور خانہ زاد خاں جس کا خطاب روح اللہ خاں ثانی بھی تھا اور صف شکن خاں اور دوسرے نامی گرامی امراء کے تباہ و تاراج ہونے کا واقعہ بھی ہے یہ لوگ سنتھا گھور پورہ کے اسیر ہو گئے تھے۔ ہم اس واقعہ کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

جب سنتھا کی تاخت و تاراج کی اطلاعات مسلسل بادشاہ کو ملیں تو روح اللہ خاں کو صف شکن خاں خوافی اور شاہزادہ محمد کام بخش کے بخشی محمد مراد خاں کے ہمراہ شاہزادہ کی فوج دے کر بھیجا گیا اس فوج میں مختار خاں کا چچا زاد مرزا حسن اور دکن کے دوسرے امراء بھی تھے فوج پچیس ہزار طومار کی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ۲۵ ہزار طومار میں پانچ چھ ہزار سواروں کی ہی نفری ہوتی تھی۔ اس لشکر کو متعین کیا گیا کہ وہ ضلع و تدبیر کے فوجدار قاسم خاں کی مدد سے اس بدنہاد کافر کی سرکوبی کرے۔ کیونکہ سنتھا ان دنوں اسی علاقہ میں گشت لگا رہا تھا قاسم خاں کے پاس بھی ایک منظم فوج اور آراستہ توپ خانہ تھا۔ امراء شاہی اس سے جا کر مل گئے۔ جب سنتھا کو اطلاع ملی تو ایک طویل مسافت طے کر کے مقابلہ پر آیا۔

سنتا کا بادشاہی فوج پر حملہ

ایک دن جب کہ قاسم خاں غنیم کے مقابلہ کا ارادہ کر کے فوج کو تیار کر چکا تھا اور اپنا پیش خانہ آگے روانہ کر دیا تھا اور بطور ہراول سوار بھی ہو گیا تھا، اور اس کے پیچھے روح اللہ خاں دوسرے سرداروں کے ساتھ بڑے نظم و ترتیب سے کوچ کر رہا تھا، قاسم خاں کے ہرکاروں نے آکر خبر دی کہ دشمن کی فوج کا ایک دستہ پیش خانہ پر پہنچ چکا ہے اور لوٹ مار میں لگا ہوا

ہے بڑے بڑے خیموں کو انھوں نے آگ لگا دی ہے اور تقریباً دس بارہ ہزار سواروں نے روح اللہ خاں کی بار برداری پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ اور بادشاہی فوج کو پریشان کر رکھا ہے اور سات آٹھ ہزار سوار روح اللہ خاں اور قاسم خاں کے درمیان حائل ہو گئے ہیں۔ قاسم خاں کو یہ خبریں ملیں تو اس نے سرداروں کی کمک پر جانا چاہا مگر ہر طرف لڑائی چھڑ گئی تھی اور غنیم اس کے مقابلہ پر بھی آ گیا تھا۔ غرض اسی دن غروب آفتاب تک بڑی خوں ریز جنگ ہوئی بہادر لشکریوں نے بڑی داد مردانگی دی، مگر بادشاہی لشکر کی ساری باربرداری اور مال و اسباب غارت ہو گیا۔ اس دن روح اللہ خاں اور محمد مراد خاں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ لوٹ مار کے سبب اس دن نہ آدمیوں کو اور نہ جانوروں کو کھانے پینے کا کچھ سامان نہیں ملا تھا مگر تمام سرداروں نے شب خون کے خیال سے ہاتھیوں پر رات بسر کی اور فوج کے سواروں نے گھوڑوں کی باگیں تھامے ہوئے رات گزار دی۔ دوسرے دن صبح جیسے ہی سورج طلوع ہوا مرہٹوں نے پھر شوخی اور شرارت کا آغاز کیا اور بڑی سخت لڑائی چھڑ گئی جس میں مرزا حسن نامی گرامی آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہید ہو گیا غیر معروف آدمیوں کی بھی ایک بڑی جماعت کام آ گئی۔ لاشوں کی اتنی کثرت تھی کہ مرزا حسن اور چند معروف سرداروں کی لاشیں باوجود تلاش بسیار کے مل نہ سکیں، محمد مراد خاں کا بیٹا خداداد بھی زخمی ہو کر گھوڑے سے اتر گیا تھا اور پیادہ ہو گیا تھا اور تین چار دن تک اس کا بھی پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کہاں رہ گیا۔

بادشاہی لشکر کی ہزیمت

تین دن تک بادشاہی فوج کو مرہٹے گھیرے رہے اور وہ مغلوبانہ جنگ کرتی رہی۔ جب حالات بہت تنگ ہو گئے تو سرداروں نے قاسم خاں کی فوج داری کے تعلقہ دندیری کی گڑھی میں پناہ لینی چاہی۔ مگر مرہٹوں نے اس کو بھی چاروں طرف سے حلقہ کر لیا تھا۔ دن بھر لڑتے بھڑتے آخر بادشاہی فوج گڑھی کے نیچے شام کے وقت پہنچ گئی۔ ان تین دنوں میں لشکر والوں کے منہ میں کھیل بھی اڑ کر نہیں گئی تھی، بھوکے پیاسے لڑتے رہے تھے! اس رات کو گڑھی والوں نے گھاس اور دانہ بھیجا، وہ بھی خاص خاص آدمیوں کو ہی مل سکا۔ تین چار روز تک لشکر گڑھی کی دیوار کی پناہ میں اپنے سامنے مورچہ بندی کرکے دشمن کے حملوں کو روکتا رہا۔ لشکر کے جانور بیل اونٹ گھوڑے سب مرہٹوں کی دست برد میں

چلے گئے تھے۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ میں گڑھی کے دروازے کھل نہ سکے تھے اور اندرو باہر آمد و رفت کا راستہ بالکل مسدود تھا اس لئے قلعہ کے نیچے بقال اور باشندے دیوار پر سے ہی غلہ اتارتے تھے اور جس کے ہاتھ غلہ آجاتا اُسے دو پیہ دو روپیہ آثار کے حساب سے فروخت کرتے تھے۔

چوتھے پانچویں دن دشمن کے لشکر میں خبر ملی کہ خان جہاں بہادر کا بیٹا ہمت خاں بہادر جس کی بہادری کی بڑی شہرت تھی اور دربار سے اس کے نام کمک کا پروانہ گیا تھا مقابلہ پر آرہا ہے سنتھا نصف فوج کو یہاں چھوڑ کر بقیہ نصف کے ساتھ ہمت خاں کا راستہ روکنے چلا گیا۔ مگر جب ہرکاروں نے آکر اسے اطلاع دی کہ ہمت خاں کے مقابلہ پر رام راجہ نے ایک اور فوج بھیج دی ہے تو اس طرف کے بندوبست سے مطمئن ہو کر اس نے تیز رفتار جاسوسوں کو متعین کر دیا اور خود لوٹ آیا۔

قلعہ دندیری میں پناہ

اس درمیان میں بادشاہی فوج پر بڑا تنگ وقت آگیا تھا۔ قاسم خاں، روح اللہ خاں اور صف شکن خاں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔ تینوں نے خفیہ طور پر مشورہ کر کے گڑھی میں داخل ہو جانے کا فیصلہ کر لیا محمد مراد خاں اور دوسرے ہمراہیوں کے مورچے چونکہ زیادہ فاصلہ پر تھے۔ اس لئے ان کو وہ اطلاع نہ دے سکے۔ پہلے تو انھوں نے یہ شہرت دی کہ غنیم کے تاخت و تاراج سے بچے ہوئے سازو سامان کو وہ اندر بھیج رہے ہیں تاکہ سبک بار ہو کر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے نکلیں۔ اس بہانہ اپنے سارے کارخانے اندر بھجوا دیئے۔ پہلی رات قاسم خاں گشت کے بہانے نکلا۔ چونکہ دروازہ کے راستہ داخل ہونا بوجوہ چند خلاف مصلحت تھا۔ اور دروازہ پر دوسرے سرداروں اور عام لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم تھا اس لئے دیوار پر کمند کی طرح رسیاں ڈلوا کر وہ دیوار پر چڑھ گیا اور قلعہ میں پہنچ گیا بعد میں روح اللہ خاں اور صف شکن خاں اژدحام عام میں دھکے کھاتے ہوئے بڑی چپقلش کے بعد گڑھی میں داخل ہوئے۔ محمد مراد خاں اور دوسرے ہمراہی امیروں کو اطلاع ملی تو وہ بھی بہ مشکل تمام اندر پہنچ سکے۔ اس وقت صف شکن خاں نے محمد مراد خاں کی طرف رخ کر کے کہا دیکھو کیسا مردانہ وار ہم لوگ اندر داخل ہوئے ہیں "محمد مراد خاں کے بھانجے سلطان حسین نے جس کو خلد مکان کے عہد میں طالع یار خاں کا خطاب ملا تھا۔ جھنجھلا کر جواب دیا" تُف

ہے تمھارے اس مردانہ وار آسلنے پہ کہ اس پر اتراتے بھی ہو" دوسرے تمام ہمراہیوں نے بھی اس کو بڑی لعنت ملامت کی۔

ہولناک محاصرہ

بہرحال یہ لوگ تقریباً ایک ماہ تک اس چار دیواری میں محصور رہے۔ روز بروز محاصرہ سخت ہوتا جارہا تھا اور اندر حالات بہت نازک ہو گئے تھے۔ یہ حالت ہوگئی کہ بہت سے سواری اور باربرداری کے جانور جو ہلاک ہوتے گئے تھے ذبح کرکے کھالیتے۔ جو غلہ گڑھی کے ذخیروں اور کنوؤں میں بڑے اہتمام وتلاش سے جمع کرلیا گیا تھا۔ اس میں سے قاسم خاں بڑے بڑے سرداروں کے نام کی باقاعدہ فہرست بناکر فی کس نیم آثار کا اناج دیتا تھا جس میں گندم مسور جوار اور چنا ہوتا تھا ان سب کو اکٹھا جوش دے کر کھالیا کرتے تھے۔ عام لوگ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے بہت سے بھوک کی تاب نہ لاکر دیوار پر سے نیچے کود گئے اور غنیم کے لشکر میں پناہ لے لی ان میں سے بہت سے پیشہ ور تھے جو اپنی کمر میں روپے اور اشرفیاں باندھ کر نیچے پہنچے تھے۔ سنتا کے آدمیوں نے ان کی کمریں کھلوا کر ساری رقم ہتھیالی اور ان کو گرفتار کرلیا۔ اس دوران میں غنیم کے بازار کے آدمی پھل پھلاری اور مٹھائیاں گڑھی کے نیچے لاکر منہ مانگے داموں پر گڑھی والوں کو فروخت کرتے رہے محصور ین رقم چادر میں باندھ کر دیوار سے نیچے لٹکا دیتے تھے اور سودا خرید کر اوپر کھینچ لیتے تھے اس طرح تھوڑی بہت غذا مل جاتی تھی۔

مرہٹوں سے قول وقرار

آخر گڑھی میں جو کچھ آذوقہ تھا ختم ہوگیا غلہ کے مال کے علاوہ پانی کی قلت بھی شدید تھی پھر ساری گڑھی میں لوگوں کی کثرت سے بڑا تعفن اور گندگی پھیل گئی تھی اور لوگ جان سے بیزار ہو گئے تھے۔ اسی دوران میں قاسم خاں فوت ہوگیا۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس نے زہر کھالیا تھا اور دوسری روایت کے مطابق اسے افیون کی عادت تھی جو مل نہ سکی اور یہ پریشانیاں الگ جان کھاگئیں۔ بہرحال وہ مرگیا۔ آخر روح اللہ خاں اور دوسرے سرداروں نے صلح کی پیش کش کی اور جان کی امان کا قول طلب کیا اور اس کے عوض ہر ایک نے جان بہا کے طور پر لاکھوں روپیہ دینا قبول کرلیا کہ سرداروں کو بدن کے کپڑوں اور سواری کے گھوڑے کے ساتھ مرہٹے نکل جانے دیں۔ جب روح اللہ خاں اور دوسرے سرداروں کے دیوان فوج میں متعین ایک دکنی زمیندار کے ساتھ سنتا کے پاس گئے اور سرداروں کی

رہائی اور رقم کے تعین کی گفتگو کی تو اس نے کہا جو ہاتھی گھوڑے اور نقد مالیت ان کے ہمراہ ہے اس کے علاوہ میں ایک لاکھ ہون سے (جو ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے مساوی تھا) کم نہیں لوں گا اس نمک حرام دکنی نے آہستہ سے اس سے کہا۔ یہ کیا بات تو نے کہی کچھ اور سخت مطالبہ کر، یہ رقم تو میں صرف روح اللہ خاں کے لئے تجھے دلا دوں گا" آخر تمام سرداروں کے لئے سات لاکھ پر معاملہ طے پایا۔ اور یہ قرار پایا کہ ہر شخص جان کی امان کے اس احسان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اپنے حصہ رسدی کے مطابق دستاویز لکھ کر دے دے اور رقم کی وصولی تک اپنے کسی عزیز یا اپنے عمدہ اور معزز آدمی کو بطور یرغمال سنتا کے پاس چھوڑ دے۔ سنتا کے آدمی گڑھی کے دروازہ پر متعین ہوں گے جو سرداروں کو تو بدن کی پوشاک اور سواری کے ایک گھوڑے کے ساتھ اور دوسروں کو صرف بدن کے معمولی کپڑوں کے ساتھ چھوڑتے جائیں گے، باقی جو کچھ زر نقد جواہرات ہاتھی گھوڑے اور اسباب ہوگا وہ ضبط کرلیں گے۔ جتنی رقم قرار پائی تھی سنتا اس کا نصف بھی وصول نہ کر سکا۔ کیونکہ جو لوگ یرغمال میں تھے۔ ان میں سے اکثر موقع پاکر مرہٹوں کی قید سے نکل بھاگے تھے اور خود وہ بھی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچ گیا۔ مگر اس حادثہ میں بادشاہی خزانہ کی ساری رقم جو فوج کے ہمراہ دی گئی تھی اور امیروں کا اپنا روپیہ اور جواہرات تاخت وتاراج ہو گئے۔ اس جنگ اور محاصرہ میں اس کافر کے ہاتھوں پچاس ساٹھ لاکھ سے زائد کی رقم پہنچ گئی۔ جب بادشاہ کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو اگرچہ یہ آفت ساری فوج پر ہی آئی تھی۔ سرداروں کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ محض تقدیر الٰہی کا کرشمہ تھا۔ بادشاہ نے رنج و افسوس کے سبب چند دن تک ان امیروں کو حاضری سے منع کر دیا تھا۔ پھر ہر ایک کو مختلف صوبہ جات میں دور دست خدمات پر متعین کر کے روانہ کر دیا۔

ہمت خاں سے مقابلہ

سنتا نے بادشاہی فوج کے معاملہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہمت خاں بہادر کا رخ کیا جو بادشاہی فوج کے محصور ہو جانے کی خبر سن کر یلغار کرتے ہوئے چلا آرہا تھا۔ سنتا نے ہمت خاں کے مقابلہ پر پہنچ کر اپنے لشکر کو دو فوجوں میں تقسیم کر دیا اور دونوں طرف سے پیش قدمی کی۔ دونوں فوجوں میں کوئی سولہ کوس کا فاصلہ تھا۔ ہمت خاں کا مقابلہ دوسری فوج سے جس میں

سنتا بھی تھا ہوا۔ یہ جنگ بھی بڑی سخت تھی ہمت خاں نے بڑی بہادری سے جنگ کی اور مرہٹے بڑی تعداد میں مارے گئے۔ ہمت خاں کے بھی بہت سے ساتھی شہید ہوئے۔ سنتا کو ہزیمت ہوئی مگر وہ بادشاہی فوج کو تعاقب میں لگاکر دوسری فوج کی طرف لئے جا رہا تھا۔ ہمت خاں برابر اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ سنتا نے ہمت خاں کے راستہ میں دشوار گذار جنگلوں کے اندر جگہ جگہ درختوں پر اپنے برقندازوں کو بٹھا دیا تھا۔ کالیہ قوم کے برقنداز جو (گوریلا لڑائی) اس فن میں ماہر تھے۔ گھنے درختوں کے جھنڈ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ہمت خاں کی سواری اس مقام پر پہنچی۔ اچانک بندوق کی گولی اس کی پیشانی پر لگی اور وہ سانس لئے بغیر اسی وقت شہید ہوگیا اور تمام باربرداری ہاتھی اور کارخانے جو ہمت خاں کے ہمراہ تھے۔ سب کے سب بجنسہ سنتا کے ہاتھ پڑ گئے۔

مرہٹہ سردار سنتا کا عبرتناک انجام

(جلوس کا انچاسواں سال مطابق سن گیارہ سو چھ ہجری ۱۱۰۶ھ)

اعظم شاہ کی بیماری

شاہزادہ محمد اعظم شاہ کھرپہ کی طرف غنیم کی سرکوبی اور بندوبست کے لئے گیا ہوا تھا۔ آب وہوا کے اختلاف کی وجہ سے بیمار ہوگیا۔ آخر وہ مرض استسقا میں مبتلا ہوگیا۔ بادشاہ نے اسے حضور میں طلب کرکے "گلال بار" (بادشاہی خیمہ گاہ) میں ٹھیرایا اور شاہزادہ کے علاج کے لئے ماہر اطباء مقرر کئے۔ شاہزادہ چونکہ پرہیز نہیں کرتا تھا طبیبوں نے اس کی بدپرہیزی کی شکایت بادشاہ سے کی۔ آخر مرض اس قدر شدید ہوگیا کہ طبیب عاجز آگئے۔ بادشاہ نے شاہزادہ کا پلنگ اپنی خوابگاہ کے پاس ڈلوا دیا تھا۔ اور خود بادشاہ اس کو دوا اور پرہیزی غذا کھلاتے تھے۔ اور بڑی پابندی سے علاج اور تیمارداری کا انتظام کرلیا۔ یہاں تک کہ اللہ کی مہربانی سے شاہزادہ کو کامل شفا ہوگئی۔

شہزادہ کام بخش کی ہٹ دھرمی

خواجہ یاقوت محرم خاں سختی اور بدسلوکی میں بدنام تھا حیا اور مروت تو اس سے کوسوں دور تھی بادشاہ

نے اسے شاہزادہ کام بخش کی اتالیقی پر مقرر کیا تھا مگر شاہزادہ جوانی کی ترنگ میں کبھی اُس کی باتوں کو کان دھر کر نہیں سنتا تھا، اُس کی بدصورتی اور بدخوئی کے سبب شاہزادہ اور اس کے ہمراہی خاص طور سے کوکہ وغیرہ بہت تنگ آگئے تھے اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ سالِ رواں کے ماہ جمادی الاوّل کے وسط میں جب کہ شہزادہ دربار سے واپس ہو رہا تھا اور محرم خاں اس کے پیچھے ہی نکلا تھا۔ ایک دو شاخہ تیر کسی طرف سے جس کا پتہ نہ چل سکا، آیا اور محرم خاں کے پیٹ میں پیوست ہوگیا۔ چونکہ اس کا ہاتھ پیٹ پر تھا اس لئے موت ٹل گئی۔ تیر اُس کے ہاتھ کو معمولی طور پر زخمی کر کے پیٹ پر جا لگا، مگر پیٹ کا اندرونی پردہ نہیں پھٹا، محرم خاں اسی طرح زخمی ہاتھ اور زخمی پیٹ کے ساتھ کہ خوناں خوں ہو رہا تھا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اور پیٹ میں کھبے ہوئے تیر کو دکھاتے ہوئے شاہزادہ کے ہمراہیوں کے اس ستم کی فریاد کی، کیونکہ اس کا گمان غالب، بلکہ یقین تھا کہ یہ حرکت شاہزادہ کے ہمراہیوں کی ہے۔ بادشاہ نے دربار کے کوتوال کو تحقیقات کرنے اور تیر کے مالک کو تلاش کرنے پر مامور کردیا۔ تفتیش میں شاہزادہ کے پانچ ہمراہیوں کے نام کوتوال نے بادشاہ کے سامنے پیش کئے جن میں سے چار تو جمع دار تھے اور ایک شاہزادہ کا کوکہ (دودھ شریک بھائی) مُدّو نامی تھا۔ یہ پانچوں اوباش وضع اشخاص تھے۔ حکم ہوا کہ پانچوں کو گرفتار کر کے قید کر دیں، اور تحقیقات کریں۔ چاروں جمع داروں نے جو شاہزادہ کے محرم راز اور ہم نشیں تھے اور اس معاملہ میں بے گناہ تھے حکم کی اطاعت کی اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ مگر مُدّو یہ حکم "الخائن خائف" خیرہ سری پر اتر آیا شاہزادہ نے بھی اس کی پشت پناہی کی اور اس کی بے گناہی ثابت کرنے لگا۔ جب اس کی اطلاع ہوئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ شہزادہ کا بخشی خواجہ محمد اس کو گرفتار کر کے حضور میں لائے ورنہ اسی جگہ اس کو توال کے ساتھ اس مجرم تیرانداز کی سختی سے تحقیقات کرے۔ خواجہ محمد نے اس کو بڑی نصیحت کی اور نرمی سے سمجھا بجھا کر ساتھ چلنے پر راضی کر لیا اور اپنے ساتھ دولت خانہ شاہی پہرے آیا مگر دروازہ پر پہنچتے پہنچتے اس کو ایسا ہراس اور وسوسہ ہوا کہ وہ خواجہ محمد کو غافل پا کر اس ہجوم میں داخل ہو گیا جو شاہزادہ کے ساتھ چلا آ رہا تھا اور بادشاہزادہ کی پناہ میں آگیا۔ جب بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو شاہزادہ محمد کام بخش کے نام حکم صادر ہوا کہ اس کو اپنے ہمراہیوں سے جدا کر کے کوتوال کے آدمیوں

کے سپرد کر دو اور اسے اپنے لشکر سے خارج کر کے اس کا گھر بار ضبط کر لو۔ شاہزادہ نے خفیہ طور پر اس نے وعدے کے ساتھ دو سو اشرفی اور ایک مختصر خیمہ اور ضرورت کا ساز و سامان دے کر اپنی کسی جاگیر میں بھیج دینا چاہا اور رخصت کے وقت روتے ہوئے اس سے بغل گیر ہوا محرم خاں کی زبانی یہ بات بھی بادشاہ تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ باہر نکلتے ہی اسے گرفتار کر لو اور شاہزادہ ہر روز کے دستور کے مطابق مجرا تسلیمات کے لئے حاضر ہو جائے۔ محمد کام بخش کو معلوم ہوا تو اس نے جواب میں کہا "میں اس کو خود سے جدا نہیں کروں گا" پھر اس نے اپنی کمر سے پٹہ کھول لیا اور اس کا اور اپنا ہاتھ اس کمر پٹہ سے باندھ کر کھڑا ہو گیا جب اس حرکت کی اطلاع ہوئی۔ بادشاہ نے حکم دیا دونوں کو عدالت میں لے جا کر بٹھا دو اور مخلص خاں بخشی سے کہا گیا کہ وہ شاہزادہ کو جا کر نصیحت آمیز پیغام دے اور اس کو اس نامناسب ارادہ سے باز رکھے۔ اس پیغام کا بھی کوئی اثر شاہزادہ پر نہیں ہوا بلکہ شاہزادہ کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ آخر حمید الدین خاں بہادر کو مقرر کیا گیا کہ وہ جا کر مہدو کو شاہزادہ سے جدا کر دے اور اسے کوتوال کے حوالہ کر دے۔ حمید الدین خاں نے وہاں پہنچ کر حکم کی تعمیل کرنی چاہی۔ تو شہزادہ نے اپنی کمر سے کٹار کھینچ کر اس پر حملہ کر دیا۔ حمید الدین خاں نے ہاتھ بڑھا کر کٹار پکڑ لی، اس میں اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا، مگر اس نے چاروں طرف سے شاہزادہ کو گھیر کر مہدو کو ڈنڈے لات گھونسے مار کر شاہزادہ سے جدا کر دیا۔ اور قید خانہ میں بھجوا دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہزادہ کو بھی گرفتار کر کے جواہر خانہ کے نزدیک، ایک مختصر خیمہ میں قید کر دیں۔ اسے منصب سے بھی معزول کر دیا۔ جاگیر اور سارے کارخانے ضبط کر لئے۔ آخر صحبت بد رنگ لا کر رہی اور شاہزادہ کا یہ حشر ہوا ؎

صحبت سفلہ چو انگشت نماید نقصان

گرم سوزد بدن و سرد کند جامہ سیاہ

شہزادہ شاہ عالم کی رہائی انہی دنوں شاہزادہ بہادر شاہ عرف شاہ عالم کی تقدیر نے کروٹ لی اور سات سال کی نظر بندی اور قید کے بعد اس کی رہائی کے احکام صادر ہوئے۔ بادشاہ نے بدستور سابق شاہانہ عنایات سے اس کی عزت افزائی کی اور حکم دیا کہ شاہزادہ اپنی سرکار کے متصدیوں (گماشتوں) کو اپنی پسند سے خود چن لے اور شاہزادہ کے تمام کارخانے اور لاؤ لشکر جو ضبط ہو گئے تھے

بحال کر دیئے جائیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ساز و سامان ضروری ہو وہ فی الفور سرکاری توشک خانہ سے نکلوا کر شاہزادہ کے متصدیوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ جس طرح طبیب شفا پانے والے مریض کو کمزوری کے دنوں آہستہ آہستہ پرہیز توڑنے اور غذا بڑھانے کی تجویز کرتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہ روز بروز حکیمانہ تدبیرے شاہ عالم کی قدر و منزلت بڑھانے اور عنایات و اعزازات عطا کرنے میں مشغول تھا۔ شاہ عالم پر ان شاہانہ توجہات کو دیکھ کر شاہزادہ محمد اعظم شاہ اور اس کے مقربوں کے سینہ پر سانپ لوٹنے لگا۔

قاضی شیخ الاسلام کی وفات

قاضی شیخ الاسلام بیت اللہ سے لوٹنے کے بعد بادشاہ سے رخصت لے کر وطن کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اس سال ان کو طلب کرنے کے لئے بادشاہ کے بار بار فرمان صادر ہوتے۔ مجبوراً وہ احمد آباد سے نکلے۔ راستہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد خدا سے دعا کی کہ دوبارہ بادشاہی خدمات کی آلودگی سے محفوظ ہی رکھ۔ اللہ نے دعا قبول کر لی، اور اثنائے راہ میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہ مالک حقیقی کی خدمت میں پہنچ گئے۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت رنج و افسوس کیا اور فرمایا۔

"کس قدر مبارک احوال تھے کہ بیت اللہ سے مراجعت کے بعد دنیا کی آلودگی سے پاک صدائے حق پر لبیک کہی"۔

حقیقت یہ ہے کہ خاندان تیموری میں اس جیسا حق پرست، صالح، متدین، قاضی نہیں گذرا۔ پہلی بات تو یہی کہ اپنے باپ قاضی عبدالوہاب کے ترکہ کو کہ مرحوم نے لاکھوں اشرفی روپے جواہرات املاک چھوڑی تھی، تمام اپنے بھائیوں اور دوسرے وارثوں پر تقسیم کر دیا اور کافی رقم اللہ کے راستہ میں مستحقوں کو دیدی۔ اور خود اس ترکہ سے اپنے لئے ایک پائی تک نہیں لی۔ دوسرے یہ کہ جب قضاءت کا منصب ان کو تفویض کیا گیا تو بڑے اصرار کے بعد ناخوشی سے قبول کیا اور آخر تک برابر استعفا دینے کی فکر میں رہے۔ مگر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ ان کو چھوڑتے نہیں تھے۔ یہاں تک بیجاپور اور حیدرآباد کی مہم شروع ہو گئی۔ اور جب بادشاہ نے اس مہم کے جواز کے لئے ان سے فتویٰ طلب کیا تو انھوں نے بیت اللہ کا احرام باندھنے کی رخصت حاصل کر لی اور دنیا کی آلودگی اور آخرت کی بازپرس سے بچنے کی سبیل نکال لی۔ جیسا کہ ہم

تکہ آئے ہیں۔ اس مقام متبرک پر پہنچنے کے بعد انھوں نے وہاں کے محتاجوں مستحقوں ور شرفا کو کافی رقم پہنچائی اور دو تین کام خیر جاریہ کے کئے اور بڑی عزت وآبرو کے ساتھ لوٹ کر آئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے سلطانی ملازمت کے بندھنوں سے اُن کو بچا لیا اور وہ عالم بقا کی طرف رخصت ہو گئے۔

جس زمانہ میں وہ قاضی القضات تھے کسی بے غرض شناسا تک سے کوئی تحفہ اور ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ظالموں، جفاکاروں کی رشوت کا کیا ذکر وہ چونکہ جانتے تھے کہ صاحب غرض مدعی اور شرعی وکیل جھوٹے گواہوں کو اکثر پیش کرتے رہتے ہیں اور حقیقی ثبوت کا علم صرف ذات خداوندی کو ہوتا ہے۔ اس لئے بیانات اور شہادتوں کے گذرنے کے باوجود مقدمہ کی تنقیح پر فیصلہ دینے میں تامل ہی کرتے تھے۔ ان کی پوری کوشش یہ رہتی تھی کہ کسی طرح مدعی اور مدعا علیہ میں باہم صلح اور رضامندی کرا دیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کے مالک تھے ؎

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
ظالماں رفتند و لعنتہا بماند

فوجی بھرتی کا نیا ضابطہ

شہزادہ محمد اعظم کے مقربوں اور ہم نشینوں میں مصطفیٰ خاں کاشی بھی تھا جو پٹھانوں میں مستعد اور باکمال سردار سمجھا جاتا تھا۔ بڑا بلند ہمت صاحب تدبیر آدمی تھا، اس کا دسترخوان بھی بہت وسیع تھا۔ ذاتی شجاعت وبہادری بھی اس کے سوا تھی۔ شہزادہ کی سرکار میں ہی اُس نے ترقی کے مدارج طے کئے تھے۔ شہزادہ کی سرکار میں بڑی بدنظمی تھی، کوئی بندوبست اور انتظام نہیں تھا۔ اسی لئے اخراجات آمدنی سے زیادہ تھے۔ سات سات آٹھ آٹھ ماہ تک سپاہیوں کے واجبات باقی رہتے تھے۔ مصطفیٰ خاں نے شاہزادہ کی سرکار اور کاروبار میں اثر ورسوخ پیدا کر کے بڑی دیانت داری سے سارے معاملات سرانجام دینے شروع کئے اور ہر چیز کے لئے قاعدے اور ضابطے مقرر کر دیئے۔ مصطفیٰ خاں نے فوج کی بھرتی ونگاہداشت کا ایک نیا دستور مرتب کیا کہ سرکار میں چھ ہزار سواروں سے زائد بھرتی نہ کی جائے۔ اس تعداد سے زائد سوار اگر سفارش کی وجہ سے یا بہترین آدمیوں کے رجوع کرنے کی صورت میں یا کسی مہم کے پیش آنے پر رکھ لئے جائیں تو جب تک چھ ہزار

سواروں میں کوئی نوبت یا فرار نہ ہو جائے۔ نئی بھرتی کی تنخواہ جاری نہ کی جائے اس قاعدہ کے نفاذ کے بعد فوج کی اور شاگرد پیشہ کی تنخواہوں میں تاخیر کی شکایت اور نالش رفع ہو گئی اور فوج بھی ہر وقت دس بارہ ہزار رہنے لگی (جس میں چھ ہزار تنخواہ یاب مستقل ہوتے تھے اور چھ ہزار اُمیدوار) کچھ عرصہ بعد تمام شاہزادوں کی سرکار میں یہی قاعدہ رائج ہو گیا۔ صرف شاہ عالم کی سرکار اس سے مستثنیٰ تھی۔ اب شاہزادوں کی سرکار کی ملازمت بھی بادشاہی سرکار کی مستقل ملازمت کی سطح پر آ گئی۔

مصطفیٰ خاں پر بادشاہی عتاب

مصطفیٰ خاں نے اپنی خوش اسلوبی اور خوش قسمتی کے سہارے شاہزادہ کے دل میں بڑی جگہ پیدا کر لی اور اس قدر مقرب بن گیا کہ سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں آ گئے۔ شاہزادہ اس کے صلاح مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ شاہزادہ کی جو بات بھی بادشاہ کے خلاف مرضی ہوتی تھی بادشاہ سمجھتے تھے کہ یہ اسی تجربہ کار افغان کی سکھاوٹ ہے۔ یہ بات بادشاہ کے دل پر گرانی پیدا کرتی رہی اور افغانوں کے سابقہ رویہ کے پیش نظر وہ نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہی گھرانے میں افغان قوم اس قدر دخیل اور بارسوخ ہو جائے۔ بارہا شاہزادہ کو اس کے اختیارات کو گھٹانے کی نصیحت کر چکے تھے، مگر شاہزادہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اسی اثناء میں مصطفیٰ خاں سے ایک حرکت ایسی سرزد ہوئی کہ بادشاہ کو بہت زیادہ ناگوار گذرا اور اسی وقت اسے بے منصب کر کے سخت گیر سزاول مقرر کئے کہ اسے شاہزادہ کے لشکر سے خارج کر کے سورت کی بندرگاہ میں پہنچا دیں۔ بندرگاہ کے متصدی کے نام حکم صادر ہوا کہ اسے جہاز پر سوار کر کے بیت اللہ روانہ کر دیا جائے۔

مصطفیٰ خاں کی سرگذشت

میں (مصنف) نے بندرگاہ سورت میں بارہا خود مصطفیٰ خاں کی زبان سے سُنا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میرا باپ بہت غریب آدمی تھا اُس نے باوجود عسرت اور پریشانی کے مجھے تعلیم دلائی۔ جس دن میرے باپ کا انتقال ہوا، میں صرف چودہ سال کا نو عمر لڑکا تھا اور گھر میں اتنا بھی نہیں تھا کہ باپ کے کفن دفن کا انتظام ہو جاتا۔ تیسرے دن فاتحہ سے فراغت پانے کے بعد میں نے فکر معاش میں سفر کا ارادہ کر لیا اس وقت افغانوں کی

ایک جماعت دارالخلافہ کو جا رہی تھی جب میں نے والدہ سے اس قافلہ کے ساتھ جانے کے لئے اجازت چاہی تو میری ماں نے روتے ہوئے میرا دامن تھام لیا اور کہنے لگی۔ "اس عمر میں اور اس بے سروسامانی کے عالم میں تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تم کو کس طرح جانے دوں، اور کس طرح تمہاری جدائی کو برداشت کروں" میں نے ماں سے کہا۔ "مادرِ مہربان! اس میں شک نہیں ماں اپنے بچہ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے مگر اللہ کی پاک ذات ماں سے بھی ستر گنا زیادہ اپنے بندہ پر مہربان رہتی ہے۔ تم مجھے اسی خدا کے حوالہ کر دو اور مجھے نہ روکو" ماں نے جب میری زبان سے یہ بات سنی تو آنسو بہاتے ہوئے کہا "اچھا جا! میں نے تجھے اسی خدا کے سپرد کیا جس کی تو نے تعریف و توصیف کی ہے"۔ اس حالت سے میں آخر اس مرتبہ پر پہنچا کہ ہندوستان کا بادشاہ اس عظمت و جلال کے باوجود مجھ سے اندیشہ ناک ہو گیا۔ اس صورت میں مجھ پر تو ہر لمحہ اللہ کا شکر واجب ہے: مصطفیٰ خاں مزید بیان کرتا تھا کہ "جب بادشاہ نے مجھ پر عتاب کر کے میرے اخراج کا فیصلہ کر دیا اور مجھے بیت اللہ روانہ کرنے کے احکام صادر کر دیئے تو میں کعبۃ اللہ چلا گیا۔ حرمین شریفین کی زیارت کی میرا ارادہ تھا کہ چند دن اور میں اسی برکتوں والے مقام پر ٹھیرا رہا ہوں، مگر باوجود اس کے کہ میں نے شریف مکہ کو ہدیے اور تحائف پہنچائے تھے اس نے اپنے رویہ اور معمول کے مطابق مجھ سے اور زیادہ مطالبات کرنے شروع کئے میں ان کی پابجائی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے واپس ہونے کا فیصلہ کر لیا اس وقت ہندوستان کا قافلہ بھی واپس جا رہا تھا:

مصطفیٰ خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ واپسی کی تیاری کر لی اور شریف سے رخصتی ملاقات کے لئے گیا اور اسے چند معقول باتیں کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شریف کے آدمیوں نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا تھا مگر شریف نے ان کو روک دیا اور عذر معذرت کر کے خاطر تواضع کی اور اسے رخصت کر دیا۔ جب وہ ہندوستان لوٹ آیا تو شاہزادہ نے بہت کوشش کی کہ اس کے قصوروں کی ضمانت دے کر اس کو معافی دلا دے مگر اس کو کامیابی نہیں ہوئی حالانکہ بادشاہ کا معمول تھا کہ جو بھی معتوبانِ شاہی بیت اللہ سے واپس آتے تھے اکثر ان پر مہربانی کر کے دوبارہ ان کو خدمت و تقرب کے مواقع فراہم کر دیتا

تھا مگر مصطفیٰ خاں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کی واپسی کے بعد بادشاہ نے سورت کی بندرگاہ پر طلبی کے احکام بھیج دیئے تھے مگر ان احکام سے قصوروں کی معافی کا عندیہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مصطفیٰ خاں جب اورنگ آباد پہنچا تو وہ وہاں بادشاہ کے ذوق اور پسند کی رعایت سے فقیرانہ لباس پہن کر ہی آیا تھا اور باریابی کے دن بھی اس نے بیت اللہ کا متبرک خرقہ پہنا تھا آخر اس نے بادشاہ سے گوشہ نشینی کی اجازت لے لی اور اورنگ آباد میں ہی بقیہ عمر تک گوشہ نشین رہا۔

تصنیف نہیں تالیف

مصطفیٰ خاں نے ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس کے ذریعہ کلام اللہ کی آیت سورت اور رکوع کے تعین کے ساتھ بآسانی نکل آتی تھی۔ شاہزادہ نے ایک دن وہ رسالہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کردیا اور عرض کیا۔ "یہ مصطفیٰ خاں کی تصنیف ہے" بادشاہ نے مطالعہ کے بعد فرمایا "اسے تصنیف نہیں تالیف کہو" شہزادہ نے عرض کیا۔ چونکہ اب تک کسی دوسرے نے اس موضوع پر فکر نہیں کی ہے اس لئے اسے تصنیف کہہ سکتے ہیں" بادشاہ نے جھنجلا کر کتب خانہ کے داروغہ کو حکم دیا کہ "اس موضوع پر اس سے پہلے بھی ایک رسالہ لکھا گیا ہے کتب خانہ سے نکال کر شہزادہ کو دکھادو"۔ بہرحال مصطفیٰ خاں کی روبکاری کی پھر کوئی صورت نہیں نکلی مگر وہ نیک انجام آدمی تھا کہ معاملہ بس اتنے پر ہی ختم ہوگیا اور زیادہ ضرر اٹھانا نہیں پڑا کیونکہ بادشاہوں کے قرب و مصاحبت میں اپنے عمل و کردار کے مطابق ہر ایک کو بڑے بڑے انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

شاہزادوں کی باہمی رقابت

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ جن دنوں شہزادہ شاہ عالم نظر بند تھا۔ بادشاہ کی توجہات شہزادہ محمد اعظم پر زیادہ رہی تھیں اور اعظم شاہ اپنے آپ کو مستقل ولی عہد سمجھنے لگ گیا تھا مگر اب جو بڑے شاہزادہ کی رہائی عمل میں آگئی اور بادشاہ نے اسے مطلق العنان بنا کر پہلے سے زیادہ اس پر مہربانی کا اظہار کیا تو شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو بہت رنج ہوا اور روز بروز اس کے غم و غصہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ جب بادشاہ اور شہزادے عید الفطر کی نماز پڑھنے عیدگاہ میں گئے تو بادشاہ نے بڑے شاہزادہ کو پہلے ہی اشارہ کردیا تھا کہ مصلے پر بیٹھتے وقت وہ سیدھے ہاتھ پر بیٹھے سجادہ پر پہنچنے کے بعد بادشاہ نے تلوار کی

پٹی کھول کر محمد اعظم شاہ کے ہاتھ میں تھما دی اور اس کو اس طرح مشغول کر دینے کے بعد شاہ عالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینہ سے ہاتھ پر بٹھا لیا محمد اعظم شاہ پیچ وتاب کھاتے ہوئے کچھ دیر تک بادشاہ کے پیچھے اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس دن اعظم شاہ کا پارہ بہت چڑھ گیا تھا اور قریب تھا کہ ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ پر بادشاہ کا رعب داب اور ہیبت ایسی تھی کسی کو چون وچرا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اعظم شاہ بھی خون کے گھونٹ پی کر چپ بیٹھ گیا۔

شاہ عالم کا اکبر آباد پر تقرر

بادشاہ نے شاہزادہ محمد معظم کو جس کا پہلے خطاب شاہ عالم تھا۔ بہادر شاہ کا لقب عطا فرمایا اور اکبر آباد کے بندوبست اور وہاں کے مفسدوں کی سرکوبی کے لیے مستقل انتظام کے ساتھ با اختیار بنا کر رخصت کر دیا۔ شہزادہ کے اکبر آباد پہنچ جانے کے بعد شاہزادہ معز الدین اور محمد عظیم کو بھی باپ کے پاس بھجوا دیا۔ اکبر آباد میں کچھ عرصہ گذرنے کے بعد بادشاہ نے ولیعہد بہادر کو بیٹوں کے ساتھ صوبہ کابل کے بندوبست پر مامور کر دیا اور شہزادہ معز الدین کو ملتان کے صوبہ پر مقرر کیا کیونکہ ملتان سے ایک مشہور فرقہ تلپی نامی کے شورش وفساد کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ یہ لوگ فقیروں کے بھیس میں فتنہ انگیزی کرتے پھر رہے تھے۔

وضو کا حوض

خلد مکاں نے وضو کرنے کے لئے تانبہ کا ایک چھوٹا سا مربع حوض بنا رکھا تھا۔ اور امام محمد کی روایت کے مطابق کہ اگر مصلی کے ہاتھ پاؤں پاک ہوں، تو خواہ پانی کا ظرف کتنا ہی چھوٹا ہو (یعنی حوض کی گہرائی کم ہی کیوں نہ ہو) اس سے ایک دو آدمی وضو کر سکتے ہیں" بادشاہ اسی حوض کے پانی سے وضو کرتے تھے۔ ایک دن ایک عالم نے جو بادشاہ کا تقرب رکھتا تھا۔ اس مسئلہ میں کچھ عرض کیا مگر بادشاہ نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔ چند دن بعد اسی عالم نے شیخ عبدالرحمن مفتی دربار کے اشارہ اور اتفاق سے اس سلسلہ میں پھر عرض کیا بادشاہ نے خفگی سے اسے جواب دیا کہ " میں مسئلہ سے اس قدر ناواقف نہیں ہوں کہ اپنی عبادت کا نقصان کئے رہوں " انہی دنوں شیخ عبدالرحمن مفتی کعبۃ اللہ کے لئے اجازت

لے کر چلے گئے۔ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد جب وہ سورت کی بندرگاہ واپس آئے تو وہاں امانت خاں مرحوم کا بیٹا امانت خاں خوانی متصدی تھا اس نے حاجی عبدالرحمٰن کو ضیافت پر بلایا۔ میں (مصنف) بھی اس محفل میں حاضر تھا۔ امانت خاں نے مذکورہ پانی کے حوض میں بادشاہ کے وضو کے متعلق مسئلہ دریافت کیا حاجی عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ "ان کا عمل درست نہیں ہے"؛ ہم نے تو بارہا اس سلسلہ میں عرض کیا مگر انھوں نے سُن کر نہیں دیا۔ کیا کریں وہ تو بادشاہ ہیں" اس مجمع میں خواجہ دیوانہ کے خاندان کا ایک شاگرد بھی تھا۔ خواجہ دیوانہ توران کے اکابر زادوں میں بڑے مشہور آدمی تھے۔ ان کا خاندان تین پشتوں سے بندرگاہ سورت میں سکونت رکھتا ہے۔ غرض اس شاگرد نے اس پانی سے وضو کے جواز کی روایت امام محمد کے قول کے مطابق معتبر فتوؤں کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کی۔ حاجی عبدالرحمٰن نے" اس کے جواب میں بگڑ کر کہا" اس قول پر عمل کرنے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو مصلی کے ہاتھ اور پاؤں کی ظاہری طہارت لازمی ہے۔ عام آدمیوں کا اس احتیاط پر عمل پیرا رہنا ممکن نہیں، ہاں بادشاہ اور بڑے لوگ اس پر عمل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، مگر اس صورت میں اہل تشیع کے لئے گفتگو کی گنجائش نکل آتی ہے"؛ بہرحال خلد مکاں عرصۂ دراز تک اسی حوض میں وضو کرتے رہے۔

مرہٹہ سرداروں میں نفاق

اس سال خلد مکاں کو غیب سے یہ فتح میسر آئی کہ سنتا کے گروہ کا قلع قمع ہو گیا اور وہ بدکردار جہنم رسید ہوا۔ اس نابکار کے مارے جانے کے متعلق مختلف روایتیں سننے میں آئی ہیں مگر جو معتبر اور ثقہ لوگ اس لشکر میں تھے۔ ان کی زبان سے سُنی ہوئی تفصیلات کو ہم مختصر لکھتے ہیں۔

ملعون سنتا کے تاخت و تاراج کا سلسلہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ انہی دنوں غازی الدین خاں فیروز جنگ بیجاپور سے چار پانچ منزل پر سنتا اور دوسرے سرکشوں کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا اسی اثناء میں فیروز جنگ کا بیٹا قلیچ خاں غنیم کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں اور نامی گرامی سرداروں کے ساتھ جو امدادی فوج لے کر آئے تھے بادشاہی لشکر کے نواح میں پہنچ گیا تھا۔ اسی دن باپ سے اس کی کچھ ناچاقی ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ مع فوج بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا اور باپ کے

پاس واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب فیروز جنگ کے لشکر میں دلیر خاں کا بھائی حامد خاں، عرف عبدالروف بیجاپوری اور لطف اللہ خاں رہ گئے تھے۔ دوسرے تمام امیر اور افسر اور فیروز جنگ کا بھائی بھی قلیچ خاں کے ہمراہ چلے گئے تھے۔ اس وقت خبر ملی کہ سنتا گھور پڑہ ۲ ہزار سوار کا لشکر لے کر آٹھ نو کوس پر آگیا ہے۔ فیروز جنگ نے سنتا کی شہرت اور غلبہ کے پیش نظر کہ بڑے بڑے جنگ باز بھی اس کا نام سن کر ڈر جاتے تھے اس وقت لڑائی کو مناسب نہ جانا کیونکہ اس کے پاس فوج بہت کم رہ گئی تھی۔ یہی طے کیا کہ بظاہر مقابلہ کے لئے سوار ہونے کی شہرت دی جائے مگر لڑائی نہ چھیڑی جائے۔ چنانچہ میر منزل کو راستہ بنانے اور پیش خانہ نکالنے کا حکم دے دیا مگر خود سوار ہو کر گشت کے بہانہ بیجاپور چلا گیا۔

جب بیجاپور سے آٹھ نو کوس پر پہنچا تو جاسوسوں کی زبانی سنتا کے متعلق کچھ اور ہی خبریں ملیں۔ مرہٹوں میں اس وقت سنتا اور دھنا جادو دو ہی بڑے سردار تھے اور دونوں خود کو سیناپتی (دکن کی اصطلاح میں سپہ سالار کو کہتے ہیں) جتلاتے تھے۔ دھنا جادو قدیم مرہٹہ سردار تھا اور دوسرے مرہٹوں اور سنتا کے مقابلہ میں وہ بادشاہی امراء کے ساتھ نسبتاً لحاظ مروت سے ہی پیش آتا تھا۔ سنتا اس پر اپنی برتری ظاہر کرتا رہتا تھا اس لئے دونوں میں رنجش پیدا ہوگئی تھی، اور وہ ایک دوسرے کے خلاف موقع کے متلاشی رہتے تھے۔ سنتا دوسرے مرہٹہ سرداروں کی نسبت سزائیں دینے میں بہت شدید تھا معمولی معمولی تصور پر لوگوں کو ہاتھی کے نیچے ڈلوا دیتا تھا اکثر مرہٹہ سردار بھی اس سے عداوت رکھتے تھے اور خفیہ طور پر سنتا کی جڑ کاٹنے کے لئے دھنا جادو سے نامہ و پیام کرتے رہتے تھے اور انھوں نے اس کے خلاف سازش بنا رکھی تھی۔ اس وقت جب کہ وہ بیجاپور کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا ایک مرہٹہ سردار ہنومت راؤ نے جو بڑا مشہور سردار سمجھا جاتا تھا دھنا جادو کے اشارہ پر بلکہ اس کی فوج کی مدد سے سنتا کے لشکر پر حملہ کر دیا اور اس کے بھیر کو لوٹ لیا اس نے سنتا کے بڑے بڑے ہمراہیوں کو بھی درپردہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چنانچہ اس کے حملہ آور ہوتے ہی سنتا کے ساتھ کے بڑے بڑے راؤ تے ہنومت راؤ سے مل گئے اور سنتا بے پر وبال اپنی کوہستانی پناہ گاہ کی طرف بھاگ گیا۔

سنتا کا تعاقب

جب یہ خبر فیروز جنگ کے لشکر کو ملی تو لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور غازی الدین خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کے تعاقب کا فیصلہ کر لیا اسی وقت بادشاہ کے دستخط خاص سے فرمان بھی پہنچا کہ ان بدبخت سرداروں کے باہمی نفاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنتا ملعون بہت جلد اپنی سزا پائے گا۔ سپہ سالار فیروز جنگ بلاتاخیر اس کا تعاقب شروع کردے تاکہ اس بدخصلت کی سرکوبی اور فتح اس مخلص فرزند (فیروز جنگ) کے نام لکھی جاتے اور وہ ملعون پھر اپنے قدم نہ جما سکے۔ حکم شاہی کے پہنچتے ہی فیروز جنگ نے جو بھی فوج تھی ساتھ لی اور اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس وقت اس بدبخت کے تعاقب میں ایک طرف سے بادشاہی فوج جا رہی تھی اور دوسری طرف سے دھنا جادو کی فوج۔ اس دوطرفہ تعاقب کی وجہ سے سنتا کی فوج منتشر ہوگئی اور وہ اپنی فوج سے جدا ہوگیا۔

سنتا کا قتل

ایک مرہٹہ سردار ناگو نامیاں (ناگو با، ناگو مینا) تھا جو کچھ عرصہ پہلے بادشاہی فوج میں آگیا تھا پھر اپنے فرقہ سے جا کر مل گیا تھا اس علاقہ میں اس کا وطن تھا۔ سنتا نے اس کے بھائی کو چند سال قبل ہاتھی کے نیچے ڈلوا دیا تھا اس لئے وہ اس سے جانی عداوت رکھتا تھا۔ اس وقت جب سنتا اس کے علاقہ سے اس پریشانی کے عالم میں گذر رہا تھا تو ناگو اپنی بیوی کی رہنمائی میں ایک جمعیت لے کر سنتا کے تعاقب میں نکلا۔ سنتا تھکا تھکایا حیران پریشان ایک نالہ پر جا کر ٹھیرا اور اس میں نہانے لگا۔ ناگو بس اسی وقت اس کے سر پہ جا پہنچا اور اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر گھوڑے کے پیچھے توبرہ میں ڈال دیا اور اپنی بیوی کے پاس لے آیا پھر وہ دونوں دھنا جادو کی طرف روانہ ہوگئے مگر اتفاق سے وہ توبرہ گھوڑے پر سے گر گیا۔ اس وقت فیروز جنگ کی فوج کے سوار اور ہرکارے سنتا کے تعاقب میں صحرا اور پہاڑ پر چکر لگا رہے تھے وہ توبرہ سر سمیت ان ہرکاروں کے ہاتھ پڑ گیا اور انھوں نے پہچان لیا کہ یہ سنتا کا سر ہے اور وہ اسے لطف اللہ خاں کے پاس جو ہراول پر مامور تھا لے آئے لطف اللہ خاں اسے فیروز جنگ کے پاس لایا اور اس خداداد فتح پر مبارک باد دی اور شادیانہ بجا یا گیا۔ سنتا کے سر کو لشکر میں تشہیر کرانے کے بعد خواجہ بابا تورانی کے ہمراہ بادشاہ کے پاس بھجوا دیا گیا۔ جب اس مقتول کا سر بادشاہ کے ملاحظہ میں آیا تو بادشاہ نے اس عطیۂ الٰہی

کا شکر ادا کیا اور نوبت بجانے کا اشارہ کیا اور خواجہ بابا کو خوش خبر خاں خطاب دے کر فرمایا کہ اس کے سر کو لشکر میں اور دکن کے شہروں میں گشت کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی سننے میں آئی تھی واللہ اعلم بالصواب۔

خان جہاں کی وفات

اسی اثناء میں خان جہاں خان بہادر کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ آخر عمر میں بادشاہ کے زیر عتاب تھا اور ملازمت سے برطرفی کے سبب بڑی عسرت سے گذر بسر کر رہا تھا۔ خان جہاں باوقار، فتح نصیب صاحب تدبیر امیر تھا، اس نے باتیس لڑائیاں جیتی تھیں، ان لڑائیوں میں بڑے گہرے زخم کھاتے تھے۔ مگر ہر معرکہ میں نیک نامی حاصل کی تھی۔

لاری کا سفر بیت اللہ

عبدالرزاق خاں لاری نوکری کی ابتداء ہی سے وطن جانے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور بادشاہی اخبار نویسوں سے بڑی بدسلوکی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ ان ہی دنوں سوانح نگار کی تسکین پر بادشاہ نے اسے راہبری کی فوجداری سے ہٹا کر حضور میں طلب کر لیا، اس نے راستہ ہی سے اپنے منصب سے استعفیٰ بھیج دیا۔ اور کعبہ جانے کی اجازت چاہی۔ اس کی اس رویہ کے باوجود اس کی بہادری اور نمک حلالی کی۔ جس کا ثبوت ابوالحسن کی ملازمت میں مل گیا تھا۔ بادشاہ کے دل میں بڑی قدر تھی اور بباطن بادشاہ اس سے بہت خوش تھے۔ اس لئے ہمیشہ اس کی دل جوئی کرتے اور اس کے آدمیوں کو بلاتے رہتے تھے۔ جب وہ حضور میں آیا تو اس پر بہت زیادہ عنایات کیں۔ خفیہ طور پر مخلص خاں بخشی کو مامور کیا کہ وہ اپنی طرف سے عبدالرزاق خاں کو تسلی دلاسا دے کر اسے رخصت کے ارادہ سے باز رکھے، مگر عبدالرزاق خاں راضی نہیں ہوا آخر بادشاہ نے بڑے لطف و مہربانی کے ساتھ اس کو مع مال و اہل و عیال رخصت کا پروانہ دے دیا۔ اس کے تین بیٹے محمد معصوم وغیرہ باپ کے ہمراہ جانے پر راضی نہیں ہوئے اور حضور ہی میں رہ گئے۔ ابوالحسن کا کوئی ملازم بادشاہ کی نوکری میں اس قدر خوش انجام نہیں ہوا، جتنا عبدالرزاق خاں لاری کہ حق نمک کا پاس و لحاظ کرنے کے سبب بڑی عزت و آبرو کے ساتھ اس نے اپنی زندگی گذار دی۔

بادشاہی لشکرگاہ سیلاب کی زد میں

(جلوس کا چالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو سات ہجری ۱۱۰۷ھ)

رام راجہ کی سرگرمیاں

شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو دشمن کی سرکوبی کے لئے برگانو (بیرگانو) کی طرف بھیجا گیا۔ اسی زمانہ میں اطلاع ملی کہ مقتول سنبھا کا بھائی رام راجہ جو راج گڈھ کے قلعوں سے نکل کر جنجی اور دوسرے دشوار گذار مقامات کی طرف پناہ لے گیا تھا اور عرصہ سے مفقود الخبر تھا دوبارہ تعلقہ ستارہ میں آگیا ہے۔ سات مہینے اس نے قلعہ میں بسر کئے تھے اور اب سنتا کے مارے جانے کی خبر سن کر دھنا جادو کو اپنے پاس بلا لیا تھا اور ازسرِنو لشکر جمع کر کے فتنہ انگیزی کے منصوبے بنانے لگا تھا۔

شہزادہ محمد اکبر اور شاہ ایران

انہی دنوں صوبہ ملتان کے اخبار نویسوں نے لکھا کہ شاہزادہ محمد اکبر نے جو شاہ سلیمان کے پاس ایران گیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد جب سلطان حسین تخت نشین ہوا تو مکرر فوجی مدد کی درخواست کی تھی مگر سلطان حسین نے بھی مرحوم شاہ سلیمان کی طرح یہی عذر کیا کہ جب تک تمہارے والد ہندوستان کے تخت پر ہیں۔ ہم سے ہندوستان جانے کے لئے کمک کی توقع رکھنا بے جا ہے۔ ہاں تمہارے والد کے بعد جب بھائیوں سے معاملہ پڑے گا تو جو کچھ ہم سے خدمت ہو سکے گی ہم دریغ نہیں کریں گے۔ چند دن بعد محمد اکبر نے ہندوستان کے چند تاجروں کے خطوط کی بنا پر باپ کے متعلق غلط خبر کی شہرت دے دی اور رخصت کی اجازت چاہی۔ سلطان نے جواب دیا کہ جب تک ہمارے تاجروں کی تحریر ہندوستان سے نہیں آجاتی ہم اس خبر کی صداقت پر اعتماد نہیں کرتے۔ دو تین ماہ بعد محمد اکبر نے مذکورہ غلط خبر کے اظہار پر شرمندہ ہو کر کہا کہ اصفہان کی آب و ہوا مزاج کے موافق نہیں ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے میں تبدیلِ آب و ہوا کے لئے خراسان کے گرم سیر تعلقہ میں جا کر رہوں۔ اگر وہاں کے حکام کو آپ لکھ دیں گے۔ وقتِ ضرورت مجھے فوجی مدد مہیا کر دیں تو احسان مزید ہوگا۔ شاہ ایران نے محمد اکبر کی درخواست پر خراسان کو اس

کی روانگی کا انتظام کر دیا۔ اور اس کی مدد کے لئے وہاں کے حکام کو تنخواہ اور خرچ ادا کرنے کے احکام دے دیئے اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ جب کمک کا وقت آ جائے تو وہ اس وقت شہزادہ کو دس ہزار قزلباشوں کی فوج مہیا کر دیں۔ شاہزادہ اس انتظام کے بعد خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

سیلاب کی تباہ کاریاں

اس سال ماہ محرم میں بڑی سخت بارش ہوئی۔ اس وقت لشکر نے بھزہ ندی کے کنارے چھاؤنی لگائی تھی۔ امراء نے وہاں بہت سی عمارتیں بنالی تھیں۔ لشکر والوں کو اس طوفانی بارش اور سیلاب میں بہت پریشان ہونا پڑا۔ رات کی دو گھڑی گذر چکی تھی اور لوگ بے خبر سو رہے تھے کہ ندی میں طغیانی آگئی اور صبح ہوتے تک نصف بلکہ ساری لشکر گاہ میں طغیانی آگئی اور صبح ہوتے تک نصف بلکہ ساری لشکرگاہ سیلاب میں گھر گئی۔ اندھیری رات، چڑھتا ہوا سیلاب، کیچڑ پانی عجب مصیبت تھی۔ سارے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ اور مال و اسباب اہل و عیال کو اس خطرہ سے نکال لے جانا مشکل ہو گیا تقریباً دس بارہ ہزار آدمی بادشاہ کے شہزادوں اور امیروں کے سارے کارخانے مال و اسباب، بے شمار اونٹ، بیل، گھوڑے، سب سیلاب کی نذر ہو گئے۔ بہت سی عمارتیں گر گئیں۔ بعض عمارتوں کو پانی اس طرح بہا کر لے گیا کہ ان کا نشان تک باقی نہیں رہا لمحہ بہ لمحہ پانی برابر چڑھتا جا رہا تھا۔ تمام شاہزادے، امیر، سپاہی افسر منتشر ہو گئے جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر نکل گیا۔ ہر شخص مال و اسباب کو چھوڑ کر بیوی بچوں کا ہاتھ تھامے ہوئے بلندیوں اور درختوں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ بادشاہی دولت خانہ کے اطراف پانی پہنچ گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ خاصہ کی سواری اور تمام بادشاہی ہاتھی حاضر کئے جائیں ان پر محل کی عورتوں کو سوار کرا دیا جائے اور خزانہ جواہر خانہ اور دوسرا ساز و سامان لاد دیا جائے۔ حضرت خلد مکان نے خود اپنے ہاتھ سے دعائیں لکھ لکھ کر دیں کہ ان کو پانی میں چھوڑ دیں، یہاں تک کہ پانی اترنا شروع ہو گیا۔

حسینہ آب آورد

اس وقت ایک چھپر پانی پر بہتا ہوا نظر آیا اس پر ایک حسین و جمیل عورت زیوروں سے لدی ہوئی شاندار پوشاک پہنے بیٹھی تھی اور فریاد کر رہی تھی ہاتھ ہلا ہلا کر اشارے کر رہی تھی کہ مجھے بچاؤ۔ اور پانی

سے نکالو اور جو کچھ میرے پاس ہے لے لو۔ اس کو بڑی کوشش کے بعد بچا لیا گیا۔ معلوم ہوا یہ ایک ہندو صراف کی بیوی ہے جسے پانی بہادر گڑھ سے بہاتے ہوئے اسلام پوری تک لے آیا تھا وہ پانی میں کوئی پانچ چھ گھڑی تک بہتی رہی تھی۔

دفینہ جو مل نہ سکا

ایک ثقہ راوی کے ذریعہ سننے میں آیا ہے کہ مخلص خاں بخشی کے گھرانے کے بعض لوگ دریا کے کنارے اتنی مسافت پر جہاں تک پانی کے پہنچنے کا گمان نہیں ہوتا تھا جا کر ٹھیر گئے تھے اور چوری چکاری کے خوف سے انھوں نے اس جگہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ زمین میں دفن کر دیا تھا۔ جب طغیانی آئی تو اس رقم کو نکالنے کی مہلت نہیں ملی، مگر اس اطمینان سے کہ زمین کے پیٹ سے زیادہ محفوظ جگہ اور نہیں ہو سکتی وہ لوگ اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جان بچا کر وہاں سے نکل گئے اور جس جگہ روپیہ دفن کر دیا تھا وہاں کی نشانی ذہن نشین کر لی۔ اور برابر اس مقام کی نگرانی کرتے رہے اور ان کے علم و اطلاع کی حد تک وہاں کسی غیر کا گذر نہیں ہوا نہ کسی اور کو اس جگہ کا علم ہو سکا۔ جب پانی بالکل نکل گیا اور زمین نکل آئی تو وہاں چند طنابیں گھیر کے زمین کو تین چار جگہ پر بہت کھودا اور بہت تلاش کیا مگر روپیہ ہاتھ نہیں آیا۔

بجلی گرنے کا حادثہ

اس سال کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ظفر آباد کے واقعہ نگار نے بادشاہ کے حضور اطلاع دی۔ قلعہ بیدر کی عالی شان مسجد میں جسے دکن کے وزیر خواجہ جہاں نے مدتوں پہلے تعمیر کرایا تھا، اور وہ اس کی بڑی اچھی یادگار تھی لوگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ عین نماز کی حالت میں بجلی گری، اور اکثر لوگ جل کر مر گئے صرف تین چار آدمیوں کی جان بچ گئی۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق مسجد کا امام عرصہ سے اس مدرسہ (مدرسہ خواجہ گاواں بیدر) میں گوشہ نشین ہو گیا تھا اور وہاں خانقاہ بنا رکھی تھی۔ حادثہ کے دن اس نے غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور اپنے عزیز رشتہ داروں اور شاگردوں سے وداعی ملاقات کی اور کہا۔ "میں موت کے آثار دیکھ رہا ہوں"۔ چنانچہ وہ بھی اس حادثہ میں شہید ہو گیا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے جسم کے کپڑے دیسے کے دیسے تھے، اور اس کے جسم پر جلنے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اسی طرح صحیح سالم اس نے اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دی۔

یاقوت خاں پر قاتلانہ حملہ

(جلوس کا اکتالیسواں سال مطابق گیارہ سو آٹھ ہجری ۱۱۰۸ھ)

خیریت خاں کا انتقال سیدی خیریت خاں راہیری کے قلعہ اور اس کے اطراف کے بندوبست پر مامور تھا جلوس کے انچاسویں سال اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ ضلع راہیری کے فوج دار عبدالرزاق خاں کی عرض داشت پر بادشاہ نے خیریت خاں کا مال و اسباب سیدی یاقوت خاں کو بخش دیا تھا اور خیریت خاں کی ماتحت فوج کے مطالبات کی ادائیگی اس کے ذمہ لگا دی تھی۔ اس دستاویز کی بنیاد پر یاقوت خاں اس کا سارا متروکہ جو نقد و جنس کی صورت میں کافی مالیت کا تھا اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس کی بیوی اور خورد سال بچوں کو اپنی عمل داری قلعہ جزیرہ میں لے جاکر ٹھیرا دیا تھا ان کی حیثیت نظربندوں اور محبوسوں کی تھی اور ان کو لیے میا اخراجات وہ پہنچاتا رہتا تھا۔

قاتل زنانہ بھیس میں اس سال راج پوری کے واقعہ نگار نے جو سیدی یاقوت خاں کے تعلقہ میں تھا ایک دلچسپ واردات کی اطلاع دربار میں بھجوائی تھی کہ رمضان المبارک کی چاندرات کو بہت سی عورتیں معمول کے مطابق چاند کی مبارک باد دینے یاقوت خاں کے گھر میں گئی تھیں۔ خیریت خاں کی بیوہ کے اشارہ پر ایک نوجوان نے جس کے ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلتے کوکن میں مروجہ زنانہ لباس پہن لیا یہ لباس وہاں کی ہندو اور مسلمان عورتیں پہنا کرتی تھیں۔ اس نوجوان نے ایک جمدھر اور ایک چوبی گرز گھگرہ اور ساڑی میں چھپا لیا اور عورتوں کے ہجوم کے ساتھ گھر میں داخل ہوگیا۔ سیدی یاقوت خاں کے لئے ایک علیحدہ بیت الخلا تھا۔ وہ اس میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ یاقوت خاں کا معمول تھا کہ سارا دن اور ایک پہر شب تک باہر کاموں میں مصروف رہتا تھا اور اس سارے عرصہ میں وہ برابر مسلح رہتا تھا جب رات گھر میں آتا: دو گھڑی رات تک اسی طرح مسلح اور کمربستہ رہتا تھا۔ کوئی تین گھڑی رات کو وہ کمر کھول کر ہتھیار اتار دیتا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر اس رات بھی وہ ہر شب کی طرح ضروریات سے فارغ ہونے کو بیت الخلا گیا ایک کنیز اس کے آگے چراغ اور لوٹا لے کر جا رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا تو اس

شخص کو ہتھیار ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھا۔ بس اس کی چیخ نکل گئی اور ہاتھ سے چراغ گر گیا۔ اس شخص نے فوراً آگے بڑھ کر لکڑی کا وہ بھاری گرز یاقوت خاں حبشی کے سر پر دے مارا پھر جمدھر نکال کر وار کرنا چاہتا تھا کہ یاقوت خاں نے اُس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس وقت یاقوت خاں نے ازار بند کھول لیا تھا اور گرز کی چوٹ کی وجہ سے اس کے سر سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا اُس نے اپنے حریف کو بغل میں دبوچ لیا اور اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ مگر وہ اس کے ہاتھ سے جمدھر نہیں چھڑا سکا۔ اس وقت تک سارے محل میں شور و غل مچ گیا تھا۔ بہت سی حبشی کنیزیں مشعل اور لکڑیاں لے کر مدد کے لئے وہاں پہنچ گئیں اور اُس کے ہاتھ سے جمدھر چھین لیا۔ اتنے میں باہر سے بھی محافظ نوجوان اندر پہنچ گئے اور اس کو گرفتار کر کے باندھ دیا وہ اُسے قتل کر دینا چاہتے تھے، مگر یاقوت خاں حملہ آور کو صورت اور نام سے بخوبی پہچانتا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس سے کوئی عداوت نہیں رکھتا ہے۔ یقیناً اسے کسی دوسرے نے اس حرکت پر آمادہ کیا تھا۔ اس لئے اُس نے لوگوں کو سختی کرنے سے روک دیا اور اُس کو تسلی دلاسا دے کر ہاتھ منہ دُھلوایا، اور آرام سے بٹھایا، پھر اُسے بڑی بڑی قسمیں کھا کر جان کی امان دی اور سمجھا بجھا کر اس سے سارا حال دریافت کر لیا، اُس نے یاقوت خاں کے ہمراہیوں اور اعتبار کے چند آدمیوں کے نام بھی بتائے جو اس سازش میں خیریت خاں کی بیوہ کے ساتھ شریک تھے۔

یاقوت خاں نے اس حملہ آور کو عرصہ تک قید میں رکھا، مگر اپنے عہد اور قسم کا پاس و لحاظ کر کے اسے قتل نہیں کرایا مگر سازش میں حصہ لینے والوں میں سے ہر ایک کو بتدریج کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ خیریت خاں کی بیوہ کو اُس نے کوئی سزا نہیں دی، بلکہ کچھ عرصہ بعد اس کے یومیہ وظیفہ میں اضافہ ہی کر دیا۔

بادشاہی امام آفندی

مکہ معظمہ میں ایک عالم و فاضل آدمی آفندی نامی تھا قرأت اور خوش آوازی میں اس کا بڑا شہرہ تھا۔ دوسرے اور بھی کمالات اور ہنر رکھتا تھا۔ بادشاہ نے کافی رقم بھیج کر دو سال پہلے مکہ سے بلایا تھا اور اس پر عنایات و نوازشات کر کے اسے خطابت اور امامت پر مامور کیا تھا۔ اس کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور روز بروز عزت و درجہ بڑھتا رہتا تھا دو خوبصورت کنیزیں زیورات کے ساتھ

سے بخش دی تھیں۔ اس سال عید الضحیٰ کے دن خطبہ پڑھتے ہوئے حمد و نعت کے بعد جب اس نے خلفائے راشدین کے نام لئے تو اس سے بڑا سہو ہو گیا۔ چار خلفاء میں سے صرف دو کے نام لئے اور خطبہ ختم کر دیا، دو نام بھول گیا۔ دربار کے بعض مقربین نے اس پر ہجوم کر کے بے حرمتی کرنی چاہی۔ بادشاہ نے جب اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بیت اللہ کے طواف سے محروم رہنے پر میں بہت دل گیر تھا اور اس مقدس مکان کی یاد میں ایسا کھو گیا تھا کہ مجھے نہیں معلوم میں نے کیا پڑھا اور کیا ہو گیا۔ خطا بخش بادشاہ نے اس کے عذر کو قبول کر لیا۔ اور اُسے بے حرمتی اور بے عزتی سے بچا لیا مگر اس دن کے بعد بادشاہ اور امراء کے پاس اس کا وہ اعزاز و اکرام باقی نہیں رہا تھا اس لئے چند ماہ بعد ہی اس نے وطن جانے کی اجازت چاہی اور اُسے بادشاہ نے بڑی عزت و توقیر کے ساتھ رخصت کر دیا۔

قوام الدین خاں کا پوتا مخلص خاص بخشی جو دیانت داری بھلائی میں مشہور تھا اور ظاہری و معنوی کمالات سے مزین تھا اس سال اس کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کی جگہ روح اللہ خاں کو بخشی مقرر کر دیا۔

ندربار پر مرہٹہ سرداروں کا حملہ

(جلوس بیالیسواں سال مطابق گیارہ سو نو ہجری ۱۱۰۹ھ)

برہان پور کا محاصرہ

برہان پور کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ مرہٹہ سردار ینبا سندھیا اور دھنا نے ایک بہت بڑی فوج لے کر برہان پور کا محاصرہ کر لیا تھا۔ نجابت خاں صوبہ دار اور دوسرے بادشاہی امیروں نے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ بادشاہی امیر تین دن تین رات مسلسل ہاتھیوں گھوڑوں پر سوار رہے آخر ان مفسدوں کو برہان پور سے بھگا دیا اور وہ بیجا گڑھ کی طرف بھاگ گئے تاکہ اکبر پور کا گھاٹ عبور کر کے صوبہ مالوا میں لوٹ مار شروع کر دیں۔ مگر فیروز جنگ نے ان کا تعاقب کیا اور مقابلہ کے بعد ان کا زور توڑ دیا۔ مرہٹوں کی ایک کثیر تعداد اس لڑائی میں

ماری گئی اور بقیہ فوج جان بچا کر بھاگ گئی۔ اس کامیابی پر بادشاہ نے دستخط خاص آفریں اور مبارک باد کا فرمان لکھ کر بھیجا۔

بندرگاہ سورت سے اطلاع ملی کہ خلیفہ سلطان کا پوتا میر علی نقی جو شاہ ایران کا قریبی رشتہ دار تھا۔ بادشاہی ملازمت کے لئے ایران سے پہنچا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بندرگاہ سورت کے خزانہ سے دو ہزار روپیہ تنخواہ مقرر کردی جائے۔ دربار سے ایک مہماندار کو بھی مقرر کردیا گیا۔

مرہٹوں سے مقابلہ اور شکست

سید حسن علی خاں ولد سید عبداللہ خاں بارہہ سلطان پور اور ندربار کا فوجدار تھا بعد میں اسے وہاں سے تبدیل کرکے سیونی ہوشنگ آباد کی فوجداری پر بھیج دیا گیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد اسے دوبارہ ندربار اور سرکار آسیر کے پرگنہ تھالیز کی فوجداری پر حسب سابق مقرر کردیا۔ اس نے پہلے تھالیز پہنچ کر وہاں کا بندوبست کیا اور وہاں سے ندربار جانا چاہا۔ اسی اثنا میں نیما اور سندھیا اور رام راجہ کے دوسرے سرداروں نے آٹھ ہزار سواروں سے ندربار پر حملہ کردیا اور اسے تاخت و تاراج کرکے جلا دیا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حسین (حسن) علی خاں تھالیز سے نکل چکا ہے تو انھوں نے ندربار کی لوٹ مار چھوڑ دی اور حسین علی خاں کے مقابلہ پر پہنچ گئے۔ حسین علی خاں نے دشمن کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنی مختصر جمعیت سے کہ جس میں سات آٹھ سو سوار اور دو تین ہزار بندوقچی اور کمان دار تھے جن میں سے کچھ تو اس کے اپنے ملازم تھے اور کچھ اس نے اپنے تعلقہ کے زمینداروں سے فراہم کئے تھے۔ غنیم کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ مرہٹوں سے تھالیز سے دو کوس کے فاصلہ پر لڑائی ہوئی۔ سادات بارہہ نے مردانہ وار حملے کئے۔ حسین علی خاں بھی بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ آخر نیما سندھیا نے فوج کی کثرت کی بنا پر حسین علی خاں کو ایک حلقہ میں گھیر لیا۔ اس وقت بڑے غضب کی لڑائی ہوئی اور اس کے ساتھ کے تین سو کے قریب سوار اور پیادے شہید ہوگئے۔ حسین علی خاں سخت خطرہ میں گھر گیا تھا۔ دو تین کاری زخم بھی اسے لگے تھے مگر وہ ہاتھی سے نیچے کود گیا اور لڑنے لگا مگر بہت زیادہ زخمی ہو جانے اور خون بہہ جانے کے سبب قوت اور طاقت نہیں رہی تھی۔ اس نے مرہٹوں نے حملہ کرکے اس کو گرفتار کرلیا اور اس کا سارا لاؤ لشکر ہاتھی وغیرہ ان کے قبضہ میں آگیا جو کچھ

لوٹ مار کر کے لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ دو لاکھ روپیہ اس کا جان بہا مقرر کیا گیا۔ اس کے آدمیوں نے بڑی کوشش کے بعد اس کی جاگیر کی رقم سے ایک لاکھ آٹھ ہزار فراہم کیا اس میں اس اسباب کی اور مرصع آلات کی رقم بھی تھی جو تھالیز میں محفوظ رہ گیا تھا۔ تکملہ کے لئے ندربار کے قصبہ کے تاجروں اور صرافوں کو بہت مجبور کر دیا گیا کہ وہ تھوڑا بہت جو بھی ہو بطور قرض دیں مگر قصبہ والے رقم دینے پر تیار نہیں ہوتے۔ چونکہ ندربار والوں نے مرہٹوں کو بھی چوتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور فوج دار کی پناہ میں محصور ہو کر مرہٹوں سے آمادہ پیکار تھے۔ اس لئے مرہٹے بھی ان پر بہت برہم تھے حسین علی خاں کو بھی ان کے روپیہ پر بڑا غصہ آ گیا تھا۔ اس لئے اُس نے مرہٹوں سے یہ صلاح ٹھیرائی کہ مرہٹے ندربار کا محاصرہ کر لیں دو روز کی لڑائی کے بعد وہ شہر کا دروازہ کھلوا دے گا۔ بشرطیکہ مرہٹے شہر میں داخل ہو کر رعایا کو نہ لوٹیں۔ البتہ شہر کے مالدار صرافوں، تاجروں اور بیوپاریوں کو پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ حسب قرار داد اُس نے وہاں کے بنیے بقالوں کو پکڑ کر شکنجہ میں کسوا دیا اور ان پر سختی کر کے مرہٹوں کو بقیہ رقم دلوا دی اور ان کی اسارت سے رہائی پائی۔ اس وصول یابی میں مرہٹوں کو اسی ہزار روپیہ کی جگہ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ مل گیا اور حسین علی خاں کو بھی کوئی تیس ہزار روپیہ وصول ہو گیا۔ جب یہ روداد بادشاہ کے حضور پہنچی تو بادشاہ نے اس ساری کارروائی کو پسند نہیں کیا اور فرمایا جب مقابلہ کی طاقت نہیں تھی تو کیوں اس نے بے فائدہ جنگ کی۔

عبدالرزاق خاں لاری کا انتقال

عبدالرزاق خاں لاری کعبۃ اللہ جانے کی اجازت لے کر اپنے وطن لار جا کر بیٹھ گیا تھا۔ بادشاہ کے دل میں اس کی شجاعت و بہادری اور نمک حلالی، وفاداری کی بڑی قدر تھی اسے واپس لانے کے لئے اس کے بیٹے عبدالکریم کو جو اس کے بیٹوں میں مستعد اور کارگذار نوجوان تھا مقرر کیا۔ لاری کے لئے فرمان اور خلعت بھی دیا اور سورت کی بندرگاہ کے خزانہ کو پچاس ہزار روپیہ نقد ادائیگی کا پروانہ لکھ دیا۔ فرمان میں لکھا تھا کہ وہ اپنے وطن لار سے ایک ہزار منتخب آدمیوں کو لے کر آئے۔ عبدالکریم کے وہاں پہنچنے کے بعد اطلاع آئی کہ عبدالرزاق خاں لاری شاہ ایران کے طلب کرنے پر لار سے روانہ ہو گیا تھا مگر شیراز کے قریب پہنچنے کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی وفات کا بادشاہ کو بہت رنج اور افسوس

ہوا اور عبدالکریم کو واپسی کا حکم بھیج دیا حیدر آباد کے امیروں میں عبدالرزاق خان لاری نے جس عزت و آبرو سے زندگی بسر کی کسی اور نے نہیں کی۔

مرہٹوں کے قلعوں پر بادشاہی لشکر کی فوج کشی!

(جلوس کا تینتالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو دس ہجری سنہ ۱۱۱۰ھ)

بادشاہی لشکر کا کوچ مرہٹوں کی فتنہ پردازی ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی آخر بادشاہ نے ان کے کامل استیصال کے لئے ضروری سمجھا کہ وہ قلعے جو ان کی اصل پناہ گاہ ہیں فتح کر لئے جائیں تاکہ یہ فتنہ جڑ پیڑ سے ختم ہو جائے۔ اسلام پوری میں لشکر کو چھاؤنی ڈالے ہوئے کوئی چار سال گذر چکے تھے اس درمیان کے عرصہ میں لوگوں نے وہاں بڑے اچھے اچھے مکان بنا لئے تھے اور وہ اچھا خاصا شہر بن گیا تھا بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا۔ اب یہاں سے دور دراز کا کوئی سفر نہیں کرنا پڑے گا۔ مگر بادشاہ نے کافروں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کرنے کے بعد کوچ کا حکم دے دیا مگر روانگی سے پہلے لشکرگاہ کی آبادی کے اطراف کچی فصیل کا احاطہ بنانے کی ہدایت کی گئی۔ چابک دست معماروں نے پندرہ بیس روز میں فصیل تیار کر دی جو شاید عام حالات میں چھ سات ماہ میں بھی بہ مشکل تیار ہو سکتی تھی۔ جب یہ گڑھی مکمل ہو گئی تو بادشاہ نے وہاں نواب قدسیہ زینت النساء بیگم کو جو شاہزادہ محمد اعظم کی حقیقی بہن تھی اور شہزادہ محمد کام بخش کی والدہ کو محل شاہی کی دوسری عورتوں کے ساتھ جمدۃ الملک اسد خاں کی حفاظت میں وہاں چھوڑ دیا۔

لشکر میں بھی منادی کرا دی کہ تمام امراء اور منصب دار اور لشکر کے لوگ اپنے اہل و عیال اور زاید از ضرورت مال و اسباب کو بادشاہی کارخانوں کے ساتھ اسی لشکرگاہ میں چھوڑ دیں سخت تاکید کرائی گئی کہ کوئی شخص بھی عورتوں اور بچوں کو لے کر نہ چلے۔ مگر ہندوستان کی مہموں اور سفروں میں تیموری سلاطین کی ترقی کے سبب کہ وہ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مہربانی سے ہی پیش آتے رہے ہیں ایسے احکام پر کبھی پوری طرح سے عمل نہیں ہوسکا چنانچہ بادشاہ کی سخت تاکید کے باوجود اس کی خلاف ورزی ہوتی رہی۔

۵ رجمادی الاول (۱۱۱۱ھ) قلعہ بسنت گڈھ اور دوسرے قلعوں کی طرف بادشاہی لشکر نے کوچ کیا۔ بیس دن کے کوچ اور قیام کے بعد مرتضیٰ آباد عرف مرج کے قریب کیمپ لگایا گیا۔ شاہزادہ محمد اعظم شاہ کو بیرگانوں ربید گانوں، برگانوں، بیرگاپر گانوں سے طلب کیا گیا تھا وہ اسی منزل پر حاضر خدمت ہوا تھا۔

رام راجہ کی لوٹ مار

جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سنبھا کے گرفتار ہو جانے کے بعد اس کا بھائی رام راجہ بادشاہی امراء کے غلبہ و تسلط کی وجہ سے اپنے تعلقوں اور قلعوں سے نکل گیا تھا اور اب وہ جگہ جگہ چھپتا پھر رہا تھا۔ ہر سال ہر مہینہ وہ دشوار گذار پہاڑوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا تھا۔ اس وقت جب اس نے یہ سنا کہ بادشاہ نے ایک بڑی فوج لے کر قلعوں کی تسخیر کے لئے کوچ کر دیا ہے تو وہ صوبہ برار میں جا پہنچا اور وہاں قصبوں اور آبادیوں کو لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے لگا۔

دیوگڈھ کے زمیندار کا فرار

دیوگڈھ کا زمیندار جو اپنے ہم وطن لوگوں سے لڑ جھگڑ کر اور دوسرے وارثوں کے غلبہ کی وجہ سے دربار میں حاضر ہو گیا تھا اور اسلام قبول کر لیا تھا اس کا نام بدل کر بلند بخت رکھ دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ دربار میں عزت و احترام سے رہا مگر جیسا کہ مشہور ہے ؎

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

جب اسے اپنے مخالف دعوے دار کے مرنے کی اطلاع ملی تو دربار سے اجازت لئے بغیر ہی وہ دیوگڈھ فرار ہو گیا تھا۔ اب سالانہ پیش کش کے ادا کرنے میں تحصیل داروں سے جھگڑا کر کے وہ رام راجہ سے مل گیا اور ملک کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے اب کاغذات میں "نگوں بخت" لکھا جائے اور شاہزادہ بیدار بخت کو حکم دیا کہ وہ رام راجہ اور نگوں بخت کی سرکوبی کے لئے ایک فوج لے کر جائے۔ شاہزادہ کو سخت تاکید کی کہ وہ اپنے لاؤ لشکر کو مرتضیٰ آباد میں چھوڑ دے اور تیز رفتار سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کر کے ہر اس چنگاری کو بجھا دے جو اس خاکستر میں دبی ہوئی پائی جائے۔

روح اللہ خاں بخشی کو حمید الدین خاں بہادر کے ساتھ قلعہ پرنالہ اور ستارہ کے اطراف واکناف فوجی کارروائیاں کرنے کے لئے مقرر کردیا اور ان کو رخصت کرتے وقت شاہانہ عنایات سے نوازا۔

مرتضیٰ آباد کی مسجد

مرتضیٰ آباد سے کوچ کرنے کے بعد ایک مسجد نظر آئی جو ایک میدانی آبادی میں صحیح سلامت موجود تھی باقی تمام آبادی دشمن کی لوٹ مار کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ بادشاہ نے مسجد کے قریب ہی لشکرگاہ قائم کرنے کا حکم دیا اور مسجد میں جاکر نماز ادا کی اس کی تعمیر کا حکم دیا اور وہاں فوجی چوکی قائم کرنے کی ہدایت کی۔

کلید فتح کی تسخیر

وہاں سے کوچ کرنے کے بعد نسبت گڑھ سے تین کوس پر تھانہ سورگی کے قریب قلعہ پر لشکر اُترا۔ تربیت خاں میر آتش اور مورچہ بندی کا افسر مقرر ہوا تھا بادشاہ نے اسے قلعہ کا محاصرہ کرلینے اور مورچے لگانے کا حکم دیا قلعہ والوں نے گولہ باری شروع کردی۔ بادشاہی خیمہ اس عرصہ میں دو تین مقامات پر لگایا گیا آخر بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہی خیمہ دریائے کشنا کے کنارے لگا دیا جائے یہ مقام قلعہ سے قریب ہونے کی وجہ سے دشمن کی گولہ باری کی زد میں تھا۔ دوسرے دن صبح بادشاہ نے یورش کا حکم صادر کردیا۔ محصوروں نے جب بادشاہ کی یہ حوصلہ مندی اور جرأت دیکھی تو حواس باختہ ہو گئے اور بڑی عاجزی کے ساتھ جان کی امان کی درخواست کی اور قلعہ سپرد کردینے پر راضی ہو گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سب کے ہتھیار چھین کران کو نکل جانے دیں اور کوئی جانی نقصان نہ پہنچائیں۔ قلعہ والے راتوں رات اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر اس طرح خاموشی سے نکل گئے کہ کسی کو ان کی روانگی کی اطلاع نہیں مل سکی۔ فرار ہونے کے بعد پھر ان کا پتہ نہیں چلا کہ کس طرف گئے۔ قلعہ پر قبضہ کے بعد فتح کا شادیانہ بجایا گیا اور امراء نے قلعہ کی تسخیر پر بادشاہ کو مبارک بادیاں دیں قلعہ کا سارا ساز و سامان جس میں غلہ کے بھی چند ذخیرے تھے بادشاہی کارگذاروں کے قبضہ میں آگیا۔ بادشاہ نے اس قلعہ کا نام کلید فتح رکھا۔

ملتان میں بغاوت

انہی دنوں ملتان سے اطلاع ملی کہ بتی (بلبی البشی) قوم نے اور بلوچوں نے مل کر پورے صوبہ میں ہنگامہ مچا رکھا تھا بلوچ دس بارہ ہزار سواروں کی جمعیت سے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے شاہزادہ

معزالدین ملتان کا ناظم تھا اس نے عمدۃ الملک مرحوم کے چھوٹے بیٹے حفیظ اللہ خاں کو اپنے ساتھ کمک پر لیا جو صوبہ ٹھٹھہ کا ناظم تھا اور اس ضلع میں اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا باغیوں سے شہزادہ کی متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں شہزادہ کو سخت پریشانی اٹھانی پڑی مگر آخر کار شہزادہ کی فوج نے بڑی بہادری اور سعی و جہد سے باغیوں کا زور توڑ دیا اور لبتی قوم کا سردار ایک ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ مارا گیا اور شاہزادہ کو باغیوں پر فتح حاصل ہو گئی بادشاہی ملازموں میں سے لطف علی خاں، راجہ سورج مل اور پہاڑ خاں (نہار خاں) کام آگئے۔

قلعہ ستارہ پر فوج کشی

"قلعہ ستارہ اسم با مسمٰی صحیح معنوں میں ستارہ ہی ہے۔ ایسا پر شکوہ و بلند و بالا پہاڑ اور قلعہ کم ہی دیکھا اور سنا گیا۔ شاعر نے گویا اسی کی تعریف میں کہا ہے ؎

بالائے سرش ز ارجمندی

تابندہ ستارۂ بلندی

اس سال آخر جمادی الثانی (۱۱۱۱ھ) میں بادشاہی خیمہ قلعہ ستارہ کے مقابل ڈیڑھ کوس کی مسافت پر لگا دیا گیا قلعہ کے دوسری جانب شاہزادہ محمد اعظم شاہ کا کیمپ قائم ہوا۔ تربیت کے زیر اہتمام اور حسب تجویز قلعہ کے اطراف دوسرے تمام بادشاہی امیروں نے اپنے مورچے جما دیئے اور سب مورچے بڑھانے نقب کھودنے اور قلعہ گیری کے سامان فراہم کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کرنے لگے۔ چند ہی دن میں بڑی بڑی خوفناک توپیں پہاڑ کے دامن اور اونچے اونچے دمدموں پر نصب کر دی گئیں۔ اوپر سے اور نیچے شدید گولہ باری اور آتش بازی شروع ہو گئی۔ قلعہ والوں نے رات دن لگاتار گولہ باری شروع کر دی اور اوپر سے وہ "سنگ متوالہ" ہزاروں کی تعداد میں نیچے گراتے رہتے تھے۔ ان کی زد میں جو بھی آتا جانور ہو کر انسان زخمی ہو کر گر پڑتا تھا۔ غنیم نے قلعہ سے بیس کوس تک ساری کھیتی باڑی اور زراعت جلا دی تھی اور بادشاہی لشکر کی رسد پر چھاپے مار کر غلہ اور چارہ روک دیا تھا اس کے علاوہ بارش کی وجہ سے کیچڑ پانی میں راستہ بھی گم ہو گئے تھے۔ ان دنوں لشکر ایسی مصیبتوں اور مشکلات میں گرفتار ہوا کہ ان کا بیان نہ کرنا ہی بہتر۔ ان دشواریوں کے باوجود، بادشاہ برابر قلعہ گیری کے انتظامات میں

مشغول رہا" قلعہ کے مقابل چوبیس گز بلند دمدمہ بنا دیا گیا" ادھر شاہزادہ کی طرف سے بھی مورچے" قلعہ کے نیچے تک پہنچا دیئے گئے۔ اس ضلع میں۔ "ماڈلیہ" نامی ایک جماعت" قلعہ گیری کے فن میں بڑی مہارت اور شہرت رکھتی تھی۔ اس مہم میں وہ بھی بادشاہی فوجوں کے ساتھ شریک تھی اس کے معاوضہ اور دوسری گوریلا فوجوں کے لئے بادشاہ نے ایک لاکھ چھ ہزار روپیہ عنایت فرمایا تھا ہزاروں زینے اور چمڑے کے لباس مہیا کئے گئے۔ مچان بنانے کے لئے ہزاروں درختوں کی لکڑیاں کاٹ کاٹ کر کام میں لائی گئیں اور بہادر لشکری یہ سارا ساز و سامان لے کر عین دیوار کے نیچے پہنچ گئے قلعہ پر لگی ہوئی توپوں سے ان پر گولہ باری ممکن نہیں رہی تھی۔ اب قلعہ والے صرف سنگ باری کر رہے تھے اور اس شدت سے کر لمحہ بھر کی مہلت نہیں مل رہی تھی کہ قلعہ کے نیچے مچان اور زینے لگائے جاتے' حملہ اور یورش کی کوئی صورت نہیں نکل رہی تھی۔ آخر بادشاہ نے فتح اللہ خاں کو جو تورانی کا پُرانا جنگجو سپاہی تھا اور دلیری اور بہادری میں اس کا کوئی مقابل اور ہمسر نہیں تھا قلعہ کے دروازہ کے مقابل مقرر کیا کہ وہ روح اللہ خاں کی مدد سے مورچوں کو آگے بڑھائے' پھر بھی دیوار تک مورچوں کے پہنچانے میں ایک ماہ کا عرصہ لگ گیا اور کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

تربیت خاں کی جد و جہد

تربیت خاں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے مقابل کوئی دوسرا ناموری حاصل کرے اس لئے وہ طرح طرح کی تدبیروں میں لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے چابک دست سنگ تراشوں کو لگا کر پہاڑ میں دو گز لانبی اور چار گز چوڑی دو طاق بنوائیں اور ان میں سپاہیوں کی چوکی قائم کر دی کہ وقت ضرورت وہ جان پر کھیل کر کارگذاری انجام دیں مگر جو بھی منصوبہ اس کے ذہن میں تھا۔ عمل میں نہ آسکا اور اس نے وہاں سے چوکی اٹھالی مگر ان طاقوں کو دیکھ کر جو قلعہ کے نیچے پہاڑ میں حسینوں کے طاق ابرو کی طرح نظر آرہے تھے۔ اس کا ذہن ایک اور تدبیر کی طرف منتقل ہو گیا اور اس نے ان دونوں طاقوں کو بارود سے بھر دیا گویا ابروں کے نیچے حلقۂ چشم میں سرمہ لگا دیا گیا ہو — ظاہر ہے وہ اس تدبیر سے پہاڑ کو اڑا دینا چاہتا تھا۔ جب بادشاہ کو اس کے منصوبہ اور اس کارکردگی کی اطلاع ملی تو حکم ہوا کہ تمام جان نثار جو مخلص خاں بخشی اور حمید الدین خاں بہادر کی سرکار سے متعلق تھے۔ غزنی (عنبری) دستہ کے پیادوں اور کرناٹکی پیادوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں جمع ہو جائیں اور پہاڑ کے درمیان سے پھٹنے کے منتظر رہیں اور حسب

ضرورت جو اقدام بھی مناسب ہو کر گذریں۔

ہولناک دھماکے

پانچ ذی قعدہ کی صبح کو جب کہ محاصرہ پر چار ماہ گذر چکے تھے بڑے طاق کو آگ دکھا دی گئی۔ ایک ہولناک زبردست دھماکہ ہوا اور طاق کے اوپر کا پشتہ قلعہ کی دیوار سمیت اڑا اور قلعہ کے اندر جا کر گرا محصورین کی جتنی بھی فوج اس مورچہ پر تھی ہوا میں اڑ اڑ کر گری اور جل کر راکھ ہو گئی۔ بس جیسے ہی قلعہ میں یہ شگاف پیدا ہوا بادشاہی دستوں نے جرأت سے قدم بڑھا کر یورش کر دی۔ اسی اثناء میں دوسرے طاق کی بارود میں فتیلہ لگا دیا گیا۔ یہ سرنگ جو زبردست دھماکہ سے اڑی تو پہاڑ کی ایک چٹان سمیت بادشاہی فوج پر ہی آکر گری۔ حالانکہ گمان یہی تھا کہ وہ پہلی طاق کی طرح قلعہ والوں پر ہی گرے گی۔ اس چٹان کے گرنے سے پہاڑ کے دامن میں بس قیامت کھڑی ہو گئی۔ اس جگہ غاروں اور فصیل کی بنیادوں میں جو ہزاروں سپاہی چھپے بیٹھے تھے اور قلعہ پر یورش کے لئے چشم براہ تھے سرمہ کی طرح پس کر رہ گئے۔ چشم زدن میں پتھروں اور چٹانوں کے نیچے فوج کی فوج دب کر پیوند زمین ہو گئی۔ منصب داروں اور توپ خانہ کے عملہ میں سے جو قابل ذکر آدمی اس حادثہ کی نذر ہوئے تھے ان کی تعداد ہی کوئی دو ہزار تھی ان کے علاوہ پیدل سپاہی اور ماؤکیہ قوم کے آدمی تو بے حد و بے شمار نذر اجل ہو گئے تھے۔ اس مرگ انبوہ میں حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آگ کے اس ہولناک سمندر میں سو آدمی ایسے بھی تھے جن کو ذرا سا بھی گزند نہیں پہنچا۔ پہاڑ کے نیچے انھوں نے ہلاکت کا جو سماں دیکھا تو خیر اسی میں نظر آئی کہ قلعہ کے اوپر چڑھ جائیں چنانچہ ہاتھ پاؤں کا زور لگا کر کسی نہ کسی طرح وہ قلعہ کے اوپر پہنچ گئے۔ وہاں اندیشہ تھا کہ دشمن ان کو تلوار کی دھار پر رکھ لے گا مگر جب وہ اوپر پہنچے تو کسی نے مزاحمت کی نہ کوئی آواز سنائی دی کیونکہ وہاں بھی موت نے جھنڈے گاڑ دیئے تھے کوئی ذی حیات تو نظر نہیں آ رہا تھا ہر طرف بس لاشوں کا فرش بچھا ہوا تھا اور قلعہ شہر خموشاں دکھائی دے رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ مارے خوشی کے چلانے لگے کہ آجاؤ میدان خالی پڑا ہے۔ مگر قلعہ کے نیچے کچھ کم تباہی نہیں ہوئی تھی کوئی ایسا شخص نہیں تھا جسے اس پتھروں کی خوفناک بارش میں کچھ نہ کچھ ضرر نہ پہنچا ہو، یا پراگندہ حواس نہ ہو گیا ہو اس لئے ان کی فریاد پر نیچے والے بروقت یورش نہ کر سکے۔ البتہ ان کی چیخ پکار سن کر قلعہ کے دوسرے حصے سے محصورین جوق در جوق پہنچ گئے اور ان بیچاروں کو گاجر مولی

کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ان کو کوئی کمک پہنچ نہ سکی۔

قلعہ نشینوں نے اس مہلت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جب انھوں نے دیکھا کہ حملہ آور فوج مقابلہ پر نہیں پہنچ سکی ہے تو انھوں نے ٹوٹا دیوار اٹھانی شروع کر دی اور بندوقوں سے گولیاں چلانے لگے اور آتشیں لوٹے اور پتھر کی چٹانیں بادشاہی فوج پر پھینکتے رہے۔

جان لیوا تباہی اور بدحواسی

شہنشاہ عالمگیر کو جب اس صورت حال کی رپورٹ ملی کہ قلعہ کشا، بہادر حوصلہ ہار کر گم سم ہو گئے ہیں تو وہ پورے جاہ و جلال اور شاہانہ وقار سے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور آرزوئے شہادت میں مست مردانہ وار محاذ پر پہنچ گیا۔ حاشیہ کے تمام آدمی بھی گھوڑوں پر سوار حلقہ دار ساتھ ساتھ چلے آئے۔ بادشاہ نے پہنچتے ہی یورش کا حکم دیا کہ لاشوں کے پشتے بنا کر تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں سینہ سپر بڑھتے چلے جائیں اور قدم نہ روکیں۔ مگر لوگ ایسے بدحواس تھے کہ بادشاہ کا حکم بھی انھیں چونکا نہ سکا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے چاہا کہ شہزادہ محمد اعظم شاہ کو ہم قدم بنا کر بنفس نفیس قلعہ کی طرف بڑھیں مگر اراکین سلطنت نے بڑی منت سماجت اور اصرار کر کے بادشاہ کو آگے بڑھنے سے روک لیا۔ بادشاہ نے اپنے لشکریوں کی ہمت بندھائی کہ آخر اس قدر بدحواس اور خوف کیوں طاری ہو گیا۔ غنیم تو تم سے بازی نہیں لے جا سکا جو لوگ کہ لقمۂ اجل بن گئے وہ تو مرتبۂ شہادت پر پہنچ چکے ہیں جو اہل دین کی آرزوں کا منتہا اور آخرت کی نجات کا سرمایہ ہے تم کو بھی چاہیے کہ جہاد پر کمربستہ ہو کر آخری سانس تک مقابلہ کرتے رہو اور قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ بادشاہ نے سرفراز خاں دکنی کو حکم دیا کہ قلعہ گیری کا سامان لے کر معہ مندخاں کی تازہ دم فوج کے ساتھ تربیت خاں کی کمک پر جائے اور از سرنو مورچہ بندی شروع کر دے۔ جو لوگ بدحواس ہو گئے تھے وہ کف افسوس مل کر کہہ رہے تھے کہ ہزار افسوس ایسے کارگذار بہادروں کی جان مفت میں ضائع ہوئی اور لاکھوں روپیہ پانچ ماہ کی محنت خاک میں مل گئی۔ یہ انجام سے بے خبر نہیں جانتے تھے ؎

گل را چہ مجال است کہ گوید بہ کلال
کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی

کارساز حقیقی کبھی تو ابابیل کی چونچ سے سنگ ریزے گرا کر اصحاب فیل کو ہلاک کر دیتا ہے تو کبھی احد کے شہیدوں کا خون بہا کر کافروں کو خوشی کا موقع دے دیتا ہے بہرحال جو لوگ

ان غاروں اور چٹانوں میں موت سے ہمکنار ہو گئے تھے ان کے وارثوں نے بڑی کوشش کے بعد ان کی لاشیں نکالیں اور ان کو غسل دے کر دفن کر دیا۔

آتشیں مرحلہ ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا کہ اس حادثہ میں پیدل فوج کے ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد ماری گئی تھی۔ پتھروں سے کچل کر اور بارود سے جھلس کر مرنے والوں کی لاشیں اس قدر خراب ہو گئی تھیں کہ ہندو مسلمان کا پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ صحیح معنوں میں لاشوں کا وہ انبار جلے ہوئے گوشت کا تودہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہاں سے ان کا اٹھانا بھی مشکل اور دشوار تھا۔ توپ خانہ کے عملہ میں بھی میر آتش کی طرف سے بڑا غم و غصہ پھیل گیا تھا۔ اس لئے انھوں نے (زیادہ تر ہندوؤں نے) اس "مرحلہ" کو جسے کافی رقم خرچ کرکے اور دشمن کی گولہ باری میں بڑی سعی و تدبیر سے بلند کیا گیا تھا خفیہ طور پر آگ لگادی تاکہ لاشوں کا وہ انبار جو وہاں پڑا ہوا تھا جل جائے۔ یہ "مرحلہ" جو ایک چھوٹے قلعہ کی مانند تھا۔ ایک ہفتہ تک برابر جلتا رہا جسے دیکھ دیکھ کر قلعہ والے خوش ہوتے رہے اور اس آتشیں مرحلہ میں جتنی لاشیں تھیں اور جتنے ہندو اور مسلمان متعین تھے اور وہاں سے نکل نہ سکے تھے جل کر خاک ہو گئے۔ ؎

این مرحلہ گرچہ دل نشیں است
ہشدار کہ پاداشش آتشیں است

رام راجہ کی وفات ان ہی دنوں جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ بدبخت ساتا یعنے رام راجہ جو برار کی طرف بھاگ گیا تھا وہاں سے اپنے کوہستان میں واپس آنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا مگر راستہ ہی میں وہ طبعی موت مر گیا۔ اور اپنے پیچھے تین خورد سال بچے اور دو بیویاں چھوڑ گیا۔ اس اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ اس کا بڑا بیٹا بھی جس کی عمر پانچ سال تھی۔ چیچک میں مبتلا ہو کر باپ سے جاکر مل گیا۔ اس کے ہمراہی سرداروں نے اس کی بڑی بیوی تارا بائی کو جو ایک لڑکے کی ماں تھی رام راجہ کی جگہ گدی نشین کر دیا۔ تارا بائی خوبصورت اور عقلمند عورت تھی۔ شوہر کی زندگی ہی میں وہ فوج کی دیکھ بھال اور ملک کے نظم و نسق میں حصہ لیتی رہی تھی۔ رانی نے اپنے قبیلہ اور فوج کے ساتھ دشوار گذار پہاڑوں کی طرف سفر جاری رکھا۔

بادشاہ کو رام راجہ کے فوت ہونے کی خبر ملی تو شادیانہ بجانے کا حکم دیا اور اس مردم

آزار سے خلق خدا کے نجات پا جانے پر شکر ادا کیا۔ لشکر والوں نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور مبارک باد دینے لگے۔ جس طرح سنبھا کے مرنے پر وہ سمجھ رہے تھے کہ دکن سے فساد کی جڑ ختم ہو گئی اور اس کے بھائی رام راجہ کی موجودگی کو اہمیت نہیں دی تھی، اب رام راجہ کے مرنے پر بھی اسی خوش گمانی میں مبتلا تھے کہ مرہٹوں کا قلع قمع ہو گیا۔ دو شیر خوار بچے اور بے دست و پا عورت کا وجود ان کی نظر میں ہیچ نظر آرہا تھا۔ اس بات سے بے خبر تھے کہ ع "دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد"۔

دشمن کو حقیر نہیں جاننا چاہیے۔ چنانچہ رام راجہ کی بیوہ تارا بائی نے اختیارات سنبھال لینے کے بعد سرداری کا حق پورا پورا ادا کر دیا اور مرہٹوں کی جمعیت اسی طرح قائم و برقرار رہی اور ان کے فتنہ و فساد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا جس کو سال بہ سال ترتیب سے بیان کرتے جائیں گے۔

رام راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی تو مرہٹہ سرداروں میں بہر حال بڑا ہیجان برپا ہوا۔ قلعہ ستارہ سے سات کوس پر ایک قلعہ پرلی تھا وہاں دیوان کی جگہ پر اس ضلع کے مالی انتظام کے لئے ایک مرہٹہ سردار پرس رام نامی وہاں رام راجہ کی طرف سے متعین تھا۔ وہ ایسا حواس باختہ ہوا کہ قلعہ دار سے مشورہ کئے بغیر ہی قلعہ سے نکل کر بادشاہ کے حضور امان طلب کرتے ہوئے آ گیا۔ اس کے جانے سے پرلی کا قلعدار بھی بدحواس ہو گیا اور اس نے بھی جان و مال کی امان کا قول طلب کرنے کے لئے پیغام بھجوا دیا۔

قلعہ ستارہ پر قبضہ

اسی اثناء میں قلعہ ستارہ کے قلعہ دار سو بھان نامی نے جو قلعہ کی ایک دیوار کے گر جانے اور ایک بڑی تعداد کے جل کر ہلاک ہو جانے کے سبب پریشان تھا پھر رام راجہ کی موت کی خبر سن کر اور بھی بدحواس ہو گیا تھا اور پرلی کے قلعدار سے اسے شدید عداوت بھی تھی۔ شاہزادہ اعظم شاہ سے رجوع کر کے درخواست کی کہ اگر جان اور آبرو کی امان مل جائے اور بادشاہ پرلی کے قلعدار کے قصور معاف نہ کریں تو میں قلعہ کی چابی حوالہ کر دوں گا اور یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ بہت جلد امان کا قول دیئے بغیر ہی پرلی کا قلعہ بھی بادشاہی آدمیوں کے قبضہ میں لے آؤں گا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ ۱۳ ذی قعدہ (سنہ ۱۱۱۱ھ) کو اس نے قلعہ کی کنجی سپرد کر دی۔ تین ہزار سے زائد مرد اور عورتیں امان لے کر قلعہ سے اترآئے لشکر میں فتح کا شادیانہ بجایا گیا۔ قلعدار سو بھان

کو ہاتھ پیر باندھ کر تخت شاہی کے سامنے لایا گیا بادشاہ نے اس کے قصور معاف کر دیئے اور اسے پانچ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب مع گھوڑے ہاتھی کے دیا۔ مرصع کٹار علم اور نقارہ بھی مرحمت فرمایا۔

قلعہ پرلی کی مہم

ستارہ کی تسخیر کے بعد بادشاہ نے پرلی کے محاصرہ کا ارادہ کر لیا۔ پرلی کے قلعہ دار نے امان طلب کرنے برہمنوں کو روانہ کیا تھا۔ وہ جب دربار سے مایوس لوٹ گئے تو وہ مردانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ پرلی کا قلعہ بھی بلندی اور استحکام میں ستارہ سے کم نہیں تھا۔ بہادر لشکریوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بڑی بہادری سے حملے اور یورش کی خاص طور سے فتح اللہ خاں نے بڑے کارنامے انجام دیئے جن کی تفصیل باعث طوالت ہے مختصر یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو بڑا سخت حملہ کیا گیا تھا جس میں کافی آدمی شہید ہو گئے۔ فتح اللہ خاں اور تربیت خاں نے تھوڑے ہی عرصہ میں محصورین کو بہت تنگ کر دیا تھا۔ مگر شب و روز شدت سے بارش ہونے کی وجہ سے کہ اس علاقہ میں پانچ ماہ مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے اور ایک گھڑی کی بھی مہلت نہیں ملتی بادشاہی لشکر بہت پریشان ہو رہا تھا دوسری مصیبت یہ تھی کہ ندی نالوں کی طغیانی سے رسل و رسائل کے ذرائع مسدود ہو گئے تھے پھر اطراف سے مرہٹے بادشاہی رسد اور چارہ پر بھی چھاپے مارتے رہتے تھے۔ چنانچہ لشکر میں غذائی اشیاء کا ایسا قحط پڑا کہ آدمی اور مویشی سب جاں بلب ہو گئے۔ لشکر والے خریدنے سے قاصر رہے۔ تمام جانور اور سپاہی فاقوں سے سوکھ کر کانٹا بن گئے تھے۔ لشکر کو اس مصیبت میں گرفتار دیکھ کر قلعہ نشینوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر بھی حملے کرنے لگے۔ ان مشکلات کے باوجود فتح اللہ خاں نے ہمت نہیں ہاری اور پے در پے حملے کر کے قلعہ والوں کا ناطقہ بند کر دیا آخر کار وہ فریاد کرتے اور امان طلب کرتے ہوئے قلعہ سے نکل آئے۔

پرلی کا قلعہ اوائل محرم میں ڈیڑھ ماہ کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا۔ قلعہ کے لوگ اہل و عیال کے ساتھ بدن کے کپڑوں کے ساتھ قلعہ سے نکل گئے امرا شاہی مبارک باد کی تسلیمات بجا لائے۔ ان دونوں قلعوں میں (پرلی اور ستارہ) شاہان بیجاپور کی بنائی ہوئی مسجدیں تھیں ان کو کافروں نے نقصان پہنچایا تھا بادشاہ نے ان کی تعمیر کے احکام دیئے اور قلعہ ستارہ کو "اعظم تارا" اور پرلی کے قلعہ کو "نورس تارہ" کا نام دیا۔

خطرناک سفر

پرنالی کے قلعہ کے بندوبست اور قلعہ دار کے تقرر کے بعد بادشاہ نے کوچ کا ارادہ کیا۔ مگر بادشاہ کے اور امراء کے کارخانوں کے لئے باربرداری کی بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ آب و ہوا کے موافق نہ ہونے اور بارش کی زیادتی کے سبب اونٹ تو بالکل نہیں رہے تھے۔ وہاں کی آب و ہوا اونٹ کے تو قطعاً موافق نہیں ہے۔ دشوار گذار دروں میں گاڑیاں بھی نہیں چلتی ہیں۔ باربردار بیل گاڑیوں کے جو جانور اس پانچ ماہ کی بارش میں زندہ رہ گئے تھے وہ بھی بس ہڈی کا پنجرا رہ گئے تھے۔ ہاتھیوں کا بھی یہی حال تھا بہرحال بادشاہ کی سرکار کا ساز و سامان اور امیروں کا مال و اسباب انہی لاغر جانوروں پر اور مزدوروں فقیروں کے کاندھوں پر لاد دیا گیا اور بقیہ سامان قلعہ دار کے حوالہ کر دیا اور کچھ سامان جلا کر ضائع کر دیا۔ جن بے چاروں کے پاس کچھ نہیں تھا وہ کاندھوں پر گٹھری لاد کر چل پڑے۔ بہت سے ہاتھی اور بیل جو کمزوری سے بے دم ہو گئے تھے بوجھ برداشت نہ کر سکے، اور دروں میں گر گر مر گئے۔ ان کی لاشوں سے راستے بند ہو گئے۔ بہرحال لشکر بڑی مصیبت اور صعوبت کے بعد دریائے کشنا کے کنارے پہنچے۔ یہ پانچ کوس کی مسافت تین منزلوں میں طے ہوئی۔ ساحل پر دن کے ختم ہوتے ہوتے پہنچے تھے۔ دریا پر صرف سات ٹوٹی ہوئی کشتیاں تھیں۔ اور دریا عبور کرنے کے لئے کوئی انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ بادشاہ نے اسی جگہ مقام کرنے کا حکم دیا۔ کشنا کا پانی جس طغیانی اور تیزی سے بہتا ہے میں اس کا کیا ذکر کروں، اس کی خونخوار موجوں کو دیکھ کر ہول آتا تھا۔ ادھر لشکر کی یہ کثرت ادھر عبور کرنے کے ذرائع کا فقدان عجب پریشانی کا عالم تھا ؎

چہ دریا سایۂ قہر الٰہی
ازو در دہشت از مہ تا بماہی

جب لشکر دریا عبور کرنے لگا تو باوجود اس کے کہ بادشاہی گرز برادر انتظام و نگرانی کے لئے مقرر کر دیئے گئے تھے کہ زبردست لوگ زیردستوں پر ظلم و تعدّی نہ کرنے پائیں اور یہ بھی مقرر کر دیا تھا کہ ایک دن میں ایک شاہزادہ اور ایک نامی گرامی امیر کے آدمی دریا عبور کریں مگر اس کے باوجود گھاٹ پر اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ دریا کے کنارے کوئی دن نہیں جاتا تھا کہ میانوں سے تلواریں نہ نکل آتی ہوں اور دو تین آدمی قتل زخمی یا غرق نہ ہوتے ہوں۔ ترک تازخان اور چند تورانی مغلوں نے دو کشتیوں پر بغیر کسی حکم کے جانے کے زبردستی قبضہ کر لیا، اپنے آدمیوں

سامان کو دریا کے پار پہنچا دینے کے بعد آمدنی کا یہ ذریعہ نکالا کہ ملاحوں کو ساجھی بنا کر روپیہ کی جگہ اشرفی کرایہ لینے لگے جو کرایہ نہیں دیتا تھا اُسے کشتی پر سوار ہونے نہیں دیتے تھے۔ اس طرح انھوں نے خاصی رقم جمع کر لی جن بے چاروں کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں تھا، وہ وہیں دریا کے کنارے فکر مند پڑے ہوتے تھے اور درختوں کے نیچے بسیرا کر لیا تھا۔ ایسی افراتفری نفسانفسی تھی کہ ؎

گر ہمہ خضر است پے گم کردہ کارِ خود ہست
گر ہمہ عیسیٰ است در فکر خر و بار خود است

بہت سے لوگ جان سے اٹھ کر دریا میں کود پڑے تاکہ تیر کر نکل جائیں، دس میں سے ایک اگر صحیح سلامت کنارے پہنچا ہو تو پہنچا ہو باقی اسی بحرِ فنا میں غرق ہو کر رہ گئے۔ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک بڑی تعداد وہیں جنگلوں میں سر کھپ گئی۔

جوں توں کر کے بادشاہی لشکر نے دریا کو عبور کر لیا اور ماہِ صفر کے وسط میں ایک قریبی قلعہ پر پہنچ گئے۔ جہاں بس چند دن بسر کئے جا سکتے تھے۔ بادشاہ نے ایک ماہ تک مقام کرنے کا حکم دیا۔ بارش یہاں تک برابر ہم سفر تھی اس مقام پر اس نے لشکر کو پہنچا کر الوداع کہا اور لشکر والوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

شہزادہ اعظم شاہ کی روانگی

انہی دنوں شاہزادہ محمد اعظم شاہ کی بعض باتوں سے بادشاہ ناراض ہو گئے تھے پھر خود شاہزادہ کی طرف سے فوج کی پریشان حالی کی عرض داشت پہنچی تو بادشاہ نے شاہزادہ کو فوج کے آرام اور تازہ دم ہو جانے کے لئے اوجین کی صوبہ داری پر مقرر کر کے رخصت کر دیا۔ حالانکہ اس وقت بادشاہ نے پرنالہ اور دوسرے قلعوں کی تسخیر کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ اسی طرح اکثر بے سروسامان ملازموں کو جن کی جاگیریں اس نواح میں دس بارہ دن کی مسافت کے اندر اندر تھیں، بیجاپور اور دوسری بستیوں میں چلے جانے کی رخصت دے دی۔

اب بادشاہ نے پرنالہ کی مہم کا قصد کر لیا تھا۔ چنانچہ شاہزادہ بیدار بخت کو جسے رام راجہ کے تعاقب کے بعد حاضر ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ ابھی تک حضور میں پہنچا نہیں تھا قلعہ پرنالہ کی تسخیر کے لئے بادشاہی لشکر کا ہراول مقرر کر دیا۔ اس کے پیچھے ذوالفقار خاں اور تربیت خاں کو بھی توپ خانہ کے ساتھ روانہ کیا۔

چند دن آرام کے

مفتوحہ قلعوں پر فوج کشی میں بہت سے جان نثار ملازم اور بے شمار آدمی تلف ہو چکے تھے اس لئے اورنگ آباد حیدر آباد احمد آباد اور دوسرے تمام دور و نزدیک کے صوبہ داروں کو حکم دیا گیا کہ ہر ایک ہزار خوش اسپ سواروں کو بھرتی کر کے اور انھیں سرکاری خزانہ سے ششماہی تنخواہ پیشگی دے کر روانہ کردے اس انتظام کے بعد بادشاہ نے آرام کے لئے خواص پورہ کا رخ کیا جو واقعی بڑی سرسبز و شاداب مقام تھا وہاں پھل دار درخت تھے اور پانی بھی وافر مقدار میں تھا۔ بادشاہی لشکر نے آخر ربیع الاول میں وہاں پہنچ کر خیمہ گاہ قائم کردی۔ غلہ کی ارزانی اور ہر طرح کی غذائی اشیاء کی فراوانی کے سبب لشکر کے آدمیوں نے چند دن بڑے مزے اور آرام سے بسر کئے سہ

باز آمد رنگ ما بمروئے ما

باز آمد آب ما در جوئے ما

تیمور لنگ کا ورثہ

مگر زمانہ کب کے خوش حال و بے فکر دیکھ سکتا ہے اسی اثناء میں ایک ناگہانی حادثہ لشکر پر اور خود عالمگیر بادشاہ پر گذر گیا مختصراً ہم اس کا ذکر کرتے ہیں۔ خواص پورہ میں لشکر ایک کم آب نالہ کے کنارے ٹھیرا ہوا تھا۔ جس کے اطراف خشک ریگ زار نکل آیا تھا۔ بارش کا موسم ختم ہو چکا تھا۔ خیال تھا کہ اگر بے وقت بارش بھی ہوئی تو وہ اتنی شدید نہیں ہوگی۔ آخر ماہ ربیع الثانی میں دور دراز کے پہاڑوں اور وسیع ریگستان میں غالباً سخت بارش ہوئی اور وہاں سے پانی اتر کر ایک سیلاب کی شکل میں بڑھا۔ رات کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ اچانک وہ خوف ناک سیلاب لشکر گاہ پر پہنچ گیا لوگ نیند میں تھے ہوش میں آنے اور سنبھلنے تک پانی سر سے گذر رہا تھا۔ سارا بساط خانہ مع خیمہ فرش فروش کے سیلاب کی زد میں آگیا۔ خیمے بلبلوں کی طرح پانی پر تیرنے لگے۔ لوگ سراسیمہ وار ادھر سے ادھر دوڑنے اور چلانے لگے۔ اور استغفار پڑھنے لگے۔ اکثر تو اس سیلاب میں بہہ گئے۔

جس وقت سیلاب کی آمد پر ہنگامہ اور شور و غوغا مچا تو بادشاہ بیت الخلاء میں تھے شور سن کر خیال ہوا کہ شاید دشمن نے اچانک لشکر گاہ پر شب خون مارا ہے جلدی سے بادشاہ نے جو اٹھنا چاہا تو پاؤں رپٹ گیا اور ایسی سخت چوٹ آئی کہ آخر تک نہیں نکلی اور صاحب قران تیمور کے ورثہ میں پاؤں کا یہ لنگ پرانا ہو گیا۔ سیلاب دولت خانہ شاہی تک پہنچ گیا تھا

اور بادشاہ نے ذاتی سواری اور محل کی عورتوں کے لئے سواریاں طلب کرلی تھیں۔ صبح ہوئی تو پانی بھی اتر گیا مگر لشکر کے بڑے بڑے نامی گرامی امراء کا سارا مال و اسباب تلف ہو چکا تھا۔ اور وہ سروپا برہنہ ہر طرف دوڑ رہے تھے۔ عام مخلوق خدا کا جو حال ہوا ہوگا مگر اس کا کیا ذکر کیا جائے۔

پرنالہ کی طرف کوچ

اب ہم قلعہ پرنالہ کی مہم کا ذکر کریں گے جس کے لئے یہ پُر خطر سفر کیا گیا تھا۔ پرنالہ کو شاہزادہ محمد اعظم شاہ نے فتح کرلیا تھا اور وہ ایک مدت تک بادشاہی قبضہ میں رہا تھا مگر جلوس کے ۵۰ ویں سال میں دوبارہ اس قلعہ پر غنیم کا قبضہ ہوگیا تھا۔ بادشاہ نے ماہ رجب کے وسط میں پرنالہ کی طرف کوچ کیا اور اوائل شعبان میں مرتضیٰ آباد پہنچ کر بادشاہ نے قیام کیا۔

مخلص خاں بخشی کا انتقال

مخلص خاں (بخشی) راستہ میں بیمار ہوگیا تھا۔ مرتضیٰ آباد کی منزل پر پہنچنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ اسی منزل پر دشمن نے بادشاہی فوج پر اطراف سے چھاپے مارنے شروع کردیے تھے۔ مگر بہرہ مند خاں اور دوسرے امیروں نے حملہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔ بادشاہ کو صوبوں سے طلب کی ہوئی فوجوں اور سامان جنگ کا انتظار تھا جن کی طلبی کے لئے بادشاہی داروغہ مقرر کردیے گئے تھے۔ اس لئے آخر ماہ رمضان المبارک تک بادشاہ اسی ضلع میں ٹھیرے رہے۔ عید الفطر کے بعد کوچ ہوا اور دس شوال کو توپن گڈھ کے قلعہ کے نزدیک جو قلعہ پرنالہ سے ملا ہوا تھا چھاؤنی ڈال دی گئی۔

دکن کے اس سارے سفر میں جہاں بھی آبادی اور بستی ہوتی تھی جس پر "مصر" (فقہی اصطلاح) کا اطلاق ہو سکتا تھا بادشاہ جمعہ کی اور عیدین کی نماز پابندی سے ادا کرتے تھے۔ بعد میں جب قلعوں کی تسخیر اور مہم میں مشغول ہوگئے اور پاؤں میں بھی چوٹ آگئی اور سفر کی دوسری دشواریاں پیش آئیں تو بادشاہ نے نماز قصر کا حکم دے دیا، چونکہ یہ ارادہ کرلیا تھا کہ دکن کی مہم اور جہاد سے فارغ ہوکر دارالخلافہ لوٹ جائیں گے۔ اسی لئے جمعہ اور عیدین کی نمازوں کو منزل مقصود پہ پہنچنے تک موقوف کردیا۔

اطراف میں دشمن کی چھاپہ مار دستوں پر حملہ کرنے کے لئے خان فیروز جنگ کو روانہ کردیا گیا کہ وہ حملے کرکے ان کا زور توڑ دے۔

قلعہ پرنالہ کی تسخیر

(جلوس کا چوالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو گیارہ ہجری ۱۱۱۱ھ)

شاہزادہ بیدار بخت اور دوسرے امیروں کو پرنالہ کے دونوں قلعوں کی تسخیر کے لئے مامور کیا گیا۔ ان دونوں قلعوں کا احاطہ جریب کے حساب سے سات کوس تھا۔

شجاعت خاں صوبہ دار احمد آباد

جیسا کہ ہم بیان کر آتے ہیں۔ تازہ دم فوج اور سامان جنگ کی طلبی کے لئے بادشاہ کے احکام تمام صوبہ داروں کے پاس پہنچ چکے تھے یہ حکم احمد آباد بھی پہنچا۔ احمد آباد پر شجاعت خاں صوبہ دار تھا جو بادشاہ کی خدمت میں کبھی باریاب نہیں ہوا تھا اور اسے غائبانہ ہی بادشاہ نے صوبہ داری پر متعین کر دیا تھا۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ پہلے ایک معمولی منصب دار تھا۔ مگر حسن کارگزاری اور شجاعت و دیانت کے سبب اُس نے بہت جلد ترقی کی اور بادشاہ نے اسے کار طلب خاں کا خطاب عنایت کیا روز بروز بادشاہ کی نظر میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ عرصۂ قلیل میں اسے پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب مل گیا اور احمد آباد اور جودھ پور کا صوبہ دار مقرر ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے اس اعزاز کے ساتھ شجاعت خاں کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔

احمد آباد کے امیروں پر عتاب

جب شجاعت خاں کے پاس بادشاہ کا حکم پہنچا کہ وہ ایک ہزار سوار فوج کو اپنے متبنّیٰ لڑکے نظر علی خاں کے ہمراہ روانہ کر دے نظر علی خاں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک کسان کا لڑکا ہے جسے شجاعت خاں نے گود لے لیا ہے۔ احمد آباد کے لوگ اتنے دور دراز سفر پر آمادہ نہیں تھے اس لئے شجاعت خاں تعمیل حکم نہیں کر سکا۔ حالانکہ دوسرے صوبہ داروں نے کم و بیش کسی نہ کسی طرح حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس کو یہ گھمنڈ تھا کہ قدیم الخدمتی اور سابقہ خدمات کی وجہ سے بادشاہ اس کا عذر قبول کریں گے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کے پاس عرض داشت بھجوا دی کہ احمد آباد کے لوگ دور دراز کی مہم پر جانے سے معذور ہیں۔ اس عرض داشت کے ساتھ اس نے تلافی کے طور پر دو لاکھ روپیہ بھجوا دیئے۔ اتفاق سے جس دن شجاعت خاں کی عرض داشت پیش

ہوئی تھی محمد مراد خاں کی بھی عرض داشت پہنچی ۔ مراد خاں کم منصب خانہ زادوں میں تھا اور بادشاہ نے ہی اس کی تربیت کی تھی اور وہ بادشاہ کا مزاج شناس سمجھا جاتا تھا وہ صوبہ احمد آباد کے تعلقے گودرہ وغیرہ کی سرکار پر فوج دار تھا۔ اس کے اور شجاعت کے درمیان کچھ شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ اس وقت جب کہ بادشاہ اسلام جہاد پر کمربستہ ہوگئے ہیں اور کفار کے قلعوں کی تسخیر کا ارادہ کر چکے ہیں اس خانہ زاد کے لئے آرام اور چین سے بیٹھے رہنا محال اور دشوار ہوگیا ہے۔ میں بے حکم تو حضور میں نہیں آسکتا۔ اگر حکم صادر ہو جائے تو اپنے کسی آدمی کو اپنے تعلقہ میں نائب مقرر کرکے جتنی بھی جمعیت اکٹھا ہو جائے لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔ تاکہ جہاد کا ثواب بھی مل جائے اور حاضری کا شرف بھی۔ جب بادشاہ نے دونوں کے عریضے پڑھے تو قدرتی طور پر بادشاہ کو شجاعت خاں پر بڑا غصہ آیا اور حکم دیا کہ شجاعت کے متبنٰی کے اور صوبۂ احمد آباد کے تمام فوج داروں اور عہدہ داروں کی امثلہ پیش کی جائیں بادشاہ نے سب کے منصبوں میں کمی کر دی اور شجاعت خاں کے نام عتاب نامہ روانہ کیا جس کا مضمون عبارت کی کمی بیشی کے ساتھ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

"افسوس صد افسوس اس پیر ناداں پر کہ ہم نے اس پر بے پایاں عنایات کیں۔ حالانکہ اس نے کبھی شرف حضوری حاصل نہیں کیا تھا۔ اس کو ہم نے ادنیٰ مرتبہ سے اعلیٰ مراتب پر پہنچا دیا اور وہ اپنی صوبہ داری میں حسب صواب دید خود اختیار رہا مگر ان عنایات اور حق نمک کے مقابل اس کا رویہ یہ ہے کہ اس وقت جب کہ ماہ دولت جہاد اور کافروں کی سرکوبی کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور ہر مسلمان پر جو ایمان کا ذرا سا بھی حصہ رکھتا ہے۔ شاہ اسلام کی رعایت خاص طور سے جہاد کے لئے تو لازم اور واجب ہے وہ ایک ہزار سواروں کو وہ بھی سرکاری خرچ بھی روانہ کرنے میں لایعنی عذر اور لیت ولعل کر رہا ہے اور اپنے متبنٰی دہقان زادہ کو حضور میں بھجوانے میں متامل ہے۔ وہ غضب سلطانی سے بالکل بے خوف معلوم ہوتا ہے۔ اس رویہ کو بجز

بے سعادتی کے آخر کس بات پر محمول کیا جائے اور جو اس سے عدم اطاعت کی پردہ پوشی کے لئے جو حقیر رقم بھجواتی ہے اس کی حیثیت آفتاب کے سامنے ذرہ اور دریا کے مقابل قطرہ کی بھی نہیں دولت خداداد سلطنت ہندوستان تو ایک بحر بے کنار ہے۔ ہر سال اور ہر مہینہ کروڑ ہا روپیہ انعامات میں اور دوسرے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس بارگاہ کے تربیت یافتہ اور خانہ زاد ہیں اور اس آستانہ سے عقیدت رکھتے ہیں وہ از خود اس بارگاہ پر حاضری دینے کے لئے التماس کر رہے ہیں۔ اب اس کو بھی چاہیے کہ وہ اس فاسد خیال سے باز آجائے اور اپنے متبنیٰ کو ایک شائستہ فوج کے ساتھ حضور معلیٰ میں روانہ کر دے۔

اس فرمان کے ساتھ حکم ہوا کہ سخت گیر گرز بردار مقرر کیا جائے جو شجاعت خاں کے منہ بولے بیٹے کو اور احمد آباد میں متعینہ دوسرے افسران فوج کو حضور میں لے آئے۔

محمد مراد خاں پر عنایات شاہانہ

محمد مراد خاں کے نام اس کے برعکس ایک گرز بردار کے ہاتھ فرمان گیا کہ حاضر ہونے کی بابت عرض داشت ملاحظہ میں آئی وہ خوش اسپہ ایک ہزار سواروں کو اس وعدہ پر کہ ان کو اسی صوبہ میں منصب اور جاگیر عطا ہوگی، تیار کرے اور ماہانہ ساٹھ روپیہ کے حساب سے شش ماہی تنخواہ پیشگی دے کر اپنے ہمراہ لے آئے۔ فرمان ملنے کے بعد محمد مراد خاں نے شجاعت خاں کے خلاف مرضی فوج ترتیب دینی شروع کر دی جب شجاعت خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان جمع داروں کو جو بھرتی کر رہے تھے تہدید آمیز پیغام بھیجے اور ان کو ملازمت قبول کی ممانعت کر دی۔ لہٰذا محمد مراد خاں بڑی کوشش کے بعد پانچ سو سوار کے قریب لوگ فراہم کر سکا۔ ان میں سے ہدایت اللہ نامی کو، جو پہلے شجاعت خاں کے شاگرد پیشہ کا بخشی تھا اس لئے یہ امید دلائی کہ حضور میں پہنچنے کے بعد اس کا نام "سرخیل" رہے گا اور اسے دوسرے تمام ملازموں سے پہلے ملاحظہ میں پیش کیا جائے گا۔

جب گرز برداروں کے زیر انتظام محمد مراد خاں اور شجاعت خاں کا متبنیٰ نظر علی خاں پرنالہ کے محاصرہ کے آغاز میں حضور میں پہنچے اور بادشاہ کو اطلاع ملی کہ دونوں چوکی پر

پہنچ چکے ہیں تو بادشاہ نے محمد مراد خاں کو از راہ نوازش اسی وقت طلب کر لیا کہ ابھی اُس نے سفر کے کپڑے بھی تبدیل نہیں کئے تھے۔ باریابی کے وقت بادشاہ نے بڑی عنایات کیں اور اس کو اس کے بھائی بندوں کو اضافہ عطا کیا جو گرز بردار محمد مراد خاں کے ہمراہ آیا تھا اس کو بھی اضافہ اور ترقی دی۔ اس کے بعد جب نظر علی خاں خدمت میں پیش ہوا تو گرز برداروں کے داروغہ نے اس کارنامہ پر کہ وہ نظر علی خاں کو لے کر آیا تھا اضافہ اور ترقی کے لئے عرض کیا تو بادشاہ نے فرمایا۔ نظر علی خاں کو تو گرز بردار نہیں لایا، بلکہ اسے محمد مراد خاں کی ہم جیبی لے کر آئی ہے۔ محمد مراد خاں جن لوگوں کو لے کر آیا تھا ان کے متعلق حکم ہوا کہ محمد مراد خاں ان کی مثل پیش کرے اور وہ جس جس منصب پر سرفراز کئے جائیں ان کو وہ خود اپنی مہر سے تصدیق پر وہ دوسرے معائنہ میں پیش ہو سکتے ہیں۔ بخشیوں رمحکمۂ فوج کے افسروں) کو اس کارروائی میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں۔ محمد مراد خاں نے حسب وعدہ ہدایت اللہ کو سرمثل رکھا تھا۔ اسے تین صدی اور ڈیڑھ سو سوار کا منصب ملا۔ اسی سلسلہ میں روح اللہ خاں بخشی کے التماس پر نظر علی خاں اور صوبہ احمد آباد کے دوسرے متعینہ افسروں کے منصب جو حضور میں آگئے تھے بحال کر دیئے گئے مگر اس شرط کے ساتھ کہ پہلے ان کی جاگیروں سے محمد مراد خاں کے آوردہ سواروں کی تنخواہ پوری کی جائے پھر ان کی جاگیریں اُن کے تمام بحال کر دی جائیں ورنہ دوسری جگہ سے وہ اپنی تنخواہ وصول کریں۔ جب یہ خبر مشتہر ہوئی تو چند دن بعد شجاعت خاں کی عرض داشت پہنچی کہ محمد مراد خاں نے جن لوگوں کو دربار میں پہنچایا اور ان کو منصب دلا دیئے وہ سب کے سب احمد آباد کے بازاری لوگ ہیں اور قوم کے رذیل ہیں اور وہ حضور والا کے اُن خانہ زادوں کے نوکر اور ملازم ہیں جن کے قصور سرکار نے معاف کر دیئے ہیں اور ان کے منصبوں کو بحال فرما دیا ہے۔ مگر یہ جو حکم ہوا ہے کہ ان کی جاگیر محمد مراد خاں کے آوردہ اشخاص کی تنخواہ کے تکملہ کے بعد بحال کی جائے یا پھر وہ دوسری جگہ سے تنخواہ وصول کر لیں اس سے قدیم بادشاہی ملازموں کی بڑی تحقیر و خفت ہوتی ہے اور وہ بہت زیادہ بے آبرو ہو گئے ہیں۔ احمد آباد کے متعینہ افسروں اور فوجداروں کے وکیلوں نے بھی شجاعت خاں کے اشارہ پر اسی مضمون کے استغاثے داخل کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد مراد خاں کی کارگزاری زیر اعتراض آگئی۔ چنانچہ جس وقت محمد مراد خاں نے اپنے آدمیوں کی مثل پیش کی اور اس میں ہدایت اللہ کو "سرمثل" قرار دیا

تھا اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ شجاعت خاں کے شاگرد پیشہ کا بخشی تھا۔ شجاعت خاں کا عریضہ ملاحظہ میں تھا ہی اب یہ وضاحتی فقرہ دیکھ کر بادشاہ کو غصہ آگیا اور محمد مراد خاں پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا۔ شجاعت خاں نے سچ لکھا ہے اس کا ثبوت یہی ہے کہ اس نے مثل گذرانتے وقت پاجیوں کے بخشی کو سرمثل بنا کر اس کا تعارف کرایا ہے کیا ہمارے خانہ زادوں اور امراء کے فرزندوں میں اسے احمد آباد میں کوئی نہ مل سکا جو ہماری بندگی کا امیدوار ہو۔ غصہ سے حکم دے دیا کہ" محمد مراد خاں کے آوردہ آدمیوں کو جن کو صدی سے پانصدی تک کے منصب مل گئے ہیں گھٹا کر سب کو تین بیسی کے درجہ میں رکھ دو "۔ بعد میں محمد مراد خاں نے موقع دیکھ کر عرض کیا کہ شجاعت خاں کے بہکانے کی وجہ سے کوئی جمعیت دار اطاعت پر رضامند نہیں تھا اس لئے مجبوراً ہدایت اللہ سے سرمثل بنانے کا وعدہ کر لیا تھا: تاہم اب بھی امیرزادے ساتھ آتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ بادشاہ نے اس گذارش پر معاف کر دیا اور اسی کی تجویز کے مطابق اس کے آدمیوں کو منصب عطا کر دیئے۔

قلعہ پرنالہ کا محاصرہ اب ہم قلعہ پرنالہ کے محاصرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بادشاہی فوج نے محاصرہ کرنے کے بعد مورچہ بندی نقب اندازی اور گولہ باری کے انتظامات مکمل کر لئے برج اور فصیل کے مقابل توپیں نصب کر دیں۔ گولہ باری سے قلعہ کے بعض گوشے منہدم کر دیئے مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ تربیت خاں کے زیر اہتمام چابک دست سنگ تراشوں نے ایک بہت بڑی عجیب و غریب سرنگ بنا ڈالی یہ سرنگ زیر زمین اتنی چوڑی تھی کہ تین مسلح نوجوان پہلو بہ پہلو بڑے اطمینان سے چل سکتے تھے پھر فاصلہ فاصلہ پر مربع گوشے تھے جو اتنے وسیع تھے کہ تیئیس آدمی ان میں بیٹھ سکتے تھے اور قلعہ کی گولہ باری سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ ان تہ خانوں کی چھت میں سوراخ بنائے گئے تھے جن کے ذریعہ قلعہ کے برج اور فصیل پر بندوقوں سے آتش باری کی جا سکتی تھی ان تمام تدبیروں کے باوجود قلعہ کی تسخیر کی کوئی راہ نہیں نکلی۔ یہاں تک کہ بارش کا موسم آگیا۔ اور لشکر بڑی زحمتوں میں مبتلا ہو گیا۔

فتح اللہ خاں کی آمد انہی دنوں فتح اللہ خاں بہادر جو اپنی جاگیر پر رخصت لے کر گیا ہوا تھا لوٹ آیا جب "کوچہ سلامت" (سرنگ نما راستہ) قلعہ کے نیچے تک پہنچ گیا تو فتح اللہ خاں نے منعم خاں کے ساتھ بڑی بہادری سے یورش کی کہ

دوست اور دشمن سب آفریں کہنے لگے مگر تربیت خاں اور دوسرے امیر نہیں چاہتے تھے کہ میر آتش کی سعی و کوشش کے سامنے فتح اللہ خاں کی حسن کارگزاری کا شہرہ ہو اسی طرح محمد مراد خاں نے بھی بڑی جاں بازی کا مظاہرہ کیا تھا مگر مقرب امراء کے حسد و نفاق کی وجہ سے اس کی کارگزاری کی بھی قدر نہیں ہو سکی۔

خان جہاں کی بہادری

حاجی محمد انور کا بیٹا اپنے وطن سے بادشاہ کے حضور آیا تو بادشاہ نے بڑی عنایات کیں اور فرمایا "ہم چاہتے تھے کہ حاجی محمد انور کو اپنی عنایات سے نوازیں مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اب وہ عنایات تمہارے لئے رو بعمل آئیں گی"۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے خان جہاں کا خطاب عطا فرمایا۔ مناسب منصب دیا اور دیوان خاص کے داروغہ حمید الدین خاں کی پیش کاری پر مقرر کر دیا اس کے ساتھ اس کو شاہزادہ محمد کام بخش کی فوج کی سات چوکیوں کا امین اور وقائع نگار بھی بنا دیا وہ حسب الحکم محاذ جنگ کی صورت حال معلوم کرنے کے لئے مورچوں پر چلا گیا تھا اس وقت قلعہ پر سے توپ و تفنگ سے گولے برس رہے تھے اور بڑی شدت سے سنگ باری ہو رہی تھی اور بان چھوڑے جا رہے تھے۔ اور بادشاہی لشکر اس آتش باری میں بڑی جاں نشانی سے مورچے آگے بڑھانے میں مشغول تھا۔ غرض لڑائی پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی اور دونوں طرف سے کافی آدمی کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خان جہاں بھی لڑائی میں شریک ہو گیا اور بڑی بہادری سے حملے کر کے کافروں کی ایک بڑی جماعت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب اس کی دلیری کی بادشاہ کو رپورٹ ملی تو خوش ہو کر اس کو نمایاں اعزاز اور عنایات سے نوازا گیا۔ خان جہاں بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا تھا اس کے چہرہ سے ہی شجاعت و بہادری کے آثار نمایاں تھے اور روز بروز وہ ترقی کے مدارج طے کرتا چلا گیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

پرنالہ پر بہادرانہ یورش

قلعہ پرنالہ اور قلعہ پون گیڑہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے مگر ان کے درمیان ایک پہاڑی تھی اس پر آبادی کے نشان دکھائی دیتے تھے مگر باوجود کوشش کے اس پہاڑ کے حصہ کا حقیقی حال معلوم نہیں ہو سکا تھا دونوں طرف کی مسلسل گولہ باری سے ہر کارے اوپر جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ شاہزادہ محمد کام بخش کا بخشی خواجہ محمد بڑا بہادر اور کارگذار آدمی تھا۔ انہی دنوں اس کا منصب بحال ہوا تھا اور جاگیر پائی تھی اس کو اور محمد مراد خاں کو بادشاہ نے

مامور کیا تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں اور شاہزادہ کے آدمیوں کو لے کر دونوں قلعوں کے درمیان اس پہاڑی کے نیچے تھانہ قائم کر دے۔ تاکہ غنیم اس طرف سے اتر کر چھاپہ نہ مار سکے۔ تھانہ قائم کئے ہوئے چند دن گذرے تھے کہ ایک روز طلوع آفتاب سے پہلے دشمن کے آدمی پہاڑی سے اترے اور لشکر کے ایک کنارے پہنچ کر مویشیوں کو جو وہاں چر رہے تھے۔ چرالیا اور ان کو ہنکاکر پہاڑی پر لے جانے لگے۔ محمد مراد خاں کا بیٹا محمد جواد اور اس کے بھانجے سلطان حسن اور سلطان حسین کو خبر ملی تو وہ جس حال میں بیٹھے تھے اٹھے اور تلوار اور سپر لے کر پیدل ہی اپنے ہمراہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے سر پر جا پہنچے دشمن کے آدمی مقابلہ کی تاب نہ لاکر مویشیوں کو چھوڑ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہادروں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا اتنے میں محمد مراد خاں کو بھی اس کی خبر ہو گئی اور وہ بھی اپنے بیٹے اور بھانجوں کی مدد پر پہنچ گیا۔ اس وقت قلعہ والوں نے بندوقوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور شدت سے سنگ باری کرنے لگے مگر محمد مراد خاں نے ان کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ اس موقع پر مراد خاں کا خانساماں محمد مقیم نامی ایک خواجہ سرا اور دو تین اور آدمی شہید ہو گئے۔ تاہم مراد خاں اور اس کے ہمراہی بہادری سے یورش کرتے ہوئے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے اور وہاں بادشاہی لشکر کے نشان جھنڈے گاڑ دیئے اور پہاڑ کی درزوں میں مورچے قائم کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ جب لشکر نے محمد مراد خاں کے نشان پہاڑ پر دیکھے تو سب نے مل کر آفریں آفریں کے نعرے بلند کئے ایسا شور اٹھا کہ بادشاہ نے بھی تسبیح خانہ میں سُن لیا اور خواجہ سراؤں سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تربیت خاں نے ہی اس مہم کی ترغیب دلائی تھی مگر اب تک وہ خود کچھ کر نہ پایا تھا اور بادشاہ کے مقربوں کو اس سے ایک طرح کی عداوت سی ہو گئی تھی اس لئے اس موقع پر انھوں نے بادشاہ کی ہوا خواہی جتلاتے ہوئے میر آتش (تربیت خاں) کے خلاف لغو کلمات کہے بلکہ اس کے بارے میں گالی گفتا کرتے ہوئے محمد مراد خاں کی تعریف و توصیف کرنے لگے۔ اور قلعہ کی تسخیر کی ان علامات پر تسلیمات کورنش بجالائے۔ بادشاہ کے حکم سے سامنے کی قنات ہٹادی گئی اور بادشاہ نے فتح کے نشانوں کو پہاڑی پر خود مشاہدہ کیا۔ اسی وقت محمد مراد خاں کا پیغام مدد اور کمک کے لئے اور مورچہ بندی کا سازو سامان پہنچانے کے لئے آیا۔ بادشاہ نے خط خاص سے ایک پرچہ روح اللہ خاں اور حمید الدین خاں کو کمک پر جانے اور تختے اور دوسرا

مورچہ بندی کا سامان پہنچانے کے لئے لکھا اور آخر میں بادکا شقہ محمد مراد خاں کے نام بھجوا دیا

امرائے شاہی کی رقابتیں

روح اللہ خاں اور حمید الدین خاں حسب الحکم پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے مگر انھوں نے محمد مراد خاں کو پیغام دیا کہ۔ "تم نے بے جا اقدام کیا اور جلد بازی سے کام لیا ہے، اب تم ہم کو اپنی امانت کے لئے بلا رہے ہو مگر جس مدد کی تم توقع رکھتے ہو اس کے روبہ عمل آنے کا امکان نہیں ہے۔ اگر تم اور تمھارے ہمراہی اپنے طور پر مورچے قائم کرسکو تو مبارک ورنہ مورچے قائم نہ ہونے کا عذر کرکے نیچے اتر آؤ" اس نامہ و پیام میں شام ہو گئی۔ محمد مراد خاں کو بے نیل و مرام اترنے سے عار تھا۔ پھر اسی اثنا۔ میں قلعہ والوں کی طرف سے اس کے پاس چند شرائط پر امان طلب کرنے کا پیغام بھی آچکا تھا۔ اس لئے وہ پہاڑی سے اترنے پر آمادہ نہیں ہوا اگرچہ تربیت خاں اور روح اللہ خاں کی طرف سے جلد اتر آنے کے اشارے مسلسل کئے جا رہے تھے آخر روح اللہ خاں اور حمید الدین خاں نے محمد مراد خاں کو ایک محرم خاص کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ۔ کیا تم اس پر آمادہ ہو کہ ہم تمھارے ساتھ متعین رہیں اور تربیت خاں اور دوسرے رکاب شاہی کے امرا۔ کی جد و جہد پامال ہو جائے ۔

آخر روح اللہ خاں نے بادشاہ کی خدمت میں لکھا کہ اگرچہ محمد مراد خاں نے خانہ زادی کا حق ادا کیا ہے اور بڑی بہادری اور جاں بازی کا ثبوت دیا ہے مگر اس جگہ مورچہ بندی ممکن نہیں ہے وہاں ٹھیرنا ممکن نہیں رہے گا۔ رات میں اگر وہاں کیمپ رہے گا تو بڑے نقصان کا اندیشہ ہے جس سے بدنامی اور رسوائی ہوگی مگر محمد مراد خاں بغیر حکم کے اترنے پر راضی نہیں ہے۔ اس عریضہ پر خلد مکاں نے بگڑ کر محمد مراد خاں کو خط خاص سے لکھا کہ۔ "ایسی بے جا جرأت جس سے ندامت اٹھانی پڑے۔ آخر کیوں کی جائے جلد پہاڑ سے اتر آؤ"۔ اس وقت دربار کے اکثر مقربوں نے بھی جو روح اللہ خاں بخشی اور میر آتش سے ربط ضبط رکھتے تھے۔ محمد مراد خاں کی بے جا دوڑ دھوپ کو خاطر نشیں کرا دیا اور اس کی حسن خدمت کو الٹا قابل اعتراض بنا دیا۔ بس امرا۔ کا یہی باہمی نفاق اور عداوت تھی جس کی وجہ سے دکن کی مہم نے اتنا طول پکڑ لیا۔

مگر جب بادشاہ خلوت میں گئے تو رات کے وقت بادشاہ کو دوسرے ذرائع سے حقیقی

صورت حال کا علم ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے دن جب محمد مراد خاں، تسلیمات کے لئے حاضر ہوا تو روز کے معمول کے خلاف کہ وہ تسلیمات کے لئے اپنی مثل کے افسروں کو بھی معائنہ کے لئے کھڑا رکھتا تھا خود تنہا پیش ہوا۔ بادشاہ نے لطف و مہربانی سے فرمایا کہ "تم نے مثل کیوں نہیں گذرانی" (سلام کے لئے جمعیت کی پریڈ کیوں نہیں کرائی) اس نے جواب دیا "میرے آدمی شب خیزی اور اس بے جا کارگذاری کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ حاضر نہیں ہوئے" بادشاہ نے قدردانی کے سبب اس کو تسلی دلاسا دیا اور فرمایا کہ "ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ جاں فشانی اور بہادری میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی مگر لشکر کے اعلیٰ عہدہ دار تمہاری کارگذاری کو کامیابی تک پہنچانا نہیں چاہتے تھے"۔ پھر اسی وقت بادشاہ نے حمید الدین خاں کو خلوت میں بلا کر کہا کہ "خان زماں عرف شیخ نظام نے سنبھا کو مع فرزندوں اور اہل وعیال کے گرفتار کر کے حاضر کر دیا تھا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا مگر ہمارے مقربوں نے اس کی قدر افزائی اور عنایات کا موقع نہیں دیا۔ اس وقت بھی یہ بات تھی کہ اگر ہمارے خانہ زادوں میں سے کوئی ایسی نمایاں کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو اس کی اولاد تیموری خاندان پر اپنا احسان جتاتی رہے گی۔ دوسرے تربیت خاں کا بھی لحاظ تھا۔ بہرحال تم لوگوں نے محمد مراد خاں کی کارگذاری کو کامیاب ہونے نہیں دیا ہمارا خیال تھا کہ تم بہت زیادہ راستی پسند ہو مگر تم بھی تربیت خاں کا بکرا بن کر رہ گئے ہو۔"

بادشاہ نے تربیت خاں کو یورش کرنے کے لئے تاکیدی احکام بھیجے۔ اس نے جواب میں گذارش کی کہ "قلعہ گیری اور حملہ کا سامان بالکل تیار ہے محمد مراد خاں کو جس نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ حکم ہوا کہ وہ بھی حملہ کے دن تعاون کرے۔ تربیت خاں بادشاہ پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس دن جو دلیری اس سے ظاہر ہوتی تھی وہ محض اتفاقی تھی بادشاہی امیر ایسا ہی حسد اور نزاع فتح اللہ خاں سے رکھتے تھے۔ حالانکہ اس کی بہادری کا بڑا شہرہ تھا۔ بادشاہ نے اس کے عریضہ کے جواب میں لکھا "محمد مراد خاں اور فتح اللہ خاں اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مگر تم بھی تو محاصرہ کی طوالت کے عار سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

پرنالہ کی فتح، کھیلنا کا محاصرہ

(جلوس کا پنتالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو بارہ ہجری ۱۱۱۲ھ)

قلعہ پرنالہ پر قبضہ

"قلعہ پرنالہ کے محاصرہ پر جب دو ماہ گذر گئے تو بادشاہی لشکر نے ایک زبردست حملہ کیا۔ زینے لگا کر قلعہ پر لوگ چڑھ گئے" اور بکثرت شہید ہو گئے اور کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حملہ کے دن محمد مراد خاں کے نشان پھر اسی چوٹی پر لہرانے لگے اور فتح اللہ خاں نے بھی بڑی بہادری دکھائی۔ اس وقت عام طور پر یہ شہرت ہو گئی تھی کہ محصوروں اور محمد مراد خاں میں قلعہ سپرد کر دینے کی بابت نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ حال جب قلعہ والے بہت تنگ ہو گئے "تو پرنالہ کے قلعدار نے شاہزادہ محمد کام بخش اور تربیت خاں سے خفیہ طور پر ایک رقم وصول کرکے امان کا قول نامہ طلب کر لیا اور ماہ ذی الحجہ (۴۵ جلوس) کے آخری دنوں میں دونوں قلعوں کی کنجیاں بھجوا دیں اور قلعوں کو خالی کر دیا۔ اس طرح یہ بلند و مستحکم قلعے بادشاہی آدمیوں کے ہاتھ آ گئے۔ بادشاہ نے پرنالہ کو "نبی شاہ درگ" کا نام دیا۔

آندھی اور طوفان

بادشاہ پرنالہ سے کوچ کرنا چاہتے تھے کہ سخت آندھی اٹھی، اور بے موسم کے بادل آسمان پر چھا گئے۔ ہوا کے جھکڑ ایسے سخت تھے کہ سارے خیمے پتنگ کی طرح اڑنے لگے۔ طنابیں اکھڑ گئیں، چادریں فرفر اڑنے لگیں۔ لوگ اس طوفان باد سے پریشان ہو کر فریاد کرنے لگے۔ پردہ نشین عورتوں کا پردہ اٹھا تو نظارہ بازوں کی بن آئی حسن پرست نظارہ بازی کا سامان پا کر بے خود ہو گئے۔

کھاون اور چندن مندن

بادشاہ نے اوائل محرم میں کھاون کی طرف کوچ کیا۔ ایک تو یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب تھا اور سب جگہ سے یہاں غلہ اور چارہ زیادہ مل سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اسی طرف قلعہ چندن مندن بھی تھا اور بادشاہ نے اس کی تسخیر کا بھی ارادہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ فتح اللہ خاں کو پانصدی ذات اور سو سواروں کا اضافہ اور "بہادر" کا خطاب دے کر اس علاقہ کی طرف پہلے روانہ کر دیا۔ اس بہادر نے وہاں پہنچ کر بڑی دلیری سے فوج کشی کی اور کافروں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے

گھاٹ اتار دیا اور اس ضلع کے چاروں قلعوں کے کوہستان سپہ میں تہلکہ مچادیا، بے شمار آدمی اسیر ہو گئے اور بکثرت مویشی قبضہ میں آ گئے۔ بادشاہ کی آمد آمد کے شہرہ سے قلعہ بند کافر ایسے ہراساں ہوئے کہ محاصرہ کرنے سے قبل ہی پارس گڈھ کا قلعہ خالی کر کے فرار ہو گئے۔

آخر محرم میں پانچہ گاؤں سے دو کوس پر خیمہ گاہ ہوئی۔ بادشاہ نے پارسی گڈھ کو صادق گڈھ کا نام دیا اور بہرہ مند خاں کو فتح اللہ خاں کے ہمراہ چندن مندن کے قلعہ پر بھیجا فتح اللہ خاں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور تھوڑی ہی فرصت میں یہ قلعے بادشاہی قبضہ میں آ گئے۔ ۔ ۔ ۔ جمادی الاول کے وسط تک چاروں قلعہ کی تسخیر سے لشکر فارغ ہو گیا۔

کھیلنا کی طرف کوچ

۱۸ جمادی الآخر سن جلوس ۴۵ ھ قلعہ کھیلنا کی تسخیر کے ارادہ سے پانچہ گاؤں سے روانگی عمل میں آئی اگر ہم اس سفر میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر شروع سے آخر تک کریں تو بڑی طوالت ہو گی۔ خاص طور سے دشوار گذار راستوں اور زہریلے درختوں اور خاردار جنگلوں اور وہاں کی خراب آب و ہوا کا تذکرہ بڑی تفصیل رکھتا ہے۔ مختصراً ہم یہاں اس سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔

دو روزہ راستہ بارہ دن میں طے کر کے لشکر انبا گھاٹ پر پہنچا جو وہاں کی مشہور گھاٹی ہے۔ لشکر کو حکم ہوا کہ وہ گھاٹ سے عبور کر کے آگے بڑھ جائے۔ شہزادہ بیدار بخت باغیوں کی سرکوبی کے لئے کرکاک کی طرف گیا ہوا تھا۔ اس ضلع کی تاخت و تاراج اور فتنہ پردازوں کے ٹھکانوں کو آگ لگا دینے کے بعد وہ اسی منزل میں حاضر ہو گیا۔ ان چند دنوں میں بے موسم بارش ہونے کی وجہ سے ایسا کیچڑ پانی تھا کہ ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ تک جانا محال ہو گیا تھا۔ اس لئے کوچ کرنا محال تھا۔ فتح اللہ خاں کو گھاٹی کا راستہ درست کرنے پر مقرر کیا گیا۔

وسط ماہ رجب میں کھیلنا پہاڑ کے دامن میں جہاں سے قلعہ ساڑھے تین کوس کے فاصلہ پر تھا نزول ہوا یہ مقام بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ درخت بکثرت تھے۔ پھل پھلاری بھی کافی مل جاتے تھے۔ حکم ہوا کہ فتح اللہ خاں کے زیر نگرانی بیلدار اور سنگ تراش راستہ کے نشیب و فراز اور پہاڑی رخنوں پر درخت کاٹ کاٹ کر ڈال دیں اور راستہ کو قلعہ کے گرد پہنچنے کے فاصلہ تک ہموار اور درست کر دیں۔ فتح اللہ خاں راستہ بنوانے نکلا تو دشمن کے آدمی چٹانوں اور درختوں کی آڑ سے اس کی جمعیت پر چھاپے مارتے رہے۔ ان تمام خطرات کے باوجود اس بہادر نے ایک ماہ کا کام ایک ہفتہ میں پورا کر دیا اور راستہ ایسا

بن گیا کہ سو سوار ایک ساتھ گذر سکتے تھے۔

دشمن کے حملے اور پسپائی

بادشاہ نے جمدۃ الملک اسد خاں کو امیر الامراء کا خطاب اور چار ہزار اشرفی اور مرصع خنجر انعام دیا اس کے ساتھ حمید الدین خاں، بہادر منعم خاں، فتح اللہ خاں بہادر راجہ جے سنگھ اور دوسرے امیروں کو قلعہ کے محاصرہ پر مامور کر کے رخصت کیا۔ فتح اللہ خاں اور حمید الدین خاں قراولی کے نئے درہ میں داخل ہوئے۔ فتح اللہ خاں نے ایک مقام کو دمدمہ باندھ کر توپوں کو اوپر لے جانے کے لئے منتخب کر لیا اور وہاں بڑی کوشش سے تھانہ قائم کر کے واپس آگیا۔ اس کے جاتے ہی کافروں نے حملہ کر کے اس مقام پر قبضہ کر لیا اور وہاں دیوار کھنچ کرا پنے مورچوں کی حد بنالی مرہٹوں نے چار، پانچ دن تک درہ کے راستہ کو روک لشکر کو آگے بڑھنے نہیں دیا درختوں چٹانوں کی آڑ لے کر وہ بندوقیں چلاتے رہے۔ بھاری بھاری پتھر اوپر سے لشکر پر گراتے رہے فتح اللہ خاں اور دوسرے سرداروں نے بڑی بہادری سے ان پر حملے کئے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو جہنم رسید کر دیا۔ بادشاہی لشکر کی ایک جماعت بھی اس لڑائی میں کام آگئی۔ آخر مرہٹے شکست کھا کر بھاگے اور اکثر ٹیلوں پر سے گر کر مر گئے۔ ان کی ایک بڑی جماعت اسیر بنالی گئی ان کی گردنوں میں پتھر باندھ کر پہاڑ کے غاروں میں ان کو الٹا لٹکا دیا گیا۔ اس دن جب کہ بہادروں کی تلواریں مرہٹوں کے خون سے رنگین ہو گئی تھیں خود فتح اللہ خاں نے بڑی بہادری دکھائی تھی ؎

ہر روز وغا آں یل زورمند	بچک چاک شمشیر و خم کمند
زدشمن بے کشت و آورد بند	خداداوش ایں دست و نام بلند

فتح اللہ خاں کی خدمات

اس نمایاں فتح پر بادشاہ نے فتح اللہ خاں کو دو سو سوار کا اضافہ علم اور مرصع خنجر عطا کیا حمید الدین خاں کو کنارے دی منعم خاں کی سواری کا گھوڑا اس لڑائی میں کام آ گیا تھا اسے طلائی ساز گھوڑا عنایت فرمایا فتح اللہ خاں کی درخواست پر اس کی برادری کے تمام منصب داروں کو حسب مراتب اضافہ عطا ہوا۔ ماہ شعبان میں قلعہ کشا بہادروں کی کوششوں اور جانفشانی سے قلعہ کے اطراف مورچے تمام ہو گئے۔ وہاں کی سنگلاخ زمین میں کوچہ سلامت دسرنگ) بنانا اور دمدمے اٹھانا بڑا کٹھن کام تھا۔ فتح اللہ خاں نے بڑی بہادری اور ہنرمندی سے

کوچہ سلامت (سرنگ) کھدوایا جس میں اچھے خاصے نشیمن (کمرے) اور روشن ہوا دار دریچے بھی بنوا دیے اور انگور کی بیل کی طرح اس پر رسیاں بندھوا دیں کہ یورش اور حملے میں جو مرہٹے بھی مارے جاتے ان کے سر کاٹ کر ان میں گھاس بھر کر ان رسیوں پر انگور کے خوشوں کی طرح لٹکا دیا جاتا۔ مرہٹوں کے دل میں فتح اللہ خاں کی ایسی ہیبت بیٹھ گئی کہ وہ اس کے مورچوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے اور اس کا نام سن کر نیند سے چونک اٹھتے تھے۔ بادشاہ سوار ہو کر مورچوں کے معائنہ کے لئے آئے تو فتح اللہ خاں کے مورچوں اور کوچہ سلامت (سرنگ) کو دیکھ کر بڑی تعریف کی۔

بادشاہی دولت خانہ

قلعہ سے ساڑھے تین کوس پر دولت خانہ تھا بادشاہ نے نصف کوس کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن کوچ کرنے کے بعد وہ تین کوس کا فاصلہ رستم کے ہفت خوان سے زیادہ ہی دشوار نکلا، لشکر کے لوگوں کو بڑی زحمت برداشت کرنی پڑی، ہزاروں جانور پہاڑی راستوں سے نیچے کھائی میں گر پڑے۔ بہت سے آدمی ایک دوسرے کے نیچے آکر بُری طرح روندے گئے۔ پھر مرہٹے موقع پا کر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ جس پر بھی قابو ملتا اس کا سر بدن سے کاٹ لے جاتے اور ہتھیار جسم سے اُتار لیتے۔ یکم رمضان کو کوچ ہوا تھا، اور یہ ذرا سا راستہ پورے دس دن میں طے ہوا بہت سے کارخانے اور چنداول کے آدمی پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی چند دن بعد بڑی صعوبتوں کے بعد جب کہ نصف مال اور جانوں کا نقصان ہو گیا، پہنچ سکے۔ بےشمار نئے اور پرانے خیمے اور زائد از ضرورت اسباب جسے باربرداری کی قلت اور دشمن کی دست اندازی کی وجہ سے منزل تک پہنچانا ممکن نہیں تھا، وہیں جلا کر غاروں میں ڈال دیا گیا۔ تاکہ کافروں کے کام بھی نہ آسکے۔ بہر حال جو جانی مالی نقصان ہونا تھا ہوا۔ لوگوں پر جو گذرنا تھا گذر گیا اور سب لوگ ان خطرناک منزلوں سے گذر کر قلعہ کی گولہ باری کی زد میں آپہنچے۔

رنبا گھاٹ کی نگرانی

بادشاہ نے شہزادہ بیدار بخت کو وہاں سے واپس کر دیا، اور حکم دیا کہ وہ لوٹ کر نبی شاہ درگ (پرنالہ) کے قلعہ کے قریب چلا جائے اور راستہ پر جو مرہٹے فتنہ انگیزی پر آمادہ ہوں ان کی سرکوبی کرے تاکہ نئے منصوب کردہ بادشاہی قلعہ دار کی اس کمک سے ہمت بندھی رہے اور اس کے خلاف جو کافر ملحقہ پہاڑ رہے ہیں ان کا قلع قمع ہو جائے اور اس طرف سے کھیلنا کے محصوروں کے

کے لئے مرہٹوں کی کمک پہنچ نہ سکے ۔ اسی طرح محمد امین خاں کو جسے ان دنوں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا تھا ، مغلیہ فوج کے ہمراہ رنباگھاٹ پر بھجوا دیا تاکہ اس طرف سے کافروں کو غلہ کی رسد نہ پہنچنے پائے اور بادشاہی لشکر میں بنجاروں کو پہنچانے کے لئے بدرقہ مقرر کیا جائے ۔ محمد امین خاں نے وہاں پہنچ کر گھاٹ کے نیچے کیمپ لگا دیا اور مرہٹوں کو خوب تاخت و تاراج کرکے ان کے ٹھکانوں کو آگ لگا دی اور سارے مویشی اور جانور پکڑ لئے ۔ یہاں تک کہ اس ضلع میں مرہٹوں کا نام و نشان باقی نہ رہا ۔ تربیت خاں کو بھی اسی خدمت پر مامور کیا گیا تھا ۔ اس نے بھی محمد امین خاں کے ساتھ بڑی محنت اور دوڑ دھوپ کرکے مرہٹوں کا قلع قمع کردیا ۔

دمدمے اور کوچۂ سلامت

اب ہم فتح اللہ خاں کارناموں کا حال لکھتے ہیں ۔ آخر کوچۂ سلامت (سرنگ) اس کھائی اور غاروں تک پہنچ گیا جو قلعہ کے دامن میں تھے ۔ قلعہ کھیلنا نہایت بلند مستحکم قلعہ ہے کہ اس پر یورش امر محال معلوم ہوتی تھی ۔ فتح اللہ خاں کی اس کھدائی پر اس کے ہم چشم امیر اور افسر مذاق اڑاتے رہتے تھے کہ یہ بے کار کی محنت اور مشقت ہے مگر وہ دھن کا پکا برابر کام میں لگا رہا ۔ اس نے روپیہ پانی کی طرح بہایا اور رات دن سنگ تراشوں پر مسلط رہا ۔ بلکہ اکثر خود تیشہ لے کر پہاڑ کاٹنے میں مصروف ہو جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ وہ نقب قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئی ۔ اس اثناء میں بے شمار آدمی کام آگئے ۔ اسی طرح دمدمہ اٹھانے میں بھی بڑی محنت کرنی پڑی ۔ بے حد و شمار مٹی اور خس و خاشاک کے ٹوکرے بھر بھر کر لاتے گئے ۔ آدمیوں کی کھوپریاں جانوروں کے ڈھانچے سب اس میں لگا دیئے گئے ۔ آخر قلعہ کے محاذی ایک بلند ٹیلہ بن گیا جس کو دیکھ دیکھ کر محصوروں کا دل لرزنے لگا ۔

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

ثقہ راویوں سے سنا ہے کہ ایک دن وہ بہادر شیر دل مچان باندھنے اور دمدمہ اٹھانے کے انتظام میں مشغول تھا کہ ایک سو من ایک بڑا پتھر بلکہ چٹان کا ایک ٹکڑا اوپر سے لڑھکتا ہوا آیا اور ایک چوڑے تختہ سے جس پر مچان باندھنے کا سامان رکھا ہوا تھا ٹکرایا ۔ تختے کے پرخچے اڑ گئے اس وقت مچان باندھنے میں فتح اللہ خاں مزدوروں کی مدد کر رہا تھا اس تختہ کا ایک ٹکڑا اُس کے سر پر اور پنڈلی پر آ کر لگا ۔ اور وہ اس ضرب سے جو لڑکھڑایا تو مع مچان ایک گہری کھائی میں گرگیا ۔

اس طرف کے مورچوں میں بڑا شور اور ہنگامہ مچ گیا۔ لوگ اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے اور بادشاہ تک اس کی خبر پہنچا دی مگر اس کی زندگی باقی تھی وہ مچان ایک بہت بڑے اور پرانے شاخ دار درخت میں پھنس گئی اور وہ دلیر ابھی تک مضبوطی سے اس مچان کو پکڑے ہوئے تھا اس میں لٹک گیا۔ لوگ مدد کے لئے پہنچ گئے اور اسے اس مصیبت سے نجات دلائی اور اوپر نکال لائے' اس کے سر پر کمر پر اور دوسرے اعضا پر پتھروں کی ایسی سخت چوٹیں لگی تھیں کہ وہ کافی دیر تک بیہوش پڑا رہا۔ ہوش میں آنے کے بعد اُس کا علاج شروع ہوا بادشاہ نے اپنے پاس سے خاص مرہم اور مومیائی روانہ کی۔ ایک مہینے تک وہ بستر پر پڑا رہا۔ حاسد ایرانی تورانی امیر اس کا مذاق اڑاتے اور شماتت وطعنہ کرتے رہتے تھے۔ شفا پانے کے بعد جب وہ بادشاہ کے پاس مجرا بجالایا تو اسے مرصع سرپیچ عنایت ہوا اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا "تو نے توران کی آبرو رکھ لی"۔

فتح اللہ خاں کی صاف گوئی

فتح اللہ خاں کام کا سخت بات کا اکھڑ تھا۔ چاہے بادشاہ سے بات ہو یا امیر امراء سے بے محابا کھلے منہ بات کرتا تھا اسی وجہ سے باوجود اس کی بہادری کارگزاری اور بادشاہ کی انتہائی مہربانی کے احتیاطاً اس کے مراتب و مناصب میں بڑے تامل کے بعد ہی اضافہ کیا جاتا تھا۔ ایک دن کوئی معاملہ بادشاہ کی مرضی کے خلاف اس سے ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے ایک خواجہ سرا کے ہاتھ نصیحت و سرزنش کا پیغام بھجوایا۔ اس کی عمر اسی سے تجاوز کر گئی تھی اور خلد مکاں کا وہ ہم عمر ہی تھا خواجہ سرا سے جواب میں کہا "جاکر عرض کردو کامل العقل انسان بھی جب اسی لونے کے پیچھے میں چلا جاتا ہے تو اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی میں تو عقل سے بیگانہ ایک سپاہی آدمی ہوں"۔ جب لوگوں نے اور خواجہ سرا نے اس جواب کی قباحت کو واضح کیا تو اس نے عذر معذرت کر لی۔

ایک رات دشمنوں کی ایک بڑی جماعت نے فتح اللہ خاں کے مورچوں اور مرحلوں پر حملہ کر دیا اور دو تین طرف سے ہجوم کر کے بڑی شوخی شرارت کرنے لگے۔ مغلوں کی ایک جماعت اور اس مرحلہ کے عملہ کے لوگ مارے گئے اور زخمی ہوئے مگر جیسے ہی فتح اللہ خاں شیر کی طرح غراتے ہوئے وہاں پہنچا اور اس نے اپنے ہاتھ سے چند ایک کو تہ تیغ کر دیا تو حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس دن سے بادشاہ نے سیدی یاقوت خاں کے فرستادہ دو ہزار کمکی پیادوں

جو قلعہ گیری کا سامان لے کر آئے تھے فتح اللہ خاں کے ساتھ متعین کر دیا۔

بادشاہ نے شاہزادہ بیدار بخت کو قلعہ بینی درگ (پرنالہ) سے طلب کر لیا۔ محمد امین خاں کا فروں کی سرکوبی اور رسد رسانی کے لئے بڑی عمدگی سے کام کیا تھا۔ دو سو سوار کا اضافہ، بہادر کا خطاب "دھوپ" ہاتھی گھوڑا اور آفریں و شاباش کا فرمان عطا ہوا اس کے اکثر ہمراہیوں کو بھی حسب مراتب اضافہ دے کر کمکی افواج کے ساتھ حضور میں طلب کر لیا۔

قلعہ کھیلنا کی فتح

(جلوس کا چھیالیسواں[۴۶] سال مطابق سن ایک ہزار تیرہ ہجری ۱۱۱۳ھ)

ناکام کوشش قلعہ کھیلنا کے محاصرہ میں فتح اللہ خاں نے نقب آگے بڑھانے اور برج اور فصیل کو منہدم کرنے میں بڑی بہادری سے جدوجہد کی تھی اور وہ گھڑی بھر کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھا تھا مگر بہادری کے زائد از ضرورت اظہار کے سبب بادشاہی مقرب نہیں چاہتے کہ فتح کا سہرا اس کے سر بندھے اسی وجہ سے اس کی یہ ساری دوڑ دھوپ کسی نتیجہ پر پہنچ نہ سکی۔

ریونی پر قبضہ جلوس کے چھیالیسویں سال اوائل ذی الحج میں راجہ جے سنگھ نے کہ ابھی وہ سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ شاہزادہ کی جمعیت کو لے کر قلعہ پر یورش کی اور پے درپے حملے کئے عین اس حال میں کہ اوپر سے شدید گولہ باری اور سنگ باری ہو رہی تھی اور بہت سے راجپوت اور شاہزادہ کے اکثر آدمی کام آچکے تھے قلعہ کے ایک حصہ ریونی پر لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ امرا، اور مقربوں نے فتح کی اس تمہید پر مبارک بادی دی اور تسلیمات ادا کیں۔ راجہ ہزار اور پانصدی سوار کا منصب دار تھا بادشاہ نے اس کا ذات پر پانچ صدی اور پانچ سو سوار کا اضافہ عطا کیا اور شاہزادہ کو مرصع سرپیچ (پگڑی) مرحمت فرمایا۔

عبدالرحمن خاں بخشی اسلام خاں کا بیٹا عبدالرحمن خاں بیت اللہ کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہ اس سعادت سے فارغ ہو کر انہی دنوں

حاضر خدمت ہوا بادشاہ نے اسی بخشی سوم کے عہدہ پر فائز کردیا۔

اسد اللہ خاں میر بحری

میر سیف اللہ خاں کا بیٹا اسد اللہ خاں زیر عتاب آگیا تھا اور اسے بیت اللہ روانہ کردیا گیا تھا۔ انہی دنوں وہ بھی زیارت اور حج سے فارغ ہوکر آگیا۔ اسے پانچ سو کا منصب عطا کیا گیا مگر جب قلعدار پرسرام نے قلعہ سپرد کردینے کے لئے (ناقابل قبول شرائط کے ساتھ) درخواستیں بھیجنی شروع کیں اور اس سے نامہ و پیام کا سلسلہ قائم ہوا۔ اسد اللہ خاں اس سلسلہ میں بڑی عمدہ کارگزاری کا ثبوت دیا۔ اس لئے اس سے خوش ہوکر اضافہ عطا کیا۔ اس کے باپ کا خطاب اسے مل گیا اور ممالک محروسہ کی میر بحری (دریاؤں کے گھاٹ کی نگرانی (حفاظت) کے عہدہ پر مامور ہوا۔ اس طرح اس کی سابقہ عزت و آبرو بحال ہوگئی۔

شیر دہاں اور کڑک بجلی

شاہزادہ کو حکم ہوا کہ شیر دہان اور کڑک بجلی نامی توپیں اور دوسری چھوٹی توپیں ریوتی میں لے جا کر قلعہ کی دیوار گرانے کی کوشش کی جائے۔

فتح اللہ خاں تو اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ کہیں سے اسے شہپر مل جائیں تو وہ انھیں لگا کر اڑے اور قلعہ میں جا پہنچے۔ دوسرے کارطلب امراء بھی بڑی دوڑ دھوپ کر رہے تھے کہ ان کی سعی و جہد سے فتح کی کنجی ہاتھ آجائے اور ہر ایک اس سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر روپیہ خرچ کر رہا تھا اور قلعہ والوں سے مراسلت بھی کر رہے تھے کہ ان کے ہاتھ وہ قلعہ سپرد کردیں۔ فتح اللہ خاں نے سرنگ کھدوانے اور قلعہ کے دروازہ تک نقب پہنچانے میں کافی رقم خرچ کی تھی اور یہ سارا کام اس نے سخت بارش اور طوفان میں سرانجام دیا تھا مگر بدقسمتی سے اس کی یہ ساری محنت اور بے حساب روپیہ ضائع ہی گیا۔

قلعہ کھیلنا کی تسخیر

جب ریوتی پر لشکر کا قبضہ ہوگیا تو قلعدار پرسرام کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس نے شاہزادہ بیدار بخت کو وسیلہ بنا کر چرب زبان برہمنوں کے ذریعہ معافی کی درخواست اور بعض مطالبات کی التجا کی، مگر یہ مطالبات ناقابل قبول تھے اس لئے اس کی پیش کش منظور نہیں ہوسکی۔ یہاں تک کہ روح اللہ خاں بخشی اور افسر "بیوتات" فضائل خاں کئی بار واسطہ بن کر قلعہ میں گئے، مگر کوئی گفت وشنید کسی نتیجہ پر نہیں پہنچی اور شاہزادہ نے اس کے بڑھے چڑھے مطالبات قبول کرنے

سے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار عام شہرت کے مطابق شاہزادہ اور دوسرے امراء نے قلعہ دار کو خفیہ طور پر بھاری رقم انعام میں دی اور وہ اہل و عیال اور جان و آبرو کی امان لے کر قلعہ چھوڑ دینے پر راضی ہو گیا۔

چھ ماہ چند دن کے محاصرہ کے بعد ۱۹ محرم کو شاہزادہ اور روح اللہ خاں کے نشان اور جھنڈے خود قلعہ دار آ کر اپنے ہاتھ سے لے گیا اور نقارہ اور باجہ کے ساتھ قلعہ پر لے کر گیا۔ اس نے یہ درخواست کی تھی اس دن نشان اور جھنڈوں کے ساتھ اور لوگ قلعہ میں نہ آئیں وہ خود ان کو چڑھا دے گا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست کے بموجب اس کی اجازت اور حکم دے دیا تھا۔ جھنڈے چڑھا دینے کے بعد وہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب لے کر جتنا کچھ وہ لے جا سکتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں قلعہ سے نکل گیا اور بادشاہی فوجوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اس وقت قلعہ میں دشمن کے بکثرت آدمی رہ گئے تھے مگر رحم دل بادشاہ نے حکم دیدیا تھا کہ کوئی ان کی عزت اور جان کو ضرر نہ پہنچائے چنانچہ تمام محصورین صحیح سلامت قلعہ سے نکل کر جنگلوں، ویرانوں میں نکل گئے۔ لشکر نے فتح کے شادیانے بجائے۔ طبع آزمائی کرنے والوں نے بہت سی تاریخیں نکال لی تھیں ان میں سے بادشاہ کو ایک تاریخ "فتح شد قلعہ کھیلنا" پسند آئی۔ قلعہ پر فتح کے نشان بلند ہونے کی جس وقت خبر بادشاہ کے پاس پہنچی تھی بادشاہ تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے اور یہ آیت زبان پر تھی "الحمد للہ الذی سخر لنا" بادشاہ نے تبرکاً قلعہ کا نام "سخر لنا" تجویز کر دیا۔

کوہستان کھیلنا یہ کوہستان خار دار سنیڈ اور طرح طرح کے جھاڑ جھنکاڑ سے اٹا ہوا تھا اور اس کے دشوار گزار دروں میں زہریلے سانپ بھی بکثرت تھے اور لشکر کے آدمیوں نے بڑی زحمتیں برداشت کی تھیں۔ چنانچہ کسی کے جسم پر کپڑے تک صحیح سلامت نہیں رہے تھے مگر بقول حافظ شیرازی "عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" اس پہاڑ کے دامن اور اطراف و اکناف میں بڑے عمدہ مرغزار بھی تھے جن میں طرح طرح کے رنگین خوشبودار پھول اور سبزہ نظر آتا تھا۔ حد نظر تک اول درجہ کے گل مہندی کے تختے ہزارہ اور عباسی پھولوں کی کیاریاں بہار دیتی تھیں۔ پھل دار درختوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ آم سیتا پھل، ناریل کے بے شمار درخت تھے۔ ان کے علاوہ الائچی،

قہوہ، عاقرقرہ سرخ و سفید صندل اور ملاگیر بھی اس جنگل میں اس کثرت سے تھے اگر بار برداری کے جانور میسر ہوتے تو لوگ ڈھیروں لاد کرلے جاتے۔ قلعہ کے استحکام اور بلندی کا حال تو ناقابل بیان ہے۔ ؎

حصارے کہ مثلش ندیدہ است کس

ہمیں حصن سخر لنا ہست و بس

مگر قلعہ کا اندرونی حصہ نہایت بدنما تھا اور عمارتیں بہت زیادہ بھونڈی تھیں۔ ؎

وز بروں چوں گور کافر پر خلل

وز دروں قہر خدائے عز و جل

عنایات شاہانہ بادشاہ نے شہزادہ بیدار بخت کو ایک لاکھ روپیہ انعام دے کر چھاؤنی قائم کرنے کے لئے رائے باغ روانہ کر دیا تاکہ لشکر آرام کرلے۔ حمیدالدین خاں کے منصب میں دو سو سوار کا اضافہ ہوا۔ فتح اللہ خاں کو جس نے اس مہم میں سرخ رو ہونے اور ترقی پانے کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی۔ مرصع جیغہ عطا ہوا اور اس کے خطاب میں "عالمگیری" کے جز کا اضافہ کر دیا گیا۔ روح اللہ خاں کے دو ہزاری منصب میں پانچ صدی کا اضافہ دیا گیا منعم خاں نو صدی دو سو سوار کا منصب دار تھا۔ ایک ہزاری تین سو سوار کا منصب دار بنا دیا گیا۔ فتح اللہ خاں کی تقدیر نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس لئے اس کی ساری تدبیریں بے نتیجہ رہ گئی تھیں اور وہ بہت زیادہ دل شکستہ تھا۔ چنانچہ اس نے کابل میں تعیناتی کی درخواست کی جو بادشاہ نے منظور کر لی۔ منعم خاں کو لاہور کا دیوان مقرر کر دیا۔ منعم خاں کی شہزادہ شاہ عالم کی خدمت میں زیادہ رسائی تھی اس لئے شاہ عالم نے صوبہ پنجاب میں اپنی جاگیروں کا مستقل متصدی (گماشتہ) اسی کو مقرر کر دیا۔ بعد میں اس نے شاہ عالم کے لئے جو عمدہ خدمات انجام دیں اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

عالمگیر بادشاہ کی خبر رسانی کا انتظام اتنا زبردست تھا کہ لشکر کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی خبر بر وقت مل جایا کرتی تھی۔ شہزادوں اور امیروں کی بہت سی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں مگر بادشاہ پردہ پوشی سے کام لیتے تھے طبیعت میں بردباری اور تحمل حد درجہ پر تھا۔ چنانچہ بادشاہ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ امراء اور شاہزادوں نے خواہ دور

دراز کی مہم پر مامور رہے ہوں یا بادشاہی رکاب میں اکثر قلعوں کی تسخیر قلعداروں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر کی تھی۔ مگر یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ ایسے رپے وہ معاملات اسی وقت پیش آتے جب کہ بادشاہی لشکر نے سخت محاصرہ کے بعد بڑی حد تک غلبہ پا لیا تھا اور محصورین بالکل تنگ اور مجبور ہو چکے تھے۔ اس وقت قلعداروں نے رقمیں لے کر قلعہ کی کنجیاں حوالہ کر دیں۔ یہ معاملات پوشیدہ طور پر نہایت احتیاط سے طے پاتے تھے مگر بادشاہ کی خبر رسانی کا انتظام اتنا مکمل تھا کہ اس کو ساری تفصیلات رقموں کے تعین کے ساتھ وقت کے وقت مل جاتی تھی مگر بادشاہ نے ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا اور جس امیر نے جتنی بھی رقم خرچ کی تھی وہ کسی نہ کسی عنوان اس کو پہنچا دی۔

سفر کی مشکلات

قلعہ کھیلنا کی تسخیر اور فتح سخت بارشوں میں ہوئی تھی۔ شب و روز مسلسل بارش ہو رہی تھی ندی نالے خوب چڑھ گئے تھے۔ اسی لئے بادشاہ کا خیال تھا کہ برسات کا موسم ختم ہونے کے بعد ہی وہاں سے کوچ کیا جائے۔ مگر بادشاہی امراء وہاں مزید قیام پر راضی نہیں تھے، کیونکہ وہاں غلہ بہت گراں تھا۔ آب و ہوا بھی موافق نہیں تھی اور رستے نئے بھرتی ہونے والوں کے مطالبات اور نالشوں سے بھی ان کا ناطقہ بند تھا۔ امراء اور مقربین بارگاہ کے اصرار اور مشورہ پر بادشاہ نے محرم کے آخر میں بیرگاؤں کی طرف کوچ کر دیا۔ اس علاقہ میں بارش لگاتار پانچ ماہ تک ہوتی ہے اور اس عرصہ میں لمحہ بھر کی بھی مہلت نہیں ملتی، بارش میں جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کو وہی شخص بخوبی جان سکتا ہے جو اس سرزمین میں کبھی گیا ہو۔ لشکر نے اس عالم میں یہ سفر کیا کہ ندی نالے طغیانی پر تھے۔ پہاڑوں پر سے سیلاب اس شدت کا تھا کہ گھوڑے سینہ سینہ تک ڈوب جاتے تھے۔ پھر کیچڑ ایسا کہ اچھی خاصی دلدل بنی ہوتی تھی یہ سفر دکن میں برسہا برس تک ضرب المثل اور اس کے شدائد زبان زد عام و خاص رہیں گے۔ یہی ایک مثال کافی ہے کہ خشک موسم میں لشکر نے دس دن میں صرف تین کوس کی مسافت طے کی تھی اور وہ بھی کافی جان و مالی نقصان اٹھا کر اور پھر سب تھک کر چور چور ہو گئے تھے خاص طور سے جب لوگ درہ میں داخل ہوتے تھے تو جان کے خوف سے قدم روک روک کر چلتے تھے۔ اس وقت آگے بڑھنے کی

اتنی دھن نہیں تھی اس لئے زیادہ ہجوم اور بھیڑ بھاڑ بھی نہیں ہوتی تھی۔ لشکر سنبھل سنبھل کر آہستہ آہستہ بس رینگتا جا رہا تھا۔ مگر اب جو واپسی کی ٹھیری تو ہر شخص اس سرزمین سے نجات پانے کی دھن میں دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا تھا اور قدم بڑھا بڑھا کر چل رہا تھا۔ دوسری مصیبت باربرداری کے جانوروں کی انتہائی کمی تھی چھوٹے بڑے امیر غریب اکثر لوگ اپنا سامان آپ اٹھائے ہوئے افتاں خیزاں چلے جا رہے تھے دن بھر میں بمشکل پاؤ کوس طے ہوتا تھا۔ رات کو اگر کوئی چٹان پتھر مل گیا تو اس پر گذارا ہو گیا۔ ورنہ اسی کیچڑ پانی میں لوٹ پوٹ کر رات گذار دیتے تھے پھر دوسرے دن اسی طرح مصیبت بھرتے کیچڑ میں چھپ چھپ کرتے سفر شروع ہو جاتا تھا۔ بارش اور کیچڑ نے منصب داروں آبرومندوں اور بازاری پیشہ وروں کو ایک سطح پر پہنچا دیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ عزت والے لوگ اپنا سامان مزدوروں پر لدواتے ہوتے تھے اور ہاتھ میں عصا تھامے بکتے جھکتے دبی زبان سے گالیاں دیتے چلے جا رہے تھے اور کم ظرف اونی لوگ ہرزہ گوئی کرتے، فحش بکتے اور کفر آمیز کلمات نکالتے ہوئے ڈگ بھر رہے تھے۔

دشوار گذار نالہ

بہرحال مصیبت بھرتے ہوئے لشکر نے سفر جاری رکھا۔ اثنائے راہ میں ایک ایسے نالہ پر جا کر سب رک گئے جس کو ہاتھی کے ذریعہ بھی بمشکل عبور کیا جا سکتا تھا۔ دوسری سواریوں اور باربردار جانوروں کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ جو ہاتھی اور مزدور تھے وہ بادشاہ کے اور امراء کے لاؤ لشکر کی باربرداری میں لگا دیئے گئے تھے۔ لشکر کے عام آدمیوں کے لئے کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا۔ مگر نالہ پر پہنچتے ہی بادشاہ نے حکم دے دیا کہ سرکاری فیل خانہ کے اور امراء کے ہاتھی نالہ پر متقرر کر دیئے جائیں تاکہ لوگوں کے مال و اسباب اور اہل و عیال کو عبور کرا دیں۔ اس میں شک نہیں دوسرے سفروں کی نسبت بادشاہ کی تاکید اور پابندی کی وجہ سے عورتیں اور خاندان بہت کم ساتھ تھے۔ پھر بھی جو برقع پوش عورتیں لوگوں کے ساتھ آ گئی تھیں وہ بھی چند ہزار سے کم نہیں تھیں۔ یہ عورتیں، اونٹوں، گھوڑوں اور بیلوں پر سوار تھیں ان میں سے جن کے جانور تلف ہو گئے تھے وہ کھلے سر ننگے پیر، بھاری قیمتی زیور پہنے زانو زانو تک کیچڑ پانی میں کھڑی ہوتی تھیں اور مہاوتوں کی منت سماجت اور خوشامد کر رہی تھیں اور نالہ پار کرانے کے لئے روپیہ اشرفی بلکہ زیور تک اتار اتار کر دے رہی تھیں۔

ہاتھیوں پر چڑھتے عورتوں مردوں نے بڑا ہجوم کر رکھا تھا۔ چنانچہ قضا جن کے سر پر کھیل رہی تھی وہ ہاتھی پر چڑھتے ہوئے ہجوم کے سبب جو گرے تو بحر فنا میں ایسے ڈوبے کہ سر نہ نکالا۔ اس عالم میں کھانے کو کیا ملتا بجز بچھڑے ہوئے متعلقین کے غم کے۔

... جمدۃ الملک امیر الامراء بہت ہی مختصر خیمہ کے ساتھ بڑی دشواری سے نالہ کو عبور کر سکا تھا مگر دوسرے کنارے پر خیمہ لگانے کے لئے چپہ بھر زمین بھی خشک نہیں دکھائی دی ناچار راوٹی اسی کیچڑ پانی میں کھڑی کرنی پڑی۔ گیلی زمین میں میخیں اچھی طرح نصب نہ ہو سکیں۔ رات میں جب موسلا دھار بارش برسی تو دو مرتبہ راوٹی جمدۃ الملک کے سر پر گری۔ آخر فراش ساری رات باری باری طنابیں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے رہے اس رات کھانے پکانے کی مہلت نہ مل سکی۔ غرض بڑی پریشانی میں وہ رات کاٹنی پڑی دوسرے آدمیوں کا جو بھی حال ہوا ہوگا اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔

بادشاہی کارخانوں کا بہت سا ساز و سامان چند دن تک کیچڑ پانی میں پڑا رہا اور اس قدر بوجھل ہو گیا کہ فراشوں کے لئے اس کو حرکت دینا بھی دشوار تھا نالہ سے عبور کرانے کا کیا ذکر۔ آخر حکم ہوا کہ حیات خاں جو قلعہ سخر لنا (کھیلنا) کا قلعدار مقرر ہوا تھا۔ اور یہاں سے قلعہ پر واپس جانے کی اجازت لے چکا تھا۔ اس سامان کو اپنے ساتھ ہی قلعہ میں لے جائے۔ طرفہ یہ ہوا کہ اس خونخوار نالہ کو جو آدمیوں اور چارپایوں کو نگلنے کے لئے منہ کھولے بہہ رہا تھا۔ دو بار عبور کرنا پڑا۔ بہت سی جانیں اس میں تلف ہو گئیں۔ فیل بانوں کی بن آئی تھی وہ اپنے حق محنت کے لئے اشرفی سے نیچے نہیں اترتے تھے۔ روپے کا نام سننے کے روادار نہیں تھے۔ جو زور بازو سے پیر کر نکل گیا یا زر سرخ لٹا کر عبور کر گیا۔ اپنی جان سلامت لے گیا اور اس دوسری زندگی پر اللہ کے فضل کا شکر ادا کرتا رہا۔ جن کے پاس ہاتھی تھے ان کے مال و اسباب اہل و عیال تو عبور کر گئے اور بہت سے نام و نشان والے لوگ کنارہ پر ہی پڑے رہ گئے عام آدمیوں کا کیا ذکر، صاحب ثروت اشخاص کو عبور کرتے ہوئے دیکھ کر غریب بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے تھے ؎

تا چند ز مفلسی خود نالہ کنیم
زیں نالہ تواں گذشت اگر پل باشد

دولت و ثروت والے کیا جواب دیتے بس اندھے بہرے بنے اپنی جان و مال کے

پار لگ جانے کو غنیمت سمجھ رہے تھے ۔ جہاں ابر رحمت گنہگار بندوں کے مکافات اعمال میں قہر الٰہی بن کر چھا جوں برس رہا ہو اور ہوا غضب خداوندی سے پھنکاریں مار رہی ہو، مخلوق کا کیا یارا کہ اس کا سد باب کر سکے ۔ یہ لوگ جو ہمیشہ بادۂ غفلت و خود کامی میں غرق و مست رہتے ہیں یہ ان کی شامت اعمال ہی تھی جو شاہ و گدا سب کو کشاں کشاں اسی سرزمین میں لے آئی اور اس مقام پر ہر ایک کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا۔ سب کو بڑی زحمتوں سے دوچار ہونا پڑا اور دکھ بھرنے پڑے جان بھی گئی ۔ مال بھی گیا اور آبرو ناموس بھی جاتی رہی ۔ اگر خدا اس عذاب میں مبتلا کرکے پھر ان کو وہاں سے نکال نہ لاتا تو مکافات روزگار سے بے خبر رہنے والے ان غافلوں کی تنبیہ و گوشمالی کیسے ہوتی؟

بہر حال چند دن بعد بڑی کوشش و دوڑ دھوپ سے صاحب ثروت لوگوں کو غلہ پہنچنے لگا وہ بھی نی آثار ایک روپیہ میں مل رہا تھا۔ فاقہ کے ساتھ دوسری آفت انتہائی سرد ہوا تھی جو بدن کو کاٹ رہی تھی۔ پانی کا یہ عالم کہ اوپر سے برس رہا تھا۔ نیچے سے بہہ رہا تھا۔ جو گھوڑے گر پڑے اُن کے جھول اور مردہ لاشوں کے کپڑے اتار اتار کر دوسرے سخت جان لوگوں نے سردی سے بچنے کا سامان کیا۔ نالہ کے کنارے جانوروں اور انسانوں کی پھولی ہوئی لاشیں اس کثرت سے پڑی ہوئی تھیں کہ ان کے تعفن اور بدبو سے زندوں کی جان پر بن گئی ؎

بس گرسنہ خفت کس ندانست کہ کیست
بس جاں بلب آمد کہ بر وکس نگریست

سورج کا استقبال

بادشاہ نے چوبیس دن بعد مع لشکر اور ساز و سامان اس نالہ کو عبور کیا مگر اس نالہ سے پار ہونے کے بعد کہیں ایسی خشک زمین نہیں ملی ۔ جہاں نشست گاہ اور تسبیح خانہ کے لئے ایک بھی خیمہ نصب ہو سکے ۔ ساڑھے تین مہینے ہو چکے تھے کہ لوگوں نے سورج کی شکل تک نہیں دیکھی تھی ، آفتاب و ماہتاب نے اپنے چہروں ، بادلوں گھٹاؤں کے دبیز نقاب ڈال رکھے تھے ۔ سورج ایسا غائب ہوا تھا کہ لوگ اس کے دیدار کو امر محال سمجھ رہے تھے۔ کافی دنوں بعد جب خاور مشرق ایک گوشہ سے جلوہ گر ہوا تو سارا لشکر خوشی اور مسرت سے چیخ اٹھا، ایسا غل مچا کر خلد مکاں

کو اپنے مقام سے نکل کر شور و غل کا سبب دریافت کرنا پڑا۔

پرنالہ پر چھاؤنی

ایک ماہ سترہ دن میں قلعہ تخزلنا (کھیلنا) سے چودہ کوس کی مسافت طے ہوئی اور لشکر نے بارہ ربیع الاول کو نبی شاہ درگ (پرنالہ) کے قلعہ پر پہنچ کر چھاؤنی ڈال دی۔ اب بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا سورج کے رخ پر سے روز بروز بادل کا نقاب اترتا جا رہا تھا مگر پھر بھی گھٹائیں برسنے سے باز نہیں آتی تھیں۔ رم جھم بوندا باندی لگی رہتی تھی۔ اب جو کچھ سکون و اطمینان نصیب ہوا تو خرید و فروخت حرص و احتیاج کا بازار گرم ہونے لگ گیا۔ اور مُردہ دلوں میں زندگی کا خون دوبارہ دوڑنے لگا۔ بکثرت لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ تباہ حالوں کہ جسم پر کپڑے تھے نہ لوگوں میں خون کی چھینٹ۔ لنگڑاتے لنگڑاتے موذی انسانوں اور جانوروں سے جان بچاتے دریوزہ گری کرتے ہوئے چار مقام کرنے کے بعد پانچ دن میں لشکر سے آکر مل گئے۔

دریائے کشنا کا گھاٹ

لشکر تیرگاؤں جا کر ٹھیر گیا اور ایک ماہ آٹھ دن وہاں آرام کرنے کے بعد کوچ واقع ہوا مگر اطلاع ملی کہ دریائے کشنا (کرشنا) میں زبردست طغیانی آئی ہوئی ہے دریا وہاں سے نو کوس کے فاصلہ پر تھا۔ معلوم ہوا دریا تک راستہ کیچڑ پانی سے دلدل بنا ہوا ہے۔ ان تشویش ناک خبروں سے لوگوں کے دل دہل گئے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے 'وہ چودہ کوس تو سولہ منزلوں میں اس طرح طے ہوئے کہ ہزاروں جانور جن کو خون جگر کی کمائی سے ارزاں اور گراں خریدا تھا غاروں دلدلوں میں گر کر تلف ہو گئے۔ ایک کوس کا فاصلہ تو دریا سے بڑھ کر ہو گیا تھا کہ بے شمار آدمی سفر کی مصیبتوں سے دامن چھڑا کر منزل آخرت پر جا پہنچے۔ تیس کمزور ہاتھی گدھوں کی طرح کیچڑ میں ایسے پھنسے کہ نکل نہ سکے۔ جو بھی جان منزل پر سلامت لے جانے میں کامیاب ہو گیا خوش نصیبی پر ناز کرتا رہا۔ لوگ اس طرح کے شکوہ شکایت کرکے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے مگر جو لوگ حوصلہ مند تھے وہ کم ہمتوں کو تسلی دے رہے تھے کہ ؎

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید
ہیچ راہی نیست کو را نیست پایاں غم مخور

جب لشکر دریا کے کنارے پہنچا تو ایک نئی آفت سامنے تھی طوفان و طغیانی اور گھاٹوں کے ناپدید ہو جانے کے سبب وہاں گنتی کی چند ٹوٹی پھوٹی کشتیاں دستیاب ہو سکیں جو

معلوم ہوتا تھا کشتی نوح کے باقی ماندہ تختے جوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ آفت رسیدہ مخلوق کو دریا جو دیکھنا پڑا کسی کو اللہ نہ دکھائے ظالم اور بے مروت اشخاص کے دھکے کھا کر لوگ گرے جا رہے تھے۔ زور آور دوسرے کو ریلتے پہلے کشتیوں پر سوار ہونے کے لئے سبقت دکھا رہے تھے ہر کشتی تابوت بنی ہوئی تھی جس میں سو سو مردے بھر گئے تھے۔ لوگ جان سے بیزار ہو رہے تھے۔ اکثر کو تو تاریک راتوں میں کشتیوں پر بیٹھ کر دریا عبور کرنا پڑا اور دریا تھا کہ برابر غرا رہا تھا ؎

شب تاریک وبیم موج وگردابے چناں حائل
کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

اس مصیبت سے اٹھارہ دن میں دریا کو عبور کیا گیا کشتیوں کے ڈوبنے سے یا تیر کر نکل جانے میں غرق ہونے سے بے شمار آدمی ڈوب کر مر گئے۔ اب کون ان کا شمار کرتا رہے۔ بہرحال ساری مصیبتیں تمام ہو گئیں اور لشکر کے بہادر گڈھ پہنچ گیا۔ بادشاہ نے یہاں ایک ماہ چند دن قیام کیا تاکہ لشکر آسودہ ہو جائے۔ اور بارش بھی کم ہو جائے۔ اس عرصہ میں از سر نو سارا ساز و سامان تیار کرایا گیا۔ جب لوگوں کی کچھ جان میں جان آگئی تو بادشاہ نے قلعہ کنداندہ کی تسخیر کے لئے کوچ کا حکم دے دیا۔ اس سفر کے ارادہ سے لوگوں کے دل رنج و غم میں ڈوب گئے مگر کیا کرتے، کوچ کیا اور ۱۲ر شعبان کو کنداندہ کے نیچے پہنچ گئے۔ تربیت خاں اور دوسرے امیروں نے قلعہ کا محاصرہ کرایا اور دونوں طرف سے لڑائی کا بازار گرم ہو گیا اور بہادروں نے قلعہ پر کئی ایک حملے کئے۔ طرفین سے کئی آدمی نذر اجل ہو گئے۔

قلعہ راج گڑھ پر حملہ

(جلوس کا سینتالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو چودہ ہجری ۱۱۱۴ھ)

کنڈانہ کی تسخیر ساڑھے تین ماہ تک کنڈانہ کا محاصرہ جاری رہا بادشاہی لشکر کے امیروں اور افسروں نے آخرکار قلعہ دار کو کافی رقم دے کر قلعہ خرید لیا اور کنڈآنہ بادشاہی قبضہ میں آگیا۔ بادشاہ نے اس کا نام "بخشندہ بخش" رکھ دیا۔ اس فتح کے بعد بادشاہ نے کوچ کیا اور ایک ماہ تک موسم باراں میں سفر کرتے ہوئے آخر پونا کے نواح میں پہنچے جس قصبہ میں لشکر ٹھیرا تھا وہاں سیواجی متوفی کے تعمیر کرائے ہوئے مکانات تھے وہ حویلی بھی اسی جگہ تھی جس میں امیرالامرا شائستہ خاں ٹھیرا ہوا تھا اور مرہٹوں نے شب خون مارکر اسے زخمی کر دیا تھا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ آرام و آسائش کے لئے لشکر نے یہاں چھاؤنی ڈال دی۔

اسی دوران میں شاہزادہ محمد کام بخش کا دس سالہ لڑکا محمد محی الملت جو رانی منوہر پوری کے بطن سے تھا فوت ہوگیا۔ شہزادہ کو اسی جگہ شیخ صلاح الدین کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ بادشاہ نے مرحوم لڑکے کی یاد میں اس جگہ کا نام محی آباد رکھ دیا۔

غلہ کا قحط اس سال وقت بے وقت کی شدید بارشوں سے خریف کی ساری فصل خراب ہو گئی تھی اب ربیع کی فصل اور گندم کی زراعت پر بھروسہ تھا مگر شبنم کے تیز ہو جانے کے سبب جسے ہندی زبان میں "کہرا" کہتے ہیں اور "دہوار" بھی اس کا نام ہے (پالا) کرچند دن تک کہر اور پالے کی وجہ آسمان دھواں دھار رہا تھا گیہوں سُرخ پڑگیا اور سارے صوبہ دکن میں دس من کی جگہ ایک من سے بھی کم گندم کاشت ہو سکا۔ دوسری اجناس بھی ان تیز بارشوں میں خراب ہو گئی ہیں۔ فوج کو امید تھی کہ وہ اس علاقہ میں کچھ عرصہ تک عیش و آرام سے گذارے گی۔ مگر قحط اور گرانی کے سبب سب کا عیش مکدر ہو گیا۔

راج گڑھ کی طرف کوچ وسط رجب میں بادشاہ نے قلعہ راج گڑھ کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ یہی قلعہ مرہٹوں کی پہلی پناہ گاہ تھی اور دشوار گذار

پہاڑی پر بنا ہوا تھا۔ اس ضلع میں بادشاہ کی آمد اور خلق خدا کی اس ساری زحمت کا مقصود یہی پہاڑ کا ٹکڑا تھا۔ اس کے علاوہ اطراف واکناف کے دو تین قلعوں کی مہم بھی پیش نظر تھی۔ بہرحال لشکر نے راج گڑھ کی طرف کوچ کر دیا۔ جو پونا سے چار کوس پر ایک بلند پہاڑ پر بنا ہوا تھا اس کوہستان میں کسی راستہ کا نشان نہیں ملتا تھا۔ مرہٹے اور وہاں کے واقف کار کوہ نورد گھوڑے سے پیادہ ہو کر آتے جاتے تھے۔ اونٹ اور بیل بھی باربرداری لے کر پہاڑ پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ گاڑیوں کا چڑھنا تو بالکل ہی محال تھا۔ لشکر کے لوگ بڑے طویل عرصہ سے سفر کی زحمتوں میں مبتلا تھا اور پونا میں قیام کے وقت انھوں نے چھٹی کے دن آرام سے گذارنے کے لئے دور و نزدیک سے اپنے اپنے خاندان اور عزیز واقارب کو لشکر گاہ میں بلا لیا تھا اور بعض نے اسی منزل پر شادیاں کر لی تھیں اور پہاڑوں کے کوچ اور عبور کے بے فکر بیٹھے تھے مگر چین سے بیٹھنا کہاں نصیب راج گڈھ پر فوج کشی کے لیئے دوبارہ سفر شروع ہو گیا ؎

آں ذکوہی بود کو را بر زمیں باشد نشاں
آسمانے بود گو یا برفراز آسماں

راستہ بنانے کے لئے ایک ماہ پہلے ہی ہزارہا سنگ تراش مقرر کر دیئے گئے تھے مگر وہ باوجود محنت کے اتنا راستہ بھی نہیں بنا سکے کہ توپ خانہ کی گاڑیاں اور دوسرا ساز و سامان اس پل صراط پر سے گذر سکے۔ گھاٹی پر پہنچنے کے بعد سرداروں نے اپنے اور بار برداری کو جگہ جگہ چھوڑ دیا۔ عورتیں اور مستورات جو بہلیوں، رتھوں، اونٹوں، اور بیلوں پر سوار تھیں۔ برقع اوڑھ کر پیادہ ہو گئیں اور بیلوں کو رتھوں، بہلیوں سے کھول لیا گیا اور گاڑیوں کو اسے باندھ باندھ کر اوپر کھینچے گئے۔ اس مصیبت کے ساتھ درختوں کو کاٹ کاٹ کر آگے بڑھتے رہے، اونٹوں اور گاڑیوں سے سامان اُتار کر مزدوروں کے سر پہ لاد دیا گیا۔ اس چڑھائی میں بہت سے آدمی اور جانور غاروں، گڑھوں میں گر کر مر گئے۔ اور درندوں کا شکار ہو گئے۔ پہاڑ کی یہ مسافت بحساب تقریب ڈیڑھ کوس کی تھی جو دو ہفتہ میں ختم ہوئی اور اوائل ماہ شعبان میں قلعہ کے سامنے پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔

قلعہ پر یورش اور محاصرہ

قلعہ کی وسعت و بلندی ناقابلِ بیان ہے۔ بچھو درندے زہریلے جانور اور سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ پیمائش کرانے پر قلعہ کا دور، بارہ کوس نکلا۔ اس کا ہر طرف سے محاصرہ تو قطعاً ممکن نہ تھا کہ محصورین کو کسی راہ سے بھی غلہ اور رسد نہ مل سکتی۔ تربیت خاں اور حمیدالدین خاں اور بادشاہی بخشیوں کو محاصرہ کرنے مورچے باندھنے اور سلامت (سرنگ) کھدوانے پر مامور کیا گیا تجربہ کار بہادروں نے قلعہ گیری کی تیاریاں کیں اور مختصر مدت میں توپوں کو پہاڑ پر چڑھا دیا اور مورچے قلعہ کے نیچے تک پہنچا دیئے۔ راج گڈھ کے قلعہ کے اطراف دو پہاڑیاں اور بھی تھیں ان پر بھی سیواجی نے بلند عمارتیں بنا دی تھیں۔ ان میں جنگ کا ساز و سامان بھی مہیا تھا اور برج و فصیل کو اُس نے آج ہی کے دن کے لئے مستحکم کر رکھا تھا محصورین نے تین پہاڑوں پر سے گولہ باری شروع کر دی۔ بندوقوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور بھاری بھاری پتھر لشکر پر گرانے لگے۔ وہ موقع پا کر غلہ اور رسد قلعہ میں پہنچاتے رہتے تھے۔ تفصیلات سے قطع نظر مختصراً کہ دو ماہ چند دن کے محاصرہ کے بعد بہادروں کے مسلسل حملوں اور قلعہ شکن توپوں کی مدد سے بادشاہی نشان قلعہ کے پہلے دروازہ پر بلند کر دیئے گئے۔ اور مرہٹوں کی ایک بڑی تعداد فرار ہوتے ہوئے ماری گئی اور بہت سے جان بچا کر جدھر راہ ملی نکل گئے۔ قلعہ کا نگہبان ا ماجی نامی تھا اُس نے اور دوسرے دو قلعوں کے نگہبانوں نے کچھ دن تک لاحاصل مقاومت کی۔ مگر عاجز آ کر جان کی امان کی درخواست پیش کر دی۔ روح اللہ خاں کو درمیان میں رکھ کر اس شرط پر امان حاصل کر لی کہ قلعہ دار خود دروازہ پر آ کر نشان قلعوں میں لے جائے گا اور بلند کر دے گا اور دوسرے دن قلعہ کو خالی کر دے گا۔

راج گڈھ پر قبضہ

قلعہ پر نشان بلند کر دینے کے بعد قلعہ والے رات کی تاریکی میں مال و اسباب اور اہل و عیال کو لے کر قلعہ سے نکل گئے۔ دوسرے دن صبح طلوعِ آفتاب کے وقت قلعہ دار کے فرار کی اطلاع بادشاہ کو پہنچائی گئی اور لشکر نے فتح کا شادیانہ بجایا اور قلعہ میں داخل ہو گیا اور باقی ماندہ کافروں کو سر و پا برہنہ قلعہ سے باہر نکال دیا گیا۔ حمیدالدین خاں کو مدتوں سے نقارہ کے اعزاز کی آرزو تھی اس کامیابی پر بادشاہ نے اسے نقارہ عطا فرمایا۔ تربیت خاں کو پانچ صدی ذات کا

کا اضافہ ملا اور اصل و اضافہ کے ساتھ اس کا منصب تین ہزار پانچ صدی اور اضافہ ایک ہزار نو صدی کا ہو گیا۔ روح اللہ خاں کو مرصع سرپیچ عطا ہوا۔ قلعہ کا نام بادشاہ نے "نبی شاہ گڑھ" رکھا۔

سیدی یاقوت خاں کی طلبی

لشکر میں غلہ کی بڑی کمی اور گرانی تھی، گیہوں، چنا اور گھاس روپیہ میں دو آثار مل رہی تھی اور کبھی اس سے بھی زیادہ مہنگائی ہو جاتی تھی۔ دنداراج پوری کا فوجدار سیدی یاقوت خاں کہ — نظام الملکی کوکن کا سارا بندوبست اسی سے متعلق تھا، وہاں سے ۵۰ کوس کے فاصلہ پر تھا اس کے نام حکم صادر ہوا کہ وہ حتی المقدور غلہ رسد کا انتظام کر کے قلعہ گیری کے ساز و سامان کے ساتھ حاضر ہو جائے۔ سیدی یاقوت کا ذکر ہم بار بار کر چکے ہیں ہمیشہ بادشاہی احکام کی اطاعت میں کمربستہ رہتا تھا اور بلاشبہ اُس نے اپنے تعلقہ میں اور اطراف و اکناف میں مرہٹوں کا قلع قمع کر دیا تھا اور کافروں کے لئے مرگِ ناگہانی بنا ہوا تھا۔ سمندر میں بھی بیت اللہ کا راستہ اس کی نگرانی اور حفاظت کی وجہ سے محفوظ رہتا تھا۔ سمندر کی فوجداری چھوٹے بڑے جہازوں کشتیوں کا بندوبست اسی سے متعلق تھا جس پر تین لاکھ روپیہ کا خرچ آتا تھا جو بادشاہی سرکار سے دیا جاتا تھا۔ اس خطرناک علاقہ میں جو شخص بھی جا چکا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ یاقوت خاں کس جاں فشانی اور وفاداری سے یہ خدمات انجام دے رہا ہے اور خشکی پر سے سمندر میں اس نے مرہٹوں کو کس بری طرح مغلوب اور پامال کر دیا ہے۔ مرہٹوں کے مقابلہ میں جو کارنامہ اس نے کر دیا دوسرے بادشاہی ملازم کبھی کر نہ سکے۔ اس جدوجہد میں سیدی خیریت خاں اس کا برابر کا رفیق اور شریک تھا۔ راہیری کی تسخیر کے بعد دونوں میں اختلاف ہو گیا اور بموجب حکم سیدی خیریت خاں حضور والا میں حاضر ہو گیا تھا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں مگر وہ سیہ پاسار با اکھڑ فوجی تھا یہاں آکر جو اس نے دربار کی شان و شوکت اور سلطنت کا طمطراق دیکھا تو بوکھلا گیا۔ امیروں کے اعلیٰ درجے کے مکہ رکھاؤ کے سامنے وہ احساسِ کمتری میں مبتلا رہتا تھا۔ جب بے آبروئی اور خفت ناقابل برداشت ہو گئی تو بیماری کا بہانہ کر کے بستر سے لگ گیا اور سیدی یاقوت خاں کو سعی و تدبیر سے یہی وہ لشکر گاہ سے نکل کر اپنے پہاڑوں میں جو اس کا وطن و مسکن تھے پہنچ گیا۔ خیریت خاں کا دربار میں امراء کے سامنے جو حال ہوا تھا۔ سیدی یاقوت خاں کو یاد تھا۔ اس لئے راج گڑھ کی فتح کے

میں اس کو طلب کیا گیا تو اُس نے اپنے آپ کو بادشاہی دربار کی حاضری کے لائق نہ جانا کہ آخر کیا منہ لے کر بادشاہی مقربوں کے سامنے جائے۔ اس کے وکیل نے کافی روپیہ خرچ کرکے دربار میں حاضری سے معافی کی کارروائی کی آخر اس نے چند لاکھ روپیہ بطور پیش کش اور دو تین ہزار پیادے قلعہ گیری کے سامان کے ساتھ حضور میں بھیج دیئے اور عرض داشت پیش کی کہ "اس غلام کے یہاں سے نکلنے کی صورت میں غلہ اور رسد کا انتظام خراب ہو جائے گا اور ضلع کے بندوبست میں بھی بڑا ہرج ہوگا بادشاہ نے اس کا عذر قبول کر لیا اور حاضری سے معاف کر دیا۔

یاقوت خاں کا جانشین

کہتے ہیں سیدی یاقوت کا کوئی فرزند نہ تھا اس نے اپنے ایک رفیق سیدی عنبر نامی کو اپنا جانشین بنا کر وصیت کی تھی کہ جو تدبیر بھی ممکن ہو دربار کا جو بھی خرچ اور پیش کش کی رقم دینی پڑے تم لئے فراہم کردو چاہے تم کو اپنے کپڑے تک گرد رکھنے پڑیں۔ مگر اپنے اس وطن کو ہاتھ سے نکلنے نہ دو اور اس کا موقع نہ دو کہ یہ تعلقہ کسی اور کے نام مقرر ہو جائے۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد وہاں کے بندوبست پر رکاب شاہی میں سے کسی شخص کو مقرر کرنے کی تجویز سامنے تھی مگر عنبر کی بڑی کوششوں کے بعد اراکین دربار نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کوہستان کا بندوبست راہیری کی قلعہ داری اور سمندر میں کعبۃ اللہ کے راستہ کی حفاظت صرف حبشی ہی کر سکتے ہیں جو سیدی یاقوت خاں کے تربیت کردہ ہیں ان کے علاوہ یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ بادشاہ نے بھی اس مصلحت کو جان لیا اور غور و فکر کے بعد سیدی عنبر کو جو معمولی منصب پر سرفراز تھا۔ نمایاں اضافہ عطا کیا اور اسے بھی یاقوت خاں کا خطاب دے کر وہاں کی قلعہ داری پہ مقرر کر دیا۔

شجاعت خاں کا انتقال

احمد آباد کا صوبہ دار شجاعت خاں بادشاہ کے اعتراض و عتاب میں آچکا تھا۔ بعد میں بادشاہ نے اس کے مقرر کردہ لشکریوں اور عہدہ داروں کے منصب کی تخفیف کو بحال کر دیا تھا مگر اس کا ایسا صدمہ اسے تھا کہ ہمیشہ غم زدہ اور بیمار رہنے لگا۔ انہی دنوں اس کے انتقال کی خبر پہنچی، چونکہ بجز ایک لڑکی کے اس کی کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ بادشاہ نے اس کا بیشتر مال واسباب اُس کے وارثوں کو بخش دیا اور باقی بحق سرکار ضبط کر لیا۔

مرہٹہ سرداروں کی تاخت و تاراج

مرہٹوں کی فتنہ انگیزیاں

رام راجہ کے فوت ہونے کے بعد اس کی دو بیویاں اور دو خورد سال بچے رہ گئے تھے۔ لوگوں کا عام طور سے خیال یہی تھا کہ ایک کمزور عورت دو شیر خوار بچوں کے ساتھ رہ گئی ہے اب مرہٹوں کی لوٹ مار ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور ان کی سرکوبی بادشاہی لشکر کے لئے چنداں دشوار نہ ہوگی مگر۔ ع۔ دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد۔ جب تک خدا کی مرضی نہ ہوتی۔ مخلوق ظلم وستم کے پنجہ سے کس طرح نجات پا سکتی تھی جو ان کے اعمال بد کی پاداش میں ان پر مسلط تھا۔ رام راجہ کی بڑی بیوی تارا بائی نامی نے اپنے تین سالہ بیٹے کو باپ کا جانشین بنا کر سارے اختیارات سنبھال لئے۔ اپنے مقبوضہ علاقہ کی آبادکاری اور بادشاہی ملک میں تاخت وتاراج کا پہلے کی طرح بندوبست کیا۔ نا اہل سرداروں کو تبدیل کر دیا۔ تھوڑے ہی دن بعد مرہٹے پہلے کی طرح دکن کے چھ صوبوں میں سرونج اور مندسور اور مالوے کی سرحدوں تک تاخت وتاراج کرنے لگے اور بادشاہی لشکر کو آخر تک ان کی سرکوبی میں مصروف رہنا پڑا۔ مرہٹوں کی سرکشی میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ اگرچہ عالمگیر بادشاہ نے کافی خزانہ خرچ کر کے بزور شمشیر ان کے سربفلک قلعوں کو فتح کر لیا تھا اور اس فوج کشی میں ہزاروں آدمی کام آئے تھے۔ صاحب قران ثانی شاہجہاں کا جمع کردہ خزانہ کافی خرچ ہو چکا تھا اور بے خانماں کر دیئے گئے تھے ان کی سرکشی اور فتنہ اندازی کا خاطر خواہ انسداد نہ ہو سکا وہ بڑی بڑی فوجیں لے کر بادشاہی علاقہ میں اچانک داخل ہو جاتے تھے اور لوٹ مار شروع کر دیتے تھے۔ بادشاہی لشکر دور دراز فاصلوں پر ہوتا تو مقبوضہ علاقوں میں تارا بائی کے مقرر کردہ سردار زن و فرزند خیمہ وخیل کے ساتھ بڑی شان سے بندوبست اور انتظام میں مصروف رہتے تھے اور تمام پرگنوں کو باہم تقسیم کر کے بادشاہی حکام کی طرح باقاعدہ اپنے صوبہ دار "کمائش دار" اور "راہدار" مقرر کر رکھے تھے۔

راہداری اور چوتھ

مرہٹوں کے صوبہ دار صاحب فوج ہوتے تھے کسی بھی بڑے قافلہ کی خبر ملتے ہی سات آٹھ ہزار سواروں کو لے کر قافلہ کو لوٹ لیتے

تھے۔ اور ہر جگہ "کماش داروں" کو "چوتھ" وصول کرنے کے لئے مقرر کر دیتے تھے۔ جس جگہ بھی کوئی زمیندار یا فوج دار کماش داروں کے مطالبات کو رد کر دیتا تھا اور وہ اس سے چوتھ وصول نہیں کر پاتے تھے تو صوبہ دار اپنی فوج لے کر پہنچ جاتا تھا اور محاصرہ کر کے اس کے علاقہ کو تباہ کر دیتا تھا۔ "راہداروں" کے ذمہ یہ کام تھا کہ اگر کوئی تاجر یا بیوپاری اپنا مال بغیر کسی نقصان کے نکال لے جانا چاہتا تو وہ فی گاڑی یا فی بیل کے حساب سے ایک مقررہ رقم اس سے راہداری کی وصول کر لیتا تھا جو بادشاہی فوجداروں کی راہداری سے چارگنا زیادہ ہوتی تھی۔ اس طرح مرہٹوں کے راہدار جاگیرداروں اور فوج داروں کی آمدنی میں شریک غالب بن گئے تھے ان کے پروانۂ راہداری کے بغیر آمد و رفت ناممکن ہو گئی تھی۔ ہر صوبہ میں انھوں نے ایک دو گڑھیاں بنا رکھی تھیں اور ان کو ملجا و ماویٰ بنا کر اطراف میں لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ بعض دیہات کے مقدم بھی ان سے مل گئے تھے۔ اور ان کے صوبہ داروں کی مدد سے گڑھی بنا کر بادشاہی حکام کو محصول ادا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ غرض مرہٹوں کی لوٹ مار سے احمد آباد کی سرحد سے صوبہ مالوا تک کا علاقہ بالکل پامال ہو گیا تھا۔ انھوں نے دکن کے صوبوں، احمد آباد اور اجین کے اطراف میں تباہیاں مچائی تھیں اور بادشاہی لشکر سے دس بارہ کوس تک کے فاصلہ پر بڑے بڑے قافلوں کو لوٹا تھا۔ بلکہ گنج شاہی تک دست درازی کرتے رہے تھے۔ ان ناخوش گوار واقعات کی تفصیل بیان کرنا لاحاصل ہے۔ لیکن ہم یہاں ان کی غارت گری کا ایک واقعہ لکھنا چاہتے ہیں۔ بندرگاہ سورت اور احمد آباد کی سرحد پر باباپیاری کے گھاٹ اور نربدا کے کنارے پیش آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بادشاہی لشکر قلعوں کی تسخیر و فتح میں مشغول تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس قلعہ گیری سے مرہٹوں کے فتنے و فساد کا دفعیہ کسی طرح نہیں ہو سکا۔

احمد آباد پر مرہٹوں کی یلغار

شجاعت خاں کے انتقال کے بعد بادشاہ نے احمد آباد کا صوبہ شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے تفویض کر دیا تھا اس سے پہلے کہ شاہزادہ وہاں پہنچتا یا کوئی مستقل نائب کا وہاں کا تقرر کرتا۔ عارضی طور پر خواجہ عبدالحمید خاں دیوان احمد آباد کے نام نیابت کی سند بھیج دی تھی۔ اسی اثناء میں پندرہ سولہ ہزار مرہٹے بھی سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گئے۔ ان میں سے دو تین ہزار خوش خاص

قزاق پیشہ سوار ایک طرف سے نکل کر بڑھے۔ احمد آباد کی فوج نے آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کیا اور ان کو مار کر بھگا دیا۔ فوج کے سرداروں نے دو تین کوس تک ان کا تعاقب کیا۔ چند گھوڑیاں بھالے اور چتر غنیمت میں مل گئے اور فوج نے فتح کا نقارہ بجایا اور لوٹ آئے۔ اس فتح پر سب خوش تھے۔ لشکرگاہ پہنچ کر سب نے ہتھیار اتار دیئے گھوڑوں کی پشت سے زین اتاری بعض آرام کرنے لگے اور بعض کھانے پکانے میں مشغول ہو گئے یہ اس حال میں تھے کہ اچانک دشمن کے سات آٹھ ہزار منتخب سوار جو دریا کے کنارے ٹیلوں اور غاروں میں چھپے بیٹھے تھے اور جاسوسوں کے ذریعہ برابر خبریں حاصل کر رہے تھے۔ بادشاہی فوج پر آ پڑے۔ احمد آباد والوں نے دکنیوں کے ہاتھ کبھی دیکھے نہیں تھے اور وہ ان کے حملہ کرنے اور تاخت و تاراج کرنے کے طریقوں سے قطعاً ناواقف اور ناتجربہ کار تھے۔ مرہٹوں کے حملہ کے ساتھ ہی ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ایسی بھگدڑ مچی کہ گھوڑے اور زین کی شناخت نہیں رہی۔ بدنظمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کی فوج کا کوئی مستقل سپہ سالار بھی نہیں تھا۔ مرہٹوں نے فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بڑی افراتفری مچ گئی۔ پھر اتفاق سے اسی وقت نربدا میں سمندر کا پانی چڑھ آیا تھا اس لئے گھاٹ بھی پایاب نہیں رہا تھا دوسری طرف مرہٹے موت کے بھوت بنے صف آرا تھے۔ غرض ان کے حملوں سے بہت سے آدمی مارے گئے اور بکثرت آدمی دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ نظر علی خاں اور خواجہ عبدالحمید خاں اور دو تین سرداروں نے کچھ دیر تک مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر اسیر ہو گئے۔ التفات خاں بڑا بہادر کہلاتا تھا مگر گھوڑے پر صرف چار جامہ ڈال کر دریا میں اتر گیا۔ مگر پانی بہت تیز تھا۔[1]

سلطان حسین کی تگ و دو

غنیم بادشاہی فوج کو درمیان میں لا چکا تھا۔ آخر دھنا جادو مرہٹہ سردار نے تمام صاحب اختیار سرداروں کی طرف سے مصالحت کے لئے اس شرط کی درخواست کی کہ راقی کے تمام سرداروں کے نام تسلی آمیز فرمان جاری کر کے ان کو حضور میں طلب کر لیا جائے۔ جب یہ سردار بادشاہی لشکرگاہ کے

---

[1] یہاں پر اصل عبارت منقطع اور شکستہ ہے اس لئے یہ واقعہ بھی ادھورا رہ گیا اور اس کے بعد ہی آنے والا واقعہ بھی کہیں درمیان سے شروع ہو گیا ہے۔ مطابقت کے لئے دوسرا نسخہ فراہم نہ ہو سکا۔

قریب پہنچیں تو شہزادہ محمد کام بخش کو راجہ ساہو کے ساتھ چار پانچ کوس پر بھیج دیں تاکہ مرہٹہ سردار پہلے راجہ ساہو سے ملاقات اور گفتگو کر لیں۔ اس کے بعد وہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے اور شاہزادہ کے توسط سے بادشاہ کی بارگاہ میں سلام کے لئے حاضر ہوں گے۔ بادشاہ نے ان سرداروں کے نام نشتر فرمان جاری کرنے کے لئے حکم دیدیا تھا۔ مگر بعد میں بادشاہ نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا۔ کیونکہ مرہٹوں کی روباہ بازی کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کہیں مرہٹوں نے کوئی سازش نہ کر رکھی ہو کہ چالیس پچاس ہزار سواروں کو لے کر چھاؤنی کے قریب آجائیں اور اس بہانہ شاہزادہ اور ساہو کو اغوا کر کے پہاڑوں میں اٹھا لے جائیں ع "چرا عاقل کند کارے کہ بار آرد پشیمانی"۔

اسی اندیشہ کی بنا پر بادشاہ نے سلطان حسین کو طلب کر کے راۓ کو جواب بھیج دیا۔ مگر جب سلطان حسین وہاں سے لوٹ کر آرہا تھا تو مرہٹوں نے اس کا راستہ روک لیا اور اسے ایک سخت لڑائی لڑنی پڑی اگرچہ مرہٹوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان حسین نے ان کو مار بھگایا پھر وہ ہر جگہ مرہٹوں سے لڑتا بھڑتا ان دنوں جب کہ قلعہ تورنا کے محاصرہ کے لئے کوچ کی خبر گرم تھی۔ لشکرگاہ میں حاضر ہو گیا اور ساری روداد بادشاہ کے ملاحظہ کے لئے بھیج دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ملاقات اور باریابی کا انتظار نہ کرے اور قلعہ پر جا کر اپنے مورچے قائم کر دے۔

تورنا اور کنکیرا کی مہم

(جلوس کا اڑتالیسواں سال مطابق سن گیارہ سو پندرہ ہجری ۱۱۱۵ھ)

تورنا پر فوج کشی

نبی شاہ گڑھ (راج گڑھ) کی تسخیر کے بعد چند دن لشکر نے آرام کیا۔ اس کے بعد ماہ شوال کے آخر میں قلعہ تورنا کی تسخیر کے لئے جو راج گڑھ سے چار کوس پر تھا۔ کوچ کیا گیا۔ دو کوچ اور دو مقام کا سفر تھا۔ اس

ؔ سنبھاجی مقتول کا بیٹا جس کی پرورش محلات شاہی میں ہوئی تھی۔

پورے سفر میں باربرداری کے جانوروں کے نہ ملنے کے سبب سارا لشکر خانہ بدوشوں کی طرح سر پر سامان اٹھائے ہوئے چل رہا تھا - اکثر امرا اپنے اسباب کو ہاتھیوں اور مزدوروں کے سر پہ لے جا رہے تھے اور غریب غربا اپنے ہی سر پر اپنی گٹھڑیاں لادے ہوئے تھے ۔ قلعہ تورنا سے ایک دو کوس پر قیام ہوا اور بادشاہ نے محاصرہ کرنے اور مورچے بڑھانے کے احکام صادر کردیئے ۔

جب سلطان حسین کی باریابی کے لئے کرر عرض کیا گیا تو بادشاہ نے پہلے تو نرمی کے ساتھ اعتراض کیا پھر ہدایت کی کہ حاضری کی ضرورت نہیں پہلے وہ قلعۂ تورنا پر مورچہ بندی میں حصہ لے اور کچھ کارگزاری دکھانے کے بعد حاضری کے لئے آئے ۔ تربیت خاں اور دوسرے امیر سرگرمی سے فوج کشی میں مصروف ہوگئے خاص طور سے محمد امین خاں بہادر اور اللہ وردی خاں کے پوتے امان اللہ خاں نے اس محاصرہ میں بڑی بہادری دکھائی ۔ چند دن کے محاصرہ کے بعد ہرکاروں نے بادشاہ کو آکر اطلاع دی کہ سلطان حسین نے جس جگہ اپنے مورچے قائم کئے تھے ۔ باوجود قلت تعداد کے شدید گولہ باری میں جب کہ رات دن قلعہ سے مسلسل آگ برسائی جارہی تھی اور اس کے قریب کے چند آدمی کام آچکے تھے بیس گز تک مورچے آگے بڑھالئے ۔ اور دشمن کے اسّی آدمیوں کو جو پہاڑ پہ غلہ پہنچانے کی فکر میں اس کے مورچوں کی طرف نکل آئے تھے پکڑ لیا اور ان کا لایا ہوا غلہ ضبط کرلیا ہے ۔ بادشاہ ازراہ کرم حکم دیا کہ وہ اس غلہ کو اپنے آدمیوں میں تقسیم کردے پھر اسے حضور میں طلب کیا اور سہ صدی منصب پر دو صدی کا اضافہ عطا کیا ۔

قلعہ تورنا کی فتح

اس محاصرہ اور قلعہ کی تسخیر میں بہادر امرا ۔ اور افسروں نے جو کارنامے سرانجام دیئے ان کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں مختصراً یہ کہ دوسرے قلعوں کے برخلاف یہاں قلعہ دار سے رسل و رسائل کا کوئی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا ۔ نہ وعدہ وعید کرکے قلعہ پہ قبضہ کیا گیا بلکہ پندرہ ذی قعدہ سنہ ۱۱۱۵ھ کی شب پہلی نوری کو جب کہ نوروز تھا اور جشن کی تاریخ کا آغاز ہوتا تھا اور یہ بادشاہ کی عمر کے ۹۰ سال کا پہلا دن بھی تھا ۔ امان اللہ خاں نے جس نے اس محاصرہ میں بڑی بہادری سے پیش قدمی کی تھی ماولیہ قوم کی ایک جماعت کو لے کر جو قلعہ گیری کے فن میں بڑی شہرت رکھتے تھے ۔ قلعہ پر بڑی خاموشی سے یورش کردی ۔ اس وقت رات کا ابتدائی حصہ تھا اور ابھی چاند

طلوع نہیں ہوا تھا طرفین سے جو شدید گولہ باری ہو رہی تھی اس سے فضا دھواں دھار تھی اس خطرناک صورت حال میں ایسی جرأت و بے باکی کا نہ تو محاصرہ کرنے والوں کو اور نہ محصورین کو کوئی گمان اور خیال ہو سکتا تھا۔ دو کوہ نورد بہادر مہلک ہتھیار لئے ہوئے حملہ آور دستہ کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ لوگ بے آواز و بے پاؤں مجوزہ راستہ پر بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ اور مقررہ اشارہ اور علامت دکھا کر دوسروں کو بھی اوپر بلا لیا۔ اس طرح کوئی پچیس مسلح جوان ایک نفیر نواز کو ساتھ لئے وہاں جمع ہو گئے۔ ان کے پیچھے ہی امان اللہ خاں اپنے بھائی عطار اللہ خاں اور چند جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ اوپر چڑھ گیا۔ جب حملہ آور دستہ کے آدمی ادھر پہنچ چکے تو نفیری نواز نے نفیری بجائی اور اس کے ساتھ ہی یہ بہادر دوڑتے ہوئے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور محصورین پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کو بے دست و پا کر دیا۔ حمید الدین خاں بہادر بھی گھات میں لگا ہوا تھا وہ بھی رسیوں اور زینوں کی مدد سے ماتحت قوم کی مدد پر پہنچ گیا۔ محصورین اس اچانک حملے سے حواس باختہ ہو چکے تھے اور لاحاصل مدافعت کر رہے تھے۔ حملہ آور فوج نے ان کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا اور گاجر مولی کی طرح ان کو کاٹ کاٹ کر پھینک دیا۔ اکثر مرہٹے امان امان چلاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ بعض کونوں کھدروں میں جا چھپے اوپر سے فتح کے بگل بجنے لگے اور نیچے نقاروں پر شادیانہ بجایا گیا۔ مرہٹے ان آوازوں سے وحشت کھا کر ننگے پیر ننگے سر جدھر منہ اٹھا بھاگے جا رہے تھے۔ اکثر نے جان و مال کے تحفظ کو غنیمت جان کر ہتھیار ڈال دیئے اور عاجزی سے اطاعت قبول کر لی۔ بادشاہ نے تورنا کا نام "فتوح الغیب" رکھ دیا۔ جیسا کہ عوام و خواص سب میں مشہور ہے اور مستعد خاں نے بھی جس نے دکن کے قلعوں کی تسخیر کے حالات لکھے ہیں۔ یہی تحریر کیا ہے کہ "منجملہ تمام قلعوں کے ایک قلعہ عہد و پیمان" اور مراسلت کے بغیر تلوار کی نوک پر فتح ہوا تھا۔ وہ ایک قلعہ یہی "فتوح الغیب" (تورنا) ہے۔

امان اللہ خاں کا منصب ہزاری پانچ سو سوار کا تھا۔ پانچ صدی دو سو سوار کا اسے اضافہ ملا اس کے بھائی عطار اللہ خاں اور دوسرے ہمراہیوں کو حسب مراتب اضافہ اور عنایات سے نوازا گیا۔ حمید الدین خاں بہادر کو پوشاک خاص کا دوشالہ مع سرپیچ اور خلعت مع فتح پیچ کے مرحمت ہوئی۔

بارانی کیمپ

اب بارش کا موسم آچکا تھا بادشاہ نے چھاؤنی کے ارادہ سے پیش خانہ کو قلعہ چنپیر کی طرف نکالنے کا حکم دیا یہ قلعہ بادشاہی قبضہ میں تھا اور یہ نواح گلشن آباد کا نوآباد مقام تھا۔ آخر ماہ ذی قعدہ میں دریائے گنگا (گوداوری) کے کنارے موضع کھنیر کے قریب نزول شاہانہ ہوا۔ انہی دنوں روح اللہ خاں ثانی کا سنگ مثانہ کے عارضہ میں انتقال ہوا تھا۔

پیم نائک بیدڑہ

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ پیم نائک زمیندار "بیدڑہ" قوم کا کم اصل آدمی تھا۔ بیدڑہ کے معنی بے خوف کے ہوتے ہیں اور اصل کے اعتبار سے وہ ذات کا "دینہ" تھا جو دکن کی بڑی نجس قوم سمجھی جاتی ہے اور بڑی فتنہ پرداز ہوتی ہے اس نے حیدرآباد کی شورش کے زمانہ میں ابوالحسن کی کمک کے لئے فوج بھیجی تھی اور بادشاہ نے روح اللہ خاں کے بیٹے خانزادہ خاں کو قلعہ سکر اور اس بداصل کافر کے دشوار گذار ٹھکانوں کی تسخیر کے لئے مقرر کیا تھا۔ بادشاہی فوجوں کے حملہ سے عاجز آکر اس نے امان طلب کرلی تھی اور حاضر دربار ہو گیا تھا۔ انہی دنوں پیم نائک بیدڑہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

کنکیرا کا کوہستان

جلوس کے تیسویں سال جن دنوں روح اللہ خاں کلاں رائچور کی فتح پر مقرر کیا گیا تھا پیم نائک مذکور کا بھتیجہ پریا نائک بادشاہی لشکر میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت بادشاہ بیجاپور کی مہم سے پہلے احمد نگر میں ٹھیرے ہوئے تھے وہ دربار عالمگیری کا شان شکوہ اور دبدبہ دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور تسلیمات بجالایا۔ بادشاہ نے اسے منصب عطا کیا اور روح اللہ خاں نے جو رائچور کی مہم پر جا رہا تھا اسے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ رائچور پہنچنے کے بعد اس مکار نے بڑی حسن کارگذاری کا مظاہرہ کیا اور اعتماد قائم کرلیا جب رائچور فتح ہو گیا تو اس نے عرض کی اگر اجازت ہو تو اپنے آباء واجداد کے مسکن اور وطن واکنکیرا پہنچ کر میں اپنا ساز وسامان درست کرلوں گا۔ پھر جہاں بھی طلبی ہوگی پہنچ جاؤں گا۔ کنکیرا سکر کے توابعات میں ایک پہاڑ پر آباد گاؤں ہے وہاں کے لوگ سیاہ رو ہوتے ہیں اور ان کی اکثریت پیادہ برقندازوں کی ہے ان کو "کالی" بھی کہا جاتا ہے یہ لوگ دوراندازی اور تیراندازی میں بہت مشہور ہیں۔ جب پیم نائک کے قبضہ سے سکر نکل گیا تھا تو اس نے اپنے اہل وعیال اور بیٹوں کو اس مقام پر بڑے حیلہ وتدبیر سے بھجوا دیا تھا۔ پریا نائک بھی

رخصت لے کر اسی جگہ چلا گیا اور مستقلاً ٹھہر گیا اور واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور پہلے کے بنے ہوئے احاطہ کو مستحکم و مضبوط کر کے اچھا خاصا قلعہ بنا لیا اور کافی سامان جنگ جمع کر لیا اور چودہ پندرہ ہزار پیادوں کی فوج منظم کر لی جن کی بہادری اور تیر اندازی کا بڑا شہرہ تھا۔ اس نے اس پہاڑ کو اس طرح مضبوط کر لیا کہ وہ سد سکندری کا طلسم معلوم ہوتا تھا۔ اس بندوبست کے بعد وہ چار پانچ ہزار کی فوج لے کر دور و نزدیک کی مشہور آبادیوں پر حملہ کرنے اور لوٹ مار مچانے میں لگ گیا اور قافلوں کی تاخت و تاراج شروع کر دی۔
جب بھی اس پر فوج متعین کی جاتی تھی تو وہ اپنی جمعیت اور مستحکم قلعہ بندی کے زور پر اس کو روک دیتا تھا چونکہ دربار میں رہ چکا تھا اس لئے وہاں کے طور طریق سے واقف تھا اس لئے اطاعت کرنے اور قلعہ سپرد کرنے کی گفتگو چھیڑ جاتی تو ہرن جواہرات کی تھیلیاں اور دوسرے تحائف بھیج کر اور بھاری بھاری رشوتیں دے کر ان تجویزوں کو تعطل میں ڈال دیتا تھا اور بادشاہ کے نام عرض داشتوں میں ہمیشہ اپنے آپ کو اطاعت گذار مال گذار زمینداروں کو جتلاتا رہتا تھا اور ادھر برابر ہر مہینہ، ہر سال اپنے قلعہ کے برج اور فصیل کو مستحکم کرتے فوج جمع کرتے چھوٹی بڑی توپیں فراہم کرنے میں کوشاں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ گاؤں قلعہ واکنکیرہ کے نام سے مشہور ہو گیا اور اس قلعہ سے دکن کے باغیوں اور مرہٹوں کو مدد ملتی رہی آخر بھیم نائک کا بیٹا جگنا (رچپا) جو اس علاقہ کا وارث تھا بادشاہ کے حضور میں آ گیا۔ اسے بادشاہ نے منصب عطا کیا اور حق وراثت کی بناء پر اس نے اپنی زمینداری کی سند بادشاہی محکمہ سے حاصل کی اور ایک فوج لے کر پریا نائک پر حملہ کر دیا۔ مگر لڑائی میں اس سے شکست کھا گیا اور قلعہ میں داخل نہ ہو سکا۔
بعد میں اس کی سرکوبی کے لئے شاہزادہ محمد اعظم شاہ کا تقرر ہوا تھا جب بادشاہی فوجوں نے اس کے اطراف کے سارے علاقہ کو تاخت و تاراج کر دیا تو وہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور بڑی عاجزی اور ندامت سے معافی و امان طلب کی اور بادشاہ کے لئے سات لاکھ روپیہ اور شاہزادہ کے لئے دو لاکھ روپیہ نقد کی پیش کش کیا گذرانی اس کے علاوہ متصدیوں وغیرہ کو بھی اس نے کافی رقم پہنچائی اور کوشش کر کے بادشاہی غضب سے نجات پائی اور محمد اعظم شاہ کنکیرا واپس حضور میں چلا گیا مگر بادشاہی فوج کے جاتے ہی اس نے پھر وہی حرکتیں شروع کر دیں بلکہ پہلے سے زیادہ سرکشی پر اتر آیا۔ پھر بادشاہ کے حکم سے

غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ نے وہاں پہنچ کر اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ اس نے معمول کے مطابق روباہ بازی شروع کر دی اور نو لاکھ روپیہ کی پیش کش کا اقرار کر کے اس آفت سے اپنی جان و آبرو بچالی۔

اس زمانہ میں جب کہ بادشاہ قلعوں کی فتوحات کے لئے پونا کی طرف آئے ہوئے تھے جنیر کی سمت چھاؤنی قائم کر دی تھی اور وہاں بادشاہ کا قیام ساڑھے سات ماہ تک رہا تھا۔ اس اثناء میں اس ضلع کے دو تین غیر معروف قلعے بھی فتح کر لئے تھے ہر روز اس بد سرشت پریا نائک کی سرکشی اور فتنہ پردازی کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ آخر بادشاہ نے اس کی گوشمالی کے لئے جہاد کی نیت سے پیش خانہ شاہی کو واکنکیرا کی طرف نکالنے کا حکم دے دیا۔

مرہٹوں اور بیدڑوں کا متحدہ محاذ

(جلوس کا انچاسواں سال مطابق سن گیارہ سو سولہ ہجری ۱۱۱۶ھ)

واکنکیرا پر فوج کشی اس سال کے آغاز ہی میں واکنکیرا کی طرف روانگی عمل میں آئی اس وقت بیجاپور کی صوبہ داری پر فیروز جنگ کا بیٹا قلیچ خاں مامور تھا واکنکیرا کے نواحی پرگنے اسی کی جاگیر سے متعلق تھے مگر ان پرگنوں پر پریا نائک کی تاخت و تاراج کی وجہ سے اس کا عمل دخل نہیں رہا تھا بادشاہ نے اس میں اس کو بھی طلب کر لیا۔ بخشی الملک ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ اورنگ آباد کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس کے نام بھی واکنکیرا پہنچنے کا حکم صادر ہوا اسی طرح اکثر فوجداروں کے نام طلبی کے احکام گرز برداروں کے ہاتھ بھیجے گئے آخر شوال میں مذکورہ قلعہ کے اطراف لشکر جمع ہو گیا۔ اسی قریب میں حسب الحکم قلیچ خاں بھی آ گیا اس کو تربیت خاں محمد امین خاں اور دوسرے امیروں کے ساتھ توپ خانہ کے ہمراہ محاصرہ اور مورچہ بندی پر مامور کر دیا گیا۔ خود عالمگیر بادشاہ غازی قلعہ سے ایک کوس پر اپنی خیمہ گاہ قائم کر دی۔ بہادروں نے قلعہ پر فوج کشی کی تیاریاں کیں اور پریا بدبخت اور فصیل کو مستحکم اپنی فوج کو اکٹھا کرنے میں معروف ہو گیا اس نے تارا بائی اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کو بھی کمک پر بلانے کے لئے خطوط لکھے۔ اس کی فوج مسلمان سوار بھی اس کے ملازم تھے جن میں ایک جماعت سادات کے نام پر بٹہ لگانے والی بھی تھی غرض وہ چند ہزار سواروں اور توپ خانہ کو لے کر قلعہ سے نکلا اور بادشاہی لشکر کے

مقابلہ پر آگیا۔ دونوں طرف سے توپوں کے دہانے کھل گئے اور ہزاروں آتشیں بان رات دن چلنے لگے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آتش باری کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں اور طرفین سے کافی آدمی مارے گئے۔

بادشاہی امیروں کا حملہ

ایک دن طلوع آفتاب کے وقت محمد امین خاں، تربیت خاں، چین قلیج خاں بہادر، عزیز خاں روہیلہ اور اخلاص خاں میانہ طلایہ گردی پر نکلے ہوئے تھے ایک پشتہ پر جو لال ٹیکری کے نام سے مشہور تھا اور ای آباد قلعہ کا ایک حصہ تھا ان لوگوں نے بڑی تیز رفتاری سے حملہ کردیا اور وہاں جو برقنداز موجود تھے ان کو تلواروں اور تیروں کی موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہاں مورچے قائم کرنے کے لئے بڑی بہادری سے جمے رہے اسی وقت قلعہ کے اندر اور باہر سے دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھیں اور اُن کو گھیر لیا اور حملے کرکے ان کو وہاں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو شاہزادہ محمد کام بخش کو امیر الامراء اسد خاں اور دوسرے افسروں کو کمک پر روانہ کر دیا گیا۔ یہ سب لوگ اپنی تھوڑی بہت فوج لے کر بڑی تیزی سے وہاں پہنچ گئے۔ اس عرصہ میں چین قلیج خاں اور دوسرے بہادروں نے بڑی بہادری سے دشمن کی مدافعت کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہو سکا مسلسل گولہ باری کی وجہ سے ان کے ساتھ کے بہت سے آدمی شہید ہو گئے۔ گولہ باری کی زد میں اور بان کے صدمہ سے محمد امین خاں کے گھوڑے کے دونوں پاؤں اور چین قلیج خاں کے گھوڑے کا ایک پاؤں بیکار ہو گیا۔ اور دونوں کو پیادہ ہو جانا پڑا انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ گھوڑوں پر ہی بلا ٹل گئی اور جان محفوظ رہی' مال تھی گھوڑوں کی اس وقت بڑی ریل پیل ہو رہی تھی' اور اسی چپقلش میں اوپر سے کئی ایک آدمی بھی کھائی میں گر پڑے تھے اس لئے دونوں سرداروں کے کوتل گھوڑے ان تک نہیں پہنچائے جا سکے کچھ دور تک ان دونوں نے پیادہ پا مقابلہ کیا اور بچتے بچاتے نکل آئے۔ جب یہ اطلاع بادشاہ کو ملی تو دونوں سرداران فوج کے لئے خاصہ کے دو کوتل گھوڑے بھجوائے گئے۔ قلیج خاں کو طلب کی بیماری تھی' ان حالات میں مرض کا بڑھ جانا لازمی ہے۔ بادشاہ نے امیر خاں کے ذریعہ چالیس تولہ شمامۃ عنبر روانہ کیا' اور اس بہادرانہ جنگ و دو پر آفرین و ستائش کا پیغام دیا۔

لال ٹیکری پر قبضہ

دوسرے تیسرے دن حمید الدین خاں بہادر نے اپنے جانباز دلاوروں کی ایک جماعت لے کر حملہ کیا اور اس کافر کے آباد کردہ باڑہ کے محاذی جس کو ہندی زبان میں چینچ کہتے ہیں ایک پشتہ پر چڑھ گیا۔ وہاں دھیڑوں کی بستی تھی جو پیا کے لشکر میں سب سے بہادر سمجھے جاتے تھے

اور اس کے ہم قوم بھی تھے۔ سخت لڑائی کے بعد دشمن کی بڑی جماعت ماری گئی اور حمید الدین خاں نے اس پشتہ پر قبضہ جما لیا۔ ایک اور پشتہ لال ٹیکری نام کا تھا۔ اس پر دشمن کی جو جمعیت تھی وہ حمید الدین خاں سے مقابلہ کرنے کے لئے وہاں سے اتر آئی مگر محمد امین خاں تاک لگائے گھات میں بیٹھا تھا جیسے ہی وہ وہاں سے ہٹے اس نے بڑھ کر لال ٹیکری پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں سلطان حسین عرف میر ملنگ بھی شہزادہ محمد کام بخش کی فوج سے ایک جماعت کو لے کر آگے بڑھا اور اس نے بھی ایک مقام پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح روح اللہ خاں کا بیٹا باقر خاں بھی ایک اور پشتہ پر پہنچ گیا۔ دشمن ان تمام فوجوں پر طرح طرح سے آگ برسا رہا تھا۔ پتھر پھینک رہا تھا گو بن چل رہا تھا مگر بادشاہی لشکر نے بڑی بہادری سے یورش کی تھی اور امید تھی کہ یہ محنت ٹھکانے لگے گی کہ اسی وقت پریا کی کمک پر مرہٹوں کے ایک زبردست لشکر کے آنے کی اطلاع ملی۔

مرہٹہ لشکر کی آمد

دوسرے دن دھنا جادو، ہندو راؤ، دو تین سرداروں کے ساتھ جن کے خاندان واکنکیرا کے قلعہ میں تھے آٹھ نو ہزار سوار اور بے حد و شمار پیادہ فوج لے کر نمودار ہوئے۔ دھنا جادو سے بادشاہی علاقہ کی تاخت و تاراج اور فوج کے مقابلہ سے رکا ہوا تھا اور بہت کم لوٹ مار کے لئے نکلتا تھا اس وقت اس کے آنے کی غرض صرف یہ تھی کہ اس قلعہ کو دوسرے مفتوحہ قلعوں کی نسبت محفوظ سمجھ کر اپنے قبیلہ اور قوم کے اہل و عیال اور مال و اسباب کو اُس نے یہاں رکھا ہوا تھا۔ اب ان کو قلعہ سے نکالنے اور ساتھ ہی ساتھ ان کا فروں پر کمک کا احسان دھرنے کے لئے وہ پہنچ گیا تھا۔ مرہٹوں کے پہنچنے کے بعد دو طرفہ لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک طرف ان کی فوج نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف قلعہ سے شدید گولہ باری ہونے لگی مرہٹوں نے بادشاہی فوج کے سرداروں کو اپنی طرف متوجہ کر کے لڑائی شروع کر دی اور اسی وقت دوسری طرف سے دو تین ہزار تیز رفتار سوار قلعہ کے قریب پہنچے، ادھر قلعہ سے ان کے اہل و عیال قلعہ کی پیدل فوج کے ساتھ باہر نکل آئے۔ مرہٹوں نے ان کو تیز رفتار گھوڑیوں پر سوار کرا دیا اور وہاں سے اُن کو نکال لے گئے۔

مرہٹوں کی اصل غرض تو پوری ہو گئی تھی کہ اُن کے زندان کے افراد صحیح سلامت نکل آئے تھے اور وہ بادشاہی فوج سے بڑی جنگ کر کے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے پریا نائیک کو مشورہ دیا کہ ہم اور تم مل کر خواہ کتنا ہی ہاتھ پیر ماریں۔ بادشاہی فوجوں کے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکیں گے مصلحت یہی ہے کہ تم اطاعت کرو اور موروثی ملک کو عاجزی اور فرماں برداری

کا اظہار کرکے بچالو۔ پریا غرور و تکبر کے نشہ میں مست تھا اس نے اُن کی بات نہیں مانی اور اُن کے پاس نقد رقم سامان و سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ضیافت کے طور پر بھجوائیں اور مرہٹہ سرداروں کے روزانہ کا خرچ مقرر کر دیا جو وہ محاصرہ کے اختتام تک پہنچاتا رہا اور بڑی منت سماجت سے مرہٹوں کو ساتھ دینے پر آمادہ کرتا رہا مرہٹوں نے سوچا چلو روزانہ کا روزینہ مفت کا مال ہاتھ آرہا ہے کچھ دن اور بیٹھے رہیں اور وہ وہاں ٹھیرے رہے ہر روز ان سے جھڑپ ہوتی رہتی تھی جس میں کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوتے مرہٹوں کی فوج میں روزانہ اضافہ ہوتا جارہا تھا اور بادشاہی لشکر ان پر حملے کرتے رہتا تھا کافی آدمی ادھر سے بھی شہید ہوگئے اور لشکر میں بعض وقت بڑی افراتفری مچ گئی۔

پریا بیڈے کی سازش

مکار پریا نے ایک سازش تیار کی۔ ایک تاجر عبدالغنی کشمیری تھا جس نے طرح طرح کی معاملہ بازیاں کرکے تجارت کا کچھ سروسامان پیدا کر لیا تھا اس کا یہ تجارتی سلسلہ مرہٹوں کے لشکر سے بادشاہی لشکر تک پھیلا ہوا تھا اور اس کے ہر جگہ کافی روابط اور اختلاط پیدا کر لیا تھا اسی لین دین میں اس نے قلعہ کے اندر پریا کے پاس بھی رسائی پیدا کر لی تھی اور قلعہ میں آمد و رفت کی صورت نکال لی تھی۔ پریا نے اس کو ہموار کرکے ایک کاغذ کا پرزہ حوالہ کیا جس میں بڑی عاجزی اور ندامت کا اظہار کیا تھا اور مصالحت کی تجویز پیش کی تھی، ان دنوں ممالک محروسہ کا واقعہ نگار، ہدایت کیش تھا تمام ہندوستان کے تمام ملکی اور مالی معاملات اسی کے ہاتھ میں تھے۔ عبدالغنی نے وہ پرچہ لاکر اسے دیدیا کہ میں ایسے ہی چکر لگاتے ہوئے قلعہ کے نیچے چلا گیا تھا اور وہاں نماز پڑھنے لگ گیا تھا کہ قلعہ والے مجھے گرفتار کرکے اندر لے گئے اس بد اصل بیڈے (پریا) نے لشکر کے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ کاغذ مجھے دیا اور تمہارے پاس اسے پہنچا دینے کو کہا۔

ہدایت کیش (واقعہ نگار) وہ پرچہ بادشاہ کے پاس لے گیا تو بادشاہ نے بہت تامل کے بعد کافروں کے غلبہ و تسلط کو دیکھ کر حکم دیا کہ وہ اپنی شرائط شاہزادہ محمد کام بخش اور ہدایت کیش کے ذریعہ بھیج سکے اس مکار نے جو شرائط رکھیں اُن کا خلاصہ یہ تھا کہ اس کا بھائی سوم سنگر (شنکر) قلعہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا، اسے خلعت گھوڑا جواہر اور منصب سے نوازا جائے اور یرغمال کے طور پر گلال بار (بادشاہی خیمہ گاہ) میں اس کو رکھ لیا جائے اور شیخ میر خوانی کے بیٹے محتشم خاں کو جو ان دنوں منصب سے برطرف اور گوشہ نشین تھا قلعہ دار مقرر کر دیا جائے (غالباً یہ شرط عبدالغنی کشمیری کے ایما پر ہوگی کیونکہ کشمیری کا اس سے بہت زیادہ لین دین رہتا تھا اور اس نے محتشم خاں سے ایک بڑی رقم بھی طلب کی تھی۔

مقررہ قلعدار چند آدمیوں کے ساتھ بادشاہی نشان اندر لے آئے۔ اور قلعہ کے اندرونی بندوبست

کو سنبھال لے مگر واکنکیرا کے موجودہ قلعدار کو قلعہ سے نکلنے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دیدی۔

بہرحال اس کے حسب التماس اس کا بھائی سوم سنکر قلعہ سے اتر کر حاضر خدمت ہوا نذر نعدا نے پیش کئے۔ بادشاہ نے اسے خلعت، گھوڑا، جواہر اور منصب عطا کیا۔ آداب تسلیمات بجا لا کر اس نے بھائی کے تصور معاف کر دینے کی عاجزانہ درخواست کی اور ایک ہفتہ کی مہلت طلب کی اور وعدہ کیا کہ اس عرصہ میں اس کا بھائی قلعہ کو چھوڑ دے گا۔ اسی دوران میں محتشم خان قلعہ کے اندر چلا گیا مگر وہ رات رسمیات میں ضیافت میں اور پیغامات کے تبادلہ میں نکل گئی کہ دوسرے دن تریا قلعدار (محتشم خان) کے توسط سے حاضر ہو کر تسلیمات بجا لائے گا۔ قلعدار کے قلعہ میں داخل ہو جانے کے بعد شادیانے بجائے گئے دوسرے دن اراکین دربار نے آداب تسلیمات، تہنیت مبارک باد پیش کی۔ اس حسن خدمت پر ہدایت کیش (واقعہ نگار) کو ہادی خاں کا خطاب بھی عطا ہوا اور اس دلالی کے عوض عبدالغنی کشمیری کو تین صدی کا منصب دیا گیا۔ ادھر قلعہ والے بادشاہی قلعہ دار کی تسلی کے لئے ناکارہ سامان نکالنے اور چند بوڑھیوں اور عورتوں کو جن کا عدم و وجود برابر تھا باہر جانے کی تیاری کرنے لگا اور سہ پہر تک قلعہ دار کو تریا کے حاضر ہونے کی اطلاعات دیتے رہے۔ مگر شام ہوتے ہوتے یہ اطلاع دی کہ پریا کو سخت بخار چڑھ گیا ہے اور وہ بیمار ہے تیسرے دن معلوم ہوا اس کا بخار سرسام میں تبدیل ہو گیا اور وہ ہذیان بک رہا ہے۔ ایک دن بعد یہ شہرت دی کہ تریا کو جنون ہو گیا تھا اور وہ پچھلی رات میں قلعہ سے نکل گیا اور معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے قلعہ سے گر کر خودکشی کر لی یا اس جنون میں وہ مرہٹوں کے لشکر میں چلا گیا۔ اس کی ماں گریہ آہ و زاری اور فریاد کرنے لگی اور بادشاہ کے پاس درخواست بھیجی کہ بیٹے کے متعلق تحقیق ہو جانے کے بعد میں قلعہ خالی کر دوں گی۔ حضور از راہ کرم میرے چھوٹے بیٹے سوم سنکر کو زمینداری کی خلعت عطا کر کے محتشم خاں کے پاس بھجوا دیں کیونکہ جہاں جہاں خزانہ دفن ہے اس کا علم سوم سنکر کو ہی ہے وہ ان کا پتہ بادشاہی قلعہ دار کو بتا دے گا اور میں باقی مال و اسباب اور اہل و عیال کو لے کر قلعہ سے نکل جاؤں گی۔ بادشاہ اس کے مکر و سازش سے غافل تھے سوم سنکر کو بھی قلعہ میں ماں کے پاس بھجوا دیا۔

جب سوم سنکر قلعہ میں واپس آ گیا تو اس عیار (پریا) نے قلعدار کو امروز و فردا پر ٹال کر دھوکہ میں رکھا اور بادشاہی آدمیوں کی آمد و رفت بند کر دی اور محتشم خاں کو چند آدمیوں کے ہمراہ محبوسوں کی طرح قلعہ میں روک لیا۔ یہاں تک کہ اس کی اس سازش اور مکاری کا حال بادشاہ پر اور ہوا خواہوں پر کھل گیا بادشاہ نے ہمیشہ وقار اور بردباری سے کام لیتے ہوئے کسی اضطراب کو

ظاہر ہونے نہیں دیا اور ان کے ساتھ حسب موقع رکھ رکھاؤ قائم رکھا۔ اسی انتظار میں ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ اور داؤد خاں وغیرہ کے چند صاحب فوج سرداروں کے ہمراہ آنے کی اطلاع مل چکی تھی ان کے نام جلد از جلد خود کو پہنچانے کا حکم صادر ہوا۔ اس دوران میں قلعہ والے بڑھ چڑھ کر شوخی شرارت کرنے لگے اور بادشاہ بڑی پامردی اور استقامت سے وہاں ٹھیرے ہوئے آنے والی فوج کا انتظار کرتے رہے۔ اس خاموشی پر لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بڑی بدنامی ہوگئی۔ ہر خیمہ میں لوگ دست افسوس ملتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہتے تھے "واہ رے زمانہ کہ اس نجس مردہ خوار قوم نے ایسے صاحب تدبیر دانشور بادشاہ کو اس طرح ذلیل دیدیا"[۱]۔

امدادی فوجوں کی آمد

"قلعہ والوں اور باہر کے مفسدوں کا نعداد اور غلبہ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ بادشاہ اور لشکر تقریباً محصور ہو کر رہ گئے تھے ان کی قوت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ، داؤد خاں پنی، جو جنجی کی فتح کا قلعہ دار تھا، جمشید خاں بیجاپوری بہادر خاں میر شمشیر یوسف خاں قلعہ دار قمر نگر کامیاب خاں قلعہ دار گلبرگہ راؤ دلپت بندیلہ رام سنگھ اور دوسرے فوج داروں کے متعلق خبر ملی کہ وہ قلعہ گیری کا سامان لے کر عقب سے پہنچ رہے ہیں۔ بادشاہ نے نصرت جنگ کو خط مبارک سے ایک پرچہ اس مضمون کا لکھ کر دیا۔ "اے یاری دہ بیکساں زود خود برساں" بے کسوں کے لئے کمک لانے والے جلد یہاں پہنچ جاؤ۔ جب بہادر پہنچے تو حالات اتنے نازک تھے کہ حاضری تسلیمات عنایات کا موقع ہی نہیں تھا سواری کی حالت میں سلام بجا لائے اور سفر کی گرد جھاڑے بغیر ہی اسی طرح محاذ پر پہنچ گئے پہلے وہ اس پشتہ کی طرف بڑھے جہاں محمد امین خاں اور سلطان حسین نے مورچہ بندی کر رکھی تھی اور دشمن نے ان کا

---

[۱] خافی خاں نے عالمگیر اورنگ زیب کے سوانح میں نہ صرف یہ کہ ایسے واقعات منتخب کئے جن سے عالمگیر کی خفت کا پہلو نکلتا ہے نہ صرف یہ بلکہ اس نے ان واقعات کو اس رنگ میں پیش کیا کہ جس سے بادشاہ کی ذات زیر اعتراض آجاتی ہے۔ یہی واقعہ ایک مثال ہے پہیا نے یہ سازش کیوں کی تھی؟ اسے اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ اس واقعہ سے تو واضح نہیں ہوتا ایسا معلوم ہوتا ہے وہ مرہٹوں کی بے توجہی اور بادشاہی کمک کے آنے کی خبر سن کر اور محاصرہ سے تنگ آکر قلعہ سپرد کر دینے کے لئے راضی ہوگیا تھا۔ مگر عین وقت پر اپنی قوم کے دباؤ سے مجبور ہو کر اس نے یہ ارادہ بدل دیا۔ اس کو خافی خاں نے ایسا رنگ دیدیا جس سے بادشاہ کے فہم و فراست پر حرف آتا ہے۔ خافی خاں کا عالمگیر کے ساتھ شروع سے آخر تک یہی انداز ہے اور اس میں بہت سے تعصبات کا خاصہ دخل ہے

حلقہ وار محاصرہ کر رکھا تھا اور ان پر چند فاقے گذر چکے تھے وہاں پہنچتے ہی انھوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور مسلسل تازہ فوج آتی رہی اور دشمن پر حملے کرتی رہی۔ اسی اثنا میں کسی ہرکارہ نے بتایا کہ عقب سے گرد اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے غالباً مرہٹوں کی فوج قلعہ والوں کی مدد کے لئے آگئی ہے۔ نصرت جنگ اس اطلاع پر بیدڑوں کو طرح دے کر مرہٹوں کی طرف اپنی فوج کو نکال لے گیا۔ مگر معلوم ہوا یہ بادشاہی طلایہ گرد دستہ تھا۔ اس مہلت سے کافروں نے فائدہ اٹھا کر اپنے قدم جما لئے اور پھر طرفین میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ چاروں طرف سے فوجیں سمندر کی موجوں کی طرح پھیر پھیر کر حملے کرنے لگیں اور بادشاہی لشکر کے ہر افسر اور ہر سپاہی نے بڑی جانفشانی کا مظاہرہ کیا خاص طور سے حمید الدین خاں، قلیچ خاں بہادر، داؤد خاں، جمشید خاں اور راجپوت سرداروں نے بڑی بہادری سے جنگ کی۔ چار پانچ دن تک برابر معرکہ کارزار گرم رہا اس معرکہ میں جمشید خاں روشناس راجپوتوں کی جمعیت کے ہمراہ اور راؤ دلپت چند ایک خانہ زادوں کے ساتھ کام آگئے۔

دلیرانہ اقدام بادشاہ نے چین قلیچ خاں، محمد امین خاں اور چند بہادر افسروں کو مقرر کیا کہ وہ قلعہ کے اطراف طلایہ گردی کرتے رہیں اور جس طرف سے بھی دشمن کو کمک مل رہی ہو اس کو مسدود کر دیں اور مرہٹوں کی فوج محصوروں تک پہنچنے نہ دیں! اسی اثنا میں ذوالفقار خاں نے چند باؤلیوں اور کنوؤں پر جن سے دشمن کے آدمیوں اور جانوروں کو پانی پہنچتا تھا قبضہ کر لیا اس وقت تک بادشاہی لشکر پیاسا مر رہا تھا۔ اب دشمن کی فوج پانی کے لئے ترسنے لگی۔ دشمن کا زور کچھ ٹوٹا تو بادشاہی لشکر نے عمارتی لکڑیاں اور درختوں کے تنے کاٹ کاٹ کر جمع کیں اور ان کی آڑ میں مورچہ بندی کو آگے بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مورچے قلعہ کی فصیل کے نیچے تک پہنچ گئے۔ دوسرے سرداروں نے بھی بزور شمشیر اپنے اپنے مورچے قلعہ تک پہنچا دیئے۔

ٹیکروں پر قبضہ جس دن یورش کی تیاری تھی جگہ جگہ کوہ نورد بہادر متعین کر دیئے گئے۔ خود عالمگیر جہاد کا ارادہ کر کے آرزوئے شہادت میں میدان میں آپہنچ گیا۔ تمام قلعوں کے محاصروں اور لڑائیوں میں شہادت پانے کی تمنا برابر بادشاہ کے دل میں رہی تھی۔ میدان میں عالمگیر بادشاہ کی سواری گولہ باری کی زد میں پہنچ چکی تھی اور وہ بڑی پامردی سے فوجوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ جیسے ہی یورش کا حکم صادر ہوا ایک طرف سے ذوالفقار خاں تازہ دم امیروں کے ساتھ دوسری طرف سے تربیت خاں حمید الدین خاں، یکہ تاز خاں اور دوسرے بہادر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قلعہ پر چڑھ دوڑے۔ محصورین نے بھی اندر اور باہر سے بادشاہی لشکر پر حملہ کر دیا۔ بہادروں نے سینہ سپر ہو کر ان کے حملوں کو روکا

اور پیدل حملہ آوران پر یورش کر دی اس موقع پر بھی بڑی سخت لڑائی ہوئی اور دونوں طرف سے کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے ۔

زبس کشتہ افتاد در کوہ و دشت ۔ جہاں گفت بس بس کہ از حد گذشت

آخر کافروں کو ہزیمت ہوئی۔ پہاڑ کے جن ٹیکروں پر بانار کی آبادی تھی۔ دوسرے مقامات کی نسبت ان پر بھی زیادہ آلات حرب جمع تھے۔ ابتدائی دو تین حملوں میں اس بانار پر بادشاہی فوج کا قبضہ ہوگیا اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور لشکریوں نے ایک کوس سے زائد فاصلہ تک ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے بڑی تعداد کو ہلاک اور اکثر کو زخمی کر دیا اور آگے بڑھ کر پہاڑ کے اوپر قلعہ کے دروازہ کے قریب اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔

قلعہ میں آتش زدگی

قلعہ والوں نے دروازہ اور اطراف کی پناہ گاہوں پر دو تین ہزار بندوقچی مقرر کر دیئے تاکہ لشکر کی پیش قدمی رکی رہے اور اپنے بیوی بچوں، زیورات وغیرہ کو لیکر بڑی سراسیمگی کے عالم میں دوسرے دروازے اور مختلف راستوں سے جو ایسے ہی دن کے لئے بنا رکھے تھے نکل گئے اور سیدھے مرہٹوں کے لشکر میں جا کر پناہ لی۔ جاتے ہوئے مندر اور اکثر عمارتوں کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دی۔ جب آگ کے شعلے اندر سے بلند ہوئے اور آتشباری میں بھی بہت کمی ہوگئی تو لشکر ان کے فرار سے واقف ہوگیا اور داؤد خاں منصور خاں ایک جمعیت کو لے کر آگے بڑھے اور اوپر چڑھ گئے۔ قلعہ خالی پڑا تھا۔ صرف چند زخمی جو بھاگ نہ سکے تھے تڑپ رہے تھے۔ محتشم خاں بیچارہ اگر بادشاہی فوج کے داخل ہونے میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہوگئی ہوتی تو جل کر خاک ہو جاتا، بروقت اُسے بچا لیا گیا۔

قلعہ کنکیرا کی فتح

۱۶ محرم کو قلعہ بادشاہی قبضہ میں آگیا اور فتح کا شادیانہ بلند ہوا۔ ذوالفقار خاں دوسرے بہادروں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا بادشاہ نے اسے آفریں کہی ہزار سوار کا اضافہ دیا مع شمشیر طلائی ساز کے ساتھ گھوڑا نقرئی ساز کے ساتھ ہاتھی عنایت کر کے اسے معزز و سربلند کیا۔ داؤد خاں، بہادر خاں، حمید الدین خاں اور دوسرے مقرب سواروں اور مخلص سپاہیوں کو جنھوں نے بڑی جانفشانی سے جنگ کی تھی ہر ایک کو اضافہ، خلعت، ہاتھی، گھوڑے جواہر دے کر ان کی عزت افزائی کی۔ حاجی سیف اللہ خاں میر تزک کے ہاتھ میں گولی لگ گئی تھی اس کو زخم بہا کے طور پر ایک سو اشرفی عنایت کیں۔ ایک روایت کے مطابق چین قلیچ خاں اور محمد امین خاں فتح کے دن لشکر کے اطراف دشمن کی روک تھام کے لئے طلایہ گردی پر مامور تھے اور قلعہ پر موجود نہیں تھے مگر ابتدا میں انھوں نے بھی بڑی بہادری سے حملے کئے تھے اور اس وقت طلایہ گردی میں بھی بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اس لئے جب یہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے چین قلیچ خاں کو چار ہزاری

منصب پر ہزار کا اضافہ مینا کار تلوار کے ساتھ عطا کیا اور محمد امین خاں کو پانچ صدی کا اضافہ مع مرصع تلوار کے مرحمت فرمایا اور قلعہ واکنکیرا کا نام رحمٰن بخش رکھ دیا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

قلعہ کی فتح اور وہاں کے مال گذار زمینداروں کو تسلی دلا سا دینے کے بعد برسات کا موسم بسر کرنے اور فوج کے آرام کے لئے قصبہ دیو گاؤں دریائے کشنا کے کنارے تین چار جریبی کوس پر واقع ہے جہاں تمام مفتوحہ مقامات پر مالی اور ملکی نظم و نسق کے لئے سمجھ دار اور تجربہ کار حکام مقرر کئے گئے۔ ذوالفقار خاں کو اس ضلع کے بعض سرکش اور فسادی زمینداروں کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیا۔ تو مفتوحہ ملک سے اور زمینداروں کے نذرانوں سے کافی بڑی رقم بادشاہی خزانہ میں جمع ہو گئی۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ قلعہ بخشندہ بخش عرف کنڈانا قلعہ داروں کی بے خبری اور غنیم کی چال بازی سے مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے بادشاہ نے اسی دن حمید الدین خاں بہادر کو تربیت خاں کے ساتھ اس کے محاصرہ اور تسخیر کے لئے روانہ کر دیا۔

بادشاہ کی علالت

انہی دنوں بادشاہ عارضہ بدنی میں مبتلا ہو گیا تمام اعضا میں جوڑوں کا درد شدت کے ساتھ اٹھنے لگا اگرچہ بادشاہ نے ضبط سے کام لے کر روزمرہ کے معمولات میں فرق آنے نہیں دیا نشست و اجلاس اور دربار منعقد کرنے میں حسب سابق خود کو مشغول رکھا تاکہ لوگوں میں کسی طرح کا انتشار نہ پیدا ہو مگر کب تک مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک دو بار بادشاہ پر غشی بھی طاری ہو گئی اور لوگوں میں طرح طرح کے چرچے شروع ہو گئے۔ دس بارہ دن تک سارے لشکر میں عجیب طرح کی ہلچل پیدا ہو گئی مگر اللہ کا فضل ہوا کہ مزاج رو بصحت ہو گیا اور کبھی کبھی دربار اور اجلاس کے منعقد کرنے سے لوگوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اگر اس دار الحرب میں کہ وہ سارا ملک غنیم کا وطن تھا اور لوگ بے خانماں ہو گئے تھے فیصلہ کی گھڑی آجاتی تو اس پر خطر کوہستان سے ایک شخص بھی جان بچا کر نہ جا سکتا۔

حکیم صادق خاں کی تجویز پر بادشاہ نے دار چینی (چوب چینی) کھانا شروع کر دی۔ تین چار ہفتہ تک دوا پی اور ہر روز صدقہ دیا۔ جب دوا دارو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور صحت ہو گئی تو حکیم کو بادشاہ نے اشرفیوں میں تلوا کر اشرفیاں اسے عطا کر دیں اور حکیم الملک کا خطاب عطا کیا۔

وسط ماہ رجب میں بادشاہ نے وہاں سے کوچ کیا اور بہادر گڈھ عرف پیرگاؤں کی طرف روانہ ہو گئے چین قلیچ خاں کو اس کی صوبہ داری پر روانہ کر دیا۔ کوچ پر کوچ، مقام پر مقام کرتے، لشکر نے یہ پُر مشقت سفر ختم کیا جس کی تفصیلات کا ذکر زائد از ضرورت ہو گا اور آخر شعبان میں بہادر گڈھ پہنچ گئے فوج کو آرام کرنے اور ماہ رمضان گذار لینے کے لئے چالیس دن کے قیام کی منظوری دیدی۔

قلعہ بخشندہ بخش کی فتح

(جلوس کا پچاسواں سال مطابق سن گیارہ سو سترہ ہجری ۱۱۱۷ھ)

احمد نگر کی طرف کوچ

رمضان کا مہینہ بادشاہ نے ہر سال کے مطابق روزہ تراویح نماز اور تلاوت قرآن کی ادائیگی میں بسر کیا۔ رمضان کے بعد بہادر گڈھ میں دن میں دو وقت بلا ناغہ اجلاس منعقد ہوتا رہا جس میں ملکی اور مالی معاملات طے پاتے رہے۔ قلعہ بخشندہ بخش کی تسخیر کے لئے ذوالفقار خاں کو بھی روانہ کر دیا گیا۔ اب بادشاہ نے بہادر گڈھ سے احمد نگر کی طرف کوچ کیا۔

ساہوجی بادشاہ کی رکاب میں

سنبھا کا بیٹا اور سیواجی کا پوتا ساہو چند سال بادشاہ کے زیر نگرانی تھا اسے سات ہزاری دو ہزار سوار کا منصب راجہ کا خطاب سیر حاصل جاگیر عطا کی گئی تھی' اس کے لئے دیوان' خانساماں اور متصدیوں کو علیحدہ سے مقرر کیا گیا تھا۔ اور "گلال بار" کے احاطہ میں ہی اس کو رکھ کر اس کی تربیت پر متوجہ رہتے تھے اور متصدیوں کو اس سلسلہ میں ہدایات دے رکھی تھیں' اس کے قید ہونے سے اب تک اسے کبھی رکاب شاہی سے جدا ہونے نہیں دیا تھا کوچ کے وقت بھی اس کو اپنے ہمراہ ہی سوار ہونے کا حکم دیتے تھے۔

اس وقت جب کہ ذوالفقار خاں قلعہ بخشندہ بخش کی طرف جانے لگا تو وہ ساہو پر بہت مہربان تھا بزرگوں کا یہ قول اسے یاد نہیں رہا تھا کہ "سانپ کو مارنا اور سانپ کے بچہ کو پالنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے" اس نے بادشاہ سے درخواست کی اور اسے اپنے ساتھ لے کر گیا۔

بخشندہ بخش کی فتح

ماہ ذی الحجہ میں قلعہ بخشندہ بخش کی فتح کی خبر ملی جو ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ وغیرہ کی کوششوں سے قبضہ میں آ گیا' اس خبر سے بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی۔

محمد اعظم شاہ کی آمد

شاہزادہ محمد اعظم شاہ صوبہ احمد آباد پر متعین تھا' باپ کی بیماری کا حال سن کر عرض داشت بھیجی کہ اس نے حضور میں پہنچنے کا ارادہ کر لیا ہے کیونکہ احمد آباد کی آب و ہوا موافق نہیں ہے۔ بادشاہ نے یہ بات پسند نہیں کی اور اس کے جواب میں فرمان بھیجا کہ ہم نے بھی اعلیٰ حضرت شاہجہاں کی بیماری کا حال سن کر اسی طرح کی عرضداشت بھیجی تھی' جواب میں ہمارے نام فرمان آیا تھا۔ "انسان کے لئے سب جگہ کی ہوا موافق آجاتی ہے بجز ہوائے نفس کے" بعد میں جب محمد اعظم شاہ نے دوبارہ عرض معروض کی تو اس کو صوبہ مالوا پر تبدیل کر دیا' شاہزادہ نے اُجین پہنچے بغیر ہی راستہ سے خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست بھیجی' طوعاً کرہاً بادشاہ نے حضور میں طلب کر لیا اور تیزی سے سفر کر کے ماہ ذی الحجہ کے

آخر میں وہ حاضر خدمت ہو گیا شاہزادہ کی جگہ احمد آباد پر محمد ابراہیم خاں کو مقرر کیا جو اس وقت صوبہ بنگال میں تھا اس کے آنے تک اعظم شاہ کے بیٹے شاہزادہ بیدار بخت کو جو برہان پور میں تھا حکم ہوا کہ وہ احمد آباد جا کر وہاں کا بندوبست سنبھال لے برہان پور کی صوبہ داری نجابت خاں کے سپرد ہوئی جو اس وقت قلعہ کھیرا اور سرکار بگلانہ کا فوج دار تھا۔ مالوے پر خان زماں حیدر آبادی کے بیٹے خان عالم کا تقرر ہوا۔

شعبدہ بازی کا دلچسپ قصہ

اسی زمانہ میں دار الخلافہ کے اخبار نویسوں نے ایک عجیب واقعہ کی اطلاع دی (میں (خافی خاں) نے یہی واقعہ ایک مدت بعد میر عبداللہ کی زبانی بھی تفصیل سے سنا میر عبداللہ شاہجہاں آباد کے قلعدار محمد یار خاں کا ملازم تھا۔ یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے مختصر لکھتا ہوں۔ شیخ میر جوانی کا بیٹا مکرم خاں ان دنوں منصب سے علیحدہ ہو گیا تھا اور گوشہ نشین تھا مشہور تھا کہ اس کو کیمیا کا بڑا خبط ہے۔ ایک دن اس کے گھر ایک درویش آیا جس کے ہاتھ میں عصا تھا اور کاندھوں پر مشائخانہ چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی محفل میں بڑی شان استغنا سے بیٹھ گیا اور لوگوں کے اٹھنے تک اس نے زبان سے کوئی بات نہیں نکالی بس خاموش رہا۔ جب تنہائی اور خلوت ہو گئی تو صاحب خانہ نے نام پوچھا اور احوال پرسی کی تو فقیر نے جواب دیا: میں حضرت غوث الاعظم کے خدا کاروں اور معتقدوں میں سے ہوں اور مجھے عالم رویا میں علم کیمیا کی تعلیم کی بشارت ملی ہے۔ مگر مجھے پابند کر دیا گیا ہے کہ جب تک وہاں سے اجازت نہ مل جائے میں کسی پر اس راز کو ظاہر نہ کروں۔ ان دنوں مجھے اجازت ملی ہے کہ تم کو یہ علم سکھا دوں۔ پھر اس نے بڑی چرب زبانی اور مکاری سے افسانہ طرازی کی اور اپنی بے غرضی اور عدم احتیاج کا اسے یقین دلا دیا اور اسے آزمائش کی ترغیب دی۔ مکرم خاں کی آتش شوق بھڑک اٹھی اور اس نے درویش کے قیام کے لئے بڑا عمدہ انتظام کر دیا اور صاف ستھرے مقام پر اسے ٹھیرا دیا اور ہر طرح اس کی خدمت بجا لانے کے لئے کمر بستہ رہا۔ وہ مکار فقیر گوشت گھی اور لذیذ غذاؤں سے بہت پرہیز اور اجتناب کرتا تھا اس دوران میں کیمیا بنانے کے متعدد تجربے کئے گئے اور ہر مرتبہ چند اشرفیوں اور تھوڑے سے غیر مسکوک سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر جعل سازی اور دھوکہ سے اسے دکھا دیا کہ سونا دگنا ہو گیا ہے یوں نادہ اس کی حرص و ترغیب کو اکساتا رہا اور ایسی عیاری سے کہ مکرم خاں کو یقین آ گیا کہ یہ درویش بے غرض ہے اور کیمیا کے فن میں پورا ماہر ہے اس دوران میں جب بھی صاحب خانہ نے تحفے تحائف پیش کئے اور اسے لباس پہننے کے لئے کہا اس نے بڑی بے طمعی کا اظہار کیا اور کوئی چیز قبول نہیں کی۔ ایک دو دن بعد وہ کوئی نہ کوئی ایسا شعبدہ دکھاتا کہ عقل حیران رہ جاتی تھی ان شعبدوں کو دیکھ دیکھ کر مکرم خاں کی عقیدت بڑھتی جاتی تھی جب بھی اصل فن کی تعلیم کا ذکر چھیڑتا تو وہ وعدہ کرتا کہ وہ رخصت ہونے کے وقت چند من سونا بنا کر دیدے گا اور اس علم کا بھید بھی بتا جائے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر سیاحت کے لئے بغداد چلا جائے گا۔

جب وہ مقررہ وقت آگیا تو اس نے ایک خاص حجم کی دیگ منگائی اور اتنی اشرفیاں اور سونا طلب کیا کہ اس کے ہم وزن تانبے کے پیسے اور ٹکڑے اس دیگ میں سما جائیں اور بھی کچھ سامان اور مصالحے منگوائے ہر چیز اس کے اشارہ پر حاضر کر دی گئی۔ پھر اس نے کرم خاں کی آنکھوں کے سامنے وہ سارا مال اس دیگ میں بھر دیا اور اس کا منہ مٹی سے بند کر دیا اور ایک گڑھا کھود کر بہت سے کوئلے دیگ کے ساتھ دفن کر دیئے۔ مغرب سے پہلے آگ جلائی جب رات کا ایک حصہ گذر گیا تو اس دیگ سے بڑی ہیبت ناک آواز نکلنے لگی اور وہ حیلہ باز بڑی سراسیمگی کے عالم میں ہاتھ ملنے لگا اور افسوس کرنے لگا کرم خاں نے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا "اس عمل میں کوئی فرق پڑ گیا ہے۔ اب اس کا توڑ یہی ہے کہ اس پر کالے بھجنگے لڑکے کا خون چھڑکا جائے"۔ کرم خاں نے یہ سنا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ پریشان ہو کر اس نے کہا "میں کسی معصوم بچے کے قتل پر کیسے آمادہ ہو جاؤں اور پھر ایسا بچہ اس وقت کہاں سے مل جائے گا" اس عیار نے اصرار منت سماجت کر کے اسے آمادہ کر لیا اور کہا مجھے ایک ایسے بچے کا علم ہے وہ تھوڑی سی رقم پر مل جائے گا۔ کرم خاں نے چند اشرفیاں نکال کر شعبدہ باز کو دیں مگر اس نے وہ نہیں لیں اور اپنی جیب سے کچھ زر سرخ و سفید نکال کر دکھایا کہ بس اس سے کام چل جائے گا اور بچہ کو لانے چلا گیا دو تین گھڑی بعد وہ ایک خوردسال بچہ کو لے کر آ گیا اور ظالم نے اس معصوم کو دیگ پر ذبح کر دیا جب اس کے خون کے قطرے آگ پر پڑے تو دیگ سے جو آوازیں نکل رہی تھیں وہ بند ہو گئیں۔ بچے کی لاش کو اس نے کوڑے کرکٹ میں چھپا دیا۔ جب دو تین گھنٹے گذر گئے اور ایک پہر رات رہ گئی تو اچانک کرم خاں کے دروازہ پر کھٹکا ہونے لگا معلوم ہوا کوتوال کے آدمی مشعل لئے اور نقارہ بجاتے آئے ہیں کوتوال کے آدمیوں نے پیغام دیا کہ تمہارے پاس جو فقیر ٹھیرا ہوا ہے اسے کوتوالی کے حوالے کر دو کیونکہ وہ ایک بچہ کو اغوا کر کے لایا اور بچے کے والدین نالش کر رہے ہیں۔ کرم خاں کے پیر دل سے تو زمین نکل گئی اور انتہائی سراسیمگی اور پریشانی میں وہ کوتوال کے آدمیوں کی خوشامد درآمد کرنے لگا سو دو سو کی حامی بھرلی پھر ہزار دو ہزار تک دینے پر تیار ہو گیا تاکہ یہ معاملہ دب دبا جائے اور رسوائی نہ ہونے پائے۔ مگر فقیر اس سے کہہ رہا تھا "ان کو ایک دمڑی بھی نہ دو مجھے ان کے حوالہ کر دو" کرم خاں اسے روکنے لگا تو اس نے اسے تسلی دلاسا دیا اور باہر جانے پر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ روکتے منع کرتے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور کہا "لو میں حاضر ہوں جہاں چلنا ہو چلو میں جواب دوں گا" سپاہیوں نے کرم خاں کے آدمیوں کے سامنے فقیر کے ہاتھ باندھ دیئے اور اسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔

صبح ہوئی تو کرم خاں نے آدمیوں کو بھیجا کہ آخر فقیر پر کیا گذری لوگ کوتوالی پر گئے تو وہاں نہ کوئی فریادی نظر آیا نہ ملزم رات کے قضیہ کا وہاں کسی کو علم ہی نہیں تھا سپاہیوں سے معلوم ہوا کہ کوتوالی کا کوئی آدمی خان کی ڈیوڑھی پر گیا ہی نہیں فقیر کو لے جانے کا کیا ذکر کوتوالی کے آدمیوں سے اور دوسروں سے بہت کچھ تحقیق کرنے کی کوشش کی

ہر ایک نے رات والے واقعہ سے انکار کیا کہ ان کے علم میں کچھ نہیں۔ فقیر کا بھی کوئی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ بڑی حیرت ہوئی آخر انگارے ہٹا کر دیگ نکلوائی اس میں تانبے کے پیسے اور کنکر پتھر بھرے ہوئے تھے' سونا اور اشرفی کا نشان تک نہیں تھا۔ بدنامی کے خوف سے مکرم خاں چپ چاپ بیٹھ گیا' اور واقعہ پر پردہ ڈالنے پوشیدہ رکھنے کی بہت کوشش کی' مگر بات چھپ نہ سکی اور ہر جگہ اُس کی شہرت ہو گئی۔

اس کی خبر جب محمد بابر خاں قلعدار کو ملی تو اُس نے اسی میر عبداللہ کو جس نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا تحقیقات کے لئے مکرم خاں کے پاس بھیجا' مکرم خاں نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "ہاں ایک شعبدہ باز آیا تھا اُس نے چند کھیل تماشے دکھائے' جو کچھ میں نے اسے انعام اور بخشش دیدی جو اُس کی قسمت میں تھا وہ لے گیا۔

شہزادوں کی باہمی رقابت

اب ہم دربار کے حالات کا اور بادشاہ کے آخری سفر کا حال لکھتے ہیں۔ محمد اعظم شاہ حضور میں حاضر ہو گیا تھا اُس نے احمد آباد میں تھوڑا بہت خزانہ جمع کر لیا تھا اور ایک لشکر بھی منظم کر لیا تھا اپنی شجاعت اور بہادری کا بھی اسے غرّہ تھا اس نے بڑے بھائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا بلکہ ہر معاملہ میں اپنے ہی کو بڑا سمجھتا تھا اور شہزادہ بخش کو سمجھتا تھا کہ ابھی وہ عالم وجود میں آیا ہی نہیں ہے۔ باپ کی طبیعت چونکہ اب ٹھکانے نہیں رہی تھی اس نے اپنے قدم مضبوط کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا پہلی بات اُس کے پیش نظر یہ تھی کہ شاہزادہ محمد عظیم کو جو عظیم آباد عرف بہار پٹنہ میں مستقل صوبہ دار تھا اور شہرت یہی تھی کہ اُس نے بہت بڑا خزانہ جمع کر رکھا ہے' وہاں سے ہٹا کر حضور میں طلب کرے' چنانچہ اُس نے محمد عظیم کی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کے لئے جھوٹی سچی باتیں بنائیں اور اس کو حضور میں طلب کر لینے کے مشورے دیئے' نہیں جانتا تھا کہ دوسرے کے لئے گڑھا کھودنے والا خود اس گڑھے میں گرتا ہے اور شاہزادہ محمد عظیم اس کے لئے بلائے جان بن جائے گا۔ آخر بادشاہ نے شاہزادہ محمد عظیم کی طلبی کا فرمان جاری کر دیا اور اس کو لانے کے لئے گرز بردار مقرر کر دیا۔ حکم ملتے ہی محمد عظیم نے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ خراسان کے گرم سیر علاقہ میں شاہزادہ محمد اکبر کے فوت ہو جانے کی اطلاعات ایک سال سے مل رہی تھیں بادشاہ نے تحقیق کے لئے ملتان کے اور سرحد کے حکام کے نام خطوط لکھے تھے۔ اس وقت محمد اعظم شاہ کی زبانی اس کے فوت ہونے کی پوری تصدیق ہو گئی۔

خلدِ مکاں عالمگیر بادشاہ غازی کا سفرِ آخرت

(سیوس کا اکیاونواں سال مطابق سن گیارہ سو اٹھارہ ہجری ۱۱۱۸ھ)

اعظم شاہ اور کام بخش کی عداوت

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں محمد اعظم شاہ کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا۔ اس کے پاس تجربہ کار فوج بھی موجود تھی پھر اس نے جملۃ الملک

اسد خاں اور دوسرے چند نامی گرامی امرا کو بھی اپنا حامی بنا لیا تھا۔ اب اس نے شاہزادہ کام بخش کے خلاف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ بیماری کے بعد بادشاہ کی طبیعت سنبھل گئی تھی اور چند دن تک بادشاہ نے بلاناغہ دربار اور اجلاس کیا بھی تھا مگر بیماری کے اثرات اور کمزوری ایسی تھی کہ چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ بس اب چل چلاؤ ہے۔

اس اثنا میں شاہزادہ محمد اعظم کام بخش کے خلاف جو کلام اللہ کا حافظ اور علوم عقلی و نقلی پر اچھا عبور رکھتا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی بے جا حرکت کرتا رہتا تھا۔ عام طور پر باپ چھوٹے بیٹے سے بہت محبت کرتے ہیں لہٰذا بادشاہ کو بھی شہزادہ کام بخش کا بہت خیال رہتا تھا چنانچہ بادشاہ نے سلطان حسن عرف میر ملنگ کو جس کی بہادری اور وفاداری مسلمہ تھی حسن خاں کا خطاب دیا اور اسے کام بخش کا بخشی مقرر کر کے اسے شہزادہ کی حفاظت اور نگرانی کی تاکید کر دی۔

حسن خاں جان و دل سے اس خدمت کو بجا لاتا تھا چنانچہ جب شاہزادہ دربار میں آتا تھا تو وہ خاص خاص آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ پوری طرح مسلح ہو کر اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور رات دن اس کی حفاظت کے لئے کمربستہ اور چوکس رہتا تھا۔ محمد اعظم شاہ ان خصوصی انتظامات کے سلسلہ میں بادشاہ کی خدمت میں اکثر اعتراض و شکایت کرتا رہتا تھا مگر بادشاہ نے کبھی اہمیت نہیں دی اور اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر اس نے اپنی بہن نواب زیب النساء بیگم کو حسن خاں کی بے ادبی کی شکایت لکھی کہ وہ حد ادب سے تجاوز کر جاتا ہے' یہ بھی لکھا کہ اگرچہ اس بے ادب کی گوشمالی کچھ دشوار نہیں ہے مگر حضور کا ادب مانع ہے۔ یہ رقعہ حضرت خلد مکاں تک پہنچ گیا اس کو پڑھ کر اسی پر یہ جواب لکھ دیا۔ "حسن خاں کی موجودگی کی اہمیت ثابت ہو گئی کہ اس کی طرف اس قدر ہراس اور وسوسہ پیدا ہو گیا ہے بہرحال ہم محمد کام بخش کو کسی اور جگہ رخصت کر دیں گے"۔ اس طعن آمیز جواب سے محمد اعظم شاہ پیچ و تاب کھاتا رہا مگر بجز صبر کے اور کیا کرتا چھوٹے بھائی کے دور ہو جانے کو ہی اس نے غنیمت جانا۔

ادھر بادشاہ اپنی بیماری اور کمزوری کو بخوبی محسوس کر رہا تھا اور شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے شور و شر کو روز بروز بڑھتا ہوا دیکھ رہا تھا دونوں شاہزادے بپھرے ہوئے بے تاب شیر کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹے جا رہے تھے آنکھ بند ہوتے ہی لشکر میں جو تباہی مچنے والی تھی وہ صاف نظر آ رہی تھی محمد کام بخش کی رعایت بھی ملحوظ خاطر تھی آخر بادشاہ نے بڑے اعزاز و اکرام اور شاہانہ سرو سامان کے ساتھ صوبہ بیجاپور روانہ کر دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ وہ نوبت نقارہ بجاتے ہوئے کوچ کرے' یہ دیکھ کر شہزادہ اعظم شاہ زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگا مگر دم مارنے کی مجال نہ تھی' خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ انہی دو تین دن میں محمد اعظم شاہ کو بھی بادشاہ نے سخت گیر دار وغہ مقرر کر کے صوبہ مالوا کے لئے رخصت کر دیا۔

عالمگیر بستر مرض پر دونوں شہزادوں کو رخصت کر دینے کے بعد بادشاہ کی بیماری زور پکڑ گئی اور سخت بخار ہو گیا۔ تین چار دن تک تو بادشاہ باوجود مرض کی شدت کے پانچ وقت

کی نماز باجماعت ادا کرتے رہے یہ بلا شبہ ان کے تقویٰ کا ثبوت ہے۔ اسی اثنا میں حمید الدین خاں نے نجومیوں کی تجویز پر ایک ہاتھی اور ایک قیمتی الماس صدقہ دینے کی عرض داشت پیش کی' بادشاہ نے اس پر یہ تحریر کرکے دستخط کردیئے کہ ہاتھی صدقہ میں نکالنا ہندوؤں اور ستارہ پرستوں کا طریقہ ہے اور بجائے اس کے چار ہزار روپیہ قاضی القضات کے پاس بھجوایا کہ مستحقوں کو دیدیا جائے' اسی عرضی پر یہ بھی لکھا کہ اس خاکسار کو پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد سپرد خاک کردیا جائے زینت تابوت نہ بنایا جائے۔ کہتے ہیں بادشاہ نے بیٹیوں میں ملک کی تقسیم کے لئے ایک وصیت نامہ لکھ کر حمید الدین خاں کے حوالہ کردیا تھا۔

عالمگیر کی وفات

جمعہ کے دن بتاریخ ۲۸ ذی قعدہ جلوس کے اکیاونویں سال مطابق سن گیارہ سو اٹھارہ ہجری (۱۱۱۸ھ) مطابق تیرہ اسفندیار ماہ الٰہی بادشاہ نے صبح کی نماز ادا کی اور کلمہ توحید کے ذکر میں مشغول ہوگئے دن کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ غازی کی روح عالم بقا کی طرف پرواز کر گئی۔ اس وقت عمر نوّے سال چند ماہ کی تھی۔ عالمگیر بادشاہ نے پچاس سال ڈھائی ماہ بادشاہت کی ؎

اگر صد سال مانی ور یکے روز　　بباید رفت زیں کاخ دل افروز

دولت آباد میں تدفین

دولت آباد کے قریب حضرت شیخ برہان الدین شاہ زری زر بخش اور دوسرے بزرگان دین کے مزارات کے درمیان مرحوم بادشاہ کو دفن کیا گیا۔ اور مزار کے خرچ کے لئے اورنگ آباد کے پرگنوں میں سے دولت آباد کی سرکار کے چند پرگنے علیحدہ کرکے ان کو پرگنہ خلد آباد کا نام دے دیا گیا۔

عالمگیر کی دین داری

تیموری خاندان میں بلکہ دہلی کے شاہان سلف میں باعتبار ظاہر سکندر شاہ لودھی کے بعد (جس کے اوصاف ہم نے پہلی جلد میں لکھے ہیں) ایسا بادشاہ نہیں گذرا جو عبادت و ریاضت اور عدالت گستری میں ممتاز مقام رکھتا ہو۔ شجاعت' بردباری' اصابت رائے میں عالمگیر بادشاہ کی کوئی مثال نہیں تھی' اگر شرع کی رعایت کی وجہ سے سزا اور تادیب کا حکم نہیں دیتے تھے اور ملک کا نظم و نسق بغیر سختی اور سزاؤں کے قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی نرمی کی وجہ سے امراء میں باہمی نفاق اور دشمنی رہتی تھی اس لئے جو تدبیر اور منصوبہ بھی روبہ عمل لاتے تھے' کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ اور جو مہم بھی شروع کرتے تھے وہ طویل ہوجاتی تھی اور انجام تک نہیں پہنچتی تھی۔ نوّے سال کی عمر ہوجانے کے باوجود ہوش و حواس میں آخر تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ صرف سماعت پر کچھ اثر تھا جس کا دوسروں کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ بادشاہ رات عموماً بیداری اور عبادت میں بسر کرتے تھے اور اکثر دنیوی لذات جو

انسان کے لئے لازمی ہیں ترک کردیئے تھے۔

ایک ضعیفہ کی فریاد ایک دن ایک بڑھی عورت کسی ظالم فوج دار کی فریاد لے کر حاضر ہوئی بادشاہ نے اُس کی غصب کردہ رقم واپس کردی ۔۔۔ وہ تم رسیدہ دوبارہ حاضر ہوئی کہ فوج دار نے روپیہ واپس نہیں دیا اور پہلے سے زیادہ مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بادشاہ نے فوج دار کے تبادلے کے احکام دیدیئے۔ وہ ضعیفہ پھر فریاد لے کر آئی کہ نئے فوج دار نے بھی پہلے فوج دار کی طرح وہ رقم واپس نہیں دی اور مجھ پر ظلم وستم کر رہا ہے بادشاہ نے جواب میں فرمایا "اب تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ دوسرے بادشاہ کو بھیج دے" ان ظالم فوج داروں کو سزا دینے کا حکم بہرحال نہیں دیا۔ سزا دینے میں یہی نرم رویہ تھا جس کی وجہ سے پرگنوں کے حاکم اور فوج دار قانون شکنی پہ دلیر ہو گئے تھے گرز بردار جاتے بھی تھے تو رشوت لے کر لیس دکھانے کو مچلکہ وغیرہ لے کر آجاتے تھے۔

عہدِ عالمگیر کے بزرگانِ دین

عالمگیر بادشاہ کی قلمرو کے اکیس صوبوں میں بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد تھی ان سب کا حال بیان کرنا محال ہے۔ میں جن بزرگان دین کے حالات سے واقف ہوں مختصراً ان کا ذکر کرتا ہوں۔

شیخ محمد وارث حقائق و معارف آگاہ شیخ محمد وارث جو صوری و معنوی فضل و کمال سے آراستہ تھے۔ خلوت و تنہائی میں ریاضتوں میں مشغول رہتے تھے اور تمام خدا رسیدہ لوگوں کے منظور نظر تھے۔ ان سے ایسے خرق عادات اور کرامات دیکھی گئی تھیں کہ لوگوں میں ان کے علم خاص کا شہرہ تھا۔ بادشاہ ان کی خدمت میں بارہا حاضر ہوتے تھے اور وہ لوگوں کی کاربراری کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

شیخ بایزید دوسرے شیخ بایزید تھے جو قوم کے افغان تھے ریاضت نفس کشی اور محتاجوں کی امداد و اعانت میں ان کا بڑا شہرہ تھا اکثر مسلمان ہندو اور ہر قوم کے حاجت مند ان کے عقیدت کیش تھے وہ بھی ہر ایک کا کام نکالنے کے لئے برابر کوشش کرتے رہتے تھے۔ عموماً سر برہنہ "اللہ ہو" کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور یاد الٰہی سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ جب سید یحییٰ شاہجہاں آباد کا کوتوال مقرر ہوا تو وہ ملازمت کے لئے لوگوں کی بھرتی کرنے لگا۔ ایک جماعت شیخ کے پاس سفارش کرانے آئی شیخ ان کو اپنے ساتھ کوتوال کے پاس لے گئے اور ان کی سفارش کی۔ سید یحییٰ نے کہا۔ "آپ صاحب رجوع اور مرجع عالم ہیں اور مجھ میں تین عیب ہیں، پہلے تو میں فروخت شدہ غلام ہوں، دوسرے حبشی ہوں جو

تمام انسانوں میں بدصورت اور درشت کلام ہوتے ہیں، تیسرا عیب یہ ہے کہ کوتوال ہوں اور اس کا کام بڑی بے آبروئی کا ہے۔ آپ نے زحمت فرمائی ہے اور ان کی سفارش کر رہے ہیں، میں دل وجان سے آپ کی بات کو قبول کرتا ہوں بلکہ اسے احسان سمجھتا ہوں، مگر آپ دوبارہ زحمت فرمائیں گے تو قبول کرنے سے عاجز رہوں گا۔ شیخ نے کہا اگر میں دوبارہ آکر تمھیں تکلیف دوں تو میرا سر منڈا کر گدھے پر سوار کر کے گشت کرا دینا۔ سیدی یحییٰ نے ان لوگوں کا جنھیں شیخ لے گئے تھے حلیہ وغیرہ لکھ کر ملازم رکھ لیا۔ دو تین دن بعد پھر تین چار آدمی شیخ کی خدمت میں آئے اور بڑی منت سماجت کی کہ ہم کو بھی لے جا کر ملازم رکھا دیجئے شیخ نے بہت انکار کیا مگر غرض مندوں نے نہیں چھوڑا۔ آخر شیخ ان کو لے کر سیدی کے پاس گئے، مگر ساتھ حجام کو اور ایک گدھے کو بھی لیتے گئے اور کہا۔ میں نے شرط کی تھی دوبارہ زحمت دوں تو میرا سر منڈا کر تشہیر کرا دینا، اب میں یہ گدھا اور حجام ساتھ لایا ہوں جو سزا بھی دو گے میں قبول کروں گا مگر ان آدمیوں کو تم ملازم رکھ لو۔ سیدی یحییٰ سن کر ہنس دیا اور شیخ کی سفارش قبول کر لی۔

ایک دن جامع مسجد میں حضرت خلد مکاں کو مخاطب کر کے نصیحتاً کہا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا تو دین دار بادشاہ بنا ہوا ہے، اپنی بیٹیوں کا نکاح کیوں نہیں کرتا؟ بہرحال ان کے اوصاف اس سے زیادہ ہیں کہ قید تحریر میں لانا مشکل۔

سید حسن رسول نما

سید حسن رسول نما بھی بڑے عالم وفاضل اور باکمال واصل باللہ بزرگ تھے خاص طور سے علم تفسیر وحدیث میں عبادت وریاضت میں نادر روزگار تھے۔ ان کا انداز ملاقات فقیروں جیسا تھا کہ جب بھی حکام اور متمول آدمی ان کے پاس عقیدت وارادت سے پہنچتے تو ان کو ایسی باتیں سناتے تھے کہ لوگ ان سے بیزار ہو جاتیں۔ دنیاداروں کی ملاقات سے وہ بہت بچتے رہتے تھے جو بھی ان کی خدمت میں جا کر عقیدت کا اظہار کرتا اور مرید ہونا چاہتا تو وہ اسے بہت برا بھلا اور سخت سست کہتے تھے۔ ثقہ راویوں کے بیان کے مطابق انھوں نے اپنے چند عقیدت مندوں کو حضور سرور کائنات کی محفل میں پہنچایا تھا (عالم رویا میں) اور اکثر محتاج ان کی باطنی توجہ سے دل کی مراد پا چکے تھے۔

شیخ برہان

شیخ برہان، برہان پور کے مشاہیر میں سے تھے وہ حضرت شیخ عیسیٰ کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ شیخ عیسیٰ کی انھوں نے بڑی خدمت کی تھی یہاں تک کہ شیخ کے لئے وہ استنجا کے ڈھیلے تک اٹھا کر لاتے تھے اور مجلس سماع میں بھی برابر حاضر رہتے تھے اس خدمت اور حاضر باشی کی وجہ سے ان کی زندگی بالکل ہی بدل گئی اور آخر ان کا شمار مشہور بزرگان دین میں ہونے لگا اس برگزیدہ حق کے حسن اخلاق کو جتنا بھی بیان کیا جائے کم ہے۔ عام وخاص ہر ایک سے ان کا سلوک ایسا تھا کہ ہر قوم کے آدمی ان کے ارادتمند اور عقیدت مند تھے

لوگوں نے ان کی بہت سی کرامتیں بھی دیکھی تھیں، اور وہ خرقِ عادات و کرامات میں مشہور ہو چکے تھے۔

جس زمانہ میں حضرت خلد مکاں داراشکوہ کے مقابلہ پر نکلے تھے تو شیخ برہان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ شیخ چونکہ بادشاہوں سے ملاقات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے عالمگیر بادشاہ شیخ کو اطلاع دیئے بغیر رات کے وقت بھیس بدل کر لوگوں کے مجمع میں جا کر بیٹھ گئے۔ شیخ نے نووارد سمجھ کر نام پوچھا تو بادشاہ نے کہا "اورنگ زیب" پھر شیخ چپ ہو گئے کچھ نہ بولے اور تبرک بھی عطا نہیں کیا۔ دوسرے دن بادشاہ پھر شیخ کی خدمت میں گئے شیخ نے فرمایا تھا "اگر یہ جگہ ان کو (بادشاہ کو) پسند آ گئی ہے تو بتا دیں تاکہ ہم فقیروں کے لئے کوئی دوسرا تکیہ دیکھ لیں"۔

شیخ کے ایک خاص ملازم مالو نام کے تھے وضو کے لئے پانی بھی وہی لا کر رکھتے تھے شیخ ان کو بہت چاہتے تھے عالمگیر بادشاہ نے انہی کو واسطہ بنایا، آخر شیخ نے شیخ نظام کے توسط سے بادشاہ کو حاضری کی اجازت دیدی مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب شیخ نماز کے لئے خانقاہ سے نکلیں تو بادشاہ خانقاہ کے دروازہ پر حاضر ہیں، اسی طرح کھڑے کھڑے رخصتی دعا اور فاتحہ ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت خلد مکاں شیخ نظام، شیخ میر اور میر میران کے ہمراہ شیخ کے نکلنے کے وقت حاضر ہو گئے۔ شیخ نے وہیں کھڑے کھڑے بادشاہ کی مزاج پرسی کی خلد مکاں نے داراشکوہ کی دین و شرع میں بے احتیاطیوں کا شکوہ کیا اور احکامِ دین کی ادائیگی اور رعیت پروری میں اپنے ارادوں کا اظہار کر کے شیخ برہان سے باطنی توجہ کی اور فاتحہ کی درخواست کی۔ شیخ کی زبان سے نکلا "ہم بے اعتبار فقیروں کی فاتحہ سے کیا ہوتا ہے، تم بادشاہ ہو عدل و انصاف رعیت پروری کے لئے نیت درست کر کے فاتحہ پڑھو، ہم بھی فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں" شیخ نظام نے آہستہ سے کہا۔ بادشاہی مبارک ہو۔

میرے والد منصب حاصل کرنے کے لئے شاہ عالم بادشاہ کی خدمت میں جانا چاہتے تھے چنانچہ وہ رخصت ہونے اور فاتحہ کرانے شیخ کی خدمت میں گئے اور عرضِ مطلب کے بعد دعا کی درخواست کی۔ فرمایا "جانا چاہو چلے جاؤ مگر دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرے والد نے پہلے منصب کے لئے بادشاہ کے پاس درخواست دی تھی جو منظور نہیں ہوئی تھی اور والد اسی لئے خود جانا چاہتے تھے۔ میرے

والد کے ماموں زین العابدین خاں نے جو اورنگ آباد کے بانی تھے۔ اس سلسلہ میں مصطفےٰ خاں کو لکھا تھا۔ چنانچہ جب دوبارہ ان کی عرض داشت مصطفٰی خاں نے ملاحظہ میں پیش کی تو غائبانہ ہی بادشاہ نے اس کی منظوری دے دی۔

شیخ برہان کے خاص مریدوں کی ایک جماعت جو رات دن شیخ کی خانقاہ میں رہتی تھی اور کمال عقیدت کے ساتھ وہ فنا فی الشیخ ہو چکی تھی بے خودی میں اور عالم سکر میں شیخ کو خدا کہنے لگی تھی۔ شیخ نے ان کو توبہ کرنے اور اس سے باز آنے کی بہت نصیحت کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر شیخ نے ان میں سے چند آدمیوں کو خانقاہ میں قید کر دیا اور کئی دن بعد ان کو اس فاسد عقیدہ سے توبہ دلا کر رہا کر دیا۔ جن لوگوں کی اس کے باوجود اصلاح نہ ہو سکی ان کو شیخ نے قاضی کے پاس بھجوا دیا اور پیغام دیا کہ "جس طرح ہو سکے ان کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرو نہ مانیں تو ان پر احکام شرع جاری کر دو" قاضی نے بھی ان کو چند دن قید میں رکھ کر ان کو توبہ دلانے کی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا آخر اس نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔

اس واصل باللہ بزرگ کے اور حالات بہت ہیں مگر یہاں تفصیل کا موقع نہیں، اس مرد خدا نے خلد مکان کے جلوس کے بائیسویں سال وفات پائی جس دن ان کا جنازہ اٹھا تھا راقم الحروف بھی ہزاروں آدمیوں کے اس مجمع میں شامل تھا جو جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ میں بہت غور سے دیکھتا رہا تھا مگر جنازہ اس قدر سبک رواں تھا کہ پتہ نہیں چل سکا وہ لوگوں کے ہاتھوں پر جا رہا ہے یا ہوا کے دوش پر۔

شیخ عبداللطیف | عہد عالمگیر کے ایک اور بزرگ شیخ عبداللطیف تھے جو برہان پور میں دریائے پتنی کے کنارے دولت مندوں کے محلہ میں رہتے تھے۔ اور حضرت شیخ برہان کے ہم عصر تھے۔ بادشاہ خلد مکان کو ان سے بھی بڑی عقیدت اور ارادت تھی کوئی مہینہ اور ہفتہ نہیں جاتا تھا جس میں بادشاہ دست خاص سے ان کے پاس فرمان نہ بھیجتے ہوں۔ شرع محمدی کی اطاعت و اتباع میں متقین کی روش پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ سماع اور ساز وغیرہ سے ان کو بہت نفرت تھی ان کے پڑوس میں کوئی بھی گانے بجانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی خانقاہ کے سامنے سے کوئی برات خواہ امیر کی ہو یا غریب کی نقارہ اور آرائش کے ساتھ نہیں گذر سکتی تھی۔ کسی کو وہ مرید نہیں بناتے تھے۔ ابتداء میں تو وہ شیخ برہان کو بھی ہمتی کہا کرتے تھے۔ شیخ برہان

بھی شیخ عبداللطیف کے بارے میں اکثر کہتے تھے "ہم تو اس بات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم ایسے حق پرست متشرع بزرگ کے ہم عصر ہیں" کہتے ہیں آخر عمر میں شیخ عبداللطیف بھی شیخ برہان کے عقیدت مند بن گئے تھے۔

سید نصیر الدین ہدوی

حضرت سید نصیر الدین ہدوی عالی نسب سادات میں سے تھے نہایت متقی صاحب صلاح و ریاضت بزرگ تھے۔ ان کی تعریف میں جو بھی کہا جائے بجا ہوگا۔ جوانی کی عمر سے ہی وہ دونوں پاؤں اور بائیں ہاتھ سے معذور تھے۔ انھوں نے ایک ہی ہاتھ سے کلام اللہ کی کتابت کی تفسیر اور سلوک کی کتابیں لکھیں۔ اپنی روزی آپ پیدا کرتے تھے اور صائم الدہر تھے۔ افطار اور عشا کی نماز کے بعد دو تین گھڑی سوتے تھے۔ پھر دو گھڑی رات رہنے پر اُٹھ جاتے تھے۔ اور تہجد پڑھ کر صبح کی نماز تک برابر تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تلاوت کے دوران اس قدر روتے رہتے تھے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ جاتی تھی۔ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ بس اسی کتابت کی اُجرت میں گذر بسر تھی، اس میں بھی وہ عمدگی سے بسر کرتے تھے کہ عقل حیران تھی۔ کوئی عقیدت سے نذر نیاز پیش کرتا تھا تو قبول نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی جو کوئی شخص دلی اخلاص اور سچی محبت سے سوغات ہدیہ لاتا تھا تو قبول کرلیتے تھے۔ مگر اس پر بھی یہ معمول تھا کہ اس سے دگنا تگنا کسی نہ کسی طرح دے کر اس کا احسان اُتار دیتے تھے۔ بہت کم کسی کے سوال کو رد کرتے تھے، ان کی آمدنی خرچ کو دیکھ کر اکثر لوگ حیران ہوتے تھے کہ آخر کس طرح یہ ساری داد و دہش ہوتی ہے۔ حاکموں اور بڑے لوگوں کی ملاقات سے نہایت متنفر تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ناظم شہر ان سے ملنے گیا اور انھوں نے ہر بار اس سے سخت بات کی نذر وغیرہ قبول نہیں کی اور تلخ نصیحتیں کرکے رخصت کردیا۔

ایک دن منور خاں صوبہ دار ان کی خدمت میں آیا تو اس کو مخاطب کرکے کہا۔ "ہاتھی پر سوار ہوکر اور لشکر لے کر آئے ہو، دیکھتے نہیں ہو" کہ لوگوں کی آمدورفت کا راستہ بند ہوگیا ہے۔ اس ظلم میں تم نقیر کو بھی شریک کرنا چاہتے ہو، آخر خود زحمت اٹھانے اور دوسروں کو زحمت دینے کا کیا مطلب؟" اس نے عرض کیا "حضور باطنی توجہ سے ہم کو اپنی طرف مائل کرلیں۔" سید نے جواب دیا "مجھ گنہگار سے اللہ کی بارگاہ

میں ایسی نافرمانی ہوئی کہ اللہ نے دونوں پاؤں اور ہاتھ سے معذور کردیا تم بھی اپنے اس رویہ اور سلوک کی فکر کرو، جو خلقِ خدا پر حکمراں کرتے ہوئے تم اختیار کرتے ہو اور مکافاتِ عمل کے منتظر رہو۔"

ان کے استغنا و قناعت کے بڑے قصے ہیں مختصراً ایک اور واقعہ میں لکھتا ہوں عنایت اللہ خاں کو سید موصوف سے غائبانہ ارادت ہوگئی تھی۔ بادشاہ کی حکومت میں عرض کرکے اس نے حسب الحکم برہان پور کے صدر خواجہ ادہم کے نام اس مضمون کا خط بھجوایا کہ جب "سیادت و فضیلت پناہ حقائق و معارف آگاہ، سید نصیرالدین کی سیادت و فضیلت اور صلاح و تقویٰ کا حال بارگاہ شاہی میں عرض کیا گیا تو حکم والا نافذ ہوا ہے کہ وہ صدارت پناہ اس سید والا قدر کی خدمت میں جائے اور ان کی گذر بسر اور استحقاق کا پتہ چلا کر ماہانہ یا یومیہ مشاہرہ کی ادائیگی کی تجویز پیش کرے تاکہ اس کے مطابق حضور سے دیوانی کی سند اور فرمان عطا کردی جائے" جب خواجہ ادہم نے حسب الحکم وہ خط لے جاکر سید نصیر الدین کو دکھایا تو انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور اسے صدر کے ہاتھ میں دے دیا۔ صدر نے کہا "اب جو کچھ حضرت فرمائیں جو گاؤں بھی شہر کے نزدیک آپ کی پسند ہو یا نقد مشاہرہ منظور ہو تو میں اس کی تجویز حضور میں بھجوا دوں۔"

حق پسند سید نے کہا "آخر تم یہ حکم مجھے کیوں دکھا رہے ہو اور یہ سب کچھ کیوں دریافت کر رہے ہو"۔ صدر نے عرض کیا "چونکہ یہ حکم آپ کے نام آیا ہے اس لئے اسے آپ کی خدمت میں پیش کرنا اور اس کے متعلق دریافت کرنا ضروری تھا" اس مردِ خدا نے جواب میں کہا "نہیں تم غلطی سے غالباً کسی اور کے نام دیا ہوا حکم میرے پاس لے آتے ہو کیونکہ اس حکم نامہ میں چار اوصاف درج ہیں جن میں سے ایک سیادت ہے جس سے میں انکار تو نہیں کرسکتا مگر اس کا دعویٰ بھی نہیں کرتا ہوں اور باقی جو تین صفتیں صلاح استحقاق اور فضیلت لکھی ہیں میری تو تحقیق یہی ہے کہ ان میں سے ایک بھی مجھ میں نہیں ہے۔ صدر اس جواب سے چڑ گیا اور کہا۔ ہاں بظاہر تو آپ توکل کا سرمایہ رکھتے ہیں"۔ سید نے بھی بگڑ کر جواب دیا۔ "ہاں جس شخص کا تو محتاج بنا ہوا ہے اس جیسے لاکھوں کروڑوں اس کے محتاج ہیں جو میرے رزق کا ضامن ہے"

سید نصیرالدین عنفوانِ جوانی میں خان زماں کی ملازمت میں صاحبِ اعتبار ملازم

تھے اور بادشاہ خلد مکاں کے روشناس .. تھے پھر علائق دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے ۔ مجھے سید موصوف سے بڑی عقیدت تھی میں نے ان عالی نسب بزرگ سے بکثرت خرق عادات اور کرامتیں دیکھی ہیں ان کو تحریر کروں تو بڑی تفصیل ہو جائے گی. جس سال خلد مکاں کام بخش کی جنگ پر گئے تھے چھ ماہ پہلے ہی انھوں نے اپنی وفات کی پیش گوئی کر دی تھی ۔

سید سعد اللہ شیخ پیر محمد سلونی دیار شرقی کے متوطن اور مشہور مدرس تھے ان کے نواسہ سید سعد اللہ تھے انھوں نے ۲۵ سال تک اپنے دادا اور نانا سے درس لیا اور تمام علوم نقلی و عقلی ریاضی اور سلوک میں فارغ التحصیل ہو گئے ۔ پھر بیت اللہ کی زیارت کو گئے تو وہاں بارہ سال تک درس میں اور کتب متداولہ کی تحصیل میں مصروف رہے ۔ گیارہ حج کئے فقر و سلوک اور ریاضت میں وہ وہاں اس قدر مشہور و ممتاز ہو گئے تھے

سید سعد اللہ ان کی مدد اور ان کے کام نکالنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے ۔ جب بھی شریف کی طرف سے کسی پر سختی ہوتی تھی اور سید اس کے لئے پیغام بھیج دیتے تو اس کا فوری اثر ہوتا تھا ۔ غرض وہ وہاں بڑی عزت و آبرو سے بسر کر رہے تھے ۔ ایک دو معاملات میں جب شریف نے ان کی بات نہیں مانی تو آزردہ ہو کر مکہ سے رخصت ہو گئے اور بندرگاہ سورت پہنچ کر اسی جگہ گوشہ نشینی اختیار کر لی جب بادشاہی اخبار نویسوں کے لکھنے پر اور دوسرے ذرائع سے خلد مکاں کو ان کے حالات کا علم ہوا تو بادشاہ نے سات آٹھ ہزار کی جمع بندی کے دو گاؤں ان کی مدد معاش کے لئے وقف کر دیئے اور بادشاہی قیام گاہوں میں سے ایک حویلی ان کے اور ان کی خانقاہ کے متعلقین کے واسطے خالی کرادی اور وہ بندرگاہ سورت میں بڑی عزت سے بسر کرتے رہے ۔

ہر قوم اور جماعت سے ان کا ایسا رویہ اور سلوک تھا کہ سب ان کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے ۔ یہاں تک کہ کافر بھی ان کی خدمت میں بڑی ارادت سے آتے تھے ۔ لوگوں کے کام بنانے کے لئے حکام کے پاس اور بادشاہ کے پاس لکھنے میں دریغ نہیں کرتے تھے خلد مکاں کو بھی سید موصوف سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ جب بھی بادشاہ کے پاس ان کا خط آتا تھا تو بادشاہ خط خاص سے فرمان لکھ کر صادر کر دیتے تھے وہ لوگوں کے لئے

جو بھی لکھ دیتے تھے، بادشاہ کے پاس وہ منظور ہو جاتا تھا۔

ایک بار جب انھوں نے سوانح نگار اور دارالشفاء کے حکیم کی بحالی کے متعلق لکھا تو بادشاہ نے ان کو بحال تو کر دیا مگر فرمایا اس کے جواب میں ان کو لکھ دیں کہ

"آپ فقیر عالم فاضل متقی پرہیزگار ہیں فقیروں عالموں کی سفارش تو ٹھیک ہے مگر ان لوگوں کی سفارش جو ظلم پیشہ ہیں، آپ کا کیا واسطہ، اگر یہ کہا جائے کہ وہ ہمارے کام میں متدین ہیں اور خائن نہیں ہیں تو پھر بھی وہ ہماری خدمت اور ملازمت کو قبول کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور اس ملازمت کے پیشہ اور کام پر راضی ہو جاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں لوگوں کو جانی مالی نقصان ہوتا رہتا ہے۔ ظالم کی اعانت سے خواہ وہ قلم تراش کر دینا ہی کیوں نہ ہو ممانعت کی گئی ہے۔"

بہر حال اس دن سے بادشاہ نے سید کو خط خاص سے جواب لکھنا کم کر دیا۔ مگر سید نے سفارش لکھنی پھر بھی بند نہیں کی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بادشاہ کو بارہ اماموں کی محبت کو فرض سمجھنے کے متعلق بھی لکھتے رہتے ہیں۔ جب ایک مرتبہ بڑے اصرار و مبالغہ سے یہ بات لکھی تو بادشاہ نے علمائے دربار سے رجوع کر کے کہا "سید اس سلسلہ میں برابر لکھتے رہتے ہیں معلوم نہیں اس سے ان کا کیا مطلب ہے اور آپ لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟" علماء نے کہا "وہ درست لکھتے ہیں مگر اہل سنت و جماعت کے نزدیک امام کا لفظ صرف بارہ اماموں تک محدود نہیں ہے۔"

سید کا ہندوں مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا اور وہ تصوف کے جس عقیدہ اور مشرب پر عمل پیرا تھے، اس سے بندرگاہ سورت کے ایک دو عالموں کا اختلاف تھا اور ان سے خفگی پیدا ہو گئی تھی۔ بندرگاہ سورت کا ایک ہندو پیش کار اور متصدی ہیرا نامی تھا وہ سید صاحب سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ ایک دن اس کے خط کے جواب میں سید نے القاب کے بجائے یہ شعر لکھ دیا ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد
بہر نامش کہ خوانے سر برآرد

جب ان عالموں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے سید پر اعتراض کیا کہ کافر کو القاب لکھنے کے بجائے اس مضمون کا شعر لکھنا پاس شریعت کے خلاف ہے، سید نے ان کو جواب دیا تھا "ہم واجب الوجود کی ذات پاک کے سوا تمام ممکن الوجود مخلوق کو معدوم الوجود سمجھتے ہیں"۔

میر مرتضیٰ واعظ اور ان کی تحریک اصلاح

میر مرتضیٰ واعظ ملتان میں رہتے تھے بڑے صالح اور متقی آدمی تھے متکلمین کے عقیدہ پر شرع محمدی کے سختی سے پابند تھے، جہاں بھی مجلس سماع ہوتی اور گانا بجانا ہوتا ہرگز نہیں جاتے تھے بلکہ تا مقدور اس کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، جس محلہ میں وہ رہتے تھے وہاں کسی کو گانے بجانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ وہ حاکموں کے گھر کا کھانا کبھی نہیں کھاتے تھے۔ جو بھی ان کے پاس آکر کہتا کہ "میں مرید ہوتا ہوں"۔ تو اسے ہوا ؤ تے تھے کہ یہ کلمہ نہ کہو بلکہ کہو۔ "میں اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ استغفار کرکے تائب ہوتا ہوں" اور آئندہ کے لئے توفیق طلب کرتا ہوں کہ تو لاً و فعلاً خلاف شرع ارتکاب نہیں کروں گا"۔ پھر اس سے پوچھتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ تجھے فرزند عطا کردے اور تیری بیوی رواج کے مطابق رقص و سرود کی فرمائش کرے تو تو اس کو قبول کرے گا یا نہیں؟" اگر وہ جواب دیتا کہ "جیسا حضرت فرمائیں گے" تو اس سے کہتے تھے "میرے کہنے کا کیا اعتبار یہ کہ جو کچھ خدا اور خدا کے رسول کا فرمودہ ہے اسی پر عمل کروں گا" پھر اس سے دریافت کرتے اگر تیری بیوی تجھ سے لڑنے لگے کہ اگر بیٹے کی شادی میں رسومات نہ ہوں گی تو میں بھی تیرے گھر میں نہیں رہوں گی تو تو بیوی کی خوشی کرے گا یا خدا اور خدا کے رسول کے کہنے پر چلے گا۔ جب وہ کہہ دیتا کہ میں خدا کے حکم کو بجا لاؤں گا، تو اس عہد اور قول پر توبہ دلاکر تائب کرتے تھے۔ ملتان اور لاہور سے دکن تک تین چار ہزار آدمی ان کے عقیدت مند اور گرویدہ تھے۔ ان کے پاس نذر نیاز تحفہ لے کر کوئی آتا تھا تو بڑی تحقیق کرتے تھے کہ اس کا پیشہ کیا ہے۔ یہ چیز حرام کی کمائی سے تو حاصل نہیں کی ہے اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر تو نہیں لایا ہے۔ اس چھان بین کے بعد اسے قبول کر لیتے تھے۔ جو نذر بھی ملتی تھی اس کا پانچواں حصہ خمس کے نام پر علیحدہ کرکے اپنی تجارت میں لگا لیتے تھے۔ حاکموں نے اور بادشاہ نے بھی ان کے لئے مدد معاش کا انتظام کرنا چاہا مگر انھوں نے کبھی قبول نہیں کیا۔

میر مرتضیٰ واعظ اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ شب زندہ دار اور عبادت گذار آدمی تھے تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ وعظ کرنے لگتے تو ظالم حاکموں، ریاکار عالموں اور ان فقیروں پر بڑی سختی سے تنقید کرتے تھے جو معاش کی ترقی کے لئے حاکموں کے مصاحب بنے رہتے ہیں اور دولت مندوں کو رجھانے اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور حاکموں دولت مندوں کی مجلس میں گانا بجانا سنتے ہیں اور بزرگوں کی قبروں پر رقص و سماع کراتے ہیں۔ اپنے وعظ میں وہ ان لوگوں کی بھی سخت مذمت کرتے تھے جو کتاب و سنت کے خلاف غیر مشروع کاموں اور بدعتوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جن کا رواج شب برات عاشورہ اور عیدین میں بہت زیادہ ہے وہ میت کے نام پر کھانا پکا کر مستحقوں کے بجائے ایک دوسرے کے گھر حصے بھیجنے پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ ارواح میت اور بزرگوں کی نذر میں کھانا کھلوانے کا رواج عربستان اور ایران و توران کے خلاف ہے، وہاں مستحقوں کو کھلانے کے بعد دسترخوان پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا شروع کرتے ہیں۔ یہ مشائخین کا طریقہ بن گیا ہے۔ مگر کتب متداولہ میں اس کی صاف ممانعت لکھی ہوئی ہے۔ واعظ موصوف تمباکو کے حرام ہونے پر بھی بہت زور دیتے تھے۔

میر مرتضیٰ واعظ بڑی سختی سے تنقید کرتے تھے اور درشت الفاظ استعمال کرتے تھے اس لئے جس شہر میں بھی وہ جاتے اور وعظ کہتے، وہاں کے حکام علما اور مشائخ ان کے دشمن بن جاتے تھے اور ان کو نیچا دکھانے اور خفیف کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک جمعہ کو اورنگ آباد کی جامع مسجد میں قاضی اکرم نے جو بعد میں وزارت کا قاضی القضاۃ ہوگیا تھا تمام عدالت کے عہدہ داروں کو جمع کیا اور میر مرتضیٰ کی طلبی کا اعلامیہ جاری کر دیا۔ قریب تھا کہ بڑا فتنہ بچ جاتا۔ کیونکہ جو جماعت میر مرتضیٰ کی عقیدت مند اور رفیق تھی، وہ اکٹھا ہوگئی تھی اور قاضی پر حملہ کرنے اور اس کی توہین کرنے پر تل گئی تھی، مگر میر مرتضیٰ نے سختی اور نرمی سے ان کو ہجوم کرنے سے روکا اور خود کو اس مجمع میں قاضی کے سامنے پیش کر دیا۔ قاضی نے سوال کیا کہ تم جو اس سختی کے ساتھ تمباکو حرام ٹھیراتے ہو اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکتے ہو آخر یہ حکم کس کتاب میں اور کس مجتہد کے اقوال میں تمہاری نظر سے گذرا ہے۔ میر مرتضیٰ نے انکار کیا کہ میرے

الفاظ یہ نہیں ہوتے۔ اس پر بات بہت بڑھ گئی عدالت کے دوسرے اراکین نے قاضی سے اتفاق کیا۔ بعد میں قاضی نے کہا کہ "تمھارے ساتھ ہزارہا مسلمان یہاں جمع ہو گئے ہیں، دوسروں کے لئے جو نماز کے واسطے آرہے ہیں جگہ تنگ ہو رہی ہے اس لئے تم دوسری جگہ وعظ کہو۔ اس پر دونوں طرف سے اور بھی زیادہ سخت گفتگو ہوئی۔ میر نے جواب میں یہی کہا کہ "جو کچھ شرع شریف کے موافق ہوگا۔ بادشاہ اس کا حکم دیں گے اور میں بھی اس حکم شرع کا تابع رہوں گا۔"

جن دنوں خلد مکاں قلعوں کی تسخیر کے سلسلہ میں پونا میں مقیم تھے، قاضی اکرم، قاضی حضور ہو گیا تھا اور اس کو اکرم خاں کا خطاب ملا تھا۔ اس وقت میر مرتضٰی بھی بادشاہ کی خدمت میں آئے اور ایک کتاب جو انھوں نے "حق گو" کے نام سے لکھی تھی گذرانی دیکھی پر در بادشاہ نے دو تین ورق الٹ کر پڑھے اور کتاب کو اٹھا اپنے زانو پر رکھ کر دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا۔

"الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ در عہد ما چناں مردم حق گو ہستند"
(اللہ کی حمد و شکر کہ ہمارے عہد میں بھی ایسے حق گو آدمی موجود ہیں)"

شاہزادہ، کام بخش کو بادشاہ نے ہدایت کی کہ تم سید کو اپنے پاس ہی ٹھیراؤ اور جو کچھ وہ ارشاد کریں اسے دل سے سنو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ پھر بادشاہ نے ان کے لئے مدد معاش کی تجویز رکھی، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ چند دن بعد بادشاہ نے ان سے کہا "سید صاحب ہم چاہتے ہیں کہ کسی ایسے شہر میں، جہاں کی آب و ہوا بہتر ہو "احتساب" کی خدمت آپ کے تفویض کریں۔ کہا مجھے قبول ہے۔ اب رہ گیا عوام کا احتساب تو اکثر شہروں کے لوگ میرے گرویدہ ہیں" بادشاہ نے فرمایا "ہم خاص و عام کا مطلب نہیں سمجھے" قاضی اکرم خاں موقع کی تاک میں تھا۔ مداخلت کر کے کہا۔ "سید کی مراد اصل میں بزرگوں کے مقبروں اور مزارات سے ہے، کیونکہ وہ وعظ کے وقت منبر پر فرماتے ہیں، جس بزرگ کی قبر پر بھی طنبورے ڈھول بجتے اور سرود و سماع ہوتا ہو، اس بزرگ کی ہڈیاں نکال کر جلا دینا چاہیے۔"

قاضی کا تیر نشانہ پر بیٹھا۔ بادشاہ نے کہا "ہم اس حد تک جانے پر تیار نہیں ہیں۔"

سید نے اس بات سے بہت انکار کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سید کی جو آبرو بادشاہ کے پاس تھی ایسی گئی کہ پھر بحال نہ ہو سکی۔

آخر میر مرتضیٰ نے بادشاہ کی مجلس میں جانا ترک کر دیا اور پھر رخصت لئے بغیر ہی برہان پور چلے گئے۔ مگر وہاں بھی یہی آزمائش تھی، جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں تمام شہروں کے حکام علماء اور مشائخ سید کی راست گوئی کی وجہ سے ناراض اور شاکی تھے اور ان کو ذلیل کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن وہ منبر پر نشہ کرنے کے خلاف آیات اور احادیث پڑھتے ہوئے۔ بھنگ کے حرام ہونے پر گفتگو کی اور ایک تہدید آمیز حدیث پڑھی۔ ایک کشمیری عالم اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی توہین کرتے ہوئے کہنے لگا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھنگ کہاں تھی؟ یہ تو حضور کے پانچ سو سال بعد دریافت ہوئی اس لئے تو جعلی حدیث پڑھ رہا ہے، تجھے تو اس کی سزا ملنی چاہیے" اس بات پر بعض شر پسندوں نے سید کو بہت تنگ کیا۔ خاص طور سے عیاش جوانوں اور دنیا پرست عالم ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے اس واقعہ کے بعد سید مسجد سے جو گھر گئے تو پھر باہر نہیں نکلے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا، ویسے مشہور ہے کہ انھوں نے زہر کھا لیا تھا واللہ اعلم بالصواب۔

منتخب اللباب

مغلیہ دورِ حکومت

حصّہ چہارم

شاہ عالم سے ناصر الدین محمّد شاہ تک

مصنّف
ہاشم علی خاں
(خافی خاں نظام الملکی)

مترجم
محمود احمد فاروقی

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ - کراچی ۱

سلطنتِ مغلیہ کا زوال

(از چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری)

سلطنتوں کا عروج و زوال کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں ہوتا۔ جب کوئی قوم عروج کے مدارج عالیہ تک پہنچتی ہے تو زینہ بزینہ ہی پہنچتی ہے۔ اسی طرح اس کا زوال بھی بتدریج ہوتا ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے عروج کی داستان بابر سے عالمگیر تک انسانی جدوجہد کے تدریجی ارتقاء کی داستان ہے۔ اسی طرح اس کا زوال بھی ان بہت سے اسباب و محرکات کا نتیجہ ہے جو برسہا برس سے واقعات کے پس پردہ پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

کسی ملک اور قوم کو زندہ رکھنے والی اصلی چیز وہ اخلاقی قوت ہوتی ہے جو مادی وسائل و ذرائع میں ایک برقی رو کی طرح کام کرتی رہتی ہے۔ بادشاہی نظام میں بادشاہ کی شخصیت مرکز اور محور کا کام دیتی ہے اسی لئے سلطنت کے بننے اور بگڑنے کا سارا انحصار بادشاہ کے کردار اور شخصیت پر منحصر رہتا ہے۔ اگر بادشاہ کی شخصیت اخلاقی قوتوں کا مظہر ہوتی ہے تو اس کی قلمرو میں ایک ناقابلِ شکست مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے اور تمام عناصر اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ بابر سے عالمگیر تک کے بعد دیگرے جتنے بادشاہ تخت نشیں ہوتے رہے۔ قدرت نے ان کو وہ اوصاف بڑی فیاضی سے عطا کئے تھے۔ جن کی اس وسیع و عریض سلطنت کو چلانے کے لئے ضرورت تھی۔ مگر عہد آخر میں ہم ہندوستان کے تخت پر ایسے بادشاہوں کو فرماں روائی کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے دیکھتے ہیں جو بر عظیم ہند کا نظم و نسق تو بڑی بات ہے۔ اپنی محل سرا کا بندوبست تک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود غرض اور مکار امیروں نے بادشاہت کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور یہیں سے امراء کی باہمی رقابتوں درباری سازشوں اور گروہ بندیوں کا وہ منحوس ترین دور شروع ہوا جس نے رفتہ رفتہ سلطنتِ مغلیہ کی مرکزیت کو پارہ پارہ کر دیا اور شمال سے جنوب تک طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا

ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا عروج و زوال تاریخ کی وہ دلچسپ روداد ہے جسے ہزار بار دہرایا جا چکا ہے۔ مگر اس کی دلچسپی ایک فسانۂ تازہ کی طرح ہمیشہ قائم و برقرار رہی۔ منتخب اللباب کی تین جلدوں میں ہمارے ناظرین مغل سلطنت کے عروج کے تابناک و شاندار منظر دیکھ چکے

زیر - چوتھی جلد زوال سلطنت کا انتہائی عبرت ناک مرقع ہے - جس میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کو نہایت دلچسپ انداز میں مرتب کیا گیا ہے - سادات بارہہ کی سازشوں سے مرہٹوں کی شورش تک ہزارہا واقعات کا وہ سلسلہ ہے جس میں متعدد بادشاہ تخت نشین ہوئے - شمال سے جنوب تک بڑی ہنگامہ خیز لڑائیاں لڑی گئیں - تخت و تاج کے لئے سازشیں ہوئیں - جنوب سے مرہٹوں کے ٹڈی دل شمال کی طرف بڑھتے رہے اور شمال سے نادر قہر الٰہی بن کر نازل ہوا اور اس کے پیچھے ہی بخات دہندہ ابدالی کی فوجیں نمودار ہوتیں - یہ سلسلۂ واقعات اتنا حیران کن اور دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا ان میں گم ہو کر رہ جاتا ہے -

خافی خاں چونکہ خود ان واقعات کا عینی شاہد ہے اس لئے اس نے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ دوسرے مورخین کے پاس نہیں ملتی ہیں -

منتخب اللباب کے مترجم محمود احمد فاروقی صاحب نے منتخب اللباب کی تین جلدوں کا جس عمدگی سے ترجمہ کیا ہے اس کو عام طور پر پسند کیا گیا ہے .... چوتھی جلد کا ترجمہ بھی ان ہی کے اعجاز قلم کا نمونہ ہے -

ادارہ نفیس اکیڈیمی منتخب اللباب کی تکمیل پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ ایک مستند تاریخی دستاویز کو اردو میں محفوظ کر دینے میں اسے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی - نفیس اکیڈیمی نے تاریخ کی ان نایاب کتابوں کو زندہ کرنے کا عزم کیا ہے - جو زمانے کی دست برد کے سبب نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں - ان قیمتی نوادرات کو تلاش کر کے سلیقہ و دل کشی کے ساتھ منظر عام پر لانے میں جن مراحل سے ہم کو گذرنا پڑتا ہے ان کا بیان لاحاصل ہے ہمارا اجر صرف یہی ہے کہ قدر شناس نظریں ان کی قدر و قیمت کو پہچان لیں -

---

عنوانات مغلیہ دورِ حکومت حصہ چہارم

خلد منزل شاہ عالم بہادر شاہ غازی

سلطنت مغلیہ کے ایوان اقتدار کا وہ ستون جو

کمزور تھا تاہم اس نے اس گرتی ہوئی عمارت کو

آخر وقت تک اپنے دوش پر سنبھالے رکھا۔

عالمگیر بادشاہ کے جانشینوں میں اقتدار کی جنگ

عالمگیر کی وفات کے بعد

محمد اعظم شاہ مالوہ کی صوبہ داری سے رخصت حاصل کرکے بادشاہی لشکر سے بیس کوس پر پہنچ چکا تھا کہ شام کے وقت اسے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے انتقال کی خبر ملی اس نے اپنا لاؤ لشکر تو وہیں چھوڑا اور جریدہ یلغار کرتے ہوئے چھاؤنی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور وہاں پہنچ کر سیدھا گلال بار (بادشاہی احاطہ) میں داخل ہوگیا۔ اس وقت جتنے امیر وہاں جمع تھے۔ سب اس کے استقبال کے لئے بڑھے، اسد خاں اور حمید الدین خاں تعزیت و نگہبانی کے لئے سراپردہ شاہی کے اندر تھے۔ اس لئے وہ اس کے استقبال میں شریک نہیں تھے۔ امراء نے شاہزادہ سے تعزیت کی، اور مبارکباد بھی دی۔

بادشاہ کے کفن دفن کے بعد شاہزادہ اعظم شاہ جمدۃ الملک اسد خاں رکاب شاہی کے دوسرے امیروں اور محل کی عورتوں کو تسلی دلاسا دیتا رہا اور ان کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ خزانہ۔ جواہر خانہ، توپ خانہ اور دوسرے بادشاہی شعبوں کا جائزہ لیا اور ساری تفصیلات درج کرا کے ان چیزوں کو جو ساتھ رکھنے کے لائق تھیں علیحدہ کرا دیا۔ اس کے بعد شہزادہ نے تخت گیروا۔ وقت مقرر کے تاکہ باربرداری اور سفری تیاری کا جلد از جلد انتظام کریں۔ ہندوستان اور ایران کے نجومیوں اور ستارہ شناسوں کی تجویز پر تخت نشینی کی تاریخ ۱۰ ذی الحجہ مقرر

کر دی گئی۔

شہزادہ بیدار بخت اعظم شاہ کی نیابت میں احمد آباد پر مقرر تھا۔ جب ابراہیم خاں صوبہ دار احمد آباد پہنچ گیا تو وہ بھی وہاں سے کوچ کرنے کی فکر میں تھا کہ اعظم شاہ نے اس کے پاس حکم بھیجا کہ وہ احمد آباد سے کوچ کر کے مالوے کی سرحد پر پہنچ جائے اور وہاں حکم ثانی کا منتظر رہے اور جب تک بادشاہی لشکر پہنچ نہ جائے وہ وہاں سے آگے نہ بڑھے۔

احمد آباد میں وفات کی خبر

ان دنوں میں (مصنف) محمد مراد خاں کی رفاقت میں تھا، محمد مراد خاں صوبہ احمد آباد کا واقعہ نگار اور سوانح نگار تھا اور تھانہ پیر و کودرہ سرکار کی فوجداری بھی اسی کے سپرد تھی۔ نویں ذی الحج کو محمد مراد خاں کو شاہزادہ بیدار بخت نے روانگی کی خلعت عطا کی۔ وہ بارگاہ سے خلعت پہن کر گھر لوٹا تھا کہ ابراہیم خاں ناظم کا چوبدار نے آکر پیغام دیا کہ ابراہیم خاں نے آپ کو بلایا ہے اور بڑی تاکید کی ہے۔ محمد مراد خاں جب اُس کے پاس پہنچا تو ابراہیم خاں نے دریافت کیا "شاہزادہ کے پاس بارگاہ شاہی سے کوئی اطلاع پہنچی ہے؟ آپ نے شاہزادہ کو کس حالت میں دیکھا تھا؟" محمد مراد خاں نے کہا۔ "مجھے تو وہاں کسی خبر پہنچنے کے آثار نظر نہیں آئے۔ شاہزادہ کا حال یومیہ روز کی طرح ہی تھا کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی۔" ابراہیم خاں نے اپنے وکیل کے خط کو جو احمد نگر سے احمد آباد دسویں دن پہنچا تھا اور جس میں بادشاہ کے انتقال کی خبر درج تھی۔ محمد مراد خاں کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا "اسی وقت شاہزادہ کی خدمت میں جا کر یہ خط ان کو دکھا دو اور ہماری طرف سے بھی تعزیت اور سلطنت کی مبارکباد دیدو"۔ محمد مراد خاں وہاں سے اپنے گھر آیا اور خلعت اتار کر لباس تبدیل کیا اور شاہزادہ کی خدمت میں چلا گیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا شاہزادہ سو رہا ہے۔ چونکہ اس خبر کو جلد پہنچانے کی اسے تاکید کی گئی تھی، اس لئے محمد مراد خاں نے اس وقت ڈیوٹی دینے والے خواجہ سرا کو اصرار سے کہا کہ "جس طرح بھی ہو

شاہزادہ کو بیدار کردو۔ غرض شاہزادہ بیدار ہو گیا۔ خواجہ سرا نے عرض کیا ''۔ محمد مراد خاں آیا ہے اور بہت پریشان معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ کو بیدار کرنے کی درخواست کی تھی۔ شاہزادہ کو بادشاہ کی بیماری کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی اس لئے اس کے دل میں کھٹکا ہوا اور اس نے خواجہ سرا سے پوچھا۔ مراد خاں جو خلعت پہن کر گیا تھا کیا وہی اس کے جسم پر ہے؟'' خواجہ سرا نے عرض کیا۔ ۔نہیں وہ تو دوسرے سفید کپڑے پہن کر آیا ہے''۔ یہ سن کر شہزادہ رونے لگ گیا اور پرنم آنکھوں کے ساتھ باہر آیا اور محمد مراد خاں کو خلوت خانہ میں بلالیا۔ مراد خاں نے وہ خط شہزادہ کے ہاتھ میں دیدیا اور اپنی طرف سے اور ابراہیم خاں کی طرف سے تعزیت و تہنیت کی تسلیمات بجالایا۔ خط پڑھنے کے بعد شاہزادہ نے کہا ۔ ''محمد مراد خاں خوب سمجھ لو کہ اب ہندوستان کی سلطنت کا حال بہت خراب ہوجائے گا۔ لوگ عالمگیر بادشاہ کی قدر نہیں کرتے تھے۔ اب انھیں پتہ چلے گا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تقدیر چند دن ہمارا ساتھ دے گی اور اللہ تعالیٰ میرے والد (محمد اعظم شاہ) کو بادشاہت عطا فرمائے گا مگر انجام کار خون ریزی ہو کر رہے گی۔''

اس اطلاع کے بعد ابراہیم خاں بڑی فکر میں پڑ گیا کہ عید الفطر کا خطبہ کس شاہزادہ کے نام کا پڑھا جائے آخر یہ طے پایا کہ چونکہ ابھی لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے چنانچہ عید کی صبح کو ابراہیم خاں عید گاہ گیا اور خطبہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے نام پر ہی پڑھا گیا۔

اعظم شاہ کی غلطی

ابراہیم خاں خود کو ''اعظم شاہی'' گروپ میں شمار کرتا تھا اور منتظر تھا کہ محمد اعظم شاہ کی طرف سے حکم آجائے تو وہ فوج کو تیار کرکے محمد بیدار بخت کے ہمراہ اکبرآباد پہنچ جائے۔ اگر اس وقت اعظم شاہ دور دراز کے وسوسوں میں مبتلا ہوکر بیدار بخت کو نہ روکتا اور اکبرآباد جانے کی اجازت دیدیتا تو صورت حال کچھ دوسری ہوتی کیونکہ اکبرآباد میں اس وقت بیدار بخت کا خسر مختار خاں صوبہ دار تھا، وہاں کے خزانہ میں نو کروڑ روپیہ تھا۔

اس کے علاوہ اشرفیاں اور "فریب تراز" (نامی) روپیہ جس کا وزن پانچ سو تولہ کا ہوتا تھا، طلائی اور نقرئی سازوسامان اور غیر مسکوک، سونا چاندی کافی مقدار میں موجود تھا۔ یہ خزانہ باقی خان قلعدار کی حفاظت میں تھا اور وہ انتظار کر رہا تھا کہ ملک کے وارثوں میں سے جو بھی پہلے پہنچ جائے گا، وہ خزانہ اور قلعہ کی کنجی اس کے حوالہ کردے گا۔ اس وقت بیدار بخت کو اکبرآباد جانے سے نہیں روکنا چاہیے تھا مگر جو تقدیر الٰہی میں ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

شہزادہ کام بخش کی فوج کشی

اب میں چند کلمے محمد کام بخش کے بارہ میں تحریر کرتا ہوں، شاہزادہ کام بخش باپ سے رخصت ہونے کے بعد چالیس پچاس کوس پر قلعہ پرینڈہ پہنچ چکا تھا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر اسے ملی۔ محمد امین خاں ایک جماعت کے ساتھ شاہزادہ کی اطلاع و اجازت کے بغیر وہاں سے کوچ کر گیا اور اعظم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ امین خاں کے جُدا ہو جانے سے کام بخش کے سارے لشکر میں بڑا انتشار اور افراتفری پیدا ہوگئی ... احسن خاں عرف میر سلطان حسن نے ان لوگوں کو تسلی دلاسا دینے کی کوشش کی جو شاہزادہ کے ہمراہ رہ گئے تھے، اور وہاں سے قلعہ بیجاپور پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے کوچ کر دیا گیا۔ شاہزادہ نے قلعہ پر پہنچنے کے بعد بیجاپور کے قلعہ دار سید نیاز خاں کو قلعہ سپرد کرنے کے لئے پیغام دیا اور بڑے وعدہ وعید کئے۔ مگر سید نیاز خاں نے اطاعت کرنے سے انکار کر دیا اور برج وفصیل کو مستحکم کر کے مدافعت پر آمادہ ہوگیا۔ شاہزادہ نے قلعہ کے دروازہ کے مقابل مورچہ بندی کرادی۔ اصل میں کام بخش کے پہنچنے تک قلعدار کو عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بارہ میں یقین نہیں ہوا تھا اور وہ بڑے تذبذب میں تھا۔ بعد میں جب یہ خبر ثبوت کو پہنچ گئی تو احسن خاں کی کوششوں سے ایک دوسرے کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوا آخر کار اس نے قلعہ کی چابی بھجوادی، پھر خود قلعہ سے نکل کر کام بخش کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

کام بخش کی تخت نشینی

تقریباً دو ماہ گذرنے کے بعد جب شہر بیجاپور اور اس کے اطراف کا بندوبست اور نظم و نسق کام بخش نے پوری طرح سنبھال لیا تو اسے اطمینان حاصل ہوا۔ اس نے احسن خاں کو پانچ ہزاری کا منصب عطا کیا اور بخشی گری کے عہدہ پر مستقلاً مقرر کر دیا۔ حکیم محسن کو وزارت کا قلمدان تفویض کیا اور اسے تقرب خاں کا خطاب عطا کیا۔ سید احمد سیف خاں، حکیم محمد مہدی حیدر آبادی، احمد خاں اور دوسرے ہمراہیوں کو جواہرات اور خطابات عطا کئے اور جلوس کا جشن مقرر کرکے۔ "دین پناہ" کے لقب سے تخت نشین ہو گیا اور سکہ پر یہ شعر ضرب کرایا ؎

در دکن زد سکہ بر خورشید و ماہ

پادشاہ کام بخش دین پناہ

تخت نشینی کے بعد کام بخش نے سات آٹھ ہزار سوار فراہم کئے اور قلعۂ واکنکیرا کی تسخیر کے ارادہ سے کوچ کر دیا۔ سید نیاز خاں دو تین منزل تک ساتھ رہا وہاں سے وہ اپنے خیمہ کو اسی طرح چھوڑ کر بھاگ گیا اور اعظم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ کام بخش نے گلبرگہ پہنچ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور احسن خاں کی تجویز پر سادات بارہہ میں سے ایک شخص سید جعفر نامی کو قلعدار مقرر کرکے واکنکیرا کی طرف پیش قدمی کر دی جو عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بعد پریا نائک کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ واکنکیرا پہنچنے کے بعد کام بخش نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی قلعہ گیری کی تیاریاں شروع کر دیں پریا نے محصور ہو کر پندرہ بیس دن تک مدافعت کی آخر احسن خاں کی وساطت سے قلعہ پر کام بخش کا قبضہ ہو گیا اس نے وہاں قلعہ دار مقرر کر دیا۔

کام بخش کے امیروں کا اختلاف

تقرب خاں اور احسن خاں برابر کے امیر تھے ایک دوسرے سے ہمسری کرتے رہتے تھے اور دونوں کے درمیان چشمک رہتی تھی جو آخر کار رنجش و مخالفت بڑھ گئی۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ نے اور بھی تفرقہ ڈال دیا۔ گلبرگہ پر سید جعفر کو قلعدار مقرر کیا گیا تھا۔

تقرب خان نے اس کی جگہ دوسرے کو قلعدار مقرر کرا کے بھجوا دیا مگر سید جعفر نے قلعہ سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں جب خود کام بخش بھی قلعہ گلبرگہ پر پہنچا تھا تو سید جعفر نے کچھ دن تک قلعہ سپرد نہیں کیا تھا۔ اس قضیہ میں احسن خاں کی بڑی بدنامی ہوئی کہ یہ اسی کے اشارہ پر ہوا ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بازار بسانے کے سلسلہ میں پیش آیا احسن خاں ایک بازار اپنے نام پر۔ بازار گنج احسن خاں "کے نام سے آباد کر رہا تھا۔ تاجروں کو محصول کی معافی وغیرہ دے کر وہاں جمع کرنے کی فکر میں تھا۔ تقرب خاں نے محمد کام بخش کے کان بھرے کر "گنج احسن خاں" کے قیام سے بادشاہی بازار "شاہ گنج" کی رونق گھٹ جائے گی۔ کام بخش نے "بازار احسن خاں" کے قیام کی مخالفت کر دی۔ احسن خاں کو یہ بڑا ناگوار گزرتا تھا۔ جب کہ اس نے شہزادہ کی خدمت میں بڑی وفاداری اور جانفشانی سے جدوجہد کی تھی۔ احسن خاں نے اپنی خفگی کا اظہار اس طرح کیا کہ بازار کے لئے جو جھنڈا نصب کرایا تھا اُسے دو ٹکڑے کئے اور تقرب خاں کے پاس بھجوا دیا۔

آخرکار کام بخش نے احسن خاں کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور اپنے چھوٹے بیٹے کو اس کے ہمراہ کر کے قلعہ کرنول پر فوج کشی کے لئے روانہ کر دیا۔ کرنول پر یوسف خان قلعدار اور فوج دار تھا۔ مورچہ بندی اور محاصرہ کے بعد یوسف خاں نے احسن خاں کو راضی کر کے تین لاکھ روپیہ سرکار کے لئے ادا کیا اور احسن خاں نے قلعہ سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد احسن خاں کو ارکاٹ پر فوج کشی کے لئے مقرر کیا گیا۔ ارکاٹ پر داؤد خاں اپنی فوج دار تھا۔ اس مہم میں احسن خاں نے بڑی عمدہ کارگزاری دکھائی۔ حالانکہ اس وقت رسد کے نہ ملنے کے سبب سارا لشکر فاقوں پر آ گیا تھا اور سخت پریشانی لاحق تھی۔ ہم ان تفصیلات کو یہاں چھوڑتے ہیں۔ اس سلسلہ کا باقی تذکرہ آگے کسی مقام پر کریں گے۔ اب ہم اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے کوچ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

اعظم شاہ کی تخت نشینی

اعظم شاہ دس ذی الحجہ کو تخت نشین ہوا تھا اور اس نے ذوکن میں یہ سکہ مزب کرایا تھا ؂

سکہ زد درجہاں بدولت وجاہ
بادشاہ ممالک اعظم شاہ

اعظم شاہ کے ساتھ اس وقت قدیم بادشاہی امراء کی ایک بڑی تعداد تھی جیسے جمدۃ الملک امیرالامراء اسد خاں، ذوالفقار خاں بہادر، نصرت جنگ، مرزا صدرالدین محمد خاں۔ صفوی خاں جو ایران سے تازہ وارد تھا اور بخشی گری کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ تربیت خاں میر آتش، چین قلیچ خاں بہادر جو انہی دنوں بیجا پور کی صوبہ داری سے حاضر بارگاہ ہوا تھا۔ محمد امین خاں، خان عالم اور منور خاں، جو خان زماں خاں دکنی کے بیٹے تھے اور دونوں شجاعت میں مزب المثل تھے۔ کامیاب خاں سید مظفر خاں، اسد خاں، راجہ رام سنگھ ہارہ، دلپت راؤ بندیلہ ان کے علاوہ رکاب شاہی کے اور بھی امیر تھے۔ جن کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اعظم شاہ نے ان سب امیروں کو خلعت جواہر اضافے مرحمت کئے اور وعدہ وعید کرکے اپنا حامی و مددگار بنا لیا تھا۔ وسط ذی الحجہ میں اعظم شاہ ان سب کو لے کر جمدۃ الملک اسد خاں کے ہمراہ شاہ عالم کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔

اعظم شاہ باپ کے مزار پر

جب اورنگ آباد کے قریب پہنچے تو اطلاع ملی کہ حمید الدین خاں بہادر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے مزار پر مجاور بن گیا ہے۔ بادشاہ عالمگیر کو حضرت برہان الدین اور زین الدین کے مقبروں کے درمیان دفن کیا گیا تھا۔ جب اعظم شاہ فاتحہ پڑھنے باپ کے مزار پر گیا تو حمید الدین خاں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے ہمراہ لے آیا۔ "منصور خاں روز بہانی" عالمگیر بادشاہ کی زندگی میں راستوں کی حفاظت اور انتظام پر پہلے ہی اورنگ آباد آچکا تھا اعظم شاہ نے اورنگ آباد پہنچنے کے بعد منصور خاں کو وہاں کی صوبہ داری پر مامور کردیا۔ مرزا یار بیگ نے یہاں پہنچ کر کعبۃ اللہ جانے کی اجازت لے لی بیرم خاں

پہنچنے کے بعد ایک دو دن مقام کرنے کے بعد ضروری بندوبست کرکے فوراً ہی کوچ کر دیا۔ محمد امین خان بہادر اور چین قلیچ خان بہادر جن کا خطاب "خان دوران" ہو گیا تھا۔ اعظم شاہ کے سلوک سے ناراض ہو گئے تھے۔ دونوں نے برہان پور میں ساتھ چھوڑ دیا اور اورنگ آباد واپس چلے گئے اور وہاں اکثر پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

بہادر شاہ کی کابل سے آمد

اب ہم بہادر شاہ (شاہ عالم) کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ منعم خان بڑا تجربہ کار کارپرداز امیر تھا اور مرحوم بادشاہ نے اسے کابل پر متعین کیا تھا۔ شاہ عالم کے پاس اس نے بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ شاہ عالم نے صوبہ لاہور میں اپنی جاگیر کے معاملات کا اسے دیوان بھی مقرر کر دیا تھا اور اس کے لئے پورے صوبہ لاہور کی دیوانی کی سفارش مرحوم بادشاہ کے دربار میں بھجوا دی تھی۔ جب منعم خان کو عالمگیر بادشاہ کی بیماری کی خبر ملی، تو منعم خان نے شاہ عالم کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا اور لاہور و پشاور کے راستہ پر تمام پرگنوں میں باربرداری کا سامان توپ کشی کے اونٹ اور بیل اور سامانِ جنگ اس طرح جمع کرا دیا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ پشاور میں بادشاہ کے انتقال کی خبر ۱۸ ذی الحجہ کو پہنچی۔ بہادر شاہ (شاہ عالم) نے اسی دن کوچ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسرے دن منعم خان کی عرض داشت پہنچی جس میں سلطنت کی مبارک باد دی تھی اور جلد از جلد کوچ کرنے کی درخواست کی تھی۔ بہادر شاہ نے پیش خانہ فوری نکالنے کا حکم دے دیا اور دوسرے دن کوچ کر دیا۔ جتنے امیر رکاب میں تھے سب نے رفاقت کی مگر فتح اللہ خان نے جو شجاعت و بہادری میں مشہور تھا اور اسی قریب میں اس کی تعیناتی کابل پر ہوئی تھی ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ جب اس کے ترک رفاقت کی اطلاع بہادر شاہ کو ہوئی تو حکم ہوا کہ "ہمارے قدیم نمک خوار "جاں نثار خان" کو جو شجاعت و بہادری میں فتح اللہ خان کا ثانی ہے۔ اکبر آباد کی سرحد پر بھیج دیا جائے۔ وہ پانچ چھ ہزار سوار لے کر وہاں شہزادہ عظیم الشان کے پاس حاضر ہو جائے۔ شاہزادہ معز الدین ٹھٹھہ کا صوبہ دار تھا اور شاہزادہ اعز الدین ملتان میں اپنے باپ (بہادر شاہ) کا نائب تھا، ان

دونوں کو اور دوسرے امراء کی طلبی کے احکام بھی صادر ہوگئے جن سے بہادر شاہ کو وفاداری اور جاں نثاری کی توقع تھی۔ شاہ عالم کوچ پر کوچ کرتے ہوئے لاہور کے قریب پہنچ گیا۔ منعم خاں مرحوم بادشاہ کی علالت کی خبر سن کر ہی فوج بھرتی کرنے توپ خانہ درست کرنے اور خزانہ جمع کرنے میں مشغول ہوگیا تھا۔ شاہ عالم کے آنے پر وہ چار پانچ ہزار سوارہ فوج کے ساتھ باہر نکلا اور لاہور سے دو منزل پر اپنی فوج کا اور توپ خانہ کا معائنہ کرایا اور چالیس لاکھ روپیہ کی فراہمی کی دستاویز پیش کی اور سلطنت کی مبارکباد و تسلیمات عرض کیں۔ شاہ عالم نے خوش ہوکر کہا "تم کو بھی وزارت مبارک ہو"۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی

بہادر شاہ (شاہ عالم) نے آخر محرم سن گیارہ سو انیس ہجری ۱۱۱۹ھ میں دارالسلطنت لاہور کے نواح میں قیام کیا اور اسی منزل پر محرم کے آخری دن یا صفر کی پہلی تاریخ کو کیونکہ رویت ہلال کے نہ ہونے کے سبب تاریخوں میں اختلاف ہوگیا تھا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھنے اور سکہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ ہم رکاب امیروں نے نذر نیاز تسلیمات مبارکباد پیش کیں سونا چاندی نچھاور ہوئی۔ شاہ نے حکم دیا تھا کہ روپیہ کے وزن میں نصف ماشہ وزن زیادہ کرکے سکہ ضرب دیا جائے۔ نئے وزن پر لاکھوں سکے جاری کردیئے گئے تھے لیکن تنخواہوں اور لین دین میں پرانے وزن کا ہی حساب کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ نیا سکہ رائج نہیں ہوسکا۔ اسی منزل پر ملتان کا صوبہ دار شاہزادہ محمد معزالدین اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا اور باپ کی قدم بوسی کی۔ شاہ نے اسے پچیس ہزاری پندرہ ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ معزالدین کے بیٹے اعزالدین کو آٹھ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ شاہزادہ محمد عظیم کو غائبانہ اٹھارہ ہزاری پندرہ ہزار سوار کا منصب دیا اور مستقرالخلافت اکبرآباد جلد پہنچنے کے لئے فرمان صادر کیا۔ شاہزادہ محمد رفیع القدر کو سولہ ہزاری پندرہ ہزار سوار اور شاہزادہ خجستہ اختر کو چودہ ہزاری نو ہزار سوار کا منصب اور محمد عظیم کے بیٹے شاہزادہ محمد کریم کو سات ہزاری ہزار سوار کا

اضافہ خان زماں کو خطاب نقارہ اور دوسری عنایات سے سرفراز کیا گیا اور وزارت اور اعلیٰ مراتب کا وعدہ کیا۔ خان زماں کے بڑے بیٹے کو اضافہ دیا خانہ زاد خاں کا خطاب عطا کیا۔ بہادر علی خاں کو اللہ وردی خاں کا خطاب اور مردان علی خاں کو شہریہ خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ لطف اللہ مرحوم کے بیٹے عنایت خاں کو جو سعد اللہ خاں کا پوتا تھا چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب علم و نقارہ عطا کیا۔ اور بڑے شاہزادہ محمد معزالدین کی ہراولی پر مقرر کردیا۔ خواجہ شکراللہ خاں کو سادات خاں اور محمد رستم خاں کو رستم دل خاں کا خطاب ملا۔ عبداللہ خاں کا بیٹا حسین علی خاں ڈیڑھ ہزار کا منصب دار تھا اُسے تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب اور نقارہ عطا ہوا۔ نیاز علی خاں کو قلیچ خاں کا اور سید تاج کو شجاعت خاں کا خطاب مرحمت کیا اسالت خاں کا بیٹا محمد سعید سیف اللہ خاں سے مخاطب کیا گیا۔ آغر خاں کے بیٹے دیدہ مغل کو اس کے موروثی خطاب سے نوازا اور اسے قراولی کے عہدہ پر مامور کیا۔ اس طرح تمام خانہ زادوں اور روشناس ملازمین سرکار کو حسب مراتب اضافہ انعام و اعزاز عطا کئے گئے اور سب کو آئندہ ترقی کی امید اور توقع دلائی اور لاہور کے خزانہ سے چالیس لاکھ روپے کر کوچ کردیا۔

اکبر آباد کی طرف کوچ

بہادر شاہ سرہند پہنچا تو وہاں کے صاحب مدار وزیر خاں نے اٹھائیس لاکھ روپیہ بادشاہی رقم میں سے پیش کش کی آخر صفر میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد کے قریب قیام ہوا۔ اسی درمیان میں شاہزادہ محمد عظیم کی عرض داشت پہنچی کہ شہزاد پدر کے قریب پہنچے پر جب اسے مرحوم دادا کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے فوج کی فراہمی کے لئے تمن داروں اور فوج داروں کو تسلی دلاسا دے کر بیس ہزار سوار سے زائد فوج جمع کرلی اور محمد بیدار بخت کے پہنچنے سے پہلے ہی اکبر آباد پہنچ گیا اور صوبہ دار مختار خاں کو محصور کرکے بے دخل کردیا اور اُس کا مال و اسباب ضبط کرلیا اور باقی خاں قلعدار کو دلاسا دے کر خزانوں کی کنجیاں سپرد کرنے پر راضی کرلیا ہے۔ اور اب بس حضور کی تشریف آوری کا انتظار ہے ہندوستان کی سلطنت حضور والا کے لئے مبارک ہو۔ اس خوش خبری کو بہادر شاہ نے نیک

شگون جانا۔ یہی اطلاعات اخبار نویسوں اور مخبروں نے بھی پہنچائیں کہ مختار خاں قید کر دیا گیا اور باقی خاں قلعدار نے اطاعت کر لی۔ معلوم ہوا باقی خاں قلعدار نے شہزادہ محمد عظیم کی خدمت میں بڑے عجز و نیاز سے درخواست کی کہ اگرچہ قلعہ اور خزانے ہر دو وارثانِ تاج و تخت کا حق ہیں۔ لیکن جو بھی پہلے پہنچ جائے گا میں حاضر خدمت ہو کر خزانہ اور قلعہ کی چابیاں اس کے سپرد کر دوں گا۔ کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ پشاور سے اتنی طویل مسافت طے کر کے شاہ عالم، محمد اعظم شاہ سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا۔

شاہ عالم دہلی میں

بہرحال شاہ عالم کو دارالخلافہ (دہلی) میں پہنچنے کے بعد شاہزادہ محمد عظیم کی عرض داشت ملی۔ اس خوشی میں شادیانے بجانے کا حکم دیا گیا۔ دہلی پر آصف خاں کا پوتا محمد یار خاں قلعدار تھا۔ اس کے پاس خان زماں کے ذریعہ عنایت آمیز پیغام بھجوایا گیا۔ محمد یار خاں نے اطاعت کا اظہار کر کے اپنے بیٹے حسن یار خاں کو قلعہ کی چابی دے کر خدمت میں بھیج دیا اور خان زماں کے ہاتھ نذرانہ کی نو اشرفیاں اور دو ہزار روپیہ بھی بھیجا کہ وہ اس کی طرف سے مبارک باد کے آداب بجا لائے۔ بادشاہی ملازموں اور عدالت کے عہدہ داروں اور دوسرے کارگزاروں نے آکر مبارک بادی اور عنایات و اعزازات سے نوازے گئے۔ شاہ عالم نے دہلی کے بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کی اور درگاہوں کے خدام کو نذر نذرانے پیش کئے۔ اور دہلی کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد وہاں کے خزانہ سے تیس لاکھ روپیہ لیا اور اوائل ربیع الاول میں اکبر آباد کی طرف کوچ کر دیا۔

شاہ عالم اکبر آباد میں

اسی ماہ کے وسط میں شاہ عالم اکبر آباد پہنچ گیا اور شہر کے قریب "دہرہ" نامی باغ میں قیام کیا۔ شاہزادہ محمد عظیم اپنے بیٹے شاہزادہ محمد کریم کے ساتھ باریاب ہوا۔ باقی خاں قلعدار بھی قلعہ اور خزانوں کی کنجیاں لے کر حاضر ہوا اور تخت نشینی کی مبارک باد عرض کی اور شاہ عالم نے اس پر عنایات کیں۔ اکبر آباد کے قلعہ کے خزانہ کی جو فہرس ملاحظہ میں پیش کی گئی تھی وہ بڑا اختلاف روایت نو کروڑ کی مالیت کی اشرفیاں تھیں یا روپے اور چوبیس کروڑ روپیہ کے طلائی

آلات اور غیر مسکوک چاندی تھی۔ یہ خزانہ صاحب قران ثانی شاہجہاں نے جمع کیا تھا جس میں سے خلد مکان عالمگیر بادشاہ نے ایک بڑا حصہ دکن کی مہم میں خرچ کر دیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق خزانہ میں اشرفیوں کے علاوہ "غریب نواز" نامی روپیہ بھی تھا یہ روپیہ (شاہجہاں نے) ایک سونے پانچ سو تولہ وزن میں خاص طور سے انعام میں دینے کے لئے تیار کرایا تھا۔ محمد اکبر بادشاہ کے عہد کی بارہ اور تیرہ تولہ وزن کی اشرفیاں بھی تھیں۔ ان سب کی مالیت تیرہ کروڑ کی تھی۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ خزانہ میں سے فوری طور پر چار کروڑ کی اشرفیاں اور روپے نکالے جائیں اور ان میں سے ہر شاہزادہ کو تین تین لاکھ روپیہ جو کل نو لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔ دے دیئے جائیں۔ خان زماں بہادر اور اس کے بیٹوں کو تین لاکھ سادات بارہہ کو ایک لاکھ اور آغر خاں کو مع اس کے مغل ہمراہیوں کے ایک لاکھ روپیہ دیدیا جائے اسی طرح فوج کے تمام ملازموں اور سرکاری کارگذاروں کو جن کی آٹھ ماہ اور نو ماہ کی تنخواہیں دینی تھیں مطالبات ادا کر دینے کا حکم ہوا جو ملازم نئے نئے بھرتی ہوئے تھے ان کو دو ماہ کی تنخواہ دیدی گئی اور توپ خانہ کے عملہ کو تین ماہ کی۔ محل کی عورتوں اور تمام محکموں کے آدمیوں کو ان کے واجبات ادا کر دیئے گئے تنخواہوں کے علاوہ متقیوں درویشوں حاجت مندوں کو جھولی بھر بھر کر روپیہ اور اشرفیاں مرحمت کیں۔ اس طرح دو کروڑ روپیہ سخت نگرانی اور انتظام میں تقسیم کر دیا گیا۔ روپیہ کی تقسیم میں ایسی سخت نگرانی کی گئی تھی کہ خود خان زماں ہاتھ میں لکڑی تھامے تقسیم کا انتظام کر رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ سے ایک تحویلدار مار کھا کر فوت ہو گیا۔

شاہ عالم نے خان زماں کو ترقی دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب عطا کیا اور وزارت کے عہدہ پر فائز کر کے خطاب عطا کیا۔ "صاحب السیف والقلم وزیر بافرہنگ جملۃ الملک بہادر ظفر جنگ" اپنی فوج کے ہراول کا کمان دار بھی اسی کو مقرر کیا۔ فوج کی نئی تنظیم کرائی۔ تجربہ کار جنگجو امراء کو میمنہ، میسرہ، التمش (حاشیہ کی فوج) قول اور چنداول پر مقرر کیا۔ آغر خاں کو "قراول" کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ شاہزادہ محمد عظیم صوبہ بنگالہ سے آٹھ نو کروڑ روپیہ اور ایک قول کے مطابق گیارہ کروڑ روپیہ جمع کر کے

لایا تھا اس نے معائنہ کے وقت تیس ہزار سوار پیش کئے جملہ فوج کی تعداد معائنہ میں اتی ہزار سوار شمار میں آئے تھے۔

گوالیار کے قلعدار کا منصوبہ

جان نثار خاں عرصۂ دراز سے گوالیار کا فوجدار اور قلعدار تھا۔ ابتدا ہی سے شاہ عالم کی خدمت میں اس نے تربیت و ترقی پائی تھی۔ قدیم الخدمت ہونے کے سبب وہ سب سے زیادہ ترقی کا اُمیدوار تھا شاہ عالم کو بھی اس سے امید تھی کہ وہ چار پانچ ہزار سواروں کی فوج لے کر شاہزادہ محمد عظیم کے لشکر میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن جان نثار خاں نے جب محمد اعظم شاہ کے سکہ خطبہ غلبہ و تسلط کی خبریں سُنیں۔ نیز اس خیال سے کہ شاہ عالم بڑے طویل فاصلہ پر ہے اُس نے محمد اعظم شاہ کی اطاعت کو زیادہ ضروری سمجھا مگر اسے ساتھ ہی شاہ عالم کے ساتھ قدیم وابستگی کا بھی خیال تھا۔ اسی زمانہ میں دکن سے محمد اعظم شاہ اور عظیم آباد سے شاہزادہ محمد عظیم کی آمد آمد کی شہرت ہونے لگی۔ جان نثار خاں اپنے آپ کو عقل و تدبیر میں معلم ثالث سمجھتا تھا اس نے ایک دو طرفہ منصوبہ بنایا اور محمد اعظم شاہ کے پاس عرض داشت بھیجی کہ اگر میں بظاہر شاہ عالم کے قدیم الخدمت کارگذاروں میں سمجھا جاتا ہوں مگر درحقیقت میں دل و جان سے آپ کی بارگاہ کا عقیدت مند ہوں اور حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ نکلنے کی تیاری کر دیا ہوں مگر یہاں باربردار کا اور زنانہ سواریوں کا انتظام نہیں ہے ادھر محمد عظیم قریب پہنچ رہا ہے اور اس نے میرے ارادوں سے واقف ہو کر ایک فوج میری گرفتاری کے لئے مقرر کر دی ہے۔ اب براہ کرم آپ اس بلائے عظیم کے پہنچنے سے قبل ہی شائستہ اور منظم فوج کے ہمراہ باربرداری اور سواری بھیج دیجئے تاکہ میں آپ کے حضور میں پہنچ جاؤں۔ دوسری طرف اس نے اسی مضمون کی عرض داشت محمد عظیم کو بھی لکھی کہ یہ قدیم الخدمت غلام جاں نثاری کے لئے آمادہ ہے اور محمد اعظم شاہ نے ایک فوج مجھے یہاں سے لے جانے کے لئے مقرر کر دی ہے اگر حضور والا فوج اور باربردار بھیج دیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ خطوط بھجوا دیئے اور دل میں یہ طے کر لیا کہ جہاں

سے بھی فوج پہلے پہنچ جائے گی میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا اور میری طرف سے عذر و معذرت کی گنجائش رہے گی کریں نے پیچھے ہی اطلاع دی تھی اور مجبور ہو گیا تھا۔ مگر دونوں طرف سے کسی نے بھی فوج نہیں بھیجی یہاں تک کہ شاہ عالم کے اکبرآباد پہنچ جانے کی خبر آگئی۔ ادھر سے محمد اعظم شاہ کی آمد آمد بھی سننے میں آرہی تھی۔ اب اس کے لئے بجز اس کے کوئی راہ نہیں تھی کہ وہ شاہ عالم کے پاس چلا جاتا مگر اس کی ہمراہی فوج سے سابقہ اور موجودہ مطالبات کی ادائیگی میں تنازعہ پیدا ہو گیا تھا اور وہ باربرداری کا انتظام بھی نہیں کر سکا تھا۔ اس لئے زائد از ضرورت سامان جلا دیا اور جس طرح بھی بن پڑا سفر کا انتظام کر کے گنتی کے چند سواروں اور مختصر بار برداری کے ساتھ جو شاہزادہ محمد عظیم کی طرف سے راستہ میں اسے مل گئی تھی۔ وہ شاہ عالم کی فوج میں حاضر ہو گیا۔ شاہ عالم اس پر اپنے حق نمک کو واجب جانتا تھا پھر یہ خیال تھا کہ وہ تیرہ چودہ سال سے ایک سرسبز اور سیر حاصل تعلقہ اور جاگیر میں طعداری اور فوج داری پر مامور رہا ہے۔ یقیناً وہ بڑی عمدہ اور منظم فوج لے کر آئے گا۔ اس لئے جب وہ آیا تو شاہ عالم نے بڑی توقع سے دریافت کیا "تم کتنی فوج ساتھ لائے ہو"؟ عرض کیا گیا "تین چار ہاتھی پندرہ بیس سوار لے کر آیا ہے۔ یہ بات شاہ عالم کو بہت ناگوار گذری اور وہ اس سے ناراض ہو گیا۔ اس رنجش کا جو نتیجہ نکلا اس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

اعظم شاہ کی مالی پریشانیاں

اب ہم محمد اعظم شاہ کی طرف چلتے ہیں۔ محمد اعظم شاہ کی فوج بندی اسی نوے ہزار سواروں سے متجاوز تھی مگر لشکر میں موجود تعداد پینتیس ہزار کے قریب تھی وہ اس فوج کو اور توپ خانہ کو لے کر دشمن کے مقابلہ پر چلا اس کے ساتھ بادشاہ عالمگیر کے مزاج داں بڑے بڑے ہم رکاب امیر بھی تھے۔ اورنگ آباد میں اس نے منصور خاں کو چھوڑ دیا۔ فیروز جنگ برار میں تھا اسے وہیں رہنے کا حکم دیا اور کوچ پر کوچ آگے بڑھتا رہا۔ اس سے بے خبر کہ موت اس کی قافلہ سالار بنی ہوئی ہے۔ اس نے امراء کو اور فوج کے افسروں کو اضافہ اور ترقی عطا کر کے ان کی دل دہی کا خیال رکھا تھا۔

فوج کے مطالبات کے ادا کرنے نقد روپیہ اور انعام دینے میں اس نے ہاتھ روک رکھا تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ جو خزانہ تھا وہ بہت کم تھا۔ اس سلسلہ میں جب امراء عرض کرتے تھے تو وہ فریق مخالف کے بزدل ہونے اور اپنے بہادر ہونے کی ڈینگیں مار کر صاف کہتا تھا۔ مجھے تمہارے لشکر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ باتیں وہ اکثر بڑی درشتی سے کہہ دیا کرتا تھا۔ اور حقیقت میں اس کے پاس اتنا خزانہ نہیں تھا کہ کھلے ہاتھوں صرف کرے لوگوں کو اس کے پاس سے روپیہ تو نہیں ملتا تھا ہاں یہ سخت سست باتیں، جن کا وہ عادی تھا سننے کو مل جاتی تھیں، جن سے لوگوں کے دل اس سے پھر گئے۔ چنانچہ جب برہان پور سے گذر ہوا تو چین قلیج خاں بہادر جسے "خان دوراں" کا خطاب ملا تھا۔ چند مشہور آدمیوں کو لے کر ساتھ چھوڑ کر اورنگ آباد چلا گیا۔ محمد امین خاں بھی مغلوں کی ایک بڑی تعداد کو لے کر کوچ کے وقت لشکر سے نکل گیا، بلکہ اس نے چلتے چلتے لشکر کے اکثر بنجاروں اور باربرداری پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ اس نے بھی اورنگ آباد کا رخ کیا۔ جب ان امیروں کے جانے کی خبر اعظم شاہ کو ہوئی تو اس نے سنی ان سنی کر دی اور اس کی تلافی کی کوئی فکر نہیں کی۔

ساہوجی کی غداری اور فرار

سیواجی کا پوتا راجہ ساہو لشکر کے ہمراہ تھا۔ ذوالفقار خاں نصرت جنگ بہت پہلے سے اس پر مہربان رہتا تھا۔ نصرت جنگ نے اعظم شاہ کی خدمت میں اسے اور اس کے چند ساتھیوں کو باریاب کرایا اور سفارش کرکے اس کو صاحب اختیار سردار بنا دیا (اب تک وہ نگرانی اور نظر بندی میں تھا)، جب اعظم شاہ نربدا ندی کو عبور کر کے دورا ہہ کی سرحد پر پہنچا تو ساہوجی اپنے پچاس ساٹھ رفیقوں کے ساتھ لشکر سے نکل بھاگا، اور موہن سنگھ زمیندار کے پاس چلا گیا۔ موہن سنگھ نندربار کے پرگنہ سلطان پور اور سرکار بیجا گڑھ کی سرحد پر دشوار گذار پہاڑوں میں رہتا تھا اس کا شمار مشہور فتنہ پردازوں میں ہوتا تھا۔ راجہ ساہو کو اس نے اپنے علاقہ سے بڑے اعزاز و اکرام سے گذار دیا۔ وہاں سے ساہو ایک مشہور مرہٹے آنجو نامی کے پاس جو پانڈہ کے نام سے مشہور تھا پہنچا۔ پانڈہ بھی اس علاقہ کا

مانا ہوا فسادی تھا اور سلطان پور کے پرگنہ میں کو کرمندہ کی گڑھی اس کے قبضہ میں تھی اور وہ بندر گاہ سورت سے برہان پور تک تاخت و تاراج کرتا رہتا تھا۔ پانڈہ نے ایک فوج ساہو کے ہمراہ دیدی اور وہ بہ حفاظت اپنے وطن اور موروثی قلعوں میں پہنچ گیا۔ یہ تمام قلعے خلد مکاں نے فتح کرلئے تھے مگر اس طوائف الملوکی کے دور میں اکثر مفتوحہ قلعے دوبارہ مرہٹوں کے ہاتھ چلے گئے تھے۔ جو مرہٹہ سردار مجبوراً رام راجہ کی بیوی تارابائی کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ساہو کے پہنچنے پر اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے اور ساہو کے رفیق بن گئے۔ کہتے ہیں جس وقت وہ اپنے وطن کی طرف جا رہا تھا تو راستہ میں اس کا گذر گل زمین پر ہوا جہاں خلد مکان عالمگیر بادشاہ کی وفات ہوئی تھی۔ ساہو نے وہاں پہنچ کر اس جگہ کی زیارت کی اور فقیروں کو کافی نقدی دی اور کھانا کھلایا۔

وطن پہنچنے کے بعد ساہو نے ایک بڑی فوج جمع کرلی اور پہلے وہ احمد نگر کے نواح میں پہنچا .... اس وقت اس کے جھنڈے کے نیچے تقریباً بیس ہزار مرہٹے جمع ہو گئے تھے۔ وہ اس بڑی فوج کو لے کر حضرت خلد مکاں عالمگیر کے مزار کی زیارت کے ارادہ سے اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ مرحوم بادشاہ کو دولت آباد کے قریب دفن کیا گیا تھا اور اب وہ مقام خلد آباد کے نام سے مشہور ہے۔ جب اس کا ہراول اورنگ آباد کے قریب پہنچا تو اس کے اچکے لیٹرے ساتھیوں نے اورنگ آباد کے اطراف لوٹ مار شروع کردی۔ اگرچہ ساہو جی اور اس کے بھائی تاخت و تاراج کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ منصور خاں اور اورنگ آباد پر متعین دوسرے امیروں نے برج اور فصیل کی مرمت کرالی اور قلعہ سے نکل کر مرہٹوں کا تدارک کرنے لگے۔ ساہو نے اپنے آدمیوں کو شر و فساد سے روک دیا اور بزرگوں کے مزاروں اور حضرت خلد مکاں کے قبر کی زیارت کرکے اپنے قلعوں کو واپس ہو گیا۔ اب ہم راجہ ساہو کا تذکرہ ملتوی کرتے ہیں، اور اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اعظم شاہ کا کوچ

جب محمد اعظم شاہ نربدا کو عبور کرکے گوالیار پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد عظیم ایک بڑا لشکر لے کر اکبر آباد

پہنچ گئے ہیں۔ یہاں اس نے اپنی فوج کی تنظیم کی اور اپنی بڑی بہن زیب النساء بیگم کو اور مرحوم بادشاہ کے حرم کی خواتین وغیرہ کو قلعہ میں چھوڑ دیا اور تمام غیر ضروری سامان خزانہ جواہرات بھی وہیں رکھوا دیئے۔ ہمراہی امیروں کے خاندان بھی قلعہ میں رہ گئے۔ گوالیار کی حفاظت پر امیرالامراء اسد خاں اور عنایت اللہ خاں وغیرہ مامور ہوئے اس بندوبست کے بعد اس نے اپنے حرم کی چند عورتوں کو ساتھ لیا اور جواہرات واشرفیوں کی ایک مقدار بھی ہمراہ رکھ لی۔ گوالیار میں اس نے فوج کے مطالبات میں کچھ رقم ادا کی اور فوج کی ترتیب مقرر کر دی۔ شاہزادہ بیدار بخت کو ہراول پر مقرر کیا اور بیدار بخت کے ہراول پر ذوالفقار خاں، خان زماں حیدرآبادی کے بیٹے خان عالم اور منور خاں، راؤ دلپت بندیلہ، رام سنگھ ہارہ اور دوسرے بہادر اور افغان جمعیت مقرر کر دی گئی۔ شاہزادہ کے ساتھ نامور امراء کی ایک جماعت تھی۔ جیسے مرزا صدرالدین محمد خاں، تربیت خاں، امانت اللہ خاں، مطلب خاں، صلابت خاں، عرف سلطان نذر، عاقل خاں عرف شیخ سلطان صفوی خاں بخشی، جو ولایت (ایران) سے نیا نیا آیا تھا۔ سید شجاعت خاں، ابراہیم بیگ تبریزی، عثمان خاں وغیرہ تھے، تورانیوں، افغانیوں، راجپوتوں کی فوجیں ہمراہ تھیں، جن کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔ غرض پچیس ہزار کا لشکر شجاعت و بہادری کے گھمنڈ میں اکبرآباد کی طرف روانہ ہوا۔

کہتے ہیں اگرچہ محمد اعظم شاہ کے پاس کوئی پچاس ہزار سوار جمع ہو گئے تھے مگر وہ خزانہ کی کمی کی وجہ سے فوج کو روپیہ دینے سے ہاتھ روکے ہوئے تھا اور فراخ شاہ عالم کی زرپاشی اور گنج بخشی کے بڑے چرچے ہو رہے تھے اس لئے بہت سے تمن دار (قبائلی سردار) اور ... جی اعظم شاہ کا ساتھ چھوڑ کر شاہزادہ محمد عظیم اور شاہ عالم کے پاس چلے گئے۔

شاہ عالم کا خط اعظم شاہ کے نام

بیان کرتے ہیں جب محمد اعظم شاہ کے گوالیار پہنچنے کی خبر شاہ عالم کو ملی تو اس نے بھائی کے

نام نصیحت آمیز خط لکھنے کی ہدایت کی کہ والد محترم نے خط خاص سے ملک کی تقسیم کے سلسلہ میں وصیت نامہ لکھ دیا تھا۔ دکن کے چھ صوبوں میں سے چار صوبے بشمول صوبہ احمد آباد تم کو دیدیا تھا۔ ان کے علاوہ میں تم کو ایک دو صوبے اور بھی دیدیتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کی خوں ریزی ہو۔ اسلام پر ایمان رکھنے والوں کا اعتقاد یہی ہے کہ ایک مسلمان کے خون کے کفارہ میں جو ناحق بہایا گیا ہو اگر ایک ملک کا خراج بھی دیدیا جائے تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تم کو چاہیے کہ والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق اللہ نے جو کچھ عطا کر دیا۔ اس پر راضی ہو جاؤ اور فتنہ و فساد کے رفع کرنے کی کوشش کرو" یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ عالم نے محمد اعظم شاہ کو پیغام دیا تھا کہ اگر تم بے انصافی اور زیادہ طلبی سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے اور والد مرحوم کی وصیت پر جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ کر گئے ہیں۔ راضی نہیں ہو اور اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے پر تل گئے ہو تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ اس فانی سلطنت پر ہمارے باہمی تنازعہ میں ایک مخلوق ماری جائے۔ بہتر یہ ہے کہ تنہا ہم اور تم مقررہ مقام پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں۔ بقا

" بہ بینیم کز ما بلندی کراست "

خود ہی فیصلہ ہو جائے گا کہ اللہ کی اعانت کس کے ساتھ ہے۔ چونکہ تم اپنی تلوار کے آگے کسی اور کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے ہو اس لئے اس لڑائی میں تو تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کی مدد جس کے بھی ساتھ ہو جائے۔

شاہ عالم کی صلح پسندی

اگرچہ ظاہر بین معترضین کے نزدیک شاہ عالم کی طرف سے اس پیغام کے بھیجنے کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ شاہ عالم قتال و جدال سے ہمیشہ پہلو بچاتا تھا اور اس کے برخلاف محمد اعظم شاہ کی بہادری اور دلیری مسلم تھی۔ مگر یہ بات ایک بے تعصب اور بے غرض ثقہ راوی سے سننے میں آئی۔ وہ اس شخص کا رفیق تھا جس نے یہ پیغام اعظم شاہ کے پاس پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور جماعت بھی اسی بات کو بیان کرتی ہے

لوگ عرصہ تک دونوں بھائیوں کے محرم اور رفیق رہ چکے ہیں۔ ان کا بیان محتاط اور مبنی برانصاف ہے کہ شاہ عالم اگرچہ محمد اعظم شاہ کی تیز دستی اور اس کی دلیری وبہادری کی شہرت کے سبب حتی المقدور جنگ میں پیش قدمی نہیں کرنا چاہتا تھا اور مسلمانوں کی خون ریزی پر راضی نہیں تھا۔ مگر جب مقابلہ ہوا اور جنگ لڑی پڑی تو اس کی ثابت قدمی اور حوصلہ مندی میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر اس کی بزدلی اس کی شجاعت پر غالب ہوتی اور وہ مسلمانوں کے خونِ ناحق کو بہانے کی طرف مائل ہوتا تو تخت نشینی کے بعد وہ اپنے آباؤ اجداد کے رویہ کے برخلاف وارثان سلطنت اور مدعیان ملک کو اس طرح آزادی اور خود مختاری کے ساتھ اپنے ہمراہ نہیں رہنے دیتا۔ اس دوران میں شاہ عالم کے مقرب مصاحب لشکر کی کثرت اور خزانہ کی فراہمی پر جب بھی مغرورانہ باتیں کرنے لگتے تو شاہ عالم ان کو ٹوک دیتا تھا اور کہا کرتا تھا لشکر خزانہ اور شجاعت پر تکیہ کرنا دین داری کے خلاف ہے۔ کیونکہ سب کچھ بادشاہ حقیقی خداوند تعالیٰ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔

مرا در ارسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی

کبھی کبھی اس کی زبان سے یہ بھی نکل جاتا تھا کہ ہمارے بھائی کو اپنی شجاعت ودلیری پر اتنا غرہ ہے کہ شاید وہ جلد بازی کے سبب پہلے ہی حملہ میں خود کو کسی ہلاکت میں مبتلا کردے اور محض اس غرور کے سبب وہ بس سلطنت کی آرزو ہی آرزو میں اس دنیا سے رخصت ہوجائے۔

اعظم شاہ کا جواب بہرحال جب بڑے بھائی کا خط اور پیغام محمد اعظم شاہ کو ملا تو اس نے بگڑ کر کہا کہ ۔ اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی ہے کیا اس نے گلستان نہیں پڑھی کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔

" دو بادشاہ در اقلیمی نہ گنجند و دہ درویش در گلیمی بخسپند "

(دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے اور دس درویش ایک کمبل میں سوجاتے

ہیں) ۔ بھلا ایک نیام میں دو تلواریں کس طرح رہ سکتی ہیں ۔ پھر اس نے اپنی آستینیں چڑھالیں اور یہ شعر پڑھا ۔

چو فردا برآید بلند آفتاب
من و گرز و میدان و افراسیاب

(جب کل آفتاب طلوع ہوگا تو میں ہوں گا گرز ہوگا ۔ میدان ہوگا اور افراسیاب ہوگا۔)

جاجو کا میدانِ جنگ

شاہ عالم اور اعظم شاہ کی فوجوں میں خونریز لڑائی

بہادر شاہ کی فوج بندی

بہادر شاہ کے جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ محمد اعظم شاہ کے ہراول نے کوچ کر دیا ہے اور وہ دریائے چنبل کو جو اکبر آباد سے اٹھارہ کوس پر ہے عبور کر رہے ہیں۔ بہادر شاہ (شاہ عالم) نے حکم دیا کہ خانہ زاد خاں اور توپ خانہ کا داروغہ صف شکن خاں چند بہادروں اور آغر خاں کے قراول کے ساتھ جائیں اور گھاٹ پر قبضہ کر کے دشمن کو دریا عبور کرنے نہ دیں۔ اسی اثناء میں دوسری اطلاع ملی کہ محمد اعظم شاہ چاہتا ہے کہ سوگڈھ سے گذر کر اکبر آباد کو پشت پر چھوڑ دے اور مقابلہ پر آ جائے۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ ہمارا پیش خانہ سرائے جاجو پر لگا دیا جائے۔ رستم دل خاں کو دو تین نامی گرامی امیروں اور توپ خانہ کے بڑے عملہ کے ساتھ اس طرف مامور کیا آغر خاں کو قراولی پر مامور کیا کہ وہ دشمن کی فوج کی خبر مسلسل پہنچاتا رہے۔ اس انتظام کے بعد شاہ عالم شکار کے لئے سوار ہو گیا اور شاہزادہ محمد عظیم کو پیغام دیا کہ وہ اپنے لشکر کو تیار رکھے اور دشمن سے باخبر رہے خان زماں کو حکم دیا کہ وہ فوج بندی کر کے محمد عظیم کی کمک پر موجود رہے۔ اس طرح شاہ عالم نے تینوں شاہزادوں کو امراء کے ساتھ مستعد رہنے کے احکام دیئے اس کے

ساتھ حسب ذیل امرا تھے ۔ جنتہ خاں بہادر فتح جنگ، حسن علی خاں اور حسین علی خاں کے ساتھ اس کے بھائی اور دوسرے بہادر سادات بارہہ تھے ۔ بہادر علی خاں، الہ وردی خاں، بہرہ خاں، تہور خاں، رستم دل خاں، سادات خاں، سیف خاں، شجاعت خاں، سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں، مہا صود خاں، فتح محمد خاں، جاں نثار خاں، آتش خاں، راجہ رام سنگھ کا پوتا راجہ جے سنگھ مہاراجہ انوپ سنگھ، باز خاں، افغان تھے۔ ان کے جلو میں ایران اور توران کے بہادر پٹھان اور راجپوت جمیعت تھی ۔ شاہ عالم نے میمنہ میسرہ اور قلتمش کی فوجوں کو از سر نو مرتب کیا ۔

اعظم شاہ کی صف آرائی

دوسری طرف سے محمد اعظم شاہ نے اپنی فوج کو آراستہ کیا، مگر اپنی بہادری کے گھمنڈ میں اپنا مست تھا کہ بھائی کی فوج کی کثرت کو تو خاطر میں لاتا نہیں رہا تھا مگر تدبیر جنگ اور منصوبہ بندی پر بھی نگاہ نہیں تھی ۔ بس جیسے شیر بھیڑوں کے منڈے پر جا پڑتا ہے ۔ شاہ عالم کی فوج کی طرف بڑھا ۔ اس کے ایک طرف شاہزادہ محمد بیدار بخت تھا جس کے ہراول میں ذوالفقار خاں ، بہادر نصرت جنگ، جان عالم اور منور خاں تھے جو دکن کے بڑے بہادر اور جنگجو مشہور تھے ان کے علاوہ امان اللہ خاں ، مرزا بندہ خاں ، راؤ دلپت بندیلہ، رام سنگھ ہاڑا، رتن راٹھور کا بیٹا ستر سال، مصطفیٰ قلی بیگ رنگنہ کا بیٹا مرشد قلی خاں تھا جو قدیم الخدمت ملازموں میں سے تھا اس کا خطاب بادشاہ قلی خاں تھا اور توپ خانہ کی داروغگی پر مامور تھا اس کو توپ خانہ کے ساتھ اور دوسرے جنگجو نام آور افسروں کے ساتھ مقرر کیا گیا ۔ بائیں طرف شاہزادہ محمد والا جاہ تھا ۔ اس کے ساتھ ہراول سالار ۔ ۔ ۔ دی خاں کا پوتا امان اللہ خاں ، عبد اللہ خاں عرف امان اللہ خان بیگ ترکمان، حسن بیگ والا شاہی اور کارگزار افسروں کی جمیعت تھی ۔ دوسری جانب شاہزادہ والا تبار کے ساتھ سلیمان خاں پنی، شمشیر خاں کے بیٹے عمر خان اور عثمان خاں اور عبد اللہ خاں ، صلابت خاں ، عاقل خاں ، حمید الدین خاں امیر خاں، مطلب خاں ، مرزا صدر الدین محمد خاں صفوی اور صفوی خاں کہ یہ دونوں ایران کے شاہی خاندان کے فرد تھے ان کے علاوہ ایران کے اور بھی بہادر تھے پٹھان اور

راجپوتوں کی بھی جمعیت تھی۔

اعظم شاہ کا دلیرانہ اقدام

محمد اعظم شاہ اپنی فوج کو لے کر بڑھا تو تیز روی کے سبب اس کی تنظیم و ترتیب باقی نہیں رہی تھی تاہم اس کی فوج نے اچانک شاہ عالم کے پیش خانہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شاہ عالم کی فوج بے خبر اور غافل تھی۔ رستم علی خاں اور ایک جمعیت پیش خانہ کے ہمراہ تھی اس نے توپ خانہ کے آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر اعظم شاہ کے ہراول کا مقابلہ کیا مگر چند آدمیوں کے گرتے ہی رستم علی خاں اور اس کے ساتھی پسپا ہو گئے۔ اس حملہ میں شاہ عالم کا پیش خانہ توپ خانہ اور رسد وغیرہ تباہ و تاراج ہو گئے۔ حملہ آوروں نے خیمہ کو آگ لگا دی اور جو ہاتھ لگا لوٹ لیا۔ توپ خانہ کے داروغہ کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ اسے جب محمد اعظم شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دریافت کیا " تو کون ہے؟" اس نے عرض کیا " میں توپ خانہ کا داروغہ تھا اور سید ہوں " اعظم شاہ نے کہا " اسے چھوڑ دو"

شاہزادہ محمد عظیم طلایہ گردی کے لئے سوار ہو کر نکلا تھا مگر اس کو اس حملہ کی کوئی خبر نہیں تھی جیسے ہی اسے معلوم ہوا وہ اپنی بھاری فوج لے کر پہنچ گیا اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے شاہ عالم کی فوجیں موج در موج اعظم شاہ کے ہراول کے مقابلہ دم بہ دم پہنچ گئیں۔ مگر اس خبر کے پھیل جانے سے لشکر میں بڑی افراتفری پھیل گئی تھی۔ اس وقت ذوالفقار خاں اور دوسرے مقربوں نے اعظم شاہ سے عرض کیا کہ " خیرخواہانہ مشورہ یہی ہے کہ آج کی فتح پر شادیانہ بجانے کا حکم ہو اور اب حضور اسی جگہ خیمہ لگا دیں اور مقابلہ کو کل پر ملتوی کر دیں آج کی فتح اور غلبہ کی شہرت اور اس ہیبت سے کہ اصل مقابلہ کل ہونے والا ہے۔ دشمن کے لشکر میں بڑی افراتفری مچے گی اور ادھر کے بہت سے نامور سردار ہماری فوج سے آکر مل جائیں گے۔ اور ایک بڑی تعداد بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوگی " اس مشورہ پر اعظم شاہ برہم ہو گیا اور کہا " یہ زنانہ پن ہے " پھر اس نے مشورہ دینے والوں کو خوب پھٹکارا۔ اس وقت محمد اعظم شاہ کی فوج کا بڑا حصہ لوٹ مار اور غارت گری میں مشغول ہو گیا تھا۔ اعظم شاہ نے سخت گیر سزاول و فوجی پولیس) مقرر کئے تاکید

و تہدید کی اور ہراول کو اور اپنی فوج کو غارت گری سے روک لیا۔

گرمی کا رزار

۱۸ ربیع الاول سن ایک ہزار ایک سو انیس ۱۱۱۹ ہجری مطابق اُنتیس خورداد کو جب کہ گرمی اور حدت سے آسمان اور زمین لوہار کی بھٹی کی طرح دہک رہے تھے۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ اکبر آباد سے سات آٹھ کوس پر جاجو کے میدان میں ہوا۔

رقم سنج شہنامۂ زر نگار — چنیں کرد تحریر آں کار زار
کہ چوں شد مقابل بہم ہر دو فوج — طپش زد دو لہا چو در بحر موج

پہلا مقابلہ اعظم شاہ کے ہراول اور شہزادہ محمد عظیم کے ہراول میں ہوا۔ محمد عظیم کے ہراول میں اس کا ماموں راجہ بہادر اور محمد رفیع خراسانی جو بعد میں سربلند خاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور بازخاں اور دوسرے تجربہ کار اور بہادر افسر تھے۔ دونوں طرف سے توپیں سر ہو رہی تھیں۔ آتشیں بان چھوڑے جا رہے تھے نقاروں اور بگل کی وحشت ناک آوازوں سے میدان دہل رہا تھا جنگجو دلاور دلیرانہ بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ مست جنگی ہاتھی پہاڑ کے پہاڑ دو من تین من کی زنجیروں کو لٹکائے جھومتے جھامتے بڑھ رہے تھے۔ زنجیروں کی مار میں جو بھی آجاتا۔ ایسا کرتا کہ اٹھ دپاتا، بس جدھر یہ ہاتھی نکل جاتے، قیامت بچ جاتی ؎

چو گشت از دو سو لشکر آراستہ — جہانی بہ پرخاش برخاستہ
دبادہ برآمد ز ہر پہلوی — چکاچاک برخاست از ہر سوی
ز بس خون کہ از کشتگاں شد رواں — محیط بلا گشت ہندوستاں
لبو سر کہ بے تن خمار تیغ تیز — ز دست نبرد و نہ پائی گریز

شاہزادہ محمد عظیم نرغہ میں

جب اعظم شاہ کے ہراول کی اگلی صف آگے بڑھی تو داؤد دلپت بندیلہ اور راجہ رام سنگھ ہاڑا جو بڑے شیر دل اور جنگجو تھے چند دوسرے دلیر ساتھیوں کے ساتھ گولہ باری اور تیر اندازی کی زد میں آکر ختم ہو گئے اور شاہ عالم کی فوج میں بازخاں کام آ گیا۔ اب جنگ کی آگ

تیزی سے بھڑک اٹھی یہاں تک کہ دکن کے صف شکن اور دلیر افسر خان عالم اور منور خاں دواں کے میدانوں میں جن کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ نعرہ لگاتے اپنے ہاتھیوں کو بڑھا کر محمد عظیم کے ہاتھی کے آگے لے آئے اور منور خاں نے رستانہ حملہ کرکے بڑی بے باکی سے شاہزادہ پر نیزہ پھینک مارا مگر محمد عظیم بڑی پھرتی سے اس وار کو بچا گیا اور نیزہ محمد عظیم کے ردیف جلال خاں قراول کو جا کر لگا۔ محمد عظیم نے چلہ چڑھا کر ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر حملہ آور حریف کے سینہ کو توڑتا ہوا نکل گیا اور اسی وقت اس کا کام تمام ہوگیا ایک روایت کے مطابق وہ کسی دوسرے شخص کے تیر سے مارا گیا۔ خان عالم نے جو دیکھا کہ اس کا بھائی مارا گیا تو اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ پرنم آنکھوں کے ساتھ آب دار نیزہ لیا اور شہزادہ کے ہاتھی پر ٹوٹ پڑا جلال خاں نے بندوق سر کی اور اس کی گولی کھا کر خان عالم بھی وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ اسی اثناء میں شہزادہ رفیع القدر بہادر دل کی ایک کثیر جمعیت لے کر محمد عظیم کی مدد کو پہنچ گیا اس کے ساتھ ہی محمد معز الدین حسین علی خاں بارہہ اور سعد اللہ خاں کے پوتے عنایت خاں کے ہمراہ کمک لے آیا۔

شہزادہ بیدار بخت کی ہلاکت

شاہزادہ بیدار بخت نے بھی اپنا ہاتھی دشمن کی صفوں میں گھسا دیا اور بڑی بہادری سے حملے کرکے دشمن کو بُری طرح تنگ کر دیا۔ اس وقت حسن علی خاں اور حسین علی خاں اپنے بارہہ بھائیوں کے ساتھ ہاتھی سے کود کر پیادہ پا لڑنے لگ گئے ان کے خالہ کے لڑکے اور بھانجے رستم علی خاں، نور الدین خاں اور حفیظ اللہ خاں وغیرہ پانچ نوجوانوں نے جان نثاری کا حق ادا کر دیا۔ خان زماں اور اس کا بڑا بیٹا دونوں کو گولہ اور تیر کے شدید زخم لگے۔ دوسری طرف شہزادہ بیدار بخت جو بُری طرح دشمنوں میں گھر گیا تھا اور اس کے جاں نثار پروانہ وار ختم ہو چکے تھے۔ پے درپے گولیوں کے لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔ جب بیدار بخت کے مارے جانے کی خبر محمد اعظم شاہ کو ملی تو اس نے ایک دل دوز آہ کھینچی اور مست ہاتھی کی طرح پھنکارے بھرتا دشمن پر ٹوٹ پڑا جدھر بھی وہ مردانہ وار نکل جاتا صف کی صف اُلٹ جاتی گھوڑوں کی پشت ننگی ہو جاتی اور ہاتھیوں کے ہودج خالی ہو جاتے جو موت کا مارا بھی اس

کی زد پر آجاتا وہ اس کے دل دوز تیر کھا کر بس چپ چاپ مرجاتا ہے

زبہر تیر کز شست پرداز کرد | تنے را ز پیوند جاں باز کرد
در افگند خود را دراں کارزار | چو شیری کہ گورا فگند در شکار
برآمد خروشی دہ و دار و گیر | چو باراں بہاریدہ شد تیغ و تبر
گراں جنگ رستم بدیدی بخواب | شدی از نہیبش دل در بہ آب

غرض تیموری خاندان کے اس شہزادہ نے میدان کارزار میں ایسی بہادری دکھائی کہ رستم کی بہادری کے افسانے بھی پھیکے پڑ گئے۔ جس وقت اعظم شاہ مردانہ وار حملے کر رہا تھا۔ ابراہیم بیگ تبریزی جو بڑا مشہور اور جنگجو افسر تھا، گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور عرض کیا ۔ حضور اب اپنے اس شیر کی جاں نثاری بھی ملاحظہ فرمائیں " یہ کہہ کر گھوڑے سے اترا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا اور بہادری سے لڑتے ہوئے جان دیدی۔

شہزادہ والا جاہ کی لاش

اسی لڑائی میں جب کہ گرد و غبار اور بارود کے دھوئیں سے فضا تاریک ہو رہی تھی اور کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی ۔ بیدار بخت کے چھوٹے بھائی والا جاہ کو زنبورک (بندوق) کی گولی لگی ۔ اسی وقت والا جاہ کے ہاتھی کا فیل بان مسلسل زخموں کے لگنے سے گر گیا تھا گولی کھاتے ہی والا جاہ نے دم توڑ دیا ایک دوسری گولی ہاتھی کی عماری میں گھس گئی اور اس کی ضرب سے والا جاہ کی بیوی بھی جاں بحق ہو گئی ۔ اس قیامت کے ہنگامہ میں کہ آتشیں بانوں کی سنسناہٹ اور گولہ باری کے دھماکوں سے میدان جنگ دہل رہا تھا ۔ بے مہاوت کا یہ ہاتھی شہزادہ اور اس کی بیوی کی لاشوں کو لے ادھر سے اُدھر سراسیمہ وار پھر رہا تھا ۔ ایک روایت کے مطابق ہاتھی لشکر سے نکل کر اکبر آباد کے راستہ پر نکل گیا اور دونوں لشکروں میں سے کسی کو اس کا علم ہوا نہ کسی نے ہاتھی کو روکا ۔ اعظم شاہ نے شہزادہ کی خبر لینے کے لئے آدمی بھی دوڑائے ۔ مگر اس ہنگامہ میں کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

ادھر ادھر کے تھپیڑے

شاہ عالم کی رکاب کے امیروں اور افسروں نے جن میں خان زماں اپنے بیٹوں کے ساتھ تھا سادات بارہہ کے

بہادر نوجوان تھے حامد خاں اور سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں، جاں نثار خاں، لطف اللہ خاں پانی پتی قلیچ خاں ان کے علاوہ شاہزادہ محمد عظیم کے ہمراہی بہادر تھے چیش قدمی کی اور محمد اعظم شاہ کو حلقہ وار چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عین اس وقت جب کہ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ قبلہ کی سمت سے سخت آندھی اٹھی۔ جدھر سے آندھی چل رہی تھی ادھر شاہ عالم کے لشکر کی پشت تھی اور محمد اعظم شاہ کی فوج کا سامنا بادتند کے اس رخ سے شاہ عالم کو بڑی مدد ملی چنانچہ جو تیر بھی ادھر سے چھوڑا جاتا ہوا کے رخ اس کی قوت اور رفتار اتنی تیز ہو جاتی کہ زرہ بکتر کو توڑتا ہوا نکل جاتا۔ پھر ریت کے ذرے تھے جو اعظم شاہ کے سپاہیوں کے چہرے پر چھرّوں کی طرح جا کر لگ رہے تھے یہ طوفان اس وقت عاد و ثمود کا طوفان بنا ہوا تھا۔ اعظم شاہ کے لشکر سے مسلسل گولے چھوڑے جا رہے تھے۔ وہ ہوا کے دباؤ کی وجہ سے درمیان ہی میں رہ جاتے تھے شاہ عالم کی فوج تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔

اعظم شاہ خطرہ میں

بیان کرتے ہیں اس وقت تربیت خاں نے اعظم شاہ کی طرف سے شہزادہ عظیم الشان پر دو بندوقیں سر کیں مگر دونوں نشانے خطا ہو گئے اور اسی وقت بندوق کی ایک گولی اس کے سینہ میں دھنس گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک ہوائی تیر اس کے منہ پر آکر لگا اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔

بہر حال اس گرد و غبار اور آندھی میں اعظم شاہ کے لشکر پر دنیا تاریک ہو گئی تھی ؎

زگردی کہ برخاست در رزم گاہ
جہاں گشت در چشم مردم سیاہ
چناں گوئے گم شد دراں گرد مہر
کہ می جست باصد چراغش سپہر

اعظم شاہ کا لشکر بڑی مشکل میں پھنسا ہوا تھا مگر اعظم شاہ نے چغتائی خاندان

کے شہزادوں کی روایات کو برقرار رکھا اور اپنی بہادری و شجاعت کا سکہ جما دیا بلکہ اس کی دلیری اور شجاعت کی تاب نہ لا کر دشمن کی فوج کا ایک بڑا حصہ پسپا بھی ہونے لگا تھا اس معرکہ میں لطف اللہ خاں کا بیٹا اور سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں۔ بہلطان خاں تہور خاں اور سادات بارہہ کے چند نامی بہادر شاہ عالم کے لشکر کے کوئی چودہ پندرہ سردار کام آگئے۔ اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی۔ اعظم شاہ کے لشکر سے مارے جانے والوں میں تربیت خاں تھا جو طویل عرصہ سے توپ خانہ کا داروغہ تھا خلد مکاں مرحوم کی وفات کے بعد انہی دنوں اس کا عہدہ تبدیل ہو گیا تھا۔ صفوی خاں بخشی جو ایران کا نوواردتھا، مرشد قلی خاں جو انہی دنوں توپ خانہ کا داروغہ مقرر ہوا تھا، کوکلتاش خاں عرف میر بدو کہ اس نے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے اور یوسف خاں بلوچی شامل تھے۔ یوسف خاں بلوچی تو شاہزادہ محمد عظیم کے ہاتھی تک پہنچ گیا تھا اور کئی سواروں کو مار گرایا تھا۔ مگر بیش زخم اٹھانے کے بعد وہ بھی گر گیا۔ ان کے علاوہ مست علی خاں، شجاعت خاں، اشرف خاں، شریف خاں شیخ ابوالمکارم کا نواسہ ضیاء اللہ خاں عثمان خاں اور پٹھان سردار کوئی بادوش نامی گرامی نیل سوار سردار مارے گئے۔ زخمی ہونے والوں میں خدا بندہ خاں تھا جو خلد مکاں کے زمانہ میں خانساماں تھا۔ عبدالمطلب خاں نے بھی کاری زخم کھائے تھے یہ لوگ اگرچہ اس معرکہ سے جان بچالے گئے مگر شاہ عالم کی ملازمت میں جانے کے بعد انہی زخموں سے فوت ہوئے۔ مرزا صدر الدین محمد خاں بخشی، محمد خاں ظفر علی خاں بھی ایک جمعیت کے ساتھ زخمی ہوئے تھے۔

اعظم شاہ کی ثابت قدمی

ذوالفقار خاں کے سبب پر بھی ایسا زخم لگا تھا کہ دہانہ بدنما ہو گیا تھا جب ذوالفقار خاں نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل گیا اور بہادر ہمراہیوں کی ایک بڑی تعداد ختم ہو چکی ہے اور محمد اعظم شاہ پر ایسا تنگ وقت آ گیا ہے کہ اس کے بچنے کی امید نہیں رہی وہ محمد اعظم شاہ کے پاس پہنچا اور کہا "یہ ماجرا آپ کے آباؤ اجداد پر بھی گذر چکا ہے ایسے وقت وہ تنہا لشکر سے نکل گئے اور وقت کے تقاضا کو ملحوظ رکھا اس وقت بہتر یہی ہے کہ میدان جنگ سے نکل کر آپ

ایسی جگہ چلے چلیں کہ پھر قسمت ساتھ دے تو وہاں سے اس کی تلافی و تدارک کا بندوبست کیا جا سکے " محمد اعظم شاہ یہ سن کر بگڑ گیا اور جواب دیا " بہادر جی! تم اپنی جان بچا کر جہاں جانا چاہو چلے جاؤ ہمارے قدم اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے، بادشاہوں کے لئے یا تو تخت ہے یا تختہ ان کے درمیان کچھ اور نہیں ۔ کچھ دیر بعد ذو الفقار خاں گوالیار کی طرف فرار ہو گیا اور حمید الدین خاں بھی اس کے ساتھ نکل گیا۔

ہائے محمد اعظم

اعظم شاہ کے اطراف دو سو تین سو سوار سے زائد فوج نہیں رہی تھی وہ دشمن کی ہزار دو ہزار فوج کے درمیان گولہ باری اور تیر دل کی زد میں خود کو پا رہا تھا ۔ چیخ کر کہا " شاہ عالم مجھ سے جنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ میرا خدا اور میرا نصیبہ مجھ سے برگشتہ ہو گیا ہے " ہاتھی کی عماری میں کم عمر شہزادہ عالی تبار کو بٹھا رکھا تھا اور اسے تیروں اور گولوں سے بچا رہا تھا ۔ کم سن شاہزادہ باوجود نو عمری کے بار بار مقابلہ پر آنے کے لئے اصرار کر رہا تھا گر اعظم شاہ نے اسے روک رکھا تھا ۔ محمد اعظم شاہ کے ہاتھی کے دو تین فیل بان گولہ باری میں کام آ چکے تھے ہاتھی بھی بری طرح زخمی ہو چکا تھا اور بے چین ہو رہا تھا ۔ محمد اعظم شاہ کو بھی سخت زخم آئے تھے اور بس وہ سفر آخرت کے لئے پا برکاب ہو چکا تھا مگر غیرت و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ ہاتھی کو سنبھالنے اور اسے دشمن کی طرف بڑھانے کے لئے عماری سے نکلنا چاہا مگر کمزوری سے اُتر نہ سکا ۔ عین اس وقت ایک تیر اس کی پیشانی پر آ کر لگا اور اس کی عمر کا آفتاب غروب ہو گیا رستم علی خاں اس کے ہاتھی کے قریب پہنچ چکا تھا وہ ہاتھی پر چڑھ گیا اور اعظم شاہ کا سر کاٹ کر اپنے دامن میں چھپا لیا اور شاہ عالم کے حضور میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا شاہ عالم کے لشکر میں فتح کا شادیانہ بجنے لگا ۔ محمد اعظم شاہ کی ہلاکت کی تاریخ " ہائے محمد اعظم " سے نکالی گئی ہے ۔

جہاں و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق

اعظم شاہ کا سر

نامرد کتا رستم علی خاں محمد اعظم شاہ کے سر کو لے کر بہادر شاہ (شاہ عالم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور دامن کے نیچے سے سر

نکال کر پہلے اس نے اپنے ناپاک دانتوں سے اعظم شاہ کے خون آلود رخسار کو بڑے جوش و غضب کے ساتھ کاٹ لیا پھر اسے شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا اور مبارک باد کے ساتھ تسلیمات بجا لایا۔ شاہ عالم نے جب اس سنگ سرشت وحشی کو بھائی کے رخسار اس طرح کاٹتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہو گیا کڑی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اب چاروں شہزادے خان خاناں مع بیٹوں اور دوسرے امیروں کے پہنچے اور ہاتھ کے اشارہ اور زبان سے فتح کی مبارک باد دینے لگے۔ اعظم شاہ کے بیٹوں شاہزادہ عالی تبار، بیدار دل، سعید بخت کو دوسرے امیروں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اعظم شاہ کا سارا لاؤ لشکر تباہ و تاراج ہو گیا صرف وہ جواہرات اور اشرفیاں رہ گئیں جو محمد اعظم شاہ کے ہاتھی کی عماری میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کا خیمہ، ہاتھی، توپ خانہ اور دوسرا ساز و سامان ضبط کر لیا گیا۔

خان خاناں کی عزت افزائی

شاہ عالم کے لئے ایک مختصر خیمہ لگا دیا گیا۔ شاہ عالم نے شکرانہ کی نماز پڑھی اور محمد اعظم شاہ کے بیٹے عالی تبار اور محمد بیدار بخت کے بیٹوں بیدار دل وغیرہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آئے تو ان کو گلے سے لگا کر پدرانہ شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور جان کی امان دی اور فرزندوں کی طرح ان کی تربیت و پرورش کے احکام دیئے اور ان پر بے حد عنایات کیں۔ اعظم شاہ کی عورتوں کو بھی تسلی دلاسا اور پرسے کے پیغام بھجوائے۔ خان خاناں کو بڑی محبت سے گلے لگا کر کہا "جو کچھ میں نے پایا وہ صرف تمہاری جانفشانی اور کوشش سے پایا۔" حکم صادر کیا کہ محمد اعظم شاہ، بیدار بخت اور والاجاہ کی لاشوں کو غسل و کفن دے کے ہمایوں بادشاہ کے روضہ کے قریب دفن کر دیں۔

دوسرے دن شاہ عالم خان خاناں کی عیادت کے لئے گیا اور اسے "خان خاناں بہادر ظفر جنگ یار وفادار" کا خطاب مرحمت فرمایا اور ایک کروڑ روپیہ نقد و جنس کی صورت میں انعام دیئے۔ ایسا بھاری انعام تیموری خاندان میں آغاز سے اب تک کسی بادشاہ نے کسی امیر کو نہیں دیا تھا۔ سات ہزاری سات ہزار سوار اور پانچ ہزار دو اسپہ

سہ اسپہ کا منصب مع ۔ وکرو‌ڑ دام انعام کے عطا کیا اور وزارت کے عہدہ پر مستقلاً مامور کر دیا ۔ خان خاناں نے دس لاکھ روپیہ کا نذرانہ پیش کیا ۔ بہادر شاہ نے صرف ایک لاکھ روپے کے تحفے اور نقدی قبول کی ۔ خان خاناں کے بڑے بیٹے نعیم خاں کو خان زماں بہادر کا خطاب عطا کیا اور ترقی دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب بنا دیا اور "بخشی سوم" کی خلعت مرحمت فرمائی ۔ اس کے چھوٹے بیٹے کو خانہ زاد خان بہادر کا خطاب چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا ۔

انعامات و خطابات

چاروں شاہزادوں کے لئے تیس تیس ہزاری اور بیس بیس ہزار سوار کے منصب مقرر کئے گئے ۔ بڑے بیٹے محمد معز الدین کو جہاں دار شاہ بہادر کا خطاب اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان بہادر خجستہ اختر کو جہاں شاہ بہادر کے خطابات دیئے اور چاروں کو حضور میں نوبت بجانے اور پالکی پر تخت رواں کی طرح سوار ہونے کے اعزاز عطا کئے ۔

ارسلان خاں کا شوہری بادشاہ کی حرم محترم کا بھانجہ تھا ۔ اسے بہادر شاہ نے چنتہ خاں فتح جنگ کا خطاب دیا اور سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب دیا دوسرے تمام قدیم الخدمت امرائے رکاب کو اور ان تمام بہادروں کو جنھوں نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں کئے تھے ۔ اضافہ ترقی ہاتھی جواہر اور نئے خطاب عطا ہوئے ان کی تفصیل کو قلم بند کرنا مشکل ہے ۔ تاہم جہاں جہاں ضرورت ہو گی ہم ان خطابوں کا ذکر کر دیں گے ۔

شہزادی زیب النسا کو صدمہ

جب بہادر شاہ کے فتح پانے اور محمد اعظم شاہ کے مارے جانے کی خبر گوالیار میں پہنچی تو ہر خیمہ میں نالہ وشیون ہونے لگا ۔ امیر الامراء اسد خاں نے محمد اعظم شاہ کی بڑی بہن کی خدمت میں جا کر پرسہ دیا اور حرم کی عورتوں کو تسلی دلاسہ دیا ۔ عنایت اللہ خاں کی مدد سے جو خزانہ کا داروغہ تھا ۔ خزانہ ، جواہر خانہ اور دوسرے سازو سامان پر مہر لگا دی اور

حضور میں جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی اثناء میں بہادر شاہ کا عنایت آمیز فرمان صادر ہوا جس میں امان دی گئی تھی اور امیر الامراء ذوالفقار خاں نصرت جنگ اور حمید الدین خاں کو جو گوالیار پہنچ گئے تھے محل کی عورتوں اور تمام کارخانہ جات کے ساتھ طلب کیا گیا تھا۔ امیر الامراء نواب قدسیہ زیب النساء بیگم کی رکاب میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ زیب النساء بیگم نے تعزیت کا لباس پہن لیا تھا۔ جب سب لوگ حضور میں پہنچ گئے تو زیب النساء بیگم نے بھائی کے ماتم میں مبارکباد کے مراسم ادا نہیں کئے۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گذری۔ تاہم ازراہ خلق اغماض سے کام لیا اور بیگم کے سالانہ وظیفہ کو دگنا کرکے پادشاہ بیگم کا خطاب عطا کیا۔ تعزیت وتہنیت کے بعد محمد اعظم شاہ کے محل کی تمام عورتوں کو ہر ایک کے مناسب حال ماتمی خلعت اور یومیہ خرچ عطا ہوا اور حکم دیا کہ سب کو بادشاہ بیگم کے ہمراہ دارالخلافہ روانہ کردیا جائے۔

امرائے شاہی کے اعزاز و مراتب

بہادر شاہ نے امیر الامراء اسد خاں کو نظام الملک آصف الدولہ کا خطاب عطا کیا اور وکیل مطلق کے عہدہ پر مامور کیا یہ عہدہ شاہان سلف کے زمانہ میں ہوتا تھا اور وزیر دیوان کا تقرر وتنزل اور دوسرے ارکین سلطنت کا عزل ونصب وکیل کے اختیار میں ہوتا تھا۔ بادشاہ نے اس کو چارقبا دار والی خلعت اطلاقی ونقرئی ساز کے پانچ گھوڑے مرصع پگڑی عطا کی اور حضور میں نوبت بجانے کا اعزاز بھی دیا۔ اگرچہ بعض حاسد مقربوں نے عرض بھی کیا کہ امیر الامراء محمد اعظم شاہ کا رفیق اور مددگار تھا مگر بادشاہ نے جواب میں فرمایا۔ اگر اس ہنگامہ میں ہمارے اپنے فرزند بھی دکن میں ہوتے تو ان کی بھی مصلحت یہی ہوتی کہ اپنے چچا کا ساتھ دیتے۔

ذوالفقار خاں کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب اور "صمصام الدولہ امیر الامراء بہادر نصرت جنگ" کا خطاب عطا کیا اور حسب سابق اسے میر بخشی گری کے عہدہ پر مامور کردیا۔ مرزا صدر الدین محمد خاں صفوی کو پانچ ہزاری پانچ ہزار

سوار کا منصب اور "حسام الدولہ مرزا شہنواز خاں صفوی" کا خطاب عطا ہوا اور تن بخشی کی خدمت پر اسے بحال کر دیا گیا۔ اکبر آباد کے معزول صوبہ دار مختار خاں ناظم کو بحال کر کے خانساماں کی خدمت پر بحال کر دیا اور اسے "خان عالم بہادر شاہی" کا خطاب ملا اور اسے حکم دیا کہ وہ صوبہ اکبر آباد پر اپنا نائب مقرر کر دے یہ حکم بھی صادر ہوا کہ شاہزادہ عظیم الشان نے اس کا جو مال و اسباب ضبط کر لیا تھا اسے واپس دیا جائے اور اس کو خلعت اور ہاتھی عطا کیا جائے۔ بہرحال تمام چھوٹے بڑے بادشاہی ملازم عنایات شاہانہ سے بہرہ مند ہوئے سب نے منصب جواہر اور ہاتھی حسب مراتب حاصل کئے۔

وزارت و وکالت کے عہدے

بہادر شاہ نے خان خاناں کو وزارت عطا کر دی تھی مگر امیر الامراء اسد خاں اور ذوالفقار خاں کی دلجوئی بھی پیش نظر تھی اسی لئے اسد خاں کو وکالت کا عہدہ دے کر وزارت میں شریک کر دیا تھا مگر یہ بات خان خاناں کو ناگوار گذری اور قدرتی طور پر اس نے آصف الدولہ (اسد خاں) کا اختیار وکالت عملاً نافذ ہونے نہیں دیا۔ جب آصف الدولہ اسد خاں نے اپنا اجلاس منعقد کیا تو حسب ضابطہ دوسرے امراء کی طرح خان خاناں کو بھی وکیل مطلق آصف الدولہ کے اجلاس پر مجرا دینے کے لئے حاضر ہونا پڑا اور کھڑے ہو کر کاغذات پیش کرنے پڑے۔ یہ حاضری بھی خان خاناں کے لئے دوبھر ہو گئی۔ پھر آصف الدولہ اس وقت عیش طلب اور آرام پسند ہو گیا تھا ویسے بھی عالمگیر بادشاہ کے عہد میں اسے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑا تھا اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان سب وجوہ سے یہ طے کیا گیا کہ دربار میں وکیل مطلق کی نیابت اس کا بیٹا صمصام الدولہ سرانجام دے اور آصف الدولہ، نواب بادشاہ بیگم (زیب النساء بیگم) کو ساتھ لے کر دارالخلافہ شاہجہاں آباد چلا جائے اور وہاں بلا کسی زحمت کے پیرانہ سالی کے دن آرام سے گذارے۔ اس انتظام کے بعد امور سلطنت میں آصف الدولہ کا کوئی عمل دخل نہیں رہا؛ مالی اور ملکی

پروانوں اور اسناد پر وزارت کی مہر کے بعد اس کی مہر ضرور لگتی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت بادشاہ عالمگیر کو آئندہ سے "خلد مکاں" لکھا جائے۔

خان خاناں کی خدمات

خان خاناں نے وزارت کی خدمت بڑی بے نفسی بے طمعی نیک نامی اور استقلال کے ساتھ انجام دی لوگوں کے کام نکالنے کا یہ اہتمام رہتا تھا کہ اجلاس کے وقت اہل دفتر پر سخت گیر مار وغیرہ مقرر رہتے تھے تاکہ کسی حاجت مند کا کاغذ دستخط سے رہ نہ جائے۔ خان خاناں نے ایک کام ایسا کیا جس کا بڑا ثواب اس کو ملے گا یہ کام منصب داروں کے ذمہ سے لشکر کے جانوروں کی خوراک کی تخفیف تھی۔ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں آختہ بیگی (داروغہ اصطبل) اور دوسرے متصدیوں نے جانوروں کے خرچ کی ذمہ داری منصب داروں پر ڈال دی تھی۔ جب منصب دار پر بھی جانوروں کی خوراک لازم ہو جاتی اسے وہ کسی طرح مہیا کرنے پر مجبور ہو جاتا حالانکہ منصب داروں کی اکثریت بڑی پریشان حال تھی۔ مدتوں سے ان کے بقایا چڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ مرحوم بادشاہ نے خود ایک تجویز میں لکھ دیا تھا "یک انار و صد بیمار" ان کی اکثریت روٹی روٹی کو محتاج ہو گئی تھی بڑی دوڑ دھوپ کے بعد جاگیر سے بہت معمولی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ جاگیریں بھی ویران ہی رہتی تھیں۔ پوری جاگیر کی آمدنی بھی وہ دیدیتے تو جانوروں کے خرچ کا نصف یا تہائی بھی ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لئے تو پھوٹی کوڑی بھی نہ بچتی۔ جب منصب دار یہ مطالبہ پورا نہ کر پاتے تو آختہ بیگی اور متصدی منصب دار کے وکیل کو جو دربار میں متعین رہتا تھا قید کر لیتے تھے اور بڑی سختی کر کے جانوروں کے خرچ کی رقم وصول کرتے تھے۔ مرحوم بادشاہ کی خدمت میں منصب داروں کے وکیلوں نے اس ظلم کے خلاف استغاثہ بھی کیا تھا۔ مگر مہمان خانے کے داروغہ اور آختہ بیگی نے معاملہ کو کچھ اس رنگ میں بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ ان کی فریاد خالی گئی۔ اس زبردستی کے ٹیکس سے ایک دنیا تنگ تھی، اور

وکیلوں نے تنگ آکر وکالت سے استعفے دیدیئے تھے۔ آخر شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں خان خاناں نے یہ طے کرایا کہ جب منصب داروں کو جاگیر دی جایا کرتے تو جانوروں کے خرچ کے مطابق اس کی جاگیر سے وضاعت کردی جائے اور بغیر جاگیر اس کی تنخواہ میں دیدی جائے اس قاعدہ کے نفاذ سے جانوروں کے خرچ کا بار منصب داروں کے سر سے اتر گیا بلکہ ایک طرح سے جانوروں کی خوراک کی معافی حاصل ہوگئی۔

خان خاناں کے مزاج پر تصوف کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور وہ علم سے کبھی بہرہ مند تھا اس نے علم سلوک اور تصوف میں ایک کتاب "الہامیہ" کے نام سے تالیف کی تھی جس میں متکلمین کے اعتقاد کے مطابق بعض مضامین حد شریعت سے تجاوز کر گئے تھے۔

کیا شاہ عالم سید تھا؟

بادشاہ نے حکم دیا کہ روپیہ اور اشرفی کا سکہ نظم میں نہ لگایا جائے۔ نثر میں "شاہ عالم بہادر شاہ" کا اور شہر کا نام ضرب کردیا جائے۔ خطبہ کے لئے حکم ہوا کہ "شاہ عالم" کے نام کے ساتھ "سید" کے لفظ کا اضافہ ہو۔ ہندوستان کے شاہان سلف میں صاحبقران تیمور کے خاندان بلکہ غوریوں کی حکمرانی کے آغاز سے اب تک کسی بادشاہ کے حسب نسب کا ذکر خطبہ میں نہیں ملتا۔ بجز خضر خاں کے اس کے آباؤ اجداد اور اس کی قوم پٹھان تھی۔ جیسا کہ ان کے نام کے ساتھ "ملک" کے لفظ سے ظاہر ہے۔ مگر جب وہ دہلی کی سلطنت پر قابض ہوگیا تو اس کے عہد کے مورخوں نے اس کو سیادت سے منسوب کیا تھا مگر یہ روایت بھی بہت ضعیف ہے۔ شاہ عالم نے جسے ہم آگے "خلد منزل" کے لقب سے بھی لکھتے رہیں گے۔ جس دلیل پر خود کو سید کہلوایا تھا اگرچہ اس میں بھی روایتوں کا اختلاف ہے مگر ہم مجملاً بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک شخص سید شاہ میر نامی خلد منزل (شاہ عالم) کے ننھیال کے وطن جو کشمیر کے توابعات میں تھا۔ آکر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہاں کے راجہ کو معلوم ہوا

تو وہ سید مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کا عقیدت مند بن گیا۔ آخر اس نے اپنی بیٹی سید شاہ میر کی خدمت کے لئے دیدی۔ سید نے اس لڑکی کو مسلمان کر کے اس سے عقد کر لیا۔ اس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ راجہ ان بچوں کی دیکھ بھال کرتا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد سید شاہ میر وہاں سے بیت اللہ کے طواف کے ارادہ سے سفر پر نکل گئے۔ اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ راجہ نے ان بچوں کو مسلمانوں سے دور رکھا اور بڑی احتیاط و اخفا کے ساتھ ان بچوں کی اسی کوہستان میں پرورش اور تربیت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ فردوس آشیانی صاحبقران ثانی (شاہجہاں) نے اس راجہ سے باج وخراج کے ساتھ اس کی لڑکی کو بھی طلب کیا۔ راجہ نے اسی سید کی بیٹی کو جو حسن صورت و سیرت اور سمجھ بوجھ میں طاق تھی تحائف اور نذرانوں کے ساتھ جہیز دے کر روانہ کر دیا۔۔۔ شاہجہاں نے معلموں اور معلانیوں کو مقرر کر کے اس لڑکی کو تعلیم و تربیت دی اور بہت سی زبانیں سکھائیں پھر ایک مبارک گھڑی میں شاہزادہ محمد اورنگ زیب نے اس کا عقد کر دیا اس سید زادی کے بطن سے شاہ عالم بہادر شاہ عالم وجود میں آئے۔ جن کی ماں نواب بائی بیگم تھی جو بڑی خوبیوں کی بیگم تھیں۔ خاندیس کے وسط میں گھاٹ کے کنارے فرداپور مدت تک نواب بائی کی جاگیر میں رہا۔ اس نے وہاں سرائے بنوائی تھی۔ اور اورنگ آباد میں "بائی جی پورہ" تعمیر کر رہا تھا اور آباد کیا تھا۔ اس طرح ماں کی طرف سے شاہ عالم کی سیادت ثابت ہوئی۔

شاہ عالم بہادر شاہ غازی

بہادر شاہ شاہ عالم کی سال گرہ کی تقریب میں - جشن وزن - اکبر آباد میں سن گیارہ سو انیس ۱۱۱۹ھ میں منعقد ہوا۔ بادشاہ کی عمر کا اکہتر واں سال شروع ہوا جب کہ تخت نشینی کا پہلا سال تھا۔ جشن کے بعد ہی بادشاہ نے راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے اودے پور اور جودھ پور کی طرف کوچ کر دیا۔

راجپوتوں کے خلاف فوج کشی

راجپوتانہ پر فوج کشی کا ہم مختصر حال بیان کرتے ہیں۔ صوبہ اجمیر اور جودھ پور کے اطراف کے پرگنوں کے اخبار نویسوں نے لکھا کہ راجہ اجیت سنگھ نے جو راجہ جسونت سنگھ کا مجہول النسب لڑکا تھا بعد از عمر تمیز ہونے درگا داس وغیرہ کے بہکانے میں آکر مرحوم بادشاہ خلد مکاں کے عہد ہی میں بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ان دنوں خلد مکاں کے انتقال کی خبر سن کر اس نے از سر نو فتنہ پردازی شروع کردی۔ مسلمانوں کو ستانے لگا۔ گاؤکشی کی ممانعت کردی۔ اذان بند کرا دی بعض مسجدوں کو تباہ کرا دیا جو عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں بت خانوں کی جگہ تعمیر ہوئی تھیں۔ ان مسجدوں کو مسمار کر کے اس نے مندر اور اپنی عبادت گاہیں بنا دیں۔ اس کو ایک طرف تو اودے پور کے رانا کی فوج مدد دیتی رہتی تھی۔ دوسری طرف

اسے راجہ جے سنگھ کی پشت پناہی حاصل تھی ۔ جس سے دامادی کا رشتہ بھی تھا۔ وہ ان سہاروں پر ایسا مغرور ہوگیا کہ بہادر شاہ کی خدمت میں فتح سے پہلے حاضر ہوا نہ تخت نشینی کے بعد۔ اسی وجہ سے ۶ رشعبان سن مذکور کو بہادر شاہ راجپوتوں کی تادیب کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہی لشکر نے جے سنگھ کے وطن آنبیر کے راستہ سے کوچ کیا ۔ جب لشکر اجمیر اور چتوڑ کے درمیان پہنچا تو رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا تھا اس لئے بادشاہ نے وہاں قیام کرنے کا حکم صادر کردیا۔ شاہزادہ محمد عظیم الشان کو فوج کا سپہ سالار اور جدۃ الملک خان خاناں کو ہراول مقرر کیا اور صمصام الدولہ وغیرہ کو ان کے ساتھ تعین کیا۔ بادشاہی فوج نے حملہ کرکے اس کفرستان کو روند دیا۔ بکثرت راجپوت مارے گئے اور اُن کے بیوی بچوں کی ایک بڑی تعداد کو اسیر بنالیا گیا۔

بہت سے قصبے اور دیہات اس فوج کشی میں بے چراغ ہوگئے اور راجپوتوں کے بڑے بڑے سردار دشوار گذار پہاڑوں پر بھاگ گئے ۔ بعداز خرابی بسیار اجیت سنگھ اور اس کے معاون راجاؤں کو ہوش آیا کہ بجز اطاعت کے ان کی جان ومال کو امان نہیں مل سکتی ۔ چنانچہ انھوں نے خان خاناں اور اس کے بیٹے خان زماں کی بڑی منت اور عاجزی کی اور پیغام دیا کہ خان زماں اور قاضی القضاۃ قاضی خاں جودھ پور تشریف لاکر بت خانوں کو گرادیں اور مسجدیں تعمیر کردیں اور شرعی احکام نافذ کرکے اذان اور نماز اور گاؤ کشی کا اجرا فرمائیں اور عدالتی عملہ کو قائم کرکے جزیہ کی وصولی کے لئے حکام کا تقرر کردیں اور ہماری خطائیں بادشاہ سے معاف کرادیں ۔ ان کا معافی نامہ بہادر شاہ نے قبول کرلیا اور جودھپور اور اس کے اطراف کی بستیوں میں عدالتی حاکم، قاضی، مفتی، امام اور موذن مقرر کرادیئے ۔ اجیت سنگھ اور جے سنگھ درگا داس کے ساتھ جو سارے فتنہ کی جڑ تھا بارگاہ شاہی میں معافی طلب کرتے ہوئے حاضر ہوگئے ۔ بادشاہ نے ان کو خلعت، ہاتھی، تلوار، پدم اور دوسری شاہانہ عنایات سے نوازا

تخت نشینی کا دوسرا سال

بہادر شاہ نے جشن جلوس کی تاریخ اٹھارہ ماہ ذی الحج مقرر کی تھی۔ دوسرے سال کا جشن اسی تاریخ کو جب کہ ماہ الٰہی کے حساب سے اسفندار کی پہلی تاریخ تھی بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا۔ جھولی بھر بھر کر زر و جواہر لٹائے گئے۔ خلعت، جواہرات، ہاتھی اور ترقیاں مرحمت ہوئیں۔ شاہی ضیافت میں عام و خاص چھوٹے بڑے نے بلا لحاظ قوم و ملت شرکت کی اور اس خوان کرم سے بہرہ مند ہوئے۔

پدر بجائے پسر ہرگز ایں کرم نکند | کہ دست جود تو با خاندان آدم کرد
خدائی خواست کہ بر عالمی ببخشاید | بفضل خویش ترا پادشاہ عالم کرد

شاہ عالم کا خط کام بخش کے نام

انہی دنوں بہادر شاہ نے محمد کام بخش کے نام اس مضمون کا خط لکھوایا کہ "والد بزرگوار نے صوبہ بیجاپور کی حکومت تم کو عطا کر دی تھی۔ ہم بیجاپور اور حیدرآباد دونوں صوبوں کی حکمرانی بشمول توابعات و لواحقات اس عالی قدر بھائی کے تفویض کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دکن کے سابق فرمانرواؤں کے طریقہ پر ہمارے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دے۔ جو پیش کش زمانہ قدیم سے ان دونوں صوبوں کے حکام بادشاہی سرکار میں جمع کراتے رہے ہیں۔ ہم اس کی معافی عطا کرتے ہیں۔ اس عنایت و مرحمت پر حسب آیت "فان شکرتم لا زیدنکم" (اگر تم شکر بجا لاؤ تو ہم تم کو زیادہ دیں) تم دل و جان سے شکر بجا لاؤ اور اپنے بزرگوں کی طرح عدل پروری، دادگستری اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کو اختیار کرو اور اس علاقہ کے سرکشوں، ظالموں اور راہزنوں کی سرکوبی

ے غفلت نہ برتو۔

اس فرمان کو لے جانے اور دکن کی نجابت (رزیڈنسی) کے فرائض انجام دینے کے لئے حافظ احمد مفتی کا تقرر عمل میں آیا۔ مفتی موصوف کو معتبر خاں کا خطاب عطا ہوا اور فتنہ و فساد کے سدباب کے لئے چند باتیں زبانی بھی کہدیں۔ شہزادہ محمد کام بخش کے لئے خلعت، جواہرات، ہاتھی گھوڑے تحفے تحائف دے کر معتبر خاں کو رخصت کیا اور جلد پہنچنے کی تاکید کی۔ آخر ذی الحجہ میں بادشاہ نے اجمیر کا رخ کیا اور خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کی اور درگاہ کے خدام کو کافی رقمیں دیں۔

کام بخش حیدرآباد میں

اب ہم محمد کام بخش کے متعلق چند باتیں تحریر کرتے ہیں۔ احسن خاں محمد کام بخش کا وفادار اور مددگار تھا مگر بد اندازوں نے لگائی بجھائی کر کے شہزادہ کو اس سے بددل کر دیا شہزادہ کی بے توجہی کے باعث احسن خاں عرف میر ملنگ کو بڑی ذلت بھی اٹھانی پڑی۔ اس کے باوجود وہ اسی طرح خیرخواہ اور وفادار رہا۔ یہاں تک کہ کام بخش نے قلعہ گولکنڈہ اور شہر حیدرآباد کی تسخیر کا ارادہ کر لیا۔ اس مہم میں بھی احسن خاں نے حسن کارگزاری کا مظاہرہ کیا چنانچہ جب حیدرآباد سے تین چار منزل پر جاکر لشکر نے کیمپ لگایا تو احسن خاں نے حیدرآباد کے صوبہ دار رستم دل خاں کو کوشش کر کے موافق بنالیا۔ رستم دل خاں نامی گرامی خاندان کا فرد تھا اور خلد مکاں کے عہد سے وہ حیدرآباد کا صوبہ دار تھا۔ رستم دل خاں کو اپنے ساتھ لینے کے بعد احسن خاں نے گولکنڈہ کے قلعدار سے نامہ پیام اور مراسلت کی اور گولکنڈہ سپرد کردینے کے لئے وعدہ وعید کر کے اسے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر قلعدار بہادر شاہ کا فرمان پہنچنے کا عذر کر کے قلعہ سپرد کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ احسن خاں کو محمد کام بخش نے دستخط خاص سے فرمان بھیجا تھا اور کلام پاک کی قسم پر وعدہ وعید کے پیغام بھیجے تھے۔ چنانچہ وہ چار پانچ ہزار مستعد سواروں کو لے کر شاہزادہ کے استقبال کے لئے نکلا اور خدمت میں حاضر ہو گیا۔ احسن خاں نے اور اس نے

بھی تجویز رکھی کہ قلعہ پر وقت صرف کرنے کے بجائے فی الحال ملک کے بندوبست اور اطراف و اکناف سے محصول جمع کرنے پر توجہ کی جائے اور عمال و حکام کو مقرر کرکے نظم و نسق سنبھال لیا جائے۔ اور قلعہ کی ناکہ بندی کر دی جائے تاکہ قلعدار کے پاس جاگیرات کی آمدنی اور غلہ و رسد نہ پہنچ سکے۔

کام بخش کے امیروں کا نفاق

احسن خاں بڑا کارگذار آدمی تھا چنانچہ کام بخش کی سلطنت کا سارا کاروبار عملاً اسی سے متعلق تھا۔ مگر وہ چونکہ زیادہ عمر آدمی نہیں تھا ابھی جوانی کا نشہ اترا نہیں تھا۔ اس نے اپنی کارکردگی کے زعم میں رہتا تھا۔ یہ بات شہزادے کے لئے تشویش کا باعث تھی۔ اس کے مخالفوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے خلاف حکیم محمد محسن جو وزارت کے عہدہ پر فائز تھا، اور ایک شخص سید احمد نامی نے جو احسن خاں کا ہی تربیت دادہ آدمی تھا چند خواجہ سراؤں کے ساتھ محاذ بنا رکھا تھا۔ احسن خاں نے اپنے زعم میں حاسدوں اور دشمنوں کے تدارک کی کچھ زیادہ فکر نہیں کی۔ ان دنوں احسن خاں اور محمد کام بخش کا تیر اندازی کا استاد سیف خاں، ارشد خاں، ناصر خاں، احمد خاں اور رستم دل خاں ہم خیال اور ہمدم تھے۔ یہ لوگ سرکاری کاموں کے سلسلہ میں عموماً خلوت میں مشورے کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی ضیافت اور باہم تحفے تحائف کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ تقرب خاں، اہتمام خاں اور دوسرے مخالفوں نے احسن خاں اور اس کے ہم نواؤں کے خلاف خلوت میں بیٹھ کر منصوبے سوچے اور اس کو نیچا دکھانے کی تدبیریں کرتے رہے اور برابر محمد کام بخش کے کان بھرتے رہے۔ محمد کام بخش کا مزاج پہلے ہی سے سوداوی تھا بدخواہوں کی اس افسوں سازی سے وہ ایسا متوحش اور برہم ہوا کہ اپنے ہی پیروں پر آپ کلہاڑی مار لی۔

رستم دل خاں کی گرفتاری

تقرب خاں، اہتمام خاں اور میر احمد نامی نے احسن خاں اور رستم دل خاں کے میل ملاپ کو بہانہ بنا کر کام بخش کے دل میں یہ بات اتار دی کہ رستم دل خاں، احسن خاں، سیف خاں

اور احمد خاں نے حضور بادشاہ دین پناہ کو گرفتار کرلینے کی سازش کی ہے ' اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں اس سازش پر عمل ہونے والا ہے۔ انھوں نے شہزادہ کو آمادہ کیا کہ اگر جلد ان تین چار بدخواہوں کا انتظام نہ ہوا تو وہ اپنے خطرناک ارادوں میں کامیاب ہوجائیں گے۔ محمد کام بخش کا کام تھا کہ وہ اس معاملہ کی تحقیقات کراتا اور جھوٹ سچ کا پتہ چلاتا۔ مگر اس نے غرض مندوں کی ان باتوں کو سنتے ہی باور کرلیا۔ اور اس رات رستم دل خاں کو اپنے ہاتھ سے ایک پرچہ لکھا کہ "ہم باہم مشورہ کرکے بادشاہ کے خط کا جواب لکھنا چاہتے ہیں تم طلوع آفتاب سے قبل اپنا قلم دان لے کر حاضر ہوجاؤ" رستم دل خاں غافل و بےخبر تھا وہ حسب الحکم حاضر ہوگیا۔ جب وہ آیا تو کام بخش نے کہا "اپنے آدمیوں کے ہجوم کو دور کرو' اور تسبیح خانہ میں قلمدان لے جاکر بیٹھ جاؤ میں ناشتہ کرکے آتا ہوں اور تمھارے لئے بھی آش الوش بھجوا رہا ہوں' کھانے پینے کے بعد تم سے مشورہ کروں گا' اور بہادرشاہ کا جواب لکھوں گا" رستم دل خاں 'ہر روز کے معمول کی طرح کمر کھول کر بلاکسی وسوسہ کے تسبیح خانہ میں چلاگیا اور اسی وقت محمد کام بخش کے مقرر کردہ آدمیوں نے ہجوم کرکے اس کو مع اس کے بیٹوں کے گرفتار کرلیا اور ان کو قید کردیا۔

وفادار ہاتھی بہادر ہیوی

محمد کام بخش کو یہ بھی بتایا گیا کہ احسن خاں یوسف خاں اور رستم دل خاں کے درمیان مراسلت بھی ہوتی ہے اب جو قلمدان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سیف خاں کا لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا اس نے رستم دل خاں کو لکھا تھا کہ۔

"آپ نے حضور دین پناہ کے مقتدر ہمراہیوں کے ساتھ رویہ وسلوک کے بارے میں دریافت کیا ہے آپ کو چاہیے کہ آپ پہلے احسن خاں کی خوشنودی کا خیال رکھیں کیونکہ وہ بارگاہ کا صاحب اختیار امیر سپہ سالار اور میر بخشی ہے۔ اس کے بعد احمد خاں کے اور دوسروں کے ساتھ روابط رکھیں"

بس یہ وہ رقعہ تھا جس کو کام بخش نے مفروضہ الزاموں کا ثبوت سمجھ لیا اور تین دن کی قید کے بعد حکم دیا کہ رستم دل خاں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسی کی سواری کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ہاتھی ایسا وفادار تھا کہ ہر طرح کوشش کر لینے کے باوجود اس نے اپنے آقا کو کوئی ضرر پہنچنے نہیں دیا۔ آخر مجبور ہو کر دوسرا ہاتھی لایا گیا اور اس کو بڑا عذاب دے کر قتل کرادیا۔ پھر اس کی لاش کی سارے شہر میں تشہیر کرا کے انبلی محل کے باغ کے درختوں کے سایہ میں دفن کرادیا۔ انبلی محل سلاطین سابق کا تعمیر کردہ محل تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس مظلوم و مقتول سپہ کے قتل سے پہلے اس کے گھر کی ضبطی کے لئے آدمی مقرر کئے گئے تھے۔ اس کی بیوی مختار خاں کے باعزت گھرانے کی بیٹی تھی اس نے اپنے گھر کے اطراف مورچہ بندی کر لی اور تیر اندازی کرنے لگی اور بندوق سے گولیاں برسانے لگی جو آدمی آئے تھے ان میں سے چند مارے گئے اور بعض زخمی ہوگئے۔ آخر احسن خاں نے جاکر اس ماتم زدہ مجبور عورت کو سمجھایا اور ہتھیار ڈالنے پر رضامند کر لیا۔ سرکاری آدمیوں نے اس کو بڑی بے حرمتی سے گرفتار کر لیا اور اسے رستم دل خاں کے بھائی امیر حسن نامی کو اور اس کے ایک بیٹے کو کام بخش کے سامنے پیش کردیا۔ کام بخش نے ان کے سامنے رستم دل خاں کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کے گھر بار کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔

وحشیانہ سزائیں رستم دل خاں کے بعد سیف خاں کی باری تھی چنانچہ اس کو بھی قید میں ڈال دیا اور اس کے رقعہ کو اس کی نمک حرامی کا ثبوت قرار دے کر اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا۔ سیف خاں تیراندازی میں محمد کام بخش کا استاد تھا۔ اس نے اپنی خیر خواہی کے اظہار میں بہت کچھ کہا اور اسی رقعہ کو خیر خواہی اور وفاداری کے ثبوت میں رکھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ہاتھ کٹنے پر اس نے گالیاں دینی شروع کیں اور کہا، یہ ماں کی طرف سے کم اصلی کا ثبوت ہے تم نے اس ہاتھ کو بے قصور کٹوا دیا

تھی ہاتھ سے ہیں نے تم کو تیر اندازی سکھائی تھی"۔ اس پر حکم دیا کہ اس کی زبان بھی کھینچ لی جائے۔ جس وقت سیف خاں کو یہ سزا دی جا رہی تھی اس کی منکوحہ دیوی (؟) اگو گنتے ہوئے لاکر عمارت خاص کے قریب ہی بٹھا دیا گیا تھا اس نے سیف خاں کا یہ حال دیکھا تو اس نے اپنی زبان بھی حلق سے کھینچ لی اور مر گئی۔ سیف خاں بھی اپنی دو زخموں سے اور ایک روایت کے مطابق اس کا دوسرا ہاتھ بھی کٹوا دیا تھا مر گیا۔

تیسرا شخص احمد خاں انتقال کا تھا۔ اس کے لئے حکم ہوا کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر لمبا لٹا دیں اور دندانے دار رسّے سے باندھ کر گھوڑوں کو اس پر سے دوڑا دیں۔ اس درد ناک سزا سے تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔

ارشد خاں دکن کے دیوان ارشد خاں کا پوتا تھا اس کی زبان بھی جڑ سے کھنچوا دی تھی۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ زبان کے کٹ جانے کے باوجود وہ بہ دقت باتیں کرتا تھا دوسرے مظلوم مقتولوں کے لئے بھی یہی حکم ہوا کہ ان کی لاشوں کو بھی گدھوں پر باندھ کر شہر میں تشہیر کریں اور اسی انبلی محل کے باغ میں رستم دل خاں کے ساتھ دفن کر دیں ان کو کفن بھی نہ دیا جائے انھی جسم کے کپڑوں میں قبر میں ڈال دیا جائے کیونکہ ان سب نے مل کر مجھے قید کرنے کی سازش کی تھی۔

احسن خاں قید و بند میں

فوج کے بعض جمعداروں نے جو احسن خاں کے ساتھ خلوص رکھتے تھے اس کے پاس آکر کہا۔ "ہم کو خبر ملی ہے کہ وہ تم کو بھی قید کرنے اور قتل کر دینے کی فکر میں ہے۔ تم اپنے اہل و عیال کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کرا کے نکل چلو ہم تین چار ہزار سوار تمہارے ساتھ چلیں گے اور دو تین راتوں میں بہادر شاہ کی سرحد میں تم کو پہنچا دیں گے ورنہ تمہاری جان بھی بڑی بے آبروئی سے تلف ہو جائے گی"۔ ویسے بھی احسن خاں فوج میں اتنا ہر دل عزیز تھا کہ اگر وہ علانیہ مخالفت کا اعلان کر کے بھی نکل کھڑا ہوتا تو تمام فوج اور جمعدار اس کے ساتھ ہو جاتے اور محمد کام بخش کی سرحد سے اسے باہر پہنچا دیتے مگر احسن خاں کو اپنی عقیدت و فدویت کا ایسا بھروسہ تھا کہ اس نے سب کی ان سنی کر دی اور کہا۔

— میں حضرت دین پناہ کا موروثی عقیدت مند ہوں'. مجھ بے گناہ کے متعلق ان کو کسی طرح کی بدگمانی نہ ہوگی اور میرے بارے میں دشمنوں کی باتوں کا وہ کوئی اثر نہیں لیں گے۔ یہ اس کی خوش خیالی تھی آخر کام بخش نے احسن خاں کو بھی حیلہ و تدبیر سے اپنے پاس بلایا اور تسبیح خانہ کے نزدیک قید میں ڈال دیا۔ اس وقت احسن خاں کو ہوش آیا۔ اس نے گھر پیغام بھیجا دیا کہ سونا اور نقدی جو کچھ بھی ہو کسی جگہ بھجوا دیں۔ احسن خاں کے عزیزوں نے گھر بار کی ضبطی سے پہلے ہی زیور، اشرفی ہون وغیرہ صندوق میں بند کر کے ایک پٹھان کے گھر بھجوا دیا جو عرصہ سے احسن خاں کا آشنا اور احسان مند تھا۔ چند دن بعد ہی اس کا گھر بھی ضبطی میں آگیا اور قید میں وقتاً فوقتاً اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ دشمنوں نے کھوج لگا کر صندوق کا پتہ بھی چلا لیا۔ اس پٹھان نے بھی عاجز آکر صندوق کو حوالہ کر دیا۔ جب محمد کام بخش کے سامنے صندوق کو کھولا گیا تو ہون اور اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں نکلیں اُن کو دیکھ کر کہنے لگا۔ اچھا تو یہی وہ تھیلیاں ہیں جو میری گرفتاری کے لئے رستم دل خاں نے دی تھیں۔ اس رقم کو دیکھ کر کام بخش کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس بے گناہ پر طرح طرح سے سختی اور عذاب ہونے لگا۔ خوراک میں بھی پاؤ بھر کھچڑی دی جاتی تھی۔ اس میں بھی خوب نمک بھر دیا جاتا تھا۔ طوق و زنجیریں جکڑ کر برہنہ بارش میں اور دھوپ میں رکھا جاتا تھا۔ دو مرتبہ اسے زہر بھی دیا گیا۔ مگر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ دو تین مہینے تک وہ شکنجہ میں گرفتار رہا آخر یہ عذاب سہتے سہتے جان دے دی۔ اس سفاکی کا سبب یہی تھا کہ محمد کام بخش پر سودا کا اور توہم و وسوسہ کا غلبہ تھا۔ اسی حالت میں ایک اور حرکت بغیر کسی تحقیق کے اس سے سرزد ہو گئی۔

مرگ انبوہ

جب بہادر شاہ کے پاس سے ایلچی وہاں آیا تو بد سرشت ہوا خواہوں نے اس کے ذہن نشین کر دیا کہ معتبر خاں ایلچی سپاہیوں کی ایک جمعیت اپنے ساتھ اسی ارادہ سے لے کر آیا ہے کہ موقع پاکر دین پناہ کو ضرر پہنچائے۔ اس بات کو سن کر بغیر کسی تحقیق کے کام بخش نے فوراً حکم جاری کر دیا

ایلچی کے ہمراہیوں کے نام لکھ کر لائیں تاکہ میں ہر ایک کے لئے روزینہ اور خوراکی مقرر کردوں۔ جب یہ مشہور ہوا کہ بادشاہ روزینہ مقرر کر رہے ہیں۔ تو شہر کے بعض تنگ دست لوگوں نے حفظ قرآن اور طالب علمی کے بہانے ایلچی کے پاس آمدورفت رکھتے تھے اپنے نام اس کے ہمراہیوں کی فہرس میں لکھوا دیئے۔ فہرس تیار ہونے پر کام بخش نے حکم دیا کہ سب کو کھانے کی دعوت دے کر ایک جگہ بلا لیا جائے۔ رات کے وقت تقریباً پچھتر آدمی جمع ہو گئے تھے۔ حکم ہوا کہ سب کے ہاتھ باندھ کر دس دس کی ٹولی کو ایک محلہ میں لے جائیں مشعل اور تلواریں ساتھ ہوں اور سب کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیں۔ ان میں دو نوجوان تھے جن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ان کی ماں نے آکر بڑی واویلا مچائی اور فریادیں کیں کہ یہ ایلچی کے ساتھیوں میں نہیں ہیں اسی شہر کے رہنے والے ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ سب کے ساتھ مارے گئے۔

مفتی حیدرآباد کی حق گوئی

حیدرآباد کے مفتی ملا سعدالدین تھے جو بڑے فاضل متدین اور صاحب تقویٰ آدمی تھے۔ ان مظلوم مقتولین کے قتل کے لئے کام بخش نے ان سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ اس خداپرست حق گو نے بے باکانہ اور بے محابا جواب دیا شرع محمدی کی رو سے محض بدگمانی پر اور غرض مندوں کے کہنے پر مسلمانوں کی خون ریزی ندامت کا اور روز جزا میں بازپرس کا باعث ہوئی۔ کام بخش کی اس خون ریزی اور ظلم کو دیکھ کر اکثر علماء نے اور شرفائے حیدرآباد نے شہر میں سکونت ترک کردی اور مال واسباب اہل وعیال کو لے کر جدھر بن پڑا نکل گئے۔ جب لوگوں کے فرار ہونے کی شہرت ہوئی تو کام بخش نے شہر کے اطراف چوکی پہرے بٹھا دیئے۔ بہادر شاہ کے ایلچی کو بھی بڑی ذلت کے ساتھ قید کردیا اور بادشاہ کے لطف آمیز خط کے جواب میں مخاصمانہ باتیں لکھ کر یہ آیت نقل کردی۔ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة " (کتنی ہی قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آگئی ہیں)

بہادر شاہ کی دکن کو روانگی

جب شاہ عالم بادشاہ کو یہ جواب ملا اور اس اثنا میں دوسری اور باتوں کی بھی اطلاع ملتی رہی تو فوراً بادشاہ نے جس کا ذکر ہم آئندہ سطروں میں ۔ خلد منزل ۰ کے لقب سے کریں گے فوراً کوچ کر دیا اور بارش کی آمد کے اندیشہ سے طویل طویل کوچ کرتے ہوئے دکن کا رخ کیا۔

راجپوتوں کا فرار

راجہ جے سنگھ اور دوسرے راجپوت سردار اطاعت قبول کرنے کے بعد بادشاہی لشکر کے پیچھے ہی اکبرآباد پہنچ گئے تھے اور رکاب شاہی میں شامل ہو گئے تھے۔ دکن کی طرف کوچ ہوا تو یہ بھی ساتھ تھے۔ مگر جب لشکر دارالفتح اوجین کی سرحد پر پہنچا اور وہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو یہ راجپوت سردار شکار کے بہانے سوار ہو کر نکل گئے جو کچھ اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے انھوں نے اٹھا لیا اور بچے کھچے خیمے وہاں چھوڑ دیے بلکہ بعض کو آگ بھی لگا دی۔ بادشاہ کو اطلاع ملی تو مصلحت وقت کی بنا پر اغماض سے کام لیا۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ خلد مکان کی وفات کے وقت برار کا صوبہ دار تھا۔ جب محمد اعظم شاہ شمال کی طرف روانہ ہو گیا تو وہ برہان پور آ کر ٹھیر گیا

تھا۔ بادشاہ نے اسے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا تھا۔ مگر اس سفر میں یہ شہرت ہوئی کہ فیروز جنگ اطاعت پر راضی نہیں ہے اور محمد کام بخش کی رفاقت کا ارادہ رکھتا ہے۔ فیروز جنگ چونکہ بڑا باثر اور صاحب فوج امیر تھا۔ اس لیے اُس کے ساتھ چھوڑنے کی خبر سے شاہ عالم کے لشکر میں بڑی افراتفری سی مچ گئی۔ مگر اسی اثنا میں اطلاع مل گئی کہ وہ برہان پور سے اپنے مفوضہ صوبہ پر چلا گیا۔

محمد مراد خاں فوج دار

محمد مراد خاں، محمد کام بخش کے میر بخشی احسن خاں عرف میر ملنگ کا ماموں تھا۔ مرحوم بادشاہ کے زمانہ میں جب حیدر آباد پر فوج کشی کی تھی۔ اسے خان کا خطاب ملا تھا، وہ اسی وقت سے خلد مکاں کی طرف سے شاہ عالم کی خدمت میں بخشی گری اور واقعہ نگاری پر مقرر تھا اور اپنی خدمات کی وجہ سے اس نے بڑا مقام پیدا کر لیا تھا۔ عرصہ تک حیدر آباد کی "حجابت" کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ اس زمانہ میں وہ کل صوبہ احمد آباد کی واقعہ نگاری اور سوانح نگاری پر مامور تھا۔ اسی صوبہ میں گودرہ اور نباترہ جیسے عمدہ علاقوں کی فوج داری بھی اسی سے متعلق تھی۔ اعتماد خاں محمد مراد خاں کی قرابت میں تھا۔ اس پر مراد خاں کے بڑے احسانات بھی تھے مگر اُس نے بہادر شاہ کی خدمت میں ذوالفقار خاں کے ذریعہ عرض کیا کہ "احسن خاں کا ماموں محمد مراد خاں جو صوبہ احمد آباد میں واقعہ نگار سوانح نگار ہے اور اس ضلع کا فوج دار بھی ہے جو فوجی اعتبار سے سرحدی اور سپاہ خیز علاقہ ہے اور وہ اپنے بھانجے احسن خاں سے جو محمد کام بخش کی فوج کا صاحب اختیار امیر ہے مراسلت کرتا رہتا ہے۔ اس لئے مذکورہ خدمات اس کو ہٹا کر اس خانہ زاد کے تفویض کر دی جائیں"۔ محمد مراد خاں کا سابقہ خطاب سعادت خاں تھا بعد میں وہ تبدیل ہو گیا تو بادشاہ کے ذہن سے اُتر گیا کہ مراد خاں ہی سعادت خاں ہے۔ پھر بہادر شاہ نے مدعی کی اصل غرض پر اور محمد مراد خاں کی وفاداری اور خدمات پر غور کرنے کی زحمت بھی نہیں کی اور فوج داری کی خدمات اعتماد خاں کے نام کر دیں اور واقعہ نگاری اور سوانح نگاری پر دوسرے

آدمیوں کو مقرر کرنے کے احکام دیئے اور محمد مراد خاں کو حضور میں طلب کرنے کے لئے گرز بردار مقرر کر دیئے۔ خان خاناں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے مراد خاں کے وکیل کی درخواست پر بادشاہ کو حقیقت حال سے مطلع کیا اور مدعی کی غلط بیانی ثابت کر کے مراد خاں کی خدمات کی بحالی اور حضور میں طلبی کو موقوف رکھنے کے احکامات لے لئے۔ بحالی کی سند حاصل کرنے اور پہنچانے تک دربار کا مقرر کردہ سوانح نگار اور واقعہ نگار وہاں پہنچ چکا تھا۔ محمد مراد خاں کے پاس بھی بحالی کے احکامات کچھ دن بعد پہنچ گئے مگر اس نے اپنی حسن عقیدت کو جتلانے اور دشمنوں کو مزید رسوا کرنے کے خیال سے یہ مصلحت اختیار کی کہ واقعہ نگاری اور سوانح نگاری کا عہدہ دربار کے مقرر کردہ آدمی کے تفویض کر دیا۔ البتہ فوجداری کچھ اُس کے مخالف کے نام ہو گئی تھی بحالی کے حکم کے مطابق خود اپنے پاس رکھا اور خواجہ حمید خاں احمد آباد کے دیوان کو اپنا نائب مقرر کر کے خود بادشاہ کے حضور اس وقت پہنچ گیا۔ جب کہ شہزادی کو بہادر شاہ نے عبور نہیں کیا تھا اور احسن خاں کے معتوب ہونے اور مارے جانے کی اطلاع بھی نہیں پہنچی تھی۔ مراد خاں بہادر شاہ کی خدمت میں آیا تو بادشاہ نے بڑی عنایات کیں اس کا منصب ہفت صدی چار سو سوار کا منصب تھا۔ ترقی دے کر ایک ہزاری پانچ سو سوار کا منصب عطا کر دیا۔ دوبارہ عرض داشت پر دو ہزاری ڈیڑھ ہزار سوار کا منصب مل گیا۔ اس کے علاوہ خلعت اور خنجر مرصع کا اعزاز بھی ملا۔ دوبارہ منصب میں اضافہ ہوا تو "داغ" کی خدمت پر تقرر کی خلعت عطا ہوئی (داغ فوج کے گھوڑوں جانوروں کے معائنہ اور ان کی تعداد اور حساب کتاب کا محکمہ تھا اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ بادشاہ کے ملاحظہ خاص میں محکمہ داغ کی جو کارروائیاں تصدیق کے لئے پیش ہوتی تھیں ان کو پیش کرے اور شاہی احکام حاصل کرے)

احسن خاں کا بڑا بھائی میر سلطان حسین بھی اپنے ماموں یعنی مراد خاں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تھا وہ تین صدی پچاس سوار سے ترقی کر کے ہزاری دو سو

سوار کے منصب پر پہنچ گیا اور خطاب عالیجاہ یار خاں ملا۔ بہادر شاہ نے حکم دیا کہ احسن خاں کے نام ایک تسلی آمیز خط لکھا جائے کہ وہ اس بارگاہ کی طرف رجوع کرے۔ احسن خاں کو شہزادہ محمد کام بخش نے قتل کرا دیا تو عام طور پر یہی زبان زد تھا اور اکثر بڑے امیر بھی جو واقف نہیں تھے یہی کہتے رہے کہ محمد مراد خاں اور طالع یار خاں کے خطوط جو احسن خاں کے نام لکھے گئے تھے پکڑے گئے تھے اور اسی وجہ سے احسن خاں کو روز بد دیکھنا پڑا مگر یہ بات محض غلط اور بے بنیاد تھی کیونکہ وہ ان خطوط کے پہنچنے سے ایک ماہ قبل ہی قید کر دیا گیا تھا۔ جب اس کے خیرخواہوں نے قید کی حالت میں وہ خطوط کسی تدبیر سے پہنچا دیئے تو اس نے ان کو بارش کے پانی میں دھو کر دور پھینک دیا۔

بہادر شاہ برہان پور میں

بہادر شاہ نے اوائل جمادی الاول (۱۱۲۰ھ) میں (دارالسرور) برہان پور میں چھاؤنی قائم کی اسی رات بڑی سخت بارش ہوئی اور تاپتی دریا میں جو قلعہ برہان پور کے دامن سے بہتا ہے ایسی زبردست طغیانی آئی کہ پندرہ بیس دن تک عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ گرانی ایسی ہو گئی کہ گھاس ایک روپیہ میں پانچ تولہ بکنے لگی (روپیہ میں پانچ تولہ گھاس بڑا مبالغہ ہے گرانی کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے لکھا ہوگا) تین چار دن کے قیام کے بعد جب طغیانی کا زور ٹوٹ گیا اور ندی نالے پایاب ہو گئے۔ بادشاہ نے باوجود موسم باراں کے برہان پور سے کوچ کر دیا اور تیزی سے سفر کرنے کے لئے ایک کوچ اور ایک مقام کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔ بادشاہی لشکر ملکاپور اور نانديڑ کے راستہ سفر کرتے ہوئے جلوس کے پہلے سال شوال کے آخر میں حیدرآباد سے دو تین منزل پر پہنچ گیا۔

کام بخش کی دیوانگی

محمد کام بخش کے لشکر والے اس کے جنون اور سفاکی سے ڈر کر منتشر ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ پانچ سو چھ سو سوار سے زیادہ نہیں رہے تھے وہ بھی اس کی خوں ریزی اور بدسلوکی سے نالاں

تھے۔ پھر ایک سال سے فوج کو تنخواہیں نہیں ملی تھیں سپاہی بھوک کے مر رہے تھے اور سب کے سب بے دل اور ناراض تھے۔ اور شاہ عالم بادشاہ کے ساتھ تقریباً اسی ہزار سوار جمع تھے مگر جب لشکر جاکر ٹھیرا تو شب خون کا ایسا خوف اس پر طاری ہوا کہ ساری رات لوگ خیموں میں جاگتے اور ڈرتے رہے۔

سیف خاں کی سازش

سیف خاں عرف میر اسداللہ جو خلد مکاں کے روشناس خانہ زادوں میں سے تھا۔ ایسا خبطی اور جنون زدہ تھا کہ مرحوم بادشاہ نے اسے لشکر سے خارج کر کے کعبۃ اللہ روانہ کر دیا تھا۔ وہاں سے واپسی کے بعد اس کو سابقہ منصب مع اضافہ کے مل گیا تھا اور کل صوبہ جات ہندوستان کی میر بحری کے عہدہ پر مامور کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں جب کہ بہادر شاہ کا لشکر حیدر آباد پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ اور آصف الدولہ امیرالامراء سے اس کا بگاڑ ہو گیا اور ان کے مقابلہ میں خفت اٹھا کر وہ بادشاہ کے لشکر سے بھاگ گیا اور راجہ جے سنگھ اور راجہ اجیت سنگھ اور دوسرے راجپوت سرداروں کے پاس جا کر محمد کام بخش کی وکالت و نجابت کرنے لگا، اور ان سے عہد و پیمان لیا کہ اگر محمد کام بخش۔ برار کے راستے سے ان کی سرحد پر پہنچ جائے تو پچاس ہزار راجپوت سوار اس کی مدد کے لئے تیار رہیں اور جب تک دکن سے بہادر شاہ لوٹ کر آئے اسے شاہجہاں آباد (دہلی) لے جا کر تخت نشین کر دیں۔ ان لوگوں سے جو بہادر شاہ سے ناراض تھے اس نے معاہدے کی دستاویز پر مہریں بھی لگوالیں۔ یہ منصوبہ بنا کر جو ایک فتنۂ عظیم کا سبب بن سکتا تھا۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ راجپوتوں کے پاس سے روانہ ہوا اور گونڈواڑہ ، برار اور چاندہ کے راستے حیدر آباد پہنچ گیا اور اس نے کام بخش کے پاس پیغام بھجوایا کہ اس نے کس طرح خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور کس طرح زحمتیں اٹھا کر یہ منصوبہ بنایا کہ محمد کام بخش کو وہ یہاں سے بالا بالا لے جائے گا اور راجپوتوں کے لشکر میں پہنچا دے گا سترہ اٹھارہ ہزار راجپوت سوار اس کے

استقبال کے لئے نربدا کے گھاٹ پر موجود رہیں گے اور بہادر شاہ کو ختم ہوتے اور اس بھاری لشکر کو لوٹنے تک راجپوت اسے دارالسلطنت پہنچا دیں گے اور اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری ہو جائے گا پھر وہ موجود اور غیر موجود امیروں سرداروں کو اپنا موافق بنا کر بہادر شاہ کے مقابلہ پر نکلے: محمد کام بخش خبط اور وسوسہ کا شکار تھا اور اس وقت سراساں بھی! اس نے سیف خاں کے اس پیغام کو بہادر شاہ کی سازش ہی سمجھا اور اس کے اس خیال انگیز منصوبہ پر کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ اسے باریابی کی اجازت دی بلکہ جواب میں یہ کہلوا دیا کہ تو نے جو یہ دوڑ دھوپ کی ہے اس کا انعام ہمارے پاس سے بھی یہی مل سکتا ہے کہ تیری زبان کھینچ دی جائے اور تجھے عذاب دے دے کر مروا دیا جائے" اب سیف خاں کے لئے کوئی راستہ نہیں رہا تھا وہیں پڑا رہا اور بڑی کوششوں کے باوجود اسے باریابی کا موقع نہیں ملا البتہ کام بخش نے بڑے اصرار پر تنگ دلی کے ساتھ کچھ یومیہ قوت لا یموت کے طور پر مقرر کر دیا۔

کام بخش کی عزیمت

محمد کام بخش نے باوجود اس سودائی پن کے اور اپنی بے بضاعتی کے مقابلہ کا عزم کر رکھا تھا حالانکہ اس کے پاس نہ لشکر رہا تھا نہ خزانہ۔ فقیروں اور نجومیوں نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ کامیابی اسی کو حاصل ہوگی اور وہ ان کی باتوں سے شگون اور فال لیتا رہتا تھا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اس کو اس طرح آمادہ پیکار دیکھ کر بہادر شاہ کے لشکر میں اس کی کامیابی کے امکانات کے چرچے ہوتے رہتے تھے یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ اس مختصر سی جمعیت کے ساتھ وہ ویسے ہی مقابلہ پر جما ہوا نہیں ہے، ضرور اس کے پاس کوئی جادو ٹونا ہے بہر حال وہ بڑی جرأت کے ساتھ حیدرآباد سے دو تین کوس پر پڑاؤ ڈالے بہادر شاہ کے لشکر کا انتظار کر رہا تھا اس کے ساتھ جو عمدہ سردار رہ گئے تھے ان میں تقرب خاں عرف حکیم محمد محسن، عبدالرزاق خاں لاری، عرف محمد معصوم اور اس کا بھائی محمد کریم اور دوسرے تین امیر تھے اس کے محافظ خاص چند جاں نثار کو کھے اور چیلے تھے اور تین سو چار سو سے زائد سوار نہیں تھے۔

بہادر شاہ اور کام بخش کا مقابلہ

بہادر شاہ کی صف بندی

بہادر شاہ کا لشکر تین کوس کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا بہادر شاہ نے شاہزادہ رفیع الشان اور جہان شاہ کو فوج کشی کے لئے مقرر کیا اور دونوں شاہزادوں کے ہراول پر خان خاناں اور دوسرے امراء کا تقرر کیا اس فوج میں دس بارہ ہزار سوار تھے اور پندرہ سولہ تجربہ کار نیل سوار امیر تھے۔ فوج کے کمان داروں میں داؤد خاں، نیما سندھیا مرہٹہ، رستم خاں جیسے مشہور سردار تھے۔ یہ لوگ شاہزادہ جہان شاہ کے زیر کمان تھے۔ شاہزادہ رفیع الشان کی فوج میمنہ پر تھی اور ذوالفقار خاں بہادر چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ میسرہ پر مقرر تھا۔

حملہ میں تاخیر

بہادر شاہ نے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے ہدایت کی کہ جہاں تک ہو سکے حملہ کرنے میں سبقت نہ کریں اور قراولی کے طور پر محمد کام بخش کو اطراف سے محاصرہ میں لے لیں کوشش کریں کہ وہ زندہ ہاتھ آ جائے مارا نہ جائے اور مسلمانوں کی خون ریزی نہ ہو۔ بادشاہ سے رخصت ہو کر لشکر آگے بڑھا۔ ذوالفقار خاں شاہزادہ رفیع الشان کے ہمراہ سوار ہوا اور فوج محمد کام بخش کے مقابل ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پہ پہنچ گئی

شاہزادہ رفیع الشان کے سیدھے بازو پر نصف کوس کے فاصلہ پر خان خاناں اور بائیں بازو پر ذوالفقار خاں ایک بان پرتاب کے فاصلہ پر کھڑے ہوئے حملہ کا انتظار کر رہے تھے۔ چونکہ بادشاہ نے سبقت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے دونوں سردار اور تمام فیل سوار کمان دار دوپہر تک اسی طرح کھڑے رہے اور پیش قدمی نہیں کی اور بادشاہ کے پاس اجازت لینے کے لئے پیغام بھیجتے رہے مگر معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت آرام کر رہے ہیں اس لئے جواب نہیں مل سکا یا بیداری کے باوجود عمداً جواب دینے میں تامل کر رہے ہیں۔ ذوالفقار خاں کو محمد کام بخش سے پرانی عداوت تھی وہ یورش کرنے کے لئے خان خاناں کو خفیہ طور پر ہر گھڑی پیغام بھجوا رہا تھا۔

کام بخش کی بہادری

دوسری طرف محمد کام بخش اپنی مختصر سی فوج لئے بڑی پامردی سے امید اور خوف کے عالم میں دشمن کے حملہ کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر ذوالفقار خاں بادشاہ کے حکم کا اور خان خاناں کی رفاقت کا انتظار نہ کر سکا اور جنگ کا نقارہ بجاتے ہوئے حملہ کے لئے بڑھ گیا۔ اب خان خاناں کو بھی مجبوراً نکلنا پڑا اس نے بھی چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ حرکت کی۔ اور دونوں فوجیں طوفانی موجوں کی طرح محمد کام بخش کی جمعیت پر ٹوٹ پڑیں ....

ذوالفقار خاں، داؤد خاں، جھیا سیندھیا کہ چار پانچ ہزار مرہٹے اس کے ساتھ تھے سب سے پہلے محمد کام بخش کے مقابل پہنچے۔ اس گرفتار اجل شہزادہ کے پاس بس چار پانچ سو سوار تھے سامان جنگ بھی موجود نہیں تھا البتہ بان کافی تعداد میں تھے۔ اس نے بان کو آگ دکھانے کا حکم دیا۔ اتنے میں ذوالفقار خاں اور خان خاناں نے توپ خانہ پر حملہ کر دیا اور کام بخش سے پرتاب کے فاصلہ پر پہنچ گئے اس حملہ میں کام بخش کے دو تین جان نثار رفیق مارے گئے تھے اور زخمی ہو گئے تھے مگر کام بخش نے بڑی ثابت قدمی دکھائی اور بیس تیس ہزار سواروں کے مقابلہ پر تیر کمان سنبھالے اس بہادری سے حملے کرتا رہا کہ بہادر شاہ کی فوج میں بھگدڑ

بچ گئی۔

کام بخش کی گرفتاری

کام بخش کے حملوں سے قریب تھا کہ داؤد خاں اور دوسرے سردار ہزیمت کھا کر پسپا ہو جاتے۔ اس نے دو ترکش پورے خالی کر دیئے تھے اور تیر اندازی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا تھا۔ لیکن وہ خود بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا۔ جب کافی خون زخموں سے بہہ گیا تو اس پر ضعف طاری ہونے لگا اور بہادر شاہ کے سرداروں نے بڑھ کر اس کے ہاتھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کام بخش کو گرفتار کر لیا۔ ہاتھی پر اس کا چھوٹا بیٹا اُس کے ساتھ سوار تھا۔ اسے بھی چار پانچ کاری زخم لگے اور وہ بھی باپ کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔

فیل بے زنجیر

کام بخش کا بڑا بیٹا محی السنۃ اس خوں ریز معرکے میں بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا فیل بان اور اس کا ردیف دونوں زخم پر زخم کھا کر گر پڑے اور شاہزادہ خود ہاتھی کو سنبھالنے لگا اسے بھی گولی لگی اور مسلسل کئی تیر آکر لگے اور وہ بیہوش ہو کر ہاتھی کی عماری میں گر گیا۔ بغیر مہاوت کا ہاتھی فوج میں ادھر اُدھر بے زنجیر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس وقت چونکہ تمام سردار محمد کام بخش کو گرفتار کرنے کی دھن میں تھے۔ اس لئے کسی کی توجہ محی السنۃ کے ہاتھی کی طرف نہیں گئی۔ اور لوٹ مار کرنے والوں نے اُس کے ہاتھی کو خوب لوٹا عماری میں جو کچھ تھا۔ ہاتھی پر چڑھ کر دبا لیا عماری کی ریشمی رسیاں اور جھالریں تک نوچ لیں اور ہاتھی کو چھوڑ دیا۔ ہاتھی لشکر سے نکل کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ مرہٹے لوٹ مار کی فکر میں لشکر کے اطراف چکر لگا رہے تھے۔ ذوالفقار خاں کے حکم سے وہ تعاقب میں گئے اور ہاتھی کو گھیر کر لے آئے۔

بہادر شاہ کی فتح

بہر حال بہادر شاہ کے لشکر کو فتح ہوئی اور وہ شادیانے بجاتے ہوئے۔ اپنے کیمپ کو لوٹا۔ کام بخش کی گرفتاری پر خان خاناں اور ذوالفقار خاں دونوں امیروں میں اختلاف ہو گیا اور بات

تلی تک پہنچ گئی۔ خان خاناں شاہزادہ رفیع الشان کی کمان میں تھا، دونوں امیر جب لڑتے ہوئے محمد کام بخش کے ہاتھی کو شاہزادہ کے پاس لاتے تو شاہزادہ نے رفع فساد کے لئے اسے ذوالفقار خاں کے حوالہ کر دیا۔ اس لڑائی میں بادشاہی سرداروں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ سوائے جلال الدین خاں نامی کے جو خان خاناں کے ہمراہیوں میں تھا۔ چھوٹی توپ کا گولہ اس پر آکر پھٹا اور وہ ختم ہو گیا۔

راقم الحروف (خافی خاں) بھی اس جنگ میں موجود تھا۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو میں نے ان مقتولوں کا شمار کیا جو کام بخش کے ہاتھی کے اطراف لڑتے ہوئے جاں بحق ہوئے تھے۔ میں نے باسٹھ لاشوں کو شمار کیا تھا۔ جس وقت لوگ لوٹ مار میں لگے ہوئے تھے۔ بارود اور بان کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی اور وہاں چوبیس آدمی جل کر مر گئے۔

کام بخش کا آخری وقت

جب محمد کام بخش اور اس کے دونوں بیٹوں کو خلد منزل (بہادر شاہ) کے پاس لایا گیا تو بادشاہ نے فوراً ان کے علاج کے لئے فرنگی اور یونانی جراحوں کو مقرر کیا .... اور ان کو بادشاہی خیمہ کے قریب ٹھیرایا۔ محمد کام بخش نے علاج کرانے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے لئے بادشاہ نے شوربہ بھجوایا تھا۔ اس کو پینے پر بھی راضی نہیں ہوا۔ آخر رات میں بادشاہ خود بھائی کو دیکھنے اور عیادت کرنے کے لئے گیا اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کاندھے پر جو چادر تھی وہ اتار کر اس برگشتہ نصیب کو اڑھادی اور بڑی شفقت سے اس کی مزاج پرسی کی اور رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ "ہم تمھیں اس حال میں تو نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔" کام بخش نے جواب دیا۔ "میں نہیں چاہتا تھا کہ بے غیرتی کے ساتھ گرفتار ہو کر تیمور کی اولاد پر رسوائی کا داغ لگاؤں۔" شاہ عالم نے بڑی منت سماجت کر کے بھائی کو شوربہ کے دو تین چمچے پلائے اور آنسو پونچھتے ہوئے وہاں سے اٹھا۔ باپ بیٹوں کو کاری زخم لگے

تھے ۔ تین چار گھڑی بعد میں محمد کام بخش اور اس کا ایک بیٹا فیروز مند اللہ کو پیارے ہو گئے ؎

نو عروسی است جہاں از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو جان خودش کابین داد

بہادر شاہ نے دونوں کی لاشوں کو ہمایوں بادشاہ کے روضہ میں دفن کرانے کے لئے شاہجہاں آباد روانہ کر دیا۔ اور تین دن تک تعزیت کے مراسم ادا کئے گئے اور نوبت نہیں بجائی گئی ۔ خان خاناں کے القاب میں معظم خاں کا خطاب بڑھایا اس کے بڑے بیٹے خان زماں کو " مہابت خان بہادر شاہی " کا خطاب ملا۔

سینبہا مرہٹہ

نیا سینبہا دکن کے مشہور سرداروں میں سے تھا اس کی لوٹ مار سے ناگوا کے صوبہ تک لوگ تنگ آ چکے تھے۔ جب دکن کی طرف لشکر چلا تھا تو وہ ذوالفقار خاں کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اور محمد کام بخش کی لڑائی میں شرکت کر کے اس نے اس خدمت کو اپنی خطا بخشی کا وسیلہ بنایا تھا ۔ سینبہا بادشاہ کی خدمت میں اپنے بیٹوں اور قوم کے سرداروں کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا ۔ بہادر شاہ نے اسے سات ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب دو لاکھ روپیہ نقد خلعت، ہاتھی، نقارہ مرصع دھوپ اور جیغہ عطا کیا ۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں میں سے ہر ایک کو پانچ ہزاری چار ہزاری کے منصب ملے اس طرح مرہٹوں کے نام جملہ چالیس ہزاری چوبیس ہزار سوار کے منصب درج کئے گئے ۔ اس کی درخواست اور بخشی الممالک کی تجویز پر اس سے قبل کہ اس کے منصب کی اسناد تیار ہوں ۔ یا منصب کی کارروائی کے کمرے پیش ہونے سے پہلے ہی بادشاہ نے حکم دے دیا کہ سرہ رضیر کے سیر حاصل پرگنے اور صوبہ اورنگ آباد کے دوسرے محالات اس کی جاگیر میں دے دیئے گئے ۔ اس کارروائی میں تقریباً ایک ہزار چھوٹے اور بڑے منصب داروں کی جاگیروں کا تبادلہ کرنا پڑا۔

قدرت الہی کا بھی عجب کارخانہ ہے کہ اس حرامی کا ۔ فرنے کتنے ہی شرفاء

سادات اور صلحاء کو اور ہر قوم کے آدمیوں کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ کتنوں کی روزی چھین لی تھی۔ اور پھر بھی وہ الطاف شاہانہ سے ایسا مالا مال ہو گیا۔ کہنے والوں نے خوب کہا ہے کہ عقاب زندگی بھر تمام پرندوں کے لئے آفت جاں بنا رہتا ہے اور جب مرتا ہے تو اس کے پر تیروں میں لگائے جاتے ہیں۔ اور وہ مرنے کے بعد بھی بے شمار جان داروں کی جان لے کر رہتا ہے۔

بہادر شاہ کی کمزور شخصیت

امرائے دربار کے اختلافات

ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ پورے دکن کا صوبہ دار بنا دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ وہ میر بخشی کے عہدہ پر بھی مامور تھا۔ راجہ ساہو کے وکیل نے ذوالفقار خاں کے توسط سے دکن کے چھ صوبوں کی چوتھ اور سر دیسکھی کی درخواست پیش کی۔ اس شرط پر کہ وہ تمام ویران علاقوں کو آباد کرا دے گا۔ در اصل قصہ یہ تھا کہ جملۃ الملک معظم خاں خان خاناں برہان پور کے صوبہ اور صوبہ برار کے نصف حصہ کو جو دکن میں پایان گھاٹ کے نام سے لکھا جاتا تھا۔ اکبر بادشاہ اور فاروقی سلاطین بیجاپور کے قدیم سررشتہ کے مطابق دکن کے چھ صوبوں سے علیحدہ کر کے شاہجہاں آباد کے تابع کر دینا چاہتا تھا (واضح رہے شاہجہاں آباد اور اس کے توابعات کو بھی عام طور سے لوگ ہندوستان کہتے تھے) اور اس سارے علاقہ کے ملکی و مالی معاملات معزولی اور تقرر کے اختیارات اپنے بڑے بیٹے مہابت خاں کے نام مقرر کرانا چاہتا تھا اس مسئلہ پر ذوالفقار خاں اور معظم خاں کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہو گئے کیونکہ بخشی الملک معظم خاں نہیں چاہتا تھا کہ دکن کے ملکی اور مالی امور میں کوئی دوسرا بھی شریک اور صاحب اقتدار بن جائے۔

تارا بائی اور ساہو کا مقدمہ

اس سے پہلے بھی راجہ ساہو کی چچی تارا بائی نے بھی جو رام راجہ کے دو خورد سال بچوں کی ماں تھی اس نے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں دس سال کی لشکر کشی سے بعد اطاعت اختیار کر لی تھی۔ "سردیسمکھی" کی درخواست کی تھی کہ نو روپیہ سیکڑہ پر بندوبست اس کے حوالہ کر دیا جائے جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مرحوم بادشاہ نے بعض وجوہ سے اس کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس وقت تارا بائی نے دوبارہ جملۃ الملک خان خاناں کے توسط سے درخواست دی تھی کہ "سردیسمکھی" بحساب نو روپیہ سیکڑہ اسی کے نام کر دی جاتے اور چوتھ کا کوئی سوال درمیان میں نہ رہے۔ وہ اس سلسلہ میں اپنے بیٹے کے نام فرمان حاصل کرنا چاہتی تھی، تاکہ وہ فرمان ملنے کے بعد سرکشوں اور مفسدوں کا قلع قمع کر کے ملک کا بندوبست سنبھال لے۔ تارا بائی کا مخالف راجہ ساہو تھا۔ اور صمصام الدولہ ذوالفقار خاں بہادر راجہ ساہو کا پشت پناہ تھا۔ پس دونوں امیروں میں اس مسئلہ پر سخت اختلاف ہو گیا۔ ادھر بہادر شاہ کے خلق و مروت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ ادنیٰ اعلیٰ کسی کی درخواست کو وہ رد نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ صورت رہتی تھی کہ جب کسی معاملہ میں مدعی، مدعا علیہ حاضر ہوتے تھے تو بادشاہ صبح میں کسی فریق کے حق میں حکم دیتا تھا تو شام کو دوسرے فریق کے حق میں اور وہ حکم بھی قطعی ہوتا تھا۔ اس سردیسمکھی کے معاملہ میں بھی جملۃ الملک اور میر بخشی دونوں ہی کے نام فرمان جاری کر دینے کا حکم دے دیا آخر ان دونوں کے جھگڑے میں سردیسمکھی نہ تارا بائی کو ملی نہ راجہ ساہو کو اور معاملہ معرض التوا میں پڑ گیا۔

خطاب و اعزاز کی بے قدری

تیموری خاندان کا ابتدا سے یہ طریقہ تھا کہ ایک خطاب دو آدمیوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر کبھی ایسا ہوتا بھی تھا تو خطاب میں ایک دو لفظ فرق کے لئے رکھ دیئے جاتے تھے۔ مگر بہادر شاہ کے زمانہ میں احمد آباد پر "صفدر خاں بابی" متعین تھا اسے

خلد مکاں کے زمانہ سے ہی یہ موروثی خطاب حاصل تھا۔ بہادر شاہ نے اپنی رکاب کے ایک قدیم ملازم کو معتمد خاں کا خطاب عطا کردیا۔ معتمد خاں ثانی نے خطاب کی بحالی کے لئے عرضی دی۔ کہ اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا ہے پھر اس کا خطاب دوسرے کو کس لئے عطا کردیا گیا۔ بادشاہ نے اس کی عرضی پر لکھا۔ بحال، بحال بحال، اگرچہ کہ دوسرے کا بھی یہی خطاب رہے گا۔" بس اس دن سے ایک ہی خطاب دو تین آدمیوں کو دینے میں کوئی قباحت باقی نہیں رہی اسی طرح منصب نوبت نقارہ ہاتھی جیغہ اور سرپیچ جیسے اعزازات بھی بے وقعت ہوگئے جو بلحاظ مراتب دیئے جاتے تھے۔

بہادر شاہ کی بے خبری و بدنظمی

ان دنوں۔ اخلاص خاں جدید الاسلام[۸] جو نفیلت و دیانت میں ممتاز تھا اور متصدی گری میں بڑا سخت آدمی تھا، اور حساب کتاب میں بڑی دقت نظری سے کام لیتا تھا۔ بادشاہ کی دریا دلی سے تنگ آگیا کہ بغیر سوچے سمجھے منصب اور ترقی بلا لحاظ مراتب عطا کردی جاتی تھی۔ عنایات کا بس ایک سیلاب تھا جو تھمتا ہی نہیں تھا آخر اس نے جملۃ الملک سے عرض کیا کہ بادشاہ کے بے پناہ جود و سخا کے لئے تو ہفت اقلیم بھی ہوں تو کافی نہیں ہو سکتے۔ ساری دنیا زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتی ہے اگر یہی حال رہا تو پھر تمام منصب داروں اور خانہ زادوں کی نوکریاں جاتی رہیں گی، کیونکہ ہندوستان کی سلطنت بادشاہ کی سخاوت کے مقابلہ میں تو عشر عشیر بھی نہیں ہے، ملک کی بہتری اور مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس معاملہ میں کوئی تدبیر اور بندوبست کیا جائے کہ اس سیل بے پناہ پر کچھ روک تو لگے اور ہندوستان کی آمدنی بادشاہ کی بخشش کی تو کم از کم پا بجائی کر سکے۔ اس کی یہ بات اگرچہ لوگوں میں اخلاص خاں کے بخل حسد اور شرارت کے عنوان سے مشہور ہوگئی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ خلق خدا کے رزق میں حائل ہونا اور خیر کے آڑے آنا بدترین اور نہایت مذموم صفت ہے، مگر اخلاص کا یہ کہنا منصف مزاج نکتہ سنج اشخاص کے نزدیک غلط بھی نہیں تھا۔

بلکہ یہ "سخن راست تلخی آمیز" تھا۔ اخلاص خاں چاہتا تھا کہ جب بھی کسی کے منصب کی یادداشت عرض مکرر اور دستخط کے لئے آئے تو اس کے اصل و نسب ودرجہ و مرتبہ کی تحقیق کے بعد ہی وزیر دستخط کرے، مگر خان خاناں نے خلق خدا کی روزی پر پابندی لگانے اور اُن کے اسناد کو روکنے کی بدنامی کو پسند نہیں کیا اور اخلاص خاں کو ہی تحقیقات کی ذمہ داری سپرد کردی۔ اخلاص خاں نے بھی لوگوں کے طعنوں اور ملامت سے ڈر کر اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ملازمت سے استعفیٰ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اس نئی خدمت پر مستعد خاں کو، جس کا عرف محمد ساقی تھا، مامور کردیا جائے۔ مستعد خاں بڑا کار پرداز راست رو، اور ساتھ ہی خوبصورت آدمی تھا۔ اس کی صورت و سیرت کو دیکھ کر ہی اس ذمہ داری کے سرانجام پانے کی اُمید بندھتی تھی۔ یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ جب بھی منصب کی یادداشت بادشاہ کے دستخط سے نکل کر عرض مکرر کے لئے آئے تو وہ مستعد خاں کے پاس بھیج دی جائے۔ اور وہ اس بات کی تحقیقات کرے کہ آیا ملازم صاحب منصب بادشاہ کی خدمت کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں اور اس نے کسی سبب اور وسیلہ سے منصب یا اضافہ حاصل کیا ہے اور کہیں اسے درجہ و مرتبہ سے زیادہ اور مقررہ میعاد سے قبل ہی اضافہ تو نہیں مل گیا ہے۔ منصب کے ساتھ یومیہ معاش وغیرہ کی تحقیقات بھی اسی کے سپرد کی گئی وہ ان امور کی تحقیقات کرنے کے بعد ہی جس۔س کا ذرا دھڑک جاتا تھا۔ مستعد خاں منصب، اضافہ اور یومیہ معاش کی یادداشتوں پر لفظ "صحیح" لکھ کر تصدیق کرتا تھا۔ مگر اکثر یادداشتوں کے ساتھ بادشاہ کی دو بیویاں مہر پرور اور امۃ الحبیب کے اور دربار کے بعض خاص مقربین کے داروغہ بھی مسلط ہو جاتے تھے اور بغیر کسی تحقیق و کاوش کے مستعد خاں سے دستخط کرا لے جاتے تھے۔

بہرحال تمام سرکاری معاملات میں بے ضابطگی راہ پاگئی اور بادشاہ کے دستخط کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ بہادر شاہ نے متصدیوں کو کہہ دیا تھا کہ "ہمارے لئے لوگوں کی سبھی درخواستوں کو منظور کر لینے کے سوا کوئی راہ نہیں اور خلق خدا کے مطالبات کی

بھی کرتی انتہا نہیں۔ بہر حال ہمارے دستخطوں کے باوجود جو تم بہتر جانو عمل کرو"
کہتے ہیں صاحب کا یہ شعر اکثر ورد زبان رہتا تھا ؎

ہر کہ ایں جا دست رد بر سینۂ سائل زند
حاجب جنت گذارد چوب پیش روز بار

شہ بے خبر

گذشتہ تاریخوں خاص طور سے خانوادۂ تیموریہ میں بہادر شاہ جیسا سخی، باہمت، خلیق، عیب پوش اور خطا بخش بادشاہ نظر نہیں آتا مگر بے عیب تو اللہ کی پاک ذات ہے۔ امور سلطنت میں ملک کی خبر گیری اور بندوبست سے وہ اس قدر لاپروا اور بے خبر رہتا تھا کہ شوخ طبع اشخاص نے اس کے جلوس کی تاریخ ہی "شہ بے خبر" سے نکال لی تھی۔ بہادر شاہ راتوں میں دیر تک جاگنے کا عادی تھا، اور دن چڑھے سے دو پہر تک پڑا سوتا رہتا تھا۔ سفر میں بھی اس کی آرام طلبی کا یہی حال تھا، عموماً کوچ میں بڑی دیر ہو جاتی تھی اور لشکر کو بڑی زحمت اٹھانا پڑتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ راتوں میں قیام بڑی تاخیر سے ہوتا تھا۔ اندھیرے میں لشکر ادھر اُدھر منتشر پڑا رہتا تھا، لوگوں کو اپنا سامان اور خیمے تک نہیں مل پاتے تھے اسی لئے ناچار لوگ بادشاہی خیمہ گاہ میں نقار خانہ اور کچہری میں اور لشکر کے بازار میں رات بسر کر لیتے تھے۔

ورنگل میں پاپرا کی بغاوت

ورنگل کا باغی

سرکار ورنگل (ورنگل) میں پاپرا نامی ایک فتنہ پرداز نے لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ورنگل کا قاضی اور دوسرے معزز اشخاص روزانہ راتوں کو مشعلیں روشن رکھتے تھے اور بادشاہ کے پاس پاپرا کے خلاف استغاثہ کیا گیا تھا۔ ہم اس واقعہ کو ابتدا سے کیوں نہ بیان کریں۔ خلد مکاں کے زمانہ میں جاں سپار خاں کا بیٹا رستم دل خاں حیدر آباد کا صوبہ دار بن گیا تھا۔ بد اصل پاپرا ذات کا کلال تھا۔ یہ قوم سیندھی بیچنے کا پیشہ کرتی تھی، (سیندھی دکن میں تاڑی کو کہتے ہیں)، اس کی ایک بیوہ بہن کافی مال دار تھی۔ پاپرا نے اس کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے سازش کی اور اس سے ملنے کے لئے گیا اور چار پانچ دن اس کے گھر ٹھیرا اور اس کی دولت زیور وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا۔ کچھ چند پیادوں کی مدد سے اُس نے اپنی بہن کو اغوا کر لیا اور اسے طرح طرح سے عذاب دے کر اور اعضاء کو داغ دے کر جلا دیا اور جو کچھ اس کی نقدی اور زیورات تھے ان پر قابض ہو گیا۔ کچھ دن بعد ہی اُس نے اپنے آدمیوں کا ایک جتھا بنا لیا اور ایک پہاڑی میں پناہ گاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ چند ہی دن میں اس کی راہزنی سے اطراف کے راستے مخدوش ہو گئے۔ اور رعیت اس کی لوٹ مار اور

غارت گری سے عاجز آ گئی۔ مسافروں کے لئے راہ چلنا دشوار ہو گیا۔ آخر اس نواح کے زمینداروں اور فوجداروں نے اس کو گرفتار کر لینے کی فکر کی اور ایک جمعیت کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیا۔

پاپڑا کی ڈاکہ زنی

پاپڑا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے فرار ہو گیا اور سرکار ایل کنڈل کے پرگنہ کولاس میں وہاں کے زمیندار ونکٹ راؤ کے پاس چلا گیا اور اس کے پاس جمعداری کی خدمت پر ملازم ہو گیا۔ کولاس میں اسے ایک اور ساتھی مل گیا۔ اس کا نام چنا ہونٹ تھا اور وہ بھی ونکٹ راؤ کے پاس جمعدار تھا پاپڑا نے چنا کو اپنا رفیق بنانے کے بعد دوبارہ اس ضلع میں راہزنی شروع کر دی۔ جب ونکٹ راؤ۔ ان کی بدمعاشیوں کی خبر ملی تو اس نے دونوں کو پکڑ کر قید کر دیا اور سخت سزائیں دیں۔ ایک دو ماہ بعد ونکٹ راؤ کا بیٹا سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی بیوی نے بیٹے کی شفایابی کے لئے تمام قیدیوں کو چھوڑ دینے کی سفارش کی۔ پاپڑا بھی انہی قیدیوں کے ساتھ رہا ہو گیا اور وہاں سے نکل کر موضع شاہ پور میں چلا گیا۔ یہ ایک دشوار گذار کوہستانی علاقہ تھا جو سرکار بھونگیر میں ترکندہ پرگنہ کے ماتحت تھا یہاں اسے ایک اور فتنہ پرداز سرودا نامی مل گیا۔ دونوں نے مل کر ڈاکوؤں کا ایک بڑا جتھہ بنا لیا اور شاہ پور کی ایک پہاڑی پر کچا احاطہ بنا کر گڑھی تعمیر کر لی۔ اور اس گڑھی کی پناہ میں رہتے ہوئے دونوں اطراف واکناف میں لوٹ مار کرنے لگے۔ جہاں بھی سنتے تھے کہ کوئی ہندو یا مسلمان خوبصورت عورت ہے اور مال و دولت ہے تو وہاں یہ چھاپہ مارتے تھے اور عورتوں کو اڑا لے جاتے تھے اور لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ ان کی ڈاکہ زنی سے تنگ آ کر ہر قوم کے بیوپاریوں اور معزز اشخاص کا ایک وفد بادشاہ کے پاس فریاد لے کر آیا اور پاپڑا کے خلاف انھوں نے استغاثہ کیا اور رستم دل خاں صوبہ دار حیدر آباد کے پاس دربار سے اس کی سرکوبی کا حکم نامہ لے آئے۔

قاسم خاں اور پاپڑا کا مقابلہ

جب رستم دل خاں کو یہ حکم ملا تو اُس نے قاسم خاں افغان کو جو بڑا صاحب تدبیر اور بہادر فوج دار تھا۔ پرگنہ کلپاک کی فوج داری پر مقرر کر دیا اور اُسے ایک فوجی دستہ دے کر پاپڑا کو گرفتار کرنے کی تاکید کی۔ کلپاک شاہ پور سے سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ قاسم خاں نے کلپاک پہنچنے کے بعد پرگنہ کا بندوبست کرایا۔ اور اس علاقہ کے بدمعاشوں اور مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور ہمہ وقت پاپڑا کو گرفتار کرنے کی فکر میں لگا رہا۔ پاپڑا بھی اس کے مقابلہ میں کبھی کبھی شوخی کر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس ملعون نے پرگنہ کلپاک کے ایک موضع پر حملہ کر دیا۔ قاسم خاں کو اطلاع ملی تو وہ اسی وقت اس موضع میں پہنچ گیا اور وہاں پاپڑا سے اس کی اچھی خاصی جنگ ہوئی۔ جب پاپڑا کے آدمی کافی تعداد میں مارے گئے تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور ایک پہاڑی میں جا کر پناہ لے لی قاسم خاں اس کے تعاقب میں تنہا نکل آیا تھا اور اس کے قدم بہ قدم بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اسی دوران میں پاپڑا کے کسی ساتھی نے بندوق سے اس پر فائر کر دیا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی اور وہ اسی جگہ شہید ہو گیا۔ اور اس کی بقیہ فوج ہزیمت کھا کر بھاگ گئی۔ پاپڑا نے شکست خوردہ فوج کو جی بھر کر لوٹا اور بڑی تباہی مچائی۔

شاہ پور کی قلعہ بندی

رستم دل خاں کو یہ خبر ملی تو اُس نے ایک اور دلیر افسر کی ماتحتی میں دوسری فوج روانہ کی مگر وہ بھی اس کے مقابلہ میں ناکام رہا آخر رستم دل خاں خود اس بدبخت کی سرکوبی کے لئے نکلا اور شاہ پور پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا پاپڑا اور سروا دو ماہ تک محصور رہ کر جنگ کرتے رہے۔ آخر وہاں سے وہ جان بچا کر فرار ہو گئے۔ رستم دل خاں نے ان کی گڑھی کو مسمار کرا دیا اور شاہ پور سے لوٹ آیا۔ مگر پاپڑا اور سروا رستم دل خاں کے پشت پھیرتے ہی دوبارہ شاہ پور پہنچ گئے اور کچی گڑھی کو انھوں نے پتھر چونے سے پختہ کر لیا اور توپ نصب کر کے کافی سامان جنگ گڑھی میں جمع کر لیا۔

ورختی کہ اکنوں گرفتہ است پائی — بہ نیروی مردی بر آید ز جائی
اگر ہم چناں روزگاری ہلی — بگرددنش از بیخ بزنگسلی

اورحسب سابق غارت گری اور راہزنی میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں رستم دل خاں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور ان کو گڑھی بنا لینے کا موقع دیا۔ اس کے اس رویہ کی وجہ سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ رستم دل خاں خود نہیں چاہتا تھا کہ ان مفسدوں کا پوری طرح قلع قمع ہو جاتے۔ بلکہ وہ ان کی شر انگیزیوں کو اپنی کارگذاری جتلانے اور اضافہ وترقی حاصل کرنے کے لئے ایک ذریعہ بنائے ہوئے تھا۔ بہرحال کوئی وجہ رہی ہو، اُن کے فتنہ وفساد نے کافی طول پکڑ لیا۔ یہ حال ہوگیا تھا کہ اس کے خوف سے شاہ پور کے اطراف پندرہ بیس کوس تک کوئی شخص رات کو آنکھ لگا کر سو نہیں سکتا تھا۔ اس درمیان میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ سروا کا ایک جمعدار پردل نام تھا۔ کسی بات پر ان دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے سے تنہا مقابلہ کرنے پر کھڑے ہوگئے۔ اس طرح کے شخصی مقابلوں کا دکن میں بہت رواج ہے۔ پردل خاں نے سروا کے پاؤں پر بڑا کاری زخم لگایا۔ مگر خود بھی اُس کی زد میں آکر مارا گیا۔ چند دن بعد سروا بھی اسی زخم سے جہنم رسید ہوگیا۔ سروا کے مارے جانے سے پاپڑا اور زیادہ خود مختار ہوگیا اور اس کی قوت کافی بڑھ گئی اور اس نے ایک بڑی فوج اور ذخیرہ جمع کرکے اطراف واکناف کے قلعوں کو تسخیر کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی دوران میں رستم دل خاں نے کئی بار شاہ پور کا محاصرہ کیا۔ مگر مہم کو ادھورا چھوڑ کر اس سے کچھ رقم لے کر واپس چلا آیا۔

ورنگل پر پاپڑا کا حملہ

کچھ عرصہ بعد اس کا فرنے قلعہ ورنگل پر قبضہ کرنے کی تیاری کی۔ ورنگل شاہ پور سے سولہ سترہ کوس پر واقع ہے۔ ورنگل کا قصبہ بڑا تجارتی مرکز تھا۔ وہاں بڑے بڑے سرمایہ دار تاجروں

کے ذخیرے تھے۔ لاکھوں کا قیمتی کپڑا اور قالین ان کے کارخانوں میں تیار رہتے تھے۔ پاپڑا نے ورنگل پر ڈاکہ مارنے کے لئے محرم (۱۱۲۰ھ) کی دسویں رات کو منتخب کیا۔ اس دن شہر کے تمام مسلمان اور ہندو محرم کے تابوتوں کے گشت اور جلوس میں مشغول تھے۔ پاپڑا دو تین ہزار پیادوں اور چار سو پانچ سو سواروں کو لے کر قلعہ ورنگل کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا اور اپنے آدمیوں کو اس نے راستوں کی ناکہ بندی پر مقرر کر دیا اور ایسا انتظام کیا کہ قصبہ والے واقف ہی نہ ہو سکے کہ ایک آفت عظیم ان کے سر پہ مسلط ہے۔ جب رات کافی گزر گئی اور لوگ تھک تھکا کر بے خبر سو گئے تو وہ مکار آخر رات میں اپنی فوج کو لے کر نکلا۔ اس وقت قلعہ ورنگل کے برج اور فصیل کے استحکام و حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے اس کے پیادے بلا دقت قلعہ پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ قصبہ پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ پاپڑا کو اس واردات میں بڑی دولت ہاتھ آئی۔ لاکھوں کا نقد اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ بھاری قالین کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اڑائے گئے۔ تقریباً بارہ پندرہ ہزار شرفا کے گھرانوں پر یہ لٹیرے ٹوٹ پڑے۔ عورت مرد بچے سب اس کے رحم و کرم پر تھے۔ قاضی محمد سعید کی بیوی کو اس کی آٹھ نو سال کی بچی کے ساتھ پکڑ لے گئے۔ پاپڑا وہاں دو تین دن تک بڑے اطمینان سے رہا اور اس قصبہ کے تمام گھروں کا اس نے اس طرح صفایا کر دیا کہ سارے لوگ محتاج اور قلاش ہو گئے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں قاضی کی بیوی کو تو اپنے تصرف میں کر لیا اور قاضی کی بیٹی کو ناچ گانا سکھانے کے لئے رقاصوں کے سپرد کر دیا۔ قاضی کو بھی چند دن تک روک رکھا۔ اس نے اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے بڑی عاجزی اور منت در آمد کی مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ آخر چند دن بعد قاضی کو روانہ کر دیا۔

پاپڑا کی سواری

پاپڑا کی قوت اور شان اس قدر بڑھ گئی کہ اس کی سواری بڑے شاہانہ انداز سے نکلنے لگی۔ سات سو خاص بندوقیں تیار کرائی تھیں۔ ہر بندوق کے ساتھ دو دو میگزین لگے ہوتے تھے۔ ایک ختم ہو جا

تو دوسرا کام دیتا۔ تمام حوالی موالی اس کی پالکی یا سواری کے گھوڑے کے اطراف جلوس کی صورت میں چلتے۔ اب اس کی غارت گری کا سلسلہ بھی طویل ہو گیا۔ ایک دن بنجاروں کے ایک مشہور ٹولہ کو امان کا قول دے کر قلعہ میں بلایا اور انھیں قید کر دیا۔ ان کے ساتھ غلہ اور اناج سے لدے ہوئے دس بارہ ہزار بیل تھے۔ اور دوسرا مال و اسباب بھی تھا۔ ان پر پاپڑا نے قبضہ کر لیا اور بیلوں کو کھیتی باڑی کے لئے جگہ جگہ بھجوا دیا۔

بھونگیر پر پاپڑا کا حملہ

اب پاپڑا بھونگیر کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں رہا۔ بھونگیر ایک مستحکم اور مشہور قلعہ ہے جو حیدر آباد سے سولہ کوس پر ہے اور شاہ آباد سے بھی اس کا فاصلہ سولہ کوس کا ہے۔ ربیع الاول کی ۱۲ ار تاریخ کو جب کہ مسلمان شرفاء کے گھرانوں میں حضرت رسالت پناہ کی فاتحہ کے لئے نزدیک و دور سے ان کے رشتہ دار آئے ہوئے تھے کہ وہ ملعون صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے نیچے پہنچ گیا۔ زینے اور کمند لگا کر وہ قلعہ پر چڑھنے لگے تھے کہ ایک بڑا پتھر جس پر کمند ڈالی گئی تھی۔ ٹوٹ کر اس چھتے پر گرا جس میں قلعہ کی چوکی پہرہ کے لوگ رہتے تھے۔ پتھر کے گرنے سے دھماکہ ہوا۔ توپ چوکیدار جاگ اٹھے قصبہ والوں نے بندوقوں کی دو تین آوازیں بھی سُنی تھیں۔ اب ہر طرف پاپڑا کے پہنچنے کا غل ہونے لگا اور سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اگرچہ قلعہ اس ملعون کے ہاتھ نہ آسکا مگر ان لٹیروں نے قصبہ ایک پہر دن تک خوب لوٹا۔ پاپڑا سوانح نگار کے گھر میں جا کر بیٹھ گیا تھا اور وہاں سے اپنے حکم نافذ کر رہا تھا۔ اس کے آدمی زر نقد کی تلاش میں اور زمین کھود کر دفینے نکالنے کی فکر میں تھے۔ گھر میں دو بڑی دیگیں چار پانچ تھال اور سرپوش رکھے ہوئے تھے پاپڑا کے سامنے یہ برتن لائے گئے تو بگڑ کر کہا۔ جس آدمی کے پاس کھانے کے یہ برتن ہوں اس کے پاس نقدی دفینہ کہاں سے مل سکتا ہے۔ قلعہ سے چونکہ سخت گولہ باری شروع ہو گئی تھی اور سنگ اندازی بھی ہو رہی تھی۔ پھر ہر طرف سے اس کے مقابلہ کے لئے کافی لوگ

جمع ہوتے جارہے تھے۔ اس لئے اس نے بھاگنے کی فکر کی اور راستہ میں جو کوڑی کے بڑے بڑے ذخیرے تھے۔ ان کو آگ لگوادی۔ تاکہ ان کے دھوئیں میں اس کے آدمی نکل جائیں اور قلعہ والے گولہ باری نہ کرسکیں۔ غرض وہ وہاں سے بھاگ گیا مگر اپنے ساتھ قصبہ کے دو تین ہزار عورتوں اور مردوں کو گرفتار کرکے لیتا گیا۔

اغوا کا ایک واقعہ

معتبر راوی سے یہ سننے میں آیا ہے کہ اس بدبخت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو بھی مسلمان عورت کو قید کرلائے گا۔ اس کو پانچ روپیہ انعام ملے گا اور جو کسی قاضیوں اور خانگوں کے مشہور گھرانوں کی عورت کو پکڑ لائے گا اس کو پانچ ہون ملیں گے اس دن جب کہ قصبہ کو یہ لوگ تاخت وتاراج کررہے تھے۔ ایک شریف مشائخ گھرانے کی سات آٹھ سالہ لڑکی کو جس کا رشتہ قاضی شیخ زین الدین کے خاندان سے تھا اس کافر کے ایک بندوقانداز نے پکڑلیا اور بکری کے بچہ کی طرح اس کو پیٹھ پر لاد کر قصبہ سے باہر نکلا۔ اسی وقت ایک مسلمان سوار جو شیخ زین الدین کے سلسلہ میں دور نزدیک کا رشتہ دار بھی تھا اور گردش زمانہ کے ہاتھوں پاپڑا کی فوج میں نوکر ہوگیا تھا۔ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ پیادہ نے اپنی پیٹھ پر ایک لڑکی کو لاد رکھا ہے اور وہ روتی جاتی ہے اور فریادیں کررہی ہے۔ سوار نے یہ جان کر کہ یہ مسلمان کی بچی ہے۔ بڑا رحم آیا اس کی رہائی کے لئے پیادہ سے التجا کرنے لگا۔ پیادہ نے تندی اور تلخی سے جواب دیدیا اور کہا "اگر تو میرے قریب آیا یا اس لڑکی کی رہائی کے لئے کوشش کی تو بس بندوق چلادوں گا"۔ سوار نے نرمی اور عاجزی سے باتیں کرکے پیادہ کو کچھ ٹھنڈا کیا اور اس لڑکی سے اس کا حال پوچھا اس نے جب اپنے قبیلہ خاندان کا ذکر کیا تو سوار پہچان گیا کہ وہ شیخ زین الدین کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر اس نے پیادہ کو نقد روپے اور مال دے کر لڑکی کو چھڑانے کی کوشش کی کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر وہ اس لڑکی سے باتیں کرتے اور اس پیادہ سے حال احوال پوچھتے ہوئے قریب آگیا۔ باتوں میں

جب وہ ذرا غافل ہوا تو سوار نے تلوار کھینچ کر اس کی گردن پر اچانک ایسا وار کیا کہ لڑکی کو تو کوئی گزند نہیں پہنچا اور اس کا سر کٹ کر دور جا پڑا اور اس نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کر لیا اور قلعہ کے پاس لے آیا۔ وہاں قلعہ میں لڑکی کے اغوا پر ماتم برپا ہوگیا تھا کوئی دو ہزار آدمی جمع تھے اور افسوس و ماتم کر رہے تھے۔ اس سوار نے لڑکی کو وہاں چھوڑ دیا اور دور سے ہی ان کو اطلاع دے کر بڑے اضطراب و پریشانی میں پاپڑا کے پاس لوٹ کر چلا گیا۔

تارکینڈا میں قلعہ بندی شاہ پور سے چار کوس پر موضع تارکینڈا ہے اسی موضع کے قریب اس نے ایک دشوار گذار پہاڑی کو منتخب کیا جس کے نشیب و فراز قلعہ بندی کے لئے نہایت موزوں تھے اور وہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کرایا جہاں وہ وقت بے وقت پناہ لے سکتا تھا۔ اکثر قیدیوں کو اس نے اسی قلعہ میں بند کرا دیا۔ وہاں ایک بڑی جمعیت بھی متعین کردی اور ضروری اشیا کے ذخیرے بھی جمع کرا دیئے۔ جہاں بھی کسی بالغ یا نابالغ لڑکی کی شادی ہوتی وہ راستہ سے بلکہ گھر سے دلہن کو اڑا لاتا۔ چنانچہ لوگوں نے شادی بیاہ کی رسم ہی بند کردی۔ غرض اس کے مظالم سے اس ضلع کے باشندوں کا خواب و خور حرام ہوگیا تھا۔

بہادر شاہ کے حضور فریاد جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ایک قاضی کی بیوی پاپڑا کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔ اس عورت کا باپ خدا رسیدہ گوشہ نشین آدمی تھا اور مشہور مشائخوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ دوسرے شرفا کے ساتھ بہادر شاہ بادشاہ کے حضور آیا اور روزانہ مسلوں کو روشن کرکے بار بار یہ درخواست کی کہ بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ خود اس کافر کی سرکوبی کے لئے چلیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایک سیندھی فروش کے مقابلہ پر جائیں۔ اپنے ایک ملازم کو ہم حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر کرتے ہیں اور ایک اچھی فوج اس کے ہمراہ دے کر روانہ کرتے ہیں۔ اس جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا اور

اس نے بہت زیادہ اصرار اور ساجت کی یہاں تک کہ دربانوں نے تنگ آکر بڑی بے عزتی اور ذلت سے اسے باہر نکال دیا۔ ایک تو بے ناموسی کا غم تھا ہی اب یہ مزید بے آبروئی ہوئی۔ چنانچہ وہ غریب اپنے گھر والوں اور آدمیوں سے رخصت اور وداع ہو کر گھر کے ایک گوشے میں دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اور چالیس دن تک گھر سے باہر نہ نکلا اور اسی عالم میں جاں بحق ہو گیا۔

کلپاک کا معرکہ

بعد میں بادشاہ نے یوسف خاں روز بیانی کو حیدر آباد کی صوبہ داری تفویض کر دی۔ اس کو ہر صورت بار اضافہ اور اعزازات عطا کئے۔ پھر خلوت میں بلا کر پاپڑا کی سرکوبی کے لئے سخت تاکید کی۔ یوسف خاں بادشاہ سے رخصت ہو کر حیدر آباد آیا اور حیدر آباد میں داخل ہونے کے بعد ہی اس نے ایک تجربہ کار اور بہادر جمع دار دلاور خاں کو عمدہ فوج دے کر پاپڑا کافر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ بہادر افغان سردار ہشدار خاں، نیاز خاں اور تاتار خاں بھی مقرر کئے گئے۔ اس فوج کے مقرر ہونے سے پہلے وہ بدبخت شاہ پور سے آٹھ کوس پر قصبہ کلپاک پر حملہ کرنے گیا ہوا تھا۔ کلپاک کے زمیندار سے اس کی جانی عداوت تھی اس نے موقع پا کر کلپاک کا محاصرہ کر لیا۔ زمیندار محصور ہو کر بڑی ناامیدی اور مُردہ دلی سے جنگ کرتا رہا۔ یوسف خاں کے پاس بھی اس زمیندار کی کئی ایک درخواستیں فوج اور کمک کو طلب کرنے کے لئے آئیں۔ افغانوں کی فوج آنے کے بعد بھی وہ مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ جب اس کے کافی آدمی مارے گئے تو محاصرہ اٹھا کر رام لچھمن نامی توپ لے کر واپس چلا گیا۔ یہ توپ وہ شاہ پور سے گولہ باری کے لئے لایا تھا۔ کلپاک کے تھانہ دار دلاور خاں نے تھانہ قائم کر دیا اور موقع کا منتظر رہا۔ اس بدبخت کے آدمی بھی کلپاک کے اطراف تک لوٹ مار کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

پاپڑا کے خلاف سازش

اس ظالم نے اپنے سالے تمک کو ایک کثیر جماعت کے ساتھ عرصہ دراز سے قلعہ میں قید کر رکھا تھا۔ باہر سے اس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ صرف اس کی بیوی کو اجازت تھی کہ وہ آٹھ

گھنٹوں میں ایک بار اس کے لئے کھانا لے کر جا سکتی ہے۔ اس نے اپنی عورت سے کہا۔ کھانے کے ساتھ چھپا کر تین چار سوہان لے آؤ تو اس کی بیوی نے فرمائش پوری کی اور تیز دانت کے چند سوہان کھانے کے نیچے رکھ کر اپنے شوہر کو پہنچا دیئے۔ اُس نے سوہان سے اپنے پاؤں کی اور دوسرے چند ساتھی قیدیوں کی زنجیریں کاٹنی شروع کیں۔ روزانہ تھوڑا تھوڑا لوہا وہ کاٹتے رہتے تھے۔ جس دن زنجیروں کے کاٹنے کا کام ختم ہوا اتفاق سے پاپڑا مچھلی کے شکار کے لئے شاہ پور سے دو کوس پر گیا ہوا تھا۔ اور خوش قسمتی سے اس دن صرف وہ نگہبان رہ گئے تھے جو قیدیوں پر مقرر تھے یا دروازہ کے دربان تھے۔ قلعہ میں زیادہ آدمی نہیں تھے۔ زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ تمام قیدی زنجیریں اُتار کر نکلے اور نگہبانوں پر اور دروازے کے دربانوں پر حملہ کر دیا اور سب کو ختم کر کے دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے بہت سے لوگ جو وہاں قید تھے یا اس کے مظالم سے تنگ تھے۔ ان کے ساتھ ہو گئے۔ پاپڑا کے سالے نے اس کے شکار پر جانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کے ذریعہ کہلا بھیجا تھا کہ وہ تیار رہے اور جیسے ہی توپ چلنے کی آواز سنے، جتنی فوج بھی ممکن ہو ساتھ لے کر آ جائے۔ جب قلعہ کے اس ہنگامہ کی خبر اس مردود کو پہنچی تو اُس نے ہنستے ہوئے خبر لانے والے کی زبان کاٹ دینے کا حکم دیا۔ مگر بعد میں جب اس اطلاع کی متواتر تصدیق ہوئی تو پریشان ہو کر سوار ہوا جس وقت وہ شاہ پور کے دروازہ کے مقابل پہنچا تو توپ چلنے کی آواز بلند ہوئی۔ کلپاک میں جب توپ کی گرج سنائی دی اور ہرکاروں نے بھی آکر اطلاع دی تو دلاور خاں بھاری فوج لے کر سوار ہوا اور اس وقت روانہ ہو گیا۔ دلاور خاں کے پہنچنے سے پہلے پاپڑا نے قلعہ میں داخل ہونے کی لا حاصل کوشش کی۔ پھر دروازہ کو آگ لگانے کا حکم دیا مگر خود اُس نے قلعہ بناتے وقت مزید استحکام کے لئے دروازہ کے اوپر ایسی صنعت کر رکھی تھی کہ اگر دروازہ نکال دیا جائے یا جلا دیا جائے تو آہنی تختے اور پتھر کی چوڑی سلیں اوپر سے نیچے اتر آتی تھیں اور لکڑی کی جگہ لگ جاتی تھیں۔ اس کی یہ حکمت اس کے لئے ہی بلائے جان بن گئی۔

تارکینڈا کا محاصرہ

دروازہ کو آگ لگی تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا پاپڑا نے چند بھینسوں کو ذبح کرکے ان کی کھال کھنچوائی ایک خون آلود کھال اس نے پہن لی دوسری کھالیں اور لوگوں نے۔ اب یہ لوگ کچی کچی کھالیں پہن کر اس آگ میں گھسنے لگے تاکہ قلعہ میں داخل ہو جائیں مگر یہ ممکن نہ ہوا۔ چند قدم جا کر لوٹ آئے۔ دروازہ جیسے ہی جل کر خاک ہوا لوہے اور پتھر کے تختے اوپر نیچے اُتر آئے اور اس کے ہاتھی اور فوج کے لئے سد راہ بن گئے۔ بس اسی وقت کلپاک کی فوج بھی پہنچ گئی اور پاپڑا کے آدمیوں سے بڑی سخت مار دھاڑ شروع ہوگئی اور وہ فصیل کی پناہ لیتے ہوئے مدافعت کرتے رہے جو بالکل بے فائدہ تھی۔ آخر دلاور خاں کے آدمی فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوگئے اور پاپڑا کے سالے کو بہت آفریں اور شاباش دی۔ پاپڑا شام کے وقت جب کہ اس کی ساری فوج منتشر ہوگئی تھی بھاگ نکلا اور قلعہ تارکینڈا پہنچ گیا مگر قلعہ والوں نے احتیاط کے مارے رات کے وقت اسے قلعہ میں داخل ہونے نہیں دیا۔ صبح ہوئی تو قلعہ میں گیا اور فصیل برج وغیرہ کو مستحکم کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے میں مصروف ہوگیا اس کی منتشر فوج بھی تارکینڈا پہنچ گئی۔ یوسف خاں کے آدمی تین چار دن تک قلعہ شاہ پور میں ٹھیرے رہے اور مال و اسباب کی جمع بندی اور قلعہ کے انتظام و بندوبست میں مصروف رہے۔ اور یوسف خاں کے حکم کا انتظار کرتے رہے۔ یوسف خاں اس ملعون کے خلاف مہم کی تیاریوں سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہ تھا اس خبر کے پہنچتے ہی اس نے اپنے دیوان مرزا علی کو جو بہادری اور کارگذاری میں رستم ثانی تھا۔ پانچ چھ ہزار سوار دے کر اس وقت اتنی ہی فوج اس کے پاس تھی۔ بلاتاخیر روانہ کر دیا اور مرزا علی نے شاہ پور پہنچ کر مالی اور انتظامی معاملات سرانجام دیئے اور جتنی فوج فراہم ہو چکی تھی اسے لے کر تارکینڈا کے محاصرہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ تین چار ماہ تک اس نے قلعہ کا محاصرہ رکھا۔ مورچہ بندی کی نقب لگائی یورش اور حملے کئے غرض کوئی تدبیر نہیں چھوڑی مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بعد میں خود یوسف خاں مزید پانچ چھ ہزار سوار لے کر پہنچ گیا اب

دس بارہ ہزار سوار بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے تھے۔ اطراف واکناف کے قلعدار اور زمیندار بھی مدد پر پہنچ گئے تھے۔ مگر اس کا فرجہنمی پاپڑا نے اس خوبی سے قلعداری کے فرائض انجام دیئے۔ جس کی تفصیلات معتبر اور ثقہ راویوں سے سننے میں آئی ہیں مگر ان کے تذکرہ سے طوالت کا اندیشہ ہے۔

پاپڑا کا فرار

جب محاصرہ پر نو ماہ گذر گئے اور دونوں طرف سے گولہ باری اور سنگ باری میں بکثرت آدمی مارے گئے تو یوسف خاں نے اپنے لشکر میں امان اور قول کا جھنڈا لہرا دیا اور خفیہ طور پر قلعہ کے آدمیوں کو پیغام دیا کہ پاپڑا کا ساتھ چھوڑ کر وہ امان لے لیں۔ جس قدر روزینہ ان کو پاپڑا دیتا تھا اس سے دگنا روزینہ ادا کرنے کی حامی بھی بھرلی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور پاپڑا کی فوج میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور لوگ جوق در جوق قلعہ سے نکل کر امان اور قول کے پرچم کے نیچے جمع ہونے لگے یوسف خاں نے ان کو کافی رقمیں دیں۔ جب قلعہ میں بارود کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا تو یوسف خاں نے دوبارہ قلعہ پر یورش کی اور قلعہ کے اطراف کے حصوں تجہ پر کوٹہ۔ بارہ و برج پر قابض ہو گیا۔ پاپڑا کے برے دن آگئے تھے۔ اس نے فرار ہو جانے ہی میں خیریت دیکھی۔ قلعہ میں ایک سرنگ تھی جس میں ایک زینہ سے اترتے تھے اندھیرے کے سبب چراغ لے کر جانا پڑتا تھا۔ پاپڑا بھیس بدل کر اسی سرنگ کے ذریعہ باہر نکل گیا اس نے اپنے فرار ہونے کی کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے بیٹوں کو بھی اس کی خبر نہیں تھی چنانچہ دو روز تک اس کے بھاگ جانے کی اطلاع نہ ہو سکی اور اس کے آدمی برابر قلعہ پر لڑنے میں مصروف رہے۔

پاپڑا کا قتل

پاپڑا قلعہ سے نکل کر حسن آباد پہنچا جو اسی کا بسایا ہوا موضع تھا اور تارکینڈا سے اس کی مسافت دو منزل تھی۔ حسن آباد میں اس نے ایک تاڑی فروش کے پاس پہنچ کر اچھی تاڑی لانے کی فرمائش کی۔ پاپڑا نے بھیس بدل رکھا تھا مگر اس کی شکل صورت اور لہجہ آواز سے تاڑی فروش نے پہچان لیا اور اس کو عمدہ تاڑی لانے کا لالچ دے کر وہاں بٹھائے رکھا۔ حسن آباد کی حکومت

پاپڑا کے سالے سے متعلق تھی جو اس کی جان کا لاگو ہو رہا تھا اور وہاں کے سب لوگ اس کے خون کے پیاسے تھے۔ غرض تاڑی فروش نے نائب فوج دار کو جا کر مخبری کر دی اور اس وقت دو سو سپاہی اسے گرفتار کرنے پہنچ گئے۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر چلائے اور نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر اس کی ٹانگ میں ایک گولی لگی اور وہ بھاگ نہ سکا۔ جب اسے گرفتار کر کے یوسف خاں کے سامنے پیش کیا گیا تو بدزبانی کرنے لگا اور اول فول بکتا رہا۔ چند دن تک خزانے دفینے کی تحقیق کے لئے اُسے قید میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے عضو عضو کو کاٹ کر جدا کر دیا اور اس کا سر دربار میں بھجوا دیا اور اس کی لاش کو حیدر آباد کے دروازہ پر لٹکا دیا۔ اور وہ بدبخت کیفر کردار کو پہنچا۔

دہقان سال خوردہ چہ خوش گفت با پسر
کر ای نور چشم من بجز از کشتہ ندروی

قلعہ قندھار پر باغیوں کا قبضہ

قطب منزل بہادر شاہ کے سن جلوس کے آخر میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جو کابل اور ملتان کے اخبار نویسوں کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔ فردوس آشیانی ہمایوں بادشاہ کے زمانہ سے شاہ ایران اور بادشاہان دہلی کے درمیان "قندھار" کا قلعہ باعث نزاع بنا ہوا تھا اور کئی بار فوج کشی ہو چکی تھی۔ ان دنوں گرگین خاں نامی ایک ایرانی امیر جو شاہ ایران کی طرف سے قلعہ دار اور "ضابطہ بحر" تھا۔ قندھار میں مقیم تھا۔ میر اویس افغان ایک قبیلہ کا سردار (تمن دار) تھا اور شجاعت و بہادری میں مشہور تھا اسی تمن داری کے سلسلہ سے "میر" کہلاتا تھا۔ یہ شخص گرگین خاں کا معتمد اور صاحب رائے ملازمت تھا۔ قلعہ کے ایک دروازہ کا انتظام بھی اسی کے سپرد تھا۔ قندھار کے قلعدار گرگین خاں سے کبھی کبھی اس کی ناچاقی ہو جاتی تھی اور جب معاملہ رفع دفع ہو جاتا تو باہم دہ مل بھی لیتے تھے۔ مگر افغان کے دل میں اس کی طرف سے کدورت و ملال برابر رہا اور اس کا کینہ بڑھتا رہا۔ اس زمانہ میں قلعہ کے باہر افغانوں بلوچوں اور ازبکوں کی طرف سے اکثر شورش ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن افغان کسی انتظام کے بہانہ میر اویس گرگین خاں کو قلعہ کے باہر دامن کوہ پر ساتھ لے کر گیا اور

ضیافت کے بہانے رات تک اُسے وہاں روک لیا۔ضیافت کے بعد مشاورت کے حیلے سے خلوت میں اسے لے گیا اور اس کے ہمراہیوں سے جدا کر دیا۔ جیسے ہی وہ مقررہ مقام پر پہنچا۔ افغان کے جلادت پیشہ ساتھی کمین گاہ سے نکل آئے اور اچانک قلعدار پر حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ کے دس بارہ آدمیوں کو بھی گھیر کر مار دیا یا گرفتار کر لیا۔ اور قلعہ دار کے دوسرے آدمیوں کو خوشی ناخوشی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ افغان نے ایسی نگرانی رکھی تھی کہ گرگین خاں کے قتل کی اطلاع قلعہ میں نہیں پہنچ سکی۔ اور وہ اسی رات سواری کا نقارہ بجاتا ہوا قلعہ کی طرف لوٹ گیا اور اسی دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو گیا جو اس کے زیر انتظام تھا۔ قلعہ میں گرگین خاں کے جو آدمی تھے، اُن کو بھی قتل اور قید کر کے تمام مال و اسباب اور خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور مصلحت کے تحت اُس نے وہاں "قطب الدین بہادر شاہ" کے نام کا خطبہ پڑھا دیا اور قلعہ کی سونے کی چابی فتح کی عرض داشت کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھجوائی اور اپنے لئے پانچ ہزاری منصب کی اور اپنے بیٹے محمود خاں اور بھائی بندوں کے لئے مناصب عطا کرنے اور قلعہ داری کی سند جاری کرنے کے لئے درخواست کی۔ خلد منزل بہادر شاہ شاہ ایران سے اتفاق و اتحاد کا قائل تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں غلط کار ایلچیوں کی وجہ سے جو رنجش اور ملال پیدا ہو گیا تھا دور ہو جائے۔ چنانچہ پہلے تو تجار کے ذریعہ نامہ و پیام اور تحائف بھیجے گئے۔ اس کے بعد تجربہ کار سفیروں کے ذریعہ دیرینہ تعلقات کی تجدید ہوئی۔ مگر اب جو قندھار کا معاملہ پیش آیا تو خلعت فرمان اور قلعہ داری کی سند جاری کر دی اور میر اویس افغان کو پانچ ہزاری کا منصب اور اس کے ہمراہیوں کو درجہ بدرجہ مناصب عطا کر دیئے۔ دوسری طرف بہادر شاہ نے تاجروں کے ذریعہ خفیہ پیغام سلطان حسین شاہ ایران کے پاس بھجوا دیا کہ افغان کی نمک حرامی سے ہم کو سخت رنج پہنچا ہے۔ اس کے خلاف آپ جلد کارروائی کریں اور خاطر جمع رہیں کہ ہماری طرف سے کوئی کمک نہیں جائے گی۔

یہ اطلاع شاہ ایران کو پہنچ گئی مگر وہ زمانہ ہی کچھ ایسا بگڑا ہوا تھا کہ شاہ ایران بھی امور سلطنت سے قطعاً بے خبر اور لاپرواہ تھا وہ فوج کشی اور مردم کشی کا قائل ہی نہیں تھا۔ علماء و فضلا کی صحبت اور عمارتوں کے انہدام و تعمیر سے ہی اسے فرصت نہیں ملتی تھی کہ امور مملکت کی طرف توجہ کرتا۔ اپنے آباد اجداد کے مسلک کے خلاف وہ تصوف دار یا بے قصور کسی امیر کے قتل پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شرعی اور قانونی ثبوت مہیا ہو جانے کے باوجود وہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کردینے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ سرکار سے ان کو خون بہا کی رقم ادا کر دیتا تھا۔ اس کی اس رحم دلی کی وجہ سے سلطنت ایران کا نظم و نسق خراب ہوتا جارہا تھا۔ غرض سلطان حسین نے قلعہ قندھار کی جلد فکر نہیں کی۔ دو سال بعد کہیں جاکر چند فوجیں متعین کردیں۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس غفلت کا خمیازہ اسے آخر اٹھانا پڑا جس کا ذکر ہم محمد شاہ بادشاہ کے ذکر میں کریں گے۔

حیدرآباد کی تسخیر کے بعد عالمگیر بادشاہ نے اس کا نام "دارالجہاد" رکھا تھا۔ بہادر شاہ نے حکم دیا کہ حیدرآباد کو "فرخندہ بنیاد" لکھا جائے۔

حیدر آباد سے بہادر شاہ کی واپسی

(خلد منزل بہادر شاہ کے جلوس کا تیسرا سال مطابق دس سو بیس ہجری ۱۱۲۰ھ)

اس سال کے آخر میں ۱۰ ماہ ذوالحج کو تیسرے سال کا آغاز ہوا۔ سفر کے حسب حال جشن کا انعقاد عمل میں آیا۔ جو نقد انعامات ہاتھی گھوڑے، جواہرات اور ترقیاں دی گئیں ان کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے شاہزادوں کو ہدایت کی کہ وہ نالکیوں پر جن کو تخت رواں کی صورت میں ترتیب دیا گیا تھا سوار ہو کر نکلیں۔ اعظم شاہ، بیدار بخت اور کام بخش کے بیٹوں کو خلعتیں عطا ہوئیں ان کو دربار میں بیٹھنے اور سواری کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہونے کے اعزاز ملے اور ان کو جان کی امان اور عزت و آبرو کی بحالی کا مکرر اطمینان دلایا گیا۔ جملۃ الملک خان خاناں، بخشی الملک ذوالفقار خان بہادر کو حضور میں نوبت بجوانے اور نالکی پر سوار ہونے کا اعزاز دیا گیا۔ مگر ذوالفقار خان نے تسلیمات بجا لانے کے بعد عرض کیا کہ "ہم بندگان نعمت کی تمام آرزوئیں شاہانہ فضل و کرم سے پوری ہو گئی ہیں۔ ہمارے اور [illegible]ادوں اور شاہزادوں کے درمیان بس ایک ہی فرق رہ گیا ہے کہ ان کو حضور والا کی رکاب میں نقارہ بجانے کی اجازت ہے۔ ادب و احترام کے لحاظ سے اس فرق کو باقی رہنا چاہیے۔" اس نے یہ کہہ کر نوبت بجانے کی عنایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ جملۃ الملک کے اور

بخشی ممالک ذوالفقار خاں کے درمیان رنجش اور ناچاقی تھی اور خان خاناں (جملۃ الملک) حضور شاہ میں نقارہ بجانے کا آرزومند تھا اس سے لوگوں نے بادشاہ کی عنایت سے ذوالفقار خاں کے انکار کو اس کے حسد اور ہم چشمی پر محمول کیا۔

فرخندہ بنیاد حیدرآباد کے بندوبست وانتظام کے بعد یوسف خاں کو حیدرآباد میں چھوڑ دیا اور اس کو پابڑ اور دوسرے مفسدوں کی سرکوبی کے لئے تاکیدی احکام دیئے، اور اوائل ربیع الاول گیارہ سو اکیس ہجری ۱۱۲۱ھ میں دارالخلافہ کی طرف کوچ کر دیا۔ محمد مراد خاں کو اصل و اضافہ کے ساتھ تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب نقارہ خلعت اور بیجاپور کی صوبہ داری عطا کی جو ہزاری طور پر ہزار سوار کے اضافہ سے مشروط تھی۔

جڑواں بچے

صوبہ جات دکن میں دھیڑ مردار خور اور ادنیٰ قوم ہے ایک دھیڑ کے گھر میں اللہ کی قدرت کا عجب کرشمہ نظر آیا اس کی عورت کو دو توام بچے پیدا ہوئے جو ایک دوسرے سے بالکل چسپاں تھے جسمانی خرابی امیروں کے لئے بے اعتباری کا سبب بن جاتی ہے مگر بسا اوقات یہ محتاجوں کے لئے رزق کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے ؎

بسا شکست کزو کارہا درست شود
کلید رزق گدا پائی لنگ و دست شل است

بہرحال ان جڑواں بچوں کے ماں باپ نے پہلے تو اس کو اپنے حق میں غضب الٰہی سمجھا تھا مگر یہ ان دونوں کو اپنے کاندھے گود میں اٹھائے ہوئے سرراہ جا کر بیٹھے تو ان کو دیکھنے کے لئے مجمع لگ گیا اور ان پر رحم کھا کر خیرات دینے لگے اس طرح روزانہ روپیہ دو روپیہ دہ گھر سے جانے لگے۔ اتفاق سے حیدرآباد جاتے ہوئے بادشاہ کا گذر اسی راستے سے ہوا۔ ان دونوں جڑواں بھائیوں کو لے کر ان کے ماں باپ لشکر میں آئے اور ان کو خیمہ خیمہ گھمانے لگے۔ شاہ عالم بہادر شاہ کو بھی علم ہوا تو ان کو حضور میں طلب کر کے ایک ہزار روپیہ نقد اور سواری کے لئے ایک گھوڑا عطا کیا۔ ان دونوں جب لشکر واپس ہوا تو دونوں بھائی بڑے ہو چکے تھے اور اپنے

پاؤں چلنے لگے تھے۔ دونوں کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے از راہ ذرہ نوازی پانچ سو روپیہ کی جمع بندی کا ایک گاؤں مدد معاش میں دیا۔ سواری کے لئے ایک ہاتھی اور دو ہزار روپیہ نقد عطا کیا اور حکم دیا کہ وہ لشکر کے ہمراہ رکاب میں رہیں اور ہاتھی کی خوراک سرکار سے دی جائے۔ بہرحال رزاق حقیقی نے ان کے پیدائشی عیب کو اُن کے رزق اور آبرومندی کا ذریعہ بنا دیا۔

امراء کا تقرر اور تبادلے محمد مراد خاں بیجاپور کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا۔ اور ذوالفقار خاں بہادر نے ضروری انتظامات کے دس ہزار روپیہ اپنی طرف سے مدد کے طور پر دیا بھی تھا مگر وہ تیاری نہ کر سکا اور اب اس کو اپنے تعلقہ پر جانے کی طاقت نہیں تھی اور بار بار بیجاپور سے فتنہ و فساد اور شورش کی خبریں آ رہی تھیں۔ اس لئے بادشاہ نے بیجاپور پر محمد مراد خاں کی جگہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے بھائی حامد خاں بہادر کو مقرر کر دیا اور اورنگ آباد کی صوبہ داری ذوالفقار خاں بہادر کی نیابت میں محمد مراد خاں کو عطا کر کے رخصت کر دیا۔

سیف اللہ خاں کے متعلق ہم لکھ آئے ہیں کہ وہ امیر الامراء اسد خاں سے بگڑ کر محمد کام بخش کے پاس چلا گیا تھا مگر اس کی چال ناکام رہی تھی اب وہ جملۃ الملک منعم خاں خان خاناں کے واسطے اور سفارش سے حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے باوجود ذوالفقار خاں کی بے توجہی کے اس کے قصور معاف کر دیئے۔ اور عالمگیر بادشاہ کے زمانہ کے منصب کی بحالی کا حکم دے دیا اور پانچ ہزار روپیہ کا سالیانہ مقرر کر دیا۔ سیف اللہ خاں نے پہلے تو سالیانہ قبول کر لیا تھا مگر بعد میں حکومت و ریاست کے لالچ میں دوبارہ سلسلۂ ملازمت میں آ گیا۔

خلد آباد کا پرگنہ بادشاہ کی سواری وسط جمادی الاول ۱۱۲۱ھ کو اورنگ آباد کے قریب پہنچی۔ موسم باراں کے خیال سے خجستہ بنیاد میں چار ماہ قیام کا حکم دیا گیا۔ اس درمیان میں بادشاہ نے امور سلطنت سرانجام دیتے بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کی۔ حضرت خلد مکاں عالمگیر بادشاہ غازی کے

مقبرہ پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ وہاں کے خدام کو کافی رقم انعام میں دی اور دولت آباد کی سرکار سے چند سیر حاصل پرگنے علیحدہ کرکے ان کو خلد آباد کے نام سے ایک علیحدہ پرگنہ قرار دیا جس کی جمع بندی پچاس ہزار روپیہ ہوتی تھی۔ خلد آباد کو خلد مکاں کے مقبرہ کے خدام اور لنگر و عرس کے لئے وقف کر دیا اور متولی کو مقرر کر دیا۔ آخر جمادی الآخر (۱۱۲۱ھ) کو بادشاہ نے خجستہ بنیاد اورنگ آباد سے کوچ کیا۔

خان خاناں اور ذوالفقار خاں کی آویزش

چونکہ ابتدا میں ذوالفقار خاں نے محمد مراد خاں کی شکایتیں کرکے بادشاہ سے اس کی طلبی کے احکام حاصل کر لئے تھے مگر خان خاناں نے مداخلت کرکے اس کی بے گناہی ثابت کی اور شاہزادگی کے زمانہ میں اس کی کارگذاریوں کا ذکر کیا اور خدمات کی بحالی کا پروانہ لے کر اس کے پاس بھجوا دیا۔ جب محمد مراد خاں حضور میں آیا تو ذوالفقار خاں اس کی پشت پناہی پر آمادہ ہو گیا۔ محمد مراد خاں نے خان جہاں بہادر کے مقدمہ میں جو خدمت سرانجام دی تھی۔ وہ ذوالفقار خاں کو یاد نہیں رہی تھی۔ اب اس کی ساری کارگذاریاں یاد آگئیں۔ اور پہلے جو اُس نے مراد خاں کے خلاف شکایت کی تھی۔ اس پر ندامت کا اظہار کیا اور اس کی تلافی کے لئے محمد مراد خاں کا پشت پناہ بن گیا۔ ظاہر ہے۔ یہ سب کچھ خان خاناں کی مخالفت اور ضد میں تھا۔ چنانچہ اُس کی تجویز پر بیجاپور کی اور پھر اورنگ آباد کی صوبہ داری مراد خاں کو ملی تھی اور اُس نے اپنے پاس سے دس ہزار روپیہ کی مدد بھی کی تھی۔ ذوالفقار خاں کی ان عنایات کو دیکھ کر خان خاناں نے یہی سمجھا کہ مراد خاں ذوالفقار خاں سے مل گیا ہے۔ اور یہ بات اس کو بہت گراں گذری اور اُس نے اپنی توجہات کم کر دیں۔ اسے کم حاصل جاگیریں دیں اور وہ بھی جلد جلد تبدیل کرا دیں۔ محمد مراد خاں پہلے ہی پریشان تھا اس صورت حال سے اور بھی پریشان ہو گیا اور اورنگ آباد کی صوبہ داری بھی وہ ٹھیک سے انجام نہ دے سکا۔

اسے صوبہ داری سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ داؤد خاں پنی کو مقرر کر دیا گیا۔

بہادر شاہ برہان پور میں

رجب کے آخر میں برہان پور میں چھاؤنی قائم ہوئی۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ وہاں کچھ عرصہ سیر و شکار میں گذرے۔ خاص طور سے آبشار کرارہ کی سیر پیش نظر تھی جو وہاں کا ایک دلچسپ اور فرحت افزا مقام ہے۔ مگر بدخصال راجپوتوں کے فساد کی خبریں پہنچنے لگیں۔ واضح رہے محمد کام بخش کی مہم کے وقت سے ہی راجپوتوں نے اجمیر کے نواح میں شورش برپا کر رکھی تھی اور صوبہ اجمیر کے سرکاری تھانے برخواست کر دیئے۔ اور فوجداروں کو بے دخل کر دیا تھا۔ جب ان کی تادیب کے لئے سید حسین خاں بارہہ اجمیر کا صوبہ دار پہنچا تو راجپوتوں نے اطراف سے گھیر کر مقابلہ شروع کر دیا۔ سید حسین خاں نے ایک سخت لڑائی کے بعد ان کو شکست دی۔ ہزاروں راجپوت مارے گئے۔ ہزاروں کے بیوی بچے اسیر بنالئے گئے اور ان کے بے شمار بت خانے مسمار کر دیئے گئے۔ مگر دوبارہ راجپوت چاروں طرف سے جمع ہو گئے اور اچانک حملہ کر کے سید حسین کو اور اُس کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ حسین خاں کے حقیقی بھائی احمد سعید خاں فوجدار میر محمد و شکھلاخ اور غیرت خاں فوجدار نارنول بھی اس کے ساتھ شہید ہو گئے۔ جب یہ خبریں گمرر پیش ہوئیں تو بادشاہ نے برہان پور میں مزید قیام مناسب نہ جانا اور میر احمد خاں کو برہان پور میں نگہبان (حارس) مقرر کر کے اوائل شعبان (۱۱۲۱ھ) کو — (دارالسرور) برہان پور سے کوچ کر دیا۔ نربدا کے کنارے پہنچنے کے بعد رمضان کا مہینہ اکبر پور کے گھاٹ کے قریب بسر کیا اور عیدالفطر کے بعد نربدا کو عبور کیا۔

پنجاب میں سکھوں کی شورش

سکھ فرقہ اور اُن کا گرو

جب بادشاہی لشکر اُجین کی سرحد پر پہنچا تو دارالخلافہ کے نواح اور پنجاب کے علاقہ میں گرو فرقہ کے فتنہ و فساد کی خبریں ملیں مختصراً یہ کہ گرو فرقہ کے لوگ سکھ کے نام سے مشہور ہیں ان کا پیشوا فقیرانہ بھیس میں لاہور کے قریب سکونت رکھتا تھا۔ کافی عرصہ سے اس نے تمام شہروں اور مشہور بستیوں میں عبادت خانے بنا رکھے تھے۔ ہر معبد میں اس کی طرف سے ایک فقیر نائب مقرر ہوتا تھا۔ گرو کے معتقد جو نذر و نیاز ان عبادت خانوں میں لاتے تھے۔ اس میں سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا اور باقی بغیر کسی خیانت کے گرو کے پاس بھجوا دیتا تھا۔ اس فرقہ میں زیادہ تر جاٹ اور پنجاب کے کھتری اور دوسری ادنیٰ ذات کی قومیں شامل تھیں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو جب اس فرقہ کی کارستانیوں کی خبر ملی تو مرحوم بادشاہ نے اس گروہ کے نائبوں کو ہر جگہ سے خارج کر دینے اور ان کے معبدوں کو ویران کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ جس زمانہ میں کہ بہادر شاہ بادشاہ نے حیدرآباد کی طرف توجہ کی تھی اس قوم کا سرگروہ گوبند نامی حضور میں پہنچا تھا اور دو تین سو نیزہ داروں اور پیادوں کے ساتھ اس سفر میں ساتھ رہا تھا مگر دو تین ماہ بعد ہی جمدھر کے زخم سے وہ مر گیا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا کہ کون تھا؟

سچا بادشاہ

جب اس کے قتل کی خبر پنجاب میں پہنچی جو اس گمراہ فرقہ کا گروہ بنا ہوا تھا تو ان میں سے ایک غیر معروف شخص نے جس کے نام کے متعلق روایات کا اختلاف ہے۔ یہ دعویٰ کیا کہ از روئے تناسخ گوبند مقتول اوتار بن کر آیا ہے اور اس نئی زندگی میں گوبند نے اپنی شکل بدل دی ہے اور ڈاڑھی والی صورت میں وہ مذکورہ شخص کے روپ میں ظاہر ہوا ہے۔ اس فتنہ پرداز نے اس دعوے کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ گوبند مقتول کا انتقام لے گا۔ چنانچہ اس نے خروج و بغاوت کے لئے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور چند شعبدہ بازیاں کیں جن کو کمزور اعتقاد رکھنے والوں نے خرق عادت سمجھا۔ اپنے آپ کو وہ "سچا بادشاہ" کہتا تھا۔ پنجاب اور سرہند کے نواح میں اس نے تاخت و تاراج شروع کر دی اور دو تین ماہ کے عرصہ میں اس نے سات آٹھ ہزار پیادے جمع کر لئے اور روز بروز اس کا جتھا بڑھتا گیا۔ چار پانچ ہزار ٹٹو سوار بھی فراہم ہو گئے۔ لوٹ مار سے کافی مال ان لوگوں نے جمع کر لیا۔ یہاں تک کہ اٹھارہ انیس ہزار مسلح سوار اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اب یہ لوگ ہر طرف قزاقی اور مردم آزاری کرنے لگے۔ دو تین فوج داروں نے ان کی سرکوبی کا ارادہ کیا تو سکھوں نے لوگوں کو قتل کر دیا اور بہت سے دیہاتوں کو لوٹ لیا اور ہر جگہ انھوں نے اپنے تھانہ داروں، مال کے تحصیل داروں کو مقرر کر دیا۔ اب ان کی تعداد بڑھ کر تیس چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ لوگ بادشاہی حکام کو اور جاگیرداروں کے کارندوں کو لکھتے رہتے تھے کہ وہ ان کی اطاعت کریں اور اپنے تعلقوں سے دست بردار ہو جائیں۔

وزیر خاں کی شکست

سرکار سرہند کا فوج دار وزیر خاں تھا۔ عرصہ سے اس ضلع کے ملکی و مالی معاملات اسی سے متعلق تھے۔ اس کے پاس فوج اور خزانہ بھی تھا اور اس ضلع کے نظم و نسق میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سکھوں نے اس کے تعلقہ کے پرگنوں پر بھی دست درازی شروع کر دی ہے تو اس نے فوج فراہم کرنے اور جنگی سامان تیار کرنے کا انتظام کیا۔ چار پانچ مشہور

فوج داروں اور بڑے بڑے زمینداروں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور گولہ بارود ذخیرہ کرکے وہ مقابلہ پر نکلا۔ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار سوار اور سات آٹھ ہزار برقنداز پیادے تیر انداز تھے توپ خانہ کا سازو سامان اور مست جنگی ہاتھی تھے۔ جب وزیر خاں تین چار کوس پر پہنچا اور سکھوں کو خبر ملی تو وہ "سچا بادشاہ" اور "فتح درس" کے نعرے لگاتے ہوئے وزیر خاں کے مقابلہ پر نکلے۔ اور بڑی بہادری سے حملہ کیا۔ چنانچہ تلواریں علم کئے ہوئے ہاتھیوں پر چڑھ دوڑے اور ایک دو ہاتھیوں کو گرادیا۔ اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں شہید ہوگئی اور بہت سے کافر بھی مسلمانوں کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ مسلمانوں کے جوابی حملوں کی وجہ سے قریب تھا کہ کافروں کے قدم اُکھڑ جاتے اچانک بندوق کی گولی وزیر خاں کو لگی اور وہ شہادت کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سارا سازو سامان اور ہاتھی کافروں کے ہاتھ لگ گئے جو سوار بھی بچ کر نکلے وہ صرف اپنی جان بچا کر بدن کے کپڑوں سے بھاگ آئے۔ اس لڑائی میں بے شمار پیادے اور سوار مارے گئے اور سکھوں کا پیشوا تعاقب کرتے ہوئے سہرند تک آگیا۔

سہرند پر سکھوں کا حملہ

سہرند مال و اسباب سے پُر بڑا آباد شہر تھا۔ یہاں مالدار تاجر صراف اور ہنرمند رہتے تھے۔ ہر قوم کے شرفا خاص طور سے صلحا و فضلا کا یہ مرکز تھا۔ سہرند والوں کو جان و مال اہل و عیال کو نکال لے جانے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ وزیر خاں کی شہادت اور سلطانی لشکر کے تباہ ہوجانے کی خبروں سے سب کے حوصلے پست ہوگئے تھے ناچار وہ لوگ محصور ہو گئے اور ایک دو دن تک لاحاصل مدافعانہ لڑائی لڑتے رہے۔ آخر تقدیر پر شاکر ہو کر مقابلہ ترک کردیا وحشی سکھوں نے جی بھر کر لوٹ مار کی لوگوں کو قتل کیا۔ ان کے اہل و عیال کو اسیر بنا لیا تین چار دن تک وہ وہ مظالم توڑے کہ پناہ بخدا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرکے بچوں کو کھینچ لیا اور زمین پر پٹک دیا۔ عمارتوں کو آگ لگا دی۔ امیر فقیر سب کو خاک پر بٹھا دیا۔ جہاں بھی مسجد مقبرہ اور بزرگوں کے مزار نظر آئے، سب کو گرادیا، بلکہ مردوں کی ہڈیاں تک نکال کر پھینک دیں۔ سہرند کی لوٹ مار کے بعد تمام پرگنوں میں انھوں نے

باج وصول کرنے کے لئے اپنے عمال کو مقرر کر دیا۔

سہارن پور میں لوٹ مار

جب سکھوں کے خطوط سہارن پور کے فوج دار علی محمد خاں کے پاس آتے تو وہ اس حادثہ کا حال سُن کر جو سہرند پر گذرا تھا سخت بدحواس ہو گیا۔ اگرچہ وہاں کے شرفا نے اور افغانوں نے جمع ہو کر قلعہ کے استحکام اور مقابلہ کی تیاریوں کے لئے زور بھی دیا مگر وہ مقابلہ پر راضی نہ ہوا۔ اپنے اہل و عیال مال و اسباب کو لے کر شاہجہاں آباد کی طرف روانہ ہو گیا آخر سکھ سہارن پور بھی پہنچ گئے۔ قصبہ کے تمام آدمیوں نے جمع ہو کر اطراف میں مورچہ بندی کر لی تھی اور بلاشبہ سکھوں سے ان لوگوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی اور تیراندازی گولہ باری سے سکھوں کے بکثرت آدمیوں کو جہنم رسید کر دیا۔ اکابر و شرفا کی ایک جماعت نے بہادری سے لڑتے ہوئے جان دے دی۔ سکھوں نے سہارن پور کو بھی بری طرح لوٹ لیا اور قصبہ کے اکثر آدمیوں کے اہل و عیال، عزت و ناموس اور مال و اسباب کو تباہ کر دیا۔ بہت سی عورتیں آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں گر گئیں۔ مگر جن بہادر شریف گھرانوں نے اپنے اہل و عیال کو ایک جگہ رکھ کر کافروں کا سختی سے مقابلہ کیا تھا، وہ جان و مالی نقصان سے بڑی حد تک محفوظ رہ گئے۔ سکھوں کو سہارن پور سے بھی کافی مقدار میں سونا چاندی زیور اور قیمتی کپڑے لوٹ میں ملے اور انھوں نے سہارن پور کا بندوبست سنبھال لیا۔

جلال آباد کا معرکہ

سہارن پور کے بعد جلال آباد کے فوج دار جلال خاں کو سکھوں کی طرف سے تہدید آمیز احکام ملنے لگے۔ جلال آباد جلال خاں کا بسایا ہوا قصبہ تھا، وہاں قلعہ اور فصیل بھی تھی اور بڑے بڑے مال دار پٹھان وہاں رہتے تھے۔ جلال خاں بڑا بہادر دلیر آدمی تھا۔ قبیلہ داری میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ جب سکھوں کے گرد کا خط اس کے پاس آیا تو اس نے خط لانے والوں کی تشہیر کرا کے انھیں جلال آباد سے باہر نکال دیا اور برج و فصیل کو مستحکم کر کے سامانِ جنگ فراہم کیا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ جلال خاں کو خبر ملی کہ سکھوں کی فوج تین چار

کوس کے فاصلہ پر پہنچ گئی ہے اور جلال آباد کے ماتحت مواضع گڈھی اور آبادی کو جو مال تجارت سے بھرے ہوئے تھے۔ لوٹ لیا ہے اور محاصرہ کر رکھا ہے۔ جلال خاں نے تین چار سو افغان سواروں، ایک ہزار برقندازوں اور تیراندازوں کو اپنے پوتے غلام محمد خاں اور چچیرے بھائی ہزبر خاں کی کمان میں محصوروں کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ اس کمک کے پہنچنے سے محصوروں کی ہمت بڑھ گئی۔ اور چار سو پانچ سو برقنداز اور تیرانداز اور رعیت کی ایک بڑی تعداد ہتھیار اور گوپن لے کر نکل آئی اور انھوں نے کافروں پر مردانہ وار سخت حملہ کیا اور دونوں طرف سے لڑائی چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ہزبر خاں اور ایک بڑی جمعیت شہید ہو گئی مگر پٹھانوں اور دوسرے مسلمان بہادروں نے مسلسل حملے کر کے کافروں کو شکست فاش دی اور ایک بڑی تعداد کے مارے جانے کے بعد سکھ بھاگ گئے۔ اس کے بعد بھی جلال خاں اور کافروں کے درمیان کئی ایک لڑائیاں ہوئیں، اور دو تین بار سکھوں کا گروہ شکست کھا کر بھاگا۔ آخر سکھ ستر اسی ہزار پیادہ فوج لے کر آئے اور جلال آباد کا محاصرہ کر لیا۔ سکھ متحرک مورچے بنا کر لائے تھے۔ لکڑی کے تختوں کو جوڑ رکھا تھا اور نیچے گاڑی کی طرح پہیے لگا دیے تھے۔ جلال خاں افغان نے جس بہادری اور دلیری سے ان کا مقابلہ کیا، اس کی بڑی دلچسپ تفصیلات ہیں مگر ہم مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ جس وقت سکھوں نے اپنے مورچے حصار تک پہنچا دیئے اور گولہ بار سنگ باری میں وہ "فتح درس" کا نعرہ لگاتے ہوئے فصیل کے پاس ہجوم کرنے لگے اور چار سو پانچ سو آدمی کدالیں اور پھاوڑے لئے ہوئے فصیل کو گرانے کے لئے بڑھے دیواروں پر زینے چڑھانے اور دروازہ کو جلانے کی کوشش کرنے لگے۔ بہادر پٹھان قلعہ کا دروازہ کھول کر ننگی تلواریں علم کئے چہروں پر ڈھال کی آڑ لئے ہوئے اچانک باہر نکل آئے اور ان پر ایسا سخت حملہ کیا کہ تیس دو سو کافر ایک ہی تاخت میں مارے گئے۔ اور مسلمان بھی کافی تعداد میں شہید ہو گئے۔ اس طرح پٹھانوں نے راتوں رات نکل کر متعدد بار ان پر کامیاب شب خون مارے بیس دن تک محصوروں نے رات دن محنت اور جان فشانی کی اور اس عرصہ میں کھانا

پینا چین آرام سب کچھ حرام کر رکھا تھا۔ ان کی اس پامردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ اپنے ہزاروں آدمیوں کو کٹا کر ناکام و نامراد محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

سلطان پور اور جالندھر پر حملہ

جلال آباد سے ناکام واپس ہونے کے بعد سکھوں نے سلطان پور اور دوآبہ جالندھر کے پرگنوں کا رخ کیا اور اس ضلع کے فوجدار شمس خاں کے پاس ایک خط پروانہ کی طرز پر لکھ کر بھیجا کہ وہ ان کی بعض فرائشات کی تکمیل کرے اور ان کی اطاعت اختیار کرلے اور جو بھی خزانہ اس کے پاس ہے وہ حوالہ کردے یہ خط دو سکھ لے کر آئے تھے۔ شمس خاں نے شرفاء سے اور بہادر منصب داروں سے مشورہ کیا۔ سب نے اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا اور درجہ شہادت پانے کے لئے فاتحہ پڑھی اور کلام الٰہی پر قسم کھا کر وفاداری کا عہد کیا۔ اس مشاورت کے بعد شمس خاں نے ان پیغام رساں سکھوں کے سامنے خیمہ باہر نکالنے کا حکم صادر کیا اور تہدید آمیز جواب لکھ کر ان سے جلد آنے کا مطالبہ کیا۔ سکھوں نے سیسہ اور بارود بھی اس سے طلب کیا تھا خط کے ساتھ شمس خاں نے تھوڑا سا سیسہ اور بارود بھی بھجوا دیا اور لکھا کہ چونکہ سواری اور باربرداری کے جانور ہمارے رفقا و شرفاء کے سوار ہونے کے لئے روک لئے گئے ہیں اس لئے بارود اور سیسہ زیادہ مقدار میں بھجوانے کا انتظام نہیں ہوسکا۔ ویسے ہمارے پاس بارود اور سیسہ کی کمی نہیں ہے تاجروں کے پاس بھی کافی مقدار میں ہے اور سرکار کے بارود خانہ میں تو ذخیرے بھرے ہوئے ہیں جس قدر باربردار تم لوگ بھیج دو گے اتنی ہی بارود اور سیسہ لاد کر ہم بھجوا دیں گے۔ شمس خاں نے سکھوں کے مقابلہ کی خوب تیاریاں کرلی تھیں تقریباً چار پانچ ہزار سوار تھے۔ تیس ہزار برقنداز اور تیر انداز پیادے تھے ان کے علاوہ دوسرے اسلحہ دار بھی کافی تعداد میں تھے یہ تو اس کے قدیم ملازم تھے۔ اس مہم کے لئے اس نے نئی بھرتی کا حکم دیا اور اطراف کے زمینداروں کی مدد سے ایک بڑی تعداد کو بھرتی کیا۔ ان میں ہر قوم کے اور رعیت کے شریف اور باعزت لوگ تھے، ہنرمند پیشہ ور تھے۔ جلاہوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ یہ سب شہادت کے لئے کمربستہ

ہو گئے تھے اور جان و مال اہل و عیال سے دست کش ہو کر کلام اللہ پر عہد و پیمان باندھ لیا تھا۔ جنگی اخراجات میں بھی لوگوں نے حصہ لیا تھا اور مالی مدد کی تھی۔ غرض شمس خاں ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر لے کر بڑے کروفر کے ساتھ سلطان پور سے نکلا۔

راہون کا معرکہ

ادھر سکھ ستر اسی ہزار سوار اور پیادہ فوج کو لے کر بڑھ رہے تھے ان کے ساتھ وہ توپیں بھی تھیں جو وہ سرہند سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ قلعہ گیری کا بھی کافی سامان ان کے ساتھ تھا۔ متحرک مورچہ بندی کے تختے اور لٹھے ریت سے بھرے ہوئے تھیلے سیسہ اور بارود سب کچھ لاد رکھا تھا، لوٹ مار کرتے ہوئے وہ سلطان پور سے سات کوس پر قصبہ راہون میں پہنچے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ شمس خاں اس جرأت و اہتمام کے ساتھ خود مقابلہ پر نکل آیا ہے تو اسی جگہ وہ ٹھہر گئے۔ راہون میں اینٹوں کے بھٹے بڑی تعداد میں موجود تھے اور اینٹوں کے ذخیرے لگے ہوئے تھے۔ سکھوں نے انہی بھٹوں سے گڑھی کا کام لیا اور اطراف میں مورچہ بندی کر لی اور اپنی علاحدہ گرد فوج کو اطراف میں روانہ کر کے پرگنات کے چودھریوں اور قانون گویوں کو تہدید آمیز احکام بھیجے۔

سکھوں کی شکست اور فرار

شمس خاں کے ساتھ جو لوگ تھے وہ اس بات کو پوری طرح سمجھ چکے تھے کہ اگر شمس خاں کو ہزیمت ہوئی یا وہ شہید ہو گیا تو ان کے جان و مال اور اہل و عیال بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کو جہاد کی اور شہادت کی ترغیب دے رہے تھے اور تکبیر کہتے ہوئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ جیسے ہی مسلمان کافروں کی مورچہ بندی سے ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پر پہنچے تو دن کی ایک گھڑی گذر چکی تھی۔ ان کے مقابل آتے ہی سکھوں کے مورچوں سے توپ اور بندوق کے دھما کے شروع ہوئے اور بیک وقت دس بارہ ہزار گولے اور گولیاں کے تیر لشکر اسلام پر آکر گرے مگر خدا کے فضل سے ان سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا اور نہ کوئی افسر اس حملہ میں مارا گیا۔ شمس خاں نے تیز روی

سے اور بارود کے غیر محتاط استعمال سے منع کر دیا تھا اس نے اس کی فوج قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی ۔ جیسے ہی سکھوں کی طرف سے گولہ باری کی پہلی اور دوسری باڑھ چلی۔ مسلمانوں نے تیزی سے پیش قدمی کی پرگنوں اور اطراف سے چالیس پچاس ہزار مسلمان مدد کے لئے آئے تھے وہ بھی تکبیر کہتے ہوئے بڑھے اور کافروں پر حملہ کر دیا اور ایک بڑی تعداد کو قتل اور زخمی کر دیا۔ کافروں نے لا حاصل ہاتھ پاؤں مارے مگر ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ میدان سے فرار ہونے کے بعد سکھوں نے راہوں کے قلعہ میں جا کر پناہ لی جو اس جنگ سے پہلے ان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔

سکھ راہون میں محصور ہو گئے تھے اور قلعہ پر سے بندوق اور بان چھوڑنے میں مصروف تھے ۔ راہون والے سکھوں کے حملہ سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے ۔ اور قلعہ میں کافی سامان جنگ اور غذا کے ذخیرے چھوڑ گئے تھے ۔ اس لئے سکھ بڑے اطمینان سے اس گڑھی میں ٹھیرے رہے اور مسلمانوں پر نکل نکل کر حملے کرتے رہے ۔ ان حملوں میں کافی تعداد میں مسلمان اور ان کے گھوڑے تلف ہو گئے یہاں تک کہ دونوں فریق لڑائی سے تنگ آ گئے ۔ خاص طور سے کافروں کی حالت بہت نازک ہو گئی اور جب مسلمانوں کی طرف سے دباؤ بڑھا تو وہ گڑھی سے نکل کر راتوں رات فرار ہو گئے شمس خاں نے چند کوس تک ان کا تعاقب کیا ایک توپ اور باربرداری کے چند اونٹ اور بیل اس کے ہاتھ آ گئے اور وہ سلطان پور کو لوٹ آیا ۔ مگر دوسرے دن تقریباً ایک ہزار سکھ جمع ہو کر آئے اور شمس خاں نے راہوں میں جو تھانہ قائم کیا تھا برخاست کر کے قلعہ کے اندر اپنا تھانہ قائم کر دیا۔

لاہور کے اطراف قتل و غارت گری

اب سکھوں نے لاہور کے اطراف کے پرگنوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ان کے حملوں اور لوٹ مار سے لاہور میں اور لاہور کے اطراف بڑی افراتفری مچ گئی ۔ اسلم خاں شاہزادہ کا دیوان اور صوبہ لاہور کا نائب تھا اس نے بادشاہی دیوان کاظم خاں کی مدد سے لاہور کے برج اور فصیل کو مستحکم کیا اور ہندو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ

شہر سے نکل کر تین چار کوس پر خیمے لگا دیئے اور سکھوں کی یلغار یہ فوج کی روک تھام شروع کردی۔ سکھوں کے حملوں سے اگرچہ لاہور محفوظ رہا اور شہر کے لوگوں کو کوئی جان و مالی نقصان نہیں ہوا مگر شہر کے اطراف شالامار باغ تک جو شہر سے دو کوس پر ہے سکھوں نے بہت نقصان پہنچایا۔

مختصر یہ کہ ان آٹھ نو ماہ کے عرصہ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد (دہلی) کی دو تین منزلوں سے دارالسلطنت لاہور کے اطراف تک تمام مشہور قصبے اور بستیاں ان وحشیوں کی تاخت و تاراج سے ویران اور بے چراغ ہو گئی تھیں۔ بکثرت آدمی مارے گئے انھوں نے بے شمار مسجدوں اور مزاروں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور مسمار کر دیا۔ خاص طور سے جب وہ لاہور سے لوٹے تو سادھورہ اور کرنال کے دیہات اور قصبوں میں کہ وہاں کا فوجدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ بڑی تباہی مچائی۔ جو ہندو مسلمان ان کے ہاتھ اسیر ہو گئے تھے ان کو سو دو سو کی ٹکڑی میں ایک جگہ بٹھا کر ان ظالموں نے قتل کر دیا۔

سکھوں نے نئی نئی کافرانہ رسمیں اختیار کر رکھی تھیں۔ ان کی اکثریت ہندوؤں کے پس ماندہ طبقوں پر مشتمل تھی جو سکھوں کے گرو کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوانے کو اپنے مسلک کے خلاف قرار دیا تھا۔ گرو کے ساتھ ایسی عقیدت ان کو تھی کہ اپنی جان اس کے قدموں پر نچھاور کر دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کے قتل اور ایذا رسانی پر اصرار کرتے تھے۔

راجپوتوں کی اطاعت

جب سکھوں کے اس ہنگامہ و فساد کی خبریں ملیں تو بادشاہ کو سخت افسوس اور رنج ہوا مگر اس مصلحت کی بنا پر کہ ان کی شورش راجپوتوں کی بغاوت کے مقابلہ میں اتنی زیادہ اہم نہیں تھی اور یہ اطمینان تھا کہ جس وقت بھی بادشاہی لشکر پنجاب کا رخ کرے گا۔ سکھوں کے کوڑے کرکٹ کا آسانی صفایا ہو جائے گا اس لئے بادشاہ نے راجپوتوں کی سرکوبی کو ترجیح دی

اور (ذالفتح) اجمیر سے بادشاہی لشکر راجپوتوں کے وطن کی طرف روانہ ہوگیا۔
اسی اثناء میں محمد مراد خاں کے متعلق خبر ملی کہ وہ طبعی موت سے فوت ہوگیا۔ جب اجمیر کے قریب لشکر گاہ قائم ہوگئی تو بادشاہ نے تجربہ کار سرداروں کے زیر کمان راجہ جے سنگھ اور رانا چتوڑ کے تعلقہ اودے پور اور جودھپور پر حملہ کرنے کے لئے فوجوں کو متعین کر دیا۔

اس زمانہ میں بہادر شاہ نے حکم دیا کہ خطبہ پڑھتے وقت خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بھی پڑھا جائے۔ یہ حکم تمام ممالک محروسہ کے لئے صادر ہوا تھا۔

جب بادشاہی افواج راجپوتوں کے علاقہ میں داخل ہوگئیں تو راجپوت خوف زدہ ہوگئے اور خان خاناں منعظم خاں بہادر اور مہابت خاں بہادر کو واسطہ بنا کر اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست دی۔ اگرچہ بعض شرائط کو قبول کرنے میں راجپوتوں نے ٹال مٹول سے کام لیا مگر لاہور اور دہلی کے نواح میں فتنہ و شورش کی خبروں نے بڑی تشویش پیدا کر دی تھی۔ اس لئے مقربان بادشاہ کے مشورہ سے ان کی درخواستوں کو قبول کر لیا گیا اور یہ طے پایا کہ راجہ جے سنگھ، راجہ اجیت سنگھ اور رانا کے وکیل اور دوسرے راجپوت سردار بادشاہ کی سواری کے وقت خدمت میں حاضر ہوں اور باریابی اور رخصت کی خلعتیں اسی دن حاصل کریں اور بادشاہ کے کوچ کے بعد سفر کا انتظام کرکے بادشاہی رکاب میں حاضر ہو جائیں چنانچہ تمام نامی گرامی راجپوت سرداروں نے تیس چالیس ہزار سواروں کا جائزہ دیا اور معائنہ کرایا اور اپنے ہاتھوں کو رومال سے باندھ کر بادشاہ کی سواری کے سامنے حاضر ہوگئے اور خلعت ہاتھی گھوڑے انعام میں لے کر واپس ہوگئے۔

چوتھے سال کے واقعات

(بادشاہ عالم بہادر شاہ کے جلوس کا چوتھا سال مطابق سن گیارہ سو اکیس ہجری ۱۱۲۱ھ)

۱۸ ذی الحج کو چوتھے سال کا جشن سفر کے حسب حال منعقد ہوا۔ جشن کے بعد ہی بادشاہ نے دہلی اور لاہور کے ارادہ سے کوچ کر دیا۔ چین قلیچ خاں بہادر صوبہ اودھ کی صوبہ داری پر مامور ہوا۔

ایران کے شہزادہ کی آمد

بندرگاہ سورت کے سوانح نگار نے اطلاع دی کہ مرزا محمد ہاشم نامی ایک ایرانی امیر اور محمد صالح جو مومن خاں نجم ثانی کا چچا اور شاہزادہ رفیع الشان کے ننھیال میں سے تھا ایران سے سورت آگئے ہیں۔ مرزا محمد ہاشم ایران کے شاہ عباس کا تین واسطوں سے نواسہ ہوتا تھا اور دو واسطوں سے وہ مازندران کے شاہزادہ خلیفہ سلطان کا پوتا تھا۔ جب مازندران شاہ عباس ثانی کے قبضہ میں آگیا اور ایران کی وزارت خلیفہ سلطان کے ہاتھ آئی تو شاہ عباس نے اپنی بیٹی کو خلیفہ سلطان کے عقد میں دیا تھا۔ ان دونوں کی آمد کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے ان دونوں کو لانے کے لئے دو گرز بردار اور مہمان دار روانہ کئے اور مرزا محمد ہاشم کے نام تین ہزار روپیہ اور محمد صالح نجم ثانی کے لئے دو ہزار روپیہ خرچ کا حکم بندرگاہ سورت کے خزانہ کے نام لکھ دیا گیا۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ صوبیدار احمد آباد کے نام فرمان صادر ہوا کہ جب مرزا محمد ہاشم احمد آباد پہنچے تو اس کے لئے سامان

اس طریقہ پر مہیا کیا جائے جس طرح خلد مکاں (عالمگیر بادشاہ) کے زمانہ میں اسی مرزا محمد ہاشم کے چچازاد بھائی قوام الدین خاں کے لئے اس وقت کے صوبہ دار احمد آباد محمد امین خاں نے کیا تھا وہ بھی ولایت ایران سے احمد آباد وارد ہوا تھا۔ جب مرزا ہاشم بارگاہ شاہی کے لئے روانہ ہو تو صوبہ دار اپنے دیوان دار کو اس کے ساتھ کردے۔

احمد آباد کے خطیب کا قتل

دار السلطنت لاہور سے اطلاع ملی کہ جب خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ لفظ "وصی" بڑھانے کا حکم پہنچا تو جان محمد اور حاجی یار محمد جو لاہور کے افضل العلماء تھے، علماء و فضلا کا جلوس لے کر قاضی اور صدر کے گھر پر آئے اور لفظ وصی کی پابندی کے ساتھ خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دار الخلافہ دہلی اور مستقر الخلافہ آگرہ میں بھی اس حکم کی شدید مخالفت ہوئی اور مسلمانوں نے خطبہ میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ یہی اطلاعات دوسرے شہروں کے اخبار نویسوں نے بھی روانہ کی تھیں۔ انہی دنوں یہ خبر بھی آگئی کہ احمد آباد کی جامع مسجد کے خطیب نے لفظ وصی پڑھا تو اہل سنت و جماعت نے اسے قتل کر دیا۔ جمعہ کے دن خطیب کے مارے جانے اور احمد آباد کے واقعہ نگار اور بخشی مہر علی خاں کے قید ہونے کے بارے میں احمد آباد میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ مہر علی خاں کو خطیب کے قتل کے بعد اتوار کے دن فیروز جنگ کے حکم سے ذلیل کر کے کوتوالی کے چبوترہ میں قید کر دیا گیا تھا۔ راقم الحروف (خافی خاں) انہی دنوں احمد آباد گیا ہوا تھا۔ میں نے حتی الامکان اس واقعہ کی تحقیق کی ہے۔ مختصراً بیان کرتا ہوں۔ عالم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جب لفظ "وصی" پڑھنے کا حکم صادر ہوا تو احمد آباد کے صدر نے اجازت حاصل کرنے کے لئے صوبہ دار فیروز جنگ کے پاس عرضی لکھی۔ جواب میں صوبہ دار نے دستخط کر دیئے کہ "خلیفہ کے حکم کے مطابق پڑھا جائے" جب جمعہ کے دن جامع مسجد میں لفظ "وصی" کے ساتھ خطبہ پڑھا گیا تو پنجاب کے چند آدمیوں اور توران کے حضرات نے شورش برپا کر دی اور اسے برا بھلا کہہ کر دھمکی دی کہ "اس جمعہ کو تو نے پڑھ دیا، ہم معاف کرتے ہیں۔ مگر آئندہ جمعہ میں تو یہ لفظ نہیں پڑھے گا" اس نے جواب میں کہا۔

- میں تو بادشاہ اور ناظم اور صدر کے حکم کے مطابق پڑھ رہا ہوں " ۔ دوسرے جمعہ کو جب خطیب منبر پر آیا تو ایک مغل نے کہا - تم لفظ وصی نہیں پڑھو گے ۔ مگر خطیب کی تو موت آئی تھی وہ نہیں مانا ۔ جیسے ہی خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی زبان سے " وصی " کا لفظ نکلا وہ پنجابی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے خطیب کا دامن پکڑ کر اسے منبر سے نیچے کھینچ لیا اور لعنت ملامت کرنے لگا اسی وقت تورانی مغل لپک کر آیا اور چھری خطیب کے پیٹ میں گھونپ دی اور اسے منبر کے نیچے گرا دیا ۔ بس مسجد میں ہنگامہ برپا ہو گیا ۔ خطیب کو گھسیٹتے ہوئے لوگ مسجد کے صحن میں لے آئے اور اس قدر خنجر مارے اور جوتے لگائے کہ خطیب نے بڑی بے حرمتی سے جان دیدی اس کے وارثوں کو ایک دن ایک رات تک لاش اٹھانے اور کفن دفن کرنے کی جرأت نہیں ہوئی دوسرے دن مقتول کے ماں باپ فیروز جنگ کے پاس فریاد کرتے ہوئے استغاثہ کرنے آئے اور تجہیز و تدفین کی اجازت طلب کی ۔ فیروز جنگ نے اس کے ورثا کو سرکار سے کچھ رقم دلادی اور اس کے کفن دفن کی اجازت دیدی ۔ تیسرے دن بخشی اور واقعہ نگار مہر علی خاں کو فیروز جنگ نے اس کے گھر سے طلب کیا اور اسے ذلیل کر کے قید میں ڈال دیا کیونکہ بعض مقدموں میں اس نے خلاف واقعہ باتیں تحریر کی تھیں ۔ تین چار دن بعد اس کو رہا کر دیا گیا۔

خان دوراں کا استعفا فیروز جنگ کا بیٹا خان دوراں اودھ اور گورکھپور کی صوبہ داری پر فائز تھا ۔ اس نے اپنے تعلقہ میں پہنچنے کے بعد بڑا اچھا بندوبست کیا ، بلکہ سہ بندی کے خرچ سے وہ زیر بار بھی ہو گیا تھا ، مگر انہی دنوں بلا کسی قصور کے اس کو معزول کر دیا گیا اور وہ لوٹ کر دربار میں آگیا چونکہ بادشاہ امور سلطنت سے بالکل بے خبر رہتا تھا اور خانہ زاد کارگذاروں کے معاملہ میں پوری طرح غور و خوض اور توجہ سے کام نہیں لیتا تھا ۔ اس لئے خان دوراں نے تنگ آکر استعفاء دیدیا اور گھر بیٹھ گیا ۔

مرزا ہاشم کا استقبال مرزا محمد ہاشم سورت کی بندرگاہ سے احمد آباد پہنچ گیا تھا وہ فیروز جنگ کی ملاقات کے لئے آیا ۔ فیروز جنگ ۔۔۔

اس کے استقبال کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا جب وہ گھر کے قریب آیا تو فیروز جنگ نے چند قدم بڑھ کر پیشوائی کی اور بڑے اعزاز سے اسے ٹھیرایا اور چار پانچ دن تک مہمان داری کی پندرہ ہزار روپیہ نقد ایک ہاتھی اور چار گھوڑے پیش کئے اور مجھے (خافی خاں) اس کا دیوان اور جہان دار مقرر کر کے بڑی آبرو کے ساتھ اسے رخصت کیا۔

مرہٹوں کا برہان پور پر حملہ

اس سال دکن میں مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا اور برہان پور کا محاصرہ کر لیا۔ اس لڑائی میں وہاں کا صوبہ دار میر احمد خاں شہید ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مختصراً درج ہے۔ ایک مرہٹہ عورت تلسی بائی نامی جو مرہٹوں کی سردار تھی۔ پندرہ سولہ ہزار سوار فوج کو لے کر (دارا نسرور) برہان پور سے چوتھ وصول کرنے کے لئے نکلی اور تاخت و تاراج کرتے ہوئے برہان پور سے سات کوس پر رانو یر کے قصبہ پر پہنچ گئی۔ مرہٹوں نے رانو یر کی سرائے کا محاصرہ کر لیا اس وقت سرائے میں ایک قافلہ کے آدمی اور دیہات کے کثرت لوگ پناہ لینے جمع ہو گئے تھے۔ مرہٹوں نے میر احمد خاں صوبہ دار کو پیغام دیا کہ سرائے میں محصور ہونے والوں اور شہر کے باشندوں کے عوض گیارہ لاکھ روپیہ کی چوتھ ادا کر دی جائے۔

میر احمد خاں نے تلسی بائی کا خط پہنچنے سے پہلے ہی مرہٹوں سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ وہ ایک عورت کی شرائط کو تسلیم کرنے میں مردانگی اور جذبہ شباب کی توہین سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اطراف و اکناف کے فوج داروں اور برہان پور کے منصب داروں اور منصب داروں کو جمع کر کے آٹھ نو سو سواروں کی ایک جمعیت منظم کر لی اور نویں محرم کو مرہٹوں سے مقابلہ کے لئے برہان پور سے نکل آیا۔ ان فوج داروں میں پرگنہ جامود کا فوج دار ظفر خاں بڑا بہادر صاحب فوج اور با تدبیر آدمی تھا۔ میر احمد خاں نے اسے اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا۔ مرہٹوں کو جب خبر ملی تو انھوں نے اپنے بھیر بنگاہ کی حفاظت کے لئے تین چار ہزار سوار چھوڑ دیئے اور چار پانچ ہزار سوار لے کر میر احمد خاں کے مقابلہ پر آگئے۔ اور بقیہ فوج کو برہان پور کے محاصرہ اور شہر کی لوٹ مار پر متعین کر دیا۔

لڑائی شروع ہوئی تو میر احمد خاں دو تین دن تک میدان میں مرہٹوں سے بڑی دلیری کے ساتھ لڑتا رہا، اس لڑائی میں وہ خود اور اُس کے پوتے زخمی بھی ہو گئے۔ جب اسے اطلاع ملی کہ مرہٹوں کی ایک فوج نے برہان پور کا محاصرہ کر لیا ہے تو شام کے قریب وہ شہر کے محصورین کی کمک کے لئے لوٹ گیا۔ واپس ہوتے وقت دشمن اسے چاروں طرف سے گھیرتا جا رہا تھا اور وہ ان سے لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی اثنا میں ظفر خاں بھی لڑتے ہوئے زخمی ہو گیا۔ آخر رات کو اُس نے جب دشمن کے بڑھتے ہوئے غلبے کو دیکھا تو اس نے جان بچائے جانے میں مصلحت دیکھی اور میر احمد خان کے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر شہر میں چلا گیا۔ میر احمد خاں کے اکثر ہمراہی اور شہامت خاں چنداول شہید ہو چکے تھے، اور جو لوگ رہ گئے تھے وہ بھی جان بچا کر فرار ہونے کی سوچ رہے تھے اور ایک بڑی تعداد کو کافروں نے اسیر بنا لیا تھا۔ اس کے باوجود وہ تنہا کافروں سے لڑتا رہا اور متعدد زخم کھا لینے کے بعد گھوڑے سے گر پڑا اور نیم جاں گھسٹ کر بہ مشکل ایک درخت کے نیچے پناہ لی مگر کچھ ہی دیر بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔ برہان پور کے منصب داروں میں سے میر علی رضا نامی جو سبزواری سادات میں سے تھا اور آبرو مند بہادر آدمی تھا شہید ہو گیا اسی طرح میر احمد خاں کے متعین کردہ دوسرے افسر بھی شہادت سے سرخ رو ہوئے۔ ایک بڑی تعداد اسیر ہو گئی تھی۔ ان میں شرف الدین نامی شہر کا افسر بیوتات بھی شامل تھا جو فن موسیقی میں بڑے بڑے قوالوں اور گویوں کا ہمسر تھا۔ جب مرہٹے اسے پکڑ لے گئے تو اس نے اپنے آپ کو قوال ظاہر کیا اور فارسی ہندی اور مرہٹی کے اشعار گانے لگا۔ اور مرہٹہ سرداروں سے اس ڈھنگ سے بات چیت شروع کر دی، جس طرح ڈوم ڈھاری صاحب ثروت لوگوں سے بات کرتے ہیں اس بہروپ کے باوجود مرہٹوں نے اس سے کہا ہم یہ تو سمجھ گئے کہ تو مشہور امراء کی مجلس کا گویّا ہے مگر ہم یہ تحقیق کر چکے ہیں کہ تو مال دار اور آبرو دار آدمی ہے۔ اگر جان کی سلامتی چاہتا ہے تو دو ہزار روپیہ ادا کر دے ۲۰۰ خرکار

بڑی حجت اور تکرار کے بعد ایک ہزار دو سو روپیہ دینے کا اس نے اقرار کرلیا اور گھر سے یہ رقم منگا کر دیدی اور اپنی برآت کا پرچہ ان سے لکھوا لیا اور ان کے ایک ہرکارہ کو ساتھ لے کر شہر کے قریب پہنچا اور دریا عبور کرنے کشتی پہ سوار ہو گیا۔ جب کشتی چلی تو اس نے مرہٹوں کے ہرکارہ کو آواز دی کہ " اپنے سردار سے جا کر کہدے میں مشہور منصب دار اور شہر کا افسر بیوتات ہوں اور صرف ایک ہزار دو سو روپیہ کے صدقہ میں اپنی جان بچا کرلے جارہا ہوں "۔

محمد تقی نامی امانت خاں مرحوم کا پوتا اور برہان پور کا بخشی اور واقعہ نگار تھا۔ گرفتاری کے بعد جب مرہٹے تفتیش کرنے لگے تو لوگوں نے فارسی زبان میں اور اشارے کرکے اسے سمجھایا کہ وہ خود کو منصب دار اور نامی گرامی آدمی ظاہر نہ کرے، مگر اس نے جواب میں کہا " آخر میں کس لئے اپنے مراتب اور قومیت سے انکار کروں اور کیوں اپنا حسب نسب چھپاؤں "۔ اس کے بعد اس نے کڑک کر مرہٹوں کو بتایا! " میں شہر کا بخشی ہوں اور دکن کے دیوان امانت خاں کا پوتا ہوں " مرہٹہ سرداروں نے یہ سن کر شاباش دی اور بڑی عزت و آبرو سے اس کی خاطر کرنے لگے اور کھانے کے لئے مرغوب غذائیں حاضر کردیں مگر جب جان بہا کی بات آئی تو تیس ہزار روپیہ پر رہائی کا معاوضہ طے پایا اور اسے یہ رقم دے کر ہی رہائی نصیب ہوئی۔

بادشاہی لشکر پنجاب میں جب بادشاہ کی سواری دہلی کے قریب پہنچی تو چوڑامن جاٹ حاضر خدمت ہوا یہ شخص محمد اعظم شاہ کی فوج کے شکست کھانے پر جواہرات اور کافی مال و اسباب لوٹ کر بھاگ گیا تھا۔ بادشاہی لشکر نے بارہ کوس کے فاصلہ پر دہلی کو داہنے ہاتھ پر چھوڑ دیا اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے پیش قدمی کی، بادشاہ نے ہراول پر محمد امین خاں بہادر رستم دل خان اور چوڑامن جاٹ اور دوسرے سرداروں کو مقرر کیا اور ان کو اس گمراہ فرقہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کردیا۔ ان کو ہدایت کی کہ سکھوں کے بدبخت گرو کو خارج کردینے اس کے تعلقوں کو برخاست کرکے بادشاہی تھانے قائم کرنے اور شاہ آباد، مصطفےٰ آباد، شاد چورہ اور

دوسری بستیوں کی مظلوم رعیت برباد کرنے کی ہدایات دیں، اس کے باوجود کہ بادشاہی لشکر سرحدوں پر پہنچ چکا تھا، وہ بدعاقبت شرانگیزی سے باز نہیں آتے۔ مقابلہ سے بھاگ جاتے تھے اور پھر لوٹ کر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ دسویں شوال کو قصبہ شادھورہ سے چار پانچ کوس پر سواری پہنچی۔ بادشاہ نے رستم دل خاں اور فیروز خاں میواتی کو آگے روانہ کیا کہ وہ جاکر خیمہ گاہ قائم کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ دیکھ آئے۔ راستے میں اچانک سکھوں کے تیس چالیس ہزار سوار بےشمار پیادے دس بارہ کوس سے دھاوا مارتے اور "فتح درس" کے نعرے لگاتے ہوئے بادشاہی لشکر کے مقابل آگئے۔ اب میں کیا لکھوں کہ ان فقیرانہ لباس پہنے ہوئے وحشی صورت ہزار در ہزار آدمیوں کو بڑھتے ہوئے اور حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر بادشاہی فوج میں کیسا ہراس پیدا ہو گیا۔ سکھوں نے اس طرح اچانک حملہ کیا تھا کہ بادشاہی فوج خطرہ میں پڑ گئی۔ جب کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہو چکے تو فیروز خاں میواتی اور سادات بارہہ آگے بڑھے اور گھوڑوں سے پیادہ ہو کر انھوں نے مردانہ وار حملے کئے اور ان گمراہوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔

شادھورہ میں داخلہ اب بادشاہی لشکر شادھورہ پہنچ گیا، اور وہاں افواج کو متعین کرنے کے لئے چھاؤنی لگا دی گئی۔ اوائل ذی الحج میں جو ماہ الہٰی کے مطابق ماہ دیئے کے آخری دن تھے۔ چلّے کے جاڑے شروع ہو گئے۔ چار پانچ دن تک سرما کی بارش ہوتی رہی۔ سارا لشکر کیچڑ پانی میں گھرا ہوا سرد ہوا کی زد میں تھا، خاص طور سے دکن کے آدمیوں کے لئے تو یہ سردی ناقابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ ہزاروں آدمی مر گئے اور سواری اور بار برداری کے گھوڑے اور جانور اس قدر تلف ہوئے کہ ان کی بدبو سے ناک میں دم آگیا۔ لوگ ان مشکلات کو سکھوں کے جادو ٹونے کا اثر سمجھ رہے تھے، اور بے سروپا باتیں کرتے تھے۔ اس دوران میں برابر یہ خبریں ملتی رہیں کہ مردم آزار سکھوں کے جتھے بار برداری اور رسد کو لوٹ رہے ہیں اور بادشاہی لشکر کے اطراف چھاپے مار رہے ہیں۔ ان حدود میں بادشاہی فوج کے داخل ہونے کے بعد ایک دو نامی گرامی فوج دار سکھوں کے

ہاتھوں شہید ہو گئے۔

بلوگڑھ کا محاصرہ

بہادر شاہ نے ان کی سرکوبی کے لئے ہراول میسرہ میمنہ اور التمش کی فوجوں پر شاہزادہ رفیع الشان کو کمان دار مقرر کیا اور اس کے ماتحت جملۃ الملک خان خاناں کو مع اپنے فرزند کے اور حمید الدین خاں بہادر رستم دل خاں، راجہ چتر سال، فیروز خاں میواتی، چورامن جاٹ اور دوسرے تجربہ کار امراء کو مقرر کیا۔ جب یہ لشکر آگے بڑھا تو سکھوں کے گرو سے کئی ایک لڑائیاں ہوئیں، جس میں بکثرت سکھ مارے گئے۔ بادشاہی لشکر سے بھی کافی تعداد میں لوگ کام آئے۔ آخر گرو ہزیمت اٹھا کر بھاگا اور ایک دشوار گذار مقام بلوگڑھ میں جا کر چھپ گیا۔ بلوگڑھ راجہ برتی کے تعلقہ کے قریب ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کے قلعہ اور فصیل کی وسعت اتنی ہے، کہ ساٹھ ستر ہزار سوار اور پیادہ فوج ہی اس کا محاصرہ کر سکتی ہے۔ سکھوں نے بلوگڑھ کی فصیل اور برج کو مستحکم کر لیا۔ دو تین ہزار بنجاروں کے بیل لوٹ مار کر کے لے آئے اور اناج کے ذخیرے بھر لئے۔ بادشاہی فوج کے بہادروں نے بھی تعاقب کرتے ہوئے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی، نقب اندازی شروع کر دی۔ گرو نے ان گمراہوں کو یہ سبز خواب دکھائے تھے کہ جو بھی اس لڑائی میں مارا جائے گا وہ لوٹ کر آئے گا اور ابدی زندگی سے سرفراز ہو گا اور بڑے اور سچے روحانی درجے اسے ملیں گے۔ اس کے معتقد ایسے جاہل تھے کہ تناسخ کی اس بے بنیاد ڈینگ کو جسے تمام اہلِ قبلہ قوموں نے رد کر دیا ہے۔ برہان قاطع سمجھ رہے تھے اور بڑی عقیدت سے اس کی ان باتوں کو سنتے اور مانتے تھے۔ اسی اندھے جوش میں وہ قلعہ سے "فتح درس سچا بادشاہ" کے نعرے لگاتے ہوئے نکلتے اور پروانہ وار توپوں کی آتش باری میں خود کو جھونک دیتے تھے۔ اور بادشاہی مورچوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہتے تھے۔ اور روزانہ کثیر تعداد میں موت کے گھاٹ جاتے تھے۔ ان جھڑپوں میں مسلمانوں کی بھی ایک جماعت شہید ہو گئی۔

گرو کی عقیدت اور جاں نثاری

سکھوں کے زمرہ میں ہندوؤں کی پست اقوام میں سے بے شمار آدمی داخل ہو گئے تھے اور وہ اپنے گرو پر جان قربان کر دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں سے زیادہ تر پنجاب کے کھتری اس ملعون کے شریک مصلحت تھے۔ بہادر جاٹوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی ان تمام لوگوں کو تو سکھ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ ان کے علاوہ تمام ہندوؤں کو وہ مسلمانوں کے ساتھ واجب القتل سمجھتے تھے۔ جن لوگوں کو جنگ کا تجربہ ہے وہ اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ دو ہزار تین ہزار سواروں میں اگر سو دو سو سوار بہادری جاں نثاری عقیدت مندی اور نمک حلالی کے اوصاف رکھتے ہوں تو وہ اس لشکر کی فتح مندی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس بدبخت گروہ میں یہ وصف موجود تھا کہ باوجود ان کی اکثریت پیادہ تھی۔ کم ہی ایسے آدمی ہوں گے جو خود کو قربانی کے بکرے کی طرح اپنے گرو پر نچھاور کر دینے میں دریغ کریں ان کی دلی آرزو اور مراد یہی تھی کہ اپنے گرو پر خود کو قربان کر دیں۔ اس عقیدت کے ساتھ مال و متاع اور روپیہ کا لالچ بھی تھا۔ کیونکہ لوٹ مار میں ان کے ہاتھ کافی مال و اسباب آ جاتا تھا۔ عقیدت اور لالچ کے تحت وہ بے جگری سے لڑتے تھے۔ سست اعتقاد لوگ اس کو بس سحر اور جادو کا اثر سمجھنے لگے تھے۔

سکھوں کا فرار

بہرحال یہ محاصرہ جب طویل ہو گیا تو محصوروں پر حالات بہت تنگ ہو گئے۔ یہ نوبت آ گئی کہ وہ بادشاہی لشکر کے بقالوں سے غلہ خریدنے پر مجبور ہو گئے فصیل پر سے وہ اشارے کر کے انھیں بلاتے تھے اور دو روپیہ تین روپیہ سیر کے حساب سے غلہ خریدتے تھے، چادر قلعہ پر سے نیچے گرا دیتے تھے۔ غلہ بندھوا کر رسیوں سے اوپر کھینچ لیتے تھے اور آپس میں مٹھی دو مٹھی تقسیم کر لیتے تھے۔ تقریباً تین چار ہزار آدمی تو فاقہ سے مر گئے۔ سواری اور بار برداری کے جتنے جانور تھے سب ذبح کر کے کھا گئے۔ جب حالات بہت تنگ ہو گئے تو سکھوں نے ایک چال چلی۔ کھتری قوم کا ایک آدمی گلابو نامی تھا۔ اس کا پیشہ تمباکو فروشی تھا۔

اس کو خلعت فاخرہ پہنا کر گرو کی جگہ بٹھا دیا اور خود گرو اپنے لشکر کو لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور بادشاہی مورچوں کے ایک طرف حملہ کر کے راجہ برنی کے کوہستان کی طرف نکل گیا۔ جب بادشاہی فوج اس گڑھی میں داخل ہوئی تو گلابو کو اس زیب و زینت سے آراستہ گدی پر بیٹھا ہوا پایا۔ خوشی خوشی اُسے گرفتار کر کے خان خاناں کے پاس لے آئے۔ ہر طرف سے مبارک بادی جانے لگی۔ فتح کے شادیانے بجائے گئے۔ اور مخبروں نے فتح کی خوش خبری بادشاہ کو پہنچائی اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔ خان خاناں اور اس کے ہمراہیوں کی بڑی تعریف ہوئی۔ لیکن جب اس نقلی گرو کو خان خاناں کے سامنے پیش کیا گیا۔ تحقیقات اور تفتیش عمل میں آئی تو معلوم ہوا کہ عقاب تو اُڑ گیا اور اس کی جگہ لوگ چند پکڑ لائے ہیں۔ جس نے عمداً خود کو اس قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا۔ خان خاناں کو بڑا افسوس اور سخت ندامت ہوئی اپنے ماتحت سرداروں کو اس نے بہت سرزنش کی اور حکم دیا کہ سب پیادہ ہو کر راجہ برنی کے کوہستان میں داخل ہو جائیں، اور اس ملعون کو زندہ گرفتار کر لائیں یا پھر اس کے عوض راجہ برنی کو پکڑ لائیں۔ چنانچہ سکھوں کے سرگروہ کے بجائے راجہ برنی ہی گرفتار ہو کر آیا اور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے گرو کی گرفتاری کی خبر ملتے ہی حکم دیدیا تھا کہ لوہار ایک تیخ دار آہنی پنجرہ ہاتھوں ہاتھ تیار کر دیں۔ یہ پنجرہ راجہ برنی اور اس کے عقیدت مند چیلے کے نصیب میں تھا، جس نے خود کو اپنے گرو پر قربان کر دیا تھا۔ دونوں کو اس پنجرہ میں قید کر کے دارالخلافہ دہلی بھیج دیا گیا۔

سکھوں میں سر کے اور ڈاڑھی کے بال کٹوانے کو گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پوشیدہ معتقدوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جو کھتری یا جاٹ ذات کے تھے بادشاہی لشکر میں وکالت کرتے تھے اور دربار کی ملازمتوں میں شامل تھے بادشاہ نے تفتیش کے لئے سب کی ڈاڑھیاں منڈوانے کا حکم دیدیا۔ چند دن تک حجاموں کی خوب چاندی رہی کیونکہ بکثرت آدمیوں کی ڈاڑھیاں مونڈی گئیں۔ بعض معتبر و منصفاً لوگوں کو بھی اپنی ڈاڑھیوں سے محروم ہونا پڑا۔

• چین قلیچ خاں بہادر اودھ کا صوبہ دار تھا۔ اسے بہادر شاہ بادشاہ کے بعض اطوار اور طور طریق سے اختلاف تھا۔ محض اس عہد و قرار کی وجہ سے جو ابتدا میں کرنا پڑا تھا۔ اس نے اودھ کی صوبہ داری قبول کرلی تھی۔ انہی دنوں زمانہ کی سفلہ نوازی اور بادشاہ کی ناقدردانی سے تنگ آکر اس نے منصب اور خدمت سے استعفا دیا اور گوشہ نشین ہوگیا۔ نقد و جنس کا بہت بڑا حصہ اس نے فقرا و مساکین میں تقسیم کرادیا۔ چنانچہ ایک دن میں پانچ لاکھ روپیہ حاجت مندوں کو پہنچا تھا۔

خان خاناں کی وفات

سکھوں کے گروکے فرار ہونے کا ملال اور شرمندگی خان خاناں کو ایسی تھی کہ اس کا مزاج بھی خلل پذیر ہوگیا۔ رنج و غصہ سے وہ بیمار پڑگیا اور مختلف بدنی عارضوں میں مبتلا ہوگیا۔ جن کے علاج سے یونانی اور فرنگی حکیم بھی عاجز آگئے آخر وہ انہی بیماریوں میں فوت ہوگیا۔

خان خاناں صوفی مزاج فقیر دوست آدمی تھا کسی شخص کو اس کے دور حکومت میں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا اور اس نے کوئی ایسا نیا قانون نہیں نافذ کیا جس سے کسی مسلمان کو کوئی نقصان پہنچتا۔ لیکن انسان خطا و نسیان کا پتلہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ جو کچھ وہ کرے درست ہی ثابت ہو اصل میں وہی رونما ہو کر رہتا ہے جو اللہ کی مرضی اور رضا میں ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آدمی بعض کام نیک نامی اور ثواب کی نیت سے کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے لئے کسی خیر جاریہ کا آغاز کرے اس کے لئے وہ روپیہ بھی خرچ کرتا ہے۔ — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — مگر یہی کار ثواب اس غریب کی بدنامی کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ خان خاناں کے ساتھ بھی ہوا اس کے دل میں آئی کہ ہر شہر میں اس کے نام سے ایک ایک سرائے مسجد اور خانقاہ تعمیر ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ہر جگہ صوبہ داروں اور دیوانی کے حکام کو لکھا کہ سرائے مسجد اور مدرسہ و خانقاہ کے لئے زمین خریدی جائے، اور کافی رقموں کی ہنڈیاں بھی بڑی تاکید کے ساتھ روانہ کردیں جہاں وہ منصب وزارت پر فائز تھا۔ ماتحت اس کے حکم کو وحی الٰہی سے کیا کم سمجھتے

ہوں گے۔ جہاں بھی اس کے احکام پہنچے سرکاری آدمی ان عمارتوں کی تعمیر کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ بعض جگہ تو ایسی اراضی مل گئی جسے لوگوں نے رضامندی سے فروخت کر دیا اور وہ اتنی وسیع تھی کہ اس پر سرائے بنائی جا سکتی تھی۔ مگر بعض جگہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حکام نے بڑی کوشش کی کہ سرائے کے لائق زمین مالکوں کی رضامندی سے خریدلی جائے مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔ حکام نے اپنی کارفرمائی کے زعم میں اور خان خاناں کو خوش کرنے کے لئے زبردستی اور جبر کرنا شروع کیا اور لوگوں کو ان کے موروثی مکانات سے جن کو ان کے بزرگوں نے برسہا برس پہلے تعمیر کیا تھا بے دخل کر دیا۔ اور مسلمانوں، سیدوں اور ہندوؤں کے اکثر گھرانے بددعائیں دیتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ صورت حال شہر برہان پور اور بندرگاہ سورت میں زیادہ پیش آئی تھی۔ زمین خریدنے کے بعد سرائے کی بنیاد ڈال دی گئی اور بازار والوں کے لئے دکانیں تعمیر ہونے لگیں۔ اس میں کافی رقم خرچ ہو گئی۔ مگر ابھی یہ عمارتیں مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ خان خاناں کا انتقال ہو گیا اور متعلقہ حکام نے جنھوں نے ایک شخص کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خالق حقیقی کے غضب سے بے پروا ہو کر خلق خدا کی دل آزاری کی تھی۔ خان خاناں کی وفات کی خبر سن کر عمارتوں کی تکمیل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ برہان پور میں یہ عمارتیں عید گاہ کے راستہ پر تعمیر ہو رہی تھیں۔ اب وہ اس طرح ویران پڑی ہیں جیسے نیم سوختہ مکانوں کے ڈھانچ اب اس جگہ محلہ والوں اور راہ روؤں کا کوڑا کرکٹ پڑتا رہتا ہے۔ اس بے چارے مرحوم کے ثواب کا معاملہ بہر حال اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔ اس عبرتناک واقعہ پر میں نے غور کیا تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ ظالموں کا کام بہر حال سرانجام نہیں پاتا اور ظالم کی آل اولاد پھل پھول نہیں سکتی اور محروم رہتی ہے جو بھی شخص مردم آزاری کا بانی ہوتا ہے۔ وہ خود بھی دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور اپنے کیے کا نتیجہ اس کے سامنے آکر رہتا ہے۔ بلکہ اس کا خاندان بھی گدائی اور رسوائی سے نہیں محفوظ رہ سکتا۔ اب اور کیا لکھا جائے خود اپنے حال پر ماتم کرنے کی نوبت ہے۔ تاہم اللہ کا شکر ادا

کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میں ابتدائے عمر سے ہی سراپا معصیت رہا ہوں اور پنجگانہ خدمتوں میں اپنی زندگی ضائع کی ہے اور خود کو میں مغضوبانِ الٰہی میں سب سے بدتر سمجھتا ہوں مگر کبھی میں مردم آزاری پر راضی نہیں ہوا کہ لوگ مجھے ظلم وستم سے منسوب کرنے لگیں۔ خدا کو جھوٹ پر شاہد بنانا تمام مذاہب میں بڑا کفر ہے۔ میں خدا تعالیٰ کو اس کی ساری عظمت وجبروت کے ساتھ یاد کرتے ہوئے اقرار کرتا ہوں کہ عالمگیر بادشاہ کے جلوس کے تیسویں سال تک میں اپنے نفس کی اطاعت کرتا رہا ہوں اور حضرت خلد مکاں (عالمگیر) کا روپیہ، جو دکن میں خوان یغما کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ خوب کھایا ہے، مگر اس عالم میں بھی اس بات کی بڑی احتیاط رکھی کہ معاملہ اس حد تک نہ پہنچنے پائے کہ لوگ اسے ظلم کہنے لگیں بعد میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ (ان کی تفصیل لکھنے کا مطلب اپنی مزید روسیاہی کرانا ہے) میں نے اپنے خدا سے عہد کر لیا اور تا مقدور دل وجان سے میں کوشاں بھی رہا کہ مسلمانوں کا مال کھانے اور ان کو نقصان پہنچانے سے بچتا رہوں اور اپنے نفس کی پیروی سے دور رہوں۔ میں نے اس بات کی بھی بڑی کوشش کی کہ اس عمالی (سرکاری خدمت) سے بھی نجات پا جاؤں، جس سے تو سگ بانی اور خوک چرائی ہزار درجہ بہتر ہے اور دیانت دارانہ زندگی گذاروں اور بدنامی سے خود کو محفوظ رکھوں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا کیونکہ یہ بات اللہ کے فضل پر ہی منحصر ہے اور اسی کے فیض سے میسر آ سکتی ہے۔

وزارت کے مسئلہ پر اختلاف

بہرحال خان خاناں کی وفات کے بعد وزارت کے اور دربار کے دوسرے عہدوں کے متعلق سخت اختلاف رائے پیدا ہو گیا، جس میں دکن کی صوبہ داری کا معاملہ بھی شامل تھا۔ شاہزادہ عظیم الشان امور سلطنت میں بڑی حد تک صاحب اختیار تھا اور سعد اللہ خاں ولد عنایت اللہ خاں محکمہ تن (فوجی بھرتی) اور خالصہ کا مستقل دیوان تھا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ وزارت ذوالفقار خاں بہادر کو دیدی جائے، اور بخشی الممالک اور دکن کی صوبہ داری پر خان خاناں کے دونوں بیٹوں کو مقرر کیا جائے۔ اس تجویز کے خلاف ذوالفقار خاں وزارت

کی امید پر دکن کی صوبہ داری اور بخشی الممالک کے عہدوں سے دست کش ہونا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جواب میں عرض کیا "چونکہ بادشاہ سلامت خان زماں سے وزارت کے عہدہ کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے ہم کوئی عذر پیش نہ کر سکے اور اس پر راضی ہو گئے۔ مگر اب ان حالات میں جب تک میرے باپ کو حسب سابق وزارت کا عہدہ تفویض نہیں کیا جاتا، میں اس کو قبول کرنے میں کوئی فخر محسوس نہیں کرتا ہوں" یہ گفتگو بڑی طویل ہو گئی۔ شاہزادہ عظیم الشان کا کہنا تھا کہ "ذوالفقار خاں تو یہ چاہتا ہے کہ وزارت تو اس کے باپ کو مل جائے اور دوسرے عہدے اس کے نام پر محفوظ رہیں" اس اختلاف رائے میں بادشاہ بڑے مخمصے میں پھنس گیا تھا، وہ کسی کی بات کو رد نہیں کر سکتا تھا اور اس معاملہ میں سخت پریشان اور فکر مند تھا۔ ان دنوں میں رخانی خاں (شاہ ایران کے نواسہ مرزا محمد ہاشم کا مہمان دار بن کر آیا ہوا تھا، جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ نے مجھے اپنی طرف سے مرزا موصوف کا مہمان دار مقرر کیا تھا۔ ادھر بادشاہ کی طرف سے شاہزادہ مرزا محمد ہاشم کے استقبال کے لئے ایک اور مہمان دار مقرر ہوا تھا، جس کا خطاب کوکہ خاں تھا۔ اس کوکہ خاں کی والدہ محل میں کھانا کھلانے کی خدمت پر مقرر تھی۔ دیوانی سے تعلق رکھنے کی بنا پر مجھے بادشاہی لشکر گاہ میں جانا پڑا۔ اتفاق سے مجھے کوکہ خاں کی والدہ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اس نے مجھے بتایا کہ "بادشاہ بارہا خلوت میں یہ کہتے رہے ہیں کہ میں تو اس وزارت کے جھگڑے سے اس قدر تنگ آچکا ہوں کہ اب چاہتا ہوں شاہزادہ ایران (مرزا محمد ہاشم) کو وزیر مقرر کر کے محکمہ تن وخالصہ کے کسی دیوانی کے افسر کو اس کا مستقل نائب مقرر کر دوں اور اسی نائب سے وزارت کا کام لیتا رہوں"۔ مگر شاہزادہ ایران کی باریابی سے پہلے اس کے متعلق چند قابل اعتراض باتیں بادشاہ کے علم میں لائی گئیں۔ جب شاہزادہ حضور میں پہنچا تو مقربان بارگاہ کے ساتھ وہ ایسے تکبر و تجبر سے پیش آیا (اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے) کہ دربار میں وہ اور اس کے ہمراہی کچھ زیادہ کامیابی اور سرخ روئی حاصل نہ کر سکے۔ آخر بادشاہ نے وزارت کے معاملہ میں یہ طے کیا کہ مستقل وزیر کے تقرر تک عنایت اللہ

خاں کا بیٹا سعد اللہ خاں جو تن و خالصہ کا دیوان مقرر ہو چکا تھا۔ شاہزادہ محمد عظیم کی نیابت میں امور سلطنت کو سنبھال لے اور تمام کارروائیاں شاہزادہ کے علم و اطلاع سے سرانجام دیتا رہے۔

ماہ جمادی الاول کے آخر میں لاہور کے نواح میں بادشاہی خیمہ گاہ نصب ہوئی۔ رستم دل خاں کو بھیر اور باربرداری کو دریا عبور کرانے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا وہ حاضر بارگاہ ہوا۔ اس کے متعلق شکایات ملی تھیں کہ اس نے بھیر اور لشکر کے آدمیوں پر گھاٹ سے عبور کراتے وقت سختی اور زیادتی سے کام لیا تھا اور روپیہ وصول کرنے کے لئے لوگوں کی بے عزتی کی تھی اور ظلم و تعدی سے پیش آیا تھا۔ بادشاہ نے اس پر عتاب کیا۔ منصب کم کر دیا اور مجرا تسلیمات سے روک دیا۔

ایرانی شہزادہ کی باریابی

شاہ ایران کا نواسہ مرزا محمد ہاشم تازہ وارد تھا۔ جب باریاب ہوا تو اس نے پندرہ عربی اور عراقی گھوڑے اور زربفت کے دو تھان پیش کش میں دیئے۔ بادشاہ نے صرف دو گھوڑے قبول کئے اور باقی اس کو بخش دیئے اور اسے خلعت، تلوار، جمدھر، میناکاری کی مرصع ڈھال اور جیغہ مرحمت کیا۔ وہ بادشاہی خلعت زیب تن کرکے دوبارہ سلام کے لئے آیا تو سخت پریشان تھا۔ کیونکہ خلعت بھاری تھی اور تیر کے مہینہ کی گرمی۔ پسینہ پسینہ ہو گیا اور کمزوری و نقاہت اس کے چہرے سے معلوم ہونے لگی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مہمان کو خس خانہ میں لے جا کر بٹھائیں اور برف کا پانی پلائیں اور پنکھا جھلیں۔ دریا دل بادشاہ کا ارادہ تھا کہ اس کو عمدہ منصب اور اچھی خدمت پر مامور کرکے مالا مال کر دیں مگر شاہزادہ مذکور نے مقربان دربار سے اچھا سلوک نہیں رکھا، وہ ہر ایک سے سلام کا خواہشمند رہتا تھا اور جو بھی اسے سلام کرتا تو وہ جواب میں صرف سینہ پر ہاتھ رکھ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے کسی شاہزادہ سے بھی ربط ضبط پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی اور کسی کے گھر نہیں گیا۔ اس کے اس رویہ کی سب سے زیادہ شکایت مرزا شاہ نواز خاں بخشی کو تھی کیونکہ وہ بھی چار پانچ واسطوں میں شاہ ایران کا پوتا ہوتا تھا۔ اس کے

ناز نخروں کو وہ برداشت نہ کر سکا اور اس سے حسد کرنے لگا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ اس پر زیادہ مہربان ہوں، چنانچہ اس نے کوکہ خاں مہماندار کو اسے نیچا دکھانے کے لئے ہموار کرلیا، اور اس کے اشارہ پر کوکہ خاں نے بادشاہ کے پاس عرضی لکھی، جس میں شاہزادہ ایران کی طرف سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر شاہزادے مجھے راستہ میں مل جائیں، یا دربار میں ان سے دوبدو ہونے کا اتفاق ہو تو میں کس طرح آداب بجالاؤں اور امرائے حضور سے ملاقات کی صورت میں سلام پر سبقت کرنے اور جواب دینے کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے اور اگر حضور والا کے برآمد ہونے سے پہلے میں دربار میں پہنچ جاؤں تو بادشاہ کے برآمد ہونے تک میں کس جگہ بیٹھوں؟ اس عرضی پر بادشاہ نے دستخط فرمائے اور تحریر کرایا کہ اگر شاہزادے راستہ میں میں تو گھوڑے سے اتر کر آداب بجالاؤ اگر دربار میں ملاقات ہو مقررہ طریقہ پر مجرا بجا لاؤ۔ تین ہزاری امیروں تک اگر کوئی سلام میں سبقت کرے تو اس کے جواب میں ہاتھ سر تک لے جاؤ۔ یہ لکھوانے کے بعد جب اس سوال پر پہنچے کہ حضرت کے برآمد ہونے سے پہلے کہاں بیٹھا جائے؛ تو بادشاہ نے مرزا شاہ نواز خاں کی طرف متوجہ ہوتے، کہ کیا لکھا جائے؟ مرزا نے عرض کیا "حضرت کے برآمد ہونے تک خانہ زاد کے (میرے) پیش خانہ میں بیٹھیے"۔ دوسرے ہی دن یہ ہوا کہ شاہزادہ ایران بادشاہ کے برآمد ہونے کی اطلاع سے پہلے ہی روانہ ہو گیا۔ مرزا صدرالدین خاں کا مقرر کردہ ہنراول راستہ میں پہنچا اور حکم کے مطابق ہنراولی کے فرائض انجام دینے لگا۔ اور شاہزادہ کو مرزا شاہ نواز خاں کے پیش خانہ میں لے جا کر بٹھا دیا۔ پھر صاحب خانہ نے صرف واجبی تعظیم کی۔ دوسری رسمیات عطر پان وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یہ بات شاہزادہ کو سخت ناگوار ہوئی اور سارے لشکر میں اس کو خفیف کرنے کی اس سازش کا چرچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ دوسرے دن مرزا شاہنواز خاں خود شاہزادہ سے ملنے گیا اور اخلاص و تپاک کا اظہار کرکے اس سے معذرت کرلی۔ مختصر یہ کہ شاہزادہ کو پانچ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب ملا اور خلیفہ سلطان کا خطاب ملا جس کے

نے خود شاہزادہ نے درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے جاگیر دینے کے احکام بھی جاری کردیئے تھے۔

فیروز جنگ کا انتقال

اسی زمانہ میں احمد آباد و گجرات کے صوبہ دار غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کے انتقال کی خبر ملی، یہ بھی معلوم ہوا کہ فیروز جنگ نے مرنے سے پہلے حکم دیدیا تھا کہ فوج اور شاگرد پیشہ کو ان کے واجبات ادا کرکے فارغ کردیں مگر فیروز جنگ کے انتقال کی خبر سن کر بندرگاہ سورت کا متصدی امانت خاں یلغار کرتے ہوئے احمد آباد پہنچا اور اس نے خزانہ اور دوسرے تمام شعبہ جات کو سرکاری ضبطی میں لے لیا۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ بڑا منتظم اور فتح نصیب امیر تھا۔ غنیم پر وہ ہمیشہ غلبہ و تسلط پا لیتا تھا۔ توران والوں میں ایسا صاحب جاہ و جلال خوش اخلاق شیریں کلام امیر کم ہی دیکھنے میں آیا۔ کہتے ہیں سرکاری متصدیوں نے غبن کی ایک واردات کی تھی۔ خزانہ سے نو لاکھ روپیہ نکال لیا اور اس کی جگہ تانبہ کے پیسوں سے تھیلیاں بھر کر رکھ دیں۔ جب اس تغلب کی اطلاع فیروز جنگ کو ہوئی تو اس نے بڑے تحمل سے کام لیا اور ایسی تدبیر کی تحقیق و تفتیش کی نوبت ہی نہیں آئی اور مجرموں نے اپنی عزت و آبرو کا خیال کرکے اس میں سے کافی رقم دوبارہ خزانہ میں لاکر رکھدی۔

لاہور کے علماء کی حق گوئی اور کامیابی

بادشاہ نے خطبہ میں لفظ "وصی" داخل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر لاہور کے علماء نے خطبہ بند کرادیا تھا۔ بادشاہ نے علماء کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حاجی یار محمد اور محمد مراد تین چار مشہور عالموں کے ساتھ باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے ان کو تسبیح خانہ میں بلالیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ علماء سے عبدالقادر خاں نے جو قاضی میر کا بھتیجہ ہوتا تھا۔ دربار کے دو تین علماء کے ساتھ گفتگو کی اور خود بادشاہ نے بھی حدیث کی معتبر کتابوں، حضرت امام اعظم کے اقوال اور دوسرے ائمہ دین کے اقوال و روایات

کا حوالہ دے کر لفظ وصی پڑھنے کو ثابت کیا۔ لاہور کے علماء سے زوردار مباحثہ ہوا حاجی یار محمد نے بادشاہ کے قول کو گستاخانہ اور بے باکانہ رد کر دیا۔ بادشاہ نے غضب ناک ہوکر کہا: "تم بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتے ہو کہ اس طرح شاہانہ مجلس کے آداب کے خلاف گفتگو کر رہے ہو" حاجی یار محمد نے جواب دیا۔ "مجھے بخشندۂ حقیقی رب العزت سے چار چیزوں کی آرزو تھی۔ اول تحصیل علم۔ دوم حفظ کلام اللہ۔ سوم حج۔ چہارم شہادت، الحمد للہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں تو عطا فرما دیں، اب صرف شہادت کی آرزو باقی رہ گئی ہے۔ امیدوار ہوں کہ بادشاہ کی توجہ وعنایت سے اس میں بھی کامیاب ہوجاؤں۔ غرض اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح میں چند دن لگ گئے۔ اس معاملہ میں شہر کے عوام اور تمن دار افغانوں کی ایک جماعت جو سب کے سب ایک لاکھ کی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ حاجی یار محمد کے حامی تھے اور خفیہ طور پر اس کے رفیق بن گئے تھے۔ شاہزادہ عظیم الشان بھی خفیہ طور پر اس جماعت کا حامی تھا۔ (آخر مولینا یار محمد کو کامیابی ہوئی) شوال کے آخر میں صدر نے خطبہ پڑھنے کی عرضی حضور میں پیش کی۔ بادشاہ نے دستخط فرمائیے کہ۔ "حضرت خلد مکاں کے عہد کے مطابق خطبہ پڑھا جائے۔ حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سے الفاظ آتے ہیں۔ گو لفظ وصی نہ ہو، مگر چونکہ عام لوگ اور بدنام اوباش پیشہ اشخاص بے بنیاد قیاس آرائی کرتے پھر رہے ہیں اور شورش پر آمادہ ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ پورا اہتمام و احتیاط برتی جائے، کہ خطبہ پڑھتے وقت بے سروپا واقعہ طلب اشخاص مسجد میں داخل نہ ہوں" چونکہ بادشاہ کے اس حکم اور دستخط کی اطلاع بہت کم لوگوں کو ہوئی تھی، یہاں تک کہ مقربان خاص بھی اس سے مطلع نہ ہو سکے تھے۔ ہزارہا آدمیوں کا ہجوم جس میں ہر قوم کے آدمی شامل تھے۔ اپنے اپنے دعوے اور رائے کا اظہار کرتے ہوئے مسجد کے اطراف جمع ہوگئے تھے، اور بعض فاسد خیالات کو روبہ عمل لانے کے لئے موقع کی تاک میں تھے، اور کسی نہ کسی ہنگامہ اور فساد کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر جب خطبہ قدیم دستور کے

مطابق پڑھا گیا تو یہ قضیہ ختم ہو گیا مگر یہ بھی سننے میں آیا کہ بادشاہ نے آخر مولینا یار محمد کو اور علمار کے ساتھ گرفتار کرا کے کسی قلعہ میں بند کرا دیا تھا۔

شاہ عالم بہادر شاہ کی وفات

(شاہ عالم بہادر شاہ غازی کے جلوس کا پانچواں سال مطابق سن گیارہ سو بائیس ہجری ۱۱۲۲ھ)

پانچویں سال کا جشن تخت نشینی ۱۸ ذی الحجہ کو منعقد ہوا۔ امیر امرا، عالم فاضل، غریب غربا اور اہل طرب سب کے سب شاہانہ عنایات سے نوازے گئے ترقی اضافہ خلعت جواہر ہاتھی گھوڑے عطا کئے گئے۔ خاص طور سے صوبہ دار دکن داؤد خاں اور احمد آباد کے صوبہ دار امانت خاں اور دوسرے صوبہ داروں کے نام فرامین جاری ہوئے اور خلعتوں کی منظوری کی اطلاع دی گئی۔

محرم ۱۱۲۴ھ کے آخری عشرہ میں جب کہ بہادر شاہ کی عمر قمری حساب سے ستر سال سے زائد ہو گئی تھی، وہ بیمار ہو گیا، اور بس سات آٹھ پہر میں ہی سفر آخرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ شاہزادہ عظیم الشان باپ کی عیادت کے لئے آیا ہوا تھا۔ اسی وقت باپ کی خبر سن کر تینوں شاہزادے اچانک وہاں پہنچ گئے تھے۔ شاہزادہ عظیم الشان ایسا گھبرایا کہ باپ کا حال جانے بغیر وہاں سے نکل گیا، بلکہ جوتا پہننے تک کا اُسے ہوش نہیں رہا تھا۔ بہرحال بہادر شاہ بادشاہ آٹھویں کی شب کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت قطب الدین کے روضہ کے قریب دار الخلافہ سے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر دفن کیا گیا۔ بہادر شاہ نے

چار سال دو مہینے حکومت کی۔ بادشاہی خزانہ میں بہ اختلاف روایات تیرہ کروڑ روپیہ رہ گیا تھا۔ بہادر شاہ کے جلوس کے چوتھے سال کے ختم تک وہ سب بخشش و عطیات میں صرف ہو گیا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں خرچ اتنا زیادہ تھا کہ آمدنی کفایت نہیں کرتی تھی۔ اور یہ نوبت آ گئی تھی کہ تمام دربار کے شعبوں، خاص طور سے محلات میں خرچ کی تنگی رہتی تھی، اور ہر روز شاہزادہ عظیم الشان کے خزانہ سے ہاتھ بدل کے طور پر کچھ نہ کچھ رقم آتی رہتی تھی ؎

فکر صد سال می کند بندہ
مرگ بر دوش می زند خندہ

جہاں دار شاہ ابنِ بہادر شاہ

امیر تیمور صاحبقراں کا تیرہواں جانشین

وہ صرف گیارہ مہینے حکمراں رہا، مگر اسنے سلطنت مغلیہ کی تین سو سالہ عزّت و آبرو ایک طوائف لعل کنور کے قدموں پر نچھاور کر دی اور میدانِ جنگ سے بھاگ گیا۔

بہادر شاہ کے جانشین

- ★ جہاں دار شاہ
- ★ عظیمُ الشّان
- ★ جہاں شاہ
- ★ رفیع الشّان
- ★ فرُخ سیَر

تخت کے وارثوں میں ملک کی تقسیم پر نزاع

بہادر شاہ کے جانشینوں کا اختلاف

شاہ عالم بادشاہ کی وفات کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ایک ہفتہ تک صلح کی شرائط اور ملک ومال کی تقسیم کے سلسلہ میں مراسلت ہوتی رہی ۔ اس گفت و شنید میں ذوالفقار خاں بہادر چاروں بھائیوں کے درمیان دوڑ دھوپ میں مصروف تھا مگر وہ فی الحقیقت جہاں دار شاہ کا حامی تھا ۔ چنانچہ دوسرے بھائی جہاں شاہ کے ساتھیوں نے اسے یہ مشورہ دیا اور اصرار کیا کہ ذوالفقار خاں کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے ۔ تاکہ جہاں دار شاہ کی حمایت کمزور پڑ جائے ، مگر جہاں شاہ کو جرأت نہیں ہوئی ۔ اس درمیان میں جہاں شاہ کے توپ خانہ اور بارود کے ذخیرہ میں آگ لگا دی گئی اور ساری بارود اور بان جل گئے ۔ صورت حال بہت نازک تھی ۔ چاروں شاہزادوں کی فوجیں طلایہ گردی کر رہی تھیں ۔ ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ شاہزادہ عظیم الشان کے لشکر کے دو تین اونٹ جن پر مال و اسباب اور کپڑے لدے ہوئے تھے اور شاید اشرفیوں کی چند تھیلیاں بھی اس سامان میں رکھی ہوئی تھیں تبدیلی مقام کے وقت جہاں شاہ کے آدمیوں کے ہاتھ آ گئے تھے ، یہ واقعہ بھی نزاع کا سبب بن گیا ۔

تقسیم ملک کی تجویزیں

حصہ داری اور تقسیم کے معاملہ میں یہ طے پایا تھا کہ دکن تو جہاں شاہ کو دیدیا جاتے۔ ملتان، ٹھٹھہ اور کشمیر رفیع الشان کے حصہ میں رہے اور ہندوستان کے بقیہ صوبوں کو عظیم الشان اور جہاں دار شاہ باہم تقسیم کریں۔ مگر یہ تجویز روبہ عمل نہ آسکی۔ آخر معاملہ نزاع اور مخاصمت تک جا پہنچا۔ یہ بڑے پُر آشوب دن تھے۔ انہی دنوں مرزا صدر الدین محمد خاں صفوی بخشی عظیم الشان سے ملاقات کرکے واپس ہو رہا تھا۔ جب وہ جہاں شاہ کی فوج کے سامنے سے گذرا تو جہاں شاہ کے آدمیوں نے محض بدگمانی میں اس پر اچانک حملہ کر دیا اور پے در پے حملہ کر کے اسے ختم کر دیا۔ حکیم الملک ولد حکیم محسن خاں رفیع الشان کا رفیق اور ہمدم تھا مگر رفیع الشان نے کسی قصور پر اس کو گرفتار کر لیا اور شکنجہ پر چڑھا کر بڑی بے حرمتی کی اس کی نقدی جواہرات وغیرہ ضبط کرلئے۔ عظیم الشان نے اپنی لشکر گاہ کو دریا کی طرف موضع بوڑانہ کی طرف ہٹا لیا جو شہر سے تین چار کوس پر واقع ہے۔ اب اس کے پیچھے دریائے راوی تھا اس نے لشکر گاہ کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیدیا۔

شہزادہ عظیم الشان کی گم شدگی

عظیم الشان کی منتقلی کے بعد اس کے مقابلہ پر تینوں بھائی متفق ہو گئے اور سوار ہو کر نصف کوس تک پہنچ ا۔ر چار پانچ دن تک عظیم الشان کے لشکر پر گولہ باری اور بان اندازی کرتے رہے۔ عظیم الشان کے توپ خانہ سے بھی جواباً تینوں کی فوج پر آگ برس رہی تھی۔ اس آتش باری میں کافی آدمی اور گھوڑے تلف ہو گئے۔ ماہ صفر کے دوسرے عشرہ کے آخر تک تو صورت حال خطرناک ہو گئی اور سب طرف لوگ مقابلہ پر کھل کر آگئے اور ہر طرف سے فوجیں آگے بڑھنے لگیں۔ عظیم الشان بھی صف آرائی کرکے مقابلہ پر نکل آیا اور بڑی سخت لڑائی چھڑ گئی۔ جس میں بڑے بڑے نامی گرامی سرداروں کے سر خاک و خون میں تیرنے لگے۔ جنگ پوری شدت سے ہو رہی تھی کہ عظیم الشان جس ہاتھی پر سوار تھا۔ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ ایسا غائب ہوا

کہ اس کا پھر پتہ نہ چل سکا بعض کے خیال میں توپ کے گولے اس کے پرخچے اڑ گئے اور ایک روایت کے مطابق جب اُس نے اپنے آپ کو دشمنوں میں گھرا ہوا پایا تو مایوس ہو کر دریا میں کود گیا۔ عظیم الشان کی فوج کے شکست پاتے ہی لوٹ مار کرنے والوں کی بن آئی، چار شہزادوں کے آدمی اس کے خزانہ اور مال و اسباب پر ٹوٹ پڑے اور عظیم الشان نے جو کثیر دولت بنگالہ میں ظلم و ستم کر کے جمع کی تھی، وہ ہاتھوں ہاتھ تباہ و تاراج ہو گئی اور تینوں شاہزادے فتح کے شادیانے بجاتے اپنی اپنی جگہ لوٹ آئے۔

جہاں شاہ کی ہلاکت

تخت کے چار وارثوں میں سے ایک کا خاتمہ ہو گیا، اب تینوں شہزادے تقسیم کے مسئلہ پہ دست و گریبان ہونے لگے۔ دوسرے دن جہاں دار شاہ اور جہاں شاہ کے درمیان مصالحت کی بات چیت شروع ہوئی ادھر سے ادھر پیغام جاتے رہے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اور معاملہ خوں ریزی تک جا پہنچا۔ اور دونوں طرف سے معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ سہ پہر تک خوب جم کر لڑائی ہوتی رہی۔ جہاں شاہ کا بیٹا فرخندہ اختر چند مشہور امیروں کے ساتھ مارا گیا۔ جہاں دار شاہ کے بھی بکثرت آدمی چند مشہور امیروں کے ساتھ کام آ گئے تھے۔ آخر جہاں شاہ نے جرأت سے کام لے کر اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور ایک بھرپور حملہ کر کے جہاں دار شاہ کی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اب جہاں دار شاہ سخت خطرہ میں گھر گیا تھا۔ چنانچہ وہ جان بچا کر اینٹوں کے بھٹے میں گھس گیا۔ اس پریشانی میں اُس کی معشوقہ لال کنور بھی اس سے چھوٹ گئی اور جہاں شاہ کی فوج فتح کا شادیانہ بجانے لگی۔ راجپوت صرافوں کی تیجیوں کے ذریعہ جہاں شاہ کی فتح کی خبر اکثر شہروں میں پہنچ گئی اور بعض جگہ جہاں شاہ کے نام کا خطبہ بھی پڑھا گیا۔ مگر عجب سانحہ پیش آیا کہ جہاں شاہ کی فوج تقریباً فتح پا چکی تھی۔ جہاں دار شاہ میدان سے بھاگ گیا تھا اور دونوں فوجوں کے آدمی اس کی تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ اچانک توپ کا ایک گولہ جہاں شاہ کو آ کر لگا اور اس کے گرتے ہی اس کی فوج میدان سے بھاگنے لگی، جیسے ہی ذوالفقار خاں کو یہ خبر ملی اس کے آدمیوں نے جہاں شاہ کے ہاتھی پر حملہ

لڑ کے گرفتار کر لیا ہاتھی پر جہاں شاہ اور فرخندہ اختر کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں یہ ہاتھی اسی طرح جہاندار شاہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ نجستہ اختر زندہ رہ گیا تھا اسے اور اس کے بھائی کو قید کر لیا گیا اور جہاندار شاہ کی فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔

شہزادہ رفیع الشان کا قتل

چار بھائیوں میں سے دو کا خاتمہ ہو گیا اب تخت و تاج کے دو وارث رہ گئے۔ جہاندار شاہ اور رفیع الشان دونوں کے درمیان قول و قرار کی بات مسلسل جاری تھی مگر جہاندار شاہ نے آخر رات میں اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ رفیع الشان نے بڑی بہادری سے مدافعت کی اور اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ ہاتھی سے کود کر دست بدست دشمنوں سے لڑتا رہا آخر چند ہمراہیوں سمیت مارا گیا اس کے تین بیٹے زخمی ہو گئے تھے۔ ان کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے نام ہیں محمد ابراہیم، رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات۔

جہاں دار کی تخت نشینی

دشمنوں سے وحشیانہ انتقام

جہاں دار شاہ نے بھائیوں کے تصفیہ سے فارغ ہوکر ہندوستان کے تخت پر جلوس کیا۔ رفیع الشان کے بیٹوں جہاں شاہ کے دونوں بیٹوں اور محمد کریم اور شاہزادہ ہمایوں بخت کو جس کی عمر دس سال سے زائد نہیں تھی، دہلی کے قلعہ میں بھجوا دیا۔ اور رستم دل خاں، اللہ وردی خاں اور مخلص کے لئے حکم ہوا کہ ان کو سخت ترین سزائیں دیں اور عضو عضو جدا کرکے ہلاک کردیں۔ ان میں سے الہ وردی خاں تو بڑا ظالم آدمی تھا، اس کے ہاتھوں ایک دنیا تنگ تھی۔ البتہ مخلص خاں کا قصور معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کس پاداش میں سزا دی گئی۔ ان کے علاوہ بیس سے زائد امیروں کے لئے بھی قید و زنجیر کے احکام صادر کئے گئے ان میں مہابت خاں، ذوالفقار خاں، حکیم الملک، ہدایت اللہ خاں، فدوی خاں، عبد القدیر خاں لطف اللہ خان پانی پتی، امیر خاں کا بیٹا عقیدت خاں شامل تھے۔ یہ لوگ زخمی بھی ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ ہدایت کیش اور جہاں شاہ کا بخشی محمد علی خاں بھی گرفتار کرلئے گئے ان امراء کو شکنجہ میں کس دیا گیا اور طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ ان کے گھر بھی ضبط کر لئے گئے۔ مہابت خاں اور خان زماں خاں کو دو تین امیروں کے ساتھ طوق و زنجیر میں جکڑ کر دہلی کے قلعہ میں بھجوا دیا۔

جب عظیم الشان میدان جنگ سے غائب ہو گیا تھا تو شاہزادہ محمد کریم نے

بھاگ کر ایک گھر میں پناہ لے لی تھی مگر وہ اپنی انگشتری کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ جسے اس نے ہاتھ سے اُتار کر فروخت کرنے کے لئے بازار بھیجا تھا۔ اُسے جب جہاں دار شاہ کے پاس لایا گیا تو جہاں دار شاہ اس کو قتل کرانا نہیں چاہتا تھا مگر ذوالفقار خاں اور شاہ قدرت اللہ فقیر اس پر لعنت ہو) کے بہکانے سے اسے قتل کرا دیا۔

طاؤس ورباب آخر

جہاں دار شاہ کا زمانہ ظلم و ستم، فسق و فجور کا زمانہ تھا گانے بجانے کی محفلیں جمنے لگیں قوال کلاونت ڈھاڑی گھر ویک سے محل آنے قریب تھا کہ تمام درباری ... سے اور ... تمام ہے۔ بادشاہ کی محبوبہ لعل کنور کے کیا کہنے "بادشاہت" تو اسی کی تھی بادشاہ کے بھائیوں اور دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو چار ہزاری یا پانچ ہزاری منصب ملے ہاتھی نقارہ قیمتی جواہرات اور اعزاز عطا ہوئے اور وہ اپنی قوم میں اتراتے پھرنے لگے کہ ہم بھی بادشاہ کے رشتہ دار ہیں۔ مراثیوں کی ڈوم ڈھاڑیوں کی اس ریل پیل میں قدیم خانہ زاد امیروں کو باکمال اشخاص کو اور علماء کو کون پوچھتا ان کا اعتبار سرکار دربار میں باقی نہیں رہا۔ اس سلسلہ میں خوش مزاج ظریفوں نے بڑی نقلیں اور افسانے بنائے تھے۔ اسی قسم کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے لعل کنور کے بھائی خوش حال خاں کے نام اکبر آباد کی صوبہ داری لکھ دی اور پانچ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا مگر بخشی الممالک ذوالفقار خاں نے فرمان اور اسناد تیار کرانے میں قصداً تاخیر کر دی۔ لعل کنور نے بخشی الممالک کی شکایت بادشاہ سے کر دی۔ جہاں دار شاہ نے ذوالفقار خاں سے دریافت کیا کہ لعل کنور کے بھائی کے لئے فرمان اور اسناد تیار کرانے میں آخر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ ذوالفقار خاں جہاں دار شاہ کے سامنے کھڑی کھڑی کھیل(؟) کرتا تھا اس نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ "ہم خانہ زادوں کو اصل میں رشوت لینے کی لت پڑ گئی ہے بغیر رشوت لئے کسی کا کام نہیں نکال پاتے"۔ جہاں دار شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لعل کنور سے کیا رشوت لینا چاہتے ہو؟" ذوالفقار خاں نے دست بستہ عرض کیا "حضور ایک ہزار عمدہ قسم کے نفیس طنبوروں کی خواہش ہے" بادشاہ نے حیرت سے کہا۔ "ہزار طنبورے ان کا کیا کرو گے؟" ذوالفقار خاں نے کہا۔ "جب ہم خانہ زادوں کے نام حضور اس

قوم (میراثی) کے سپرد کردیں گے تو پھر ہمارے لئے بجز اس کے کیا رہ جاتا ہے کہ ہم اس معزز قوم کا پیشہ اختیار کرلیں"۔ جہاں دار شاہ اس بات پر ہنس دیا اور صوبہ داری کی بخشش واپس لے لی۔

مدہوش بادشاہ اصطبل میں

ایک اور قصہ جس کی صحت و تصدیق ہوچکی ہے اور جو شہر شہر زبان زد ہوگیا تھا یہ ہے کہ ۔ جہاں دار شاہ اکثر رات کو اپنی معشوقہ کو رتھ پر ساتھ بٹھا کر چند مقربوں مصاحبوں کے ہمراہ بازاروں کی سیر کے لئے نکل جاتا تھا اور شراب خانوں میں جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک رات اسی طرح لعل کنور کو رتھ پہ سوار کرا کے ایک شراب خانہ میں پہنچ گیا اور وہاں دونوں نے جی بھر کر شراب پی، جب لوٹنے لگے تو بالکل مست اور مدہوش تھے۔ محل واپس آئے تو رتھ سے اترتے وقت لعل کنور کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ بادشاہ کو اتارلیتی گرتے پڑتے وہ اپنے بستر پر جا کر پڑ گئی اور نشہ ہی میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ ادھر بادشاہ سلامت دنیا جہان سے بےخبر رتھ میں مدہوش پڑے رہے۔ (رتھ بان بھی ترنگ میں ہوگا) اس نے رتھ اصطبل میں لے جا کر ٹکا دی۔ کچھ دیر بعد جب محل کی عورتوں نے لعل کنور کے ساتھ بادشاہ کو نہیں پایا تو دھوم مچا دی لعل کنور کو بھی اٹھایا۔ بڑی مشکل سے وہ کچھ ہوش میں آئی تو بادشاہ کو اپنے پاس نہیں پایا۔ بے قرار ہوکر اٹھی اور روتی ہوئی ادھر ادھر سراسیمہ وار دوڑنے لگی۔ اب ہر طرف بادشاہ کی تلاش ہونے لگی۔ آخر لوگوں نے اصطبل میں رتھ کے اندر بادشاہ سلامت کو محو استراحت پایا۔ اس واقعہ پہ ہر جگہ یہ افواہ اڑ گئی کہ لعل کنور کے بھائی نے بادشاہ کو مستی کے عالم میں قتل کردیا۔

ظالم عہدہ دار

جہاں دار شاہ کی اور بھی چند حرکتیں لوگوں میں بہت مشہور تھیں جن کو سلاطین تو کجا عام آدمیوں سے بھی منسوب کرنا بہت شرمناک ہے ہم ان کو لکھنا نہیں چاہتے ایسی باتوں کو بادشاہوں کے حق میں محض افترا ہی سمجھنا چاہیئے صوبہ دکن میں ذوالفقار خاں کا نائب داؤد خاں تھا اس نے لوگوں پر ایسے ظلم توڑے کہ ان کا ذکر ایک داستان سے کم نہیں۔ ذوالفقار خاں کی سرکار کا کرتا دھرتا اس کا دیوان

بھا چند شخص اس قدر بیہودہ گو تھا کہ گالی گفتار کے سوا بات نہیں کرتا تھا اس کی فحش کلامی سے لوگ تنگ آ گئے تھے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے زمانہ کے اس انقلاب پر صبر سے دن گذار رہے تھے۔

الہ آباد اور مالوے کے صوبیدار

جہاں دار شاہ دہلی میں

جہاں دار شاہ کی سلطنت کو دو تین ماہ نہیں گذرے تھے کہ خبریں ملیں کہ فرخ سیر پٹنے میں جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے اور سادات بارہہ اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جہاں دار شاہ ان خبروں سے پریشان ہو کر اواکل ربیع الثانی میں لاہور سے دار الخلافہ (دہلی) کی طرف روانہ ہو گیا اور جمادی الاوّل کے وسط میں "قلعہ شاہجہاں آباد" میں داخل ہوا۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بیٹا قلیچ خاں بہادر تجربہ کار بہادر صاحب رائے اور کارگذار امیر تھا اس کی قابلیت اور ہنر و کمال کی بڑی شہرت تھی مگر جیسا کہ ذکر آ چکا۔ بہادر شاہ کے عہد میں ہی وہ بادشاہ کی بے خبری اور نا قدردانی کے سبب منصب اور عہدہ ترک کر کے گھر بیٹھ گیا تھا۔ اب جو برا وقت آ کر پڑا تو جہاں دار شاہ کے درباری اس کے پاس پہنچے اور اسے راضی کر کے دربار میں لے آئے۔ پانچ ہزاری منصب مقرر ہوا اور بادشاہ کے مقربوں میں شامل کر لیا گیا۔

الہ آباد کی صوبیداری کا تنازعہ

راجی محمد خاں خانان (بہادر شاہی) کے تربیت یافتہ امراء میں سے تھا بادشاہ نے اسے سید عبداللہ خاں

کی جگہ الہ آباد پر صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اس کی نیابت میں الہ آباد کے بندوبست کے لئے سید غفار نامی کو جو مشہور جنگجو اور بہادر تھا روانہ کر دیا گیا۔ سید عبدالغفار نے ایک دو صاحب فوج زمینداروں کو اپنا رفیق بنا لیا اور چھ سات ہزار جرار سوار فراہم کر کے وہ الہ آباد روانہ ہو گیا۔ جب وہ کڑہ مانک پور کے قریب پہنچا تو ادھر سے سید عبداللہ خاں کا بخشی ابوالحسن خاں تین ہزار سواروں کو لے کر سید عبدالغفار کے مقابلہ پر آ گیا دونوں فوجیں کڑہ مانک پور سے تین کوس پر آ کر ٹھہر گئیں۔ جمادی الثانی کے آخر میں سید عبدالغفار اپنی فوج کو ترتیب دے کر فوج اور توپ خانہ کے گھمنڈ میں قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ اسی دن سید عبداللہ خاں کے بھائی سیف الدین علی خاں، سراج الدین علی خاں، نجم الدین علی خاں اور رتن چند دیوان تین سو چار سو سواروں کو لے کر اپنی فوج کی مدد کے لئے پہنچے جب دونوں فوجیں تیر اور بندوق کی ضرب پر پہنچیں سید عبدالغفار اپنے توپ خانہ کو گولہ باری کا حکم دے کر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گھوڑے دوڑاتے ہوئے غنیم پر جا پڑا اس کے حملوں سے سادات بارہہ کو باوجود بہادری کے مقاومت کی تاب نہ رہی اور بکثرت آدمیوں کے قتل و زخمی ہونے کے بعد سید عبداللہ خاں کے لشکر کی ایک بڑی جماعت میدان سے بھاگ نکلی مگر سید عبداللہ خاں کے تینوں بھائی اور ابوالحسن خاں اور رتن چند اپنے تین چار سو جاں نثار سواروں کے ساتھ اپنی جگہ جمے رہے۔ عبدالغفار کی فوج نے ان کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا اور اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ سید عبداللہ خاں کی فوج کو لوٹنے میں مشغول ہو گیا۔ سید عبدالغفار نے سادات بارہہ کو بری طرح گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ سید عبداللہ خاں کا بھائی سراج الدین ایک جمعیت کے ساتھ مارا گیا۔ مگر عین اسی وقت بڑی تیز آندھی اٹھی اور ایسا اندھیرا چھایا کہ دوست دشمن کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔ اسی حالت میں سید عبدالغفار کے مارے جانے کی افواہ دونوں لشکروں میں پھیل گئی اور اس کی فوج بدحواس ہو کر بھاگ گئی اس نے بہت آوازیں دیں اور چلا چلا کر کہا کہ میں زندہ ہوں۔ مگر کسی نے سن کر جواب نہیں دیا اور سادات کی فتح کا شادیانہ بج گیا جب عبدالغفار کی شکست کی خبر جہاں دار شاہ کو ملی تو اس نے اپنے درباریوں کے مشورہ پر الہ آباد کی صوبہ داری کا فرمان

برادری منصب کے اضافہ کے ساتھ مع خلعت کے سید عبداللہ خاں کے پاس روانہ کر دیا۔

اسی اثناء میں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ بنگالہ کے خزانہ اور اطراف کے علاقوں سے فرخ سیر اور سید عبداللہ خاں کو ۵۰ لاکھ روپیہ مل گیا ہے یہ بھی خبر آئی کہ کڑہ کے فوجدار سربلند خاں نے بھی دس بارہ لاکھ روپیہ حاصل کر لیا ہے مگر وہ فرخ سیر اور عبداللہ خاں کی طرف نہیں گیا اور خزانہ لے کر ادھر ہی آ رہا ہے۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو جہاں دار شاہ نے بڑی تعریف کی اور امانت خاں کو تبدیل کرکے اس کی جگہ سربلند خاں کو احمد آباد کا صوبہ دار بنا دیا اور رخصت کر دیا۔

مالوے کی صوبہ داری کا قضیہ

احمد آباد سے ہٹا کر امانت خاں کو مالوے کی صوبہ داری پر بھیج دیا گیا۔ اس وقت اجین کا علاقہ راجہ اسلام خاں عرف رتن سنگھ کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور امانت خاں کے اور راجہ کے درمیان روز بروز جھگڑا اور عداوت بڑھتی جا رہی تھی۔ ذوالفقار خاں کی تحریر بھی راجہ کے پاس پہنچی تھی کہ امانت خاں کو جائزہ نہ دیا جائے۔ یا تو یہ حکم ذوالفقار خاں کا تھا یا راجہ نے جعلی حکم نامہ تیار کر لیا تھا۔ بہر حال اس وقت راجپوت بڑے خود سر ہو رہے تھے۔ راجہ بھی اپنے سید سے سوال جواب کرکے امانت خاں کو پریشان کر رہا تھا۔ آخر یہ نزاع فوج کشی تک جا پہنچی۔ سارنگ پور پر امانت خاں کا تھانہ دار رحیم بیگ بٹھایا ہوا تھا دلیر خاں نامی افغان راجہ کے ساتھ چار پانچ ہزار سوار لے کر آیا اور اس تھانہ کو برخاست کر دیا اور بکثرت آدمی اس تھانہ پر مارے گئے اور بعض قید ہو گئے۔ امانت خاں کو اطلاع ملی تو وہ غیرت، شجاعت کے مارے اسی وقت سوار ہو گیا۔ حالانکہ امانت خاں کی فوج کی مجموعی تعداد تین ہزار بھی نہیں تھی، پھر ان میں سے بھی پانچ سو سوار اس تھانہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ دوسری طرف (نو مسلم) راجہ کی (نو مسلم) فوج جو باوجود اسلام قبول کر لینے کی شہرت کے کفر کے طور طریق پر ہی تھی اور مسلمانوں کو مالی اور جانی نقصان پہنچانے کے لئے حالت کفر سے زیادہ تعصب کرتی تھی۔ بیس ہزار سے زیادہ ہی تھی۔ اس

کے لشکر میں کافی تعداد نامی گرامی پٹھان سرداروں کی بھی تھی جیسے دوست محمد روہیلہ جس کے ساتھ ہمیشہ چار پانچ ہزار کی فوج رہتی تھی اور دلیر خاں جو صاحب فوج سردار تھا ان کے علاوہ جاہل راجپوتوں کی بڑی تعداد تھی۔

سارنگ پور کا معرکہ

جب امانت خاں سارنگ پور کے نالہ کے قریب پہنچا جو اُجین سے چار پانچ منزل کی مسافت پر تھا کہ اچانک اسلام خاں (راجہ) کا لشکر نمودار ہوا' جہاں تک نظر جاتی تھی سوار اور پیادے ہی نظر آتے تھے۔ دلیر خاں پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ امانت خاں کے بائیں جانب بڑھا اور مسلسل حملے کرنے لگا۔ اس وقت امانت خاں بڑے خطرہ میں تھا۔ اسلام خاں نے تین سرداروں کی کمان میں دس بارہ ہزار سوار مقرر کر دیئے تھے کہ چاروں طرف سے امانت خاں کا محاصرہ کر کے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔ امانت خاں چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ دشمن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ اس کے لشکر کے کسی آدمی کو جان سلامت لے جانے کی امید نہیں رہی تھی مگر وہ شیر مرد پورے استقلال سے میدان میں جما ہوا تھا۔ اسے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اللہ پر بھروسہ کر کے وہ بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اس نے ایسی جد وجہد کی اور کارفرمائی سے کام لیا کہ سب عش عش کرنے لگے جب چاروں طرف سے دشمن نے نرغہ کر لیا تو امانت خاں کے ہم زلف دلاور خاں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ امانت خاں کے بائیں بازو خان جہاں تھا جس کا لقب پہلے لوز خاں تھا بعد میں وہ لوزالدین خاں بہادر ہو گیا تھا جس زمانہ میں امانت خاں بندرگاہ سورت کا متصدی تھا۔ سورت کے تعلق کی چند خدمات پر دربار سے لوزالدین خاں بہادر کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت سے دونوں کے درمیان مخلصانہ اور دوستانہ روابط تھے۔ دلیر خاں نے اس خیال سے کہ امانت خاں کے بعد صاحب فوج اور باتدبیر سردار الزاالدین خاں بہادر ہی ہے۔ پانچ چھ ہزار پٹھان سواروں کو توپ خانہ دے کر اس کے مقابلہ پر لے آیا اور حملہ کر دیا۔ الزاالدین خاں کے ساتھ مختصر سی جمعیت تھی اس نے مٹھی بھر

فوج کے ساتھ اس بدمست پٹھان کا جم کر مقابلہ کیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی تیراندازی اور برق اندازی سے صحرا گونج اٹھا۔ تین گھڑی تک برابر دستی ہتھیاروں سے مقابلہ ہوتا رہا۔ امانت خاں اس وقت اپنے بہادر ساتھی کی کمک پر نہیں جا سکتا تھا۔ دلیر خاں اپنی کثرت پر مغرور تھا۔ سواری کا ہاتھی بڑھا کر انور الدین خاں بہادر کے ہاتھی کے مقابل لے آیا۔ انورالدین خاں نیزہ کا زخم لگنے سے زخمی ہو گیا تھا مگر اس نے بڑے استقلال سے تیراندازی شروع کر دی اور مسلسل دشمن پر تیر چھوڑتا رہا آخر اس نے اپنی خاص بندوق سے جو ہاتھی پر رکھی ہوئی تھی۔ اس پر فایر کر دیا، اور یہ دلیر خاں افغان گولی کھا کر گر پڑا اور اس کی فوج کو شکست ہو گئی۔ اسی دوران میں انورالدین خاں بہادر کا بھائی جو بڑا بہادر اور کارگزار آدمی تھا کام آ گیا۔

امانت خاں کی فتح

یہ لڑائی جس طرح ہوئی اور اس میں انورالدین خاں بہادر نے جس بہادری اور پامردی کا ثبوت دیا اور طرفین سے جو آدمی مجروح و مقتول ہوئے ان سب تفصیلات کے لئے بڑی ضخامت چاہیئے مختصراً ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ راجہ اسلام خاں کی طرف سے جمعدار دلاور خاں زخمی ہو گیا اور چند دوسرے مشہور جمعدار بھی مارے گئے اور ایک پہر دن نکل گیا۔ سہ پہر تک تو یہ عالم تھا، جدھر نظر جاتی خون کے ندی نالے ہی نظر آتے تھے۔ اسی دوران میں راجہ نے قلب لشکر کو لے کر پیش قدمی کی اور اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ راجہ کے ہمراہیوں نے جو راجہ کی گالی گفتار اور اس کے ناپسندیدہ اطوار سے نالاں اور اس موقع کے منتظر تھے۔ اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اور راجہ جب مقابلہ پر بڑھا تو اس کے ساتھ بس گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے اور وہ اس طرح مارا گیا کہ ایک گھنٹہ تک دونوں لشکروں کو پتہ نہ چل سکا اور وہ لڑائی میں مصروف رہے، کسی کو راجہ کے زندہ و مردہ ہونے کی خبر نہ ہو سکی۔

امانت خاں نے دلاور خاں جمعدار کے فرار کے بعد فتح کا شادیانہ بجوا دیا۔ اس وقت راجہ کی فوج جو امانت خاں کی سمت مقرر تھی منتشر ہو گئی اور فتح کے آثار پیدا ہو گئے

اسی موقع پر لوگ راجہ کا سر کاٹ کر لے آئے اور قبیلہ دار پٹھان سرداروں نے اپنے خیموں کو آگ لگا دی اور مال واسباب چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بے شمار ہاتھی گھوڑے پر تکلف خیمے کافی زر ومال امانت خاں کی سرکار میں ضبط کر لیا گیا۔ اس لوٹ سے سارا لشکر مالا مال ہو گیا۔ جب اس فتح کی اطلاع جہاندار شاہ کو پہنچی تو امانت خاں کے تمام زمان اور دو خلعتیں روانہ کیں۔ اس کامیابی کے بعد امانت خاں اسلام خاں کے وطن رلم پدہ پر فوج کشی کرنا چاہتا تھا۔ جب رانیوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے نقد رقم اور دو ہاتھی بھیجے اور عرض کیا۔ راجہ اپنی پاداش کو پہنچ گیا۔ ہم بیوہ عورتوں کے خلاف فوج کشی بزرگوں کے مسلک کے خلاف ہے۔ جہاندار شاہ نے بدستور سابق احمد آباد کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا۔ مگر اس کے احمد آباد پہنچنے کے بعد جلد ہی اس کا تبادلہ کر دیا۔ اس تبادلہ کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اس سلسلہ میں ایسی دور از کار افواہیں سننے میں آئیں جو لائق تحریر نہیں۔

فرخ سیر جہاں دار شاہ کے مقابلہ پر

شاہی دربار میں اختلاف

فرخ سیر کی سادات بارہہ کے ساتھ کوچ کی مسلسل خبریں آرہی تھیں۔ جہاں دار شاہ نے اپنے بیٹے اعزالدین کو پچاس ہزار سوار کی فوج دے کر محمد فرخ سیر کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ کوکلتاش خان کے پوتے خواجہ حسن خاں کو پانچ ہزاری سے سات ہزاری کے منصب پر ترقی دی گئی اور خان دوراں کا خطاب عطا ہوا۔ شاہزادہ کے معاملات اور فوج کے سارے امور اور اختیارات اس کے سپرد کر دیئے اور ایک بھاری توپ خانہ کے ساتھ اس لشکر کو رخصت کر دیا۔ یہ انتظام ذوالفقار خاں کی نظر میں مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ شاہزادہ کی ناتجربہ کاری کم ہمتی اور بدمزاجی سے خوب واقف تھا اور خواجہ حسن کے متعلق بھی جانتا تھا کہ اس کا حسب نسب کیا ہے اور کس قدر بدخلق آدمی ہے اور جو بس زمانہ کی سفلہ نوازی میں اس بلند مرتبہ تک پہنچ گیا ہے اس کو شاہزادہ کے ساتھ بھیجنا اور سارے اختیارات اس کے سپرد کر دینا نہایت غلط تھا۔ چنانچہ ذوالفقار خاں نے یہ بات بادشاہ سے کہہ دی تھی مگر کوکلتاش خاں اور ذوالفقار خاں کے درمیان دشمنی اور ہم چشمی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ذوالفقار خاں جو رائے اور مشورہ بھی دیتا تھا اسے باہمی مخالفت پر محمول کیا جاتا تھا۔ بادشاہ نے تو کوکلتاش خاں کو اور لعل کنور کی خاطر داری کو اپنا دین و ایمان بنا رکھا تھا اور وہ چشم پوشی اور اغماض سے کام لیتا تھا۔ چین قلیچ خاں بہادر جو شاہزادہ کی ہمراہی

پر مامور کیا گیا تھا۔ ساتھ نہیں جاسکا تھا حسب الحکم وہ بعد میں روانہ ہوگیا۔

شاہزادہ اعزالدین کا کوچ جب شاہزادہ اعزالدین نے دریائے جمنا کو عبور کرکے چھاؤنی لگائی تو لشکر میں سرداروں کی باہمی مخالفت سے پھوٹ پڑگئی۔ شاہزادہ چونکہ بے اختیار اور بے بس تھا اس لئے یہ نفاق کافی بڑھ گیا۔ قلیچ خاں، بہادر اکبرآباد پہنچا تو اسے یہ اطلاعات ملیں اور معلوم ہوا کہ عدم اتفاق کے سبب شاہزادہ کے لشکر کے سارے معاملات درہم برہم ہیں۔ اس نے یہی مناسب جانا کہ چند دن اکبرآباد میں ٹھیر کر انتظار کرلیا جائے کہ قسمت کیا کھیل کھیلتی ہے؟

فرخ سیر سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے جنگ آزما بہادروں کے ساتھ برابر بڑھتا چلا آرہا تھا۔ اس درمیان میں چند فوج دار شاہزادہ کے لشکر میں آکر شامل ہوگئے ان میں کوڑہ اور کڑہ کا فوج دار چھبیلہ رام تھا۔ اس کے ساتھ اٹاوہ کا فوج دار علی اصغر خاں بھی تھا۔ یہ بہادر شاہ کے امیر کار طلب خاں کا بیٹا تھا۔ مگر ان لوگوں نے بادشاہی لشکر میں پہنچ کر خان دوراں کے طور طریق دیکھے اور شاہزادہ کو بالکل بے دست و پا پایا اور دیکھا کہ لشکر میں کسی طرح کا نظم و نسق باقی نہیں ہے۔ تو یہ لوگ لشکرگاہ سے نکل گئے اور جو خزانہ یہ اپنے پرگنوں سے لاتے تھے اُسے لے کر محمد فرخ سیر کے پاس چلے گئے۔

کھجوہ کی مورچہ بندی شاہزادہ اعزالدین قصبہ کھجوہ کے قریب پہنچا تو فرخ سیر کے نزدیک آنے کی خبریں اڑنے لگیں تاہم تیرہ چودہ کوس کا فاصلہ رہ گیا ہوگا۔ اعزالدین ان خبروں سے ہی ایسا بدحواس ہوا کہ شوال کے آخر میں کھجوہ کی منزل کے قریب ہی چھاؤنی لگادی اور اپنے خیمے کے اور لشکرگاہ کے اطراف خندق کھودنے اور مورچے باندھنے کا حکم دیدیا۔ جب محمد فرخ سیر کے محافظ دستوں نے دو کوس کے فاصلہ پر جھنڈے نصب کردیئے تو شاہزادہ کے لشکر میں بڑی افراتفری مچ گئی۔ سید عبداللہ خاں محمد فرخ سیر کا ہراول تھا اُس نے آتے ہی ویران گاؤں کی دیواروں کی مورچہ بندی کرلی اور دن کے سہ پہر سے اعزالدین کی فوج پر گولہ باری شروع کردی

گولہ باری کا سلسلہ رات کے سہ پہر تک برابر جاری رہا۔

اعزالدین کا فرار

شاہزادہ اعزالدین پہلے ہی سے بددل اور افسردہ خاطر تھا۔ لعل کنور کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں رہتا تھا اس کی شکایتوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہاں دار شاہ کے عتاب میں رہتا تھا۔ پھر اس مہم میں بھی اس کے اختیارات بالکل محدود تھے سب کچھ خان دوراں کے ہاتھ میں تھا۔ اس بے بسی کی وجہ سے وہ اور بھی بیزار اور بددل ہو گیا تھا۔ جب دشمن سر پہ آپہنچا تو اس نے خان دوراں کو مشورہ کے لئے بلایا۔ خان دوراں کے چہرہ سے بھی خوف وہراس نمایاں تھے آخر دونوں نے فرار ہونے کا مشورہ کیا دونوں ایسے بدحواس تھے کہ جواہرات خزانہ اور اشرفیاں سنبھال کر رکھ لئے۔ باقی نقد خزانہ خیمہ توشک خانہ اور دوسرا سارا ساز وسامان لوٹ مار کرنے والوں کے لئے چھوڑ دیا اور آخر رات میں یہ دونوں بادفا سردار وفادار سواروں کو لے کر نکل بھاگے۔ ان کے فرار کی خبر جو پھیلی تو سارے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایسے پریشان اور حواس باختہ تھے کہ گھوڑوں پر زین کسنے تک کا ہوش نہیں تھا سامان وغیرہ کون اٹھاتا، ہر شخص جان بچا کر سب سے پہلے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

جب ہرکاروں نے شاہزادہ اعزالدین کی ہزیمت کی خبر محمد فرخ سیر کے لشکر میں پہنچائی تو لشکر گاہ مبارک باد کے شور سے گونج اٹھی اور ہر خیمہ میں لوگ ساز اور تال بجا کر خوشیاں منانے لگے۔ لچے لفنگے لوٹ مار کے لئے ٹوٹ پڑے اور جس کے جو ہاتھ لگا لے اڑا۔ شاہزادہ اعزالدین بھاگ کر آگرہ آباد پہنچا تو چین قلیچ خان بہادر نے آگے جانے کا مشورہ نہیں دیا اور اس جگہ روک لیا۔

جہاں دار شاہ کا دہلی سے کوچ

جہاں دار شاہ ۲۰ر جمادی الاول کو دار الخلافہ دہلی میں داخل ہوا تھا اور اعزالدین کی فتح کی خبر کا انتظار کیا تھا۔ اب جو فتح کے بجائے شکست کی اطلاع آئی تو ہوش وحواس بجا نہ رہے پہلے ہی عشق کی مار سے اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی تھی تاہم اس نے جنگ کی تیاریاں کیں اور دوبط

ذی قعدہ سن گیارہ سو تیئیس (۱۱۲۳ھ) مطابق ۲۵ ماہ آذر دارالخلافہ دہلی سے نکلا۔ جو فوج ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ کے ہمراہ تھی شمار کیا گیا تو ۷۰ ہزار سوار نکلے غرض مجموعی طور پر تخمیناً اسّی ہزار سوار اور تقریباً ایک لاکھ پیادے شمار میں آتے۔ جہاں دار شاہ اس بھاری لشکر کے ساتھ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے۔ اکبر آباد کے قریب سموگڈھ پہنچ گیا۔ فرخ سیر کے پاس جہاں دار شاہ کے لشکر کا تیسرا حصہ فوج بھی نہیں تھی اور وہ بڑی عسرت و تنگ دستی کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

بادشاہی لشکر میں بددلی اور پھوٹ

جب جہاں دار شاہ دمستقرالخلافت) اکبر آباد پہنچ گیا تو بظاہر فوج کی کثرت اور سازوسامان کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ جہاں دار شاہ کی فوج کو فتح ہوگی مگر اندرونی حال بہت خراب تھا کیونکہ ایک بازاری عورت کے اثر و رسوخ اور کم اصل بدنام لوگوں کے اقتدار پر آنے کی سبب سے تمام ایرانی اور تورانی امیر ناراض تھے اور جہاں دار شاہ کے چلن دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی شکست اور فرخ سیر کی فتح کی آرزو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ صرف امیر امراء ہی نہیں لشکر کے چھوٹے بڑے لشکری بازاری، سب کی آرزو یہی تھی۔ چنانچہ قلیچ خاں بہادر اور محمد امین خاں نے کہ یہ دونوں اہل توران کے سرگردہ تھے۔ محمد فرخ سیر سے ساز باز کر رکھی تھی اور اس کو لڑائی کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

ایک دوسری پیچیدگی یہ تھی کہ ذوالفقار خاں اور کوکلتاش خاں بہادر خود کو جہاں دار شاہ کا عقیدت مند اور جاں نثار جتلاتے تھے مگر جو کام بھی وہ کرتے تھے اور جو رائے بھی دیتے تھے وہ بس ایک دوسرے کی ضد اور مخالفت میں۔ مثلاً کوکلتاش خان نے رائے دی کہ محمد فرخ سیر پر جمنا کے گھاٹ کو بند کر دیا جائے مگر دوسری طرف سے یہ تجویز آئی کہ دریا عبور کر کے مقابلہ کیا جائے۔ دونوں اپنی اپنی رائے پر اصرار کر رہے ہیں اور اڑ رہے ہیں۔

فوج کا یہ حال تھا کہ جس دن فرخ سیر دور دراز کا سفر طے کر کے بڑی عسرت و تنگ دستی کے عالم میں اکبر آباد کے مقابل دریا کے کنارے پہنچا تو باوجود اس کے

چند معمولی جمعیت کو لے کر آئے تھے اور اس کی فوج ابھی پیچھے رہ گئی تھی ... جہاں دار شاہ کے لشکر میں خوف و ہراس کا یہ عالم تھا۔ سواری رات بھر گھوڑوں کی لگام تھامے جاگتے رہتے تھے کہ نہ معلوم دشمن کب شب خون کے ارادہ سے حملہ کر دے۔

سموگڈھ کا میدانِ جنگ

عبداللہ خاں کا حملہ

بہرحال دونوں طرف کے سردار لڑائی کی تیاری میں مشغول تھے جن کی تفصیلات ہم فرخ سیر کی سلطنت کے بیان میں کریں گے۔ ۱۳ ماہ ذی الحج ۱۱۲۴ھ موافق ۹ ماہ دے (سن الٰہی) دونوں لشکر مقابلہ پر نکلے، اور سید عبداللہ خاں نے اپنی آراستہ اور منظم فوج سے جہاں دار شاہ پر حملہ کر دیا۔ تورانی امیر جہاں دار شاہ کے طور طریق پر بہت ناراض اور بد دل تھے۔ اس لئے اُنھوں نے جیسا کہ چاہیے تھا عبداللہ خاں کا مقابلہ نہیں کیا۔ سید عبداللہ خاں بھی تورانی امراء کے مقابلے سے پہلو بچا کر ذوالفقار خاں کے مقابل آگیا اور بڑی بہادری سے لڑائی چھیڑ دی اور توپ خانہ سے آگے بڑھ کر قلب فوج تک پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے حسن علی خاں، معز تنکس خاں عرف حسین بیگ اور توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں میر اخرف اور زین الدین خاں بارہہ کے بہادروں کو لے کر ذوالفقار خاں کے مقابلہ پر آگئے۔ ذوالفقار خاں کی فوج نے بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ سے حملہ آور فوج کو پریشان کر دیا اور بارہہ کی ایک بڑی جمعیت اس معرکہ میں کام آ

آگئی۔

حسین علی خاں کا قتل

فرخ سیر کی فوج میں سے علی اصغر خاں اور چھبیلہ رام ناگر چند بہادر سرداروں کے ساتھ کو کلتاش خاں سے مقابلہ پر آئے۔ دونوں طرف سے بڑی سخت لڑائی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ان جان لیوا حملوں میں جو مشہور سردار کام آگئے ان میں صف شکن خاں تھا۔ جو حسین علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا فتح علی خاں اور بہادر خاں روہیلہ کا بیٹا زین الدین خاں میر مشرف کا بھائی میر اشرف بھی تھا جو مشہور جنگجو اور بہادر شخص تھا۔ یہ لوگ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ جہاں دار شاہ کے لشکر سے جانی خاں، جہاں شاہی اور مختار خاں مارے گئے۔ حسین علی خاں تو اس طرح خطرہ میں گھر گیا کہ ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر وہ ہاتھی سے اتر گیا اور پیدل ہو کر بارہہ کے چند بہادروں کے ساتھ دست بدست لڑنے لگا اور کافی زخموں کے لگنے سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سید عبداللہ خاں کی فوج میں بھی جہاں دار شاہ کے لشکر کے حملہ سے تفرقہ پڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ عبداللہ خاں کے ساتھ سو دو سو سے زیادہ سوار نہ رہے جب حسین علی خاں کی ہلاکت کی وحشت ناک خبر اسے ملی تو وہ پریشان ہو گیا کہ نہ معلوم کیا انجام دیکھنا پڑے۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ہٹ کر جہاں دار شاہ کے بہیر کی طرف نکل جائے۔

سادات بارہہ کی تیراندازی

بارہہ کی شکست پر جہاں دار شاہ کے لشکر نے فتح کا شادیانہ بجا دیا۔ مگر اسی دوران میں سید عبداللہ خاں خوش قسمتی سے ایک ایسے پشتہ پر پہنچ گیا۔ جہاں سے جہاں دار شاہ کی خاص فوج تیراندازی کی زد میں تھی۔ اب ہر طرف سے بارہہ کے لشکری عبداللہ خاں کے پاس جمع ہونے لگ گئے۔ عبداللہ خاں کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے باوجود قلت تعداد کے جرأت سے اور پامردی سے کام لیا اور اس پشتہ پر سے تیراندازی شروع کر دی اور بان پھینکنے لگا اور تمام سادات بارہہ نے کمان سنبھال لی تھی اور دل کر تیروں کی

بوچھاڑ کرتے رہے تھے۔ جہاں دار شاہ کے لشکر میں زنانہ سواری کے ہاتھیوں میں بڑی بھگدڑ مچ گئی۔ جب تک کہ جہاں دار شاہ اس اطلاع کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوا۔ لعل کنور اور دوسری گانے بجانے والیوں کے ہاتھی تیراندازی سے بوکھلا کر ناچنے لگے جہاں دار شاہ کے اکثر ہمراہی بھی بدحواس ہو کر بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔ اسی حالت میں جہاں دار شاہ کا ہاتھی بھی بھڑک کر ایسا نکلا کہ فیل بان کے قابو میں نہیں اور بار بار کے حملے سے جہاں دار شاہ کے لشکر میں بڑا خلل پڑ گیا۔

جہاں دار شاہ کا فرار

ابھی جہاں دار شاہ میدان جنگ کی صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ کوکلتاش خاں اور توپ خانہ کے دار وغہ رضا قلی خاں کے مارے جانے کی خبر ملی اور کوکلتاش خاں کا بھائی اعظم خاں کاری زخم اٹھا کر جہاں دار شاہ کے پاس آگیا اب تو جہاں دار شاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ چپکے سے لعل کنور کے ہاتھی پر سوار ہو گیا اور شام کے وقت اکبر آباد کی طرف فرار ہو گیا۔ ذوالفقار خاں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو باوجود اس کے کہ وہ بھی سخت خطرہ سے دوچار تھا۔ ایک پہر رات تک وہ جہاں دار شاہ اور اعزالدین کی تلاش کرتا رہا اور محمد فرخ سیر کی فوج کے مقابلہ پر اسی طرح جما رہا۔ وہ شاہزادہ اعزالدین کی جستجو میں تھا کہ اگر وہ مل جائے تو اسے جلدی سے لے آئیں، تاکہ میں اس کو پشت پر رکھ کر دشمن کے قدم میدانِ جنگ سے اکھاڑ دوں، مگر اس برگشتہ نصیب کا کوئی سراغ نہیں لگا۔ ذوالفقار خاں کو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں تھی، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ ذرا سی کوشش کر کے محمد فرخ سیر کو گرفتار کر سکتا تھا جو مختصری جمعیت کے ساتھ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔

جہاں دار شاہ قید میں

بہر حال جہاں دار شاہ بقول مشہور، داڑھی منڈا کر لعل کنور کی سواری میں ردیف بن کر بیٹھ گیا اور دہلی کی طرف فرار ہو گیا۔ ذوالفقار خاں بھی مایوس ہو کر اپنے باپ (اسد خاں) کے پاس چلا گیا۔ ذوالفقار خاں اور جہاں دار شاہ ایک پہر رات کے فرق سے دار الخلافہ میں داخل ہوئے

جہاں دار شاہ سیدھے آصف الدولہ اسد خاں کے پاس مشورہ لینے گیا اور اس کی مدد چاہی
ذوالفقار خان نے بھی اس معاملہ میں باپ سے کہا کہ جہاں دار شاہ کو دکن یا کابل لے جاکر
دوبارہ لشکر فراہم کر لیا جائے اور اس شکست کی تلافی کے لئے کوشش کی جائے،
مگر آصف الدولہ خوب سمجھ رہا تھا کہ اب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا ہے اور جہاں دار شاہ
بادشاہت کے لائق نہیں ہے۔ پھر خزانہ بھی ایک ماہ کے خرچ کی تکمیل کے لئے کافی
نہیں تھا، اس نے یہی مناسب جانا کہ جہاں دار شاہ کو قلعہ میں بھجوا دے اور ایک
نظر بند کی طرح اس کو نگرانی میں رکھے۔

مکافات عمل

سفلہ پروری اوامر الٰہی کے ترک اور گناہوں پر اصرار کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ جہاں دار شاہ کی حکمرانی پر گیارہ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے
کہ محمد فرخ سیر کے ہاتھ اس کو ذبح ہونا پڑا۔ بے شک انسان بڑا غافل ہے۔ عیش اور
مستی میں بھول جاتا ہے اور ندامت اٹھاتا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ بے اعتبار فانی دنیا مکافات
کا گھر ہے افسوس کہ انسان اس عقل و شعور کے باوجود اس چار روزہ دنیا پر فریفتہ ہوجاتا
ہے مگر ان دنیا پرستوں کا انجام حسرت ناک ہی ہوتا ہے یا تو باوجود دولت و اقتدار
کے اسی دنیا میں لوگ اسے اپنے غم و غصہ اور انتقام کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور وہ اپنے
کئے کی سزا پاکر رہتا ہے یا پھر اسے دوسرے جہاں میں اپنے افعال کی سزا بھگتنی پڑتی
ہے۔ اس دنیا کا دولت کا یہاں کے عیش و کامرانی کا انجام ہے تو اتنا تلخ مگر لوگ اس
قدر غافل اور مست ہو جاتے ہیں کہ غضب الٰہی کی پروا کئے بغیر نفس پرستی اور معصیت
میں غرق رہتے ہیں۔ خاص طور سے جو لوگ سلطنت و اقتدار کی مسند پر فائز ہوتے ہیں
ان کی آنکھوں پر تو غفلت کا ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ چار روزہ حکمرانی کی خاطر باپ بیٹے
کو بیٹا باپ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے سے دریغ نہیں کرتا، مگر ان کو دونوں جہانوں
میں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے اور رسوائی ان کی دامن گیر رہتی ہے۔

قیدیوں کی رہائی

دہلی کے قلعہ میں جاہت خاں، خانہ زاد خاں، میر خاں اور دوسرے قیدی اس وقت سے قید و بند کی مصیبت اٹھا رہے تھے جب سے

کہ جہاں دار شاہ تخت نشین ہوا تھا۔ اب دن ایسے پھرے کہ خود جہاں دار شاہ ان کے ساتھ قلعہ میں قید اور نظر بند تھا۔ ان قیدیوں کو جب فرخ سیر کی فتح کی خوش خبری ملی تو ان لوگوں نے بڑی خوشی منائی اور محافظوں کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ چنانچہ ابھی فرخ سیر دارالخلافہ میں داخل بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ لوگ قلعہ سے رہا ہو کر نکل آئے اور اپنے ساتھ ان تمام قیدیوں کو چھڑا لائے جو جہاں دار شاہ کے معتوب تھے۔ صرف شاہزادوں کو قلعہ میں قید رہنے دیا گیا۔ باقی سب قیدی رہا ہو گئے۔

فرخ سیر کی فتح کی خبر پھیلی تو تمام ستم رسیدہ مظلوم لوگوں نے خوشی کے چراغ جلائے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ مگر اس خبر سے ارباب طرب کے گھروں میں ماتم برپا ہو گیا۔ گویّے نالہ و زاری کرنے لگے۔ رقاص پیر توڑ کر بیٹھ گئے۔ طوائف نے ماتمی لباس پہن لیا۔ ستار کے تار ٹوٹے اور دف لبوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی جسے اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔

زحادثات جہانم ہمیں پسند آمد
کہ تخت و بست جہاں جملہ درگذشتیم

جہاں دار شاہ سلطنت مغلیہ کے زوال کی پہلی علامت تھا

عالمگیر کا تیسرا جانشین

محمد فرّخ سیر بادشاہ

مغل سلطنت کے دورِ زوال کا تیسرا تخت نشین جس نے
سادات بارھہ کی دست درازیوں سے سلطنت مغلیہ کے
تخت و تاج کو بچانے کی کوشش کی اور اسی جدّ و جہد میں
وہ درباری سازشوں کا شکار ہو گیا

فرخ سیر اور جہاں دار شاہ کا مقابلہ

محمد فرخ سیر بہادر شاہ کا پوتا اور عظیم الشان کا بیٹا تھا۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد عظیم الشان کو اپنے بھائی جہاں دار شاہ کے مقابلہ میں شکست ہوئی تھی اور وہ میدان جنگ سے اچانک غائب ہو گیا تھا یا توگولہ باری میں اس کے پرخچے اڑ گئے یا وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد فرخ سیر نے سادات بارہہ کی مدد سے اپنے چچا جہاں دار شاہ کو شکست دیدی تھی۔

فرخ سیر بنگالہ میں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ نے اپنے آخری عہد میں، بہادر شاہ شاہ عالم کے بیٹے عظیم الشان کو بنگالہ کے صوبہ سے دکن طلب کر لیا تھا۔ اُس نے بنگالہ سے رخصت ہوتے وقت وہاں اپنے منجھلے بیٹے محمد فرخ سیر کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ عظیم الشان ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اُسے دادا (عالمگیر) کے وفات پا جانے کی اطلاع ملی جس کا ذکر ہم نے خلد منزل بہادر شاہ کے حالات میں کیا ہے۔ عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بعد، بہادر شاہ صوبہ کابل سے اکبر آباد پہنچا اور وہاں اپنے بیٹے عظیم الشان کی مدد سے اس نے اپنے بھائی محمد اعظم شاہ کو شکست دی اور ہندوستان کے تخت پر جلوس کیا۔ تخت نشینی کے بعد وہ دوسرے بھائی محمد کام بخش سے مقابلہ کرنے دکن چلا گیا اور وہاں کام بخش کو شکست دے کر دکن سے لاہور واپس آیا۔ ان تمام واقعات کے دوران عظیم الشان کا بیٹا محمد فرخ سیر بنگالہ پر صوبہ دار رہا۔ سن گیارہ سو بیں ہجری ۱۱۲۰ھ میں جلوس کے

پانچویں سال جب کہ خلد منزل بہادر شاہ لاہور میں مقیم تھا۔ محمد فرخ سیر کو بنگالہ کی صوبہ داری سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ اعزالدولہ خان خاناں بہادر کو صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ بہادر شاہ نے فرخ سیر کو دربار میں طلب کر لیا تھا اور وہ حسب حکم بنگالہ سے کوچ کر کے عظیم آباد عرف پٹنہ پہنچ گیا۔

پٹنہ میں قیام کا فیصلہ

پٹنہ پہنچنے کے بعد فرخ سیر وہیں ٹھیر گیا کیونکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ دربار شاہی میں اس کے بڑے بھائی محمد کریم اور چھوٹے بھائی محمد ہمایوں بخت کے مقابلہ میں اس کی زیادہ قدر و منزلت نہیں ہوگی کیونکہ اس کے باپ (عظیم الشان) اور دادا (بہادر شاہ) کی نظر میں ان دونوں کی زیادہ عزت اور قدر تھی۔ اس وجہ سے وہ دربار میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خرچ نہ ہونے کا اور برسات کی آمد آمد کا بہانہ کر کے پٹنہ کے نواح میں اپنی چھاؤنی لگا دی اور دربار میں عذر معذرت لکھ بھیجی۔ جس زمانہ میں فرخ سیر پٹنہ کے قریب مقیم تھا۔ اس کی ملاقات چند درویشوں سے ہوئی جو علم ریاضی کے ماہر تھے اُن کے ساتھ ایک اور شخص محمد رفیع نامی بھی شاہزادہ کا ہم نشیں بنا جو حکیم تھا اور علم نجوم میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے فرخ سیر کو بشارت سنائی کہ اسے اسی سرزمین پر تخت شاہی نصیب ہوگا۔ اسی لئے وہ اسی جگہ مقیم رہے اس طرح یہ لوگ فرخ سیر کے پاس اثر و رسوخ بڑھاتے رہے۔ فرخ سیر کو ان کی باتوں پر یقین آگیا اور اُس نے عظیم آباد پٹنہ کے قریب ہی ٹھیرے رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

رہتاس کا باغی قلعدار

انہی دنوں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دکن میں ایک شخص محمد رضا نامی تھا جس کو رعایت خان کا خطاب ملا ہوا تھا۔ کسی قصور پر وہ بہادر شاہ کے عتاب میں آگیا اور وہاں سے جان بچا کر فرار ہوگیا اور بھٹکتا بھٹکتا وہ مشرقی صوبوں میں نکل آیا۔ یہاں اُس نے قلعہ رہتاس گڈھ کی قلعداری کا جعلی فرمان تیار کیا۔ یہ قلعہ صوبہ بہار کے قریب نہایت بلند مستحکم اور مشہور قلعہ تھا۔ اس جعلی فرمان کے ذریعہ وہ قلعہ میں داخل ہوگیا اور اپنی حفاظت و عملداری کے سارے انتظامات

کر کے قلعہ اور اطراف کے محالات کا بندوبست سنبھال لیا اور محصول وغیرہ وصول کرنے لگا اور قلعہ میں کافی ذخیرے جمع کر لئے۔ اس کے اس فریب اور سرکشی کی خبریں متواتر بہادر شاہ کو پہنچ رہی تھیں۔ محمد رضا رعایت خاں نے خود بھی دربار میں عرض داشت روانہ کی کہ بادشاہی کارندوں کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس طرح قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب کس کی ہمت ہے کہ قلعہ کو میرے قبضہ سے نکال لے۔ اس کی اس بے ادبی اور گستاخی پر بہادر شاہ اور عظیم الشان دونوں کی طرف سے محمد فرخ سیر کے نام فرمان اور حکم نامہ آیا کہ وہ اس غدار اور بے ادب کو گوشمالی کر کے قلعہ پر قبضہ کرے اس فرمان کے آنے پر محمد فرخ سیر نے اپنے صاحب رائے مشیروں سے مشورہ کیا۔ کیونکہ اس قلعہ کا محاصرہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے لیے کافی ساز و سامان اور عمدہ منصوبہ کی ضرورت تھی۔

لاچین بیگ قلماق

لاچین بیگ نامی قلماق ایک بہادر اور کارگذار آدمی تھا۔ مگر ان دنوں اسے محمد فرخ سیر نے کسی قصور پر برطرف کر دیا تھا اور اس کا شمار معتوب اشخاص میں ہوتا تھا۔ لاچین برابر فکر میں تھا کہ کوئی کارگذاری دکھانے کا موقع ملے تو اپنی خدمات پیش کر کے دوبارہ ملازمت اور آبرومندی حاصل کرے۔ قلعہ رہتاس کی مہم کا قصہ چھڑا تو اس نے ایک مقرب بارگاہ کے ذریعہ خلوت میں فرخ سیر کو پیغام بھیجا اور ایک تجویز پیش کی کہ شاہزادہ بہادر یہ شہرت دیں کہ وہ محمد رضا کے جرائم کے سلسلہ میں معافی نامہ بھیج رہے ہیں اور اس کی جرأت و بہادری کی قدر و تحسین کرتے ہوئے اس کو قلعہ داری تفویض کرنا چاہتے ہیں۔ اس شہرت کے ساتھ ایک فرمان اور خلعت اس کے نام میرے ذریعہ بھجوا دیں۔ میں وہاں پہنچنے کے بعد فرمان سپرد کرتے وقت اس کا کام تمام کر دوں گا بادشاہ اور شاہزادہ کے اقبال سے اگر میں کامیاب ہو گیا تو سرفرازی کا امیدوار ہوں اور اگر میں اس خدمت میں قربان ہو گیا تو اپنے بچوں کی سربلندی کی توقع رکھتا ہوں۔ قلماق کی یہ تجویز تمام مشیروں درباریوں کو پسند آگئی اور اس کے مطابق ایک فرمان تیار کیا گیا جس میں محمد رضا کے قصور معاف کیے گئے تھے اور قلعہ رہتاس اس کے تفویض کرنے کا حکم تھا یہ فرمان

اور خلعت لاچین بیگ کے سپرد کردیا گیا اور اسے اس مہم پر رخصت کردیا۔

قلماق کی کامیاب سازش

بہادر قلماق چند دلیر آدمیوں کی جمعیت لے کر قلعہ پر پہنچا اور قلعہ دار سے گفت وشنید اور کافی پیغامات کے تبادلے کے بعد یہ اجازت لے لی کہ وہ قلعہ کے دروازہ پر آکر خلعت اور فرمان سپرد کردے۔ حسب قرارداد جب لاچین بیگ اور محمد رضا ملاقات کے لئے ایک دوسرے سے قریب آئے اور قلعہ دار فرمان کی تعظیم میں تسلیم وآداب بجالانے کے لئے جھکا بہادر اور دلیر قلماق نے ایک ازبکی خنجر سے اس پر حملہ کردیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا۔ قلعہ کے عملہ کے اکثر آدمی قلعہ دار کے دشمن تھے اور ایسے ہی کسی واقعہ کے منتظر تھے پھر بھی محمد رضا کے چند ہواخواہوں نے اور خود محمد رضا نے مرتے مرتے لاچین بیگ پر حملہ کردیا اور اس کو اس کے ہمراہیوں کو زخمی کردیا مگر ؎

اگر تیغ عالم بجنبد زجائی

نبرد رگی تا نخواہد خدائی

جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے لاچین بیگ کی موت کا وقت نہیں آیا تھا باوجود کاری زخم لگنے کے اس کی جان بچ گئی اس کے ہمراہیوں اور دوسرے بادشاہی آدمیوں نے ہجوم کرکے اس کی مدد کی اور اسے زندہ سلامت اٹھا کر لے گئے اور اس کے زخموں کا علاج معالجہ کیا۔ جب وہ کچھ صحت یاب ہوگیا تو اسے مقتول قلعہ دار کے سر کے ساتھ محمد فرخ سیر کے پاس روانہ کردیا گیا۔ شہزادہ نے اس پر عنایات وخوشنودی کا اظہار کیا اور بادشاہی منصب پر مقرر کرکے اس کو بہادر دل خاں کا خطاب عطا کیا اور دربار میں سازش کی روداد بھجوادی۔ اس کامیاب منصوبہ پر محمد فرخ سیر کی اس کے باپ نے اور دادا نے بہت تعریف اور عزت افزائی کی۔

عظیم الشان کا خطبہ وسکہ

رہتاس کے واقعہ کے چند دن بعد ہی بہادر شاہ کی رحلت کی خبر پہنچی محمد فرخ سیر نے اس خبر کے ملتے ہی اس تحقیق کے بغیر ہی کہ بھائیوں کے درمیان جانشینی کا تصفیہ کس کے حق میں رہا،

اپنے باپ عظیم الشان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرادیا اور خود مدد کے لئے جانے کی صلاح مشورہ کرنے لگا۔ مگر انہی دنیا طلب درویشوں اور محمد رفیع نجومی نے اختلاف کیا اور اس سے کہا کہ "اس جگہ سے سکہ اور خطبہ اپنے نام جاری کئے بغیر حرکت کرنا تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا" اسی درمیان میں حسین علی خاں بارہہ جو عظیم الشان کی نیابت میں پٹنہ کا صوبہ دار تھا اور بعض سرکشوں کی تادیب کے لئے پرگنوں پر گیا ہوا تھا۔ یہ خبر سن کر کہ عظیم الشان کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات تحقیق نہیں ہو سکی کہ بھائیوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آیا۔ محمد فرخ سیر کی اس عجلت پر آپے سے باہر ہوا اور وہ فرخ سیر کی طرف سے بدگمان بھی ہوگیا۔ اسی طرح فرخ سیر کے دل میں بھی اس کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا کیونکہ سادات بارہہ کی بہادری کا بڑا شہرہ تھا اور اس صوبہ میں حسین علی خاں کا بڑا اثر و تسلط تھا۔ اسی اندیشہ کی وجہ سے اس نے پیغام بھیج کر حسین علی خاں کو اپنا موافق بنایا اور اپنے پاس اسے طلب کرلیا۔ محمد فرخ سیر کی والدہ نے بھی حسین علی خاں سے بیٹے کی مدد کرنے کے لئے درخواست کی اور محمد فرخ سیر کی زبان سے اس کو سلطنت کا مدارالمہام بنانے کا اقرار بھی کرادیا۔ غرض اس کی کوششوں سے دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہوگئے اور وسوسے اور اندیشے ختم ہوگئے۔

فرخ سیر کا اعلان بادشاہت

اسی اثنا میں عظیم الشان کے اور دوسرے بھائیوں کے مارے جانے اور بیس ماہ صفر کو جہاندار شاہ کے قابض آنے کی خبر آگئی۔ اب محمد فرخ سیر نے اوائل ربیع الاول سن گیارہ سو چوبیس ہجری (۱۱۲۴ھ) مطابق عشرہ ثانی ماہ فروری اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کردیا۔ روز بروز اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا رہا اور عہد و قرار کے مطابق حسین علی خاں کا مرتبہ و اختیار بھی زیادہ ہوگیا تھا۔

سید عبداللہ خاں صوبہ دار

سید عبداللہ خاں عرف حسن علی خاں الہ آباد کا مستقل صوبہ دار تھا۔ سلطنت کی دست بدست تبدیلی کے

ان ہنگاموں میں بنگالہ کا خزانہ بھی اُس کے ہاتھ آگیا تھا۔ عبداللہ خاں کا شمار صاحب رائے اور بہادر امیروں میں ہوتا تھا۔ محمد فرخ سیر اس کی عدم اطاعت اور جہاں دار شاہ کی ہواخواہی کی بنا پر اس کی طرف سے بہت اندیشہ ناک تھا۔ اس کو اپنا ہوا خواہ بنانے کے لئے فرخ سیر نے اس کے نام تسلی آمیز فرمان لکھا جس میں اس کے بھائی (سید حسین علی خاں بارہہ) کے ساتھ عہد و پیمان کا حوالہ تھا اور بنگال کے خزانہ پر تصرف کی اجازت بھی دیدی تھی اور اس خزانہ سے فوج تیار کرنے کی فرمائش کی تھی۔ حسین علی خاں نے بھی اس سلسلہ میں سید عبداللہ خاں کو لکھ کر محمد فرخ سیر کا حامی بنا لیا۔ یہ دونوں بھائی سادات بارہہ میں صاحب رائے، بہادر اور با اختیار امیر تھے۔ ان دونوں نے دل وجان سے از سرنو فرخ سیر سے عہد و قرار کیا اور اس مہم کے بے لوث آمادگی کے ساتھ تیاری کرنے لگے۔ شعر

آری باتفاق جہاں می تواں گرفت

سید عبدالغفار کا معرکہ

جو لوگ محمد فرخ سیر کی رفاقت کر رہے تھے اور پٹنہ سے نکلنے اور دارالخلافہ کی طرف کوچ کرنے کے محرک تھے۔ ان میں احمد بیگ بھی تھا جو کار طلب نوجوان تھا اور جہاں دار شاہ کا کوکہ (دودھ شریک) کہلاتا تھا۔ ایک اور شخص خواجہ عاصم تھا جو جاں نثار رفیق بنا ہوا تھا۔ جب فرخ سیر کی تیاریوں کی خبر جہاں دار شاہ کے لشکر میں پھیلی تو وہ شراب و معشوق کی نازبرداریوں میں مست اور غافل تھا۔ آخر کار وہ اوائل ربیع الثانی کو لاہور سے دارالخلافہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جہاں دار شاہ کو دونوں سید بھائیوں کے عہد و قرار کی اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے الہ آباد کی صوبیداری پر سید عبداللہ خاں کی جگہ راجی محمد خاں کا تقرر کر دیا۔ جو خان خاناں بہادر شاہی کا تربیت یافتہ تھا اور راجی محمد خاں کی نیابت سید عبدالغفار نامی کے سپرد کی جو بڑا مشہور جنگجو، بہادر اور صدر جہاں کا پوتا تھا۔ سید عبدالغفار کے ساتھ اس ضلع کا ایک صاحب فوج زمیندار بھی ہو گیا تھا وہ سات آٹھ ہزار سوار اور تین چار ہزار برقندازوں کو لے کر الہ آباد روانہ ہو گیا۔ جب وہ کوہ مانک پور پہنچ گیا تو سید عبداللہ خاں

نے تقریباً تین ہزار سوار اور تین چار ہزار پیادہ فوج کو ابوالحسن کی کمان میں عبدالغفار کے مقابلہ پر روانہ کیا ابوالحسن عبداللہ خاں بخشی اور نجف اشرف کے سادات میں سے تھا اور بیجاپور کے باوقار بہادروں میں سمجھا جاتا تھا۔ سرائے عالم کے قریب دو تین کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکر ٹھیر گئے۔ چار پانچ دن نامہ و پیام اور ایک دوسرے کو معقول کرنے میں گذر گئے۔ آخر جمادی الاول کو سید عبدالغفار بڑے سج دھج اور اطمینان کے ساتھ توپ خانہ کو آگے رکھ کر قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔ اسی دن سید عبداللہ خاں کے بھائی سیف الدین علی خاں، نجم الدین علی خاں، سراج الدین اور رتن چند دیوان تقریباً تین سو سواروں کے ساتھ اپنی فوج کی مدد کے لئے آگئے۔

سادات بارہہ کی کامیابی

سادات بارہہ میں سے بعض نے تیز روی دکھائی اور غنیم کے سامنے جرأت مندی کا اظہار کرنے لگے مگر سید عبدالغفار کے آدمیوں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ بس خاموشی سے پیش قدمی کرتے رہے جب وہ بارہہ کی فوج سے تیر پرتاب اور بندوق کی گولی کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو سید عبدالغفار نے یکبارگی توپ خانہ کو سر کرنے کا حکم دیا اور گھوڑوں کو ایڑھ لگا کر ایسا سخت حملہ کیا کہ سادات بارہہ کی بہادری دھری کی دھری رہ گئی اور اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے بس چند ایک سواروں کے گرتے ہی سید عبداللہ خاں کا لشکر بھاگ نکلا صرف ابوالحسن خاں سید عبداللہ خاں کے بھائیوں اور رتن چند دیوان کے ساتھ دو سو تین سو جان نثار سواروں کو لے کر میدان میں ڈٹا رہا اور دشمن کے حملوں کی مدافعت کرتا رہا۔ اس وقت عبدالغفار کی فوج کا بڑا حصہ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھا اور عبدالغفار نے سادات بارہہ کو چاروں طرف سے نرغہ میں لے کر ان کو اس طرح مجبور کر دیا کہ اب لڑائی دستی ہتھیاروں سے ہونے لگی اور ایک ایک شخص کی جرأت و بہادری کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ اسی ہنگامہ میں سید عبداللہ خاں کا بھائی سراج الدین علی مارا گیا۔ سید عبدالغفار مردانہ وار سادات بارہہ پر چڑھا آ رہا تھا اور وہ اس کے مقابل سینہ سپر ہو گئے تھے اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی کہ اچانک ایسی سیاہ آندھی اٹھی کہ ایک دوسرے کو پہچاننا محال ہو گیا۔ اسی اثناء میں سید عبدالغفار

کے مارے جانے کی آواز دونوں فوجوں کے کان میں پڑی ۔ اس کے آدمیوں کی ہمت تو یہ سنتے ہی ٹوٹ گئی ۔ پھر سرداران بارہہ نے اسی وقت فتح کا شادیانہ بجوا دیا، اور یک بارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے بس جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور عبدالغفار کی فوج بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی جو لوگ غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے انھوں نے جب اپنے سردار کے مارے جانے اور فوج کے فرار کی خبر سنی تو اپنی جان کی خیر مناکی غنیمت کو وہیں چھوڑ کر نکل بھاگے۔ سید عبدالغفار بہت چیختا رہا کہ "میں زندہ ہوں کہاں بھاگے جا رہے ہو ۔ مگر اس ہجوم اور بھاگڑ بازی میں کون سنتا ؟ کسی نے اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا ۔ آخر وہ بھی چارو ناچار فرار ہو گیا اور شاہ زاد پور تک نہیں رکا جو ایک منزل کے فاصلہ پر تھا ۔ جب سید عبدالغفار کی ہزیمت کی خبر جہاں دار شاہ کو ملی تو اراکین سلطنت نے یہی مناسب جانا کہ از سرنو سید عبداللہ خاں کو اپنی طرف مائل کرکے اس کے چار ہزاری منصب میں دو ہزاری کا اضافہ کر دیا اور صوبہ الہ آباد کا اصالتاً اس کے نام بحال کر دیا اور عنایت آمیز فرمان اس کے نام صادر کیا اور خلعت روانہ کی ۔

فرخ سیر کا پٹنہ سے کوچ

محمد فرخ سیر نے دونوں سپہ سالاروں کی تائید اور مدد پر پٹنہ سے کوچ کر دیا ۔ اس کے ساتھ صف شکن خاں عرف حسن بیگ تھا جو اڑیسہ کا نائب صوبیدار تھا اور احمد بیگ، خواجہ عاصم اور دوسرے جاں نثار رفیق تھے ۔ لشکر کی مجموعی تعداد ۲۵ ہزار کے لگ بھگ تھی مگر جیب خالی ہونے کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھا اور بڑی عسرت و تنگی سے دہلی کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ عظیم الشان کی جاگیر اور بادشاہی خزانوں سے جو رقم اس سال بنگال کے صوبوں میں جمع ہوئی تھی ۔ اسے دربار میں بھیجا گیا تھا مگر یہ رقم عبداللہ خاں اور فرخ سیر کے ہاتھ لگ گئی تھی اس میں سے اٹھائیس لاکھ روپیہ تو سید عبداللہ خاں نے روک لیا تھا اور پچہتر لاکھ روپیہ محمد فرخ سیر کے ہاتھ آگیا تھا ۔ اس کے پاس بس یہی کچھ رقم تھی، اس نے پٹنہ کے تاجروں سے دو تین لاکھ روپیہ کی "غبن قرض" لے لی تھی۔

کڑہ کا خزانہ جو خزانہ سربلند خاں کڑے کے فوجدار کے قبضہ میں تھا اس میں سے چند لاکھ تو اس نے خود رکھ لئے اور باقی خزانہ لے کر یلغار کرتے ہوئے جہاں دار شاہ کے پاس چلا گیا اور وہاں سے احمد آباد گجرات کی صوبہ داری پر مامور ہو کر رخصت ہو گیا۔

اعز الدین کا تقرر جہاں دار شاہ کو جب محمد فرخ سیر کی نقل و حرکت کی اطلاعات ملیں تو اس نے اپنے بڑے بیٹے اعز الدین کو پچاس ہزار سوار فوج دے کر اس کے مقابلہ پر بھیج دیا اور شاہزادہ کے معاملات اور فوج کے انتظامات پر کوکلتاش خاں کے بہنوئی خواجہ احسن خاں کو مختار کل مقرر کر دیا۔

قلیچ خاں کی دور اندیشی غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بیٹا قلیچ خاں بہادر کارگذار امراء میں سے تھا۔ مگر زمانہ کی نا قدری کے سبب بہادر شاہ کے عہد میں اس نے ملازمت سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ جہاں دار شاہ نے اس کی دلدہی کی اور اسے شاہزادہ کی مدد کے لئے مقرر کر کے عقب میں روانہ کیا مگر قلیچ خاں نے اکبر آباد پہنچنے کے بعد یہ سنا کہ شاہزادہ دریائے جمنا کو عبور کر چکا ہے۔ اور لشکر کے سرداروں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ شاہزادہ بالکل بے بس اور بے اختیار ہے اور لشکر میں بدنظمی اور اختلال پیدا ہو گیا ہے تو اس نے دور اندیشی سے کام لیا اور اکبر آباد میں ہی ٹھیر کر حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

فرخ سیر کی پیش قدمی محمد فرخ سیر برابر بڑھا چلا آرہا تھا اس کے ہراول اور دائیں بائیں بازو پر سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے جاں نثار بہادر تھے۔ کڑے کا فوجدار چھبیلہ رام اور کارطلب خاں، بہادر شاہی کا بیٹا علی اصغر خاں جو اٹاوہ کا فوجدار تھا شاہزادہ اعز الدین کے لشکر میں چلے گئے تھے مگر چند دن بعد وہ علی اصغر خاں کی فوجداری کا خزانہ لے کر محمد فرخ سیر کے پاس چلے گئے۔

کھجوہ کا معرکہ

اعزالدین قصبہ کھجوہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ابھی فرخ سیر کا لشکر تیرہ چودہ کوس پر تھا مگر اس کی آمد آمد کی دہشت ناک خبریں اس طرح اڑ رہی تھیں کہ شاہزادہ نے بدحواس ہو کر آخر شوال کو کھجوہ کے قریب ہی کیمپ لگا دیا۔ پیش قدمی روک دی۔ لشکرگاہ کے اطراف خندق اور مورچہ بندی کا حکم دیدیا۔ اس کے ان بزدلانہ حفاظتی انتظامات کو دیکھ کر دشمن اور دلیر ہو گیا آخر سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کے پیش رو دستے۔ ایک دو کوس پر پہنچ گئے اور ان کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ فوجوں میں ابھی تک کوئی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ سید عبداللہ خاں نے بھی دیہات کے اطراف کی دیوار سے مورچہ بندی کر لی اور دن کے سہ پہر سے رات کے سہ پہر تک اعزالدین کی فوج پر گولہ باری کرتا رہا۔

اعزالدین کا فرار

شاہزادہ اعزالدین پہلے ہی باپ سے شاکی تھا۔ کیونکہ لعل کنور ہمیشہ اس کے خلاف باپ کو بھڑکاتی رہتی تھی اور وہ شاہزادہ کے ساتھ سختی و تندی سے پیش آتا تھا۔ پھر اس مہم پر اس کو مامور بھی کیا گیا تو بالکل بے دست و پا سارے اختیارات خان دوراں کے ہاتھ میں تھے۔ یہ بات بھی اس کے لئے سخت ناگوار تھی۔ ماہ مذکور کی ۲۹ تاریخ کو اس نے خان دوراں سے مشورہ کیا وہ بھی سخت بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا اس کی بزدلی اس کے چہرہ سے عیاں تھی دونوں نے بہر حال فرار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر اس بدحواسی سے بھاگے صرف جواہرات اور اشرفیوں کا خزانہ ساتھ لے گئے باقی تمام خزانہ سازوسامان خیمہ اور توشک خانہ دشمنوں کے لئے بطور تحفہ چھوڑ گئے۔ دونوں رات کے آخر میں فرار ہوئے تھے ان کے فرار کی خبر پھیلتے ہی سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔

ہرکاروں نے جب دشمن کے فرار کی خبر فرخ سیر کے لشکر میں پہنچائی تو لشکری بھوکے باز کی طرح تعاقب میں پہنچے جن کے پاس ایک دن کی غذا کا اہتمام بھی نہیں تھا۔ اس قدر مال غنیمت ملا کہ سب مالا مال ہو گئے ہاتھی گھوڑے خزانہ خیمہ اور سارا سازوسامان فرخ سیر کے ہاتھ آ گیا۔ کہتے ہیں۔ لوٹ مار کے بعد جو سامان ضبط کیا گیا تھا اس میں خان دوراں

کے توشک خانہ سے صرف زنانے کپڑے بڑی کثیر تعداد میں برآمد ہوئے تھے کہ ان کا شمار مشکل ہو گیا تھا دوسرے قیمتی کپڑوں کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جب اعز الدین بہ حال تباہ اکبر آباد پہنچا تو قلیچ خاں بہادر نے یہی مناسب جانا کہ جہاں دار شاہ کا حکم آنے تک اسے دار الخلافہ اکبر آباد ہی میں روک لیا جائے۔

جہاں دار شاہ کا کوچ

جہاں دار شاہ ۱۰ رجمادی الاول کو دار الخلافہ دہلی میں داخل ہوا تھا اور اعز الدین کی فتح کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ بیٹے کی شکست کی خبر سن کر وہ سخت پریشان ہو گیا اور وسط ذی قعدہ سن گیارہ سو تیئیس ہجری (۱۱۲۳ھ) مطابق ۲۵ ماہ آذر کو دار الخلافہ سے نکلا۔ ہراول پر ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ تھا اور کوکلتاش خاں بہادر، اعظم خاں، جانی خاں، سپہ دار خاں اور ایران و توران کے دوسرے بہادر سردار ساتھ تھے۔ ایک بھاری توپ خانہ بھی ہمراہ تھا اس کے لشکر کی کل تعداد ستر اسی ہزار کے قریب تھی۔ جہاں دار شاہ شاہانہ دبدبہ اور روتا۔ کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے اکبر آباد کے قریب سوگڑھ کے میدان میں پہنچ گیا۔ مقابل نے فرخ سیر بھی سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے تجربہ کار امراء کے ساتھ بڑی عسرت اور تنگ دستی کے عالم میں اکبر آباد کے قریب آ گیا۔ اس کی فوج جہاں دار شاہ کے لشکر کا تیسرا حصہ بھی نہیں تھی۔ جہاں دار شاہ کی فوج کی کثرت توپ خانہ اور ساز و سامان کو دیکھ کر اس کی شکست کا بظاہر کوئی امکان تھا ہی نہیں۔ مگر اندرونی طور پر لوگ جہاں دار شاہ کی اوچھی حرکتوں سے بہت نالاں تھے یہ شکایت بھی عام تھی کہ اس نے اونچے اونچے مناصب پر ادنیٰ اور ذلیل آدمیوں کو مامور کر دیا تھا اور قدیم و جدید امراء اور سرداران فوج اسی بات سے بہت بددل تھے۔ اور ہمیشہ مایوسی بیزاری کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مشہور قول کے مطابق اس کے لشکر کے امراء و سردار خفیہ طور پر فرخ سیر سے ساز باز کر چکے تھے اور نامہ و پیغام بھیجتے رہتے تھے۔

امرائے دربار کا نفاق

ذوالفقار خاں بہادر اور کوکلتاش خاں اپنے بھائی کے ساتھ جہاں دار شاہ کے وفادار اور جاں نثار تھے، مگر دونوں باہمی حسد ونفاق کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اچھی سے اچھی تجویز کو بھی ایک دوسرے کی مخالفت میں بے اثر بنا دیتے تھے خاص طور سے کوکلتاش خاں محض ذاتی حسد وبغض کی وجہ سے نہایت احمقانہ حرکتیں کرتا رہتا تھا چنانچہ جمنا کے گھاٹ کو عبور کرنے پر دونوں میں سخت اختلاف ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے، اور خود دریا عبور کر کے اس کے مقابل پہنچ جانا چاہیئے دوسرے کا مشورہ تھا کہ محمد فرخ سیر کو دریا کے اس طرف آنے دو کیونکہ ہم اگر دریا کے اس طرف جا کر مقابلہ کریں تو دشمن شکست کھانے کے بعد بآسانی فرار ہو جائے گا اور دوبارہ فتنہ انگیزی پر کمر باندھ لے گا اور یہ مہم طویل ہو جائے گی۔ چونکہ دریا میں پانی بہت تھا اور کہیں سے بھی دریا پایاب نہیں تھا۔ اس لئے فرخ سیر کا اتنی جلدی دریا کو عبور کر لینا ممکن بھی نہیں تھا۔

جس دن محمد فرخ سیر بڑی عسرت وتباہ حالی میں دو، وزہ مسافت طے کر کے اکبرآباد کے مقابل دریا کے کنارے پہنچا تو اس کی فوج کا بڑا حصہ ابھی پیچھے ہی رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ بہت تھوڑی سی جمعیت تھی مگر بادشاہی لشکر میں ایسا خوف وہراس پھیلا کر شب خون کے خوف سے تمام سوار سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کی لگام پکڑے رات بھر جاگتے رہے۔

اکبرآباد کا میدان جنگ

فرخ سیر کے آدمیوں نے دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک مقام تلاش کر لیا جہاں سینہ سینہ تک پانی تھا ۱۱ر ذی الحجہ کو رات کے آخری حصہ میں سید عبداللہ خاں چڑھائی کی طرف روانہ ہوا اور جہاں دار شاہ کے لشکر کے مقابل سے بڑھتے ہوئے وہ اس مقام پہ پہنچ گیا۔ یہ گھاٹ روز بہانا کی سرائے کے قریب شاہجہان آباد کی سمت اکبرآباد سے چار کوس پر تھا۔ دریا پار کرنے کے بعد اس نے دہلی کی طرف پشت رکھی اور دشمن کے لشکر کے عقب میں پہنچ گیا۔ محمد فرخ سیر بھی اپنے خاص خاص آدمیوں اور بہادر جاں بازوں کو لے کر

یعنی چار گھڑی بعد دریا کو عبور کر گیا۔ حسین علی خاں اور چھبیلہ رام ناگر جہاں دار شاہ کی فوج کو روکنے کے لئے ہراول کے طور پر دریا کے اسی طرف ٹھیرے رہے اور جب ہر طرح اطمینان ہو گیا تو ایک دن اور ایک رات بعد انھوں نے دریا کو عبور کیا۔ جہاں دار شاہ کے سپہ سالاروں کو اس وقت خبر ہوئی جب کہ فرخ سیر کی فوج بلائے ناگہاں کی طرح عقب سے نمودار ہوئی۔ پہلے ہی سے لشکر میں فوج بندی قائم نہیں تھی۔ بدحواس ہو کر دشمن کی طرف متوجہ ہوئے اور جلدی جلدی فوج کی ترتیب قائم کی اور توپ خانہ کو آگے بڑھایا۔ داہنے بازو پر کوکلتاش خاں بہادر اس کا بھائی اور اعظم خاں، جانی خاں وغیرہ تھے اور بائیں بازو پر ذوالفقار خاں، عبدالصمد خاں جنگجو امیروں کے ساتھ متعین تھے۔ جہاں دار شاہ کا دایاں بازو جس میں کوکلتاش خاں اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر، قلیج خاں، بہادر جاں، نثار خاں اور توران کے بہادر تھے اپنی جگہ متعین تھا۔ حاجی محمد خاں، اسلام خاں، مرتضیٰ خاں، حفیظ اللہ خاں، اور توپ خانہ کا داروغہ رضا قلی خاں توپ رہکلہ شتر نال، ہتھنال اور بے شمار زنبورک کے ساتھ میمنہ، میسرہ اور طلیعہ پر مقرر ہوئے ان کے ساتھ تند خو پٹھانوں کی جمعیت بھی تھی اگر ہم ہر ایک کا نام لیں تو بڑی لمبی فہرست بن جائے گی۔

فوجوں کا دلیرانہ مقابلہ

جمعہ کے دن ۱۳ ماہ ذی الحج سن گیارہ سو تیئیس ہجری ۱۱۲۳ھ کو دن کے سہ پہر تک فوجوں کے مقابلہ کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ جب گھڑی بھر دن رہ گیا تو پہلے سید عبداللہ خاں ہراول ... بارہہ کی فوج کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور حملہ کر دیا۔ توران کے سردار اور امیر جہاں دار شاہ سے بہت ناراض تھے اور دل لگا کر دشمن سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے تاہم انھوں نے عبداللہ خاں کو بڑھتا دیکھ کر چند تیر اس کی طرف چلا دیئے۔ سید عبداللہ خاں بھی توران کے بہادروں کے مقابلہ سے کترا کر دوسری طرف بڑھ گیا۔ دوسری طرف سے حسین علی خاں اور صف شکن خاں عرف حسن بیگ جو دلیر ترک تھے اور محمد فرخ سیر کے توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں میر آتش

زین الدین خاں ذوالفقار خاں کے مقابلہ پر بڑھے۔ خان زماں عرف علی اصغر اور چھبیلہ رام ناگر کوکلتاش خاں کے مقابل تھے۔

حسین علی خاں کی شکست

صف آرائی اور اقدام کے بعد بڑی سخت لڑائی چھڑی جہاں تک نظر کام کرتی تھی تلواروں کی چمک اور خون کی گل افشانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

بہاری زشمشیر کیں بر گرفت ؎ نے نیزه سرسبزی از سر گرفت
چناں آتش تیغ کیں شد بلند ؎ کہ جستی زجا جوہرش چوں سپند

اس لڑائی میں صف شکن خاں جو حسین علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا اور فرخ سیر کے توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں، بہادر خاں روہیلہ کا بیٹا زین الدین خاں میر مشرف کا بھائی میر اشرف، کہ یہ دونوں حسین علی خاں کے بہترین جمع دار تھے۔ مارے گئے۔ خان زماں اور چھبیلہ رام ناگر نے یہی مصلحت دیکھی کہ دریا کے کنارے جٹ گئے اور موقع کا انتظار کرنے لگے۔ جہاں دار شاہ کی طرف سے جاں خاں جہاں شاہی اور ممتاز خاں کام آگئے۔ حسین علی خاں نے جب اپنی فوج کو خطرہ میں دیکھا تو ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر ہاتھی سے نیچے کود گیا اور بارہہ کی جمعیت کے ساتھ بہادری سے لڑتا رہا۔ اسے تیر اور گولی کے اتنے زخم لگے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

سید عبداللہ خاں کی ہزیمت

سید عبداللہ خاں کی فوج کو بھی شکست ہوئی دشمن کی تیر باری سے اس کے آدمی متفرق ہو گئے۔ اس کے نشان کے ہاتھی بھی اکثر جمعداروں کے ساتھ جدا ہو گئے۔ کہتے ہیں اس کے ساتھ سو دو سو سواروں سے زیادہ نہیں رہے تھے عین اس وقت شیخ عبدالغفار نے عبداللہ خاں کے ہاتھی کے سامنے آکر کہا۔ میں ہوں سید عبدالغفار۔ یہ کہہ کر اس نے کمان میں تیر جوڑ کر عبداللہ خاں کی طرف چھوڑ دیا۔ عبداللہ خاں کے ہمراہیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ خاں نے اس کے تیر کو رد کر کے اس پر تیر چلایا

اور زخمی کر دیا۔ سید عبدالغفار زخم اٹھا کر جان بچا لے گیا۔ عبداللہ خاں سخت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کس طرف جائے اور نہ معلوم کس انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ اپنے بھائی کے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم تھا مگر اسی وقت اس کے ہمراہیوں کی ایک جمعیت اس کے قریب آ گئی۔ اس سے بڑی تقویت ہوئی اور اس نے چاہا جہاندار شاہ کی فوج کے عقب سے بڑھ کر دشمن کے بھیڑ پر پہنچ جائے مگر چاروں طرف مخالف فوجیں اس طرح حملہ آور تھیں کہ کہہ نہیں سکتے تھے وہ کدھر سے نکل کر کہاں پہنچے گا۔

ساداتِ بارہہ کی تیراندازی

اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ ریلتا پیلتا ایک ایسے ٹیلہ پر جا پہنچا جو جہاں دار شاہ کی سواری اور قلب سے بس تیر پرتاپ کے فاصلہ پر تھا۔ اتنے میں فتح کا شادیانہ بج چکا تھا مگر بادشاہ کو خبر نہیں تھی کہ دشمن کی فوج عقب میں اس کے سر پر آ پہنچی ہے۔ سید عبداللہ خاں نے اپنی مٹھی بھر فوج کو لے کر تیراندازی شروع کر دی اور سادات بارہہ جلو ریز تیر چھوڑتے ہوئے بڑھنے لگے۔ بادشاہی لشکر میں زنانہ سواری کے ہاتھیوں میں بڑی افراتفری مچ گئی۔ ابھی جہاں دار شاہ دشمن کے مقابل نہیں ہوا تھا کہ لعل کنور اور دوسرے گانے بجانے والیوں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھی تیروں کی بوچھاڑ سے گھبرا کر منتشر ہو گئے۔ اور جہاں دار شاہ کے اکثر ساتھی بدحواس ہو گئے۔ اب جو جہاں دار شاہ دشمن کی طرف چلا تو اس کی سواری کا ہاتھی بھی دوسرے ہاتھیوں کی طرح بھڑک گیا اور فیل بان کے قابو میں نہیں رہا۔

جہاں دار شاہ کا فرار

اس اثنا میں سید عبداللہ خاں کی متفرق فوج ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر اسی جگہ جمع ہو گئی اور سادات بارہہ نے جرأت کے ساتھ پیش قدمی کر دی۔ اب تو جہاں دار شاہ کے لشکر میں بڑا انتشار اور خلل پیدا ہو گیا اور اس کی فوج ہزیمت کھا کر پسپا ہونے لگی۔ کوکلتاش خاں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو جہاں دار شاہ کی مدد کے لئے وہ آگے بڑھا، مگر علی اصغر خاں اور چھبیلہ رام ایسے ہی وقت کے لئے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بڑھ کر

اس کا راستہ روک دیا۔ ایک روایت کے مطابق ان دونوں نے اس سے قبل ہی اس پر حملہ کر دیا تھا۔ مسلسل گولیاں چلا کر اور تیر باری کر کے انھوں نے کوکلتاش خاں کو گرا دیا۔ اس حملہ میں داروغہ توپ خانہ رضا قلی خاں بھی کام آ گیا۔ ایک روایت کے مطابق زخمی ہو کر اکبر آباد بھاگ گیا اور بعد میں زہر کھا کر مر گیا۔ اعظم خاں کوکلتاش خاں کا بھائی بھی زخمی ہو کر جہاں دار شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اب جہاں دار شاہ پر عرصۂ کارزار اس قدر تنگ ہوا کہ وہ لعل کنور کی سواری کے ہاتھی پر سوار ہو کر شام کے وقت اکبر آباد کی طرف نکل گیا۔

محمد فرخ سیر کی فتح

ذوالفقار خاں کو اس صورت حال کی اطلاع مل چکی تھی، اس پر بھی بڑا سخت وقت تھا تاہم وہ ایک گھڑی رات تک فرخ سیر کے مقابلہ پر جما رہا۔ جہاں دار شاہ اور شہزادہ اعزالدین کی تلاش میں اس نے لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر دوڑایا کہ جہاں دار شاہ کا کوئی بیٹا بھی آ جائے تو اس کو لے کر میں دشمن کو پسپا کر دوں۔ مگر ان بدنصیبوں کا کوئی سراغ نہیں ملا اور ذوالفقار خاں بھی مایوس ہو کر دہلی کی طرف نکل گیا۔ بادشاہوں کی سفلہ پروری اور امراء کے حسد و نفاق کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔

جب محمد فرخ سیر کی فتح و نصرت کا شادیانہ بلند ہوا تو سید عبداللہ خاں کے آدمی لاشوں کے انبار میں حسین علی خاں کو تلاش کرنے گئے۔ لنگوروں اور غنڈوں نے اس کی پوشاک نوچ کھسوٹ لی تھی اور وہ برہنہ اور بے ہوش پڑا ہوا تھا مگر جیسے ہی فرخ سیر کی فتح کا مژدہ اس کے کان میں پڑا، اس کے بدن میں نئی جان سی پڑ گئی اسے اٹھا کر اس کے بھائی سید عبداللہ خاں کے پاس لے آئے۔

جہاں دار شاہ کی نظربندی

جہاں دار شاہ نے رات اکبر آباد میں بسر کی اور مشہور قول کے مطابق داڑھی منڈوالی اور بھیس بدل کر آخر رات میں لعل کنور کے ہمراہ چند آدمیوں کو لے کر شاہ جہاں آباد روانہ ہو گیا۔ ذوالفقار خاں اور جہاں دار شاہ ایک کے پیچھے ایک پہر بھر رات کے فرق سے دارالخلافہ

پہنچے۔ جہاں دار شاہ سیدھے آصف الدولہ کے پاس گیا اور اس سے مشورہ و مدد طلب کی۔ ذوالفقار خاں نے بھی اس سلسلہ میں باپ (آصف الدولہ) سے سفارش کی کہ جہاں دار شاہ کو کابل یا دکن لے جاکر دوبارہ لشکر فراہم کیا جائے اور اس کی تلافی کے لئے کوشش کی جائے۔ آصف الدولہ بڑا تجربہ کار جہاں دیدہ آدمی تھا وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ معزالدین (جہاں دار شاہ) فرماں روائی کا اہل نہیں ہے اور اب سارا معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ مزید جنگی تیاریوں سے بجز خلق خدا کی تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پھر اتنا خزانہ بھی نہیں رہ گیا تھا کہ اس سے فوج کو بھرتی کیا جاتا۔ اس لئے اس نے یہی مناسب جانا کہ معزالدین جہاں دار شاہ کو قلعہ میں بھیج کر نظربند کردیا جائے۔ چنانچہ اس نے ذوالفقار خاں کی تجویز کی مخالفت کی اور کہا۔ تیموری خاندان میں سے جو بھی فرماں روا ہو اس کی اطاعت ہم پر لازم ہے۔ اب اگر ہم جہاں دار شاہ کو دوسری جگہ لے کر جائیں تو ایک نیا فتنہ برپا ہوگا، جس کا انجام معلوم نہیں کیا نکلے۔ دانشمند بخوبی جانتے ہیں کہ آصف الدولہ کا بیٹے کو اس طرح نصیحت کرنا اور روکنا بالکل برموقع اور برمحل تھا۔ مگر بر تدبیر بندہ تقدیر خندہ کے مطابق اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے اور لوگوں کی ملامت کا نشانہ بننے والا ہے اور اپنی اور اپنے بیٹے کی جان موروثی دولت و آبرو بس فنا کی زد میں آچکی ہے ؎

مباش غرہ کہ دارم عصائی عقل بدست
کہ دست فتنہ دراز ست وچوب دو سر است

یہ بھی کہا گیا ہے ؎

بہ عذر توبہ تواں رستن از عذاب خدائی
ولیک می نتواں از زبان مردم رست

جہاں دار شاہ کی سلطنت دس ماہ چند دن رہی ؎

زمانہ دیر شد کیں پیشہ دارد،
کہ یں بستانند وآں را سپارد

میں نے اس تاریخ کے آغاز ہی میں یہ لکھا تھا کہ مورخ کو امین اور دیانت دار ہونا چاہئے۔ یعنی وہ کسی لالچ اور خوف کے سبب دوست دبیگانہ کی طرف داری اور عداوت کے جذبہ سے قلم نہ اٹھائے جیسا کہ اس عہد کے مولفوں کا وطیرہ ہے۔ بلکہ راستی اور صداقت کو پیش نظر رکھے۔ اب میں دوبارہ اس بات کو دہراتا ہوں کہ فرخ سیر بادشاہ کی سلطنت میں زمانہ نے بڑے انقلابات پیدا کئے، ایک نیا ہی رنگ ڈھنگ پیدا ہو گیا اس عہد میں لوگوں نے بڑی جانب داری سے کام لیا ہے۔ نفع ونقصان کو سامنے دیکھ کر کسی کو عیب لگایا تو کسی کے عیبوں سے یک سر چشم پوشی کی اور اعتدال کا سررشتہ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ مگر محرر اوراق یعنی میں نے محض اپنے شوق کے تحت قلم اٹھایا ہے اور اس تالیف میں اپنا کافی وقت ضائع کیا ہے میں نے کبھی کسی امیر وزیر کی خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر یگانہ وبیگانہ کا فرق نہیں کیا اور کسی کی جانب داری سے کام نہیں لیا بلکہ جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا اور جو کچھ میں نے محمد فرخ سیر کے مصاحبوں اور سادات کے ہم نشینوں سے سُنا ہے جو ان کے بزم و رزم کے شریک تھے وہی لکھا ہے اور جہاں اقوال میں اختلاف تھا وہاں پوری طرح تحقیق کر کے وہی بات تحریر کی جو قرین صدق تھی اس کے باوجود بعض واقعات اور روداد یں اس عاجز کو نہیں مل سکیں علاوہ ازیں اس تالیف کے دوران میں اور زمانہ کی ناموافقت کے سبب بڑی پریشانیوں میں بھی مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ مسودہ کا کاغذ تک مجھے میسر نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اگر واقعات اور روایات میں کوئی فرق نظر آئے اور کہیں جانب داری کا شبہ ہو اور دوسری معتبر کتابوں سے میرے بیانات مطابق نہ ہوں تو مجھے معذور سمجھا جائے اور ملامت کا سزاوار نہ گردانیں بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں۔

تیمور کا چودھواں جانشین

فرخ سیر کی تخت نشینی

جب محمد فرخ سیر بادشاہ کا سفینہ خطرات سے نکل کر فتح و کامیابی سے ہم کنار ہوا تو سب سے پہلے قلیچ خاں بہادر اور دوسرے تورانی سردار سید عبداللہ خاں کی وساطت سے حاضر بارگاہ ہوئے اور نئے بادشاہ کو سلطنت کی مبارک باد دی' بادشاہ نے ان پر عنایات کا اظہار کیا۔

فرخ سیر نے سید عبداللہ خاں کو لطف اللہ خاں صادق اور دوسرے امراء کے ساتھ دارالخلافہ دہلی کے بندوبست کے لئے روانہ کیا اور خود ایک ہفتہ بعد شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کیا۔

فرخ سیر نے ۱۳ محرم سن گیارہ سو چوبیں (۱۱۲۴ھ) کو دہلی کے قریب بارہ پلہ پر قیام کیا۔ سید عبداللہ خاں کو خطیب الملک یار وفادار ظفر جنگ کا خطاب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب اور وزارت کا عہدہ مرحمت کیا۔ حسین علی خاں کو امیر الامراء بہادر فیروز جنگ کا خطاب، ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب اور میر بخشی کا عہدہ ملا۔ محمد امین خاں کو اعتماد الدولہ کا خطاب اور ہزاری ہزار سوار کا اضافہ دیا گیا اور بخشی دوم کے عہدہ پر مقرر کیا۔ قلیچ خاں کا منصب پنج ہزاری تھا۔ اضافہ دے کر اسے بھی ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کر دیا اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کا خطاب عنایت کر کے دکن کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ داؤد خاں' ذوالفقار خاں کی نیابت پر اورنگ آباد (خجستہ بنیاد) پر متعین تھا اور اعتقاد برہان پور کی صوبیداری بھی اس کے پاس تھی اسے بادشاہ نے احمد آباد و گجرات

کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ محمد عاصم کو صمصام الدولہ خان دوران بہادر کا خطاب اور سات ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب دیا گیا۔ احمد بیگ کو جو معز الدین کا کوکہ (دودھ شریک) تھا۔ غازی الدین خان غالب جنگ کا خطاب اور چھ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب ملا اور بخشی سوم کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ قاضی عبداللہ تورانی جہانگیر نگر کا قاضی تھا اس کو دار الخلافہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے بعض خفیہ معاملات کو سرانجام دینے کے لیے پہلے ہی شاہجہان آباد روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس کو خان خاناں میر جملہ کا خطاب سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ بظاہر وہ دیوان خاص اور ڈاک کی داروغگی پر متعین تھا مگر اسے ہمدم و محرم خاص بنا کر دستخط خاص کے اختیارات بھی سپرد کر دیئے تھے۔ محمد جعفر منشی گیری اور ضمناً بعض دوسری خدمات پر مامور تھا اسے تقرب خان کا خطاب اور خانساماں اور دار الانشا کی خدمات سپرد کیں۔ ان کے علاوہ قطب الملک کے بھائیوں سیف الدین علی خاں اور نجم الدین علی خاں اور خان جہاں اور دوسرے بہت سے آدمیوں کو جو اس معرکہ میں رفیق تھے۔ سادات بارہہ اور بعض والا شاہی امراء کو جن کا حق خدمت ثابت ہو گیا تھا۔ جب مراتب و مدارج منصب اضافہ خطاب اور عہدوں سے نوازے گئے ان کے ناموں کی تفصیل باعث طوالت ہو گی۔

سادات بارہہ سے اختلاف

قطب الملک سید عبداللہ خاں ملک کا نظم و نسق سنبھالنے شاہجہان آباد پہنچا تو بادشاہ اور وزیر کے درمیان جو پہلی بات نزاع کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ قطب الملک کے جاتے ہی بادشاہ محمد فرخ سیر نے "تن" اور خالصہ" کی دیوانی پر چھبیلہ رام ناگر کو مقرر کیا۔ اور اپنے استاد افضل خاں کو صدر الصدور بنا دیا۔ ادھر قطب الملک نے دار الخلافہ پہنچنے کے بعد خالصہ کا دیوان لطف اللہ خاں صادق کو بنایا اور صدارت کا عہدہ سید امجد خاں کے نام کر دیا جو اس سے پہلے بہادر شاہ کے عہد میں اسی خدمت پر مامور تھا۔ جب فرخ سیر بادشاہ نے دہلی پہنچ کر امور سلطنت سنبھالے تو صدارت اور دیوانی پر تقرر و تعیناتی کے معاملہ پر بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ قطب الملک کا کہنا تھا کہ وزارت کے آغاز ہی میں اگر

میرے مقرر کردہ لوگ بحال نہ کئے جائیں تو میری وزارت کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔ میر جملہ اور دوسرے مخالفوں نے بادشاہ کے ذہن نشین کرایا کہ اس میں شک نہیں بادشاہ اپنے ملازموں کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں مگر ملازمان شاہی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حد میں رہیں۔ ایک ملازم کو کیا مجال کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر وہ صدارت اور نیابت وزارت جیسے اہم عہدوں پر لوگوں کا تقرر کر دے۔

فرخ سیر کی سیرت و کردار

محمد فرخ سیر کشادہ مزاج قدرداں بادشاہ تھا ہر ایک کی خدمت و کوشش کے صلہ میں تا حد امکان رعایت اور عنایت کرنا چاہتا تھا تاکہ کارکرد آدمیوں کو ہم چشموں میں امتیاز و مقام حاصل ہو جائے، مگر وہ ناتجربہ کار نوجوان تھا اختیارات کو استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں تھا امور سلطنت میں تدبر حاصل نہیں تھا کیونکہ اس کا بچپن باپ اور دادا سے دور صوبہ بنگالہ میں گذرا تھا۔ وہیں اس نے نشو و نما پائی تھی۔ قائم مزاجی اور ارادے صائب تو قطعًا نہیں تھی۔ دوسروں کی رائے پر چلنے والا آدمی تھا۔ بس تقدیر کا کھیل تھا کہ تخت سلطنت نصیب ہو گیا۔ تیموری خاندان کا اصل جوہر شجاعت بھی نصیب نہیں ہوئی، ذاتی طور پر بزدلی کا شکار تھا۔ صاحب غرض اشخاص کی باتوں پر غور و تدبر سے کام نہیں لیتا تھا اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ابتدائے سلطنت ہی میں اس نے فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیا اور پھر جو کچھ پیش آیا اسے بھگتنا پڑا۔ یہ تفصیل ہم انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان کریں گے۔

فرخ سیر کی پہلی غلطی

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی غلطی جو فرخ سیر سے ہوئی وہ وزارت پر تقرر کا معاملہ تھا۔ وزارت کا عہدہ نہایت اہم عہدہ ہے شاہان سلف نے اس عہدہ پر ہمیشہ باوقار دانشمند صاحب حوصلہ پر دبار اور تجربہ کار حلیم الطبع اور سلیم الرائے اشخاص کو مقرر کیا ہے، اور وہ بھی تجربہ کر لینے اور آزما لینے کے بعد۔ وزارت سے مراد شہروں کی یا شاہی خاندان کے افراد کی دیوانی کا منصب ہے اور یہ منصب ہمیشہ سے سادات بارہہ کے شایان شان

سمجھا گیا - چنانچہ حضرت صاحب قران ثانی (شاہجہاں) نے اپنی اکتیس سالہ سلطنت میں اور خلد مکاں نے جو سلطنت کے دستور العمل کے بانی ہیں اپنی پچاس سالہ فرماں روائی میں جب بھی کسی صوبہ کی دیوانی یا کسی شاہزادہ کی متصدی گری پر تقرر کیا تو سادات بارہہ کا ہی تقرر کیا، بلکہ سادات بارہہ جو شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل رہے ہیں - اکبر بادشاہ کے عہد میں درجۂ امارت پر فائز ہو چکے ہیں - یہ لوگ شجاعت و بہادری کے ساتھ حلم و بردباری کے اوصاف کے بھی مالک تھے مگر انھوں نے کبھی بھی اقتدار و ریاست کی اس حد تک طمع اور خواہش نہیں کی تھی کہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کو اپنے سر لے کر سلطنت کے مدار علیہ بن جائیں اور معاملات کو اس حد تک پہنچا دیں کہ دنیا کی رسوائی و بدنامی ان کے سر آئے اور سارا زمانہ ان پر آقا کشی کا الزام دھرے اور دنیا بھر کی بادشاہتوں میں ان کی بدنامی ہونے لگے اور وہ برعظیم ہند میں ایک بہت بڑے فتنہ و فساد کا باعث بن جائیں جس کے خمیازہ میں خود خاندان بارہہ کا قلع قمع ہو جائے - جس کا ذکر ہم آگے کریں گے -

بزرگوں کا قول ہے کہ ہر ایک کو اپنی عقل بڑی اور اولاد پیاری معلوم ہوتی ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے دنیا میں ہر کسی کو کسی ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے ہر کام ہر شخص کو زیب نہیں دیتا - بہرحال صدارت اور "خالصۂ حق" کی دیوانی کا یہ تنازعہ اس طرح طے پایا کہ صدارت کے عہدہ پر بادشاہ کی مرضی کے مطابق افضل خاں کا تقرر ہوا اور خالصہ کی دیوانی پر لطف اللہ خاں صادق کو مقرر کر دیا اور چھبیلہ رام اکبر آباد کی صوبہ داری پر متعین ہوا - یہ مسئلہ تو طے پا گیا مگر درانداز وں نے دلوں میں عداوت کا جو تخم ڈال دیا تھا وہ نکل نہ سکا آخر برگ و بار لا کر رہا -

فرخ سیر کا مصاحب میر جملہ

میر جملہ نے بادشاہ کے پاس بڑا اثر و رسوخ بڑھا لیا تھا - اس میں شک نہیں وہ اپنے آشناؤں اور محتاجوں کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آتا تھا خلق خدا کی کاربراری فیض رسانی اور دیانت داری میں مشہور و ممتاز تھا، مگر سادات بارہہ سے اُسے

بڑا حسد اور بغض تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان کی فرماں روائی کی زمام سادات بارہہ کے ہاتھ میں چلی جائے جب وہ سلطنت کے اختیارات کو دونوں سادات بھائیوں کے ہاتھ میں دیکھتا تھا تو اس سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا تھا اور وہ ان کے خلاف تازہ وارد مقربوں اور ہمدموں کو خیر خواہی جتلا کے اپنے ساتھ ملائے رکھتا تھا، اور ان کے ذریعہ بادشاہ اور سادات بارہہ کے درمیان عناد و دشمنی کو ہوا دیتا رہتا تھا۔ ایک مشہور قول کے مطابق موروثی امیروں کے شجر حیات کو قطع کرنے اور آصف الدولہ کے خاندان کو برباد کرنے والا یہی شخص تھا۔ میر جملہ دونوں سادات بھائیوں کے معاملات میں روزانہ مداخلت کر کے ان کو مشتعل کرتا رہتا تھا۔ اس لئے ان کی اطاعت و وفاداری بھی روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی، اور وہ سرکشی و انحراف کی طرف مائل ہوتے چلے گئے۔

قتل و خون کی گرم بازاری

عام طور سے لوگوں کی زبان پر یہی ہے کہ ذو الفقار خاں کے استیصال اور قتل کے واقعہ میں سادات کا بھی ہاتھ تھا مگر ثقہ راویوں کے ذریعہ جو کچھ میں نے تحقیق کیا ہے وہ درج کر رہا ہوں۔

آصف الدولہ کی اطاعت

جہاں دار شاہ کی شکست کے بعد آصف الدولہ اور ذو الفقار خاں دونوں باپ بیٹے بڑے خوف و ہراس کے عالم میں بارہ پلہ آکر ٹھیر گئے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ چونکہ امیر الامرا، حسین علی خاں واقف ہو چکا تھا کہ بادشاہ اور میر جملہ کے درمیان ان لوگوں کے متعلق کیا مشورہ ہوا ہے اور کیا ارادہ پیش نظر ہے۔ اس نے آصف الدولہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم میرے توسط سے حاضری دو گے تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ جب دربار سرکار کے دوسرے ذمہ دار آدمیوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس بات کو مصلحت اور صواب دید کے خلاف جانا اور تقرب خاں کو جو ایران والوں کے گروہ میں شامل تھا۔ ذو الفقار خاں کے پاس بھیجوایا۔ اس کو تسلی دلاسا دیا اور کلام پاک کی قسم بھی کھائی اور اُس کے ذہن نشین کرایا کہ امیر الامرا کی معرفت حاضر ہونے کی صورت میں ندامت اور جانی و مالی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اکثر برسر اقتدار امراء و حکام

نے اپنے دورِ اقتدار میں غریبوں ضعیفوں اور سادات پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے، خواہ اپنے اختیار سے یا بلا اختیار، مگر اب ان سب کو سادات بارہہ سے پالا پڑا تھا اور وہ ان کی خوشنودی کے طالب تھے، جیسے دکن کا نائب داؤد خاں اُس نے مرہٹوں سے مل کر کیا کچھ مظالم نہیں کئے تھے۔ اور چھبیلا چند کو صاحب اختیار رہنے کے لئے اس نے خوب رشوت لی تھی اور سادات کی بڑی توہین کی تھی مگر منتقم حقیقی نے اس کا کیا اس کے سامنے کر دیا۔ اس کو بھی سادات بارہہ کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس کی موت اس کو دامن کشاں دارِ مکافات تک لے آئی۔

ذوالفقار خاں کا قتل

بہرحال میر جملہ آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں کو دربار میں لے گیا اور اُن کے ہاتھ بندھوا کر باریاب کرایا۔ آصف الدولہ نے اپنے اور اپنے بیٹے کے قصوروں کی معافی کے لئے چند کلمے عرض کئے۔ بادشاہ نے بظاہر مہربانی کا سلوک کیا اور ہاتھ کھول دینے کا حکم دیا۔ خلعت اور جواہرات بھی عطا کئے۔ آصف الدولہ سے کہا "تم تو گھر جاؤ، ذوالفقار خاں سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس لئے وہ خیمہ کے باہر انتظار کرے" آصف الدولہ بھانپ گیا کہ بس اُس کے بیٹے کی موت آگئی، اور وہ بڑے رنج و غم کے عالم میں اپنے خیمہ کو واپس آیا۔ ذوالفقار خاں بھی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا اپنے قتل کے لئے تیار ہو گیا اور مقررہ مقام پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کو چاروں طرف سے امرائے دربار نے اور بادشاہی چیلوں نے گھیر لیا۔ پہلے تو بڑی سختی کے ساتھ عظیم الشان اور محمد کریم کے خون کا دعویٰ کیا گیا اور ذوالفقار خاں بھی اس شعر کے مطابق ؎

ہر کہ دست از جان بشوید
ہر چہ در دل آید بگوید

سخت اور درشت جواب دیتا رہا۔ اسی اثناء میں لاچین بیگ جس کا لقب ساوردل خاں تھا اور ایک روایت کے مطابق کسی ایک چیلے نے پیچھے سے آکر ذوالفقار خاں کی گردن میں تسمہ ڈال کر اسے کھینچا اور اطراف سے تمام چیلے ٹوٹ

پڑے اور اسے لکڑی سے لاتوں اور گھونسوں سے مارنے لگے اور چھری خنجر سے کچو کے دینے لگے یہاں تک کر اس کا کام ختم کردیا۔

جہاں دار شاہ کا قتل

اسی دن بادشاہ کے حکم پر بعض لوگ قلعہ کے اندر گئے۔ قلعہ میں تر پولیہ کے مقام پر جہاں دار شاہ ایک تنگ و تاریک جگہ قید تھا۔ اس کو بھی تسمہ سے گلا گھونٹ کر ملک عدم روانہ کردیا گیا۔

محمد فرخ سیر سترہ محرم کو شہر اور قلعہ میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ جہاں دار شاہ کا سر نیزہ پہ چڑھا کر ہاتھی پر بلند کیا جائے اس کی لاش ہاتھی کی عماری میں بٹھادی جائے اور ذوالفقار خاں کی لاش کو ہاتھی کی دم پر اوندھا باندھ دیا جائے اور ہماری سواری کے عقب میں گشت کرا کے ان کی لاشوں کو قلعہ کے دروازہ پر ڈال دیں ؎

آئے برادر بادبرادر خور دخونت مریخ
چوں ترا خون برادر ہم چو شیر مادرست

لاچین بیگ کی تسمہ کشی

آصف الدولہ کے لئے حکم ہوا کہ اس کی پالکی کو زنانہ سواریوں کے ساتھ لاکر اسی لباس میں جو اس کے اور اس کے متعلقین کے بدن پر تھا۔ خان جہاں بہادر کی حویلی میں نظر بند اور قید کردیا جائے۔ دونوں باپ بیٹوں کا مال و جائداد کو کلتاش خاں، راجہ سبھا چند اور دوسرے جہاں دار شاہی امراء کے مال واسباب کے ساتھ، کہ یہ لوگ درحقیقت اللہ کی بارگاہ کے بھی مغضوب و معتوب تھے ضبط کرلیا گیا۔ راجہ سبھا چند لوگوں سے زبان درازی کرتا رہتا تھا، اس کی زبان کاٹ دینے کا حکم ہوا۔ زبان کاٹنے کے باوجود اس کو بات کرنے میں دقت نہیں ہوتی تھی، ہاں اب وہ گالی بکنے سے رک گیا تھا۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کو بادشاہ کے حکم سے لاچین بیگ کی تسمہ کشی نے سفر آخرت پہ مجبور کردیا ان میں سیدی قاسم تھا جو مدتوں کوتوالی کا افسر اعلیٰ رہا تھا۔ اس کے معتوب ہونے کا ثبوت نہیں مل سکا۔ دوسرا ہدایت کیش خاں تھا جو خلد مکان عالمگیر بادشاہ کے

کا تر بیت ذرہ اور واقعہ نگار تھا اور سعد اللہ خاں عرف ہدایت اللہ خاں پسر عنایت اللہ خاں بھی تھا جو ایک مدت تک محکمہ تن وخالصہ کا دیوان رہا تھا۔ ان سزاؤں کی وجہ سے لاچین بیگ کا خطاب بجائے بہادر دل خاں کے لوگوں میں تسمہ کش، مشہور ہو گیا تھا۔ یہ سزائیں چونکہ قصور اور جرم کی تحقیق اور ثبوت کے بغیر دی گئی تھیں۔ اس لئے عالمگیری اور بہادر شاہی امیروں کے دل میں تسمہ کشی کا ایسا ہول بیٹھ گیا تھا کہ جب وہ مجرا تسلیمات پر جانے کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو اہل وعیال سے رخصت اور وداع ہو لیتے تھے۔ تسمہ کشی کی اس سزا کا ایسا رواج ہوا کہ بازاری غنڈوں اور لفنگوں نے اس کو اپنے رزق کا وسیلہ بنا لیا۔

ہدایت کیش کا قتل

ہدایت کیش خاں پر یہ الزام لگایا کہ وہ بادشاہ محمد فرخ سیر کے بھائی محمد کریم کے ہاتھی کو جہاں دار شاہ کے پاس لے جانے کا سبب بنا تھا۔ ہدایت اللہ خاں کے قتل کا سبب کچھ نہیں معلوم ہو سکا، مگر یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ بیگم کی طرف سے ایک جعلی رقعہ ہدایت اللہ خاں کا قصہ پاک کرنے کے لئے کہ وہ بیگم کی خانسامانی کے عہدہ پر بھی فائز تھا۔ محمد فرخ سیر کے نام پہنچا تھا۔ مگر جب فرخ سیر کی بادشاہ بیگم سے ملاقات ہوئی تو بیگم نے ہدایت اللہ خاں کے بے جا قتل پر اسے برا بھلا کہا۔ بادشاہ نے اس رقعہ کا ذکر کیا تو بیگم نے انکار کیا کہ میں نے تو ایسا کوئی رقعہ نہیں بھیجا تھا۔ فرخ سیر کو جب یہ معلوم ہوا تو بڑا افسوس کرنے لگا اور پشیمانی ظاہر کی۔

شاہ قدرت اللہ درویش کا قتل

عجیب تر واقعہ تو شاہ قدرت اللہ نامی درویش کے قتل کا تھا، جسے منصب اور عہدہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ البتہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ شاہزادہ عظیم الشان کبھی کبھی امور سلطنت میں اس سے مشورہ کرتا رہتا تھا اور اسی کے ایما پر عظیم الشان کا مقرب ملازم حکیم سلیم قتل ہوا تھا۔ پس اس شہرت پر میر جملہ نے اسے رات اپنے گھر مہمان بلایا اور بڑے اعزاز سے اس کی آؤ بھگت کی مگر ادھر اس کے گھر پر چوب داروں کو

بھیج کر پہرہ لگا دیا اور صبح ہوتے ہوتے اس کی گردن اُڑا دی۔ ان واقعات کی وجہ سے میر جملہ عام طور پر بدنام ہوگیا تھا۔

شاہ ایران کی سفارت

ایران اور ہندوستان کے تعلقات پچاس سال سے منقطع تھے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں عالمگیر بادشاہ کی سلطنت کے آغاز میں تربیت خاں ایلچی کی نامناسب حرکات کے سبب سفارتی روابط ختم ہو گئے تھے اور ایلچیوں کی آمد و رفت مسدود ہوگئی تھی۔ مگر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے انتقال اور خلد منزل بہادر شاہ کی تخت نشینی پر شاہ حسین نے میر مرتضیٰ خفاف نامی ایک ایلچی کو تعزیت اور مبارکباد کا خط دے کر بہادر شاہ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ یہ ایلچی جو تحائف لے کر آرہا تھا ان میں تین سو منتخب عربی اور عراقی نسل کے گھوڑے تھے۔ جن کے زین اور ساز مروارید، یاقوت اور فیروزہ سے مرصع تھے، قیمتی مروارید کے ہار اور زربفت عمدہ قسم کے قالین اور فرنگ روم اور خطا کے شہروں کے تحائف بھی تھے کہ اگر ان کی تفصیل میں ہم جائیں تو بڑی طوالت ہوگی۔ یہ تحفے جہاز کے ذریعہ آرہے تھے مگر جہاز کے تباہی میں آجانے اور دوسرے حادثوں کی وجہ سے بہت سے گھوڑے تلف ہو گئے اور میر مرتضیٰ دو تین سال بنگالہ کی بندرگاہوں میں ہی سرگرداں رہا تھا۔ اب وہ فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد حاضر دربار ہوا۔ معتبر آدمیوں کی زبانی میں نے سُنا ہے کہ اس کے ساتھ اتنے قیمتی تحفے تھے کہ ایران کے شاہان سلف میں سے کسی نے اس کا دسواں حصہ بھی کبھی نہ بھیجا ہوگا۔ ایلچی نے اپنی طرف سے بارہ تیرہ گھوڑے چند تحائف جو تقریباً پانچ ہزار تومان کے تھے جن کی قیمت بارہ ہزار روپیہ ہوتی تھی نذر گذرانے۔ بادشاہ نے اسے ایک لاکھ روپیہ اور ایک اشرفی جس کا وزن دو سو تولہ تھا اور دو روپیہ جو چار چار سو تولہ کے تھے۔ خلعت جیغہ مرصع سرپیچ خنجر اور تلوار مرصع ساز کے ساتھ دو گھوڑے اور طلائی اور مینا کاری کے ساز کے عطا کیے۔

فرخ سیر کی تاریخ جلوس

بادشاہ نے حکم دیا کہ جہاں دار شاہ کے عہد کو مخالف عہد لکھا جائے اور محمد فرخ سیر کے جلوس کی تاریخ یکم ربیع الاول سن گیارہ سو تئیس ہجری (۱۱۲۳ھ) لکھی جائے۔

نظام الملک دکن میں

نظام الملک بہادر فتح جنگ نے دکن پہنچنے کے بعد اپنی موروثی شجاعت اور تدبر و رائے کی مدد سے ایسا انتظام کیا کہ مرہٹوں سے قتال و جدال کی نوبت نہیں آئی اور دکن کا نظم و نسق بحال ہو گیا اور حسب سابق ملک تاخت و تاراج سے محفوظ ہو گیا، اور قافلے امن و امان سے گذرنے لگے۔ تاہم مرہٹے نصرت جنگ اور داؤد خاں کے دستور العمل کے عادی تھے اس لئے اب بھی وہ جہاں قابو مل جاتا تھا، چوتھ وصول کرتے رہتے تھے۔ فتح جنگ کی صوبہ داری کے بقیہ حالات آگے بیان کئے جائیں گے۔

سادات بارہہ کا اقتدار

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا دوسرا سال)

اجیت سنگھ کی سرکشی

اب ہم راجہ اجیت سنگھ کی مہم کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کی رحلت کے بعد راجہ اجیت سنگھ دوبارہ شرانگیزی پر اُتر آیا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے وطن جودھپور میں مسجدوں کو منہدم کرادیا اور بت خانے قائم کر دیئے۔ بہادر شاہ جب محمد اعظم شاہ کی جنگ سے فارغ ہوا تو اس نے راجپوتانہ کا رُخ کیا تھا اور ایک بڑے علاقہ پر فوج کشی کرکے راجپوتوں کو اطاعت پر مجبور کردیا تھا مگر پوری طرح وہاں کا بندوبست نہیں ہوسکا تھا۔ کیونکہ بہادر شاہ اپنے چھوٹے بھائی محمد کام بخش سے مقابلہ کے لئے دکن کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ بہادر شاہ کی واپسی کے بعد اجیت سنگھ اور دوسرے راجپوت سرداروں کی طرف سے برابر فتنہ انگیزی ہوتی رہتی۔ جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں۔ دکن سے واپسی کے بعد بہادر شاہ نے دوبارہ راجپوتوں کے خلاف کارروائی کی، مگر پنجاب میں سکھوں کے گرو کی بغاوت کے سبب راجپوتوں کی مہم پھر ادھوری رہ گئی اور بہادر شاہ کا لشکر پنجاب کی طرف چلاگیا۔

راجپوتوں کی اطاعت

محمد فرخ سیر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد بھی اجیت سنگھ کی طرف سے کچھ اچھے رویہ کا اظہار نہیں

ہوا۔ چنانچہ فرخ سیر نے امیر الامراء حسین علی خاں کو اپنے ماموں شائستہ خاں کے ساتھ ایک عمدہ فوج دے کر اجیت سنگھ کے خلاف فوج کشی کے لئے روانہ کر دیا۔۔۔ اجیت سنگھ بادشاہی لشکر کی روانگی سے خوف زدہ ہو گیا اور اس نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو دشوار گذار پہاڑوں پر بھجوا دیا اور سارا علاقہ خالی کر دیا اور معتبر وکیلوں کو تحائف دے کر امیر الامراء کے پاس بھجوا دیا اور قصوروں کی معافی کے لئے عرض داشت پیش کر دی۔ اسی درمیان میں حسین علی خاں کے پاس سید عبداللہ خاں کے مسلسل خطوط آ رہے تھے جن میں ارا کین دربار کی مخالفتوں اور سازشوں کا ذکر تھا اور اس کو جلد آنے کے لئے کہا گیا تھا۔ چنانچہ امیر الامراء نے اجیت سنگھ کی پیش کش اس شرط پر قبول کر لی کہ وہ نذرانہ کے ساتھ محمد فرخ سیر کے لئے اپنی بیٹی کو بھیج دے گا اور اپنے بیٹے کو امیر الامراء کی ملازمت میں شریک کرا دے گا۔ مصالحت کے طے پا جانے پر امیر الامراء نے بادشاہ کے ماموں شائستہ خاں کو راجہ کی بیٹی کو لانے کے لئے مقرر کر دیا اور خود دربار کے لئے روانہ ہو گیا۔

بادشاہ گر سید درباری سیاست کا رنگ یہ تھا کہ سید عبداللہ خاں اور امیر الامراء سید حسین علی خاں دونوں بھائی یہ چاہتے تھے کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے، منصب اضافہ اور عہدے انہی کے ایما پر دیئے جائیں۔ دوسری طرف بادشاہ نے میر جملہ کو اپنی طرف سے دستخط کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور مکرر یہ کہا تھا کہ میر جملہ کی زبان اور میر جملہ کے دستخط ہماری زبان اور دستخط سمجھی جائے۔ قطب الملک نے اپنے دیوان رتن چند نامی بقال کو راجہ کا خطاب دے کر دو ہزاری کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ اور سلطنت و وزارت کے سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں دے رکھے تھے اور اس کا حال یہ تھا کہ وہ سید عبداللہ خاں (قطب الملک) کا کام نکالنے میں یا اپنے کام بنانے میں مشغول رہتا تھا دوسروں کے کام کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس میر جملہ کا یہ رویہ تھا کہ جو غرض مند بھی اس کے پاس رجوع کرتا تھا، وہ بے غرضانہ طور کے

43A

اس کا کام کر دیتا تھا۔ منصب اضافہ اور خدمات پر تقرر کے لئے بادشاہ کی نیابت میں دستخط کر دیتا تھا۔ یہ دو عملی اور اختیارات کی تقسیم سے بڑی بد نظمی پیدا ہو گئی تھی۔ وزارت کے دستور کے خلاف ان کارروائیوں سے سادات کا اثر و رسوخ متاثر ہو رہا تھا، اور دونوں بھائی سخت رنجیدہ اور ناراض تھے۔

میر جملہ کی مخالفت

میر جملہ سادات کی اس ناراضگی اور گلہ شکوہ کو بادشاہ کے سامنے رکھ کر اپنی خیر خواہی جتلاتا رہتا تھا اور اس نے بادشاہ کے ذہن نشین کر دیا کہ یہ ذمہ دارانہ خدمات اور ملک کے اختیارات سادات بارہہ کے حوصلہ سے زاید ہیں اور ان کے بس کے نہیں اور ان کی حرکتوں سے نمک حرامی کے آثار ظاہر ہیں۔ ان باتوں سے بادشاہ کے دل میں دونوں بھائیوں کی طرف سے بڑا وسوسہ اور اندیشہ پیدا ہو گیا۔ بادشاہ دونوں بھائیوں امیر الامراء اور سید عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کی تدبیروں پر سوچتا رہا اور بار بار اس نے اس سلسلہ میں مشورے کئے۔ اس سلسلہ میں وہ شکار اور سیر کے بہانے محسن خاں کے باغ میں چلا گیا اور وہاں دونوں بھائیوں کے خلاف مختلف تدبیروں پر عمل کرنا چاہا مگر اس کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی۔ ان سازشوں کا علم دونوں بھائیوں کو بھی ہو گیا۔ مشہور ہے کہ اس کی اطلاع خود بادشاہ کی والدہ نے سید عبداللہ خاں کو دیدی تھی۔ کیونکہ وہ اس قول و عہد کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھتی تھی جو دونوں بھائیوں سے اس نے کیا تھا۔

حیدر قلی خاں دیوان

حیدر قلی خاں شاہزادہ عظیم الشان مرحوم کی سرکار سے متعلق تھا میر جملہ نے اس کی سرپرستی کی ویسے وہ بڑی صلاحیتوں کا آدمی تھا۔ بہادری کارروائی کارگزاری میں نادر روزگار افسر تھا اس کو دکن کی صدر دیوانی کے عہدہ پر مامور کر کے روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت تک وہ بعض بندرگاہوں، عمدہ سرکاروں اور صوبوں کی کوئی چودہ پندرہ ذیلی و جزوی دیوانیوں پر فائز رہ چکا تھا۔ محالات خالصہ کا صدر ابھی بھی رہا تھا۔ ہر طرح کی داروغگی اور الماس کے کانوں کی داروغگی بھی اس کے سپرد رہی تھی اسی طرح صوبہ داری، اخبار نویسی اور عدالتی عہدوں کے محکمہ

مال کا کوئی عہدہ نہیں تھا، جس پر وہ کام نہ کر چکا ہو۔

شاہزادوں کو اندھا کرنے کا الزام

ایک اور الزام میر جملہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ شاہزادوں کے اندھا کر دینے کا مشورہ اسی نے بادشاہ کو دیا تھا۔ اغلباً سادات بارہہ اس مشورہ اور تجویز میں شریک نہیں تھے۔ واضح رہے کہ جہاں دار شاہ کا فرزند اعزالدین باپ کے معرکۂ جنگ سے فرار کے بعد بھاگ کر اکبر آباد میں روپوش ہو گیا تھا۔ اسے وہاں سے گرفتار کر کے لایا گیا اور اسے فرخ سیر نے اندھا کرا دیا۔ دوسرے جن شاہزادوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی ان میں خود محمد فرخ سیر کا چھوٹا بھائی محمد ہمایوں بخت ہے جس کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ تیسرا شاہزادہ والا تبار تھا جو محمد اعظم شاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا بدلہ بھی جلد سامنے آ گیا انہی دنوں محمد فرخ سیر کا دو سالہ بیٹا فوت ہو گیا۔

دکن کی صوبہ داری کا قضیہ

اسی درمیان میں دکن کی صوبہ داری کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا بادشاہ اور میر جملہ کی مصلحت یہ تھی کہ امیر الامراء کو دکن کی صوبہ داری پر بھیج دیا جائے۔ امیر الامراء نے درخواست دی کہ وہ دکن کی صوبہ داری کو قبول کرتا ہے، مگر ذوالفقار خاں کی نیابت کی طرح وہ داؤد خاں کو وہاں اپنا نائب بنا دے گا اور جو سالانہ محصول مقرر کر دیا جائے گا وہ خزانہ میں ہر سال داخل کر دے گا۔

امیر الامراء، بادشاہ اور میر جملہ کے رویہ کو دیکھ کر نہیں چاہتا تھا کہ قطب الملک سید عبداللہ خاں کو تنہا چھوڑ دے اور دکن چلا جائے۔ چنانچہ وہ دربار چھوڑ کر دکن جانے پر راضی نہیں ہوا اور اس مسئلہ پر بڑی سخت گفتگو ہو گئی۔ یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ دونوں بھائیوں نے دربار میں جانا بند کر دیا۔ اور مجرا تسلیمات سے بھی گریز کرنے لگے۔ بلکہ انھوں نے فوج جمع کرنے اور اپنے گھر کے اطراف مورچہ بندی کے انتظامات بھی کر لئے۔ ادھر بادشاہ اپنے خیر خواہوں کو جمع کر کے جن میں میر جملہ، خان دوراں، اور ... امین خاں پیش پیش تھے، خلوت میں مشورے کر رہا تھا اور ان مجلسوں میں نیت

منصوبے اور تجویزیں زیر غور رہتی تھیں۔

سادات بارہہ اور فرخ سیر کی مصالحت

جب اس اختلاف کی خبر پھیلی تو دور ونزدیک کے شہروں میں بڑا خلفشار برپا ہو گیا اور غلہ وغیرہ گراں ہو گیا۔ اس درمیان میں نامہ و پیام دونوں فریقوں میں جاری رہا۔ آخر بادشاہ کی والدہ خود قطب الملک کے گھر گئی اور اسے تسلی اور اطمینان دلایا اور یہ طے پایا کہ پہلے قلعہ میں سادات اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیں۔ پھر دونوں بھائی بادشاہ کے مجرا کے لئے حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ قلعہ کا بندوبست سادات نے سنبھال لیا اور ہر جگہ سید عبداللہ خاں اور امیر الامراء کے آدمی پہرہ چوکی پر مقرر کر دیئے گئے اور قطب الملک اور امیر الامراء نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قصوروں کی معافی چاہی اور بادشاہ کی بدگمانی کا شکوہ کر کے انھوں نے کمر سے تلوار کھول کر بادشاہ کے سامنے رکھدی اور کہا۔ اگر حضور کے دل میں ہماری طرف سے کوئی اندیشہ اور وسوسہ ہو تو اسی وقت ہمارے قتل کا حکم دیدیں یا منصب سے معزول کر کے کعبۃ اللہ کو روانہ کر دیں۔ اگر صاحب غرض چغل خور اشخاص کی باتوں میں آکر جاں نثار بندوں کو جانی و مالی ضرر پہنچانا حق شناس بادشاہوں کے مسلک کے خلاف ہے۔ آخر فتنہ کو رفع کرنے کے لئے اس بنیاد پر مصالحت طے پائی کہ امیر الامراء کے دکن روانہ ہونے سے پہلے میر جملہ کو صوبہ عظیم آباد' عرف پٹنہ روانہ کر دیا جائے۔ اس ملاقات میں امیر الامراء نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر میرے غیاب میں میر جملہ کو بادشاہ اپنے پاس طلب کریں گے یا میرے بھائی قطب الملک کے ساتھ غلط رویہ اختیار کیا جائے گا تو پھر بادشاہ سمجھ لیں کہ میں بیس دن کے اندر دکن سے یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس کی دوسری شرط یہ تھی کہ جاگیرداروں کا تقرر و تنزل جزو کل ساری ملازمتیں اور قلعہ داروں کے تبادلے اس کے اختیار میں ہوں۔ بادشاہ نے یہ باتیں تقاضائے وقت کے تحت مصلحتاً قبول کر لیں، بلکہ مشہور یہ ہے کہ اپنی مہر خاص طوعاً وکرہاً اس کے ہاتھ میں دیدی کہ وہ قلعہ داروں وغیرہ کے نام فرامین جاری کرنے میں بادشاہ کی منظوری کا محتاج نہ رہے۔ اس تصفیہ میں چار پانچ ماہ نکل گئے اور امیر الامراء کو رخصت کرنے کے بعد بھی بادشاہ شہر اور بارہ میں مقیم رہا۔

سلطنت آصفیہ کا بانی نظام الملکؒ

اب ہم نظام الملک بہادر فتح جنگ کی دکن میں صوبہ داری اور بندوبست کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں۔

نظام الملک دکن میں

جب وہ والا نسب بہادر امیر دکن کا صوبہ دار بن کر اورنگ آباد پہنچا تو اس نے سب سے پہلے مرہٹوں کی طرف توجہ کی اور جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ راجہ ساہو اور تارا بائی کی فوجوں سے کسی مقابلہ کی نوبت نہیں آئی' بلکہ مرہٹے نظام الملک کی شمشیر آرائی کی شہرت سے ایسے مرعوب ہوتے کہ انھوں نے از خود لوٹ مار اور قافلوں پر فوج کشی جو وہ ہر سال کرتے رہتے تھے بند کردی تاہم جہاں جہاں ان کا قابو چلتا تھا اُن کے گماشتے چوتھ یعنی ہر محال کی جمع بندی کا چوتھا حصہ پرگنوں سے وصول کرتے رہتے تھے۔ نظام الملک کی غیرت پر یہ چوتھ کی یہ وصولی بھی گراں تھی' چنانچہ اس نے چاہا کہ چوتھ کا یہ سلسلہ خاص طور سے اورنگ آباد کے نواح سے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے فوج داروں اور ضلع داروں کو تاکیداً احکام لکھے اور اکثر مقامات سے اور اورنگ آباد کے محالات سے راجہ ساہو کے کماشتداروں (گماشتوں) کو بے دخل کر دیا۔

مرہٹوں پر فوج کشی

چوتھ کی بندش کے بعد خود نظام الملک عید الفطر کے بعد جلوس کے دوسرے سال پانچ چھ ہزار سواروں کی فوج اور بھاری

توپ خانہ لے کر پرگنوں کے بند وبست اور مرہٹہ فوجوں کے استیصال کے لئے کوچ کر دیا۔ اور ایک تجربہ کار بہادر افسر غیاث خاں اور اپنے دیوان کھیم کرن کو دوسرے اور سرداروں کے ساتھ پرگنوں کے نظم و نسق اور اطراف کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مرہٹوں کی ان سرداروں سے مقابلہ کی جرأت نہیں ہوئی اور سب فرار ہو گئے۔ نظام الملک تمام علاقہ کا بند وبست اور نظم و نسق درست کرنے اور بعض سرکشوں کی گوشمالی کے بعد اوائل ذی الحجہ میں اورنگ آباد واپس آگیا۔ نظام الملک کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد فسادی مرہٹے دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئے اور قافلوں پر چھاپے مارنے لگے۔ چنانچہ ایک قافلہ بندرگاہ سورت سے احمد آباد اور اورنگ آباد آرہا تھا۔ محمد ابراہیم تبریزی بکلانہ کا بخشی اور واقعہ نگار اسی قافلہ میں تھا۔ مرہٹوں نے حملہ کرکے اس کو اور ایک جمعیت کو شہید کر دیا۔

مرہٹوں کی فتنہ پردازی

مرہٹے ماہ رجب ۱۱۳۵ھ جلوس کے تیسرے سال اورنگ آباد سے تیئس کوس پر ایک گڑھی میں جمع ہوتے جو انھوں نے ہر صوبہ کی طرح یہاں بھی پناہ گاہ کے طور پر بنا رکھی تھی۔ اس مجمع میں ان کے درمیان بڑی تیز و تند باتیں ہو رہی تھیں۔ (غالباً اختلافات ختم کرکے متحد ہونے کا مسئلہ زیر غور تھا)۔ گلشن آباد کے نواح میں ایک پرگنہ شیر نام کا تھا وہاں کا دیسکھ ابنوجی نامی مرہٹہ سردار تھا، وہ کبھی تو مرہٹوں کے ساتھ مل جاتا تھا اور کبھی ان کا زور توڑنے کے لئے بادشاہی افسروں کے ساتھ ہو جاتا تھا، وہ بھی اس مجمع میں مصالحت کرانے والوں میں شامل تھا۔ اسی دوران میں نظام الملک بہادر کا ایک ضلع دار انور خاں نامی جو اورنگ آباد سے آٹھ کوس پر پھول مری نامی قصبہ میں رہتا تھا۔ اپنے تعلقہ کی خبرگیری کے لئے گشت پر نکلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ مرہٹوں کا ایک کماویش دار بھی تھا جو اس سے پہلے اس ضلع کی چوتھ وصول کرنے پر مقرر تھا۔ چوتھ کی بندش ہو جانے کے بعد وہ ملازمت کی امید میں انور خاں کی خدمت میں آگیا تھا۔ مرہٹوں میں سے ایک سردار سے انور خاں کے تعلقات و روابط تھے۔ اس کی مدد کرنے اور اس کے مخالف مرہٹوں کی

سرکوبی کے لئے وہ مذکورہ کمائش دار کی راہنمائی میں روانہ ہوا۔ مگر اُسے راستہ میں خبر ملی کہ مرہٹہ سرداروں میں صلح ہو گئی ہے۔ انور خاں نے محسوس کیا کہ وہ ان تمام سرداروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے بعض ہمراہیوں کے مشورہ پر چاہا اس کمائش دار کو، جو منافقت اور مجبوری کے تحت ساتھ ہو گیا تھا، گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا اور انھوں نے اچانک اس پر حملہ کر کے گرفتار کر لیا اور ہتھیار اُتار کر اسے قید کر دیا۔ جب اس کی قید کی اطلاع مفسد مرہٹوں کے مجمع میں پہنچی تو انھوں نے اس بات کو اپنے لئے بھی خطرناک جانا اور سب نے مل کر انور خاں پر حملہ کر دیا۔ انور خاں کو ان کے مقابلہ کی مہلت ہی نہیں ملی اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ مرہٹوں نے اپنے کمائش دار کو چھڑا لیا اور انور خاں کو ہمراہ لے کر چلے گئے اور ایک نئی شورش اور فتنہ کھڑا کر دیا۔

موسم باراں میں حملہ جب مرہٹوں کی اس فتنہ پردازی کی خبر نظام الملک بہادر فتح جنگ کو ملی تو داؤد خاں کے بھائی ابراہیم خاں پنی کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ ابراہیم خاں نے مرہٹوں پر فوج کشی کر دی، مگر دشمن کے مقابلہ میں اس کی فوج بہت تھوڑی تھی۔ پھر رات دن کی بارشوں میں تیر کمان اور بندوقیں بیکار ہو گئی تھیں۔ پندرہ سولہ ہزار جنگجو مرہٹوں نے جمع ہو کر ابراہیم خاں کو اطراف سے گھیر لیا پٹھانوں پر بڑا سخت وقت آ گیا تھا، مگر ابراہیم خاں نے بڑی ثابت قدمی سے دشمن کی مدافعت کی اور نظام الملک کو کمک کے لئے لکھا۔ نظام الملک نے مرہٹوں کے غلبہ کی خبر سُن کر اپنے ساتھ کی تمام فوجوں کو جو اورنگ آباد پر متعین تھیں، اپنے بیٹے غازی الدین خاں کی سرداری میں جو ابھی آٹھ سال کا لڑکا تھا، روانہ کر دیا۔ اس کی اتالیقی اور ہراولی پر محمد غیاث خاں دیوان اور مرزا خاں بخشی کو مقرر کیا۔ جب یہ فوج وہاں پہنچی ہے تو صورت یہ تھی کہ دس گیارہ مرہٹہ سردار بے شمار فوج لئے پڑے ہوئے تھے اور ہر روز چاروں طرف سے مرہٹوں کے دل چلے آ رہے تھے۔ بارش کی کثرت سے سارا علاقہ دلدل بنا ہوا تھا۔

بادشاہی توپ خانہ کیچڑ پانی میں پھنس گیا تھا۔ گھوڑوں میں نقل و حرکت کی طاقت نہیں رہی تھی۔ اس کے باوجود مرہٹوں پر مسلمانوں کے لشکر کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ مقابلہ پر ٹھیر نہ سکے۔

مرہٹوں کا فرار

آنبوجی ان کا ایک سردار تھا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بادشاہی افسروں کی اطاعت بھی کر لیتا تھا اور اپنی قوم کی رفاقت بھی، دونوں کے درمیان اسے بس خنثیٰ سمجھنا چاہیے۔ وہ اپنے آپ کو بڑا مدبر اور تجربہ کار آدمی سمجھتا تھا اس نے مرہٹوں کو فرار ہو جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مرہٹوں نے اپنے نامی گرامی سرداروں کے ماتحت چند منتخب سواروں کو دے کر نظام الملک کے ہراول کے مقابلہ پر بھیجا اور جنگ گریز لڑتے ہوئے بھاگ نکلے۔ فتح جنگ کی فوج کے بہادروں نے ان بدبختوں کی گڑھی کو مسمار کر دیا اور بارش کی صعوبت اور ندی نالوں کی طغیانی کے باوجود مرہٹوں کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ چنانچہ فتح جنگ کی پیش رو فوج کا مرہٹوں کے چنداول سے مقابلہ ہوتا رہا، اور ان لڑائیوں میں بے شمار کافر مارے گئے، اور کافی مال غنیمت ہاتھ آیا، ان کے گھوڑے گھوڑیاں چھتری اور نشان مسلمانوں کو برابر ملتے رہے۔ دونوں فوجیں جنگ کرتے ہوئے منزلوں پر منزلیں طے کر رہی تھیں یہ سفر دونوں فریقوں کے لئے بڑا دشوار تھا۔ مگر مرہٹوں کو پھر بھی ایک سہولت تھی۔ راستہ میں کئی ایک گڑھیاں تھیں، ان میں سے بعض ان مرہٹوں کی پناہ گاہ کا کام دیتی تھیں۔ اکثر دیہات کے مقدم پٹواری وغیرہ ایک دو پرگنوں کے درمیان مرہٹوں سے حفاظت کے بہانہ گڑھی بنا لیتے تھے اور اسے کافی مستحکم رکھتے تھے۔ اندر ہی اندر وہ مرہٹوں سے ملے ہوتے تھے، بادشاہی فوج کو ان گڑھیوں کے محاصرہ کی فرصت اور مہلت تو نہیں تھی اور مرہٹے اپنے اہل عیال کو کافی ساز و سامان کے ساتھ ان گڑھیوں میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ بادشاہی فوج سے محفوظ رہیں، اور خود ہلکے پھلکے ہو کر تیز رفتاری سے نکل جائیں۔ بہرحال اس طرح تیرانتی کوس تک فوج نے مرہٹوں کا تعاقب کیا۔ آخر مرہٹے بری طرح

تنگ آگئے اور دو ہاتھی جو ان کے لشکر کے لئے باعث فخر تھے چھوڑ دیئے۔ اور اپنے بہیر اور رسد کو بھی چھوڑ دیا اور متفرق ہو کر دشوار گذار پہاڑوں اور غاروں میں چھپ گئے۔ فاتح فوج دو ہاتھی بے شمار گھوڑیاں اور چھتریاں لے کر لوٹ گئی۔ ان ہی دنوں فتح جنگ نے ایک سخت بیماری سے صحت پائی تھی کہ اس فتح کی خوش خبری ملی عرصۂ دراز بعد مرہٹوں کو بُری طرح زک اٹھانی پڑی تھی۔ اس خوشی میں نظام الملک فتح جنگ نے ایک بڑا جشن نو دن تک منعقد کیا۔ بادشاہی امراء کو اور فوج کے سرداروں کو خلعت و اضافہ عطا کیا اور ہاتھیوں کو فتح کی عرض داشت کے ساتھ مرزا بیگ خاں کے ہمراہ حضور میں روانہ کر دیا۔

نظام الملک کے اخلاق و اوصاف

اب جب کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ کا ذکر چھڑ گیا ہے۔ ہم اس نیک سرشت امیر کی صفات حمیدہ جیسے سلامت روی رعیت پروری نیک نفسی، خدا ترسی اور زہد و تقویٰ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، یہ تذکرہ خوشامد یا ریا کاری کے طور پر نہیں ہے۔ صرف اظہار حقیقت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ والانژاد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں شیخ عالم قدس سرہ کے پوتوں میں سے ہے۔ ان بزرگوں کے حالات اولیاء کے تذکروں میں موجود ہیں۔ دوسرے یہ کہ نظام الملک نے علوم عقلی و نقلی میں کہ یہ علوم حاصل زندگانی دنیاوی کامیابی اور نجات اخروی کی کلید ہیں، پورے کمال کے ساتھ حاصل کئے۔ چنانچہ نظم و نثر اور ربط کلام میں اس کو بڑی دست گاہ ہے، اور شاکر تخلص کرتا ہے۔ اس کے دو تین طبع زاد شعر ہم درج کرتے ہیں ؎

چوں گل بوی وصل گریباں دریدنی است | آہی ز سوز سینۂ بریاں کشیدنی است
زنہار دل بہ نقش و نگار جہاں مبند | رنگی کہ دیدہ در رخ گل پریدنی است
شاکر بہ رنگ برق دریں عرصۂ خیال | دامن ز خویش برزدہ یک دہ دویدنی است

نظام الملک کی دیانت داری

اللہ تعالیٰ نے نظام الملک کو بزرگوں کے خمیر سے اٹھایا تھا۔ اسی لئے وہ امام و لوا ہی کی

اطاعت میں بڑی پابندی سے عمل کرتا تھا۔ خلدمکاں کی خدمت میں اُس نے تجربہ و تربیت حاصل کی تھی۔ اس لئے دین و دنیا کے نہم امور ملکی کے تدبر میں مرحوم بادشاہ کی حسن سیرت، اخلاق و صفات کو اُس نے پوری طرح اخذ کر لیا تھا، مالی معاملات میں یہ احتیاط تھی کہ صرف اپنی جاگیر کے روپیہ پر اکتفا کرتا تھا۔ رشوت جرمانہ تاوان اور کفار حربی کے سوا کسی سے پیش کش نذرانہ وغیرہ قبول کرنے سے نفرت کرتا تھا۔ ناجائز آمدنی سے اس درجہ اجتناب تھا کہ اگر ہم اس کی تفصیل بیان کریں تو طوالت ہو گی۔

جن دنوں از راہ لطف و قدر دانی نظام الملک نے مجھے دکن کی صوبہ داری میں اپنی سرکار کا دیوان مقرر کیا تھا۔ تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ ضلع داری کی بابت جمع ہوتا تھا ضلع داری کی یہ بدعت داؤد خاں صوبہ دار نے ایجاد کی تھی جو صوبہ خاندیس اور بالاگھاٹ کے پرگنوں کی رعیت اور زمینداروں سے وصول کی جاتی تھی، اس ناجائز محصول کی وصولیابی میں داؤد خاں نے مرہٹوں سے ساز باز کر رکھی تھی اور وہ باہم شیر و شکر ہو کر اس طرح رعیت کو لوٹتے تھے۔ فتح جنگ نظام الملک کے متصدیوں نے بھی اس رقم کو وصول کرنے کے لئے منظوری لینی چاہی، مگر نظام الملک نے اس مد میں چاول کا ایک دانہ تک وصول کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس محصول کو معاف کر دیا، بلکہ اس نے دیوانی کے افسروں کو برابر یہ تاکید کر رکھی تھی کہ فوج داری، راہداری اور دوسرے ممنوعہ ابواب سے جن کو اکثر حکام و عمال شیر مادر کی طرح حلال بنائے ہوتے تھے اور ظلم و ستم ڈھا کر رعیت سے وصول کرتے تھے ایک پائی تک وصول نہ کی جائے۔ اگرچہ کہ حکام اس سے باز نہیں آتے تھے، مگر خود اس بزرگ نے کبھی بھی ان ناجائز محاصل کو پسند نہیں کیا۔

نظام الملک کا عفو و درگذر

رعایا پر وہ اس قدر مہربان تھا کہ کبھی اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے اور قتل کرنے تک کی سزا نہیں دی۔ دوسرے معاملات کا کیا ذکر؟

نظام الملک کے جواہر خانہ میں کافی قیمتی جواہرات اور مرصع آلات تھے۔ جس زمانہ میں وہ منصب ترک کر کے گوشہ نشین ہو گیا تھا، بعض خائن ملازموں نے بلوہ اور پیگوں کے نقلی جواہرات تیار کرائے جو اسی شکل اور رنگ کے تھے اور اصلی جواہرات نکال لئے۔ اور ان کی جگہ نقلی جواہرات رکھ دیئے۔ بعد میں جب دوبارہ منصب قبول کرنے کا موقع آیا تو متصدیوں نے چاہا کہ جواہر خانہ کے مشرف اور عملہ کی تحقیقات کرائی جائے۔ اس کارروائی میں بھی اس حق پرست امیر نے یہ گوارا نہیں کیا کہ قصور ثابت ہوئے بغیر اُن کی خفت و بے آبروئی ہو۔

دین داری اور علم پروری

اس نیک نفس سرداری کی ایک پسندیدہ عادت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ صلحا، علما اور فقرا، کی صحبت میں رہتا تھا۔ بزرگوں سے ملنے خود جاتا تھا اور ان کی امداد و اعانت میں کوشاں رہتا تھا۔ جشن بادشاہی کے دن کے سوا زینت و آرائش، شان دار لباس اور مسند کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔

خود چونکہ شعر گوئی اور سخن فہمی میں کمال رکھتا تھا اس لئے کبھی کبھی سخن سنج صاحب طبع لوگوں کی محفل بھی منعقد ہوتی تھی، مگر کوئی شاعر اس کی مدح میں قصیدہ یا شعر پڑھتا تھا تو یہ بات اس کو ناگوار گذرتی تھی۔

نظام الملک کے اوقات

اس نے اپنے اوقات اس طرح مقرر کر لئے تھے کہ صبح کی نماز ادا کرنے اور اوراد و وظائف پڑھنے کے بعد وہ دوپہر تک اپنی سرکاری اور بادشاہی امور سے متعلق کارروائیوں میں معروف رہتا تھا۔ حتی المقدور جزدی اور کلی تمام معاملات میں بہ نفس نفیس توجہ کرتا تھا۔ سہ پہر کے بعد کا وقت، نماز ظہر اور عصر، دعاؤں اور تلاوت کلام پاک اور درس حدیث میں یا اہل کمال اور فقرا کی صحبت میں گذرتا تھا۔ اہل بیت اور ائمہ طاہرین سے اسے خاص عقیدت تھی۔ اس کی شجاعت و بردباری اور حوصلہ مندی کا حال تو خلد مکاں کے عہد کے تذکرہ میں ہم لکھ چکے ہیں، باقی آگے لکھیں گے۔

نظام الملک کی دکن سے واپسی

انہی دنوں دکن کی صوبہ داری پر امیر الامرا، حسین علی خاں کے مقرر ہونے اور اس کے روانہ ہونے کی خبر پہنچی۔ صوبہ دار برہان پور نجابت خاں کے پاس امور ملکی کی نیابت کی سند اور دیوان دکن حیدر قلی خاں کے نام محکمہ مال کی سند حسین علی خاں کی طرف سے پہنچ گئی۔ نظام الملک بہادر فتح جنگ نے بھی اوائل ماہ صفر میں دربار کا ارادہ کرکے اورنگ آباد سے کوچ کر دیا۔ جب وہ برہان پور پہنچا تو معلوم ہوا کہ دو تین مرہٹہ سردار ایک بڑی فوج لے کر برہان پور کے اطراف شوخی و شرارت کر رہے ہیں۔ نظام الملک ان کی گوشمالی کے لئے اس وقت سوار ہو گیا۔ مرہٹہ ایک دشوار گزار جنگل میں چھپے ہوئے تھے۔ جنگل کو بھی انھوں نے آگ لگا دی تھی اور اندیشہ تھا کہ بارود اور بان بردار اونٹ آگ کی لپیٹ میں آ جائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس آفت سے محفوظ رکھا اور مرہٹوں کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ نظام الملک نے چالیس کوس تک ان کا تعاقب کیا اور ان کی پوری طرح سرکوبی کرکے پرگنہ مہا نیر کی سرحد سے لوٹ آیا۔ اور دربار کے لئے روانہ ہو گیا۔

امیر الامراء اور داؤد خاں کا مقابلہ

حسین علی خاں برہان پور میں

آخر جمادی الاول میں حسین علی خاں نے دار الخلافہ کے بارہ پلہ سے کوچ کیا تھا۔ راستہ میں دونوں ایک دو کوس کے فاصلہ پر قریب پہنچ گئے۔ حسین علی خاں فتح جنگ سے ملنے کا بہت خواہشمند تھا مگر بادشاہ کے پاس خاطر سے وہ اغماض کر کے نکل گیا۔ جب امیر الامراء اکبر پور میں نربدا کے گھاٹ پر پہنچا تو اس کے سننے میں آیا کہ داؤد خاں پنی جو اس وقت احمد آباد کا صوبہ دار تھا بادشاہ کے حکم پر خاندیس کا صوبہ دار بن گیا ہے، اور برہان پور آگیا ہے۔ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ خفیہ طور پر اس کے نام احکام گئے ہیں کہ وہ حسین علی خاں سے ملاقات نہ کرے، اور اس کی اطاعت نہ کرے بلکہ تامقدور اس کے استیصال کی فکر میں رہے، اس کے عوض اسے پورے دکن کی صوبہ داری کا امیدوار بنایا گیا تھا۔ چنانچہ داؤد خاں اپنی مستقل صوبہ داری کے زعم میں تھا اور ملاقات کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ امیر الامراء کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے داؤد خاں کو پیغام بھیجا کہ چونکہ دکن کی کل صوبہ داری ہم سے متعلق ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ راہ اطاعت سے قدم نہ ہٹاؤ اور ہمارے استقبال کے لئے آؤ یا پھر تم بادشاہ کے پاس چلے جاؤ اور مسلمانوں کی خون ریزی کا سبب نہ ہو۔ داؤد خاں نے دونوں باتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ اُس نے شہر سے

نکل کر خیمہ لگا دیا تھا جیسے استقبال کے لئے نکلا ہو، مگر امیرالامراء کی اطاعت قبول کرنے کی حامی نہیں بھری۔ مرہٹہ سرداروں سے اس کا بڑا میل جول اور ربط ضبط تھا۔ نیا سندھیا بادشاہ کے عمدہ ملازمین میں شمار ہوتا تھا۔ اُس نے دو طرفہ شہرت دی کہ وہ حسین علی خاں کے استقبال پر اور داؤد خاں کی مدد کے لئے آیا ہے مگر اس کا منشاء یہی تھا کہ جو فریق غالب آجائے اس کا ساتھ دے۔ چنانچہ وہ چند مرہٹہ سرداروں کے ساتھ برہان پور کے قریب آکر ٹھیر گیا۔

صوبہ داروں کا مقابلہ

اب امیرالامراء اور داؤد خاں کے درمیان گفتگو طول پکڑ گئی۔ آخرکار اوائل ماہ رمضان المبارک میں جلوس کے چوتھے سال جنگ کے لئے صفیں آراستہ ہوگئیں، امیرالامراء اپنے لشکر کے ساتھ کہ تقریباً پندرہ ہزار سوار موجود تھے۔ آگے بڑھا، دوسری طرف داؤد خاں کے ساتھ اس دن صرف تین چار ہزار پٹھانوں کی فوج تھی۔ اُس نے امیرامن بکسریہ کو، جو ہمیشہ اس کا میر شمشیر رہتا تھا، ہراول بنا کر میدان میں روانہ کیا۔ برہان پور کے لعل باغ کے میدان میں یہ معرکہ گرم ہوا۔ امیرالامراء کی طرف جو مشہور سردار تھے ان کے نام یہ ہیں۔ سیف الدین علی خاں بہادر، عالم علی خاں یہ دونوں امیرالامراء کے بھائی اور بھتیجے تھے۔ خان خاناں کا بیٹا خان زماں اسد علی خاں، علی مردان خاں، رستم بیگ، التفات خاں، فیروز علی خاں، بسالت خاں اعظم شاہی عرف سلطان نظر جو فوج کا بخشی اور واقعہ نگار تھا، محمد یوسف خاں، داروغہ توپ خانہ ذوالفقار بیگ بخشی اور امیرالامراء کا دیوان، راجہ محکم سنگھ اور میر مشرف جو قدیم ملازم اور بڑا شجاع و بہادر تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے بادشاہی میر اور نامی گرامی ملازم جو برہان پور اور اورنگ آباد کے لئے متعین کئے گئے تھے، یہ سب امیر اور افسر دائیں بائیں اور ہراول پر مقرر تھے۔ غرض دونوں فوجوں میں بڑا سخت مقابلہ ہوا، تلواریں چمک رہی تھیں اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے داؤد خاں حسین علی خاں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے اپنے فیل بان کو تاکیداً

حکم دیا تھا کہ اس کے ہاتھی کو وہ امیرالامراء کے ہاتھی کے قریب پہنچا دے۔

خوں ریز معرکہ

جب پہلا حملہ ہوا تو ہیرا من ہراول نے جو داؤد خاں کے لشکر کا ہدنگ اولیں سمجھا جاتا تھا۔ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ امیرالامراء کے توپ خانہ پر حملہ کر دیا تھا، اور بڑے ہنگامہ کی لڑائی لڑتے ہوئے وہ سادات کی تلوار کا لقمہ بن چکا تھا۔ پھر داؤد خاں کے ہاتھی کے اطراف بڑے بڑے افغان یا تو مارے گئے تھے یا زخمی ہو گئے تھے۔ داؤد خاں کے ساتھ بہت کم آدمی رہ گئے تھے مگر وہ حسین علی خاں کو للکارتا ہوا بڑی بہادری سے حملوں پر حملے کر رہا تھا اور اپنے جاں نثار دو سو تین سو افغان نوجوانوں کو لے کر مسلسل تیراندازی کر رہا تھا، اور امیرالامراء کے قریب پہنچنے کے لئے برابر اپنا ہاتھی بڑھاتا جا رہا تھا اس کے زبردست حملوں سے امیرالامراء کے لشکر میں بڑی افراتفری پھیل گئی اور رستم بیگ توپ خانہ کا داروغہ محمد یوسف، بسالت خاں اور ایک بڑی جماعت اس معرکہ میں کام آگئی اور خان زماں خاں، عالم علی خاں اور چند عمدہ سردار زخمی ہو گئے۔

میر مشرف پر حملہ

اس معرکہ میں میر مشرف نامور بہادر اور قوی ہیکل جوانوں میں سے تھا وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق ہاتھی پر کوہ البرز کی طرح جما بیٹھا تھا۔ اس نے داؤد خاں کے ہاتھی کے سامنے آکر تیر کمان پر چڑھایا۔ داؤد خاں جنگ میں کبھی زرہ بکتر نہیں پہنتا تھا۔ اُس نے میر مشرف کو للکار کر کہا۔ یہ تو نے عورتوں کی طرح چہرہ کیا ڈھانپ رکھا ہے۔ جبلم (آہنی نقاب) اوپر اٹھا تاکہ تیری شکل تو دیکھوں، یہ کہا اور ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گلے کے قریب بڑا کاری زخم لگا۔ میر مشرف نے وہ تیر بڑی دقت سے کھینچ کر نکالا اور عماری میں اُلٹا گر پڑا۔ ایک اور روایت ہے کہ جب دونوں کے ہاتھی ایک دوسرے سے پہلو رگڑنے لگے تھے۔ داؤد خاں کے فیل بان نے اپنے آنکس سے میر مشرف کے پشت اور پہلو پر دو تین ضرب لگائی تھیں، اس اثناء میں میر مشرف کے فیل بان نے اپنے ہاتھی کو داؤد خاں کے ہاتھی سے علیحدہ کر لیا۔ بہرحال میر مشرف

کو جو یہ صدمہ پہنچا تو امیرالامراء کی فوج کو گمان ہوا کہ اس زخم سے میر مشرف کا کام ختم ہو گیا۔ پس حسین علی خاں کی فوج کے دل پر بڑا ہراس اور خوف غالب آگیا۔

داؤد خاں کا قتل

لڑائی کی یہ صورت تھی اور قریب تھا کہ سادات کے لشکر کو ہزیمت ہو جاتی بلکہ اکثر لوگ میدان جنگ سے کنی کاٹ کے کنارہ ڈھونڈ رہے تھے۔ البتہ جان نثار سردار ابھی تک اپنی جگہ کھڑے ہوئے تھے تاہم ایک بڑی جماعت کے قدم اکھڑ چکے تھے مگر عین اس وقت بندوق کی ایک گولی داؤد خاں کو ایسی آکر لگی کہ وہ اس وقت ختم ہو گیا۔ فیل بان اور اس کے ہمراہیوں کو جب اس ہلاکت کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کے ہاتھی کو میدان سے ہٹا لیا۔ امیرالامراء کو جب اطلاع ملی تو اس نے فتح کا شادیانہ بجوادیا، داؤد خاں کا ہاتھی بھی گرفتار کر کے لایا گیا۔ امیرالامراء نے اُس کی لاش کو ہاتھی کی دم سے بندھوا کر شہر میں گشت کرایا۔

مرہٹوں کی لوٹ مار

نیما سندھیا اور دوسرے مرہٹہ سردار امیرالامراء کے رفیق بنے ہوئے تھے مگر دور ہی سے تماشہ دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ جو فوج شکست کھائے اُس کو لوٹ لیں، مگر جنگ کی پیٹ میں ان کے قدم بھی اکھڑ گئے تھے اور وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اب جو امیرالامراء کو فتح ہوئی تو مبارک باد دینے کے لئے پہنچ گئے اور اُن کی فوج داؤد خاں کے بھیر اور مال و اسباب کو لوٹنے میں مصروف ہو گئی، البتہ خزانہ، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ امیرالامراء کی سرکار میں ضبط کر لئے گئے۔ انہی ہاتھیوں میں سے چند ہاتھی اُس نے دو سال بعد دربار میں بھجوا دیئے تھے۔

داؤد خاں کی بیوی

داؤد خاں کے متعلق یہ شہرت تھی کہ وہ نامرد ہے مگر بیان کرتے ہیں کہ احمد آباد کی صوبہ داری کے دنوں میں اس علاقہ کے کسی زمیندار کی لڑکی کو مسلمان کر کے اُس نے عقد کر لیا تھا، وہاں کا دستور بھی یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کو حکام کے نذرانہ میں پیش کر دیتے تھے

اس سے لڑکی کو سات ماہ کا حمل بھی رہ گیا تھا۔ جب داؤد خاں جنگ کے ارادہ سے سوار ہوا ہے تو اس غیرت مند لڑکی نے اس کی کمر سے جمدھر کھول کر رکھ لیا تھا جب اس نے سُنا کہ داؤد خاں مارا گیا تو اسی جمدھر سے اس نے اپنے پیٹ کو چاک کر کے زندہ بچہ کو نکال دیا اور داؤد خاں کی رفیق سفر بن گئی۔ مگر اس واقعہ کا ثبوت نہیں مل سکا۔

فرخ سیر کو صدمہ جب اس لڑائی کی اور داؤد خاں کے مارے جانے کی اطلاع محمد فرخ سیر بادشاہ کو ملی تو اُسے بڑا ملال ہوا اور اُس کے چہرہ کا رنگ اُتر گیا اور قطب الملک سے کہا ایسے باوقار نامور سردار کو بے جا قتل کر دیا۔ سید عبداللہ خاں نے جواب میں عرض کیا۔ اگر میرا بھائی اس پٹھان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو شاید مرضی مبارک کی خوشنودی کا باعث ہوتا۔

ہندو مسلمان اور شیعہ سنّی فساد کی ابتدا

محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا تیسرا سال

اب ہم ان حالات کا ذکر کرتے ہیں جو محمد فرخ سیر کے جلوس کے تیسرے سال احمد آباد میں پیش آئے۔ اور ہندو مسلمانوں کے درمیان فساد پھوٹ پڑا۔ جس کے نتیجہ میں دارالخلافہ دہلی میں خواجہ محمد جعفر درویش اور شیخ عبداللہ واعظ کے مابین تنازعہ پیدا ہوگیا۔ ہم مختصراً ان واقعات کو درج کرتے ہیں۔

ہولی کا فساد

جلوس کے پہلے سال داؤد خاں پنی احمد آباد گجرات کا صوبیدار مقرر ہوا تھا دوسرے سال ہولی کے تہوار کے موقع پر ناخوش گوار واقعہ پیش آیا۔ ایک ہندو کے گھر کے سامنے چند مسلمان رہتے تھے دونوں کے مکانوں کے درمیان صحن مشترک تھا جس رات ہندو ہولی جلاتے ہیں۔ ہندو نے اپنے گھر کے سامنے ہولی جلانے کا انتظام کیا۔ چونکہ صحن مشترک تھا، اس لئے مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ داؤد خاں چونکہ کافروں کی پشت پناہی کرتا تھا اس لئے ہندو نے ہٹ دھرمی دکھائی کہ مجھے اختیار ہے کہ میں اپنے گھر میں جو چاہوں کروں اور حجت بازی کر کے اس نے ہولی جلا دی۔ دوسرے دن مسلمان نے جو اس کے مقابل رہتا تھا حضور اکرم سرور کائنات کی فاتحہ کا کھانا پکوایا اور اس ہندو کی مخالفت میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہ جگہ میرے گھر میں داخل ہے گائے لاکر

ذبح کردی۔ اس واقعہ پر محلہ کے تمام ہندؤں نے جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان قلیل تعداد میں تھے گھروں میں محصور ہو گئے۔ ہندؤں نے بے باکی سے گاؤ قصاب کے چودہ پندرہ سالہ بیٹے کو اور ایک قول کے مطابق بوہرہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو جو اُن کے ہاتھ آگیا تھا پکڑ کر نیچے گرایا اور ذبح کر دیا۔ کافروں کے اس وحشیانہ ظلم کی خبر پھیلی تو مسلمانوں میں بڑا اشتعال پھیل گیا۔ ہر طرف سے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور انھوں نے عام بلوے کا اعلان کر کے ہندؤں پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اسلام کی حمیت وغیرت میں احمد آباد کے پورہ جات سے خود داؤد خاں کے ہزاروں پٹھان ملازم بھی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس مجمع میں شامل ہو گئے اور شہر کے بوہروں کا بھی بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ یہ سب مل کر قاضی کے گھر پر پہنچے۔ قاضی نے فساد اور بلوہ کے اندیشہ سے اور صوبہ داری کی جانب داری کے خیال سے اپنا دروازہ بند کرا دیا اور ان کی فریاد نہیں سنی۔ یہ بھی مشہور ہے کہ داؤد خاں کی طرف داری اور رعایت کے خلاف خود قاضی کے اشارہ پر مسلمانوں نے قاضی کے گھر کے دروازہ کو آگ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی چوک میں بازاروں اور راستوں میں ہندؤں کی دکانوں اور گھروں کو بھی آگ لگا دی گئی اس ہنگامہ میں بزازوں اور دوسرے تاجروں کی بہت سی دکانیں لوٹ لی گئیں اور تباہ ہو گئیں۔ اس کے بعد مشتعل ہجوم کپور چند جوہری کے گھر کو جلانے روانہ ہوا کپور چند بہت بدنام تھا۔ داؤد خاں کا مصاحب بنا ہوا تھا۔ نہایت متعصب شدید العداوت ہندو تھا اور سارے فتنہ کی اصل جڑ وہی تھا۔ کپور چند کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے محلہ کا دروازہ بند کرا کے برقندازوں کی ایک جمعیت متعین کر دی اور جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ لڑائی میں ہندؤں اور مسلمانوں کی ایک جماعت کام آگئی۔ احمد آباد کے بازاروں میں یہ فساد اتنا شدید تھا کہ تین چار دن تک بازار بند رہے اور کاروبار معطل ہو گئے۔

شاہ عبدالعزیز کی گرفتاری

اس ہولناک ڈرامہ کا دوسرا منظر دارالخلافہ دہلی میں پیش آیا۔ فریقین کی بڑی بڑی جماعتیں

میں استغاثہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ داؤد خاں نے ایک محضر تیار کر کے کپور چند کو دیدیا جس پر اپنی اور دوسرے حکام کی مہریں لگا دیں۔ اس محضر میں مسلمانوں پر ہی ظلم و تعدی کا الزام لگایا گیا تھا۔ کپور چند یہ محضر لے کر دارالخلافہ شاہجہاں آباد پہنچ گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ بوہروں اور دوسرے مسلمانوں کا وفد لے کر دربار میں پہنچے۔ قطب الملک سید عبداللہ خاں کے دیوان راجہ رتن چند کو اپنی قوم کی جانب داری کرنی تھی۔ اس نے اس محضر کو بہانہ بنا کر جو ہندو اپنے ساتھ لائے تھے۔ شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ کو اور مسلمانوں کے وفد کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ان لوگوں کو قید سے چھڑانے کے لئے خان دوراں بخشی کے بھائی خواجہ محمد جعفر نے جو مشہور گوشہ نشین درویش تھے۔ بڑی دوڑ دھوپ کی، جیسے ان کو اس واقعہ کی اور مسلمانوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی انھوں نے خانِ دوراں کے توسط سے ان کی رہائی کا انتظام کرایا۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد علی واعظ اور خواجہ محمد جعفر کے درمیان دوستی اور محبت کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان ہی تعلقات کے ضمن میں دہلی میں ایک اور قضیہ اٹھ کھڑا ہوا۔

خواجہ جعفر کی بدعتیں

خواجہ محمد جعفر کے ہاں معمول تھا، قوال حضرت خاتم النبیین کی نعت اور ائمہ طاہرین کی منقبت میں اشعار پڑھتے تھے خواجہ ائمہ کے مناقب بڑی رغبت اور شوق سے سنتے تھے۔ غالباً ان کے اثر کی وجہ سے ہی شیخ محمد علی بھی وعظ کے وقت حمد اور نعت کے بعد ائمہ اثنا عشرہ کی منقبت میں چند فقرے ضرور کہتے تھے۔ انہی دنوں شیخ عبداللہ نامی واعظ جو ملتان سے آئے ہوئے تھے اور جامع مسجد میں وعظ کہتے تھے۔ خواجہ محمد جعفر سے ملنے اُن کے گھر گئے۔ انھوں نے خواجہ کی مجلس میں دیکھا کہ اُن کے بعض مرید اور معتقد سلام کے بجائے زمین بوس ہو کر آداب کرتے ہیں۔ اور اکثر قوال بارہ اماموں کی منقبت میں قوالی گا رہے ہیں، تو شیخ عبداللہ نے نصیحت کے طور پر کہا، سجدہ بجز معبودِ برحق کے کسی کو سزاوار نہیں، اور گانا سننا ویسے بھی شریعت

کے خلاف ہے۔ پھر اس اہتمام سے کہ قوالی میں عمداً اہل بیت کی تو منقبت ہو اور صحابۂ کبار کا نام تک نہ لیا جائے۔ اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے"۔ خواجہ نے جواب میں کہا "ہم فقراء ذات پاک حق کے سوا کسی کو موجود ہی نہیں جانتے۔ پھر کسی طرح ہم غیر حق کو سجدہ کرنے پر راضی ہو سکتے ہیں یہ لوگ فرط اخلاص سے ہر جگہ اپنے معبود کو حاضر جان کر زمین بوسی کرتے ہیں اور روکے نہیں رکتے ہمارا اس میں کیا قصور ہے؟"

آں را کہ بکوئے حقیقت راہ است — از سر وجود ازلی آگاہ است
میداند اگر ذرہ بود یا خورشید — در دیدۂ عاشقاں جمال اللہ است

اب رہ گئے یہ قوال تو انھوں نے جو کچھ اپنے استاد سے سیکھا ہے وہی پڑھتے ہیں، اُن کو منع کرنا ہم نے کچھ ضروری نہیں جانا۔ اگر آپ کو اصحاب کرام کے مناقب میں اشعار یاد ہوں تو ان کو بتا دیجئے، ہم ان اشعار کے پڑھنے پر بھی اُن کو مامور کر دیں گے۔ شیخ عبداللہ نے یہ جواب سُن کر سمجھ لیا کہ خواجہ شیعہ مذہب کی طرف مائل ہے۔ چنانچہ وہ بہت آزردہ خاطر وہاں سے اُٹھ گئے۔

شیخ عبداللہ کا وعظ

اگلے جمعہ کو جامع مسجد میں شیخ عبداللہ نے وعظ میں خواجہ کے علی الرغم بعض متعصب متاخرین کے اقوال و اعتقاد بیان کئے۔ جیسے حضرت علیؓ امیر المومنین آل عبا میں داخل نہیں ہیں اور علوی کو سید نہیں کہا جا سکتا اور پنج تن پاک کہنا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے، اگر ان پنج تن کو پاک کہا جائے تو کیا دوسرے اصحاب کبار پاک نہیں تھے اسی طرح انھوں نے امامیہ مذہب کے خلاف اور چند باتیں کہیں۔ خواجہ محمد جعفر کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شیخ عبداللہ کو پیغام دیا کہ وعظ میں ان بحثوں کو چھیڑنا اہل سنت کے طریقہ کے خلاف ہے، بلکہ اس پر خارجیوں کے رویہ کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر آپ غریب خانہ پر تشریف لے آئیں یا کوئی دوسری جگہ مقرر کریں تو دوسرے علماء کے ساتھ ان اقوال کے متعلق جو آپ بیان کرتے ہیں عقلی و نقلی دلائل سے مباحثہ کر لیا جائے اور آپ معتبر کتابوں سے ان کو خاطر نشین کرا دیں۔ اُمید ہے یہ زحمت بے نتیجہ نہیں رہے گی

شیخ عبداللہ نے اس کا جواب سختی اور درشتی سے دیا۔

جامع مسجد دہلی میں حادثہ

اتفاق سے اسی قریب میں جمعہ کے دن وعظ کے دوران چند مغل زادے جن کی وضع قطع اثناعشریوں کی تھی۔ کربلا کی تسبیحیں گردن اور بازو پر لپیٹے مجلس میں آکر بیٹھ گئے اور تیز و تند نگاہوں سے شیخ عبداللہ کو گھورنے لگے۔ دوسری طرف دو تین ہزار سامعین نے یہ سمجھا کہ یہ جماعت خواجہ کی فرستادہ ہے اور یہ شیخ کو قتل کرنے آئے ہیں۔ انھوں نے رافضیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ مغل زادے پیچ و تاب کھا کر مسجد سے نکل گئے۔ جس وقت وہ جماعت مسجد سے اٹھی ایک شامت کا مارا ہندو جو سپاہیوں کی وضع میں تھا مسلمانوں کا وعظ سننے کی خواہش میں آیا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے ہی اُٹھ کر جانے لگا۔ مسجد کے ایک خادم نے اس خیال سے کہ یہ ہندو بھی اسی جماعت کے ساتھ آیا تھا جو شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتی تھی اس کو پکڑنے اور مارنے کے لئے دوڑا اور اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے اس ہندو نے گھوم کر جمدھرسے مؤذن پر حملہ کر دیا اور وہ شہید ہوگیا۔ لوگوں نے اس ہندو کو بھی قتل کر دیا اور مسلمانوں نے اس تحقیق کے لئے وہ ہندو کس کا بھیجا ہوا تھا دو تین دن تک اس کی لاش اٹھانے نہیں دی۔

شیخ اور خواجہ شہر بدر

ان واقعات کے پیش آنے پر شیخ عبداللہ کے چند ہوا خواہوں اور عالموں نے محمد فرخ سیر بادشاہ کے پاس استغاثہ کیا کہ خواجہ محمد جعفر اہل سنت کے دین میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں لفظ "وصی" پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا تھا اور وہ بات چل نہ سکی تھی۔ اب اس سے بھی زیادہ بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا۔ اس کا سد باب یہی ہے کہ خواجہ محمد جعفر کو شہر بدر کر دیا جائے۔ ان دنوں دہلی کی فضا بالکل بدلی ہوئی تھی۔ پہلے شاہجہاں آباد دہلی کے ہر معرکہ اور ہر بازار میں ائمہ اثناعشری کی مدح و منقبت کا ذکر ہوتا رہتا تھا، مگر جامع مسجد کے ہنگامہ کے بعد دہلی کی گلیوں بازاروں میں رافضیوں کی مذمت کے سوا کچھ اور سننے میں نہیں آتا تھا۔ جب بادشاہ

کے پاس استغاثہ کیا گیا تو محمد فرخ سیر نے شریعت خاں قاضی دربارے ان مسائل پر رائے طلب کی قاضی نے کہا - خواجہ محمد جعفر کی بداعتقادی شرعاً ثابت نہیں ہوتی اور جو کچھ شیخ عبداللہ کہتا ہے وہ اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتابوں کے مطابق نہیں، تاہم رفع شر کے لئے خواجہ محمد جعفر سکونت تبدیل کردے تو بہتر ہے ؛ خان دوران نے بھی اس سلسلہ میں خواجہ سے بات چیت کی اور اُسے آمادہ کرلیا کہ چند دن کے لئے وہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر جاکر ٹھیر جائیں تاکہ یہ فتنہ دب جائے۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری

خان دوراں نے شیخ عبداللہ کو بھی طلب کرکے معلوم کیا کہ وہ کس مطلب اور مدعا سے اس شہر میں آیا ہے پھر اس کی غرض اور مطلب کو پورا کرکے دو تین روز میں اسے بھی ملتان روانہ کردیا گیا۔ ملتان جانے کے بعد بھی وہاں کے ناظم عقیدت خاں سے اس نے انہی روایات پر بحث مباحثہ کیا اور اس حد تک معاملہ بڑھ گیا کہ عقیدت خاں نے بادشاہ کے پاس محضر بھیج کر گرز بردار کو بلوایا اور اسے گرفتار کرکے دربار میں بھجوا دیا۔ شیخ عبداللہ کے معتقدوں اور پیروؤں نے اس کی رہائی کے لئے تعاقب کرکے گرز برداروں پر حملہ کردیا اور دونوں طرف سے چند آدمی زخمی ہوگئے۔ مگر شیخ عبداللہ کو وہ چھڑا نہ سکے۔ دربار میں پہنچنے کے بعد اس کو قید کردیا گیا اور وہ سادات کے عہد تک برابر نظر بند رہا۔

سکھوں کی بغاوت کا خاتمہ

محمد فرخ سیر کے جلوس کا چوتھا سال

سکھوں کی بغاوت

محمد فرخ سیر کے جلوس کے چوتھے سال مطابق سن گیارہ سو اٹھائیس (چھبیس)[۲۶] میں جو فتوحات عبدالصمد خاں دلیر جنگ اور دوسرے امراء کے ہاتھ پر ہوئیں ان میں اہم ترین واقعہ سکھوں کے گرو کی گرفتاری اور قتل کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے ہم ان کے خروج و سرکشی کے حالات لکھ چکے ہیں کہ خلد منزل بہادر شاہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی تھی اور خان خاناں کو تیس ہزار سوار دے کر مقابلہ پر بھیجا تھا۔ پھر جب لوہ گڑھ کا محاصرہ کر لیا گیا تو وہ موقع پا کر نکل گیا تھا پھر اس کی سرکوبی کے لئے محمد امین خاں بہادر، آغر خاں، رستم دل خاں، انعام خاں اور دوسرے امراء کو مقرر کیا گیا۔ مگر باوجود طویل محاصرہ کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا تھا، اس دوران میں سکھوں نے پرگنوں کو لوٹ مار کر کے تاراج کر دیا اور ہندو مسلمانوں کے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو وہ قتل کرتے رہے، مساجد اور بزرگوں کے مقبروں کو مسمار کر دیا۔ چنانچہ شاہجہاں آباد اور پنجاب کے صوبوں میں اکثر قصبے اور محالات اسی کے ہاتھوں تباہ اور ویران ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو "سچا بادشاہ" کا لقب دے رکھا تھا اور تقریباً تیس چالیس ہزار جنگی سوار اور پیادے جمع کر لئے تھے۔ یہ سب کے سب دل و جان سے اس کے مرید اور اطاعت گذار تھے اور اپنے جان و مال کو قربان کر دیتا

بڑی سعادت سمجھتے تھے مسلمانوں کو مسجد دل مقبروں کو نقصان پہنچانا عبادت حسنہ سمجھتے تھے۔ یہ حالات ہم نے خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

سکھوں کی غارت گری

ان دنوں سکھوں نے صوبہ پنجاب میں شاہجہان آباد سے دس بارہ روز کی مسافت پر ایک قلعہ گرو داس پور (گورداسپور) کے نام سے بنالیا تھا یہ ان کے سابق گرو کا عبادت خانہ تھا۔ اس کے اطراف بڑا احاطہ بناکر یہ قلعہ بنالیا تھا۔ اس میں پچاس ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ جمع ہو سکتے تھے۔ اس قلعہ کے برج اور فصیل کو مستحکم کرکے پناہ گاہ بنا رکھی تھی اور اطراف کے سیر حاصل پرگنوں کو اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا اور آئے دن وہ لاہور اور سہرند عرف سرہند تک تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے۔ بادشاہ نے عبدالصمد خاں دلیر جنگ کو دارالسلطنت لاہور کی صوبہ داری پر روانہ کردیا تھا اس کو اس کے بیٹے زکریا خاں کے ساتھ اس بدبخت گرو کی سرکوبی پر مامور کردیا گیا۔ اس کی کمک اور مدد کے لئے اعتمادالدولہ کے بیٹے قمرالدین خاں، محمد امین خاں بہادر آغر خاں اور والاشاہی مغلوں اور احدیوں کی فوج کو توپ خانہ کے سرو سامان کے ساتھ روانہ کردیا۔

گورداسپور کا محاصرہ

عبدالصمد خاں دلیر جنگ توران کے نامی گرامی خاندان کا بہادر اور کارگزار امیر تھا۔ جب وہ اس کی گڑھی کے قریب پہنچا تو گرو کی فوج ٹڈی دل کی طرح نکل کر مقابلہ پر آگئی اور بادشاہی لشکر پر سخت حملے کرکے بڑی افراتفری پیدا کردی۔ وہ مسلسل بڑی بہادری سے حملے کرتے جارہے تھے اور ایک بڑی تعداد دونوں طرف سے کام آگئی، مگر مغل سواروں نے بڑی ہمت اور مردانگی سے ان پر جوابی حملہ کیا اور چاروں طرف سے انھیں رگیدرگید کر احاطہ میں ان کو دھکیل دیا اور بری طرح ان کو ہزیمت دی۔ محاصرہ کے دوران وہ باربار نکل کر چھاپے اور شب خون مارتے رہتے تھے۔ دلیر جنگ نے مجبور ہوکر ان کے قلعہ کے مقابل اپنے لشکر کے اطراف خندق کھدوائی اور مورچہ بندی کرلی۔ محاصرہ کافی طویل ہوگیا۔ سکھ گڑھی سے نکل نکل کر مسلمانوں کے مورچوں پر دلیرانہ حملے کرتے

رہتے تھے۔ ان حملوں میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ عبد الصمد خاں بھی ان کے مقابلہ پر تدبیر و کوشش میں لگا ہوا تھا۔ تفصیلات لکھی جائیں تو بڑی طوالت ہو گی۔

بھوک اور فاقہ کا شکار

بہرحال بادشاہی فوج نے رسد غلہ اور چارہ گھاس کی ناکہ بندی کر دی قلعہ میں جو کچھ ذخیرہ تھا وہ ختم ہو گیا اور روز بروز ان کی ناکہ بندی سخت ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ لشکر کے آدمیوں کو ملا کر دو دو روپیہ تین روپیہ آثار کے حساب سے تھوڑا بہت غلہ خرید لیتے تھے اور ان کے سردار چکنی چکنی دوا کی طرح زہرمار کر لیتے تھے۔ ملت کفر میں ان کی ذات ابھی تک غیر مشخص تھی اور اب ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس لئے گائے بیل اور چوپائے جتنے بھی تھے ذبح کر کے کھا گئے، اور جلانے کی لکڑی نہ مل سکی تو کچا گوشت ہی چبا کر چٹ کر لیا۔ فاقہ اور بھوک سے روزانہ کئی آدمی ہلاک ہو رہے تھے۔ قلعہ سے نکل کر وہ مورچوں پر برابر حملے کرتے رہے اور لوگوں کو شہید اور زخمی کر کے بھاگ جاتے تھے۔ بادشاہی لشکر نے مورچے بڑھا کر اور بھی حلقہ تنگ کر دیا۔ اب تو وہ جانوروں کی ہڈیوں کا آٹا اور درختوں کی چھال کھا کر گذر کرنے لگے۔ اور تقریباً سات آٹھ ہزار آدمی بھوک اور فاقہ سے جہنم رسید ہو گئے اور ایک بڑی تعداد فرار ہوتے ہوئے مغلوں کی تلوار کا لقمہ بن گئی۔ بادشاہی لشکر اس قوم کی بہادری اور جاں نثاری کو دیکھ کر یہ اندیشہ کر رہا تھا کہ کہیں یہ لوگ ایک ساتھ باہر نکل کر اور سینہ سپر لڑتے ہوئے اپنے نابکار سردار کو نکال نہ لے جائیں۔ ان کے گروکے متعلق یہ شہرت بھی تھی کہ وہ کتے بلی کی صورت میں نکل جاتا ہے۔ اس لئے قلعہ کی طرف کوئی کتا بلی نظر آ جاتی تھی تو لشکری تیر اور پتھر مار کر اسے ہلاک کر دیتے تھے۔

سکھوں کے گرو کی اطاعت

جب ایک مدت تک یہ حال رہا اور ان کو نجات کی کوئی امید نہیں رہی تو انھوں نے جان بخشی کی درخواست کی دلیر جنگ پہلے تو ان کو امان اور جان بخشی کا قول دینے پر راضی نہیں تھا بعد میں مصلحتاً اس نے قبول کر لیا کہ بادشاہ کے پاس ان کے قصوروں کی معافی کے

لئے کوشش کی جائے گی۔ آخر اُن کا سرغنہ گرو اپنے سات آٹھ سالہ بیٹے اور اپنے دیوان اور تین چار ہزار نیم جان سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ عبدالصمد خان کے حکم سے دو تین ہزار آدمیوں کو اسی وقت تہ تیغ کر کے خون کی ندیاں بہا دی گئیں ؎

دراں سرزمین دشت وغا کی کرلود

گی ارمنی شد زخون ... بہود

ان کی کھالوں میں گھاس بھر کر نیزوں پر لٹکا دیا گیا اور بقیۃ السیف کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے کے لئے قید کر لیا گیا۔ مقتولوں کی ایک جماعت نے زندگی کی توقع میں اشرفیاں نگل لی تھیں، مگر جب وہ کیفر کردار کو پہنچ گئے تو لوگوں نے ان کے پیٹ چاک کر کے اشرفیاں نکال لیں بازار کے لفنگوں اور مغلوں کو غنیمت میں کافی رقم ہاتھ آگئی۔ دیکھو دنیا کے مال کی طمع بھی کیسی بری چیز ہے۔

سکھ اسیر دہلی میں

جب عبدالصمد خان کے اس کارنامہ کی عرض داشت دربار میں پہنچی تو بادشاہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور حکم صادر ہوا کہ اس بدبخت کو مقتولوں کے سروں اور اسیروں کے ساتھ بھیج جائے۔ عبدالصمد خان نے اپنے بیٹے زکریا خاں اور قمرالدین خاں کے ساتھ تقریباً دو ہزار مقتولوں کے سر جن میں گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک ہزار اسیر جو زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے روانہ کر دیئے اس سال ماہ محرم کے وسط میں یہ اسیر اور مقتولوں کے سر دارالخلافہ دہلی کے قریب پہنچے بادشاہ نے اعتمادالدولہ محمد امین خاں بخشی کو حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر جا کر بدبخت گرو کو اور اس کے ہمراہیوں کو تختہ کلاہ اور روسیاہ کر کے گرو کو ہاتھی پر اور دوسروں کو اونٹوں پر سوار کرائیں اور سروں کو نیزوں پہ بلند کر کے شہر میں لائیں تاکہ مردم آزار آدمیوں کو دیکھ کر عبرت ہو۔ جب وہ شہر میں لایا گیا اور بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا تو اس کو اس کے بیٹے اور دو تین معتبر ہمراہیوں کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ دوسروں کے لئے حکم ہوا کہ روزانہ دو سو تین سو آدمیوں کو کوتوالی کے سامنے اور بازار کے راستہ میں قتل کر دیں۔

گروکا عبرت ناک انجام

کھتری قوم کے لوگ خفیہ طور پر اس کے معتقد اور مرید تھے۔ انھوں نے محمد امین خاں اور دوسرے متوسل امیروں کو اس کی جان بخشی کے لئے بھاری رقمیں پیش کیں، مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی جب سب کو قتل کردیا گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کر پہلے تو اُس کے بیٹے کو اُس کے سامنے بلکہ خود اس کے ہاتھ اس طرح قتل کراؤ، جس طرح بے رحمی سے اس ملعون نے دوسروں کے بیٹوں کو قتل اور ذبح کیا ہے قتل کے بعد اس کے عضو عضو کو جُدا کردیں اور اسی طرح اُس کے رفیقوں کو بھی قتل کردیا جائے۔ سچ ہے سہ

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو زجو

سکھوں کی عقیدت وجاں نثاری

اس گمراہ فرقہ کی عقیدت کے بارے میں کئی ایک قصے مشہور ہیں، مگر میں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کو میں تحریر کرتا ہوں۔ جس زمانہ میں ان کو موت کی سزائیں دی جارہی تھیں۔ ان میں سے ایک نوخیز نوجوان کی ماں جو ابھی ابھی اُن کے ساتھ شامل ہوا تھا وسیلہ اور ذریعہ پیدا کرکے بادشاہ کے اور سید عبداللہ خاں کے پاس فریاد واستغاثہ لے کر آئی۔ اور بڑی رقت وعاجزی سے درخواست کی، کہ میرا بیٹا اس گمراہ گرو کے قیدیوں اور ستم زدگوں میں تھا، گو سکھوں نے ہمارا مال واسباب لوٹنے کے بعد اُسے اسیر بنالیا تھا، وہ بے گناہ ان مجرموں میں شامل کردیا گیا ہے۔ محمد فرخ سیر کو اس مکار عورت پر رحم آگیا اور اُس کے بیٹے کی رہائی کے لئے شاہی کارندے کو روانہ کردیا۔ وہ عورت رہائی کا پروانہ لے کر عین اس وقت مقتل میں پہنچی۔ جب کہ جلاد اس کی گردن اڑانے کے لئے تلوار کھینچ چکا تھا۔ اس کے لڑکے کو جب معلوم ہوا تو وہ چیخ کر کہنے لگا "میری ماں جھوٹ کہتی ہے میں تو دل وجان سے اپنے گرو کا معتقد اور مرید ہوں، مجھے بھی جلدی میرے رفیقوں کے پاس پہنچادو۔"

سکھوں کے گرو کا جواب

کہتے ہیں اعتماد الدولہ محمد امین خاں نے سکھوں کے گرو سے ملاقات کے وقت پوچھا تھا کہ تیرے چہرہ سے عقلمندی کے آثار ظاہر ہیں آخر کس بات نے تجھے اس پر آمادہ کیا کہ مکافات اعمال کا تجھے خوف نہیں ہوا اور تو نے چار روزہ زندگی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں پر اتنے ستم اور مظالم ڈھائے" اس نے جواب دیا" تمام مذاہب میں یہ ہوتا رہا ہے کہ جب بھی لوگ معصیت اور نافرمانی میں حد سے بہت آگے نکل جاتے ہیں تو منتقم حقیقی اُن کی بدکرداریوں کی سزا میں مجھ جیسے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ گناہوں کا خمیازہ بھگت لیں" ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمی
نہد ملک در پنجۂ ظالمی

اس کے بعد خدا اس ظالم کے کرتوتوں کی تلافی کے لئے تم جیسے صاحب اقتدار کو تسلط دے دیتا ہے کہ اس کے اعمال کی سزا اسی دنیا میں مل جائے بس یہی تماشہ ہے جو ہم اور تم دیکھ رہے ہیں۔

مغلوں کی برطرفی اور شورش

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا پانچواں سال)

جھندوں کی سرکشی

اس سال کے آغاز ہی میں صوبہ پنجاب کے ایک عمدہ زمیندار عیسٰی خاں جھند کی سرکوبی کا واقعہ پیش آیا جس کا حال ہم مختصر لکھتے ہیں۔ عیسٰی خاں زمیندار پیشہ راجپوتوں کے خاندان سے تھا، بادشاہی منصب داروں کے جرگہ میں وہ امتیاز رکھتا تھا مگر زمانہ کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر اس نے نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور دور دراز کے جاگیرداروں کے محالات کے محصول پر زبردستی قبضہ کرلیا اور کبھی کبھی کابل و کشمیر کے راستوں پر راہزنی کرتا رہا اور قافلوں کو لوٹنے لگا اور صوبہ داروں اور حکام کے خلاف بغاوت پر کاربند رہا صوبہ داروں اور فوجداروں نے کئی بار اس کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ مگر ان کو ہر بار شکست اٹھانی پڑی۔ اس زمانہ میں اُس نے رسل و رسائل بڑھایا و تحائف بھیج کر خان دوراں سے ربط ضبط پیدا کرلیا تھا اور دونوں میں خطوط کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

عیسٰی خاں جھند کا انجام

عبدالصمد خاں بہادر گرو کی مہم سے فارغ ہو کر اس کی سرکوبی کے لئے چلا گیا اور اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ اسی دوران میں عبدالصمد خاں کے نائب سے

اس کا مقابلہ ہوگیا۔ ایک کثیر فوج لے کر بڑے طنطنہ کے ساتھ میدان جنگ میں آیا مگر باغیوں سرکشوں کا انجام ہمیشہ براہی ہوتا ہے۔ ایک سخت لڑائی کے بعد جس میں دونوں طرف سے بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے وہ بھی موت کے گھاٹ اُتر گیا۔ اس کا سرکاٹ کر اُس کے چھوٹے بیٹے کو اور اس کے دیوان کو قید کرکے دربار میں بھیج دیا گیا۔

عظیم آباد کا باغی

اس سال ایک اور فتح کی خوش خبری ملی کہ باغی اور فتنہ پرداز دہیر قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی مختصراً تفصیل یہ ہے کہ دہیر صوبہ عظیم آباد کا مبنیہ فسادی اور سرکش زمیندار تھا۔ بارہا اُس نے شاہزادوں اور اس ضلع کے صوبہ داروں کی فوجوں سے مقابلے کیے تھے اس کی سرکشی اور بغاوت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی آئے دن فوجوں اور قافلوں کو لوٹتا رہتا تھا۔ جب میر جملہ وہاں کا صوبہ دار مقرر ہوکر آیا تو اس وقت اس صوبہ کی سیر حاصل جاگیر کے محالات دہیر کی دست برد میں تھے اور وہ کسی صورت عمل دخل نہیں دیتا تھا۔ میر جملہ نے ضابطہ سے زیادہ فوج بھی متعین کی اور سرکاری خزانہ اور اپنے ذاتی خزانہ سے کافی رقم اس مہم پر خرچ کر دی مگر اس پر وہ قابو نہ پا سکا۔ پھر اس دوران میں مغل سپاہیوں نے پٹنہ کے شہریوں اور رعیت پر بہت زیادہ مظالم ڈھائے آخر میر جملہ اس صوبہ سے تنگ آگیا اور بادشاہ کے تقرب کی آرزو میں صوبہ داری چھوڑ کر دربار میں آگیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

سربلند خاں کا تقرر

میر جملہ کے بعد صوبہ عظیم آباد پر سربلند خاں کو مقرر کیا گیا۔ سربلند خاں نے ملک کے نظم و نسق اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے پوری توجہ مبذول کردی۔ اس دوران میں دہیر جس کی تاخت و تاراج سے تمام رعیت اور جاگیردار تنگ آچکے تھے، دوبارہ اپنی جمعیت لے کر نکلا اور پٹنہ کے نواح میں لوٹ مار کرنے لگا، سربلند خاں ایک بھاری فوج لے کر اس کی سرکوبی کے لئے نکلا دونوں طرف سے سخت مقابلے ہوئے اور ایک بڑی جماعت ماری گئی اور شہید

ہوگئی اور دتھیر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مشہور یہی ہے کہ وہ جنگلوں میں آوارہ گردی کرتے ہوئے اپنے کسی ساتھی کے یا سربلند خاں کے سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا اور قدرت نے مظلوموں کا انتقام لے لیا۔

مغل فوج کی برطرفی

محمد فرخ سیر بادشاہ نے لطف اللہ خاں صادق کی تجویز پر حکم دیدیا تھا کہ دو بیسی سے لوصدی تک کے بادشاہی منصب داروں اور سات آٹھ ہزار والا شاہی سواروں کو جاگیر پانے تک ماہانہ پچاس روپیہ خزانہ سے ادا کردیا جائے بشرطیکہ وہ گھوڑوں کو داغ کرادیں۔ والا شاہی سواروں نے رفاقت وجاں بازی کا حق ثابت کردیا تھا اور ان کے دس بارہ ماہ کے مطالبات سرکار کی طرف ۔۔۔ تھے۔ ان میں سے ایک جماعت جاگیر کی امید پر خدمت انجام دے رہے تھے۔ والا شاہی جمعیت میں بیشتر مغل سوار تھے۔ بادشاہ نے ان کی برطرفی کے احکام یک قلم صادر کردیئے اور بخشیوں نے ان کو جواب دیدیا تو بڑی شورش پیدا ہوگئی۔

میر جملہ کی واپسی

اسی زمانہ میں جب کہ مغلوں کی برطرفی کی شورش بہ پا تھی عظیم آباد میں میر جملہ سخت پریشان تھا۔ فوج کے مطالبات پر وہ بادشاہی خزانہ سے کافی رقم خرچ کرچکا تھا اس کے باوجود مغل رعیت کو برابر تنگ کرتے رہتے تھے اور ان کے مظالم کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں اس کا وہاں ٹھیرنا مشکل ہوگیا پھر وہ خود بھی بادشاہ کے قریب رہنے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ وہ عظیم آباد سے خفیہ طور پر جریدہ سوار ہوکر نکل گیا۔ فوج تو فوج اس کے بعض ملازموں تک کو اس کی روانگی کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس نے بڑی تیزی سے یلغار کی۔ ڈیڑھ ماہ کا راستہ چودہ پندرہ دن میں دریائے جمنا کے کنارے کنارے طے کرلیا۔ اکبر آباد سے دو تین منزل پر وہ کشتی میں سوار ہوگیا اور اچانک رات کے وقت دارالخلافہ شاہجہاں آباد کے قلعہ پر پہنچ گیا۔ انہی دنوں ہر ہفتہ اور ہر مہینہ کوئی نہ کوئی افواہ اڑتی رہتی تھی کہ بادشاہ قطب الملک سید عبداللہ خاں کے خلاف سازش اور منصوبہ بازی میں مشغول

ہے۔ اب جو میر جملہ خفیہ طور پر اچانک آ گیا تو یہی افواہ اڑی کہ بادشاہ نے عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کے لئے اسے طلب کیا ہے۔ میر جملہ نے حاضری دی تو بادشاہ نے اس سے ملاقات نہیں کی اور پٹنہ کی رعایا کی بدحالی پر اور بغیر حکم چلے آنے پر بہت سرزنش کی۔ میر جملہ بھی شرمندہ ہو کر قطب الملک کے پاس آیا اور عاجزی و انکساری سے درخواست کی کہ قطب الملک قصوروں کی معافی کے لئے بادشاہ کے پاس اس کی سفارش کر دے، مگر ان سب باتوں کو لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ وزیر کو قید کرنے کی حیلہ بازیاں ہیں۔

معزول منصب داروں کی شورش

اسی زمانہ میں کسی درپردہ اشارہ پر یا اتفاقاً برطرف شدہ سات آٹھ ہزار منصب داروں نے محمد امین خاں بخشی، خان دوران نائب امیرالامرا۔ اور میر جملہ کے گھروں پر مسلح اور زرہ بکتر پہن کر اپنے مطالبات کی وصولیابی کے لئے ہجوم کر دیا اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ اپنی حویلی اور محل مطالبات کے عوض سپرد کر دیں۔ اس سلسلہ میں عام طور سے یہی مشہور ہوا کہ یہ سب ہنگامہ خود بخشیوں کے اشارہ پر ہو رہا ہے اور یہ لوگ موقع پا کر سب کو قطب الملک سید عبداللہ خاں کے گھر پر لے جانا چاہتے ہیں، اور مطالبات کے بہانہ حملہ اور یورش کر دینے کی فکر میں ہیں۔ اس اندیشہ پر قطب الملک بھی اپنی متفرق فوجوں کو جمع کرنے لگا۔ غیرت خاں اس کا رشتہ دار ان دنوں نارنول کی فوجداری پر مامور تھا وہ بھی بارہہ کی تازہ جمعیت لے کر دہلی پہنچ گیا تھا۔ دہلی کے بازاروں اور راستوں پر چار پانچ دن تک بڑا ہنگامہ اور کشیدگی رہی۔ ایک طرف مغل آمادہ فساد تھے۔ دوسری طرف قطب الملک کی جمعیت ہاتھی گھوڑوں پر سوار تھی اس ہنگامہ میں میر جملہ بدحواس ہو گیا اور محمد امین خاں کے گھر پناہ گزیں ہو گیا۔ لوگ ہر طرف سے اسے لعنت ملامت کر رہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر یہ طے پایا کہ بادشاہ رفع فساد کی خاطر اور قطب الملک کے اطمینان کے لئے میر جملہ کو معتوب اور کم منصب کر کے عظیم آباد کی صوبہ داری سے سرہند اور پنجاب

پر روانہ کر دے۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا اور بادشاہ نے مراد آباد کی فوجداری پر نظام الملک بہادر فتح جنگ کو مقرر کر دیا نظام الملک نے یہ خدمت بعض فتنہ انگیزی کے سد باب کی خاطر قبول کر لی۔

مصلحت وقت کے تحت یہ انتظامات کئے گئے تھے مگر عرصہ دراز تک لوگوں میں یہی چرچا رہا کہ بادشاہ نے سرہند اور صوبہ پنجاب پر میر جملہ کو کسی خاص غرض سے ہی بھیجا ہے اور وہ اسے دوبارہ طلب کرنے کی فکر میں ہے۔ جب بھی بادشاہ شکار کے لئے تین چار ماہ کے لئے شہر سے باہر جاتا تھا تو لوگ یہی کہتے تھے کہ وہ سید عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کی خاطر ہی باہر گیا ہے۔ ان افواہوں سے قطب الملک بھی ہمیشہ اندیشہ ناک رہتا تھا اور ہمیشہ فوج تیار رکھتا تھا اور بجز سادات اور بارہہ کے ہم وطن لوگوں کے دوسروں کی طرف کم ہی متوجہ ہوتا تھا۔

اسد خاں کی وفات

اسی سال مطابق سن گیارہ سو انتیس ہجری (۱۱۲۹ھ) کو اسد خاں ترہ مالوے چورانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے صاحب قران ثانی شاہجہاں اور خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں وزارت اور دوسری عمدہ خدمات سرانجام دی تھیں۔ ذوالفقار خاں اور اس کے آباؤ اجداد ایران کے معتمد امراء میں سے تھے۔ امرائے متاخرین میں ایسا مزاج گرفتہ خوبیوں کا امیر دیکھا نہیں گیا ابتدائے عمر سے اس کی زندگی دولت و کامرانی میں بسر ہوئی۔ جعفر خاں مغفور کے بعد اس جیسا امیر کم ہی گذرا ہے کہ اس کے ہاتھوں کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ زیر دستوں کے ساتھ اس نے ہمیشہ نرمی اور اخلاق سے سلوک کیا اور ہر ایک سے زبان میٹھی رکھی۔ اب جو لوگ نئے نئے سرکار دربار میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ شان و وقار کا رہا کبھی اس نے وضع داری کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔

کہتے ہیں جس زمانہ میں اس کی بیماری طویل اور شدید ہو گئی تھی۔ محمد فرخ سیر بادشاہ نے ایک محرم خاص کے ذریعہ خفیہ پیغام بھجوایا کہ " ہم نے تمہاری قدر نہیں جانی

اور تمھارے خاندان کے ساتھ جو کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا ہوا۔ اب اس پر ندامت بے فائدہ ہے۔ اب تمھارے مشورہ کی ضرورت ہے کہ ہم سادات کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں؟

اُس نے جواب دیا کہ "آبا و اجداد کے رویہ کے خلاف تم سے جو یہ غلطی سرزد ہوئی یہ بجز حکم خداوندی کے نہیں ہوئی۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس طرح وزارت ہمارے خاندان سے نکل گئی۔ اس طرح سلطنت تیموری خاندان سے نکل جائے گی اب جبکہ اپنا اور اپنے ملک کا اختیار سادات بارہہ کے ہاتھ میں دیدیا ہے، خیرخواہانہ مشورہ یہی ہے کہ تا مقدور ان کے ساتھ حسنِ سلوک رکھو اور معاملہ کو اس حد تک نہ بڑھاؤ کہ فساد برپا ہو جائے اور عداوت و دشمنی میں رہا سہا اختیار بھی ہاتھ سے جاتا رہے ؎

چو در طاس رخشندہ افتاد مور
رہانندہ را چارہ باید نہ زور

راجہ رتن چند اور چورامن جاٹ کی فتنہ انگیزی

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا چھٹا سال)

درباری سازشیں

اس سال دربار کے اور سادات بارہہ کے تعلقات اور کشیدہ ہو گئے۔ دکن میں امیر الامراء سید حسین علی خاں اس قدر خود مختار بن گیا تھا کہ دربار سے جو لوگ خدمتوں پر مامور ہو کر جاتے تھے وہ ان کو کوئی عمل دخل کرنے نہیں دیتا تھا۔ قلعہ داروں کا تقرر ہمیشہ بادشاہ کی طرف سے ہوتا تھا مگر امیر الامراء نے قلعداروں پر بھی خود ہی تقرر کرنے شروع کر دیئے اور اپنے آدمیوں کو متعین کر دیا۔ یہاں دربار میں یہ حال تھا کہ ہر معاملہ میں کرتا دھرتا سید عبداللہ خاں کا دیوان راجہ رتن چند تھا۔ وہ تمام دربار کے متصدیوں کے محکموں میں مداخلت کرتا رہتا تھا اور کسی کو بھی اختیارات سنبھالنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ خاص طور سے مالی امور میں اس کا بڑا عمل دخل تھا۔ دیوان تن اور خالصہ کے محکمے تو بالکل ہی معطل ہو کر رہ گئے تھے اور خالصہ کے پرگنوں کی اجارہ داری پر لاکھوں کے وارے نیارے ہو گئے تھے۔ یہ ساری باتیں بادشاہ کی برہمی اور رنجیدگی کا سبب تھیں۔ خان دوراں کی تجویز پر اعتصام خاں نامی کو دیوان خالصہ اور رائے رایاں جہاں شاہی کو دیوان تن مقرر کر دیا گیا تھا، مگر یہ لوگ بھی بادشاہ اور قطب الملک دونوں کو خوش رکھنے میں لگے رہتے تھے۔ ویسے اعتصام خاں کو بادشاہ کی طرف داری اور رائے رایاں کو سید عبداللہ خاں کی خاطر

داری زیادہ مطلوب تھی اسی نے دونوں پر دونوں طرف سے لتاڑ پڑتی رہتی تھی اور ان کی جان دوگونہ عذاب میں تھی آخر دونوں دیوانی کے عہدوں سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

اُمرائے دربار کی کش مکش

عنایت اللہ خاں جو جلوس کے پہلے سال اپنے بیٹے ہدایت اللہ خاں کے مارے جانے کے بعد بادشاہ سے رخصت لے کر کعبۃ اللہ چلا گیا تھا اس سال واپس آیا اور باریاب ہوا۔ ان دنوں فرخ سیر سلطنت کے نظم ونسق کی خرابی پر سخت پریشان تھا اور خلد مکاں کے امیروں کو برخواست کر دینے پر نادم بھی۔ عنایت اللہ خاں بھی خلد مکاں کا تربیت کردہ امیر تھا۔ اور کفایت اندیش مزاج داں متصدی سمجھا جاتا تھا۔ اب جو وہ لوٹ کر آیا تو بادشاہ کے خیر اندیش ہمراہیوں نے یہ مصلحت دیکھی کہ عنایت اللہ خاں کو منصب میں اضافہ دے کر دربار کے کسی عہدہ پر مامور کردیں اور اسے اپنے حق میں سرگرم کار رکھیں۔ اسی دوران میں خالصہ کے دیوان اعتصام خاں نے خدمت سے استعفا دے دیا کیونکہ وہ عملاً بے اختیار تھا پھر عملہ کے آدمیوں اور ارباب طلب کی طرف سے اسے بڑی بے عزتی برداشت کرنی پڑتی تھی۔ اس کے ہٹتے ہی محکمہ خالصہ اور محکمہ تن کی دیوانی پر مع کشمیر کی صوبہ داری کے عنایت اللہ خاں کے تقرر کی تجویز پیش ہو گئی۔ عنایت اللہ خاں قطب الملک کے اثر ورسوخ کی وجہ سے دیوان کی خدمت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سید عبداللہ خاں بھی اس کی دیوانی پر راضی نہیں تھا، کیونکہ وہ اس کی سخت گیری سے واقف تھا۔ خاص طور سے اس نے خلد مکاں کے عہد میں جمدۃ الملک اسد خاں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ ایک مثال تھا۔ دونوں کو راضی کرنے میں اخلاص خاں، بہادر شاہی نے جو نوسیدہ اشخاص میں اپنے آپ کو معلم ثالث سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ وہ سادات سے بڑا اخلاص رکھتا تھا مگر اس پُر آشوب فضا میں اس نے ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ اور ان دنوں محمد فرخ سیر بادشاہ کے عہد کی تاریخ لکھنے پر مامور تھا اور کبھی کبھی قطب الملک کی مجلس میں بھی چلا جاتا تھا۔ اچھے طریقہ میں معاملہ کو سلجھا دیا۔۔ اور

عنایت اللہ خاں کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ دیوانی کے کسی مقدمہ کو سید عبداللہ خاں کے صلاح مشورے اور اطلاع کے بغیر بادشاہ کی عرض میں نہیں لے جائے گا اور عہدوں پر تقرر نہیں کرے گا۔ قطب الملک سے بھی اس نے طے کیا کہ اس کا دیوان راجہ رتن چند بادشاہی خالصہ کے محالات میں دخل نہیں دے گا۔

سید عبداللہ خاں بادشاہ کی خفگی کے سبب اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ وہ عیاشی اور خلوت نشینی کا بھی خوگر ہوگیا تھا۔ چار پانچ ماہ سے فرائض وزارت انجام دینے اور کاغذات پر دستخط کرنے کے لئے کچہری نہیں آرہا تھا، اور لوگوں کے کام معطل پڑے ہوئے تھے۔ عنایت اللہ خاں نے کہہ سن کر آمادہ کرلیا کہ وہ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ قلعہ میں آکر اجلاس کرے۔ اس طرح چند دن تک تو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نظم ونسق سنبھالا مگر جیسا کہ ہم آگے لکھیں گے۔ یہ اتفاق وتعاون باقی نہیں رہا۔

جزیہ کے قانون کی تجدید

اس سال مطابق سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) عنایت اللہ خاں کی عرض پر بادشاہ نے ہندوؤں سے جزیہ کی وصولی کا حکم صادر کردیا۔ اگرچہ یہ رتن چند کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس دور انتشار میں ہندوؤں، خواجہ سراؤں اور کشمیریوں نے سازباز اور تغلب وزیادتی کرکے بڑے بڑے منصب حاصل کرلئے تھے اور سیر حاصل جاگیروں کو اپنے تصرف وقبضہ میں لے لیا تھا۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے جاگیریں محدود ہوگئی تھیں۔ عنایت اللہ خاں نے اس صورت حال کو پیش کرکے ہندوؤں اور دوسرے خائنوں کی جاگیروں میں تخفیف وضبطی کا حکم حاصل کرنا چاہا۔ یہ بات رتن چند اور دفتر کے دوسرے صاحب مدار اشخاص پر شاق گذری اور انھوں نے قطب الملک سید عبداللہ خاں سے رجوع کیا اور ایسے کسی حکم کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ منصب میں کمی کی اس تجویز اور دوبارہ جزیہ کی اجرائی پر تمام ہند عنایت اللہ خاں کے دشمن بن گئے اور طرفین میں دیوانی کے کلی وجزوی اختیارات کی تقسیم پر جو بے قاعدہ اور باقاعدہ حدود معین ہوگئی تھیں، اور اشتراک عمل پر قرار وپیمان ہوچکا تھا باقی نہیں رہا اور دوبارہ رنجش اور اختلاف پیدا ہوگیا۔ تاہم کچھ دار ومدار

کے رویہ پر ایک دوسرے سے مجبوراً تعاون کرتے رہے۔

رتن چند کی فتنہ انگیزی

اسی اثنا میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ خالصہ کے ایک محال پر متعینہ افسر جو رتن چند کا تربیت یافتہ اور فرستادہ تھا۔ محکمہ حساب کے زیر تفتیش آگیا۔ کیونکہ اس کے ذمہ سرکار کی بڑی رقم نکلتی تھی۔ عنایت اللہ خان نے رقم کی وصولی کے لئے اسے قید کرادیا۔ رتن چند نے اُسے رہا کرانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن وہ عامل (افسر مال) موقع پاکر قید سے بھاگ گیا اور رتن چند کی پناہ میں چلا گیا۔ رتن چند اس کا حامی اور پشت پناہ بن گیا۔ عنایت اللہ خاں نے بادشاہ کے پاس شکایت کرکے بادشاہی چیلوں کو رتن چند کے گھر پر متعین کرادیا کہ وہ عامل مذکور کو گرفتار کرکے لے آئیں۔ یہ کارروائی مزید فتنہ کا سبب بن گئی۔ بادشاہ نے رتن چند کے رویہ پر سخت اعتراض کیا اور قطب الملک پر زور دیا کہ اسے برطرف کردے۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

چورامن جاٹ کی شورش

محمد فرخ سیر بادشاہ اور سادات بارہہ کے درمیان اختلافات کے بڑھنے میں ایک اور واقعہ کا بھی بڑا دخل ہے۔

چورامن جاٹ مشہور فتنہ پرداز تھا۔ اس کے باپ دادا اور بھائی خلد مکاں کے عہد سے ہی اکبر آباد اور فتح پور کے اطراف لوٹ مار اور راہزنی کرتے آتے تھے اور بارہا بادشاہی فوجیں شاہزادہ محمد بیدار بخت خان جہاں بہادر اور دوسرے امراء کی سرکردگی میں جاٹوں کی سرکوبی اور قلعہ سنسنی کی فتح کے لئے متعین ہوتی رہی تھیں۔ جس زمانہ میں اعظم شاہ اور بہادر شاہ کا مقابلہ ہوا تھا اور محمد فرخ سیر بادشاہ اکبر آباد کے نزدیک پہنچا تھا۔ چورامن جاٹ نے بڑی بے ادبی اور گستاخی دکھائی تھی۔ بادشاہی لشکر پر چھاپے مارکر خزانہ جواہرات وغیرہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں اس کی سرکوبی کے لئے راجہ دھیراج جے سنگھ کو روانہ کیا گیا تھا اور قطب الملک کے ماموں سید خان جہاں بہادر کو ایک جداگانہ فوج کا سالار بناکر جے سنگھ کے پیچھے کمک کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

سید خان جہاں ضروری سامان کے فراہم نہ ہونے اور بعض دوسرے موانعات کی وجہ سے شہر کے باہر ہی پڑا رہا اور محاذ پر جاتا رہا۔ گر جے سنگھ اپنی مفوضہ مہم پر پہنچ گیا اور چورامن کی گڑھی کا محاصرہ کرلیا اور مورچہ بندی کردی ایک سال سے زیادہ فریقین میں لڑائی ہوتی رہی اور دونوں طرف سے بکثرت آدمی مارے گئے۔ سید خان جہاں کے پہنچنے کے بعد جنگ اور سخت ہوگئی اور مورچے قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ جب چورامن مجبور ہوگیا تو اس نے بالا بالا قطب الملک سید عبداللہ خاں سے رجوع کیا اور اس کے ذریعہ اس طرح صلح کی شرائط طے پاگئیں کہ جے سنگھ کو درمیان میں مداخلت کا موقع نہیں دیا گیا۔ چورامن نے پیش کش اور نذرانہ دینے اور قصور معاف ہوجانے پر بذات خود حضوری میں رہنے کا اقرار کرلیا۔ بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کی درخواست کو طوعاً وکرہاً قبول کرلیا تھا۔ یہ مصالحت بہرحال بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھی اور اس پر جے سنگھ بھی سخت برہم تھا۔ آخر وہ دل شکستہ دربار میں واپس آگیا۔ جب چورامن جاٹ حضور میں پہنچا تو سید عبداللہ خاں نے اسے اپنے محل کے قریب ہی ٹھیرایا۔ بادشاہ نے ایک مرتبہ تو خوشی ناخوشی چورامن کو باریابی کا موقع دیدیا مگر فرخ سیر اس صلح سے سخت ناراض تھا۔ اس لئے دوبارہ اسے مجرا سلام کی اجازت نہیں ملی۔

اسی اثنا میں دکن سے مسلسل ایسی خبریں آتی رہیں جن سے بادشاہ کی ناراضی اور خفگی بڑھتی چلی گئی۔ اور اختلافات و فتنہ و فساد میں اضافہ ہوگیا۔

مرہٹوں کی تاخت و تاراج

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا ساتواں سال)

مرہٹوں کی لوٹ مار

دکن میں امیر الامراء سید حسین علی خاں داؤد خاں پر فتح پانے کے بعد اورنگ آباد پہنچ گیا اور دکن کا نظم و نسق بلا شرکت غیرے سنبھال لیا۔ اس وقت مرہٹوں کی سرکشی اور فتنہ پردازی کافی بڑھ چکی تھی۔ راجہ ساہو کار ایک بہترین سپہ سالار راجہ پہاڑیہ (رودپہاڑیہ) نامی تھا۔ دکن کے دونوں صوبوں میں جس طرح بادشاہی صوبہ دار مقرر تھے مرہٹوں نے بھی چوتھ کی وصولی کے لئے اپنے صوبہ دار مقرر کر رکھے تھے۔ راجہ پہاڑیہ بھی ایسا ہی ایک صوبہ دار تھا۔ اور صوبہ خاندیس اس کے تصرف میں تھا۔ اس نے بندرگاہ سورت کی سڑک پر ایک مٹی کی گڑھی بنا رکھی تھی اور اپنے تھانے قائم کر دیئے تھے۔ جو قافلہ بھی گذرتا تھا وہ اس سے تاجروں اور غیر تاجروں سب کے مال و اسباب سمیت قافلہ کی کل مالیت کا چوتھائی حصہ چوتھ کے نام سے جب تک وصول نہیں کر لیتے تھے۔ صحیح سالم گذرنے نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی انکار کرتا تو اسے لوٹ لیتے تھے' اور آدمیوں کو اسیر بنا کر پھر ہر ایک کے بدلے بھاری رقمیں وصول کرتے تھے۔ اس کی تنبیہ کے لئے امیر الامراء نے اپنے بخشی ذوالفقار بیگ نامی کو تین چار ہزار سوار اور پانچ چھ ہزار پیادہ بندوقچیوں کو دے کر روانہ کیا۔

کھنڈو پہاڑیہ کی سرکشی

ذوالفقار بیگ جب اورنگ آباد اور خاندیس کی درمیانی گھاٹیوں سے گذر رہا تھا تو اسے اطلاع ملی کہ کھنڈو پہاڑیہ بگلانہ اور کالنہ کی سرحد پر جو اورنگ آباد سے ستر کوس پر ہے آٹھ نو ہزار جنگی سواروں کے ہمراہ ٹھیرا ہوا ہے۔ بخشی جنگ کے لئے مستعد ہو گیا اور اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ مگر کھنڈو پہاڑیہ پسپا ہوتے ہوئے فرار ہونے لگا اور اسی طرح ہٹتے ہٹتے وہ ذوالفقار بیگ کو خار دار جنگلوں میں گھسیٹ لے گیا۔ ہرکاروں اور مخبروں نے بہت زور دیا کہ اب دشمن سے مقابلہ کا موقع نہیں ہے مگر ذوالفقار بیگ نے غرور شجاعت میں ہرکاروں کی اطلاعات پہ کان نہ دھرے اور بارہہ کے جاہلوں کی باتوں میں آکر بڑے طنطنہ کے ساتھ کھنڈو کے سر پر جا پہنچا اور پہلے ہی مقابلہ میں اس نے کافروں کی ایک جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا کھنڈو نے دکھنیوں کے طریقۂ جنگ کے مطابق فرار ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اور تین چار سو خوش اسپ سواروں کو علیحدہ کر کے بارہہ کے لشکر کو پراگندہ کر دیا پھر ایک بارگی اپنے پورے لشکر سے ذوالفقار بیگ پر حملہ کر دیا اور متفرق سواروں کی کمک کے راستے مسدود کر کے اس قدر سخت حملے کئے کہ ذوالفقار بیگ اپنے جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ شہید ہو گیا۔ باقی فوج گھوڑوں سے اتر آئی اور ہتھیار ڈال دیئے مرہٹوں نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا۔ جنھوں نے امان طلب نہیں کی وہ ان کی تلواروں کا لقمہ بن گئے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اس فوج کا کوئی سوار پیادہ اونٹ گھوڑے اور بیل سلامت نہیں رہے۔

مرہٹوں پر فوج کشی

امیر الامراء نے دوبارہ ایک شائستہ اور منظم فوج اپنے متنقل دیوان محکم سنگھ کی سرکردگی میں روانہ کی۔ حسین علی خاں کا بھائی . . . . سیف الدین علی خاں برہان پور کا صوبہ دار تھا۔ وہ بندوبست کے لئے برہان پور سے سلطان پور اور نندر بار کی طرف گیا ہوا تھا۔ امیر الامراء نے اس کو بھی حکم دیا کہ وہ محکم سنگھ کے ساتھ مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے جائے دونوں سردار مرہٹوں کا تعاقب کرتے رہے اور کھنڈو کے تھانوں کو برخاست کرنے کے لئے بہت کوشش کی تاکہ صوبۂ خاندیس اور پرگنوں کی رعایا ان کے مظالم سے نجات پا جائے

مگر کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔ کھنڈو بھی وقت گذارنے کے لئے راجہ ساہو کے پاس چلا گیا جو دشوار گذار پہاڑوں میں مقیم تھا مگر جگہ جگہ اس کے تھانے اسی طرح قائم ہے جب امیر الامراء کی مقرر کردہ فوج جاتی تو مرہٹے تھانے چھوڑکر بھاگ جاتے اور اس کے پیٹھ پھیرتے ہی دوبارہ آکر قابض ہو جاتے۔ محکم سنگھ نے مرہٹوں کی دوسری فوجوں کو جو احمد نگر کے اطراف تاخت و تاراج کرتی پھر رہی تھیں مقابلہ کرکے قلعہ ستارہ تک بھگا دیا مگر وہ کھنڈو پہاڑیہ سے ذو الفقار بیگ کے خون اور اس کی فوج کی تباہی کا بدلہ نہیں لے سکا۔

قلعہ ملہیر کا قضیہ

اس درمیان میں بادشاہ اور سادات کے اختلافات کی خبر پھیل گئی تھیں۔ بلکہ ایک مشہور قول کے مطابق دربار سے راجہ ساہو اور کرناٹک کے بڑے بڑے زمینداروں اور دیوانی کے حکام کے نام خفیہ پیغام اور احکام بھی گئے تھے کہ وہ امیر الامراء کی اطاعت نہ کریں۔ اسی شہ پر وہ بہت زیادہ سرکشی کر رہے تھے اور امیر الامراء، صوبہ بیجاپور اور حیدر آباد کا قرار واقعی بندوبست نہیں کر سکا۔ اگرچہ حیدر آباد کا صوبہ دار مبارز خاں جو بڑی آن بان والا بہادر سردار تھا اورنگ آباد آکر امیر الامراء سے مل کر گیا تھا، مگر بیجاپور اور کرناٹک دونوں صوبوں کے صوبہ داروں اور زمینداروں نے رجوع نہیں کیا۔ دربار سے جو صوبہ دار اور حکام مامور ہوکر آتے تھے۔ ان کو عمل دخل نہیں ملتا تھا اور وہ معطل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ صوبہ خاندیس کے سرحدی قلعوں میں سرکار بگلانہ کا قلعہ ملہیر ایک مشہور قلعہ ہے اور کوئی چونتیس سال سے وہاں کی قلعہ داری تین واسطوں سے نجابت خان کے خاندان سے وراثتاً متعلق تھی۔ یہ خاندان تیموریوں کے بنی اعمام میں مرزا شاہ رخ کے سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ بادشاہ نے نجابت خاں کے بیٹے فتح یاب خاں کی جگہ علی مردان خاں کے سلسلہ سے اسد علی خاں نامی کو قلعہ دار بنا کر بھیجا۔

مگر فتح یاب خاں نے اسد علی خاں کو عمل دخل نہیں دیا اور یہ قضیہ بہت طویل ہو گیا۔

جن دنوں امیرالامراء دربار سے روانہ ہوا تھا۔ برہان پور کا صوبہ دار نجابت خاں تھا امیرالامراء کی مہر سے اورنگ آباد کی صوبہ داری کی نیابت کا پروانہ بھی اس کے نام آچکا تھا۔

جب امیرالامراء دکن پہنچ گیا تو نجابت خاں محکمہ حساب کے زیر تفتیش آگیا اور اس کے ذمہ ایک بڑی رقم واجب الادا نکالی گئی اور اسے نظر بند کر دیا گیا۔ اب جو فتح یاب خاں نے اسد علی خاں کو قلعہ سپرد نہیں کیا تو یہی گمان کیا گیا کہ وہ باپ کے اشارہ پر ایسا کر رہا ہے۔ چنانچہ نجابت خاں پر پہلے سے زیادہ عتاب اور سختی ہونے لگی۔ جب ان واقعات کی اطلاع محمد فرخ سیر کو ہوئی تو سادات سے اختلافات میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب دربار سے ملہیر کی قلعہ داری ایک اور شخص کو دی گئی اور اسے رخصت کی خلعت بھی عطا ہو گئی، مگر نئے قلعدار نے جب سنا کہ امیرالامراء عمل دخل دینے پر تیار نہیں ہے اور نجابت خاں اور دکن کے صاحب اختیار حاکم کے درمیان نزاع برپا ہے تو اس نے وہاں جانے کی جرأت نہیں کی۔ آخر بڑی قیل وقال کے بعد امیرالامرا کی سند سے وکالت خاں نامی کو قلعہ داری پر مقرر کیا گیا اور فتح یاب نے مجبوراً قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔

مرہٹوں سے شراکت کا شرمناک معاہدہ

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا آٹھواں سال)

مرہٹوں کی فتنہ انگیزی

اس سال کے یادگار واقعات میں دکن کے غنیم یعنے مرہٹوں سے صلح کا واقعہ ہے جو صفحات زمانہ پر ہمیشہ کے لئے ثبت رہے گا۔ یہ مصالحت امیرالامراء کی صوبہ داری میں ہوئی تھی۔ ہم مختصرًا اس کا ذکر کرتے ہیں۔ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ نے جب دکن کے باغیوں کی سرکوبی اور اُن کے قلعوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس مہم میں ایک طویل مدت صرف ہوئی تھی اور بادشاہی خزانے صرف ہوگئے تھے۔ بادشاہی لشکر نے قلعہ ستارہ، پرنالہ، راج گڑھ وغیرہ تقریبًا تیس چالیس مشہور قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا اور مرہٹوں کو بے خانماں کردیا تھا۔ ان کے خلاف یہ کارروائی اس لئے کرنی پڑی تھی کہ مرہٹوں نے دہلی کو دکن سے بہت دور جان کر سرکشی اختیار کرلی تھی۔ وہ اس خیال میں تھے کہ بادشاہ اتنی دور سے ان کے خلاف خود تو نہیں آئے گا اور ہم یہاں بادشاہی علاقہ میں جو چاہے کرتے پھریں گے۔ چنانچہ ان دنوں میں انھوں نے سارے دکن میں بڑا ہنگامہ مچا رکھا تھا اور بڑی بڑی فوجیں لے کر دکن کے صوبوں سے احمد آباد سے مالوے تک چوتھ وصول کرنے کے لئے تاخت وتاراج کرتے پھرتے تھے۔

چوتھ کی وصولی کا طریقہ

چوتھ کی وصولی کا طریقہ یہ تھا کہ شہروں اور بڑے قصبوں کے حاکم اور زمیندار کے پاس ہرکاروں کے ذریعہ خط بھیج کر چوتھ کا مطالبہ کرتے تھے۔ کبھی تو ان کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہنے کے لئے دیہاتوں اور قصبوں کے مقدم اور زمیندار خود مرہٹوں کی فوج کا استقبال کرتے ہوئے پہنچ جاتے تھے اور چوتھ دینے کی شرط پر امان کا قول حاصل کر لیتے تھے اور مرہٹوں کے ہرکاروں کو لے جاکر زراعت مالیت وغیرہ کی تشخیص کرا دیتے تھے اور کوشش کر کے ہزار دو ہزار کو چار سو پانچ سو ظاہر کرتے تھے۔ بہر حال جو تشخیص بھی ہو جاتی اس کا چوتھا حصہ مقرر ہو جاتا تھا اور اس کی ادائیگی تک یہ عمال ہیں اپنے آدمیوں کو مرہٹوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ ہندی زبان میں یہ عمال کو۔۔ "اول" کہتے ہیں۔۔اور اگر فوج دار اور زمیندار ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوتے اور ان کو چوتھ دینے پر راضی نہ ہوتے جیسا کہ خلد مکاں کے عہد سلطنت میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ مرہٹے حملہ کر دیتے اور غالب آنے کی صورت میں اس محال اور قصبہ کو لوٹ کر بالکل تباہ کر دیتے تھے۔ ورنہ چند دن محاصرہ کر کے شکست اُٹھا کر جنگلوں میں بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ برہان پور برار اور دکن کے صوبوں میں قصبہ نذر بار سلطان پور اور جالنور کا مرہٹوں کے اٹھائیس ہزار کے لشکر نے دو تین ہفتہ تک محاصرہ کر رکھا تھا اور ناکام لوٹ کر گئے تھے۔ قافلوں کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا اور بے شمار قافلے ان کی لوٹ مار سے تباہ ہو چکے تھے۔

مرہٹوں کے جو سردار تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ لوٹ مار نہ ہو اور چوتھ پر معاملہ طے پا جائے کیونکہ اسی صورت میں چوتھ کی مقررہ رقم سرداروں کو مل جاتی تھی اور ان کے لشکر کو فائدہ نہیں ہوتا تھا اس کے برعکس اگر تاخت و تاراج پر بات جا کر ٹھہرتی تھی تو جس کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ لے جاتا تھا فوج کے سرداروں کو زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔

سردیسکھی کی تجویز

خلد مکاں کے آخر عہد میں رام راجہ کی بیوی تارا بائی کے وکیلوں نے دکن کے چھ صوبوں کی سردیسکھی عطا کرنے کی

درخواست کی تھی کہ ہر سیکڑہ پر دس روپیہ بادشاہی خزانہ میں جمع کرا دے گی۔ مگر بادشاہ مرحوم کی غیرت نے اس کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بعض وجوہ تھیں، جن کی بنا پر تارا بائی کی درخواست رد کردی گئی تھی۔ واضح رہے۔ تارا بائی اپنے شوہر کی وفات کے بعد دس بارہ سال تک بادشاہی امراء کی مخالفت پر کمربستہ رہی تھی۔ خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں بھی راجہ ساہو اور رانی مذکورہ نے سردیسکھی کا فرمان حاصل کر لیا تھا۔ مگر رانی اور راجہ ساہو کے باہمی نزاع کی وجہ سے اس بندوبست پر عمل نہیں ہو سکا جو بادشاہ کے پیش نظر تھا۔ سردیسکھی کا طریقہ نافذ نہ ہو سکا۔

داؤد خاں اور مرہٹے

داؤد خاں کی صوبہ داری میں جو ذوالفقار خاں کا نائب تھا مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے یہ مصالحت اس شرط پر تھی کہ مرہٹے بادشاہزادوں اور داؤد خاں کی جاگیروں میں مداخلت نہیں نہیں کریں گے۔ ان کے علاوہ امراء کے محالات سے مرہٹوں کو داؤد خاں کا نائب ہیرا من خود چوتھ دلوا دیتا تھا اور انھوں نے قافلوں کو ستانا بھی ترک کر دیا تھا۔ داؤد خاں اور مرہٹہ سردار شیر و شکر کی طرح متفق و متحد ہو گئے تھے اور کج دار و مریز کی پالیسی پر ایک دوسرے سے سلوک رکھتے تھے۔ مگر نظام الملک کی صوبہ داری میں حالات تبدیل ہو گئے۔ پہلے تو مرہٹوں سے صلح رہی مگر آخر میں ان کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی۔ صلح و جنگ کا یہ سارا قصہ ایک سال پانچ ماہ تک رہا۔ اور مرہٹوں کی اس عرصہ میں قرار واقعی سرکوبی ہو گئی۔

مرہٹوں سے شرمناک مصالحت

امیر الامراء سید حسین علی خاں کی صوبہ داری کے دو تین سال تو بادشاہ کے ساتھ مخالفتوں میں کٹ گئے۔ اس کے پاس اگرچہ کافی فوج تھی۔ مگر مرہٹوں کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی اور امیر الامراء جس طرح کا بندوبست چاہتا تھا۔ ممکن نہ ہوا۔ آخر امیر الامراء نے مصلحت وقت کے تحت فتنہ و فساد کو رفع کرنے کے لیے مصالحت قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور سن گیارہ سو تیس ہجری (۱۷۱۸ء) میں امرائے لشکر خاص

طور سے الزرخاں نے جو برہان پور کا رہنے والا تھا اور سادات بارہہ کے ذریعہ ترقی کی تھی۔ مصالحت کی تجویز رکھی۔ امیرالامراء اور مرہٹوں کے درمیان صلح کی بات چیت طے کرانے والوں میں سنکراجی نامی برہمن بھی تھا جو سیوا اور سبنھا کا قدیم ملازم تھا مگر قلعہ جنجی کی فتح کے وقت وہ بادشاہی ملازموں میں شامل ہوگیا تھا اور دربار میں وہ اطاعت گذار اور سرکش مرہٹہ سرداروں کی وکالت کا فرض انجام دیتا تھا۔ سنکراجی بڑا ہوشیار اور مدبر آدمی تھا اور اپنی اوصاف کی وجہ سے اس کا نصیبہ چمکا تھا۔ اس کے علاوہ بالاجی لبشوناتھ اور جمناجی نے بھی اس گفتگو میں واسطہ کا کام دیا تھا۔ یہ دونوں بھی برہمن تھے اور راجہ ساہو کے عمدہ اور سمجھدار فوج داروں میں شمار ہوتے تھے۔ صلح اس شرط پر طے پائی کہ بادشاہی خالصہ کے اور جاگیرداروں کے تمام محالات کے جملہ محاصل پر جو امینوں کروڑیوں اور تشق داروں کے ذریعہ وصول کئے جاتے ہیں چوتھائی راجہ ساہو کے آدمیوں کو ادا کیا جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ مرہٹے جاگیرداروں کے محاصل میں چوتھائی کے حصہ دار ہونے کے علاوہ سردیسکھی کا معاوضہ دس روپیہ سیکڑہ کے حساب سے رعایا سے بھی وصول کریں گے۔ اس طرح وہ ۳۵ فی صد جملہ رقم جس میں فوج داری تشق داری ضیافت اور دوسرے اخراجات کے محصول شامل ہیں۔ کچی تخمینہ دے کر وصول کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس طرح قریب قریب جمع بندی کی نصف رقم ابواب محصول کی فہرست کے مطابق ان کی طرف چلی جاتی تھی اور راجہ ساہو کے عمال محاصل کی آمدنی میں شریک غالب بن جاتے تھے۔

محاصل میں شراکت کا معاہدہ

یہ معاہدہ رعایا کے لئے اور حکام شاہی اور جاگیرداروں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔ اور ہر محال میں مرہٹوں کے دو دو تحصیل دار مقرر ہوگئے۔ ایک تو کمائش دار کہلاتا تھا جو چوتھائی وصول کرتا تھا دوسرا سردیسکھی کا گماشتہ ہوتا تھا، جو دس فی صد کی وصولی کرتا تھا۔ محاصل کی برآمد پر پہلے مرہٹوں کے سردیسکھی سررشتہ دار کے دستخط ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے رسمی لوازمات وہ علیحدہ وصول کرتے

رہتے تھے۔ اس معاہدہ سے پہلے فوج داروں کی غفلت کی وجہ سے جہاں جہاں مرہٹوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔ انھوں نے راہداری کا ٹیکس وصول کرنے کے لئے اپنے راہدار بٹھا دیتے تھے وہ راستوں سے گذرنے والے ہر بیل اور گاڑی پر نصف روپیہ اور ایک روپیہ بیوپاریوں سے وصول کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ چاہتے تھے لوگوں سے وصول کرتے رہتے تھے جو بادشاہی علاقہ کے ظالم سے ظالم فوج دار کی وصولیابی سے دوچند سہ چند ہوتی تھی۔ یہ زبردستی کے غیر قانونی ٹیکس شراکت کے معاہدہ کے بعد بھی جاری رہے۔ شراکت کے معاہدہ کے بعد محکمہ مال کی کچہریوں اور تھانوں پر اور راستے کے ناکوں پہ راجہ ساہو کے تین تین مستقل عامل سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ مامور رہتے تھے۔ محاصل میں شراکت کے اس معاہدہ میں مرہٹوں نے ایسے بہت سے دیہات کو شامل نہیں سمجھا جو ویران ہو چکے تھے۔ مگر ان کو مرہٹوں نے امن و امان کا قول دے کر دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دیدی تھی جیسے نندربار کا پرگنہ ایسے اور پرگنے صوبۂ خاندیس کے علاوہ صوبہ برار میں بھی تھے۔ ان پرگنوں کو اُنھوں نے امیرالامراء کی قرارداد نے مستثنیٰ ہی رہنے دیا۔ حالانکہ ان کو تباہ و برباد کرنے والے خود یہ مرہٹے تھے۔ ان پرگنوں کی دوبارہ آبادکاری کے تحت انھوں نے جاگیرداروں کو بٹائی کا تیسرا حصہ دینے کا پابند کر لیا تھا۔ اور اس شرط پر امن و امان کا قول دے رکھا تھا۔ ان کے قول کے مطابق بٹائی کے تین حصے ہوتے تھے۔ ایک حصہ جاگیردار کو ملتا تھا۔ دوسرا پورا حصہ غاصب مرہٹے لے جاتے تھے اور تیسرا حصہ رعیت کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح پورے دکن میں ملکی اور مالی مقدمات میں بادشاہی فوج داروں اور جاگیرداروں سے کہیں بڑھ کر مرہٹوں کا عمل دخل ہوگیا اور ہر جگہ اُن کا حکم چلنے لگا۔

امیرالامراء نے مصالحت کے وقت یہ بات بڑی تاکید سے طے کرادی تھی۔ کہ مرہٹے راہداری وصول نہیں کریں گے جس کے متعلق ہم لکھ آتے ہیں کہ وہ ظالم فوج داروں کے مقابلہ میں دگنی تگنی وصول کرتے تھے اور مسافروں بیوپاریوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ مگر مرہٹوں نے اس پابندی کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ اس معاہدہ سے یہ

فائدہ ضرور ہوا کہ اکثر پرگنوں میں دیہاتوں اور قافلوں کی تاخت و تاراج بند ہو گئی۔ اور پہلے کی نسبت مسافر راہ داری ادا کر دینے کے بعد آرام سے سفر کرتے تھے اور بعض دیہات جو مرہٹوں کی لوٹ مار اور ناعاقبت اندیش حکام کے ظلم و ستم سے بالکل ہی ویران ہو گئے تھے آباد ہو گئے۔

امیر الامراء نے جب مذکورہ شرائط پر شراکت کا اور صلح کا یہ معاہدہ کر لیا تو اسے اپنی مہر لگا کر راجہ ساہو کے وکیلوں کے حوالہ کر دیا اور اپنی اس سند کی تصدیق کے لئے بادشاہ کا فرمان طلب کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ جگہ جگہ راجہ ساہو کے مستقل گماشتوں کو عمل دخل دے دیا اور یہ بھی طے کر دیا کہ راجہ ساہو کے روکارندے بالاجی بشوناتھ اور جمناجی ایک فوجی جمعیت کے ساتھ اورنگ آباد میں نیابت و وکالت کا فریضہ انجام دینے کے لئے مامور رہیں گے۔ اور ملکی و مالی امور انہی کے ذریعہ انجام پائیں گے۔

سید حسین علی خاں امیر الامراء کا یہ عرض داشت جس میں مرہٹوں سے مصالحت کے معاہدہ پر فرمان کی درخواست کی گئی تھی۔ دربار میں پہنچی تو سلطنت کے خیر خواہوں نے اس پر سخت اعتراض کیا کہ سادات نے محاصل حکومت بلکہ اختیارات حکمرانی میں دشمن کو شریک غالب بنا دیا ہے ان کی یہ حرکت کسی طرح بھی دانشمندانہ اور قرین مصلحت نہیں تھی۔ اس لئے فرخ سیر نے اس کو پسند نہیں کیا۔

جاں نثار خاں کا تقرر

انہی دنوں ایک اور واقعہ ہوا جاں نثار خاں قدیم مزاج والے امیروں میں سے تھا اور خلد مکاں کی نگرانی میں تربیت پائی تھی۔ عبداللہ خاں مرحوم اس کو بھائی کہتا تھا اور دونوں بھائی سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں اس کے پہلو بہ پہلو بڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اس امید پر کہ امیر الامراء اس کے ساتھ حسن سلوک رکھے گا اور وہ طرفین کی خیر خواہی کے لئے جو کچھ کہے گا۔ امیر الامراء اس سے انکار نہیں کر سکے گا۔ جاں نثار خاں کو برہان پور کی نائب صوبیداری پر امیر الامراء کی طرف سے مقرر کر دیا اور خلوت میں اس کو تاکید کی کہ وہ حسین علی خاں کو نصیحت کرتا رہے۔ فرخ سیر نے اسے خلعت مع اور مادہ دو ہاتھی، مرصع سرپیچ

عطا کر کے رخصت کر دیا۔

یہ جلوس کے چھٹے سال ذی قعدہ کا مہینہ تھا اور ہجری سن گیارہ سو تیس ۱۱۳۰ھ تھا۔ بادشاہ نے انہی دنوں اعتماد الدولہ کو بھی صوبہ مالوا کے بندوبست کے لئے رخصت کر دیا تھا۔ اور یہ طے کیا تھا کہ اس کے سرحد مالوا پر پہنچنے کے بعد راجہ جے سنگھ سوائی کے تبادلہ اور اعتماد الدولہ کی صوبہ داری کا فرمان پہنچ جائے گا۔ مگر مشہور تو یہی ہے کہ بادشاہ نے اسی دن خفیہ طور پر صوبہ داری کا فرمان مع دوسری عنایات کے عطا کر دیا تھا۔

جان نثار خاں نئے عہدہ پر مامور ہو کر نرمدا کے کنارے تک پہنچ گیا تھا۔ مگر اس کا یہ حال تھا کہ مالی پریشانیوں اور تنگ دستی کے سبب نہ کوئی فوج تھی، نہ ساز و سامان۔ ان حالات میں باوجود اس کے کہ وہ خود کو پختہ کار اور معلم ثالث سمجھتا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اپنے عہدہ کا عمل دخل حاصل بھی کر سکے گا۔ بہر حال وہ سوار اور پیادہ کے بغیر ہی مسافت طے کرتے ہوئے دکن کی سرحدوں پر پہنچ گیا۔

اورنگ آباد میں افواہیں

اعتماد الدولہ امین خاں کے مالوہ میں تعلقہ سرونج پر اور جان نثار خاں کے اکبر پور کے گھاٹ پر پہنچنے کی خبریں اورنگ آباد میں نہایت ہی غلط رنگ میں مشہور ہوئیں۔ افواہ اڑانے والوں نے شہرت دی کہ اعتماد الدولہ تجربہ کار امراء کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج لے کر سرونج آپہنچے اور اسے امیر الامراء کے خلاف جنگ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور جان نثار خاں سات آٹھ ہزار سواروں کی ہراول مقرر ہوا ہے۔ ان افواہوں سے حسین علی خاں بہت پریشان ہو گیا۔ اس درمیان میں جان نثار خاں کے خطوط اس کے پاس برابر آرہے تھے کہ وہ سخت عسرت و پریشانی میں مبتلا ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی جمعیت اور فوج نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ سنتا نامی مرہٹہ نے بھی اس کا راستہ روک رکھا ہے۔ اور شرارت پر آمادہ ہے۔ واضح رہے۔ سنتا راجہ ساہو کے مقرر کردہ سرداروں میں سے نہیں تھا، بلکہ وہ تاندیہ کی طرف سے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے حسین علی خاں کو بید رقہ روانہ کرنے کی تاکید کی تھی۔ حسین علی خاں کو اس کے ... پر

اعتماد نہیں ہوا اور اس نے اپنے بھروسے کے ہرکارے اعتماد الدولہ کی جمعیت اور جاں نثار خاں کی آمد کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے متعین کر دیئے۔ جب اسے خبر ملی ۔ کہ جان نثار خاں کا لکھا غلط نہیں تھا ہے تو اس نے ایک جمعیت جان نثار خاں کو لانے کے لئے مقرر کر دی۔

امیر الامراء اور جاں نثار خاں

جاں نثار خاں نے برہان پور پہنچنے کے بعد جو باتیں سنیں وہ بہت پریشان کن تھیں۔ اس وقت برہان پور پر اسد اللہ خاں نائب صوبہ دار تھا جو نواب اولیاء کے نام سے مشہور تھا۔ اور دولتوں سادات بھائیوں کا منظور نظر تھا۔ برہان پور کے لوگ اس کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے اور اس کے خلاف استغاثہ لے کر اورنگ آباد گئے تھے۔ امیر الامراء نے اس کو لکھ دیا تھا کہ جاں نثار خاں کے آنے کی پروا نہ کرو اور اپنے عہدہ پر جمے رہو۔ ادھر اس نے جاں نثار خاں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ جاں نثار خاں مجبوراً امیر الامراء کے پاس چلا گیا۔ اس کے اورنگ آباد آنے کے بعد امیر الامراء نے بڑے احترام اور تعظیم سے اس کی آؤ بھگت کی خاطر مدارات میں بڑا اہتمام کیا۔ دو وقت پر تکلف کھانے بھجواتا رہا اور چچا چچا جان کہہ کر مخاطب کرتا رہا۔ مگر چونکہ برہان پور سرحدی صوبہ تھا اور دربار کے فرستادہ عہدہ داروں کے وہاں مامور ہونے سے امیر الامراء کو بڑے اندیشے لاحق تھے پھر جاں نثار خاں جیسے امیر کا وہاں صاحب اختیار ہو جانا، جو اپنے زمانہ کا تجربہ کار بہادر سردار اور منصوبہ باز مدبر تھا۔ امیر الامراء کے لئے بہت دشوار اور پُرخطر تھا۔ اس لئے امیر الامراء نے اسے اورنگ آباد میں روک رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تین مہینے گذر گئے اور ربیع و خریف کی فصلیں کٹ گئیں۔ امیر الامراء جاں نثار خاں کو بس دم پر رکھے ہوئے تھا اور ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ کبھی اسے ناندیر یا صوبہ بیدر پر بھیجنے کی تجویز رکھتا۔ کبھی حیدرآباد اور بیجاپور کی صوبہ داری قبول کر لینے کی فرمائش کرتا۔ حالانکہ ان دونوں صوبوں کا عمل دخل حاصل کرنا بہت ہی دشوار اور ناممکن تھا۔ کبھی اس سے کہتا کہ میں آپ کی عقل و دانش تجربہ کاری اور خیر خواہی پر کامل اعتماد رکھتا ہوں، اس لئے میری خواہش ہے کہ

سرکاری امور میں مشورے دینے کے لئے آپ میرے ساتھ ہی رہیں ۔ میں چچا صاحب کے آرام و آسائش کا سارا بندوبست کردوں گا۔

مرہٹوں سے امین خاں کی لڑائی

اسی زمانہ میں خان عالم کے بھائی امین خاں کو عجیب و غریب حادثہ سے دوچار ہونا پڑا جس کا حال ہم مختصراً لکھتے ہیں ۔ امین خاں صوبہ محمد آباد یعنی بیدر و نا ندیر پر نائب صوبہ دار تھا ۔ دکن کے صوبوں میں بعض قصبوں اور دیہاتوں میں مقدموں اور زمینداروں نے گڑھی بنا رکھی تھی اور اپنی ذاتی فوج بھی بھرتی کرلی تھی ۔ ان دیہاتوں سے مرہٹوں کو اس عرصہ میں چوتھ وصول نہیں ہوسکی تھی اور باوجود ایک ماہ بیس دن تک محاصرہ کرنے کے، وہ ناکام رہے تھے ۔ صلح کے وقت راجہ ساہو کے وکیلوں سے یہ بھی طے پایا تھا کہ جن محال سے زمینداروں، مقدموں یا حکام کی سرکشی کے سبب مرہٹے چوتھ وصول نہ کرسکیں گے ۔ امیرالامراء داراست چوتھ کی وصولی میں ان کی مدد کرے گا ۔ امین خاں کے تعلقہ میں بھی نرمل وغیرہ ایسے محال تھے کہ اس سارے عرصہ میں مرہٹے وہاں سے چوتھ کی ایک پائی بھی وصول نہ کرسکے تھے ۔ اس ضلع میں چوتھ کا تحصیل دار اور ضلع دار راجہ ساہو کا منہ بولا بیٹا فتح سنگھ تھا ۔ اس نے امیرالامراء کے پاس وہاں کے سرکش زمینداروں کی شکایت کی اور امین خاں سے مدد دلانے کی درخواست کی ۔ حسین علی خاں نے اس سلسلہ میں امین خاں کو لکھ دیا، مگر وہ راضی نہیں ہوا اور اس نے لکھا کہ اس ساری مدت میں جب مرہٹے ان دیہاتوں سے چوتھ وصول نہ کرسکے تو میں آخر کس طرح چوتھ ادا کرنے کے اس ننگ و عار کو قبول کرلوں ۔ اس نے احتجاجاً اپنا استعفیٰ بھی پیش کردیا ۔ اس کی جگہ امیرالامراء نے مرزا علی نامی کو جو اس ضلع کا مشہور اور بہادر آدمی تھا ۔ مقرر کردیا ۔ انہی دنوں میں جب کہ امین خاں کی علیحدگی کی خبر مشہور تھی، وہ صوبہ نا ندیر میں ایک دور دراز مقام بالکنڈہ کی طرف شکار کے لئے چلا گیا تھا ۔ اس کے ساتھ بہت مختصر سی جمعیت تھی ۔ کیونکہ اس کے اکثر ہمراہی اس کی لڑکی کی شادی کے انتظامات کی خاطر وہیں گھر پر رہ گئے تھے اور فوج اس کے ساتھ جا نہیں سکی تھی۔

جب ساہو کے منہ بولے بیٹے فتح سنگھ کو خبر ملی تو وہ ایک زمیندار کی مدد لے کر جسے امین خاں سے دشمنی تھی۔ تیرہ چودہ ہزار سواروں کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوگیا نرمل کا زمیندار جگجیت راؤ بھی تین چار ہزار بندوقچی سواروں کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوگیا۔ جب مرہٹے اس بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوئے تو امین خاں جس کا گھرانہ بہادری و دلیری میں سارے دکن میں مشہور تھا۔ قطعاً ہراساں نہیں ہوا اور دشمن سے جم کر مقابلہ کرتا رہا اور داد مردانگی دیتا ہوا زخمی ہوگیا، اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ مرہٹوں نے اسے اسیر بنا لیا۔ اس کے ساتھ سے دو تین مشہور سردار شہید ہوگئے۔ دشمن نے اس کا مال واسباب، ہاتھی گھوڑے جو بھی ساتھ تھے لوٹ لئے۔

جب بادشاہ کو یہ اطلاعات ملیں کہ جاں نثار خاں کو برہان پور کی صوبہ داری کے اختیارات نہیں دیئے گئے۔ اور امین خاں اس حادثہ کا شکار ہوگیا تو سادات کی طرف سے اس کی خفگی میں اور اضافہ ہوگیا۔ سال کے آخر میں جب کہ ربیع کی فصل ختم ہوگئی۔ امیر الامراء نے جاں نثار خاں کو اس شرط پر صوبہ برہان پور کی خدمت سپرد کی کہ وہ اپنے بڑے بیٹے داراب خاں کو اپنا نائب بنا کر وہاں بھیج دے اور خود اورنگ آباد میں امیر الامراء کے پاس ٹھہرا رہے۔

امیر الامراء کی خود سری

انہی دنوں بادشاہ نے دکن کی دیوانی پر سے امانت خاں کے پوتے دیانت خاں کو ہٹا کر ضیاء الدین خاں نامی کو مقرر کر دیا تھا۔ برہان پور کی دیوانی پر جلال الدین خاں مامور ہوا اور دکن کی بخشی گری کے عہدے پر فضل اللہ خاں کا تقرر عمل میں آیا۔ یہ تینوں جب اورنگ آباد پہنچے، تو امیر الامراء نے ضیاء الدین خاں کو قطب الملک سید عبداللہ خاں کی سفارش کی وجہ سے کہ وہ اسے بارہا اپنا بھائی لکھ چکا تھا۔ دیوانی کے اختیارات سپرد کر دیئے، مگر وہ بھی بس اتنے تھے کہ وہ تنخواہوں کے پروانوں پر اور اسناد پر دستخط کر دیتا تھا۔ دیوانی کے مقدمات و معاملات میں مداخلت کا اختیار نہیں تھا۔ فضل اللہ خاں بخشی کو تو امیر الامراء کی طرف سے کورا جواب مل گیا اور سلام کے لئے بھی وہ باریاب نہ ہو سکا۔ جلال الدین

کو برہان پور کی دیوان کے عوض برار کا دیوان مقرر کر دیا۔ یہ من مانی کارروائیاں بھی بادشاہ کو مشتعل کرنے کا سبب بن گئیں۔

اعتقاد خاں کی باریابی

ایک اور تصہ پیش آیا۔ محمد مراد نامی ایک کشمیری جو بیہودہ گوئی اور بدکرداری میں زبان زد خاص و عام تھا اور بہت بدنام شخص تھا، خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں جہاں دار شاہ، اس پر نہ معلوم کیوں بہت مہربان ہو گیا تھا۔ اس کی توجہ سے وہ ہزاری منصب پر مامور ہو گیا اور وکالت خاں کا خطاب بھی مل گیا اپنے ہم قوموں میں اس کو بڑی عزت حاصل ہو گئی۔ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ہم وطنی کے رشتہ کی بنا پر بادشاہ کی والدہ صاحبہ نسواں نے اسے بادشاہ کے حضور میں تقرب کے مواقع پیدا کر دیئے اور اسے بادشاہ کے ساتھ خلوت میں ہم کلامی کی اجازت حاصل ہو گئی۔ اس نے بادشاہ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بہت رجھا لیا، اور سبز باغ دکھائے کہ لڑائی کی نوبت تک نہیں آئے گی اور نیام سے تلوار نکلے بغیر ہی میں سادات بارہہ کے ہر چھوٹے بڑے کا قلع قمع کر دوں گا، ان باتوں سے بادشاہ کی توجہ اور عنایت اس قدر زیادہ ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسے بڑے نمایاں اضافے اور ترقیاں ملیں اور چند ہی دن میں وہ ایک ہزاری منصب سے سات ہزاری دس ہزار سوار کے منصب پر پہنچ گیا اور رکن الدولہ اعتقاد خاں، فرخ شاہی کا خطاب بھی مل گیا اور بادشاہ کا ہمدم و دمساز اور ہمراز بن کر بارہہ کا تختہ الٹنے کی سازشیں کرنے لگا۔ کوئی دن نہیں جاتا تھا کہ بادشاہ اسے قیمتی جواہرات مرصع آلات اور خاص پوشاک انعام میں نہ دیتے ہوں دوسری اور عنایات تو اس کے سوا تھیں۔

بارہہ کے خلاف شاہی محاذ

اب یہ طے پایا کہ پٹنہ سے سربلند خاں کو مراد آباد سے نظام الملک بہادر فتح جنگ کو جس نے مراد آباد میں بہترین نظم ونسق قائم کر دیا تھا، اور سرکشوں مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کر دی تھی۔ اور سارے ضلع میں اس کی وجہ سے امن و امان ہو گیا تھا، دربار

میں بلا لیا جائے۔ ان کے ساتھ راجا اجیت سنگھ کو بھی احمد آباد سے طلب کر لیا جائے اور ان سب کو دربار کے عمدہ مناصب عطا کر کے بارہہ کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر یہ بات اس سلسلہ میں حیرت انگیز ہے کہ جب نظام الملک دربار میں واپس آگیا تو اسے کسی دوسری خدمت پر مقرر نہیں کیا گیا، بلکہ سرکار مراد آباد کی فوج داری اور اس سرکار میں اس کی جاگیر کے جو محال تھے اس سے واپس لے لئے اور مراد آباد کا نام رکن آباد رکھ کر اسے ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا اور اسے رکن الدولہ اعتقاد خاں کی جاگیر اور صوبہ داری میں شامل کر دیا۔

جب یہ تمام امیر دربار میں جمع ہو گئے تو ان میں سے راجا اجیت سنگھ، جسے مہاراجہ کا خطاب ملا تھا اور دوسری عنایات سے نوازا گیا تھا سید عبداللہ خاں کا رفیق اور مددگار بن گیا۔ اب نظام الملک فتح جنگ اور سربلند خاں رہ گئے۔ ان دونوں سے ابتدا میں بادشاہ نے وزارت اور میر بخشی کا وعدہ کیا تھا۔ سادات بارہہ کے خلاف جب بادشاہ نے ان سے مشورہ کیا تو انھوں نے عرض کیا۔ پہلے بادشاہ اپنے کسی بھی وفادار ملازم کو قلم دان وزارت عطا کر دیں جو اس ذمہ داری کو سنبھالنے کا اہل ہو۔ اس کے بعد جب عبداللہ خاں کے اختیارات گھٹ جائیں گے۔ وہ کسی نافرمانی کا مرتکب ہوگا تو اسے اس کی سزا پر پہنچا دیا جائے گا۔ بادشاہ نے جواب میں فرمایا کہ میں وزارت کے لئے اعتقاد خاں سے بہتر اور کسی کو نہیں سمجھتا۔ بادشاہ نے جب ایران و توران کے ان بہترین امراء سے مشورہ کرتے ہوئے اس بیہودہ گو کم اصل اور بدنام شخص کا نام وزارت جیسے اہم ترین عہدہ کے لئے لیا تو ان کی بڑی دل شکنی ہوئی اور وہ اعتقاد خاں کی اطاعت پر راضی نہیں ہوئے۔

عید الفطر کا ہنگامہ

انھی ہنگامہ پرور دنوں میں عید الفطر آگئی۔ جب بادشاہ کی سواری عید گاہ کی طرف چلی تو رکاب شاہی میں ستر ہزار سوار اور پیادے تھے۔ سید عبداللہ خاں کی گرفتاری کے اندیشے سے خاص و عام تمام لوگوں میں بڑی ہلچل اور افراتفری مچ گئی۔ اس دن سید عبداللہ خاں کے ساتھ

چار پانچ ہزار سوار سے زیادہ جمعیت نہیں تھی مگر یہ صرف افواہ اور بدگمانی تھی کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور بے سبب لوگوں میں بدنامی کا شہرہ ہوگیا۔ اس افواہ کے بعد سید عبداللہ خاں نے فوج میں اضافہ کی فکر کی پہلے وہ صرف بارہہ کے آدمیوں کو جن پر اسے کامل اعتماد تھا۔ اپنی فوج میں ملازم رکھتا تھا مگر اس واقعہ کے بعد اس نے حکم دے دیا کہ ہر قوم سے بیس ہزار سوار بھرتی کئے جائیں۔

امیر الامرا کی سازش

عید کے اس واقعہ کی اطلاع جب دکن میں پہنچی تو امیر الامرا بہت پریشان ہوا اور دارالخلافہ جانے کا ارادہ کرلیا، مگر اس سے پہلے ہی اس نے ایک اور فتنہ اٹھانے کی تیاریاں کرلی تھیں۔ معین الدین نامی ایک مجہول النسب گمنام شخص راجہ ساہو کے پاس قید میں تھا۔ امیر الامرا نے اس کے متعلق مشہور کرایا کہ بادشاہی خاندان کا بڑا فرزند یہی ہے پھر ایک جمعیت بھیج کر بڑی شان و شوکت سے اس نے معین الدین کو اپنے پاس بلوایا، مگر یہ احتیاط رکھی کہ کوئی اس کی شکل نہ دیکھنے پائے اس کے آنے کے بعد دربار میں بھی ساری روداد لکھ بھیجی اور جواب طلب کیا۔ فرخ سیر کو یہ ایک طرح سے انتباہ تھا کہ اگر وہاں میرے بھائی کے خلاف کچھ ہوگا تو میں دکن میں ایک وارث تخت کو تخت نشیں کردوں گا۔) اسی اثنا میں خبر مل گئی کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کے درمیان صلح ہوگئی ہے۔

فرخ سیر اور بارہہ میں مصالحت

راجہ اجیت سنگھ کو بادشاہ نے دربار میں طلب کیا تھا۔ سید عبداللہ خاں کی اعانت سے اسے راجہ کا موروثی خطاب اور دوسرے اعزازات عطا ہوتے تھے۔ اگرچہ اس کی بیٹی کی نسبت بادشاہ کے ساتھ ہوگئی تھی۔ مگر وہ سید عبداللہ خاں کا حامی اور ہمراز بنا ہوا تھا اور مرتے دم تک اس کی رفاقت کا عہد کرچکا تھا۔ تاہم بادشاہ اور عبداللہ خاں کے درمیان اسی نے صلح مصالحت کرائی تھی۔ چنانچہ اس سال ماہ شوال کے آخر میں محمد فرخ سیر اعتقاد خاں، خان دوراں اور دوسرے خیر اندیش امرا کے ساتھ قطب الملک کے گھر آیا اور دونوں نے مخالفت کے ختم کرنے کی قسم کھائی اور

باہم موافقت وتعاون کا عہد وپیمان کیا۔ ایک دوسرے سے گذشتہ بدسلوکیوں کی عذر معذرت کی۔ مصالحت کے طے پانے کے بعد بادشاہ قلعہ میں واپس آگیا۔ اخلاص خاں دونوں بھائیوں کا معتمد آدمی تھا۔ اس کو فوری دکن روانہ کیا گیا تاکہ وہ امیرالامراء کو صورت حال سے باخبر کر کے مطمئن کردے۔ جب صلح کی خبر دکن پہنچی تو امیرالامرا نے اس خبر کی تصدیق تک دربار جانے کا ارادہ ملتوی کردیا تھا۔ اسی درمیان میں یہ اطلاع بھی ملی کہ بادشاہ اور وزیر میں صلح باقی نہیں رہی۔ قطب الملک کا خط بھی آگیا۔ جس میں بھائی کو تاکیداً طلب کیا گیا تھا۔ ان دنوں اورنگ آباد کے گھر گھر میں یہ چرچا تھا کہ سید عبداللہ خاں خطرہ میں گھر گیا ہے اسی طرح اور بھی وحشت ناک افواہیں آ رہی تھیں۔

سادات بارہہ کا دکن سے کوچ

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا نواں سال)

محمد فرخ سیر کی بے تدبیری

محمد فرخ سیر بادشاہ اور قطب الملک کے اختلافات بڑھتے چلے گئے۔ اختلافات کو رفع کرنے کی جو تدبیر بھی کی گئی وہ کارگر نہیں ہوتی، بادشاہ کا حال یہ تھا وہ ایک بات پر قائم نہیں رہتا تھا کبھی تو صلح مدارات سے پیش آتا تو کبھی مخالفوں کا قلع قمع کر دینے کے ارادہ سے اٹھ کھڑا ہوتا۔ پھر بعض منافق امیر تھے جو سید عبداللہ خاں کے رازدار بنے ہوتے تھے اور معاملہ کو یک سو نہیں ہونے دیتے تھے۔ خیراندیش مقربوں کی ایک جماعت جیسے نظام الملک بہادر فتح جنگ اور راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی مخالفت کو ختم کرنے اور مصالحت کو قائم رکھنے کے لئے جب کبھی مشورہ دیتے تھے تو بادشاہ بعض وسوسوں اور اندیشوں کی بنا پر جن کا یہاں ذکر کرنا ہی نامناسب ہے سنی ان سنی کر کے ٹال دیتا تھا۔ اس کے باوجود فتح جنگ اور سربلند خاں اور دوسرے وفادار آدمی اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے برابر کوشاں رہے، مگر درپردہ سازش کرنے والے اندر ہی اندر فتنہ انگیزی میں مشغول تھے اور ان کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون ہیں۔ اصل میں بادشاہ کی تقدیر میں ہی یہ لکھا تھا کہ وہ اس فتنہ میں مارا جائے۔ اسی لئے اس کی طرف سے برابر ایسی باتیں ہوتی رہیں جو مصلحت اور عقلمندی کے خلاف تھا۔ اس کی سبب سے بڑی

غلطی یہی تھی کہ اس نے رکن الدولہ اعتقاد خاں کے ساتھ غیر معمولی عنایات کیں اور اس کو وزیر بنانے کی تجویز میں سوچتا رہا۔ اس کے حسب و نسب اور اس کی ظاہری و باطنی صلاحیت و استعداد کے پیش نظر ایران و توران کے امیر اس کی اطاعت قبول کرتے ہوئے عار محسوس کرتے تھے۔

دوسری طرف یہ بدنظمی تھی کہ والاشاہی فوج اور توپ خانہ کے آدمی آٹھ نو ماہ کے نقد مطالبات کا تقاضہ کر رہے تھے۔ سید عبداللہ خاں دانستہ ان سے بے توجہی برت رہا تھا اور وہ پیسہ پیسہ کو ترس گئے تھے۔ ان کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا اور سید عبداللہ خاں ایک فوج علٰحدہ بھرتی کرنے میں مصروف تھا جس کی تعداد بیس ہزار سوار تک پہنچ گئی تھی۔ اس سے سارا نظم و نسق خراب ہو رہا تھا اور بادشاہ سخت پریشان تھا۔

امیر الامراء کی عرض داشت

امیر الامراء کے پاس سے دربار میں ایک نفاق آمیز عرض داشت پہنچی تھی۔ جس میں اس نے دربار میں حاضری اور قدم بوسی کی اجازت چاہی تھی اور دکن کی خراب آب و ہوا کی شکایت کی تھی۔ بادشاہ نے کسی فرمان کے ضمن میں جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "اگر وہ پسند کرے تو احمد آباد چلا جائے اور طبیعت ٹھیک ہونے تک وہیں رہے۔ ورنہ ہم کو بھی اپنا مشتاق سمجھو اور حضور میں چلے آؤ" — امیر الامراء نے شاہزادہ اکبر کے نقلی بیٹے معین الدین کے متعلق بھی لکھا تھا کہ وہ ملک میں گڑبڑ پھیلانا چاہتا تھا۔ راجہ ساہو کے آدمیوں نے اسے قید کر دیا اور میرے لکھنے پر اورنگ آباد بھجوا دیا ہے۔ بادشاہ نے اس کو دربار میں بھجوانے کی ہدایت کی۔ اسی دوران میں بھائی کے خطوط بھی جلد آنے کے لئے پہنچے۔ لہٰذا پندرہ ماہ شوال سن سات جلوس کو امیر الامراء نے اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین علی خاں کو چار یا پانچ ہزار سوار بطور ہراول دے کر توپ خانہ کا بندوبست کرنے کے لئے برہان پور بھیج دیا۔ چونکہ صوبہ خاندیس کے بندوبست کے لئے جان نثار خاں کی طرف سے اس کو اطمینان نہیں تھا۔ اور برہان پور کی رعایا جان نثار خاں کے بیٹے کے مظالم سے جو وہاں اس کا نائب تھا تنگ

آچکی تھی اور اس کے خلاف امیر الامراء حسین علی خاں کے پاس استغاثہ کیا تھا امیر الامراء نے اسی بہانہ سیف الدین علی خاں کو خاندیس کی صوبہ داری سے تبدیل کر دیا تھا اور مزید خبروں اور اطلاعات کا انتظار کر رہا تھا۔

امیر الامراء کی دکن سے روانگی

سید عبد اللہ خاں کے خطوط مسلسل پہنچ رہے تھے آخر امیر الامراء ذی الحجہ کے آخر میں اورنگ آباد سے نکلا اور ضروری انتظامات کے لئے ایک ہفتہ تک ٹھیرا رہا اور اوائل محرم سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) مطابق ماہ آذر سنہ جلوس میں پورے لاؤ لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ کوچ کر دیا۔ امیروں اور مرہٹوں کو اس نے پوری طرح ہموار کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ اسد اللہ خاں عرف نواب اولیاء، جان نثار خاں کے بیٹا صوبہ برار کا نائب عوض خاں، اسد علی خاں (علی مردان خانی) لطف اللہ خاں صادق کا بھائی دلیر خاں، خان زماں کا پوتے اختصاص خاں، حاجی سیف اللہ خاں دکن کا دیوان ضیاء الدین خاں فیروز علی خاں بخشی جو سادات بارہ کا مشہور آدمی تھا، امانت خاں خوافی کا پوتا دیانت خاں، راجہ جے سنگھ بندیلہ اور راجہ محکم سنگھ جو امیر الامراء کا بہترین ملازم تھا ان کے علاوہ بادشاہی عملہ کے بائیس آدمی تھے جن میں سے اکثر امیر الامراء کا ساتھ مجبوراً دے رہے تھے اور بے اختیار تھے۔ تقریباً آٹھ نو ہزار توخانگی سوار تھے، اور گیارہ بارہ ہزار مرہٹہ سوار اور دوسرے اہل خدمت تھے۔ اورنگ آباد برہان پور اور برار کی متعینہ فوجیں بھی ہمراہ تھیں۔ اس سے پہلے کسی امیر یا شاہزادہ کے ساتھ ان فوجوں نے نربدا کو عبور نہیں کیا تھا۔ کچہری دیوانی، بیوتات اور بخشی کے سارے عملے بھی تھے اس طرح لشکر کی مجموعی تعداد ۲۵ ہزار سوار ہوتی تھی۔ بھاری توپ خانہ الگ تھا۔ برقنداز پیادے دس گیارہ ہزار تھے۔ یہ سارا لشکر دار الخلافہ شاہجہاں آباد کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ امیر الامراء نے سادات خاں کو جو دونوں آنکھوں سے معذور تھا اور قدیم صاحب نام و نشان امیروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ احمد نگر کا قلعدار بنا دیا اور اپنے عملہ کے ہزاری منصب داروں کو اس کے ہمراہ کر کے رخصت کر دیا۔ قلعہ ملہیر چالیس سال سے

نجابت خاں کے خاندان کے پاس تھا۔ امیرالامراء نے اس پر قبضہ کرنے کے لئے بڑی کوشش کی تھی۔ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ وہاں کا قلعدار وکالت خاں کو مقرر کر کے اس پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح قلعہ سالیر اور دوسرے دو تین قلعوں پر بھی امیرالامراء نے اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا۔ دولت آباد کے قلعہ میں امیرالامراء اپنے بعض اہل خاندان کو اور ضروری سامان بھجوانا چاہتا تھا۔ مگر قلعہ دار اس پر راضی نہیں ہوا۔ امیرالامراء نے اس کی جاگیر تبدیل کر دی اور منصب میں کمی کر دی۔ اسی طرح برہان پور کے قریب آسیر کا قلعہ دار بھی عتاب میں آ گیا تھا۔

بادشاہی ملازموں کی پریشانی

بادشاہ کی طرف سے جو عہدہ دار خدمتوں پر مامور تھے اور دربار کے فرستادہ تھے ان کو امیرالامراء نے ان کے مفوضہ تعلقوں پر بھجوا دیا تھا۔ ان میں سے بعض سربندی کے اخراجات کی وجہ سے زیر بار ہو چکے تھے اور ابھی انھوں نے پوری طرح بندوبست پر قابو نہیں پایا تھا ان میں سے ہر ایک کو جھوٹے الزامات کے تحت معزول کر کے دوسروں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا اور معزول شدہ آدمیوں کو جو مفلس اور قلاش ہو چکے تھے۔ اپنے ساتھ لے لیا۔ ان لوگوں میں، میں (مصنف خافی خاں) بھی شامل تھا۔ میں تین سال کی مشقت اٹھانے کے بعد دکن سے دربار میں پہنچا تھا۔ بعد میں مصطفیٰ آباد کے محال کی فوجداری اور امانت کی خدمت پر بادشاہی خالصہ میں متعین ہو کر میں دکن آ گیا تھا۔ وہاں ہزار منت و احسان کے بعد سند خدمت لے کر اپنے تعلقہ پر گیا تھا جسے امیرالامراء کے بیٹے صوبہ دار برہان پور کے عملے نے ویران و برباد کر رکھا تھا۔ میں نے سربندی کے خرچ میں کافی رقم صرف کر دی تھی۔ اور میں نے پرگنہ کو آباد کرنے اور رعیت کو جمع کرنے میں بڑی محنت و کوشش کی تھی۔ رعیت نے کھیتی باڑی شروع کی تھی اور ابھی خریف کی کٹائی بھی نہیں ہوئی تھی کہ امیرالامراء نے توپ خانہ کے انتظام کے لئے بیس ہزار روپیہ کا مطالبہ کر دیا۔ ظاہر ہے یہ توپ خانہ بادشاہ محمد فرخ سیر سے لڑنے کے لئے ہی تیار کیا جا رہا تھا مگر فصل کے تیار نہ ہونے کے سبب روپیہ کے بھجوانے میں تاخیر ہو گئی۔ امیرالامراء

نے یہ رقم دوسروں سے لے لی اور مجھے معزول کر دیا۔ معزولی کے بعد سوار اور پیادوں کے مطالبات تو تھے ہی۔ مرہٹے جو تمام حکام و عمال کے شریک غالب بنے ہوئے تھے حساب بے حساب الگ تقاضے کر رہے تھے۔ جو تباہی ہوئی اور جس طرح پریشان ہونا پڑا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مرہٹہ سرداروں کی رفاقت

امیر الامراء کے لشکر میں تیرہ ہزار مرہٹے سوار بھی تھے، جو کھندو بھاڈیہ کی سرداری میں آتے تھے۔ کھندو جادیس میں راجہ ساہو کا صوبہ دار اور مشہور فوجی سردار تھا۔ اس کے علاوہ سنتا اور دوسرے چند گم نام سردار ہم رکاب تھے۔ جتنے نامی گرامی سردار اور عمدہ جمعدار تھے۔ ان کو گھوڑا ہاتھی خلعت اور مدد خرچ کی رقمیں دے کر اپنے زیر احسان کر لیا تھا اور آئندہ کے لئے بھی ان سے وعدے وعید کر رکھے تھے۔ مرہٹہ فوج کے لئے سرکار سے آٹھ آنہ نفری مقرر کر دی تھی زمینداروں کی ایک جماعت کو بھی ہموار کر کے اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔ برہان پور پہنچنے کے بعد ضروری انتظامات کے لئے تین چار مقام کرنے پڑے۔

لشکر کے ساتھ رنبھا نبال کر نامی مرہٹہ سردار بھی تھا جو بادشاہی عملہ کا آدمی کہلاتا تھا دوسری کمکی افواج کے ساتھ وہ بھی امیر الامراء کے پاس آیا تھا۔ راجہ ساہو کے صاحب مدار سردار سنکراجی ملہار اور بیشوناتھ اس سے عداوت رکھتے تھے اور بارہا اس کے ہاتھوں خفت اٹھائی تھی، اور عرصہ سے تلافی کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ حسین علی خاں نے ان لوگوں کے کہنے سننے پر مشورہ کرنے کے بہانے اسے خلوت میں بلایا اور اسے غفلت میں قید کر دیا۔ اور اس کے خوف زدہ لشکر اور بہیر کو تاراج کرا دیا۔

امیر الامراء اپنے ساتھ دیوانیوں بخشیوں، اخبار نویسوں اور کچہری کے متصدیوں اور سارے عملہ کو یہ کہہ کر لے آیا تھا کہ ان کو نرداپور کی گھاٹی سے واپس کر دے گا۔ مگر ان کو برہان پور سے واپس کر دینے کا وعدہ کر کے برہان پور لے آیا تھا۔ یہاں سے بھی ان کو رخصت نہیں دی۔ ان کے ساتھ تمام معزول حکام و عمال کو بھی انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہمراہ لئے ہوئے۔ دوسری محرم کو برہان پور سے روانہ ہو گیا اور کوچ

پہ کوچ نربدا کے گھاٹ اکبرپور کو عبور کیا۔

امیر الامراء مانڈو میں

واضح رہے اواخر ماہ شوال میں بادشاہ کی عبداللہ خاں سے صلح ہوگئی تھی اور اسی کے تحت اخلاص خاں امیر الامراء کو لوٹانے اور تسلی دینے کے لئے دربار سے روانہ ہوگیا تھا وہ اوائل ماہ صفر میں قلعہ مانڈو کے قریب پہنچ گیا اور اسی جگہ امیر الامراء سے ملاقات کی اور خلوت میں اُس نے اس صلح کو ناپائدار قرار دیا اور اُسے بتایا کہ دارالخلافہ میں بادشاہی امیر جمع ہورہے ہیں اور بادشاہ اعتقاد خاں کی خاطرداری میں لگا ہوا ہے اور دوسرے امیر اس رویہ سے آزردہ اور ناراض ہیں۔ اخلاص خاں کی ان باتوں سے حسین علی خاں نے جلد از جلد دارالخلافہ پہنچنے کی کوشش کی۔

لشکر میں یہ چرچا عام تھا کہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں چین بہادرؒ جو مالوے کا صوبہ دار تھا اور اجین کے قریب قیام رکھتا تھا۔ فوج اور زمینداروں کو جمع کرلیا ہے اور امیر الامراء سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ حسین علی خاں نے ایک چرب زبان ہمراہی نصیر الدین خاں نامی ایرانی کو جو اصطبل کا داروغہ تھا۔ اعتماد الدولہ کے پاس تحقیق حال کے لئے بھیجا، اور وعدہ وعید پر مشتمل پیغامات بھجوائے مگر اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ اعتماد الدولہ بادشاہ کے حکم کے بغیر مقابلہ سے اُٹھ کر چلا گیا ہے۔ جب امیر الامراء قلعۂ مانڈو پہ پہنچا تو قلعہ دار مرحمت خاں ولد امیر خاں جس نے قلعہ داری کے فرائض بڑی عمدگی سے انجام دیئے تھے اور کوہ نشین مفسدوں کی بخوبی سرکوبی اور تادیب کی تھی۔ بیماری اور دوسرے موانعات کا عذر کرکے ملاقات کے لئے نہیں آیا۔ اس بات سے حسین علی خاں سخت برہم ہوگیا۔

بادشاہ اور قطب الملک کی صلح

۱۲ صفر کو دارالفتح اُجین کے کنارے لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اسی جگہ حسین علی خاں کو گوالیار کے فوج دار برقنداز خاں کے خطوط اور دربار کے وکیل کے ذریعہ اطلاعات ملیں کہ جب امیر الامراء کے اورنگ آباد سے کوچ کی خبر بادشاہ کو ملی تو ۲۵ محرم کو بادشاہ خود بعض

موافق ومنافق امیروں کے ساتھ سید عبداللہ خاں کے گھر گیا تھا اور باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لیے دونوں نے کلام الٰہی کی قسمیں اٹھائیں اور طرفین میں مصالحت ہو گئی۔ بادشاہ نے اپنے سر سے دستار اتار کر عبداللہ خاں کے سر پر رکھ دی اور دوسرے دن قلعہ میں دولت خانہ شاہی پر سید عبداللہ خاں کو راجا اجیت سنگھ کے ساتھ طلب کر کے اخوت وموافقت کا عہد وپیمان کیا اور صلح کی تجدید کی۔ اعتقاد خاں اور دوسرے فتنہ پرداز امراء کو بادشاہ نے بڑی تاکید اور اصرار سے کہا کہ اس کے بعد کوئی بات نہ ہونی چاہیے جو شکایت واختلاف کا سبب بنے بلکہ مصالحت وموافقت کے لیے کوشاں رہو۔

امیر الامراء کا تبصرہ

امیر الامراء نے جب یہ خطوط پڑھے تو بھرے اجلاس میں کہا۔ "اگر واقعی بادشاہ ہم سے کوئی جھگڑا اور نزاع نہیں رکھتے ہیں اور بغیر کسی نفاق کے وہ ہم سے حسن سلوک رکھتے ہیں تو ہم کو بھی بجز اطاعت و ملازمت کے کسی بات سے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ باریابی اور بعض امور میں خاطر جمعی کے بعد میں بھی جلد دکن واپس ہو جاؤں گا۔" یہ ایک خوشی کی خبر تھی۔ شہر، بازار اور خیمہ میں لوگ مصالحت اور دکن جلد واپس ہونے کی بات سن کر خوشیاں منانے لگے۔ مگر دوسرے تیسرے دن خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ حسین علی خاں کے ایک رازدار اور معتبر آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس نے خلوت میں کہا کہ "بادشاہ یہ جو بد فریبی کا کھیل کھیل رہا ہے۔ سب بیکار ہے وہ نہیں جانتا کہ ع

نہاں کے ماند آں رازی کزو سازند محفلہا

عقلمندوں کے نقطۂ نظر سے تو عاقبت اندیشانہ بات اگر کوئی ہے تو وہ یہی ہے کہ اگر ہم بادشاہ کے قابو میں آ جائیں گے تو ہماری جان کی خیر نہیں اور اگر ہم بادشاہ پر غالب ہو جائیں تو اس کا چھٹکارا ممکن نہیں۔"

معتوب امراء سے ساز باز

دربار سے آنے والی اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ نے سربلند خاں کی جاگیر کو تبدیل کر دیا اور اس کے بعض زرخیز محال میر جملہ کو دیے۔ سربلند خاں سخت مالی پریشانیوں میں

گرفتار ہو گیا ۔ فوج کے تقاضے اور ہجوم سے تنگ آکر اس نے ہاتھی گھوڑے اور اپنا سارا اثاث البیت جمعداروں اور قرض خواہوں کو دیدیا اور ملازمت اور منصب سے استعفا دیدیا اور گوشہ نشینی اور درویشی اختیار کر لینی چاہی ۔ سید عبداللہ خاں کو جب اطلاع ہوئی تو اس کے پاس جاکر تسلی دلاسا دیا ، اور اپنے پاس سے نقد رقم ہاتھی گھوڑا وغیرہ دے کر کابل کی صوبہ داری ۱ اس کے نام کردی اور اسے اپنا ممنون احسان بنا لیا ۔ اسی طرح نظام الملک بھی بہت برداشتہ خاطر ہو رہا تھا ۔ کیونکہ اس کو بادشاہ نے وزارت وغیرہ کا وعدہ کرکے بے وقت مراد آباد کی صوبہ داری سے بلا لیا تھا ، اور اس کی سابقہ جاگیر اور خدمت اعتقاد خاں کے سپرد کردی تھی ۔ دربار میں آنے کے بعد وہ وعدے پورے نہیں ہوتے ۔ چنانچہ وہ اس ناقدری کی وجہ سے بہت ناراض تھا ۔ قطب الملک (سید عبداللہ خاں) نے اسے بھی اطمینان دلایا اور مالوے کی صوبہ داری کی توقع اور امید دلائی ۔ اعتماد الدولہ مالوے سے بادشاہ کے حکم اور اجازت کے بغیر آگیا تھا ۔ اور بادشاہ کے زیر عتاب تھا اور منصب سے معزول کردیا گیا تھا ۔ سید عبداللہ خاں نے اس کی بھی خاطر جمعی کی اور خان دوراں کو بھی جو ابتداء سے میر جملہ کے ساتھ بادشاہ کے طرف داروں میں شامل تھا ۔ دل جوئی اور مدد و اعانت کرکے اس نے اپنا رفیق اور طرفدار بنا لیا ۔

فرخ سیر کی خفگی

ایک خبر یہ بھی آئی کہ بادشاہ ایک دن شکار کے لئے گیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ شکار سے واپس آنے کے بعد قطب الملک سے ملنے کے لئے اس کے گھر سواری جائے گی ۔ راستہ میں مہاراجہ اجیت سنگھ کا گھر بھی پڑتا تھا ۔ اجیت سنگھ باوجود اس کے کہ بادشاہ اس کا داماد تھا ۔ سید عبداللہ خاں کا ہمدم اور ہم راز بنا ہوا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا ۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب بادشاہ کی سواری اجیت سنگھ کے گھر پر پہنچے گی تو وہ لازماً نذرانہ اور مجرا تسلیمات کے لئے آئے گا بس اسی وقت اسے گرفتار کر لیا جائے ۔ یا تو بادشاہ نے یہ منصوبہ بنا رکھا تھا ، یا پھر بات تھی کہ بادشاہ کا راز ، صاف تھا مگر سالکا تن خائف ۔ (خیانت کرنے والا ڈرتا ہے)

کے مطابق راجہ کو بھول ہونے لگا۔ پس وہ بادشاہ کی واپسی سے پہلے ہی سید عبداللہ خاں کے گھر جا کر پناہ گزیں ہو گیا۔ بادشاہ واپسی میں کشتی پر سوار ہو کر آیا اور پروگرام کے مطابق سید عبداللہ خاں کے گھر جانا چاہا۔ مگر اسی اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ راجہ سید عبداللہ خاں کے گھر میں پناہ گزیں ہے تو اسے بہت غصہ آیا اور جب کشتی سید عبداللہ کے گھر کے سامنے پہنچی تو ملاحوں کو حکم دیا کہ نوارہ کو تیزی سے نکال لے جاؤ حالانکہ بادشاہی ساز و سامان سید عبداللہ خاں کے گھر پر آ چکا تھا اور قطب الملک استقبال کے ارادہ سے باہر نکل کر دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا مگر بادشاہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور سیدھا قلعہ کے دولت خانہ میں چلا گیا۔

اجین سے کوچ مختصر یہ کہ حسین علی خاں نے اجین سے کوچ کر دیا متصدیوں کی وہ جماعت جسے آج کل کے وعدہ پر وہ اجین تک لے آیا تھا اور یہی مشہور تھا کہ امیر الامراء ان کو اجین سے واپس کر دے گا۔ بہت مایوس ہو گئی اور ناچار اس کے ساتھ آگے چل پڑی ان میں سے ہر ایک کو یہی امید تھی کہ فردا پور سے اور اس کے بعد برہان پور سے ان کو واپس کر دیا جائے گا ان کے ساتھ سامان سفر بھی نہیں تھا۔ بس دو تین جوڑے کپڑے لے کر وہ چلے تھے۔ منصب داروں اور اہل خدمت میں سے جو لوگ ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو امیر الامراء نے جاگیروں سے معزول کر دیا تھا بقیہ لوگ بڑی بے سر و سامانی کی حالت میں لشکر کے ساتھ گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ جب لشکر رانا کی سرحد میں پہنچا تو رانا کے وکیل کی آمد سے پہلے بعض دیہات اور بکثرت نیشکر کے کھیت فوج کے ہاتھوں تاراج ہو گئے جب رانا کے فرستادہ زنار دار برہمن نے آکر ہدیے نقد نذرانے اور جنس و اسباب پیش کیا تو امیر الامراء نے زراعت کو نقصان نہ پہنچانے کے لئے سخت تاکید کی اور پابندی لگا دی۔ تب جا کر تھوڑی، بہت کھیتیاں محفوظ رہ گئیں۔ جب امیر الامراء راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی کی سرحد میں پہنچا تو اس کا ایک بڑا عہدہ دار خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔ مگر اس کی پیش کش قبول نہیں ہوئی اور بہت سے دیہات زراعت اور بکثرت مویشی لوٹ مار کرنے والوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے لوٹ کے مال کے ساتھ

رعیت کے بیوی بچوں کو بھی اپنے لئے حلال سمجھ لیا تھا۔

امرائے دربار کی منافقت

جب دار الخلافہ سے تین چار منزل پر لشکر پہنچا تو دربار کے متصدی رکاب شاہی کے امیر ظفر خاں، راجہ رتن چند وغیرہ جوق در جوق استقبال کے لئے آگئے۔ ظفر خاں بادشاہ کی سواری خاص کی ملازمت میں پہنچنے کے بعد اترانے لگا تھا اسی لئے امیر الامراء نے اس کو بڑے اہتمام سے خفیف کیا۔ فتنہ پرداز آدمیوں کی بن آئی۔ انھوں نے خلوت میں امیر الامراء کے خوب کان بھرے کہ بادشاہ سلامت نے بار بار صلح کرنے کے باوجود دونوں بھائیوں کے مخالفوں کی خفیہ و آشکارا بہت افزائی کی اور ان کو ترقیاں دیں اور اپنے آگے بڑھائے ہوئے بدنام آدمیوں کو مخالفت کے لئے اکساتے رہے ہیں۔ اس طرح بادشاہ بداندیش مصاحبوں کے بہکاوے میں آکر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں۔ ان منافقوں اور فتنہ پردازوں کا سرغنہ راجہ رتن چند تھا۔ اس نے بڑی شکایتیں کیں اور حسین علی خاں کو خوب پٹی پڑھائی اور اسے اس راہ پر ڈال دیا جو نمک حراموں اور حکومت کے بدخواہوں کی راہ ہے۔ اُس کے مشورے آخر کار خود اس کے اور خاندان بارہہ کے لئے وبال جان بن کر رہے۔ ان باتوں سے امیر الامراء اور بھی مشتعل اور برہم ہو گیا۔

سادات بارہہ کا لشکر دہلی میں

امیر الامراء کی دہلی میں آمد

ماہ ربیع الاول کے اواخر اور جلوس کے آٹھویں سال کے اوائل میں دارالخلافہ دہلی کے نواح میں فیروز شاہ کی لاٹھ کی طرف پڑاؤ ڈالا گیا۔ جب شہر سے دو تین کوس پر لشکر پہنچ گیا تو امیر الامراء نے بغاوت کے اعلان کے لئے نقارہ بجوانے کا حکم دے دیا۔ حالانکہ سلاطین کے پائے تخت پر پہنچنے کے بعد نقارہ بجوانے کا طریقہ نہیں ہے۔ مگر امیر الامراء نقارہ بجاتے ہوئے شاہانہ کج دھج سے موضع باولی کی سرائے کے قریب خیمہ گاہ قائم کر دی اور بار بار اپنی زبان سے یہ ڈینگ مارتا رہا کہ اب میں خود کو بادشاہ کا نوکر نہیں سمجھتا ہوں۔ اس لئے آقا کے ادب کی رعایت میرے لئے ضروری نہیں ہے۔ منصب سے معزولی اور عتاب سلطانی کا بھی مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ حیرت تو سادہ لوح بادشاہ پر ہے کہ شاہانہ اور نقارہ کی آوازوں سے سارا شہر گونج گیا۔ ہر کوچہ و بازار میں امیر الامراء کی بغاوت اور مخالفت کے چرچے ہونے لگے۔ مگر اس نے اس اعلان بغاوت کو کوئی اہمیت نہیں دی کبھی تو وہ دونوں بھائیوں پر بھڑک اٹھتا تھا اور کبھی دونوں سے صلح و اختلاط کی باتیں کرنے لگتا اور در پردہ نفاق کے دام بچھاتا رہتا۔ حزم و احتیاط اور رائے صائب سے کام لینے کا حوصلہ ہی نہیں تھا۔ ایسی جوڑ توڑ سے ہی کام نکالنے کی فکر میں رہا۔ راجہ جے سنگھ راج نے مشورہ بھی دیا کہ سرکشوں کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عرب و عجم کے عقیدت مند امیر مقابلہ و مقاتلہ کی اپنے آپ میں طاقت نہیں پاتے تھے۔ خاص طور سے مغل امیر جو اس راز سربستہ سے واقف ہو چکے تھے (بادشاہ کے خلاف سازش) مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ زبان پر یہ بات لائے۔ پس وہ دونوں بھائیوں کی سرکشی اور غلبہ و تسلط اور بادشاہ کی چشم پوشی اور کم ہمتی کو دیکھ دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ اور جب بھی محمد فرخ سیر کے اشارہ پر وہ حسین علی خاں سے ملنے جاتے تھے تو وہاں مدعیان حکومت کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ کر بہت دل گرفتہ شکایت کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔

بادشاہی قلعہ کا بندوبست

جب امیر الامراء کو آئے ہوئے چار پانچ دن گذر گئے تو قطب الملک نے بھائی کی طرف سے عرض کیا کہ اگر بادشاہ جے سنگھ کو اس کے وطن رخصت کر دیں، اور توپ خانہ کی خدمات دیوان خاص کی داروغگی ہمارے آدمیوں کے تفویض کر دیں اور قلعہ میں ہمارا بندوبست اور انتظام قائم ہو جائے تو امیر الامراء بے اندیشہ و وسواس حاضر بارگاہ ہو جائے گا اور ہم دونوں بھائی مطمئن ہو جائیں گے، اور بے خوف آمدورفت رکھ سکیں گے۔ بے عقل بادشاہ نے جو زمانہ کی شعبدہ بازی اور دغل بازی سے قطعاً غافل تھا دونوں بھائیوں کی بات مان لی اور ان خدمات کے متعلق طے کیا کہ فی الحال وہ اصالتاً سید عبداللہ خاں، دوسرے سادات بارہہ اور دونوں بھائیوں کے ہمراہیوں کے نام لکھ دی جائیں۔ مگر نیابتاً اعتقاد خاں اور دربار کے معتمد آدمی ان فرائض کو سرانجام دیں گے۔ چند دن بعد کہ جشن نوروز قریب آچکا تھا۔ نیابت کا پردہ بھی حائل نہیں رہا۔ دونوں بھائیوں نے قلعہ کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ تیسری ماہ ربیع الآخر کو راجہ دھیراج بادشاہ کے حسب الحکم کہ اسے ایک دن کی مہلت تک نہیں دی گئی تھی شاہجہاں آباد سے نکل کر اپنے وطن امیر چلا گیا۔

اسی دن راجہ بھیم اور راجہ بدھ سنگھ کے درمیان کہ یہ دونوں چچا زاد بھائی تھے اور اپنے وطن بوندی کی ریاست پر باہم نزاع اور موروثی عداوت رکھتے تھے۔ راستہ میں جنگ ہو گئی دونوں طرف سے چند راجپوت مارے گئے اور بدھ سنگھ کا دیوان بھی قتل ہو گیا اور راجہ

بھیم کے آدمی غالب آگئے اور بدسنگھ مغلوب و ہراساں ہو کر گنتی کے چند سواروں کے ساتھ فرار ہوگیا اور راجہ وسیراج کی پناہ میں چلا گیا جو اس کا حامی تھا۔

امیر الامراء دربار میں

پانچویں ماہ مذکور کو قطب الملک اور مہاراجہ اجیت سنگھ اپنے معتمد آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں آئے اور بادشاہی آدمیوں کو ہٹا کر ہر جگہ اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ اس طرح بادشاہ کے اطراف صرف اعتقاد خان اور مشرف دیوان خاص امتیاز خان رہ گئے، جن کا عدم وجود برابر تھا۔ ایک ظفر خان تھا، جو زمانہ سازی میں کھچڑے کی دال بنا ہوا تھا۔ چند خواص اور ناکارہ خواجہ سرا بادشاہ کے محافظ تھے اب امیر الامراء شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آراستہ لشکر کے جھرمٹ میں سوار ہوا اور بڑی شان کے ساتھ سہ پہر کے وقت قلعہ میں داخل ہوا۔ بارگاہ شاہی میں پہنچنے کے بعد اس نے چند شکایت آمیز باتیں نصیحت کے طور پر کہیں اور بادشاہ نے بھی جواب میں ایسی ہی باتیں سنیں۔ فرخ سیر نے اسے خلعت ہاتھی گھوڑا جواہرات عطا کئے۔ جو اس نے کچھ ناپسندیدگی کے ساتھ قبول کرلئے اور باقی عنایات ولوازمات کے قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ ادب آداب بھی جیسا کہ چاہتے تھا بجا نہیں لایا۔ وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ ان کے اس رویہ کے باوجود فرخ سیر نے صحیح صورت حال کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

قلعہ اور شہر میں داخلہ

دوبارہ آٹھویں تاریخ کو بروز منگل جب کہ سادات نے قلعہ کا بندوبست پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا قطب الملک اور مہاراجہ اپنے معتمد آدمیوں اور منتخب فوج کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوئے۔ پہلے دن کی طرح آج بھی بادشاہی آدمیوں کو احاطہ سے باہر کر دیا گیا اور دروازوں پر اپنے معتبر اور معتمد آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ دیوان خاص خوابگاہ اور عدالت کے دروازوں کی چابیاں بھی اپنے پاس طلب کرلیں۔ جب سب انتظام خاطر خواہ ہوگئے تو نمک حرام حسین علی خاں کو بلانے کے لئے پیغام بھیج دیا گیا۔ وہ شاہانہ دبدبہ اور شان سے روانہ ہوا اس کی فوجیں صبح سے برابر آرہی تھیں اور قلعہ کے اطراف حلقہ بندی کر رہی تھیں۔ امیر الامراء سوار ہوا تو معین الدین گم نام کو بھی جسے وہ خانزادہ شاہی کا بڑا بیٹا کہہ کر دکن سے ساتھ لایا تھا۔ ہاتھی پر سوار کرا دیا اور یہ شہرت دی کہ اسے بادشاہ کے حوالہ کرنے کے لئے لے جا رہا

ہے ۔ امیر الامرا نے شہر میں داخل ہونے کے بعد قلعہ ارک کے قریب اپنے گھر میں جو شائستہ خاں کی بارہ دری کے نام سے مشہور تھا قیام کیا۔

قطب الملک کے بادشاہ پر الزامات

سید عبداللہ خاں قطب الملک نے محمد فرخ سیر بادشاہ کے پاس پہنچ کر جس کے ہوش و حواس پراگندہ تھے۔ اجیت سنگھ کے ساتھ اپنے بھائی کی طرف سے بڑی شکایتیں کیں کیں اور شاہی خدمات کی نیابت کو قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ تمھارے باپ دادا کے لئے ہم نے ایسی ایسی جانفشانیاں کیں تمھاری رکاب میں بھی دل و جان سے ہم خدمت انجام دیتے رہے اور جان نثاری دکھانے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ مگر ان خدمات کے عوض ہم نے حق ناشناس بادشاہ سے بجز بدگمانی اور فکر فاسد کے کچھ نہ پایا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ان فرامین میں ہے جو داؤد خاں افغان بے دین کے اور دکن کے دوسرے ذمہ دار اشخاص کے نام صادر ہوتے تھے اور جن میں ہمارے عمل دخل کو ختم کرنے اور مجھ بے قصور بندہ کو قتل کرنے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ یہ فرمان ہمارے پاس موجود ہیں۔ صاحب قران کے خانوادہ میں ایسی بدعہدی کسی بادشاہ نے کسی شخص کے ساتھ نہیں کی جو اس زمانہ میں ہمارے ساتھ کی گئی۔ اب ہمارے اندیشے اور وسوسے اسی صورت میں دور ہو سکتے ہیں کہ دربار کی خدمات کے اختیارات نیابت کی قید کے بغیر براہ راست ہمارے تفویض کر دیے جائیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ خاں نے اور بھی شرطوں کا ذکر کیا۔

دربار میں ہنگامہ اور شورش

کم عقل بادشاہ ان وعدوں کے سلسلہ میں عذر معذرت کرتا رہا۔ آخر کار طرفین سے گفتگو بدمزگی اور درشت کلامی تک جا پہنچی۔ بادشاہ نے گستاخی کی تاب نہ لاکر پہلے اعتقاد خاں کو جو اس فساد کا سبب تھا اور بعد میں قطب الملک کو مخاطب کر کے عتاب آمیز دو تین باتیں کہیں، اعتقاد خاں اس نازک صورت حال کو دیکھ کر ابلہ فریب باتیں کرنے لگا، تاکہ معاملات زیادہ بگڑنے نہ پائیں، مگر دونوں بے قابو ہو چکے تھے۔ اسی حال میں سید عبداللہ خاں اعتقاد خاں کو گالیاں بکنے لگا اور اس کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کو قلعہ سے باہر نکال دیں۔ اعتقاد خاں کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے جان بچا کر نکل جانے

ہی میں خیر دیکھی مگر اپنی پالکی تک وہ پہنچ نہیں سکا۔ البتہ امتیاز خاں پالکی پر سوار ہو کر اپنے گھر جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران میں قلعہ میں ہر طرف ہنگامہ مچ گیا۔ بادشاہ نے جب یہ شورش دیکھی تو محل میں اٹھ کر چلا گیا۔

پُرخطر رات

اس قیل و قال ہنگامہ و شورش میں رات ہو گئی اور قلعہ میں لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی۔ اس رات شہر میں بڑا خوف اور اضطراب رہا دونوں بھائیوں کی فوج ہر کوچہ و بازار میں جگہ جگہ گھوڑوں پر مستعد کھڑی ہوتی تھی۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ قلعہ میں کیا کچھ ہو گیا۔ سید عبداللہ خاں اور راجہ اجیت سنگھ اپنے سرداروں کے ہمراہ مشورے کرتے رہے اور اس اندیشے سے کہ نہ معلوم راتوں رات کوئی خطرناک صورت پیدا ہو جائے۔ احتیاطی تدبیروں اور انتظامات کی نگرانی میں مصروف رہے۔ مرہٹہ سردار جیسے کھندو داپاریہ اور بالاجی بشوناتھ اور سنتا وغیرہ دس گیارہ ہزار سواروں کے ساتھ ایک اور ہی فکر میں اختر شماری کر رہے تھے کہ جیسے ہی صبح ہو اور ہنگامہ دار و گیر بلند ہو وہ موقع کو ہاتھ سے نہ دے کر شہر کے بازاروں پر ٹوٹ پڑیں اور لوگوں کا مال و متاع لوٹ لیں۔

مرہٹوں کا دہلی سے فرار

خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور سید عبداللہ خاں کے مارے جانے کے متعلق بھی جھوٹی افواہیں اڑنے لگیں۔ اعتقاد خاں اور دوسرے چند ناعاقبت اندیش امیر سعداللہ خاں کے بازار کی طرف سوار ہو کر امیرالامراء سے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ ادھر ان کے سوار ہونے کی خبر مشہور ہوئی ادھر اعتماد الدولہ محمد امین خاں اور چین قلیچ خاں بہادر کے جھنڈے بھی نمودار ہوئے۔ یہ لوگ زمانہ سازی اور پختہ کاری کی وجہ سے حسین علی خاں کی رفاقت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے۔ مگر جب مرہٹوں کے سامنے ان کی فوجیں آئیں تو خان دوراں کے چودہ پندرہ سواروں نے جو کمل پوش سواروں کے نام سے مشہور تھے۔ چند تیر مرہٹوں کی طرف چھوڑ دیئے۔ بس اتنے پر ہی مرہٹے ایسے خوف زدہ ہوئے کہ ان کے تمام سردار ہاتھی گھوڑوں اور پالکیوں پر بیٹھ کر ادھر ادھر پراگندہ ہو گئے اور دس گیارہ ہزار سوار کا لشکر فرار کے ارادہ سے بھاگ نکلا۔ بازار کے لچے لفنگوں، بے کار تماشائیوں اور بے روزگار مغلوں کو خبر ہوئی تو وہ سب تلواریں کھینچ کر مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ دستار سر سے گری اور سر جسم سے، نیزہ ہاتھ سے چھوٹا اور تلوار کمر سے، حالت یہ تھی کہ مرہٹے بوکھلائی ہوئی بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے اور حملہ آور

بھیڑیوں کی طرح پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تعاب دھوبی، خاکروب اور دوسرے پیشہ ور تک کام چھوڑ چھوڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور جو ہاتھ لگا، ان سے چھین لیا۔ فرار کے آغاز ہی میں مرہٹوں نے اپنے بھالے اور چھتریاں جو اُن کا نشانِ امتیاز تھیں، بڑی تعداد میں پھینک دی تھیں اور لوگ ان کو اٹھانے کے لئے ہجوم کر رہے تھے۔ بہت سے سراپا برہنہ ہو کر بازار کا خس و خاشاک اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگے اور بڑی عاجزی سے دکن کی پست قوموں کے طریقہ پر جان کی امان طلب کرنے لگے جو زخمی ہو کر گرے اور بھاگ نہ سکے۔ ان کو بازار کے اوباشوں نے گھیر لیا بعض دوسری قوموں کے سیاہ رُو آدمی اُن کی سیاہ روئی کی مشابہت کے سبب دھوکہ میں مارے گئے اور زخمی ہو گئے، سعد اللہ خاں کے چوک سے جو قلعہ کے دروازہ کے قریب ہی تھا مرہٹوں کی لشکر گاہ تک جو تین چار کوس سے زائد فاصلہ پر تھی ہر جگہ اس گمراہ قوم کے آدمی مقتول اور زخمی پڑے ہوئے تھے اور راستہ بھر اُن کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔

مرہٹوں کی تباہی کا آنکھوں دیکھا منظر

میں (رفاعی خاں) مرہٹوں کے فرار کا منظر شروع سے ہی بڑی توجہ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ پندرہ بیس مرہٹہ سواروں کے ایک دستے کے درمیان ایک چھتری ہوتی تھی۔ اس وقت تقریباً چار سو پانچ سو کے قریب چھتریاں مرہٹوں کی فوج میں نظر آ رہی تھیں۔ ہنگامہ شروع ہونے کے بعد ایک بھی چھتری وہاں نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ مقتول مرہٹوں کے گھوڑے اور مادیاں بکثرت بے روزگار مغلوں اور بازار کے شہدوں کے ہاتھ آ گئی تھیں۔ ان سواریوں پر جو خوگیر کسے ہوئے تھے ان میں لوٹ کے زر و زیورات انھوں نے چھپا کر رکھے ہوئے تھے مقتولوں کی کمر سے سونے چاندی سے بھری ہوئی ہمیانیاں بھی برآمد ہوئیں یہ سب اس لوٹ میں ان کے ہاتھ آیا تھا جو انھوں نے راجہ دھیراج کے علاقہ میں کی تھی اور راستہ بھر مسافروں کو لوٹتے آئے تھے۔ اس فرار کے وقت مرہٹوں کی جتنی بڑی تعداد ماری گئی تھی۔ شاید ہی کسی معرکہ میں اتنی تعداد ہو۔ سنتا نامی فیل سوار سردار اور دوسرے دو تین غیر معروف سرداروں کے پندرہ سو سوار اور پیادے تہ تیغ کر دیئے گئے اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی۔ یہ حادثہ بھی بس اللہ کے فضل سے رونما ہو گیا، ورنہ ان بدبخت مرہٹوں کی اولاد برسوں تک یہ ڈینگ مارتی رہتی کہ ہم پائے تخت دہلی گئے تھے، مرہٹوں کے ڈر سے ہی ہندوستان کا بادشاہ قید ہو گیا تھا اور ہم نے ہی دوسرے بادشاہ کو تخت نشین کیا تھا۔

سادات بارہہ کا محل شاہی پر حملہ

بادشاہی امیروں اور سادات کا مقابلہ

جب اس ہنگامہ میں دکنیوں کے فرار اور قلعہ میں عبداللہ خاں کے مارے جانے کی خبریں گرم تھیں اور ہر کوچہ و بازار میں لوگ اسی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ غازی الدین خاں غالب جنگ اور بادشاہ کے خسر سادات خاں مع فرزند گھر سے نکلے اور مقابلہ کے لئے سوار ہو گئے اعتقاد خاں نے سعد اللہ خاں کے بازار کی جانب مخالفوں پر حملہ کر دیا۔ اس کے ہمراہ توپ خانہ کا معزول داروغہ سید صلابت خاں اور میر مشرف تھا۔ جو حسین علی خاں کا خاص آدمی تھا مگر بعد میں بادشاہی منصب پر مامور ہو گیا تھا۔ ان کے ساتھ منوہر بھی تھا جو ہزاری منصب دار تھا۔ ان کی فوج کی تعداد دو تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مختلف فوجوں کے اس اقدام اور قلعہ کی تشویش ناک خبریں پھیلیں تو سادات بارہہ کے بڑے بڑے جمعداروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ چار پانچ ہزار سوار بارہ دری کی طرف تھے اور وہ بھاگنے کی سوچ رہے تھے مگر جب اعتمادالدولہ حسین علی خاں سے آکر مل گیا تو ان کی ہمت بندھ گئی اور وہ مقابلہ پر ٹھہر گئے۔ نظام الملک فتح جنگ بہادر نے جب دیکھا کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں تو اس نے پیش قدمی اور حرکت کو خلاف مصلحت جانا اور اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا۔

بادشاہی امیروں کی شکست

امیر الامراء نے جب قلعہ کے باہر یہ ہنگامہ دیکھا تو اس نے سید عبداللہ خاں کو پیغام بھجوایا کہ تعفیہ

کو یک سرنشادو۔ دوسری طرف اس نے مذکورہ بادشاہی امیروں کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کر دیں۔ اس اثناء میں قلعہ کے اندر قطب الملک عبداللہ خاں کے زندہ رہنے اور غلبہ پا جانے کی خبر پھیل گئی۔ سادات بارہہ کی جو فوجیں بدحواس ہو کر بھاگنے کی فکر میں تھیں، دوبارہ دلجمعی سے جم گئیں۔ نازی الدین خاں اور سادات خاں مع اپنے فرزند کے جلوریز چاندنی چوک تک پہنچ گئے تھے۔ بارہہ کی فوج بھی ان کے سامنے نمودار ہوئی اور اس نے بان اور بندوق چلانا شروع کر دیا۔ پہلے ہی حملہ میں ایک بان کے صدمہ سے غالب جنگ کے ہاتھی کا رخ پھر گیا۔ اتنے میں سادات بارہہ کی گھوڑ سوار فوج پہنچ گئی۔ غالب جنگ کے سوار اور پیادے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ سادات خاں کا بیٹا زخمی ہو کر بارہہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ سادات خاں کو بھی کاری زخم لگا اور وہ اسی زخم سے فوت ہو گیا۔

اسی اثناء میں آغر خاں جو مشہور اور بہادر سردار تھا اور اس کی ایک بڑی برادری بھی تھی۔ مغلوں کی ایک جمعیت کے ساتھ سوار ہو کر لاہوری دروازہ کی طرف سے نمودار ہوا حسین علی خاں کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے اور وہ مجبوراً لوٹ گیا۔ سعداللہ خاں کے چوک پر اپنے گھر کے قریب اعتقاد خاں نے مع ہمراہیوں کے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ اس کی جدوجہد بیکار رہی تھی۔ آخر وہ بھی اپنے مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس ہجوم میں سعداللہ خاں کے بازار کی چند دکانیں لوٹ لی گئیں۔

محل شاہی پر باغیوں کا حملہ

ابھی یہ ہنگامہ اور شورش برپا تھی کہ شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کے جلوس کا شادیانہ بجنے لگا۔ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے۔ جب مظلوم بادشاہ محمد فرخ سیر دربار سے اٹھ کر محل میں چلا گیا اور رات ہو گئی تو سید عبداللہ خاں اور سنگدل راجا جیت سنگھ افغانوں کی ایک جمعیت اور دوسرے معتمد سرداروں کے ساتھ قلعہ ہی میں رہ گئے۔ مگر رات بھر وہ بیم و رجا کی حالت میں تھے کہ نہ معلوم صبح ہونے تک کیا حادثہ رونما ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو قلعہ کے باہر ہنگامہ اور شورش کی اطلاع ملی قطب الملک وغیرہ نے پیغام بھیجے اور سبز باغ دکھائے کہ کسی طرح وہ محل سے باہر آ جائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ محل پر حبشی اور ترکی کنیزوں کی فوج جنگ کے لئے مستعد ہو گئی۔ آخر کار قطب الملک کے چھوٹے بھائی نجم الدین علی خاں اور صلابت خاں روہیلہ کا بیٹا اور چند دوسرے نمک حرام سردار

پٹھانوں اور چیلیوں کو لے کر محل میں گھس گئے۔ فرخ سیر بادشاہ بڑی تلاش کے بعد محل کی چھت پر ایک کونے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا اور محل کی عورتیں اس کے اطراف تھیں۔ حملہ آوروں نے عورتوں کو دھکے دے کر ہٹایا اور بادشاہ کو بڑی بے حرمتی کے ساتھ کھینچتے ہوئے لے آئے۔ بادشاہ کی والدہ بیوی لڑکی اور دوسری بیگمات مظلوم و مغموم بادشاہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔ بیچاریاں پٹھانوں اور چیلیوں کے پاؤں پر گر گئیں اور ان کی منت و خوشامد کرنے لگیں۔ اس وقت سارا محل چیخ پکار کراہ و زاری اور فریادوں سے گونج رہا تھا۔ حملہ آوروں نے زیورات اور مال و اسباب بھی خوب لوٹا اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہیں چوکے۔ اس دردناک تفصیل کو لکھنے کا یارا نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس وقت صاحب قران تیمور کے گھرانے پر جیسی قیامت ٹوٹی، سلاطین سلف میں سے کسی بادشاہ کے ساتھ اس کی مثال نہیں ملتی کہ پردہ نشین بیگمات کی جان آبرو اور ناموس اسی طرح تلف ہوئی ہو۔

فرخ سیر بادشاہ قید میں

محمد فرخ سیر بادشاہ کو عورتوں کے ہجوم میں سے بڑی بے حرمتی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اُسے اندھا کر دیا۔ قلعہ میں ترپولیہ پر ایک قید خانہ تھا جسے قبر کی طرح زمین دوز بنایا گیا تھا۔ یہ نہایت تنگ و تاریک جگہ تھی۔ اس میں ان قیدیوں کو رکھا جاتا تھا، جن کو عذاب دے کر ہلاک کرنا مقصود ہوتا تھا۔ غرض بادشاہ کو اس قبر نما قید خانہ میں زندہ درگور کر دیا گیا اس کو صرف ایک طشت اور آفتابہ قضائے حاجت کے لئے اور پانی کی صراحی دے دی گئی تھی بس یہی چیزیں اس قید میں اس کی رفیق تھیں ؎

ہیچ دیدی کہ در یں بزم دمی خوش بنشست
کہ نہ در آخر صحبت بہ ندامت برخاست

فرخ سیر کا عہد حکومت

محمد فرخ سیر مرحوم شہید کی سلطنت کا پُر آشوب زمانہ کم و بیش چھ سال چار ماہ ہوتا ہے۔ فرخ سیر نے جہاں دار شاہ کی سلطنت کے گیارہ مہینے بھی اپنے عہد حکومت میں شامل کر کے دفاتر میں لکھوا دیئے تھے۔ یہ گیارہ ماہ مذکورہ مدت کے علاوہ ہیں۔ یہ واقعہ بڑا عبرت ناک تھا۔

ایک بادشاہ کو تخت سے اُتار کر قید میں ڈال دیا گیا اور دوسرے کو سات سال کی قید سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھا دیا گیا۔ اس واقعہ کی تاریخ ہے "تا عتمز دایا ادخل الابصار" (اصل نسخہ میں یہی تاریخ ہے مگر اس کے اعداد جمل کے حساب سے مذکورہ واقعہ کے سن سے مطابقت نہیں رکھتے)، ؎

زانقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ وافسوں ہزار دارد یاد

شمس الدین ابو البرکات رفیع الدرجات

ایک بے بس اور مظلوم بادشاہ، جسے تختِ سلطنت پر بٹھا دیا
گیا مگر فرماں فرمائی کے اختیارات اس کے سُپرد نہیں کئے گئے
وہ سادات بارھہ کی سازشوں اور ستم رانیوں کے خلاف مجسّم
احتجاج تھا، آخر وہ اسی غم میں گھُل گھُل کر مر گیا ؛

نئے بادشاہ کی تخت نشینی

مظلوم بادشاہ محمد فرخ سیر کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد سادات بارہہ نے اسی ہنگامہ کارزار میں جب کہ قلعہ کے اندر اور باہر شہر میں سخت اضطراب و ہیجان برپا تھا۔ نئے بادشاہ کو تخت نشین کر دیا۔ نیا بادشاہ شمس الدین ابو البرکات رفیع الدرجات تھا جو رفیع الشان کا چھوٹا بیٹا تھا خلد منزل۔ بہادر شاہ کا پوتا اور خلد مکاں اورنگ زیب بادشاہ کے بیٹے محمد اکبر کا پر پوتا ہوتا تھا۔ نئے بادشاہ کی عمر صرف بیس سال تھی۔ اس کی تاریخ ولادت "وارث تاج" سے نکالی گئی تھی جس وقت یہ انقلاب برپا ہوا شمس الدین قید میں تھا اور مرض دق میں مبتلا۔ دونوں سادات بھائیوں نے اسے قید سے نکالا اور اس جلدی میں کہ حمام کرنے اور لباس تبدیل کرنے تک کی مہلت نہیں دی اسی لباس میں جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ لے جا کر تخت شاہی پر بٹھا دیا اور گلے میں مروارید کی مالا ڈال دی اور تخت نشینی کے اعلان کے لئے شادیانہ بجوا دیا تاکہ شہر میں ہنگامہ ختم ہو جائے شہر میں۔ "الامان الامان" کی منادی بھی کرادی۔

جزیہ کی معافی کا حکم قطب الملک سید عبداللہ خاں نے مبارک بادی اور آداب تسلیمات کی رسم انجام دی اور اپنے خاص خاص ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ ہی میں ٹھیرا رہا اور قلعہ کے دروازہ پر اور دیوان خاص و عام کے اطراف ہر جگہ اپنے معتبر و معتمد خواجہ سراؤں خواصوں اور دوسرے عملہ کے آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ شمس الدین بادشاہ کے پہلے دربار ہی میں اپنے داماد کو قتل کرانے والے راجہ اجیت سنگھ اور عداوت پیشہ راجہ رتن نے جزیہ کی معافی کا حکم حاصل کر لیا اور امن وامان کے قیام کے لئے ہر طرف احکام جاری کرا دیئے۔

فرخ سیر کے حامیوں کی مصیبت

اعتقاد خاں کو بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید کرکے اس کی جاگیر اور گھر بار کو ضبط کر لیا گیا۔ اس نے نقد روپیہ جواہرات سونا چاندی مرصع آلات و ظروف مختلف جگہ بھجوا دیئے تھے۔ اس کے باوجود اس کا گھرانہ کافی مالا مال تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اسے جو جواہرات اور مروارید عطا ہوئے تھے۔ ان کی تفتیش و تحقیق میں اس کو بہت ذلیل کیا گیا اور سختیاں کی گئیں۔ اسی طرح سادات خاں اور شائستہ خاں کے بیٹوں کو جو مظلوم بادشاہ کے ماموں اور نسبتی بھائی ہوتے تھے اور توپ خانہ کے داروغہ سے۔ صلابت خاں، افضل خاں صدر اور دوسرے ہمدم اور خیر خواہوں کے گھر بار ضبط کر لئے گئے۔ فرخ سیر کی بیوی راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی تھی اس کی جاگیر اور مراتب راجہ کی خاطر داری کے لئے بحال رکھے گئے۔

تقرر تبادلہ اور معزولی

والا شاہی منصب داروں میں سے بعض کو جاگیر یا نے تک ماہانہ پچاس روپیہ ملتا تھا، بعض کو کچھ زیادہ اکثر نقد جاگیر کی امید میں منصب داروں کے زمرہ میں خود کو شمار کرتے تھے۔ ان سب منصب داروں اور امید داروں کو حکم دیا گیا کہ جو بھی ملازمت کا ارادہ رکھتا ہے وہ حسین علی خاں کی سرکار میں اپنے گھوڑوں کو داغ کرائے اور جس شرح سے دوسروں کو ماہانہ ملتا ہے پچاس روپیہ لیتا رہے۔ بخشی دوم کے عہدہ پر اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر کو بحال رکھا گیا۔ بخشی سوم سیف اللہ خاں کی جگہ ظفر خاں مقرر ہوا۔ بخشی چہارم کا عہدہ برخاست کر دیا گیا۔ نظام الملک بہادر فتح جنگ کو پہلے پٹنہ کی صوبہ داری دینے کی تجویز تھی بعد میں اسے مالوے کی صوبہ داری دی گئی۔ حالانکہ وہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے، ان خدمات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس کو آمادہ کرکے اس عہد و پیمان کے ساتھ کہ صوبہ داری سے آئے معزول نہیں کیا جائے گا، مالوے پر مقرر کر دیا۔ سربلند خاں مبارز الملک اس انقلاب سے پہلے ہی کابل روانہ کر دیا گیا تھا، مگر وہ پندرہ کوس جا کر ٹھیر گیا تھا اور نتائج کا انتظار کر رہا تھا، اسے دربار میں واپس بلا لیا گیا۔ اور از سر نو خلعت وغیرہ دے کر اسے مطمئن کرکے سابقہ تجویز کے مطابق کابل رخصت کر دیا گیا۔ مراد آباد کی فوج داری پر امیر الامراء نے اپنے بھائی سیف الدین علی خاں کو مقرر کر دیا۔ محمد رضا نامی دربار کا قاضی اور

میر خاں خلد مکانی جو اکبر آباد کا صوبیدار تھا۔ صدر الصدور مقرر ہوا۔ خالصہ کی دیوانی امانت خاں کے پوتے دیانت خاں کو ملی اور دیوانی تن پر راجہ بخت مل کا تقرر ہوا مگر عملاً تمام ملکی اور مالی شعبوں کے متصدی راجہ رتن چند کے نائب بنے رہتے تھے۔ ہمت خاں سید عبداللہ خاں کا مشیر اور ہمراز تھا۔ اس کو دیوان خاص و عام کا مشرف اور بادشاہ کا معلم و اتالیق مقرر کیا گیا۔ دور دراز کے صوبوں میں البتہ نظم و نسق کی خرابی کے اندیشہ سے اتنا زیادہ تغیر و تبدل نہیں کیا گیا۔ اندور پر امیر خاں کا بیٹا مرحمت خاں قلعدار تھا جو بڑے معزز گھرانے کا فرد تھا اور اس سے یہ حقیقت ہے کہ کوہستانی باغیوں اور سرکشوں کی اچھی طرح سرکوبی کی تھی اور قلعہ کے اطراف اور پورے تعلقہ میں راہزنی اور ڈکیتی کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ مگر حسین علی خاں اس سے ناراض تھا۔ کیونکہ جب وہ دکن سے آ رہا تھا تو مرحمت خاں ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوا تھا اور بادشاہ کی ناراضگی کے اندیشہ سے اس نے امیر الامراء کی خدمات سرانجام نہیں دی تھیں۔ چنانچہ اس کی جگہ خواجم قلی خاں تورانی کو مقرر کر دیا گیا۔ راجہ اجیت سنگھ کو حسب سابق احمد آباد کی صوبہ داری پر بحال رکھا گیا۔ وہ اجازت لے کر جلد احمد آباد جانا چاہتا تھا۔ تاکہ لوگوں کی لعنت ملامت سے بچ جائے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے مگر اسے اجازت نہیں مل سکی۔

فرخ سیر کا عبرتناک انجام

مظلوم بادشاہ کو قید میں دو ماہ گذر چکے تھے وہ بڑے سخت عذاب اور مصیبت میں یہ قید بھگت رہا تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اسے اندھا کر دیا گیا تھا مگر مشہور روایت ہے کہ اس کی بصارت بالکل ضائع نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ اس کی سادہ لوحی تھی یا ہوس اقتدار کہ وہ برابر اپنے دشمنوں کے پاس عذر معذرت کے پیغام بھیجتا رہتا تھا اور دوبارہ تخت پر بٹھانے کی فرمائش کرتا رہتا تھا۔ اس وعدہ پر کہ وہ دونوں بھائیوں کو سلطنت کے پورے اختیارات سپرد کر دے گا۔ عبداللہ خاں افغانی کو بادشاہ کی نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا۔ زندہ در گور بادشاہ اس کی خوشامد و درآمد کرتا رہتا تھا۔ اس سے وعدہ کرتا تھا۔ اگر وہ اسے یہاں سے نکال کر راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی کے پاس پہنچا دے جسے وہ اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتا تھا تو اسے سات ہزاری کا منصب دار بنا دے گا۔ یہ لوگ بھی اس کو دم دلاسا دے کر اس کے خیالات معلوم کرتے رہتے تھے اور ذمہ داران حکومت کو مطلع کر دیتے نے آخرکار دونوں بھائی اس

سادہ لوح قیدی کا قصہ پاک کر دینے کی فکر میں پڑ گئے۔ دو بار اسے زہر دیا مگر وہ کارگر نہیں ہوا۔ دوسری یا تیسری بار زہر کا اثر تو ہوا مگر وہ ایسا سخت جان تھا کہ کسی صورت روح نکلتی ہی نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں نے کلام الٰہی پر قسم کھائی تھی کہ اس کی جان نہیں لیں گے مگر اب وہ اسے ہلاک کرنے کی تدبیر کر چکے تھے بدنصیب بادشاہ، جان کنی کے عالم میں تڑپ رہا تھا اور دونوں بھائیوں بلکہ قرآن پاک کے متعلق بھی تند اور درشت کلمات زبان سے نکال رہا تھا کہ آخر اب تک ان نمک حراموں پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوا۔ ایسی ہی ناقابل بیان بکواس وہ کرتا رہتا تھا۔ جب امیر الامراء کو اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ تسمہ سے گلا گھونٹ کر ختم کر دیں۔ جب حکم کی تعمیل کی گئی تو فرخ سیر تسمے دونوں ہاتھوں سے تسمہ پکڑ لیا اور لاحاصل ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ جلادوں نے لکڑیاں مار مار کر اس کے ہاتھوں کو شل کر دیا ؎

برخوان دہر دست ارادت مکن دراز
کالودہ کردہ اند بہ زہر ایں نوالہ را

عوام کی عقیدت

عام شہرت تو یہ بھی ہے کہ اس وقت چھری اور خنجر سے بھی اس کے جسم پر زخم لگائے گئے۔ مگر جیسا کہ میں (خافی خاں) نے سنا ہے اس حد تک تو بات نہیں پہنچی تھی۔ بہرحال ہلاکت کے بارہ پہر بعد کفن دفن کا انتظام ہوا اور اس کی لاش کو ہمایوں کے مقبرہ میں لے جانے کے لئے تابوت لایا گیا۔ جس وقت اس بدقسمت بادشاہ کا جنازہ نکلا ہے تو دو تین ہزار مرد اور عورتیں خاص طور سے شہر کے لچے اور فقیر کیونکہ ان کو مرحوم بادشاہ سے بڑا فیض پہنچتا رہتا تھا۔ تابوت کے آگے آگے روتے ہوئے گریبانوں کو چاک کئے اور لعنت ملامت کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ اور تو اور دلاور خاں بخشی، حسین علی خاں اور سید علی خاں جو بخشی سید عبداللہ خاں کا بھائی تھا اور ان کو جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، وہ بھی شہر والوں کے ساتھ روتے جا رہے تھے۔ شہر کے لوگ ان کی پالکیوں اور سواروں کے گھوڑوں پر پتھر مار رہے تھے۔ فقیروں کو پیسے اور روٹی دی جاتی تھی وہ اس دن نہیں لے رہے تھے تیسرے دن گداگر لچوں کی ایک جماعت اس چبوترہ پر جمع ہو گئی جس پر مرحوم بادشاہ کو غسل دیا گیا تھا انہوں نے

وہاں کافی مقدار میں کھانا پکا کر فقراء کو کھلایا اور صبح تک مولود خوانی کرتے رہے۔

مکافات عمل

دونوں بھائیوں نے اپنی جان کے خوف سے اس سنگ دلی کا مظاہرہ کیا اپنے آقا کو قتل کیا اور پھر خود خاندانہ بارہہ کی تباہی کا سبب بنے۔ ان کو چاہیے کہ پہلے ہی دن جب کہ بادشاہ کو گرفتار کیا تھا اس دنیا سے اسے رخصت کر دیتے اور اس عذاب میں مبتلا نہ کرتے مگر عقلمندوں پر بات خوب روشن ہے کہ یہ دنیا دار مکافات ہے اور منتقم حقیقی کی عدالت میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ان بھائیوں کی اللہ نے رسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی چنانچہ انھوں نے کتنے ہی مظلوم آدمیوں کے گلے میں تسمہ کھینچ دیا بادشاہ کے معصوم بھائیوں کو اندھا کر دیا۔ کتنے ہی بے گناہوں کو قید میں ڈال دیا اور قتل کرا دیا ان سب اعمال کا بدلہ ایک ایک کر کے ان سے لیا جانے والا تھا۔ چنانچہ فاعتبروا یا اولی الابصار کے مصداق لوگوں نے دیکھا کہ مرحوم اور شہید بادشاہ کے اس دردناک حادثہ پر زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ ان پر دہی کچھ آفت ٹوٹ پڑی جو وہ دوسروں پر ڈھاتے رہے تھے جو کچھ انھوں نے بویا تھا ان کو آخر کاٹنا پڑا۔ قصہ مختصر اس واقعہ کے بعد دونوں بھائیوں نے بادشاہی خزانہ جواہرات مرصع آلات اور ہاتھی گھوڑے بقول عوام اپنے تصرف میں لے لئے اور انتخاب کر کے آپس میں تقسیم کر لئے۔ سید عبداللہ خاں عیاش طبع آدمی تھا اس نے شاہی بیگمات میں سے دو تین حسین عورتوں کو پسند کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا حرص و شہوت رانی کے تحت اس نے اپنے محل میں تقریباً ستر اسی عورتیں جمع کر رکھی تھیں اور ان کے ساتھ داد عشرت دیتا رہتا تھا مگر اس سانحہ کے بعد دونوں بھائیوں نے ایک دن اور ایک رات بھی خوش دلی اور اطمینان سے نہیں گذاری ان کو برابر اپنی جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

برادران سادات میں نفاق

پہلے تو خود دونوں کے درمیان ایک دوسرے کے تسلط اور غلبہ کے خوف سے بدگمانیاں پیدا ہو گئیں اور باہمی محبت کدورت میں بدل گئی۔ بڑا بھائی سید عبداللہ خاں وزیر تھا اس لئے بظاہر تمام امور مملکت اور اختیارات اسی کے ہاتھ میں تھے۔ مگر چھوٹا بھائی امیر الامراء حسین علی خاں بہادری کارگذاری نیض رسانی اور معاملہ فہمی

میں بہت آگے تھا اور اپنے ان اوصاف پر اسے گھمنڈ بھی بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے غرور میں کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ بڑے بھائی کی بھی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں تھی اور کارگذار بہادر امراء کو اپنا موافق اور دمساز بناکر وہ برابر ملک کے بند و بست اور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لیتا جا رہا تھا۔ چنانچہ عام طور پر دونوں بھائیوں کی ناچاقی کی خبریں مشہور ہوگئی تھیں۔ دونوں کے دل میں کدورت اور غبار پیدا ہوگیا تھا مگر فتنہ و فساد کے اندیشہ سے بظاہر اخلاص اور اخوت کا ہی مظاہرہ کرتے رہتے تھے تاکہ رخنہ اندازوں کو ریشہ دوانیوں کا موقع نہ ملنے پائے۔ اپنے دور اقتدار میں ان دونوں بھائیوں کا صرف یہی مشغلہ تھا کہ منصوب و معتوب امراء کے مال و املاک ضبط کراتے رہیں دور و نزدیک سے جواہرات طلب کر کے اپنا خزانہ بھرتے رہیں اطراف کے علاقوں میں جہاں جہاں انقلاب حکومت کی خبریں سن کر لوگ سرکشی پر اتر آتے تھے ان کی تادیب کرتے رہیں اور دور دراز کے علاقوں سے خزانے منگانے کے لئے فوجوں کو روانہ کریں بس ان معاملات کے علاوہ ان کو کبھی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی کہ ارباب حاجت کے معاملات کو سرانجام دیں۔

نمک حراموں کی سزا

راجہ اجیت سنگھ انہی دنوں نقد و جواہرات کی بڑی مقدار وصول کر لینے کے بعد احمد آباد جانے کی اجازت لے چکا تھا اور دہلی سے رخصت ہونے ہی والا تھا۔ دہلی میں اس کا رہنا دشوار ہوگیا تھا کیونکہ جب بھی وہ کسی راستہ اور بازار سے گذرتا تھا تو بازار کے اوباش اور بچے جمع ہو کر اس کو گالیاں دینے لگتے تھے اور صاف صاف اس پر فقرے چست کرتے رہتے تھے کہ "داماد کا خون بہانے کے اب یہ روسیاہ شہر سے رفو چکر ہونے والا ہے" ان باتوں سے تنگ آکر اس نے سواری کے وقت ایک دو آدمیوں کو قتل کر دینے کا حکم بھی دیدیا۔ ایک دن چند کشمیریوں کو اسی جرم میں گرفتار کر کے سادات کے حکم پر گدھوں پر سوار کرادیا گیا اور شہر میں ان کی تشہیر کرائی گئی۔ اس موقع پر جب کہ ڈھول بجاتے ہوئے ان کو گشت کرایا جا رہا تھا، کشمیریوں کے لڑکوں کا ہجوم بھی ساتھ ہوگیا تھا وہ نعرے لگا رہے تھے "نمک حراموں (مراد سادات بارہہ وغیرہ) کی سزا بھی یہی ہے" مرحوم بادشاہ کے خون ناحق پر ابھی دس پندرہ دن نہیں گذرے تھے کہ قلعہ اکبرآباد کے فتنہ و فساد

کی خبریں اڑنے لگیں جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے۔ ان افواہوں پر راجہ اجیت سنگھ کی روانگی ملتوی ہوگئی۔

سورت کا متصدی حیدر قلی خاں

انہی دنوں حیدر قلی خاں دہلی پہنچا، یہ بندرگاہ سورت پر متصدی اور احمد آباد کی صوبہ داری پر صمصام الدولہ کا نائب تھا۔ اس نے خان دوراں کی مدد سے بندرگاہ اور محال خالصہ سے کافی زیادہ رقم محصول میں جمع کرانے کی ذمہ داری لے رکھی تھی اور بادشاہ کے پاس بڑا نیک نام بنا ہوا تھا مگر اس کے بعض اطوار اور ظلم و تعدی کی وجہ سے اور اس سبب سے بھی کہ وہ دربار کے کسی امیر سے دبتا نہیں تھا۔ لوگ اس کے مخالف تھے۔ جب وہ دکن کی دیوانی پر مامور تھا تو خان خاناں میر جملہ کی حمایت اور پشت پناہی کی وجہ سے وہ سید عبداللہ خاں کو راضی نہیں رکھ سکا تھا۔ بندرگاہ سورت اور احمد آباد میں دوسرے بادشاہی متصدی اور جاگیر دار بھی اس سے ناراض تھے۔ اس پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے بندرگاہ سورت کے پیش کار بلبھداس کو حساب بے حساب رقموں کی وصولیابی کے لئے بڑی ایذائیں دے کر قتل کرا دیا تھا۔ دربار میں یہ شکایت بھی پہنچی تھی کہ اس نے نشہ کی بندش کے بہانہ ایک جماعت کو سزائیں دی تھیں اور نظم و نسق میں بے قاعدگیاں کی تھیں۔ جب بھی سید عبداللہ خاں کی مجلس میں اس کا ذکر آتا تھا تو حاشیہ بردار لوگ اس کی برائیاں بیان کرتے رہتے تھے جن سے قطب الملک کی خفگی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ آخر سید عبداللہ خاں نے اسے معزول کر دیا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا کہ جب بھی وہ دارالخلافہ پہنچے، اعتقاد خاں سے زیادہ اُسے ذلیل کرکے سزا دے۔ مگر ان دنوں اس کا ستارہ اچھا تھا۔ اس کی کارگذاری اور بہادری کا شہرہ تو تھا ہی انہی دنوں ایک واقعہ کی وجہ سے یہ شہرت اور بڑھ گئی احمد آباد کے راستہ میں اس کا صفدر خاں بابی سے مقابلہ ہوگیا۔ بابی کے ساتھ چار پانچ ہزار پٹھان سوار تھے اور چار پانچ ہزار جنگی مزدور، حیدر قلی خاں کے ساتھ اس کا تیسرا حصہ فوج بھی نہیں تھی اس کے باوجود وہ ان پر غالب آگیا۔ اس کے ان کارناموں سے امیرالامراء متاثر ہوگیا تھا۔ اس نے اکبرآباد پہنچنے کے بعد اکبرآباد

کے صوبہ دار غیرت خاں کے ساتھ جو دونوں بھائیوں کا بھانجہ تھا۔ بڑے اچھے سلوک کا مظاہرہ کیا اور اسے اپنا موافق بنالیا اور اس کے ذریعہ اور راجہ رتن چند کی وساطت سے اس نے دونوں بھائیوں کو اپنے حق میں ہموار کر لیا۔ اسی اثناء میں اکبرآباد میں شورش ہو گئی۔ لہٰذا امیرالامراء نے بڑے بھائی کے پاس سفارش کر کے اس کے قصور معاف کرا دیئے۔ حیدر قلی خاں نے حسین علی خاں کے سامنے مصلحت وقت کے تحت اپنی اطاعت اور عقیدت کا اظہار کیا اور خود کو اس درجہ مخلص اور خیر خواہ ثابت کیا کہ امیرالامراء اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگا اور عداوت محبت میں بدل گئی۔ آخر دونوں بھائیوں نے اسے اپنا ہمراز اور مشیر بنالیا۔

اکبرآباد کی شورش

یکم رجب سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) کو اکبرآباد کی اطلاعات سے معلوم ہوا قلعہ اکبرآباد کے ہزاری افسروں نے ۲۹ جمادی الآخر کو خلد مکاں اورنگ زیب بادشاہ کے پوتے محمد اکبر کے فرزند کو جس کا نام نیکو سیر تھا اور قلعہ میں قید تھا تخت پر بٹھا دیا اور دارالامارت پر گولہ باری کر کے اکبرآباد کے صوبہ دار غیرت خاں کو باہر نکال دیا۔ نئے بادشاہ کے سکہ پر یہ شعر ضرب کرایا گیا ؎

بزد زد سکۂ صاحب قرانی
شہ نیکو سیر تیمور ثانی

اس واقعہ کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔ سن ۱۰۹۳ سو ترانوے ہجری ۱۰۹۳ھ میں عالمگیر بادشاہ کے بیٹے محمد اکبر نے بغاوت کر دی تھی۔ خلد مکاں نے اس کے شیر خوار بیٹے نیکو سیر اور اس کی دو لڑکیوں کو اکبرآباد کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں بہادر شاہ کے بیٹوں شاہزادہ رفیع الشان اور شاہزادہ جہاں شاہ سے منسوب ہو گئیں اور نیکو سیر نے اپنی زندگی کے چالیس سال اسی قید میں گذار دیئے۔ ناگر قوم کا ایک زنار دار برہمن میترسین نیکو سیر کے متوسلین میں سے تھا۔ قلعہ کے ہزاری افسروں سے اس کا اچھا خاصا ربط ضبط تھا اور اس وجہ سے بعض امراض کے خاص طور سے زخموں کے علاج میں اسے بڑی اچھی مہارت تھی۔ جس زمانہ میں امیرالامراء دکن سے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ یہ فتنہ پرداز شخص حسین علی خاں کے بعض مصاحبوں اور اپنے ہم قوم دیا بکی کے ذریعہ امیرالامراء کی خدمت میں آنے جانے لگا۔ چونکہ حسین علی خاں کے زخم بہرے

ہو جاتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی اسے علاج معالجے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ مترسین اسی علاج معالجے کے سلسلہ میں امیرالامرا۔ کی خلوت میں باریاب ہوتا رہا اور بعض ہمدم اور ہمراز لوگوں کی مدد سے اس نے امیرالامراء کے سارے بھید اور ارادے معلوم کر لئے۔ پھر اس نے عیسیٰ علی خاں امیرالامراء کے ہزاری منصب داروں کے توسط سے اکبرآباد کے ہزاری منصب داروں سے جن کے درمیان مراسلت و روابط تھے۔ تعلقات قائم کر لئے۔ اسی کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ہزاروں منصب داروں نے شورش برپا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر ان کے سامنے کوئی مکمل منصوبہ نہیں تھا۔ انھوں نے نتائج پر پوری طرح غور کیا تھا اور نہ یہ کوشش کی کہ وہ تین نامی گرامی امیروں کو اپنا پشت پناہ بنالیں۔ اتنے بڑے کام کو بس بچوں کا کھیل سمجھ لیا تھا۔ ہزاریوں کو ہموار کرنے کے بعد مترسین خود اپنے طور پر شہزادہ نیکو سیر کا وکیل بن گیا۔ حالانکہ اس قیدی شہزادہ کو اس سارے قصہ کی کوئی خبر تک نہیں تھی۔ اب مترسین نے امیرالامراء کو پیغام دیا کہ اگر وہ نیکو سیر کو بادشاہ بنادے تو نیکو سیر کا ایک مطیع و فرماں بردار بادشاہ ثابت ہوگا۔ اس پیغام پر امیرالامراء بہت حیران ہوا اور غصہ میں بھی آیا کہ آخر اس کا یہ بھید کہ وہ فرخ سیر کو ہٹا کر کسی اور کو بادشاہ بنانے کی فکر میں ہے اس برہمن کو کیسے معلوم ہو گیا آخر اس نے مترسین کو مغضوب کر کے مجرا سلام سے روک دیا اور اسے قید کر دینے کی فکر میں رہا۔ مترسین پرانا کھاگ تھا۔ اپنی گرفتاری کے اندیشہ پر وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ اور اس سارے عرصہ میں کہ فرخ سیر کی معزولی نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے جھگڑے ہوتے رہے۔ مترسین راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی کے پاس روپوش رہا۔

مترسین کی سازش

ایک مشہور قول کے مطابق نیکو سیر کو سلطنت پر لانے کے لئے مترسین نے راجہ دھیراج سے عہد و پیمان بھی کر لئے تھے اور راجہ کا ایک خط اپنے پرچے کے ہمراہ الہ آباد کے صوبہ دار راجہ چھبیلا رام بہادر ناگر کے پاس جو فرخ سیر کا آدمی تھا۔ اس منصوبہ میں مدد طلب کرنے کے لئے بھجوایا تھا۔ دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ مترسین نے امداد و اعانت کی درخواست نظام الملک بہادر فتح جنگ سے کی تھی جو ان ہی دنوں اکبرآباد پہنچا تھا اور وہاں سے اپنی صوبہ داری پر جا رہا تھا۔ اس لئے عام طور سے یہ مشہور ہو گیا کہ فتح جنگ بھی اس منصوبہ بازی میں شریک تھا مگر یہی بات بھی ہے کہ نظام الملک بہادر جو تابہ مقدور فتنہ کو دور کرنے اور سلامت روی پر قائم

رہنے کی کوشش کرتا تھا اس پر راضی نہیں ہوا تھا۔ اس سازش کا پتہ سادات کو بھی چل گیا اور انھوں نے سمندر خاں نامی کو خفیہ طور پر اکبرآباد کا قلعہ دار مقرر کرکے دوسرے مسائل کے بہانہ سے روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ دار داد خاں بھی بھیجا گیا جو قطب الملک کا میر تزک تھا اور اسے اکبرآباد کا خزانہ لانے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ مگر عوام میں یہ شہرت ہو گئی تھی کہ انہیں نیکو سیر کو اندھا کر دینے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ مگر جب تک سادات کے یہ مقرر کردہ آدمی اکبرآباد پہنچے۔ متوسلین نے راجہ دھیراج، راجہ چھبیلا رام اور دوسرے راجپوتوں، زمینداروں اور پٹھانوں کی مدد کی امید پر جن سے اعانت و امداد کی گفتگو اور مراسلت ہوتی رہی تھی اپنے منصوبہ پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ چنانچہ قلعہ کے ہزاریوں کو ہم خیال بنا لیا۔ صفی خاں قلعہ دار کو بھی جو اسلام خاں کے نامی گرامی خاندان کا فرد تھا طوعاً و کرہاً باغیوں کا ساتھ دینا پڑا۔ اس سازش میں ایک ہزار سے زائد آدمی شریک تھے۔ انتیس جمادی الآخر (۱۱۳۱ھ) کو ان لوگوں نے نیکو سیر کو قید سے نکال کر قلعہ میں تخت نشین کر دیا۔

باغیوں کی غلطی

اس وقت بہتر تدبیر یہی تھی کہ یہ لوگ دو تین متصدیوں کے ساتھ جو ان کے ہمراہ تھے۔ غیرت خاں صوبہ دار پر اچانک حملہ کر دیتے اور اسے قید کر دیتے، پھر جس طرح بن پاتا اس کو ٹھکانے لگا دیتے۔ یہ اس وقت ممکن بھی تھا۔ کیونکہ اس دن غیرت خاں کے ہمراہ ستر اسی سواروں سے زیادہ نہیں تھے۔ اس کی جمعیت اطراف و اکناف میں انتظام و بندوبست کے لئے گئی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ نیکو سیر کو قلعہ سے نکال کر سادات بھائیوں کو خبر پہنچنے تک راجہ دھیراج کے پاس امبیر میں پہنچا دیتے جو وہاں سے سات آٹھ منزل پر ہی تھا۔ اس صورت میں زمینداروں، پٹھانوں، تمن داروں کی فوجیں بآسانی امبیر میں پہنچ جاتیں۔ مگر تقدیر کا لکھا کون میٹ سکتا ہے۔ انھوں نے بس یہ تدبیر کی کہ نیکو سیر کو تخت پر بٹھانے کے بعد قلعہ پر سے صوبہ دار کے دارالامارت پر گولہ باری کر دی اور اس کو خبردار کر دیا۔ غیرت خاں نے فوراً شہر سے نکل کر باہر خیمہ گاہ لگا دی اور تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ دونوں بھائیوں کے پاس بغاوت کی اطلاع بھجوا دی اور اپنی فوج کو جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ دارالخلافہ میں اس خبر کے پہنچتے ہی دونوں بھائی سراسیمہ ہو گئے۔ اور انھوں نے اسی دن راجہ بھیم، چوڑامن جاٹ کو لشکر دے کر

غیرت خاں کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ صفی خاں کا بھائی اسلام خاں اور صفی خاں کے بیٹے جہاں آباد (شاہجہاں آباد) میں تھے۔ انھیں بلوا کر قید کر دیا اور جاگیریں چھین لیں۔

دہلی میں افواہیں

ساتویں ماہ رجب کو خود امیر الامرا باقاعدہ فوج لے کر شہر سے نکلا اور شہر کے قریب بارہ پلہ پر خیمہ لگوا دیا۔ جب غیرت خاں کے پاس دونوں بھائیوں کے روانہ کردہ چار پانچ ہزار سوار پہنچ گئے تو اس کو بڑی تقویت ہو گئی۔ ادھر راجہ دھیراج نے کوچ کی کوئی تیاری نہیں کی بلکہ وہ الہ آباد سے چھبیلا رام اور مالوا سے نظام الملک کی اور دوسرے زمینداروں کی روانگی کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ چھبیلا رام اتفاق سے انھی دنوں اپنی صوبہ داری میں ایک اور جھگڑے میں پھنس گیا تھا۔ اس کی صوبہ داری میں ایک سرحدی تعلقہ کے زمیندار نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ صوبہ دار کو فوج کشی کرنی پڑی۔ سادات کو خبر ملی تو انھوں نے اس زمیندار کو اشارہ کر دیا کہ وہ چھبیلا رام بہادر سے جھگڑا قائم رکھے۔ ان دنوں شہر میں یہ حال تھا کہ لوگ زمانہ کے اس بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر سخت بیزار تھے اور سادات کی آقا کشی پر ان کے دل خون خون ہو رہے تھے۔ اس لئے ہر جگہ وہ خوب جی بھر کر افواہیں اڑاتے تھے کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ نیکو سیر کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ راجہ دھیراج اور چھبیلا رام بھی فوجیں لے کر پہنچ رہے ہیں اور دوسرے بڑے بڑے زمیندار بھی مدد کے لئے نکل آئے ہیں!

رفیع الدرجات کا خاتمہ

بادشاہ رفیع الدرجات دق کے مرض میں مبتلا تھا۔ سادات نے اس کے علاج کے لئے طبیبوں کو مقرر کر دیا تھا۔ مگر مدقوق کے لئے تفریح طبع اور خوش گوار باتوں کے سننے کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔ دق کے مریض کو تو ایسے مشغلوں میں رہنا چاہیے۔ جن میں ذہنی کوفت اور روحانی اذیت نہ ہو۔ مظلوم بادشاہ امور سلطنت میں کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا۔ وہ بچارا تو بس ایک طلسمی تصویر کی طرح تھا جسے تخت پر رکھ دیا گیا ہو۔ اس کے اطراف قطب الملک کے آدمیوں کا نرغہ رہتا تھا۔ اس کوفت اور رنج میں اس کا مرض روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ دوا اور علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔

اسی حال میں جب اکبر آباد کی پریشان کن خبروں کی اطلاع ملی تو اس کی نظروں میں اور اضافہ ہو گیا اور مرض نے شدت پکڑ لی۔ بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر دونوں بھائی کسی دوسرے

شہزادہ کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھانے کی فکر میں پڑ گئے۔ رفیع الدرجات نے خود فرمائش کی کہ میرے بڑے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کر کے میری زندگی میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اور میرے حال پر بڑا احسان ہوگا۔ سادات نے یہ تجویز قبول کرلی اور رفیع الدولہ کو تخت نشین کر دیا۔ تخت نشینی کے تیسرے دن ہی بیمار بادشاہ رفیع الدرجات اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگیا۔ اس نے کُل تین ماہ دس دن سلطنت کی۔

الاماں زیں سپہر تشنہ بخوں
واہ ازیں روزگار بوقلموں
یک نم آب امید چشم مدار
زیں غم خاک دسبوی نگوں

وہ بادشاہ نہیں، بادشاہت کی پرچھائیں تھا

رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی

(تیمور کا چودھواں وارث اور تختِ مغلیہ کا سترہواں جانشین)

نام کی نسبت تو صاحبقران شاہ جہاں سے تھی مگر درحقیقت رفیع الدولہ ایک کٹھ پتلی بادشاہ تھا اصل بادشاہ تو سادات بارہہ تھے جن کو تاریخ میں بجا طور پر "بادشاہ گر سید" کہا گیا۔

تخت نشینی

سادات بارہہ نے ہفتہ کے دن ۲۰ ماہ رجب سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) مطابق ۱۷۱۹ء کو مرحوم شہزادہ رفیع الشان کے بیٹے رفیع الدرجات کو جو اپنے بھائی سے ڈیڑھ سال بڑا تھا۔ شاہجہان ثانی کا لقب دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ میر نے رفاقی خاں، اس کے سن جلوس کے لئے تاریخ نکالی تھی "شنبہ بیستم مہ رجب بود" دونوں برادران سادات نے اس کے ساتھ بھی وہی وطیرہ رکھا تھا کہ سکہ اور خطبہ تو اس کے نام کا جاری کرا دیا۔ سلطنت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے اس کو معاملات حکومت میں کسی قسم کا اختیار اور دخل نہیں تھا، اس کے اطراف ہمیشہ قطب الملک کے آدمی محفل جمائے رہتے تھے۔ بادشاہ کے باہر نکلنے، محل میں رہنے اجلاس کرنے یہاں تک کہ اس کے طعام و لباس غرض سارے معاملات ہمت خاں سے متعلق تھے۔ وہ اس قدر بے بس تھا کہ سادات اور اتالیق کی غیر موجودگی میں جمعہ کی نماز کے لئے جا سکتا تھا نہ شکار کے لئے باہر نکل سکتا تھا۔ امرائے شاہی سے بات کرنے تک کی مجال نہیں تھی۔

شائستہ خاں کی ناکامی

رفیع الدولہ کی سلطنت کے آغاز میں محمد فرخ سیر شہید مرحوم کا ماموں شائستہ خاں خفیہ طریقہ سے ایک فوج مرتب کر کے راجہ دھیراج کے پاس جانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اس کی تیاریوں کے متعلق لوگوں میں بڑے چرچے ہوتے رہتے تھے۔ سادات کو بھی اس کی خبر ہو گئی تھی ان کی طرف سے اسے تنبیہ کر دی گئی تھی مگر وہ باز نہیں آتا تھا اور اپنے حوصلہ سے

زیادہ لاف زنی کرتا رہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے موانع نکال کر کسی مقام پر پہنچ جاتا طرفین میں فوج کشی کی نوبت آگئی مگر ابھی وہ دشمنوں کے خلاف کوئی کارروائی کر نہ پایا تھا کہ بڑی بے آبروئی کے ساتھ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سادات نے اس کا گھر بار ضبط کر لیا۔

امیر الامرا کی فوج کشی

امیر الامرا نے شائستہ خاں کے تصفیہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ہی غیرت خاں کی مدد اور قلعہ اکبر آباد کے محاصرہ کے لئے حمید قلی خاں کو "بہادر" کا لقب دے کر بطور ہراول روانہ کر دیا۔ اور اس کے پیچھے ہی خود بھی اعتماد الدولہ، صمصام الدولہ ظفر خاں اور دوسرے امرار کے ساتھ جن کی فوجوں کی مجموعی تعداد پچیس ہزار سوار تھی اکبر آباد روانہ ہوگیا۔ اسی اثنار میں یہ خبریں آنے لگیں کہ نیکو سیر کی مدد کے لئے راجہ جے سنگھ اپنے علاقہ سے روانہ ہوگیا ہے۔ اس کی ہمراہی کے لئے روح اللہ خاں ثانی کا بیٹا روح اللہ خاں بھی جو احمد آباد کی فوج داری پر فائز تھا روانہ ہو چکا تھا۔ وہ جے سنگھ کے لشکر میں شامل ہوگیا ہے۔ تہور خاں تورانی بھی چپ چاپ شاہجہاں آباد سے نکل کر یلغار کرتے ہوئے راجہ کے پاس پہنچ گیا۔ راجہ چھبیلا رام کے کوچ کی خبر بھی لوگوں میں مشہور تھی مگر اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی، کیونکہ وہ اپنے تعلقے کے ایک زمیندار سے الجھا ہوا تھا اور نیکو سیر کی مدد کے لئے وقت نہیں نکال سکا، نظام الملک بہادر نے بھی اس معاملہ میں کوئی پہل نہیں کی۔

دہلی میں افواہیں

بہت سے آدمی ایسے بھی تھے جو موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور لشکر کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو زمانہ کی ناقدری کے ہاتھوں نالاں تھا۔ یے بھی عام طور پر لوگ دونوں بھائیوں کے غلبہ و تسلط اور بد کردار راجہ رتن کے بڑھتے ہوئے اختیارات سے سخت ناراض اور غضب ناک تھے۔ ان دنوں لوگ مجذوبوں فقیروں اور گوشہ نشین درویشوں کی پیشین گوئیاں سناتے رہتے تھے۔ کلام اللہ اور خواجہ حافظ کے کلام سے فال نکالتے تھے بزرگوں کے خواب بیان کرتے اور نجومیوں اور رمالوں کے احکام بتاتے تھے کہ سلطنت نیکو سیر کو ملنے والی ہے۔ عام طور پر لوگ نیکو سیر کی بادشاہت کے خواہش مند اور منتظر تھے۔ محفلوں اور مجلسوں میں

بڑی بڑی افواہیں اڑتی رہتی تھیں کہ نیکو سیر فقیروں کا بھیس بدل کر راجہ دھیراج کے پاس پہنچ گیا ہے اور تمام راجے مہاراجے زمیندار اور چھبیلا رام تیس ہزار سوار لے کر آرہے ہیں۔ نظام الملک نے بھی بڑے سازو سامان کے ساتھ کوچ کر دیا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں مگر ان میں صرف یہی ایک بات صحیح اور درست تھی کہ راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی لاؤ دس ہزار سواروں کے ساتھ اجمیر سے نکل کر ایک منزل کے فاصلہ پر ٹھیرا ہوا تھا اور راجہ چھبیلا رام کے کوچ کا انتظار کر رہا تھا۔

قطب الملک کی روانگی

ان خبروں اور افواہوں کی بنا پر قطب الملک سید عبداللہ خان بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر مہاراجہ اجیت سنگھ اور دوسرے امیروں کی ہمراہی میں آخر شعبان میں دارالخلافہ سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ تیس ہزار سوار سے زیادہ تھے اور اب وہ اکبر آباد کی طرف جے سنگھ کے مقابلہ کے لئے کوچ کرتا جاتا تھا۔ انہی دنوں مہاراجہ اجیت سنگھ نے اپنی بیٹی۔ مہارانی" کو جو محمد فرخ سیر مرحوم کے عقد میں تھی اپنے پاس بلا لیا تھا وہ تمام جواہرات خزانہ طلائی آلات جن کی قیمت ایک کروڑ روپیہ ہوتی تھی۔ لے کر آگئی۔ مشہور ہے کہ اس نے مسلمان عورتوں کا بھیس بدل لیا تھا اور بادشاہی متصدیوں اور ناظر کو رخصت دے کر وطن بھیج دیا تھا۔ مہارانی کا دوبارہ ہندو گھرانہ میں واپس چلے جانے پر لوگوں میں بڑا اشتعال پیدا ہوگیا وہ اس حرکت کو شریعت اور آداب سلطنت اور غیرت و حمیت کے خلاف سمجھتے تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں ہندو راجاؤں کا ایسا غلبہ و تسلط کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اسلام قبول کر لینے اور بادشاہوں کے عقد میں دیدینے کے بعد اس طرح واپس لے گئے ہوں۔

اکبر آباد کا محاصرہ

حیدر قلی خان بہادر نے اکبر آباد پہنچتے ہی نیرت خاں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی اور دمدمہ بازی میں مصروف ہوگئے۔ جلد ہی حسین علی خان امیر الامرا بھی قلعہ پر آپہنچا۔ اب جو دونوں طرف سے مقابلے اور لڑائیاں ہوئیں ان کی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہیں مختصر یہ کہ طرفین کی گولہ باری نے قلعہ کے اندر اور باہر بہت سے مکان تباہ ہوگئے۔ مسجدوں کو اور شہر کی عمارتوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ اور یہ محاصرہ تین ماہ تک

طویل ہو گیا۔

جسے اللہ رکھے

اس محاصرہ کے دوران ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ غیرت خاں کے لشکر سے تین پٹھان قلعہ میں بھاگ گئے تھے۔ ایک دن وہ اتفاق سے پکڑے گئے۔ غیرت خاں نے حکم دیا کہ تینوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر دو دو آدمی رسیوں کے سرے کو پکڑ لیں اور پھر ان کو توپ دم کر دیں۔ چنانچہ ان تینوں میں سے دو کو توپ کے گولہ کے ساتھ اڑا دیا گیا۔ جب تیسرے کو لا کر کھڑا کیا گیا تھا اور اب توپ کو سر کرنے ہی والے تھے کہ قلعہ کی توپ چلی اور اس توپ پر گولہ آکر پڑا اس ضرب سے کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا۔ البتہ اس توپ کا دہانہ کچھ اونچا ہو گیا، اسی وقت اللہ کے حکم سے مجرم نے سر کو کچھ اس طرح نیچے جھکا لیا کہ اس کے ہاتھ جو پشت پر بندھے ہوئے تھے اس کے سر سے اوپر ہو گئے، بس عین اسی وقت توپ چھوٹ گئی اور توپ کا گولہ دونوں ہاتھوں کے درمیان اسی کے بندھن کو جلاتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ اس شخص کے ہاتھوں کو کچھ نقصان تو پہنچا مگر وہ بالکل آزاد ہو گیا اس وقت گولہ چھوٹنے کے دھماکے اور دھوئیں کے مرغولوں میں صاف طور پر کچھ نظر نہیں آرہا تھا کہ کیا کچھ ہو گیا ہے۔ لوگ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ گولہ لگتے ہی اس کے پرخچے اڑ گئے ہوں گے۔ اس موقع سے پٹھان نے فوری فائدہ اٹھایا اور کمان سے چھوٹے تیر کی طرح تیزی سے نکل بھاگا اور قلعہ کی ایک بدرو میں گھس کر کسی نہ کسی طرح جان بچالے گیا۔ بلاشبہ اللہ کی قدرت بڑی ہے اگر بارش کی جگہ آسمان سے تیر برسنے لگیں اور درختوں کی شاخیں شمشیر آبدار بن جائیں تو بھی اللہ جس کو بچانا چاہے اُس کا بال تک بیکا نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟

شب تار است و سنگستان و من مست
قدح از دست من افتاد و نہ شکست
نگہدارندہ اش نیکو نگہداشت
وگرنہ صد قدح افتادہ بشکست

راجہ جے سنگھ کی اطاعت

قطب الملک بادشاہی فوج کو لے کر بارش کے موسم کے خیال سے ٹھیرا ہوا تھا۔ جے سنگھ بھی دمن

سے نکل کر اکبر آباد سے چالیس کوس کے فاصلہ پر اپنی لشکر گاہ ڈالے ٹھہرا ہوا تھا اور چھیلا رام اور دوسری کمک پر آنے والی فوجوں کا انتظار کر رہا تھا۔ قطب الملک نے آخر پیش قدمی کی اور متھرا کے قریب جے سنگھ سے دس کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا۔ جے سنگھ نے جو دیکھا کہ کسی طرف سے بھی نیکو سیر کی کمک کے لئے کوئی فوج نہیں آرہی ہے تو اس نے قطب الملک کے پاس اپنا وکیل بھیج کر معذرتوں کی معافی چاہی اور ندامت کا اظہار کیا۔

ہزاریوں کی سازش

اکبر آباد سے جو خبریں آرہی تھیں ان سے ایک اور واقعہ کی اطلاع ملی کہ امیر الامراء کے لشکر کے ہزاریوں نے ایک سازش کی بہ کن مل کا بیٹا متھرا مل اسد خانی نیکو سیر کا منشی بن گیا تھا۔ ہزاریوں نے قلعہ میں یہ پیغام پہنچایا کہ ہم ہزاری امیر الامرا کا ساتھ چھوڑ کر قلعہ میں آنے پر تیار ہیں بشرطیکہ کوئی معتمد اور قابل اعتبار آدمی آکر ہم کو لے جائے۔ متھرا مل ان ہزاریوں کو نیکو سیر کے پاس لے جانے کے لئے قلعہ سے باہر مورچوں کے قریب آیا اور انہی ہزاریوں نے جنہوں نے اسے طلب کیا تھا۔ گرفتار کر کے اسے امیر الامراء کی خدمت میں پیش کر دیا۔ متھرا مل کے قلمدان سے ان امیروں کے خطوط بھی برآمد ہوئے جو امیر الامراء کے ساتھ تھے یہ خط نیکو سیر کے نام لکھے گئے تھے۔ امیر الامراء نے اس وقت تمام امیروں کی تحقیقات کو خلاف مصلحت جانا اور اس معاملہ کے اخفا کی کوشش کی البتہ ان میں سے ایک خط جو اسد علی خاں، علی مردان خانی کی مہر سے بھیجا گیا تھا۔ لوگوں کے سامنے آگیا۔ اسد علی خاں حسین علی خاں کا ہم دم و ہمراز بنا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں بڑی مختلف روایات ہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ امیر الامراء نے آخر اسے مغضوب و معتوب کر کے اس کی جاگیر ضبط کر لی تھی۔

محمد عسکری کی گرفتاری

حیرت کی بات یہ ہے کہ ہزاریوں نے متھرا مل کے ساتھ جو چال چلی تھی اس کا علم سب کو ہو گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود نیکو سیر کا بھتیجہ محمد عسکری بھی ایک سازش کا شکار ہو گیا۔ چورامن جاٹ دریا کی سمت کے مورچوں پر مامور تھا۔ اس نے محمد عسکری سے نامہ و پیام کے ذریعہ یہ یقین دلایا کہ وہ اسے چھبیلا رام کے پاس پہنچا دے گا۔ اس کے معاوضہ میں جاٹ نے

عسکری سے کچھ رقم بھی وصول کی اور بقیہ رقم کے لئے طے پایا کہ وہ الہ آباد پہنچنے کے بعد ادا کرے گا۔ چنانچہ اس قرارداد پر محمد عسکری چار پانچ آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے نکل آیا اور چورامن جاٹ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے اس رقم کے ساتھ جو وہ وصول کرچکا تھا اپنی کارگذاری جتانے کے لئے حسین علی خاں کے پاس بھجوا دیا۔

قلعہ اکبرآباد کی فتح

محمد عسکری کی گرفتاری کے بعد جب اکبرآباد کے ہزاریوں نے شنا کہ راجہ دھیراج جے سنگھ کا وکیل قطب الملک کے پاس معافی نامہ لے کرگیا ہے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ ادھر محاصرہ کے طویل ہوجانے کی وجہ سے قلعہ میں غذا کے ذخیرے بھی ختم ہو چکے تھے۔ آخر ہزاریوں نے مایوس ہوکر امیرالامراء کے ایک ہزاری منصب دار چورامن نامی کے ذریعہ صلح کا پیام بھجوادیا اور جان و آبرو کی امان لے کر قلعہ کی چابی سپرد کردی اور ستائیسؔ رمضان سن گیارہ سو اکیتس ہجری کو قلعہ فتح ہوگیا اور نیکوسیر اپنے مقربوں سمیت گرفتار ہوگیا۔ ان سب کو جان کی امان اور تسلی دلاسا دے کر حسین علی خاں کے پاس پہنچا دیا گیا۔

متر سین برہمن کی خودکشی

متر سین برہمن کہ یہ سارا ہنگامہ اسی کا برپا کیا ہوا تھا، خوب جانتا تھا کہ کسی صورت بھی اس کی جان بخشی نہیں ہوگی اور بڑی ذلت و خواری سے مرنا پڑے گا اس لئے اس نے جمدھر مار کر خود کو ہلاک کرلیا۔ اس کا سر کاٹ کر لشکر میں گشت کردیا گیا اور دارالخلافہ شاہجہاں آباد بھیج دیا گیا کہ وہاں بھی اس کی تشہیر کرائی جائے اس فتح پر دونوں بھائیوں کے لشکر میں اور شاہجہاں آباد میں تین دن تک فتح کے شادیانے بجوائے گئے۔ ؎

کسی را بخت چوں بردارد از خاک
رہ سیلاب را بندد ز خاشاک
دمی کاو باد دامن گیر گردد
دم عیسیٰ دم شمشیر گردد

قدیم بادشاہی خزانے اور نوادرات

نیکوسیر کی گرفتاری کے بعد امیرالامراء نے قلعہ کے خزانوں کی ضبطی کا حکم دیا۔ اس

تحت قلعہ میں تین چار سو سال سے جمع شدہ خزانے تھے جو سکندر لودی سے بابر بادشاہ تک جمع ہوتے رہے تھے۔ جن میں نور جہاں بیگم اور ممتاز محل کا مال و اسباب خاص اہمیت رکھتا تھا بعض خزانے سربستہ تھے جن میں طلائی اور نقرئی ظروف کی بڑی تعداد تھی اور چند ہزار تانبہ کی اینٹیں بھی تھیں۔ غرض باختلاف قول یہ سارا نقد و جنس دو تین کروڑ کی مالیت کا تھا۔ ان خزانوں کی ضبطی کے لئے امیر الامراء وہاں پندرہ سولہ دن ٹھیرا رہا۔ کہتے ہیں برآمد ہونے والے بیش قیمت نوادرات میں مروارید کی ایک چادر تھی۔ جو صاحب قران ثانی نے ممتاز محل کی قبر پر چڑھانے کے لئے تیار کرائی تھی۔ یہ چادر عرس کے دن اور جمعہ کی شب کو اس مرحومہ کی قبر پر ڈالی جاتی تھی۔ کہتے ہیں نور جہاں کی ایجاد کردہ چق (چلمن) کا ایک جوڑا بھی تھا جس کو سونے کے تاروں میں قیمتی مروارید پرو کر تیار کیا گیا تھا۔ اس کے لہردار حاشیے پر قیمتی یاقوت اور زمرد ٹکے ہوئے تھے۔ بہر حال ان اموال میں سے بڑے بھائی سید عبداللہ خاں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا اگر چار ماہ بعد بڑی بے مزگی کے بعد جس کا ذکر ہم کریں گے۔ اکیس لاکھ روپیہ قطب الملک کے خزانہ میں داخل کیا گیا تھا۔ بہر حال امیر الامراء اکبر آباد کے خزانوں سے مالا مال شوال کے مہینے میں لوٹا اور فتح پور میں بادشاہی فوج اور قطب الملک سے جا کر مل گیا۔ قطب الملک حسین علی خاں سے چار پانچ دن پہلے فتح پور پہنچ چکا تھا۔

ہندو راجاؤں کا تسلط

راجہ دھیراج نے اپنی حرکتوں پر نادم ہو کر معافی طلب کر لی تھی اس کے وکیل معافی اور مصالحت کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور دونوں طرف سے شرائط طے کرا رہے تھے۔ یہ گفت و شنید ایک ماہ تک ہوتی رہی۔ ایک شرط یہ تھی کہ راجہ اجیت سنگھ جن بادشاہی محالات پر وطن کے قریب ہونے کی بنا پر اپنی جاگیر کے مطالبات کے سلسلہ میں قابض ہے وہ ان سے دست برداری اختیار کرے۔ جے سنگھ نے یہ درخواست بھی کی کہ جو امیر مثلاً روح اللہ خاں اور تہور خاں اس کی رفاقت میں ہیں۔ ان کے قصور بھی معاف ہوں اور ان کو جاگیر دیدی جائے اور ان کو راجہ کے ہمراہ رہنے کی اجازت مل جائے۔ اس تصفیہ کو نمٹانے میں راجہ اجیت سنگھ نے بھی بڑی کوشش کی۔ آخر طے کیا گیا کہ صوبہ احمد آباد میں سورت کی سرکار کی فوج داری راجہ دھیراج کے تفویض کر دی جائے گی۔ اور

احمد آباد اور اجمیر کی صوبہ داری جودھ پور بھیت راجہ اجیت سنگھ کو نام بحال ہوگی۔ اس تصفیہ کے بعد دارالخلافہ سے تیس کوس کے فاصلہ پر سے جہاں راجہ جے سنگھ کا وطن تھا۔ سمندر کے کنارے یعنی سورت تک کا وسیع و عریض علاقہ دونوں راجاؤں تصرف مقبضہ میں آگیا۔

شاہ جہان ثانی کی وفات

دونوں بھائیوں نے پوری طرح سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا مگر تقدیر الٰہی میں یہی تھا کہ دونوں بھائی ناکام و نامراد اس دنیا سے جائیں۔ نیا تخت نشین بادشاہ شاہ جہان ثانی اسہال کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ جسمانی تکلیف کے علاوہ بار بار کے اقتدار سے اسے ذہنی صدمہ بھی بہت تھا۔ غرض وہ ان تکالیف میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکا اور جلد ہی منزل آخرت کی طرف کوچ کرگیا۔ اس کی سلطنت بھی صرف تین ماہ چند دن رہی ؂

جہاں را نماند بے کد خدائی
یکے گر رود دیگر آید بجائی

چراغ سحری جو جھلملایا اور بجھ گیا

ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ

رفیع الدولہ کے آخری دن

شاہ جہاں ثانی رفیع الدولہ کی تخت نشینی کو ایک ماہ بیس دن کا عرصہ ہوا تھا کہ وہ اسہال کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ طبیبوں حکیموں نے بہت کچھ علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز مرض بڑھتا چلا گیا۔ سید عبداللہ خاں تیمارداری اور غمخواری میں برابر لگا ہوا تھا اور تمام احتیاطی تدبیریں اختیار کر رہا تھا مگر ان دونوں بھائیوں نے مرحوم فرخ سیر کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا پھل بھی انہی بھائیوں کو چکھنا تھا اس لئے دونوں جوان سال بادشاہ جن کے نام سے سادات اپنا اقتدار جمانا چاہتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھٹ پٹ دنیا سے اٹھ گئے۔ رفیع الدولہ کو جسمانی مرض کے علاوہ اس بات کا بھی شدید صدمہ تھا کہ سادات بادشاہت کے سارے اختیارات کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھے ہوئے تھے اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا رکھا تھا۔ سادات کے مقدر میں یہی لکھا تھا کہ دونوں بادشاہ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی بدنامی سادات بارہہ کے نام پر ہمیشہ ایک داغ بن کر لگی رہی۔ چنانچہ ابھی اس کے بھائی کی وفات پر تین ماہ دس دن بھی نہیں گذرے تھے کہ رفیع الدولہ کے کوچ کے آثار ظاہر ہو گئے۔

سید عبداللہ خاں جب بادشاہ کی زندگی سے مایوس ہو گیا تو ماہ شوال کے آخر میں اس نے اپنے ماموں زاد بھائی غلام علی خاں ولد سید خان جہاں کو شہزادہ محمد روشن اختر کو لانے کے لئے فتح پور سے بھیج دیا۔ روشن اختر بہادر شاہ خلد منزل کے پوتے جہاں شاہ کا

فرزند تھا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی وہ چودہ واسطوں سے امیر تیمور کا وارث تھا۔ جہاں دار شاہ کے عہد سے وہ اپنی والدہ کے ساتھ دہلی کے قلعہ میں ہی رہتا تھا۔ روشن اختر خوبصورت نوخیز جوان تھا ذکاوت طبع دلیری و بہادری کے اوصاف اس میں موجود تھے۔۔ روشن اختر کے شاہجہاں آباد کے قلعہ میں پہنچنے سے پہلے ہی رفیع الدولہ کا انتقال ہوگیا ؎

بہ فنادی گذار ایں جہان خراب
کہ نے جم شناسد نہ افراسیاب

روشن اختر کے پہنچنے تک شاہجہاں ثانی کی وفات کو سادات نے ایک ہفتہ تک مخفی رکھا اور بعد میں اس کا کفن دفن ہوا۔

روشن اختر کی تخت نشینی

اور ذی قعدہ کو روشن اختر کی سواری فتح پور کے نواح میں پہنچی۔ اور پندرہ تاریخ بروز ہفتہ سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) مطابق آٹھ ماہ مہر (الہٰی) دن کے گیارہ بجے جبکہ ستارہ مشتری دسویں برج میں اور زحل بارھویں برج میں اور آفتاب پندرھویں برج میں تھا۔ اس کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا۔ نیا سکہ اور خطبہ " ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی " کے نام سے جاری ہوا۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی غلہ کا نرخ جو چند سال سے بہت گراں ہوچکا تھا اور لوگ بڑی پریشانی میں مبتلا تھے ارزاں ہوگیا۔ لوگوں نے اسے نئے بادشاہ کی برکت سے تعبیر کیا۔

روشن اختر کی والدہ

روشن اختر کی والدہ صاحب زماں ملکہ دوراں ایک مدبر موقع شناس اور عقلمند خاتون تھی۔ جب نیا بادشاہ فتح پور کی طرف جانے لگا تھا تو اس نے عبداللہ خاں کے فرستادہ آدمیوں کو اور ان ملازمین کو جو رکاب شاہی میں تھے اور دور و نزدیک کے تمام عہدہ داروں کو عمدہ خلعتیں دے کر خوش کردیا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ بخشش و عطا دونوں سید بھائیوں کے خلاف مرضی ہے تو اس نے بقیہ امیدواروں کو دوسرے کسی موقع کے لئے موقوف کردیا۔ ایک ماہ بعد وہ شاہ جہان آباد سے بیٹے کو دیکھنے کے لئے فتح پور آئی سادات کی دل جوئی کے لئے اس نے ہدایت کردی کہ جہاں شاہی دربار کے قدیم وابستہ افراد استقبال اور

حاضری کے لئے نہ آئیں۔ غرض وہ ہر معاملہ میں دونوں بھائیوں کے پاس خاطر کو ملحوظ رکھتی تھی

محمد شاہ سادات کے نرغہ میں

طے پایا کہ محمد شاہ کی تاریخ جلوس کا آغاز مرحوم محمد فرخ سیر کی معزولی کی تاریخ سے درج کیا جائے بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ اور محل کی عورتوں کے لئے پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ کی رقم مقرر کردی گئی۔ پہلے کی طرح گلال بار (بادشاہی قیام گاہ) کے اطراف کے بندوبست پر جو ملازم جیسے ناظر خواجہ سرا خواص فیل بان سواری کا عملہ خاص باورچی رکاب دار فراش وغیرہ مقرر کئے گئے وہ عبداللہ خاں کے اپنے آدمی تھے۔ بادشاہ نے ہمت خاں کو جو دربار کی چار پانچ خدمات پر مامور رہ چکا تھا اور بادشاہ کی معلمی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے دیوان خاص اور دیوان عام کا نگران اعلیٰ مقرر کردیا تھا۔ اس کے ساتھ بادشاہ کا سلوک نہایت عمدہ تھا اور کسی معاملہ میں اس کے مشورہ کے بغیر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ محمد شاہ بھی اپنے دو پچھلے روؤں کی طرح نماز جمعہ اور شکار پر جانے کے اختیارات نہیں رکھتا تھا جس دن بادشاہ کی سواری نکلتی تھی۔ سادات کے قابل اعتماد افسر سواری کو چاروں طرف سے گھیرے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی دو تین ماہ میں ایک بار سیر و تفریح اور شکار کے نام پر ایک دو کوس تک شہر سے باہر لے جاکر واپس لے آتے تھے۔

چھبیلا رام ناگر کی وفات

الٰہ آباد کے صوبہ دار چھبیلا رام ناگر کی طرف سے سادات بارہہ مطمئن نہیں تھے۔ اس کی بعض کارروائیوں سے دونوں بھائیوں کی خفگی بہت بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ حسین علی خاں نے اس کی سرکوبی کا ارادہ کرلیا اور الٰہ آباد کی طرف پیش خانہ نکالنے کا حکم دیدیا۔ مگر انہی دنوں چھبیلا رام کے اچانک فوت ہوجانے کی اطلاع آگئی۔ حسین علی خاں اس کی وفات کی خبر سن کر خوش ہوگیا مگر بظاہر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "افسوس ہم اس کے سر کو نیزوں پہ بلند شہر بہ شہر گشت کرتا ہوا نہیں دیکھ سکے"۔ اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ چھبیلا رام کے مرنے کے بعد اس کا بھتیجا گردھر ولد دیا بہادر جو اس کا میر شمشیر کہلاتا تھا فوج جمع کرنے اور الٰہ آباد کے قلعہ کو مستحکم کرنے میں مصروف ہے۔ اس اطلاع پر دونوں بھائی محمد شاہ کو ساتھ لے کر مستقر الخلافت اکبر آباد کے نواح میں لے آئے اور قلعہ الٰہ آباد کی تسخیر کے ارادے سے دریائے جمنا پر پل بندھوایا اور ہراول فوج کو مقرر کردیا اور پیش خانہ دریا کے پار بھجوادیا۔

رتن چند کا اقتدار

انہی دنوں صدارت کل کے عہدہ پر میر جملہ کو مقرر کیا گیا۔ مگر رتن چند تمام ملکی، مالی بلکہ شرعی معاملات میں یہاں تک کہ شہروں پر قاضیوں اور عدالتی عہدہ داروں کے تقرر میں بھی اس درجہ دخیل اور کارفرما تھا کہ تمام چھوٹے بڑے بادشاہی متصدی معطل اور بیکار ہو کر رہ گئے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رتن چند ایک شخص کو عبداللہ خاں کے پاس لے کر آیا اور کسی شخص کا قاضی مقرر کرنے کے لئے تجویز و سفارش کی۔ سید عبداللہ خاںؒ ایک گستاخ مصاحب کی طرف متوجہ ہو کر ہنستے ہوئے کہا۔ "لو دیکھو ہمارا رتن چند اب قاضیوں کا بھی تقرر کرنے لگا" اس مصاحب نے دست بستہ عرض کیا "راجہ جیو ملکی بندوبست سے تو فارغ ہو چکے ہیں اور اب دینی معاملات کو سرانجام دینا چاہتے ہیں"۔

جب گردھر کے خلاف افواج مقرر کر دی گئیں تو اس نے اطاعت اور معافی کے لئے اپنے وکیل کو دربار میں بھیج دیا جو کبھی تو یہ تجویز رکھتا تھا کہ گردھر کو الہ آباد کا صوبہ دار بنایا جائے اور کبھی صوبہ اودھ پر مقرر کر دینے کی درخواست دیتا تھا آخر اس نے قلعہ خالی کر دینے کے لئے چھبیلا رام کے آخری مراسم ادا کرنے تک کی مہلت چاہی اور اودھ کی صوبہ داری کا فرمان "بہادر" کے خطاب اور دوسری شاہانہ عنایات کے ساتھ گردھر کے نام صادر کر دیا گیا۔

بوندی کے راجاؤں کا تنازعہ

محمد فرخ سیر بادشاہ کے تذکرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ راجہ بھیم اور راجہ بدھ سنگھ ہاڑہ اپنے وطن بوندی پر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے اور ان کا یہ تنازعہ برابر جاری تھا۔ دونوں بھائیوں نے راجہ بھیم کی مدد کے لئے سید دلاور علی خاں کو جو بڑا جنگجو بہادر اور حسین علی خاں کا بخشی تھا روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار سوار کی جمعیت تھی جن میں اکثریت بارہہ کے آدمیوں اور جمع داروں کی تھی۔ خلوت میں سید دلاور علی خاں کو ہدایت کر دی کہ بدھ سنگھ کی سرکوبی کے بعد راجہ جے سنگھ کو ساتھ لے کر صوبہ مالوا کی سرحد پر جا کر ٹھیر جائے اور دوسرے حکم کا منتظر رہے۔ یہ ہدایت جس فاسد منصوبہ کے تحت دی گئی تھی، آخر اس کے تلخ نتائج سامنے آکر رہے جس کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

الہ آباد پر فوج کشی

گردھر بہادر سے صلح اور عہد و پیمان ہو چکا تھا مگر اس کی طرف سے پوری طرح خاطر جمعی نہیں تھی۔ اسی لئے حیدر قلی خاں بہادر کو ایک عمدہ فوج دے کر اس کے خلاف روانہ کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ شاہ علی خاں محمد خاں بنگش کڑہ کا فوجدار شیر افگن خاں وغیرہ بھی اسی مہم پر مامور کئے گئے۔ حیدر قلی خاں نے الہ آباد پہنچنے کے بعد بہتر کارگذاری کا ثبوت دیا۔ اس مہم کو سر کرلینا اس کے لئے چنداں دشوار بھی نہیں تھا۔ بشرطیکہ صلح و جنگ کے فیصلہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا مگر وہاں یہ صورت تھی کہ دوسرے سرداراں بارہہ بھی اپنی اپنی جگہ مختار بنے ہوئے تھے اور پھر سب کے پیچھے رتن چند کی مرضی اور پسند تھی کہ اس کے مشورہ اور رائے کے بغیر کسی کو کچھ کرنے کا اختیار ہی نہیں تھا۔ اسی لئے یہ قضیہ طول پکڑ گیا۔ گردھر کو سادات کے قول اور عہد پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ ہر ہفتہ اور ہر مہینہ قلعہ کو خالی کرنے کا شور اٹھتا رہتا تھا۔ مگر یہ وعدے صرف دکھاوے کے تھے۔ آخر معاملات گفت و شنید سے طے نہ پا سکے اور محاصرہ و جنگ کی نوبت آگئی۔

اکبر آباد سے روانگی

الہ آباد کا ارادہ کر کے حسین علی خاں نے دریائے جمنا کو اکبر آباد کے قریب سے عبور کرلیا۔ مگر یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ الہ آباد کا محاصرہ طول پکڑ جائے گا۔ کیونکہ قلعہ الہ آباد کے تین طرف تو گنگا اور جمنا کا پانی تھا پھر گردھر نے برج اور فصیل کو خوب مستحکم کر رکھا تھا اور غلہ اور سامان جنگ کے ذخیرے بھی جمع کرتے تھے۔ پھر اس کی سرکشی کی شہرت کی وجہ سے تمام خالصہ کے اور جاگیرداروں کے محالات کا نظم و نسق خلل پذیر ہو چکا تھا۔ اور سارے ملک میں ایک فتنہ برپا ہو جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف قلعہ کو آج کل خالی کر دینے کی خبریں بھی مسلسل پہنچ رہی تھیں کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ یکم ربیع الآخر (جلوس کا پہلا سال) کو دہلی کی طرف لگا دیا گیا۔ مگر چندہ دن بعد جب کہ اکثر امیروں کے خاندان یہاں تک کہ محرران دفتر بھی شاہ جہاں آباد روانہ ہو گئے تھے۔ گردھر کی وعدہ خلافی کی اطلاع ملی اور پیش خانہ کو واپس بلا لیا گیا۔ یہ بات سلاطین کے آداب و طریقہ کے خلاف تھی۔

سید بھائیوں میں اختلاف

اسی دوران میں دونوں بھائیوں کے درمیان اکبر آباد کے خزانہ اور اموال کے متعلق دوبارہ رد و قدح ہونے

گی جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے ۔ نیکو سیر کی شکست کے بعد اکبر آباد کے کروڑوں روپیہ کے اموال وخزانے چھوٹے بھائی کے قبضہ میں آ گئے تھے ۔ اور بڑی منت سماجت کے بعد اس نے بڑے بھائی کو صرف اکیس لاکھ روپیہ دیدیا تھا ۔ اس اختلاف پر دونوں بھائی ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور رتن چند ان کے اخفاء میں بہت کوشاں رہتا تھا ۔ اور اس فتنہ کو ختم کرنے کی فکر میں تھا کیونکہ اس کی شامت اور وبال سے وہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا تھا ۔ رقم اور اموال کی تقسیم کے مسئلہ پر دونوں بھائیوں کے درمیان رنجش آمیز پیغام جاری تھے کہ رتن چند کو الہ آباد جانا ضروری ہوگیا۔

الہ آباد کے قلعہ پر قبضہ

گردہر مسلسل لکھ رہا تھا کہ اگر رتن چند یہاں آکر جان وآبرو کی بحالی کا عہد وپیمان کر کے مطمئن کر دے تو میں قلعہ کو خالی کر دوں گا ۔ آخر دونوں بھائیوں نے رتن چند کو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ جلوس کے دوسرے سال اوائل ربیع الثانی میں باقاعدہ فوجوں کے ساتھ الہ آباد روانہ ہوگیا ۔ گردہر اور رتن چند نے گرم جوشی سے ملاقات کی اور گنگا جل پر ایفائے عہد کی قسم کھائی ، ہوہندوں کے ہاں بڑی سخت قسم سمجھی جاتی ہے ۔ اس تصفیہ کے مطابق گردہر کو اودھ کی صوبہ داری اور فوجداری جو صوبہ داری کا ضمیمہ ہوتی ہے دی گئی ۔ اس کے علاوہ گردہر بہادر کی خواہش اور درخواست پر دو تین دوسری عمدہ فوجداریاں بھی صوبہ اودھ کے ضمن میں اس کو تفویض کر دی گئیں ۔ اور وہ جمادی الثانی کے اواخر میں قلعہ کو خالی کر کے اودھ کے صوبہ پر چلا گیا۔

جب یہ خبر لشکر میں پہنچی تو شادیانہ بجانے کا حکم ہوا اور سونا چاندی تقسیم کیا گیا ۔ گرفتہ دگر یہ توام رہیں شادی وماتم کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ ابھی موقعہ طلب لوگ قلعہ الہ آباد کی تسخیر کے جھوٹ سچ کی تحقیق میں لگے ہوئے تھے کہ دراز دست زمانے ایک اور بساط بچھادی اور پھر ایسی شعبدہ بازی اور مہرہ بازی ہوئی کہ دنیا حیران رہ گئی اس واقعہ کی تفصیل کو ہم راست راست بے کم وکاست بیان کرتے ہیں۔

نظام الملک سادات بارہہ کے مقابلہ پر

نظام الملک کی اہمیت

اس سال کے حیرت انگیز واقعات میں مہاراؤ بھیم سنگھ پارہ، راجہ کوٹا، گج سنگھ کچھواہہ، راجہ نرور، سید دلاور خاں اور سید عالم علی خاں کے قلع قمع کی مہم سے واضح رہے یہ امیر اور راجے کثرت مال و متاع اور افواج کے سبب حسین علی خاں کے پشت پناہ اور اس کے تکبر و غرور کا سرمایہ اصلی تھے۔ مگر یہ سب نظام الملک بہادر فتح جنگ کی جرأت و بہادری کی وجہ سے ہارے گئے اور خاک میں مل گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔ عبداللہ خاں اپنے دل میں جو فاسد عزائم چھپائے ہوئے تھا ان کو روبہ کار لانے میں نظام الملک کی ذات کو وہ سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ یہ امیر کبیر تمام امرائے مغلیہ کا مرجع و مرکز تھا، وہ اسے بمنزلہ پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ اور دین و دنیا کی کامرانی اسی کی اطاعت میں دیکھتے تھے۔ عبداللہ خاں اپنے خفیہ منصوبوں کے مطابق نظام الملک کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتا رہتا تھا۔ جہاں آمدنی کم ہو اور اخراجات زیادہ اور وہاں کے لوگ سرکش ہوں تاکہ نظام الملک پریشانی اور بے سروسامانی میں الجھا رہے چنانچہ محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس کو عظیم آباد پٹنہ کی صوبہ داری پر مقرر کرادیا تھا جہاں کے لوگ بڑے شورہ پشت اور زور طلب تھے نظام الملک نے اس وقت کے حالات کی مجبوری کے سبب اس کو قبول کر لیا تھا اور وہاں کے سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی کی مہم کا آغاز کر دیا مگر اسی اثناء میں فرخ سیر کا واقعہ پیش آگیا اور یہ مہم ادھوری رہ گئی۔

نظام الملک کی مالوہ کو روانگی

اب حسین علی خاں نے جو خود کو اپنے بھائی سے زیادہ مختار سمجھتا تھا یہ منصوبہ بنایا کہ دربار میں تو وہ خود اور اس کا بھائی قابض ہیں اور دکن میں اس کا متبنیٰ عالم علی خاں بھاری لشکر کے ساتھ موجود ہے۔ مالوے کی صوبہ داری پر نظام الملک کو مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ پختہ عہدو پیمان کرکے اور قسمیں کھا کر اس کو مالوہ پہ مامور کر دیا۔ اس صاحب عزم امیر نے مالوہ پر تعیناتی کو غنیمت جانا کہ بس یہ اللہ کی تائید اور اشارہ غیبی ہی کا نتیجہ ہے۔ رفیع الدرجات کی تخت نشینی کے تیسرے دن ہی نظام الملک کو نظامت اور رخصت کی خلعت مل گئی اور وہ اپنے اہل وعیال اور آدمیوں کو فی الفور ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ نقدی اور جاگیری منصب دار تھے۔ مگر یہ لوگ نمک حراموں کی بے توجہی اور تاخیر پسندی کی وجہ سے پریشان اور محتاج ہو رہے تھے۔ نظام الملک اپنی فوج کو جمع کرنے اور توپ خانہ تیار کرنے میں مصروف تھا کہ محمد غیاث خاں نے تقریباً پانچ سو گھوڑے ان مغل بھائیوں کے لئے جو پیدل تھے بھجوائے اور اپنے گھر سے کافی سازو سامان اور اسلحہ دے کر نظام الملک کو سوار کرا دیا۔ اُس نے شیخ محمد شاہ، ابوالخیر خاں، اسماعیل خاں، قزلباش خاں وغیرہ کو بڑی بڑی رقمیں "قرض و رعایت کے عنوان سے دے کر اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ تقدیر در پردہ اپنے مہرے جما رہی تھی۔ چنانچہ بہت جلد ایسے معاملات پیش آئے کہ حسین علی خاں نے نظام الملک کے ساتھ عہد شکنی کی اور نظام الملک مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔

مانڈو کی قلعداری کا قضیہ

ہم لکھ آئے ہیں کہ جس وقت حسین علی خاں فرخ سیر کو ختم کرنے کا ارادہ کرکے دکن سے دہلی جا رہا تھا تو نربدا عبور کرنے کے بعد مانڈو کے "قلعہ پہ پہنچا جو نربدا کے کنارے صوبہ مالوا کا سرحدی قلعہ ہے اس وقت وہاں مرحمت خاں ولد امیر خاں قلعدار تھا وہ بادشاہ کی نمک حرامی سے بچنے کے خیال سے بیماری کا بہانہ کرکے امیر الامراء سے ملنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ بات حسین علی خاں کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ اس نے فرخ سیر کا کام ختم کرنے کے بعد خواجہ قلی خاں تورانی کو جس سے اس کا بڑا خلا ملا ہو گیا تھا۔ مرحمت خاں کی جگہ مانڈو بھیج دیا۔ نیت یہ تھی کہ وقت پڑنے پر وہ نظام الملک سے دو بدو ہو سکے گا۔ مرحمت خاں اپنے،

وقار کو بچانے کے لئے قلعداری تفویض کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ اس کی شکایت خواجم قلی خاں نے حسین علی خاں کو لکھ بھیجی تو اس نے مرحمت خاں کے وکیل کو دھمکایا اور نظام الملک کے پاس تاکیدی احکام بھیجے کہ وہ معزول قلعہ دار کو قلعہ سے باہر کر دے۔ اور نئے قلعہ دار کو وہاں مقرر کرے۔ مرحمت خاں ان حالات میں دربار کا رخ تو کر نہیں سکتا تھا، اور نظام الملک ایسے باغیرت اشخاص کو اپنا رفیق بنانے کا منتظر رہتا تھا، چنانچہ اس نے غیاث خاں کی تجویز و مشورہ پر کسی نہ کسی طرح مرحمت خاں کو اپنی طرف مائل کر لیا اور اپنے پاس اسے بلا لیا۔ مرحمت خاں ایک تو اس خیال سے کہ اتنے بڑے امیر کے ذریعہ کسی وقت سعی سفارش کی صورت نکل آئے گی اور دوسرے اس خیال سے بھی کہ اس بزرگ ہستی کی رفاقت میں سعادت و برکت حاصل ہوگی قلعہ چھوڑ کر نکل آیا اور نظام الملک کے حلقۂ رفاقت میں شامل ہوگیا۔

مانڈو کے دو زمیندار خواجم قلی خاں نے مانڈو کی قلعداری سنبھال لینے کے چند دن بعد ایک ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کی۔ سرکار مانڈو کے ایک پرگنہ امجھرہ نامی کا زمیندار جیروپ سنگھ تھا۔ اس کو منصب بھی حاصل تھا اور مانڈو کے قلعہ پر اس کی تعیناتی تھی۔ امجھرہ کا پرگنہ عرصۂ دراز سے اس کی جاگیر میں تھا۔ اس نے اچھی خاصی جمعیت جو عمدہ ساز و سامان سے لیس تھی تیار کر رکھی تھی۔ اور وہ اس ضلع میں اس آن بان سے زندگی بسر کرتا تھا کہ مرہٹوں کو اس طرف پھٹکنے تک کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس کا بھائی جگروپ سنگھ زمینداری کے جھگڑے میں عرصہ سے اس کا مخالف تھا اور اس سے دشمنی اور حسد رکھتا تھا۔ خواجم قلی خاں نے جگروپ سنگھ کی پشت پناہی کی اور اس نے مال حاصل کرنے کی طمع میں کسی بہانے سے جے روپ سنگھ کو اپنے پاس بلا کر دھوکہ سے قید کر دیا، اور اسی وقت اسے قتل کر دیا اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ اس کا خوردسال بیٹا لعل سنگھ جان کے خوف سے بھاگ کر نظام الملک کے پاس داد خواہی کے لئے حاضر ہوگیا۔ نظام الملک نے محمد غیاث خاں کے ہمراہ ایک چھاپہ مار فوج جگروپ سنگھ کی تادیب کے لئے بھیج دی اور پھر خود بھی بڑی تیز رفتاری کرتے ہوئے پہنچ گیا۔ جگروپ سنگھ کو فرار کی مہلت نہ مل سکی اور وہ قید کر لیا گیا۔

قلعہ راناگڈھ کی فتح

اسی دوران میں چتر سال بندیلہ کے بیٹے جان چند نے ...... قلعہ راناگڈھ پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ مالوے کی سرحد پر سرونج اور بھیلسا کے قریب ہے۔ حسین علی خاں اس قلعہ کو واپس لینے کے لئے اپنی اور عبداللہ خاں کی مہر سے تاکیدی احکام صادر کر دیئے۔ نظام الملک نے اس مہم پر مرحمت خاں کو محض نیک نیتی اور اس کی سفارش و شفاعت کے خیال سے مقرر کردیا اور اپنی سرکار سے ایک فوج اس کے ساتھ کر دی۔ مرحمت خاں نے سرونج اور بھیلسا پہنچ کر افغانوں اور روہیلوں کی ایک عمدہ فوج ترتیب دی اور نرمی سختی ہر طریقہ سے کام لے کر قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس کارنامہ کی عرض داشت نظام الملک نے دربار میں بھجوا دی۔ مگر بجائے اس کے کہ دونوں بھائی خوش ہوتے اور قدر کرتے۔ مرحمت خاں کے تقرر پر انھوں نے حیرت کا اظہار کیا اور اس کو کچھ پسند نہیں کیا۔ اور یہ کارنامہ بھی مرحمت خاں کی معافی و سفارش کا ذریعہ بن نہ سکا۔

محمد شاہ اور نظام الملک کی مراسلت

رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کے گذر جانے کے بعد ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی تخت نشین ہو گیا تھا۔ مگر اس کے اختیارات بھی حسب سابق بالکل محدود تھے اس دوران میں نظام الملک کے پاس خود بادشاہ کی طرف سے اور بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کی طرف سے اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر کے ذریعہ نظام الملک کے پاس خطوط آتے رہے۔ ان میں نمک حراموں کے تسلط کی شکایت ہوتی تھی کہ بادشاہ کو بس نماز جمعہ کا اختیار رہ گیا ہے۔ باقی سارے اختیارات ان بھائیوں نے سنبھال رکھے ہیں۔ بادشاہ احکام جاری کرنے کا قطعاً مجاز نہیں ہے۔ نظام الملک کو یہ بھی اطلاع دی گئی تھی کہ نیکو سیر اور گردھر بہادر کا قضیہ صاف کرنے کے بعد ان بھائیوں کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہونے والی ہے۔ بادشاہ یہ لکھتا رہتا تھا کہ ہم کو تم پر کامل اعتماد ہے۔ تم اپنے لئے محتاط رہو اور ہمارے اختیارات کی بحالی سے غافل نہ بیٹھو۔

امیر الامراء کا منصوبہ

اس اثناء میں برابر نظام الملک کو اطلاعات ملتی رہیں کہ نیکو سیر گرفتار ہو گیا اور گردھر بہادر کا معاملہ صلح پر فیصل ہو گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حسین علی خاں اب ایک نئی شورش اٹھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ چنانچہ

اس نے مہاراؤ بھیم سنگھ سے عہد و پیمان کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ مہاراؤ پہلے تو بوندی کے زمیندار سالم سنگھ کی سرکوبی کے لئے جائے اور اس کے بعد نظام الملک کو ٹھکانے لگانے کی فکر کرے۔ اس کے صلہ میں اس سے وعدہ کیا کہ وہ مہاراجگی کے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا جائے گا۔ اور اجیت سنگھ کے مراتب کے بعد اس کا درجہ تمام راجاؤں سے فائق رہے گا۔ غرض یہ کہ امیر الامراء نے سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب ماہی مراتب کے اعزاز دربار سے دلائے اور اس کے ہمراہ راجہ گنج سنگھ نروری، دلاور علی خاں وغیرہ کو کر دیا اور پندرہ ہزار کی ایک جرار فوج سالم سنگھ کے اخراج و تنبیہ کے لئے متعین کر دی اور یہ ہدایت کی کہ وہ نظام الملک کی طرف سے بالکل باخبر رہے اور جیسے ہی یہاں سے اشارہ دیا جائے نظام الملک کے خلاف کوئی مہلت دیئے بغیر فوری کارروائی شروع کر دے۔

نظام الملک پر اعتراض

مذکورہ بالا اشخاص نے بوندی پہنچ کر اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور حسین علی خاں کو اطلاع دیدی۔ اب حسین علی خاں علانیہ نظام الملک کی مخالفت پر آتر آیا اور اس کو لکھا "مرحمت خاں کو اپنے ہاں پناہ دینے اور پرگنہ نلام کے زمیندار کو تبدیل کر دینے کی کارروائیاں نامناسب تھیں" اسی طرح اس نے اور بھی معاملات و مسائل میں محاسبہ و مواخذہ شروع کر دیا اور نظام الملک کے وکیل سے الٹی سیدھی باتیں کیں۔ جن جن باتوں کو امیر الامراء نزاع کا بنیاد بنانا چاہتا تھا نظام الملک نے ان سب کے متعلق جو تحقیق صورت حال تھی واضح کر دی اور مناسب جوابات تحریر کر دیئے مگر اس بدبخت نے کسی توجیہ کو قبول نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی کوئی بات قبول نہ کی اور آخر برملا یہ لکھ دیا "صوبہ دکن کے بندوبست کے لئے میں خود مالوہ آکر قیام کرنا چاہتا ہوں اور اکبر آباد، الٰہ آباد، ملتان، برہان پور میں سے آپ جس صوبہ کو پسند کریں اس کی سند بھجوائے دیتا ہوں۔"

محمد شاہ کا اہم پیغام

نظام الملک بھی غافل نہیں تھا اس نے بھی آٹھ نو ماہ کی اس فرصت میں سات آٹھ ہزار کی فوج جمع کر رکھی تھی اور دوسرا تمام بندوبست بھی کر لیا تھا اور اپنی جگہ نہایت محتاط و ہوشیار بیٹھا ہوا تھا اور دکن جا کر اس علاقہ کو جو خزانوں اور فوجوں کا معدن ہے اپنے تصرف میں لانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں اس کے وکیل کے اور دوسروں کے خطوط پہنچے کہ یہ دونوں بھائی انتہائی

خیانت پر اتر آئے ہیں اور آپ کو طلب کرنے کے لئے دربار سے گرز بردار روانہ کو مقرر کر دیا ہے۔ گرز برداروں کے آنے سے پہلے بادشاہ کے پروانے اور دوسرے خیر خواہوں خاص طور سے دیانت خاں کے خطوط پہنچے کہ اب مہلت نہیں رہی ہے جو کچھ ہوسکے جلد کر گذرو۔

نظام الملک کی دکن کو روانگی

نظام الملک نے جب دیکھا کہ ان مفسدوں کا ارادہ شاہی خاندان کو ختم کر دینے اور خلیفۂ وقت کو برخاست کر دینے کا ہے اور اب ان کے چنگل سے رہائی کی کوئی صورت نہیں رہی ہے۔ تو اس نے بھی جوابی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اللہ پر توکل کر کے اپنے رفقار کے ساتھ تمام لاؤ لشکر لئے ہوئے اُجین سے نکلا اور اکبر آباد کی طرف (دکھاوے کے لئے) تین منزل تک کوچ کر کے وہاں سے اچانک دکن کی طرف روانہ ہو گیا اور یکم رجب کو دریائے نربدا عبور کر لیا سرکار بیجا گڈھ عرف کھرگاؤں کا فوج دار رستم بیگ خاں، حسین علی خاں کے رفیقوں میں سے تھا مگر اس کی نمک حرامی دیکھ کر وہ بھی بہت، رنجیدہ اور بیزار ہو گیا تھا اور والا شاہی جرگہ سے منسوب ہونے کے سبب خود کو بادشاہ کے فدویوں میں شمار کرتا تھا وہ بھی ایک اچھی فوج کے ساتھ آکر نظام الملک کا رفیق بن گیا۔ نظام الملک نے مذکورہ فوج داری اسی کے نام بحال رکھی اور مزید مراعات و ترقیاں دے کر اُسے اپنے ساتھ لے لیا۔

قلعہ آسیر پر قبضہ

جب اقبال مندی ساتھ دے تو خود بخود کام بنتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس دن نظام الملک نے دریائے نربدا کو عبور کیا تھا اس دن خسرو چیلہ کے توسط سے ایک شخص لشکر میں آیا، اس کو قلعہ آسیر کی فوج کے ہزاری منصب دار عثمان خاں نادری نے بھیجا تھا۔ خسرو چیلہ عثمان خاں کا بہت پہلے سے حامی تھا اور مراسلت و پیامات کے لئے واسطہ کا کام دیتا رہا تھا۔۔ عثمان خاں کے نمائندہ نے نمک حراموں کی کارستانیوں کی شکایت کی اور ان پریشانیوں کا ذکر کیا جن میں عثمان خاں اور قلعہ کی فوج کو مبتلا کر دیا گیا تھا۔ عثمان خاں نے نظام الملک سے اپنے قلعدار کو بھیجنے کی درخواست کی تھی، محمد غیاث خاں اس نمائندہ کو نظام الملک کے پاس لے کر گیا اور قلعہ مع آسیر کی فتح کی خوشخبری دی۔ نظام الملک

نے اسی وقت اس کو انعام عطا کیا اور عثمان خاں کی فوج کے واجبات اپنے خزانہ سے ادا کر دیئے اور میر حفیظ اللہ خاں بخشی اور اپنے بیٹے غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ خان مذکور نے ۱۳ ررجب کو اس فلک پایہ قلعہ کو جس کے لئے عرش آشیانی اکبر بادشاہ نے ایک سال تک فاروقی بادشاہوں (عادل شاہی) سے لڑائی کی تھی بآسانی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ خود نظام الملک نے بھی اس قلعہ پر جاکر اس کا معائنہ و ملاحظہ کیا تھا۔ اس وقت آسیر کا قلعہ دار ابوطالب تھا۔ اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قلعہ پر قبضہ کے بعد نظام الملک نے محمد غیاث خاں کو (دارالسرور) برہان پور کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیا۔

برہان پور پر فوج کشی

سید عالم علی خاں کو جب نظام الملک کے نربدا عبور کرنے کی خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہو گیا اور اپنے مشیروں اور رفیقوں کے مشورہ پر برہان پور کی حفاظت کے لئے محمد انور خاں کو بھیج دیا جو برہان پور کی حفاظت پر پہلے سے مامور تھا۔ اس کے ساتھ راو بناکر مرہٹہ کو متعین کیا گیا۔ یہ دونوں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے عادل آباد پہنچے، جو برہان پور سے بارہ کوس پر ہے۔ وہ راتوں رات یلغار کر کے برہان پور پہنچ جانا چاہتے تھے۔ برہان پور میں محمد انور خان کا بھائی محمد نوراللہ خاں دیوان تھا۔ اس نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے تھے اور شہر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر شہر پناہ کو مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت جب کہ انور خاں برہان پور پہنچ کر اپنے بھائی کے ہمراہ مقابلہ و مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ نظام الملک کا فرستادہ محمد غیاث خاں لعل باغ میں آکر ٹھیرا ہوا تھا اور اس نے اپنے افسروں پر مورچے بھی تقسیم کر دیئے تھے۔ جب اسے محمد انور خاں اور راو بناکر مرہٹہ کی آمد کی اطلاع ملی تھی تو اس نے دریائے تاپتی سے ایک فوج کو عبور کرا دیا تھا۔ مگر وہ دونوں رات کی تاریکی میں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ ان کی پالکیاں اور دوسرا ساز و سامان تلاش کرنے والوں کے ہاتھ آگیا۔

برہان پور کی فتح

محمد انور خاں سے برہان پور کے لوگ خوب واقف تھے کہ وہ کتنا بہادر ہے چنانچہ انھوں نے ہجوم کر کے اسے گھیر لیا اور اس سے کہا کہ غیاث خاں نے یہ رنگ کر آج ہی شہر پر قبضہ کرے گا۔ اور تمام شہریوں اور

آ جائیں گے۔ اس کا گناہ بھی دوسرے
شرفا کی عزت و ناموس اور گھر بار خطرہ میں
گناہوں کے ساتھ تمہارے سر لکھا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم شہر سے باہر جا کر اپنے
مقابل سے جنگ کر لو۔ ورنہ شہر میں تمہارے خلاف عام بلوہ ہو جائے گا، محمد انور خاں
کو دلیری و شجاعت کی ہوا تک نہیں لگی تھی، وہ حواس باختہ ہو گیا اور سولہ تاریخ کو
پناہ طلب کرتے ہوئے غیاث خاں کے پاس حاضر ہو گیا۔ غیاث خاں نے شہر میں داخل
ہو کر تمام باشندوں کو امان دے دی اور ان کو تسلی دے کر مطمئن کر دیا۔ ۲۰ تاریخ کو
نظام الملک فتح و نصرت کے جھنڈے اڑاتے ہوئے لعل باغ میں آ کر ٹھہر گیا۔ محمد انور خاں
نور اللہ خاں اور شہر کے دوسرے شرفا و معززین غیاث خاں کے توسط سے
نظام الملک کے سلام کے لئے حاضر ہو گئے۔ یہی وہ برہان پور ہے کہ جب اعلیٰ حضرت شاہجہاں
بادشاہ اپنے ایام شاہزادگی میں بنگالہ سے شکست کھا کر عبداللہ خاں کے ہمراہ
یہاں پہنچے تھے۔ اس وقت شہر پناہ نہیں تھی، بس ایک قلعہ تھا، جس پر فاروقی خاندان
کے سلاطین کا قبضہ تھا۔ شاہجہاں بادشاہ نے اس وقت بڑی کوشش کی تھی، اور بہت
سے مشہور ہمراہی مارے بھی گئے تھے۔ مگر یہ قلعہ بادشاہ مرحوم کے ہاتھ نہیں آ سکا
تھا۔ اور اب بادشاہ غازی (محمد شاہ) کا اقبال تھا کہ فتح جنگ نظام الملک نے
بغیر کسی جدال و قتال کے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جو آئندہ کی مہم کے لئے ایک
نیک شگون تھا۔

نظام الملک کی اعلیٰ ظرفی کا واقعہ

نظام الملک کو اللہ نے عظمت و بزرگی عطا
کی تھی۔ اس کے محاسن و اوصاف کا ذکر
احاطۂ تحریر سے باہر ہے مگر ایک واقعہ جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم یہاں بیان
کرتے ہیں۔ برہان پور کی فتح سے دو تین دن قبل حسین علی خاں کے بھائی
سیف الدین علی خاں کے بیوی بچے اور متعلقین دار الخلافہ دہلی جاتے ہوئے برہان پور
آئے تھے۔ جب نظام الملک نے پہنچ کر برہان پور پر قبضہ کر لیا تو وہ سخت حیران اور
پریشان ہو گئے تھے۔ بعض کوتاہ اندیش آدمیوں نے "نظام الملک سے کہا بھی، کہ
دشمنوں کے بیوی بچوں اور محمد انور خاں کے مال و اسباب سے فوج اور لشکر کے
اخراجات کی تکمیل ہو جائے گی۔" مگر نظام الملک نے محمد غیاث خاں کی تائید و صوابدید

پھر یہ جواب دیا کہ ہم نے باوجود عسرت و تہی دستی کے محض فضل الٰہی پر توکل کر کے اور بادشاہی اقبال کے وسیلہ سے اس مہم کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے، تو یہ سارا ملک و مال ہمارا ہی ہے، اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر ہم کیوں آخرت کا وبال اپنی گردن پر لیں۔ ان بوڑھوں اور بچوں اور محمد انور خاں کے مال و اسباب کی لوٹ ہمارے ہمت و حوصلہ کی توہین ہے۔ اس جد و جہد میں ہماری غرض بجز بادشاہ کی خود مختاری کے کچھ اور نہیں ہے۔ اس خلوص نیت کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ بے شمار خزانے ہم کو مل کر رہیں گے۔ اس کے بعد ہماری مجلس میں ایسی گری ہوئی باتیں نہ کی جائیں۔ نظام الملک نے اپنے ہمراہیوں کو تو یہ جواب دے کر خاموش کر دیا۔ اور سیف الدین علی خاں کے اہل کار کو طلب کر کے خلعت دی اور سمجھدار آدمیوں کو اس کی والدہ کے پاس بھیج کر دلاسا دیا اور کہلوایا کہ یہ بچے ہمارے فرزندوں کی طرح ہیں۔ اگر یہاں رہنا چاہیں تو ان کے لئے معاش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اور اگر جانے پر اصرار ہو تو ایک محافظ دستہ کے ساتھ نربدا عبور کرنے کا بند و بست ہو جائے گا۔ وہ لوگ چونکہ جانا چاہتے تھے اس لئے بچوں کو نظام الملک کی خدمت میں سلام کے لئے بھیج کر روانگی کی اجازت چاہی۔ نظام الملک نے عورتوں اور بچوں کے ساتھ سلوک و مدارات کی اور بدرقہ ہمراہ کر کے نربدا کے پار پہنچا دیا۔

لعل باغ کے قیام کے دوران صوبہ برار کا ناظم عوض خاں بہادر جو نظام الملک کا چچا ہوتا تھا۔ پہنچ گیا اس کے علاوہ اور بھی لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر فوج میں شامل ہوتے رہے۔ نظام الملک لعل باغ میں ہی ٹھہرا رہا اور توپ خانہ کی تیاری و انتظام میں مصروف رہا۔

سادات بارہہ کی پریشانی

اب ہم دربار کا حال لکھتے ہیں ماہ رجب کے آخر میں جیسے ہی نظام الملک کے دکن کی طرف روانہ ہونے کی خبر دہلی میں پہنچی، تو بادشاہ کو اپنے استقلال و خود مختار ہونے کی توقع پیدا ہو گئی اور خانہ زاد بھی قدر دانی کی امید میں خوش ہو گئے۔ مگر عبد اللہ خاں اور حسین علی خاں دونوں بھائی اور دوسرے تمام نمک حرام بڑے پریشان ہوتے۔ لشکر میں بھی بڑی ہل چل پیدا ہو گئی۔ مگر ان بھائیوں کو یہ سوچ کر بڑا اطمینان تھا کہ نظام الملک کے

ساتھ بہت مختصر سی فوج ہے اسی لئے وہ بظاہر اس کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے وہ بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنی تائید و مدد سے قلت کو کثرت پر غالب کر دیتا ہے ۔ اور قہر الٰہی کے ایک جھونکے میں بڑے بڑے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں ۔ غرض انھوں نے سید دلاور علی خاں اور مہاراؤ بھیم سنگھ کو ہدایت کی کہ وہ بہ عجلت ممکنہ نظام الملک کے مقابلہ پر پہنچیں اور اس کا سد باب کریں اگر اس کا موقع نہ ہو تو دوسرے راستہ سے سید عالم علی خاں سے جا کر مل جائیں اور سب مل کر اس فتنہ کی آگ کو بجھا دیں ۔

سادات بارہہ کی غدّاریاں

اب تک سادات بارہہ نے جو کچھ کارستانیاں کیں وہ ان کے کمر وغدر کی شاہد ہیں انھوں نے محمد فرخ سیر بادشاہ کی جان لے کر سلطنت مغلیہ کو خطرات میں مبتلا کر دیا۔ نظام الملک نیک سرشت رعیت پرور امیر تھا اور ہمیشہ سلامت روی پر کاربند رہتا تھا۔ انھوں نے اس سے عہد وپیمان کرکے مالوہ کی صوبہ داری پر مامور کیا۔ نظام الملک نے مفوضہ فرائض بڑی تن دہی سے انجام دیئے مفسدوں سرکشوں کی تنبیہ وتادیب کی ملک کا بندوبست اور نظم ونسق درست کیا مگر ابھی سات آٹھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ امیرالامراء حسن علی خاں ایک نئی فتنہ انگیزی کے درپے ہو گیا اور اس نے طے کیا کہ مالوہ میں قیام کرکے دکن کے چھ صوبوں، احمد آباد کے چار صوبوں اور اکبرآباد اجمیر اور مالوہ کے انتظامات کو خود اپنے ہاتھ میں لے لے اس غرض کے لئے اس نے خلاف عہد نظام الملک کو معزول کر دینا چاہا اور محض اس الزام پر کہ نظام الملک نے ماندو کے معزول قلعدار مرحمت خاں کو اپنے پاس پناہ دی تھی، حالانکہ یہ پناہ نظام الملک نے محض ہمدردی اور نیک سرشتی کی بنا پر دی تھی کیونکہ مرحمت خاں کے ساتھ صریحاً زیادتی ہوئی تھی وہ ایک نامی گرامی خاندان کا قدیم الخدمت امیر تھا عرصہ دراز سے اس کے خاندان میں ماندو کی قلعداری چلی آ رہی تھی۔ حسین علی خاں نے محض اس غصہ میں کہ جب وہ دکن سے بادشاہ کا تخت الٹنے کے لئے دہلی جا رہا تھا اور نربدا عبور کرکے ماندو کے قریب پہنچا تھا تو مرحمت خاں نے بادشاہ کی طرف داری اور وفاداری کی وجہ سے علالت کا بہانہ کرکے اس سے

ملاقات نہیں کی تھی۔ یہی بغض حسین علی خاں کے دل میں تھا کہ اس نے مرحمت خاں کو معزول کر کے اس کی جگہ خواجم قلی خاں کو قلعدار بنا دیا۔ اور جب مرحمت خاں نے قلعداری سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا تو یہ نظام الملک ہی تھا جس نے اسے سمجھا بجھا کر قلعہ سے باہر آ جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ قلعہ داری سے دست بردار ہونے کے بعد مرحمت خاں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا، وہ دربار میں جا نہیں سکتا تھا، اور دوسرا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا، اس وقت نظام الملک نے قدیم خاندانی روابط کا لحاظ کر کے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا، اور وہ بھی اس نیت سے کہ اس کو کسی بہتر کارگذاری کا موقع دے کر دربار سے اس کے قصور معاف کرا دیئے جائیں۔ چنانچہ جب صوبہ مالوا کے ایک قلعہ راناگڈھ پر جان چند ولد چھترسال نے قبضہ کر لیا تو فتح جنگ نظام الملک نے مرحمت خاں کو اس مہم پر روانہ کیا اور اس نے اپنی بہادری و حکمت سے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ مگر اس کارنامہ کو امیر الامراء نے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور اس کے قصور معاف نہیں ہو سکے۔ نظام الملک مرحمت خاں کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے آگاہ تھا اس نے مالوے کے سرکشوں و باغیوں کی تنبیہ کیلئے اسے مامور کر دیا اور مالوے کی صوبہ داری کا بندوبست اسے سپرد کر دیا۔ اس نے بہت جلد حسن انتظام سے مفسدوں اور سرکشوں کی قرار واقعی تنبیہ و تادیب کی اور پرگنہ چندیری کے چند مواضع کو جو باغیوں کے گڑھ بنے تاخت و تاراج کر دیا۔ مگر دشمنوں نے اس واقعہ کو دربار میں غلط رنگ سے پیش کیا کہ مرحمت خاں ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے لوٹ مار کرتا پھر رہا ہے۔ یہ اطلاع سید عبداللہ خاں کو دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہی حسین علی خاں نے نظام الملک کو صاف صاف لکھ دیا کہ ہم خود مالوے میں ٹھہرنا چاہتے ہیں تم اکبرآباد الہ آباد و برہان پور اور ملتان، ان چار جگہوں میں سے جہاں بھی جانا چاہو وہاں کی سند جاری کر دی جائے گی۔ جس وقت امیر الامراء کا یہ خط آیا نہ نظام الملک فوج کے مطالبات کے سلسلہ میں بہت زیر بار تھا۔ اس ملک کا سارا دارومدار فصل مزروعہ پر ہے، وہ ہاتھ سے نکل چکی تھی، اب آمدنی کے دوسرے ذرائع نہیں تھے اس لئے نظام الملک کے لئے دوسری جگہ جانا محال تھا۔ پھر یہ بات خلاف عہد تھی۔ کیونکہ اس سے معاہدہ یہی تھا کہ مالوے کی صوبہ داری سے اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ حسین علی خاں نے دلاور علی خاں، راجہ بھیم اور راجہ گج سنگھ کو ایک بڑی فوج دے کر

مالوے کی سرحدوں پر بھیج دیا تھا۔ بہانہ تو قلعہ بوندی پر فوج کشی کا تھا مگر اس کے علاوہ دوردراز کے منصوبے بھی پیش نظر تھے۔ بوندی کی فتح کے بعد اس لشکر نے مالوے کی حدود میں بڑی لوٹ مار اور غارت گری مچا رکھی تھی جس سے ملک اور رعیت کو شدید مالی اور جانی نقصانات ہوتے تھے۔ یہ کارروائی صریحاً نظام الملک کے ساتھ عہدشکنی اور غداری تھی۔ دونوں بھائیوں کے رویہ سے فتح جنگ نظام الملک کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے ان کے جواب میں کھری کھری باتیں لکھ کر بھیج دیں۔ سید عبد اللہ خاں نے اس جواب کو اس معزز اور صاحب وقار امیر کے خلاف ایک الزام اور ثبوت قرار دے دیا اور نظام الملک کے وکیل کو خلوت میں بلا کر نہایت نازیبا اور تلخ وتند باتیں کیں، جس کی تفصیل کا بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی اطلاع جب نظام الملک کو ملی تو وہ سمجھ گیا کہ دونوں بھائی ایران وتوران کے تمام عالی نسب خانوادوں کو ذلیل کرنے اور تباہ کرنے پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔ اب منصب اور خدمت کو ترک کر کے گھر بیٹھ جانے میں بھی عافیت، خیر کی امید نہیں۔ ایک نظام الملک ہی کیا تمام موروثی وفادار امرا اور ملازمین شاہی پر یہ بات گراں تھی کہ وارث تاج وتخت کو نماز جمعہ کے لئے جانے اور احکام شرع کو جاری کرنے تک کا اختیار نہیں رہا ہے، اور وہ دونوں بھائیوں کے اس بے جا اقتدار پر مشتعل اور ناراض تھے۔ ان حالات میں نظام الملک کے لئے جس کے حسن نیت اور صفائی قلب اور بے آزاری کے سبھی قائل و معترف تھے۔ بجز اس کے کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ غیرت وحمیت کو کام میں لائے اور ان زیادتیوں کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اللہ پر توکل کر کے فوجی تیاری شروع کر دی، اور مشہور ہے اس وقت سید عبد اللہ خاں کو نظام الملک نے ایک خط بھیجا، جو صرف ایک فقرہ پر مشتمل تھا۔

"ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"

(جو اللہ پر توکل کرتا ہے اس کے لئے اس کا خدا کافی ہے)

نظام الملک نے فوج ترتیب دے کر عبد الرحیم خاں، مرحمت خاں، رعایت خاں، قادرداد خاں روشنائی، سعد اللہ خاں کے پوتے محمد متوسل خاں اور محمد عنایت خاں اور دوسرے خیر خواہوں کے ساتھ وسط ماہ جمادی الآخر سن گیارہ سو تیس ہجری میں

مندسور کے نواح سے کوچ کر دیا۔ اس وقت نظام الملک کی فوج پانچ چھ ہزار سواروں پر مشتمل تھی، پھر لوٹ کر نظام الملک اوجین آ گیا اور سارا مال و اسباب لے کر سرونج کی طرف کوچ کی شہرت دی، اور دو تین منزل جا کر کا تھیہ کے موضع میں کیمپ لگا لیے وہاں سے کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دکن کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اسی ماہ کے آخر میں یہ خبر بادشاہی لشکر میں پہنچی دونوں بھائیوں کو اطلاع ملی تو وہ سخت بدحواس ہو گئے اور سید دلاور علی خاں کو لکھ دیا کہ وہ مذکورہ دونوں راجاؤں اور دوست محمد افغان کو ساتھ لے کر تعاقب میں چلا جائے۔

پنجاب میں پٹھانوں کی بغاوت

حسین خاں کی سرکشی

ابھی یہ تصفیہ جاری تھا کہ لاہور کے اخبار نویسوں نے ایک پریشان کن اطلاع بھیجی کہ وہاں عبدالصمد خاں دلیر جنگ نے فتح پائی ہے اور حسین خاں خویشگی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مارا گیا اور اہل توران غالب ہو گئے۔ کہتے ہیں حسین خاں خویشگی تمن دار افغان سردار تھا اور سرکار قصور کے توابعات میں اس کی جاگیر و عمل داری تھی۔ چند سال سے اس نے سرکشی اور فتنہ پردازی شروع کر رکھی تھی اور قصور و لاہور کے نواح میں سیر حاصل پرگنوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں اس نے علانیہ بغاوت و مخالفت شروع کر دی اور بارہا صوبہ داروں بلکہ شاہزادوں کی افواج کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ اس نے عبدالصمد خاں بہادر کی صوبہ داری کے آغاز سے ہی سرکشی کا یہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ جاگیردار اور صوبہ دار کے مقرر کردہ عمال کو اور دوسرے بادشاہی افسروں کو بے دخل کر کے بلکہ محال سے خارج کر کے بڑے ہنگامے بپا رکھے تھے۔ معتبر اور ثقہ راوی سے سننے میں آیا ہے کہ اس کی فتنہ پردازی کے پیچھے دراصل انہی دونوں سید بھائیوں کا ہاتھ تھا۔ اور وہ انہی کے اشارہ پر عبدالصمد خاں کے خلاف کمربستہ ہو گیا تھا۔ منشا یہ تھا کہ خان مذکور اس کے ساتھ الجھا رہے اور دربار کے معاملات کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ سیدوں کا اشارہ پا کر اس نے اپنی شرارتوں کا سلسلہ اور بھی بڑھا دیا اور صوبہ دار کے ایک عامل قطب الدین نامی کو جو صاحب فوج عہدہ دار تھا مقابلہ کر کے قتل کر دیا اس کی نوبت اور

خزانہ کو لوٹ لیا اور آٹھ نو ہزار سوار لے کر پرگنوں کی تاخت و تاراج کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

دلیر جنگ کی فوج کشی

عبد الصمد خاں بہادر دلیر جنگ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی سات آٹھ ہزار سوار فوج لے کر دشمن کے مقابلہ پر آ گیا۔ دونوں فوجیں لاہور سے تیس کوس پر موضع جبولی میں جمع ہو گئیں، دونوں فوجوں کے درمیان تین کوس کا فاصلہ تھا۔ عبد الصمد خاں نے فوج کی صف بندی کی اور اپنی فوج کے ایک بہادر اور مشہور بخشی کریم قلی خاں کو ہراول بنا کر آگے بڑھایا۔ میمنہ پر جانی خاں اور خواجہ رحمت اللہ اپنے رشتہ داروں کو خینۃ اللہ خاں کے ساتھ مقرر کیا۔ روہیلہ قوم کے ہزار سوار بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ حسین خاں خویشگی سے قدیم عداوت رکھتے تھے۔ میسرہ پر آغر خاں تھا جس کے حسب نسب اور موروثی شجاعت کا تذکرہ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور محمد فرخ سیر کے حالات میں ہم لکھ چکے ہیں۔ اس کے ساتھ عارف خاں کی فوج تھی۔ ترتیب، صف بندی کے بعد عبد الصمد خاں نے ۶ ماہ جمادی الآخر کو دشمن پر حملہ کر دیا۔ حسین خاں کے ساتھ اس کا بھتیجہ مصطفیٰ خاں، رحمت خاں، بہلول خاں، سعید خاں اور دوسرے نمک دار افغان تھے جو تمام فیل سوار جنگجو سردار تھے۔ جب عبد الصمد خاں کے توپ خانہ سے گولہ باری شروع ہو گئی اور آتشیں بان چلنے لگے تو حسین خاں خویشگی کی فوج نے مستانہ وار بڑھ کر توپ خانہ پر حملہ کر دیا اور توپ خانہ سے گذر کر ہراول پر آن پڑے۔ کریم قلی خاں نے جم کر ان سے مقابلہ کیا مگر وہ گر پڑا اور اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ دوسری طرف حسین خاں خود دو تین ہزار افغانوں کو لے کر آغر خاں کے مقابلہ پر آ گیا۔ دونوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی اگرچہ آغر خاں کے ہمراہیوں میں نئے بھرتی شدہ جمعدار مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے۔ مگر پچاس ساٹھ مغل زادے جو بڑے غضب کے تیر انداز شہسوار اور جنگجو تھے اور نشانہ بازی اور شجاعت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ آغر خاں ان کو ایسے ہی آڑے وقت کے لئے تیار کرتا رہا تھا وہ اس سے جدا نہیں ہوئے اور آغر خاں بیٹے اور بھائیوں کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر جولانی دکھاتے رہے اور تیر کمان سنبھال کر ایک ساتھ تیر اندازی شروع کر دی۔ آغر خاں نے بھی چیخ کر

اپنے مہاوت کو ہاتھی بڑھانے کا حکم دیا اور اس غضب کی تیراندازی کی کہ جو سامنے آیا اسے نیچے گرادیا۔ گھوڑ سوار فوج نے بھی بڑھ کر زبردست حملے کئے آخر دشمن کا ہراول مصطفیٰ خاں اور چند نامی گرامی افغان سردار مارے گئے اور زخمی ہو گئے اور حسین خاں نے اس شیروں کے سامنے سے جان بچا کر نکل جانے کو ہی غنیمت جانا۔

حسین خاں کی شکست

اب حسین خاں خویشگی نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دلیر جنگ اور اس کے دائیں بازو کی فوج پر حملہ کر دیا۔ دائیں بازو پر روہیلہ قوم کے بہادر تھے ان کو مغلوں کی مدد حاصل تھی وہ برابر دشمن کے حملوں کو روکتے رہے۔ حسین خاں نے بہادر افغانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ اہل توران پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ دلیر جنگ کے ہمراہیوں میں سے نئے نئے بھرتی ہونے والے ملازم ہزیمت کھا کر فرار ہو گئے۔ اس وقت جانی خاں، خواجہ رحمت اللہ اور حفیظ اللہ خاں نے سد راہ ہو کر دشمن کو تیروں پر روک لیا اسی حالت میں آغر خاں نے پیش قدمی کر کے دشمن کی فوج پر وسط سے حملہ کر دیا اور ایک خون ریز لڑائی چھڑ گئی۔ اس حال میں حسین خاں کا فیل بان مارا گیا۔ ایک فقیر شاہ بھیک نامی تھا جو حسین خاں کا پیرو مرشد کہلاتا تھا۔ حسین خاں اس کی جان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اسے اپنے ہاتھی کی عماری میں ردیف بنائے ہوئے تھا۔ وہ بھی تورانی کے بہادروں کا تیر کھا کر خوش اعتقاد مرید کے قدموں پر گر پڑا اور دنیا حسین خاں کی نظروں میں تاریک ہو گئی۔ اس درمیان میں حسین خاں کو بھی کاری زخم لگ گیا تھا اور اس کی سواری کا ہاتھی فیل بان کے نہ ہونے پر ادھر اُدھر بے تکان دوڑ رہا تھا اور ہر طرف سے اس پر تیروں اور بندوق کی گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ اس وقت اس کی عماری میں آگ بھڑک اٹھی جس کا سبب معلوم نہ ہو سکا شاید کسی گولہ پھٹنے سے یہ حادثہ ہوا ہو یا مظلوموں کی آہ سُلگ اٹھی ہو، بہر حال اس معرکہ میں پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد تورانی بہادروں کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اتر گئی۔

فتح کے انعامات

اس نمایاں فتح پر دلیر جنگ نے اپنے ساتھیوں کو حسب مدارج خلعت گھوڑا اور ترقی و انعام عطا کیا اور آغر خاں کو ہاتھی اور

تلوار عنایت ہوئی اور اس کے منصب میں پانچ صدی دو سو سوار کا اضافہ کر دیا گیا۔ جب اس فتح کی خوش خبری سید عبداللہ خاں کو ملی تو اسے قدرتی طور پر اس کا رنج تو ہوا مگر بظاہر بدنامی کے خوف سے اس نے خوشی کا اظہار کیا اور سیف الدولہ عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ کا خطاب عطا کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ سادات بارہہ کے اقتدار اور مغلوں کے مغلوب ہو جانے کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے نظام الملک بہادر فتح جنگ کی حمایت کی اور سید بھائیوں کی ناراضگی مول لی وہ دلیر جنگ ہی تھا۔

دکن کے گذشتہ واقعات کا اعادہ

اب ہم دکن کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ دربار میں ابھی دریائے نربدا سے فتح جنگ کے عبور کرنے کی خبر کی ٹھیک طور پر تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ برہان پور سے آنے والی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ نظام الملک نے اکبر پور کے گھاٹ سے نربدا کو عبور کر لیا اور اسی دوران میں قلعہ آسیر کے ہزاریوں نے فتح جنگ کے فرستادہ چیلہ خسرو نامی کو قلعہ پر قبضہ کرا دیا۔ آسیر قلعہ دار طالب خاں نامی نے جوانہی دنوں سادات کی طرف سے قلعداری پر مقرر ہو کر آیا تھا اور انتہائی عسرت و پریشانی میں دن گذار رہا تھا۔ نظام الملک کی اطاعت قبول کر لی اور فوج کے دو سالہ مطالبات بھی نظام الملک کی طرف سے ادا کر دیئے گئے اور مرحمت خاں ایک فوج لے کر قلعہ پر آیا اور اُس نے قلعہ کا بندوبست نظام الملک کے فرستادہ حکام کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد ہی برہان پور کا قلعہ ارک بھی کسی لڑائی کے بغیر نظام الملک کے قبضہ میں چلا گیا۔

اللہ کی قدرت کے کھیل بھی بڑے حیرت انگیز ہیں، کہ اب جب کہ سادات بارہہ کی بساط الٹنے والی تھی اس کے ساز و سامان از خود فراہم ہوتے گئے۔ یہی قلعہ آسیر جو سرحدی قلعوں میں نہایت مستحکم بلند اور دشوار گذار قلعہ ہے اور جسے فاروقی بادشاہوں (عادل شاہی) کے قبضہ سے نکالنے میں اکبر بادشاہ کو برسوں تک محاصرہ کرنا پڑا تھا اسی طرح قلعہ ارک برہان پور جو شاہان سلف کا پایۂ تخت رہا تھا اور اس قلعہ کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ جنت مکانی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں اس کے اطراف شہر پناہ

نہیں تھی اور شاہ جہاں بادشاہ اپنی شہزادگی کے عالم میں بنگالے سے شکست کھا کر عبداللہ خاں کی ہمراہی میں دکن پہنچے تھے اور انھوں نے برہان پور پر حملہ کر دیا تھا. مگر بڑی سخت لڑائی کے بعد بھی جس میں کافی آدمی زخمی ہوتے تھے اور مارے گئے تھے اس قلعہ پر قبضہ نہیں ہو سکا تھا۔ یہ دونوں مضبوط و مستحکم قلعے کسی جنگ اور لڑائی کے بغیر بہ آسانی فتح جنگ کے قبضہ میں آگئے۔ ہر ایک نے اس کامیابی کو آئندہ کے لئے نیک فال سمجھا.

یہ بھی اطلاعات دربار میں پہنچیں کہ برار کا صوبہ دار عوض خاں جو نظام الملک کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اجابت رائے اور شمشیر زنی میں بھی اس کا بڑا شہرہ تھا۔ ایک اچھی فوج کے ہمراہ نظام الملک کے پاس پہنچ گیا ہے۔ برہان پور کے صوبہ دار انور خاں اور مشہور مرہٹہ سردار بنا لکر کے متعلق بھی یہی معلوم ہوا کہ دونوں نظام الملک کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ برہان پور کے تمام متصدی اور اطراف کے بعض زمیندار بھی اس کے حامی بن گئے ہیں۔

ان خبروں سے سادات نے پریشان ہو کر دلاور علی خاں اور مہاراؤ بھیم سنگھ کو نظام الملک کے مقابلہ پر جانے کے لئے تاکیدی احکام جاری کئے اور حسین علی خاں رات دن دکن جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ وہ روانگی کے لئے دلاور علی خاں کے پہنچنے کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ رتن چند فتنہ و فساد سے دامن بچانے کے لئے فتح جنگ سے مصالحت کی کوشش کر رہا تھا کہ دکن کے صوبے فتح جنگ کو واگذار کر دیئے جائیں کیونکہ وہ اچھی طرح بھانپ چکا تھا کہ یہ فتنہ اس کے لئے وبال جان بن جائے گا اگر حسین علی خاں کو نظام الملک کی طرف سے قطعًا اطمینان نہیں تھا۔ اس لئے وہ مصالحت پر راضی نہیں تھا۔

کشمیر میں شورش اور ہنگامہ

ہندوؤں کی مخالفت

انہی دنوں جب کہ دکن میں ایک نئے انقلاب کا دور چل رہا تھا۔ کشمیر سے بھی پریشان کن اطلاعات ملنے لگیں۔ وہاں محبوب خاں عرف عبدالنبی کشمیری کا ایک عرصہ سے ہندوؤں کے ساتھ تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اس افراتفری کے زمانہ میں اس نے بھی مسلمانوں کی ایک تنظیم بنالی اور نائب صوبہ دار میر احمد خاں کے پاس جو وہاں کا قاضی بھی تھا ایک وفد لے کر گیا اور ہندوؤں کے متعلق چند تجاویز پیش کیں کہ ان کو گھوڑے کی سواری کرنے امیرانہ پوشاک پہننے، دستار باندھنے ہتھیار رکھنے اور باغوں میں سیر تفریح عیاشیاں کرنے اور خاص خاص دنوں میں غسل کے جشن منانے سے روک دیا جائے۔ اس مسئلہ پر اس نے بڑا اصرار کیا اور اسے قبول کرنے کے لئے منت سماجت بھی کی۔ مگر نائب صوبہ دار نے یہی جواب دیا کہ بادشاہ وقت اور دربار کے ارباب شرع پورے ملک میں ذمیوں کے متعلق جو قوانین نافذ کریں گے ہم یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ انہی کے مطابق عمل کریں گے

ہندوؤں پر حملہ

محبوب خاں اس جواب سے ناراض ہو گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر ہندوؤں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ جہاں کوئی ہندو نظر آجاتا یہ لوگ اس کو ستاتے اور ذلیل کرتے کوچہ و بازار سے ہندوؤں کا گذرنا محال ہو گیا تھا ایک دن کشمیر کا ایک معتبر ہندو رئیس جس کا نام مجلس رائے تھا باغوں کی سیر کے لئے نکلا اور برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لئے دان کی تیاریاں کیں۔ محبوب خاں کے ساتھ دس بارہ ہزار

مسلمان تھے وہ اچانک وہاں پہنچ گیا اور مارپیٹ شروع کردی، مجلس رائے چند آدمیوں کے ساتھ جان بچاکر بھاگا اور میر احمد خاں کے پاس جاکر پناہ لی۔ محبوب خاں اپنی جماعت کے ساتھ شہر لوٹا اور مجلس رائے کے مکان پر اور ہندوؤں کے محلہ پر حملہ کردیا۔ ہندوؤں کے گھروں میں لوگوں نے آگ لگادی اور لوٹ مار شروع کردی، ہندو مسلمانوں میں سے جس نے بھی انھیں روکنا چاہا، وہ یا تو مارا گیا یا زخمی ہوگیا۔ وہاں سے محبوب خاں کے آدمی میر احمد خاں کے گھر پر آئے اور اس کا بھی محاصرہ کرلیا، اور سنگ باری تیراندازی شروع کردی ہندوؤں سے فاتہ بھی کرنے لگے۔ جو بھی ان کے سامنے آیا، انھوں نے ذلیل اور بے آبرو کردیا۔ بعض کو قتل کردیا۔ اور کافی لوگوں کو زخمی کرکے لوٹ لیا۔ میر احمد خاں ایک دن ایک رات تک گھر سے نکل سکا نہ ان کے شر و فساد کا سد باب کرسکا۔ آخر بڑے حیلہ و تدبیر سے وہ ان کے نرغہ سے جان بچاکر نکل سکا۔

میر احمد خاں کی شکست

دوسرے دن میر احمد خاں نے اپنی فوج جمع کرلی اور میر شاہور خاں بخشی اور دوسرے متصدیوں کے ساتھ محبوب خاں کی طرف گیا وہ لوگ بھی پہلے دن کی طرح اکٹھا ہوکر احمد خاں کے مقابلہ پر نکلے، ان کی ایک جماعت احمد خاں کی فوج کے عقب پر پہنچ گئی اور اس پل کو جلادیا جس سے وہ گذر کر آیا تھا، جس بازار میں احمد خاں داخل ہوگیا تھا اسے ان لوگوں نے دونوں طرف سے آگ لگادی اور کوٹھوں پر سے دیواروں سے احمد خاں کی فوج پر اینٹ پتھر کی بارش کردی اور تیراندازی کرنے لگے، بندوقیں چلانے لگے۔ اس حملہ میں عورتوں اور بچوں نے بھی حملہ کیا جو ہر طرف سے ڈھیلے اور نجاست پھینک رہے تھے۔ آخر دونوں فریقوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں میر احمد خاں کا بھانجہ سید ولی اور کوتوالی کا نائب ذوالفقار بیگ کافی آدمیوں کے ساتھ مارے گئے۔ اب میر احمد خاں بُری طرح گرفتار ہوگیا تھا، نہ پیچھے جاسکتا تھا نہ آگے بڑھ سکتا تھا آخر عاجز آکر بڑی ذلت و خواری کے ساتھ وہ اس خطرہ سے نجات پاسکا۔

اس کامیابی کے بعد محبوب خاں نے ہندوؤں کے محلہ پر دوبارہ حملہ کردیا اور ان کے باقی ماندہ گھروں کو جلادیا اور تباہ کردیا۔ پھر میر احمد خاں کے گھر پر آکر مجلس رائے اور اس کے ساتھیوں کو جو وہاں پناہ گزیں تھے۔ بڑی ذلت کے ساتھ گھسیٹ

کر باہر نکالا ان کے ناک کان کاٹ دیئے اور ان کے ختنہ کر دیئے، بلکہ بعض کے آلۂ تناسل کو ہی سرے سے قطع کر دیا اور ان سب کو قید کر دیا۔

کشمیری مسلمانوں کا فیصلہ

دوسرے دن جامع مسجد میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں نیابت صوبہ داری سے لوگوں نے میر احمد خاں کو معزول کر دیا اور اس فساد کے بانی محبوب خاں کو دین دار خاں کا خطاب دے کر مسلمانوں کا حاکم منتخب کر لیا کہ دربار سے دوسرے نائب کے آنے تک وہ شرعی احکام نافذ کرے اور دوسرے معاملات سرانجام دیئے۔ پانچ ماہ تک میر احمد خاں بے دخل اور روپوش رہا اور اس عرصہ میں دین دار خاں مستقل حاکم بنا رہا وہ مسجد ہی میں اپنا اجلاس کرتا تھا اور تمام ملکی و مالی معاملات کو سرانجام دیتا تھا۔

محبوب خاں کا قتل

جب دربار میں اس ہنگامہ کی خبر پہنچی تو مومن خاں نجم ثانی کو عنایت اللہ خاں کی طرف سے نائب صوبہ دار بنا کر روانہ کیا گیا۔ امانت خاں خوافی کے بیٹے کاظم خاں کو جو کشمیر کا دیوان تھا اسی تنقیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور کشمیر کے بڑے بڑے متصدیوں پر بھی عتاب نازل ہوا۔ آخر شوال میں مومن خاں کشمیر سے تین کوس پر جا کر ٹھیر گیا۔ محبوب خاں اپنی حرکتوں پر نادم تھا۔ خواجہ عبداللہ نامی کشمیر میں متعینہ امیر تھا اور وہاں کے مشہور آدمیوں میں سے تھا محبوب خاں کے اس سے اچھے تعلقات و روابط تھے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور تجویز رکھی کہ خواجہ کی سرکردگی میں وہ علماء فضلاء کی جماعت کے ساتھ نئے نائب صوبہ دار کے استقبال کے لئے جانا چاہتا ہے اور اس کو پورے اعزاز کے ساتھ شہر میں لانا چاہتا ہے۔ چونکہ اس سرزمین یعنی کشمیر کے باشندوں کی سرشت ہی میں شرارت اور غداری خمیر کر دی گئی ہے۔ پھر منتقم حقیقی نے یہ مقدر کر دیا تھا کہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے تھے ان کا بدلہ لیا جائے خواجہ عبداللہ نے اسے مشورہ دیا کہ پہلے تم میر شاہور خاں بخشی کے پاس جا کر عذر معذرت کر لو اس کے بعد ہم سب مل کر مومن خاں کو لانے کے لئے جائیں گے۔ آخر محبوب خاں خواجہ عبداللہ کے مشورہ پر محلۂ چہ بیلی اور ککڑان کے آدمیوں کو بلا کر پہلے ہی سے وہاں چھپا دیا تھا اور محبوب خاں کی آمد کا منتظر تھا۔ جیسے وہ محفل سے اٹھ کر گیا۔ یہ لوگ ہر طرف

سے نکل آئے اور محبوب خاں پر حملہ کردیا۔ پہلے تو انھوں نے اس کے دونوں بیٹوں کو جو ہمیشہ اس کے آگے آگے .... تولو د پڑھتے ہوئے چلتے تھے زمین پر گرادیا اور اس کے سامنے ان کے پیٹ چاک کردیئے پھر اس کو بڑے عذاب سے مار ڈالا ہے۔

ہر کسی آنچہ می کند یابد
بد و نیکی کہ می کند یابد

مشتعل عوام اور بلوۂ عام

محبوب خاں کے قتل پر بڑا اشتعال پیدا ہوگیا اور دوسرے دن لوگ اپنے رہنما کے خون کا بدلہ لینے کے لئے جمع ہوگئے اور انھوں نے چربیلیوں کے محلہ پر جو شیعہ تھے حملہ کردیا اور حسن آباد جاکر قتل و غارت گری شروع کردی اور ان کے گھروں میں آگ لگادی، دو دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر چربیلیوں کو شکست ہوئی اور اس محلہ کے دو تین ہزار آدمی مع عورتوں اور بچوں کے تہ تیغ کردیئے گئے، ان میں مغل مسافروں کی ایک جماعت بھی شامل تھی جو وہاں ٹھیرے ہوئے تھے دو تین دن تک قتل و خون کی گرم بازاری رہی اس عرصہ میں جس طرح خوں ریزی ہوئی اور لوگوں کو جانی مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، اور عزت و آبرو لوٹی گئی اس کا ذکر ہی نہ کرنا بہتر ہے۔ مشتعل مجمع یہاں سے فارغ ہوکر قاضی اور بخشی کے گھر پر پہنچا۔ میر شاہور خاں نے لاحاصل ہاتھ پیر مارے پھر ایسے مقام پر جہاں یہ لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے بھاگ کر چھپ گیا۔ قاضی بھی بھیس بدل کر بھاگ گیا۔ اس کے گھر کو مسمار کرکے ایک ایک اینٹ لوگ اٹھا کر لے گئے۔ مومن خاں نے شہر میں داخل ہونے کے بعد میر احمد خاں کے لئے سامان سفر تیار کردیا اور بدرقہ دے کر قصبۂ ایمن آباد بھجوادیا، جہاں اس کا بیٹا وطن تھا اور کشمیر کے آدمیوں کے ساتھ طوعاً و کرہاً صلح و مدارات پر عمل کرکے وہاں کا بندوبست سنبھال لیا۔

دکن میں نظام الملک کی کامیابیاں

آخر شعبان میں دونوں بھائیوں کو دکن کی صورت حال کے متعلق معلوم ہوا کہ سید دلاور علی خاں وسط شعبان میں برہان پور پہنچ گیا اور فتح جنگ عوض خاں اور دوسرے سرداروں اور جمع داروں کی جمعیت اور توپ خانہ لے کر برہان پور سے سترہ اٹھارہ کوس پر دلاور علی خاں کے مقابلہ پر آگیا وہاں ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دلاور علی خاں اور اس کے تمام نامی گرامی ہمراہی مارے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیلات ہم درج کرتے ہیں۔

عالم علی خاں کی تیاریاں

حیدر آباد میں جب عالم علی خاں کو نظام الملک کے نربدا عبور کر جانے کی اطلاع ملی تو وہ فوج جمع کرنے میں معروف ہوگیا۔ انور خاں سید عبداللہ خاں کا تربیت یافتہ آدمی تھا حسین علی خاں جب دکن آیا تھا تو اسے بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا اور یہاں اسے اچھے عہدوں پر مامور کردیا تھا آخر وہ برہان پور کی صوبہ داری پر مامور ہوگیا تھا۔ انہی دنوں وہ برہان پور سے عالم علی خاں کے پاس آگیا تھا اور اس کا مشیر خاص اور مددگار بن گیا تھا۔ انبا جی پنگل مرہٹہ اس کا حامی اور رفیق تھا۔ جس وقت حسین علی خاں امیرالامراء دہلی کو جاتے ہوئے برہان پور پہنچا تھا تو اس نے راجا ساہو کے اشارہ پر جنا کر کو قید کر لیا تھا اور اپنے ساتھ دہلی لے کر چلا گیا تھا، وہاں پہنچنے کے بعد انور خاں نے کوشش کر کے اسے رہا کرا دیا تھا۔ عالم علی خاں نے انور خاں اور جنا کر دونوں کو برہان پور کا بندوبست کرنے اور فیروز جنگ کا راستہ روکنے کے

لئے روانہ کر دیا مگر خس و خاشاک بھلا کیا سیلاب کا راستہ روک سکتے ہیں جب انور خاں برہان پور سے دو منزل پر پہنچا تو فتح جنگ کی فوج سے ایسا ہراساں ہوا کہ مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں پڑی اور آخر رات میں چھپ کر بھاگا اور برہان پور کے قلعہ میں پناہ لے لی۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس نے اپنے بھائی انور اللہ خاں کو ساتھ لے کر جو برہان پور کا دیوان تھا مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی اثنار میں فتح جنگ نربدا عبور کر کے قلعہ آسیر پہنچ چکا تھا اور وہاں کے ہزاریوں نے اوائل رجب میں قلعہ نظام الملک کے سپرد کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی نظام الملک فتح جنگ کا ہراول محمد غیاث خاں شہر برہان پور کے قریب لعل باغ پر پہنچ گیا۔ اس وقت رنبیا بنا کر جو انور خاں کا رفیق اور میر شمشیر تھا محمد غیاث خاں کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور نظام الملک سے مل گیا۔ اسی دوران میں شہر کے سراف اور تاجر اور دوسرے سربراہ لوگوں نے انور خاں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر محصور ہونے کے بعد فتح جنگ کی فوج غالب آگئی تو شہر تاخت و تاراج ہو جائے گا۔ اس لئے بہلی بات تو یہ ہے کہ نظام الملک سے صلح کر لی جائے انور خاں بدحواس ہو گیا تھا مگر زبانی طور پر اپنی بہادری کی شیخی بگھارتا رہا اور جان پر کھیل جانے کا اعلان کر کے مقابلہ کے لئے نکلنا چاہا مگر برہان پور کے متعینہ افسروں، عبدالرشید، مظفر مند خاں اور شہر کے مشہور مشائخ شیخ محمد صادق اور شاہ مکین نے درمیان میں پڑ کر اس کو سمجھایا اور اس کی اور اس کے بھائی کی عزت آبرو اور جان و مال کی امان کی ذمہ داری لی آخر وہ شہر سے باہر نکل آیا اور محمد غیاث خاں کے توسط سے فتح جنگ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی جان و مال اور آبرو محفوظ ہو گئی اس کو نظر بند کی حیثیت سے مجرا تسلیمات کے لئے حاضر ہونے اور اجلاس میں بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔ فتح جنگ نظام الملک کی کم آزاری اور رعیت پروری کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ اس نے رہام لوگوں کو تسلی دلاسا دے کر مطمئن کر دیا اور اپنے حکام کو تاکید کر دی کہ رعیت میں سے کسی پر سختی اور زیادتی نہ کریں۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا میرا ارادہ صرف یہ ہے کہ بادشاہ اسلام کو رہائی مل جائے اور وہ جمعہ کی نماز کے لئے جا سکے اور شرعی احکام جاری کر سکے۔ اس مقصد کے لئے وہ تمام مسلمانوں کو اعانت کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ انہی دنوں سیف الدین علی خاں کی والدہ اورنگ آباد سے برہان پور پہنچی تھی وہ اپنے بیٹے کے پاس مراد آباد

جانا چاہتی تھی۔ سیف الدین علی خاں کے چھوٹے بچے اس کے ساتھ تھے۔ وہ ضعیف خاتون اس قدر پریشان ہو گئی کہ اس نے جو کچھ بھی نقد و جنس اور جواہرات ہمراہ تھے نظام الملک کے پاس بھیجنے کا ارادہ کر لیا تاکہ ناموس و آبرو محفوظ رہے۔ مگر فتح جنگ نظام الملک باحمیت آدمی تھا۔ اس کے پاس اس وقت خزانہ کی بہت کمی تھی اور اس بڑی مہم کے لئے کافی رقم کی ضرورت تھی مگر اس نے قطعاً طمع اور لالچ سے کام نہیں لیا اور اس سادات بارہہ کی اس خاتون سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ اس کے فرستادہ شخص محمد علی کو خلعت وغیرہ عطا کی اور بچوں کے لئے پھل بھجوائے۔ اور دو سو سواروں کا بدرقہ ساتھ کر کے اس خاتون کو دریا عبور کرا دیا۔

دوطرفہ حملہ کا منصوبہ اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امیر الامراء کا بخشی دلاور علی خاں چھ ہزار کی فوج لے کر بوندی آیا ہوا تھا اور اس نے وہاں کے مہاراجہ پر فوج کشی کی تھی۔ اس نے اس عرصہ میں بارہ تیرہ ہزار سوار کا لشکر فراہم کر لیا تھا اور اس کے متعلق بڑی افواہیں گرم تھیں، وہ باندیا کے گھاٹ پر پہنچ گیا اور نظام الملک اس کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ حیدرآباد میں عالم علی خاں بھی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے نئی بھرتی کی اور مرہٹوں کی فوج ترتیب دی اور اطراف کے تمام فوج داروں کو جمع کر لیا، اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اس بھاری لشکر کو لے کر حیدرآباد سے نکلے اور دوسری طرف سے دلاور علی خاں پہنچ جائے۔ اس طرح نظام الملک کو درمیان میں گھیر لیا جائے۔ چنانچہ اس نے تمام جمع داروں کو تین چار اور پانچ ہزاری منصب علم نشان نوبت اور ہاتھی عطا کئے اور لشکر کے چھوٹے بڑے ہر ایک کی دل دہی کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ مگر تقدیر کے سامنے یہ تدبیریں ناکام رہیں۔

عالم علی خاں کا خط عالم علی خاں نے اپنے چچا (امیر الامراء) کو جو خط لکھا تھا، میں نے (خافی خاں مولف) اس کی نقل دیکھی ہے اس خط کا مضمون تھا۔ تقریباً سات ہزار قدیم سوار اور فوج داروں کے اور کمک کے دو تین ہزار سوار جو حیدرآباد اور اس کے نواح میں متعین ہیں درج رجسٹر ہو چکے ہیں اور نئے بھرتی شدہ جمعداروں کے چھ ہزار سے زائد سوار ہیں ان کے علاوہ راجہ ساہو اور مرہٹہ سرداروں کی امدادی فوجیں جو جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار ہیں پندرہ سولہ ہزار سے کم نہیں ہوں گی۔ اس طرح

لشکر کی مجموعی تعداد تیس ہزار سوار سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ میں اس لشکر کو لے کر اوائل شعبان تک اورنگ آباد سے نکل رہا ہوں۔" اس خط میں اس نے دلیری و بہادری کی بڑی بڑی باتیں تحریر کی تھیں اور حسین علی خاں کو اطمینان دلایا تھا کہ نظام الملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے گا۔

دلاور علی خاں کے خلاف فوج کشی

ناندیر کا معزول صوبہ دار امین خاں حسین علی خاں سے بہت زیادہ ناراض تھا اور اطاعت و رفاقت پر آمادہ نہیں تھا۔ عالم علی خاں نے اسے نقد ایک لاکھ روپیہ دو ہاتھی گھوڑے اور جواہرات دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ غرض عالم علی خاں ان تیاریوں کے ساتھ حیدرآباد سے باہر نکلا۔ نظام الملک کو جب یہ خبر ملی تو اس نے لعل باغ برہان پور کی مغربی سمت سے کوچ کر دیا اور تاپتی دریا کو عبور کر کے شرقی رخ پر لشکر گاہ قائم کر دی۔ مگر اسی اثناء میں دلاور علی خاں کے کوچ کی خبر ملی اور نظام الملک نے پہلے دلاور علی خاں کی فوج سے نمٹ لینا ضروری جانا اور تمام متعلقین کو آسیر کے قلعہ میں بھجوا دیا اور محمد غیاث خاں شیخ محمد شاہ فاروقی اور دوسرے جنگجو افسروں کی کمان میں توپ خانہ بھیج دیا اور خود بقیہ آراستہ لشکر کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا اور رتن پلور سے دو تین کوس پر دلاور علی خاں کے لشکر سے دو کوس کے فاصلہ پر خیمہ لگا دیا۔ رتن پور برہان پور سے سولہ کوس پر راجہ گرائی کا تعلقہ تھا۔

نظام الملک کے لشکر کی ترتیب

وہ نیک نفس سپہ سالار مسلمانوں کی خون ریزی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس نے آپس سے پہلے اتمام حجت کے لئے نصیحت آمیز پیغام بھجوائے اور قتال و جدال سے دلاور علی خاں کو روکنے کی کوشش کی مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر تیرہ ماہ شعبان سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) مطابق آخر ماہ خورداد (ماہ الہی) دونوں فوجیں مقابلہ پر آ گئیں۔

نظام الملک کے ہراول پر اس کا عقیدت مند کماندار محمد غیاث خاں مامور تھا۔ اس کے ساتھ شیخ محمد شاہ اور توپ خانہ کا داروغہ شیخ نور اللہ فاروقی تھے یہ دونوں بھائی دستہ اول کے جمعدار تھے اور بہادری میں ان کا کافی شہرہ تھا۔ غیاث خاں ہراول نے چند ہزار پیادوں اور توپ خانہ کے ساتھ پیش قدمی کی۔ نظام الملک کے میمنہ پر محمد عوض خاں بہادر

سید جمال اللہ خاں خلف نامدار اور انوار خاں، حکیم محمد مرتضیٰ اور دوسرے بہادر افسر متعین تھے ۔ میسرہ کی کمان مرحمت خاں بہادر نیل جنگ کے سپرد تھی ۔ فتح جنگ نظام الملک کا چچا عبدالرحیم خاں طلمش پر مقرر ہوا تادر داد خاں اور شادی خاں بائیں بازو کے حاشیہ پر اور عزیز بیگ خاں حارسی دائیں بازو کے حاشیہ پر، قول پر سعد اللہ خاں کا پوتا محمد متوسل خاں اسمٰعیل خاں خویشگی، رستم بیگ، جان نثار خاں کے بیٹے کامیاب خاں اور داراب خاں، سعدالدین خاں اور میر احسن خاں بخشی متعین کئے گئے ۔ شہر برہان پور کی حفاظت پر رعایت خاں کو چھوڑ دیا گیا تھا ۔ چنداول (عقب) پر رستم بیگ خاں مامور تھا ۔ فتح اللہ خاں خوستی، راؤ رنبھا نیالکر پانچ سو سواروں کے ساتھ گشت پر مقرر کئے گئے ۔

دلاور علی خاں کی فوجی طاقت

دلاور علی خاں ہمیشہ عیش و عشرت میں معروف رہتا تھا اور غرور و نخوت کا نشہ الگ چڑھا ہوا تھا جس دن نظام الملک کی فوج نے پیش قدمی کی وہ محفل عیش جمائے بیٹھا تھا ۔ جب حملہ کی اطلاع ملی تو غرور و تکبر کے ساتھ بڑ بکتا ہوا اٹھا اور اپنی فوج کو ترتیب دینے لگا ۔ دلاور علی خاں کی فوج کی تعداد کے متعلق مختلف روایات سننے میں آئی ہیں، مگر میری تحقیق کے مطابق جب وہ امیر الامراء حسین علی خاں کے پاس سے روانہ ہوا ہے تو کافی لاؤ لشکر کے ساتھ وہ چلا تھا چونکہ وہ خود فوج کا بخشی تھا اور جمعداروں کے حالات اور ان کی کارکردگی اور بہادری سے بخوبی واقف تھا اسی لئے اس کو ایک عمدہ فوج کی ترتیب میں بڑی آسانی تھی ۔ چنانچہ اس نے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں میں سے چھ ہزار منتخب اور تجربہ کار سوار منتخب کئے جن کے گھوڑے بھی عمدہ تھے اور ہتھیار بھی اچھے تھے ان میں زیادہ تر سادات بارہہ کے آدمی تھے اور ان کے علاوہ دلیر پٹھانوں کی جمعیت بھی تھی ان سواروں میں سے ہر ایک خود کو دس بیس سوار سے کم نہیں سمجھتا تھا دلاور علی خاں کے رفیق و مددگار سید شمشیر خاں اور بابر خاں تھے ۔ شمشیر خاں امیر الامراء اور عبداللہ خاں کا چچا زاد بھائی تھا بوندی پہنچنے کے بعد اس کا مقابلہ بدھ سنگھ ہاڑہ سے ہوا اس وقت اس نے بعض مشہور زمینداروں اور جمعداروں کو بھی بھرتی کر لیا ۔ اس کے ساتھ راجہ بھیم کی فوج بھی تھی ۔ راجہ بھیم بدھ سنگھ کے وطن کا مدعی تھا اور یہ ساری لشکر کشی اس کی مدد اور رفاقت کے لئے تھی ۔ راجہ گج سنگھ نروری بھی سادات بارہہ کے ساتھ ہو گیا تھا دلاور

راجاؤں کی فوج دو تین ہزار سوار سے زیادہ تھی۔ دونوں سادات بارہہ کے ساتھ مل کر بدھ سنگھ کو ختم کرنے اور بوندی کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے کوشاں تھے۔

راجپوتوں اور پٹھانوں کی فوج

نظام الملک کے مقابلہ پر بھی دونوں راجہ اپنی فوجیں لے کر جو بہادر اور بکتر پوش راجپوتوں پر مشتمل تھیں اور جو تمام ہتھیاروں سے مسلح تھے، سادات بارہہ کے ساتھ آ گئے تھے ان کے علاوہ دلاور علی خاں نے مالوے میں دوست محمد روہیلہ کو جو بڑا نامی گرامی پٹھان سردار اور متن دار تھا اور اس کے پاس ساڑھے تین ہزار جنگجو سوار اور توپ خانہ بھی تھا۔ ملازم رکھ لیا تھا۔ اس طرح سادات بارہہ کے لشکر کی تعداد تیرہ چودہ ہزار سے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں تک پہنچ جاتی تھی۔ لیکن یہ سب نہایت منتخب آزمودہ کار سوار تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں جو فوج تھی اُس میں اچھے برے ہر طرح کے سواروں کی بھرتی تھی اس اعتبار سے سترہ اٹھارہ ہزار کی یہ منتخب فوج تیس ہزار سوار کے مساوی سمجھی جا سکتی تھی۔

نظام الملک کی فوج خطرہ میں

نظام الملک کے مقابلہ میں ایک سہولت دلاور علی خاں کو یہ مل گئی تھی کہ اس کی فوج ایک پشتہ پر قابض ہو گئی تھی اور اس نے اپنے بہیر (بار برداری) کو اسی پشتہ کے نیچے ٹھیرا دیا تھا۔ اس کی فوج کے ہراول پر سید شیر خاں اور بابر خاں دو تین ہزار سواروں اور سات آٹھ ہزار پیادوں کے ساتھ مامور تھے۔ دائیں بائیں اور چنداول پر راجپوت اور پٹھان تھے۔ اس ترتیب کے ساتھ تمام فیل سوار سرداروں کو لے کر دلاور علی خاں بڑے لاف وگزاف اور طمطراق کے ساتھ معرکۂ کارزار میں داخل ہوا اس شخص کا تو یہ حال تھا اس کے برعکس فتح جنگ نظام الملک بارگاہ الٰہی میں بڑے عجز و نیاز کے ساتھ دست بدعا تھا، وہ بڑے وقار کے ساتھ ہاتھی پہ سوار ہو کر نکلا۔ نظام الملک کے توپ خانہ سے ایک توپ سر ہوئی اور میدان جنگ کا پہلا گولہ مقابلہ کا پیام لے کر دشمن کے لشکر میں جا کر پھٹا اور لڑائی چھڑ گئی۔ ایک طرف سے عوض خاں بہادر اور دوسری طرف سے محمد غیاث خاں آگے بڑھے مگر ان فوجوں کے درمیان زمین کا ایک دشوار گذار ٹکڑا حائل ہو گیا تھا۔ اس سے عوض خاں کی فوج خطرے میں آ گئی۔ سادات بارہہ راجپوت اور پٹھان سرداروں نے بڑی تیزی اور دلیری سے حملہ کر دیا اور مقابل فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ گولہ باری کے دھماکوں اور خود نمائی جتانے والوں کے ہاؤ ہو کے غل سے پریشان ہو کر عوض خاں

کا ہاتھی پلٹ گیا۔ اور بہت سے آدمی فرار ہو گئے۔ مگر ہاتھی کے پلٹ جانے اور ہمراہیوں کے فرار ہو جانے کے باوجود عوض خاں بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ اس معرکہ میں وہ زخمی ہو گیا تھا۔ مگر اس نے سرداری کے اختیار و تدبیر کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ دو دفعہ تو جس موت آ آ کے چھو کر نکل گئی۔ وہ برابر اس شکست کی تلافی کے لئے کوشش کرتا رہا۔

خوں ریز جنگ

بارہہ کے سردار خاص طور سے سید شیر خاں اور بابر خاں اس گمان میں تھے کہ فتح جنگ کی فوج کو ہزیمت ہو چکی ہے۔ خوش خوش تعاقب کے لئے آگے بڑھے مگر ان کو خلاف توقع شدید مقاومت سے دوچار ہونا پڑا۔ قادر خاں اور شادی کے ہمراہی بھی دشمن کے دباؤ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور وہ بھی زخمی ہو گیا تھا مگر وہ برابر مقابلہ پر ڈٹا پڑا تھا۔ عزیز بیگ خاں بھی اپنے بھائی کے ساتھ زخمی ہو گیا تھا۔ عوض خاں کا ایک جمعدار عظمت خاں پیدل ہو کر بڑی جانفشانی سے لڑ رہا تھا اور برابر دشمن پر تیر باری اور گولہ باری کر رہا تھا۔ محمد متوسل خاں بہادر بھی ان کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ غرض ان تمام سرداروں نے عوض خاں بہادر کے ساتھ مل کر تعاقب پر آنے والے سرداروں پر حملہ کر دیا اور ان پر تیروں کی زد پر لے لیا۔ اس وقت ایسا سخت معرکہ پڑا کہ ؎

زرہ کماں طائراں خدنگ | بریدند ہمراہی مردان جنگ
نہاں گشت از تیر فرق عدد | جہاں ساں کہ در زرہ برگشں کند

نظام الملک کی فتح

بہرحال بڑی سخت لڑائی کے بعد کہ بارہا دونوں فوجیں غالب و مغلوب ہوتی رہیں۔ دشمن کے کمان دار شیر خاں اور بابر خاں جو ہراول پر مامور تھے مارے گئے۔ اسی ہنگامہ دار و گیر میں دلاور علی خاں نے دیکھا۔۔۔ کہ نظام الملک کے قول (قلب لشکر) پر فوجوں کی تعداد کم رہ گئی۔ یہ ایک اچھا موقع تھا۔ چنانچہ وہ ہاتھی پر سوار جمعیت کے ساتھ قلب کی طرف بڑھا۔ مگر موت اسے دامن کشاں اس طرف لے آئی تھی۔ نظام الملک کے کسی برقنداز نے ایسا تاک کر نشانہ لیا کہ بندوق کی گولی لگتے ہی وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ دلاور علی خاں کے گرتے ہی بارہہ کی فوج اور دوست محمد خاں افغان وہ جیلہ زمیندار بھاگ کھڑے ہوتے۔ البتہ راجہ بھیم اور راجہ گج سنگھ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ برابر مقابلہ کرتے رہے اور ہندوستان کے بہادروں کی رسم کے مطابق سوا ایک

سے اُتر کر پیدل ہو گئے اور ڈھال تلوار سنبھال کر حملہ کرنے لگے۔ ان کے حملوں سے نظام الملک کے ہراول کی پیش قدمی رُک گئی۔ مگر اسی وقت مرحمت خاں بہادر نے جو بائیں بازو پر تھا ان راجاؤں پر بڑی بہادری سے حملہ کیا۔ دونوں راجاؤں اور راجپوتوں نے بلاشبہ اس وقت بڑی بہادری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور لڑتے لڑتے مر گئے۔ مگر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ ان کے ساتھ تقریباً چار سو راجپوت اور بارہ کے جمعدار مارے گئے۔ اس معرکہ میں دشمن کے چار پانچ ہزار سوار اور پیادے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کے لشکر میں فتح و شادمانی کا نقارہ بجنے لگا۔

اس لڑائی میں نظام الملک کے لشکر سے صرف بخشی خاں اور عوض خاں بہادر عرف عبداللہ بیگ کا ایک ہمراہی دلیر خاں چند غیر معروف اشخاص کے ساتھ کام آ گئے۔ ان کے علاوہ کسی مشہور آدمی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ البتہ عوض خاں بہادر اور محمد غیاث خاں چند بہادروں کے ساتھ زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے زخم جلد ہی ٹھیک ہو گئے۔ اور وہ انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ نظام الملک نے ان کو اضافہ اور ترقی دی اور ہاتھی گھوڑے مرحمت فرمائے۔ تاخت و تاراج کرنے والوں کو لوٹ میں کافی مال غنیمت ملا۔ صرف توپ خانہ اور ہاتھی سرکار میں ضبط کرنے گئے اور جو بہادر ہم رکاب تھے۔ ان کو تقسیم کر دیئے گئے۔ باقی جس کے ہاتھ بھی جو آ گیا تھا وہ اسے معاف کر دیا گیا۔

فیل مست و بے زنجیر

جب رات ہو گئی اور لشکر نے جگہ جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ رات کے پہلے حصہ میں لشکر کے ایک جانب بڑا شور و غل اور ہنگامہ ہو گیا اور لوگ گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ ایک گھنٹہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ آخر یہ کیا ہنگامہ ہے۔ آخر میں معلوم ہوا کہ غنیمت میں آنے والے ہاتھیوں میں سے ایک مست ہاتھی زنجیر تڑا کر نکل بھاگا ہے۔ اور ہر طرف تباہی مچاتے ہوئے پھر رہا ہے۔ اسی کے سبب یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اسی اثناء میں وہ مست ہاتھی محمد متوسل خاں کے خیمہ کے سامنے نمودار ہوا۔ محمد متوسل خاں تیر کمان لے کر خیمہ سے نکلا اور کمان میں تیر جوڑا اور کان تک چلہ کھینچ کر جو چھوڑا تو وہ تیر ہاتھی کی پیشانی میں پر تک دھنس گیا۔ ہاتھی خوف زدہ ہو کر وہاں سے لوٹ گیا۔ اب فتح جنگ کے فیل بان پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے دام اور کمند ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا۔

چالیس کوس کی یلغار

اس معرکہ کے دوسرے دن خبر ملی کہ عالم علی خان برہان پور سے سترہ کوس پر ہرتالہ کے تالاب پر پہنچ گیا ہے۔ فتح جنگ نے اس خبر کو سن کر محمد متوسل خان کو تین ہزار سواروں کے ساتھ رعیت کی مدد اور شہر کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ کیونکہ لشکر والوں میں سے اکثر کے خاندان برہان پور میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ متوسل خان نے چالیس کوس کا فاصلہ ایک دن میں طے کیا اور یلغار کرتے ہوئے جریدہ برہان پور پہنچ گیا اور اس نے لوگوں کو مطمئن کر کے شہر اور اس کے اطراف کی آبادیوں کا بندوبست و استحکام کر لیا۔ اتنی جلدی اس فوج کے برہان پور پہنچنے پر عالم علی خان کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ ہرتالہ سے آگے نہیں بڑھا وہیں ٹھیر گیا۔

دربار شاہی کے حالات

سادات بارہہ کی پریشانی

اب ہم دربار کا حال لکھتے ہیں جب دلاور علی خاں کے مارے جانے کی خبر پہنچی تو دونوں بھائی سخت پریشان ہوئے اور دکن جانے کے لئے ہر روز نئی نئی تجویزیں سوچنے لگے۔ کبھی یہ سوچتے کہ بادشاہ کو لے کر دونوں بھائی دکن جائیں کبھی یہ مصلحت قرار پاتی کہ صرف حسین علی خاں بادشاہ کی رکاب میں جائے اور سید عبداللہ خاں شاہجہاں آباد چلا جائے۔ پھر رائے بدل جاتی کہ قطب الملک سید عبداللہ خاں بادشاہ کو لے کر شاہجہاں آباد چلا جائے اور حسین علی خاں امرا کے ساتھ دکن کی طرف کوچ کرے۔ کبھی یہ رائے ہوتی کہ فتح جنگ نظام الملک سے مراسلت کرکے اس سے مصالحت کرلی جائے اور دکن کی صوبہ داری اس کے تفویض کردی جائے اور بعد میں قبائل کو ہر طرف سے جمع کرکے اس شکست کی تلافی کی صورت نکالی جائے غرض کسی بات پر قرار نہیں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں اور کہاں جائیں۔ ہر ہفتہ اور ہر مہینہ بادشاہ اور دونوں بھائیوں کا پیش خانہ مختلف سمتوں پر لگایا جاتا تھا اور اٹھالیا جاتا تھا اعتمادالدولہ کی بہادری اور عقل ورائے سے بھی ان کو بڑا اندیشہ تھا اس کو ساتھ لے جانے یا چھوڑ دینے کے متعلق بھی بڑا تذبذب تھا۔ بلکہ کبھی کبھی دونوں بھائیوں کے محمد امین خاں چین بہادر کے ساتھ اختلافات کا شہرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

دہلی میں زبردست زلزلہ

انہیں دنوں بائیس ۲۲ ماہ رمضان سن گیارہ سو بتیس ہجری (رمضان ۱۱۳۲ھ) کو جمعہ کے دن زوال کے بعد جب کہ دارالخلافہ

کی اکثر مساجد میں خطبہ پڑھا جا رہا تھا اور نماز ہو رہی تھی بڑا زبردست زلزلہ آیا زمین سے گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز آنے لگی در و دیوار ہلنے لگے اور چھت کی کڑیاں ہونے لگیں۔ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ اس دن اور رات میں صبح ہونے تک دس مرتبہ زمین حرکت میں آئی اور عمارتیں ٹوٹنے لگیں۔

شاہجہان آباد اور پرانی دہلی میں مشہور ہو گیا تھا کہ زلزلے سے شہر پناہ اور بہت سی عمارتیں گر گئی ہیں اور بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے ہیں میں خود تحقیق حال کے لیے سوار ہو کر گیا تھا اور میں نے شمال میں کابلی دروازے سے جنوب میں لعل دروازہ تک راستوں اور بازاروں کا معائنہ کیا۔ چند ایک مقامات پر عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا اور فصیل میں رخنے پڑ گئے تھے۔ شہر کے دو دروازوں کو بھی نقصان پہنچا تھا، اور مسجد فتح پوری کے تین کنگرے گر گئے تھے صرف دس بارہ آدمی ہلاک اور چند ایک زخمی ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک ماہ دس دن تک شبانہ روز چار پانچ دفعہ زمین سے گڑگڑاہٹ ہوتی رہی اور زلزلہ کا جھٹکا ہوتا تھا۔ لوگ اس قدر وحشت زدہ تھے کہ کوئی چھت کے نیچے نہیں سوتا تھا۔ آخر زلزلے کے دھماکوں میں کمی ہو گئی۔ مگر چار پانچ ماہ تک اس کے اثرات باقی رہے کبھی کبھی زمین اور عمارتیں لرزنے لگ جاتی تھیں۔ جب بادشاہ سلامت شہر میں داخل ہوتے تو ان کی آمد کی یہ برکت تھی کہ زلزلہ کے اثرات بالکل ختم ہو گئے۔ بادشاہ کی آمد کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

اکبر آباد میں ہندوگردی

جس جمعہ کو دہلی میں زلزلہ آیا تھا اسی جمعہ کو مستقر الخلافہ اکبر آباد میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ وہاں ایک ہندو عورت کو ایک مسلمان سے محبت ہو گئی تھی۔ اس کی ہدایت و رہنمائی میں اس عورت نے برغبت و رضامندی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے عزیز و اقارب نے استغاثہ دائر کر دیا۔ رتن چند نے اس مقدمہ کو غلط رنگ میں سید عبداللہ خاں کے سامنے پیش کیا اور اس کی اجازت سے یا اس کی بلا اجازت کوتوال کو حکم دے دیا کہ اس نومسلم عورت کو نہایت ذلت کے ساتھ شہر میں تشہیر کرائیں اور اس مسلمان کو بھی جو اس عورت سے عقد کرنا چاہتا تھا۔ بے آبرو کر کے شہر اور لشکر سے خارج کر دیں۔ جس وقت اس نومسلم خاتون کو گشت کراتے ہوئے ایک مسجد کے پاس سے لے گئے۔ جہاں مسلمان نماز پڑھ رہے تھے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ہجوم کر کے اس مجبور اور ستم رسیدہ کو ظالموں

کے ہاتھ سے چھڑالیں، مگر گردش زمانہ نے وہ غیرت وحمیت رہنے نہیں دی تھی اور اس وقت کافروں کا بہت بڑا مجمع ہمراہ تھا۔ مسلمان جرأت نہیں کرسکے۔ خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہ گئے۔

برہان پور کا عبرت ناک واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ خلد منزل بہادر شاہ کے آخری عہد میں بھی ہوا تھا۔ اس وقت برہان پور میں ذوالفقار خاں کی طرف سے داؤد خاں نائب صوبہ دار تھا۔ ایک درگاہ کے شیخ نے جو برہان پور کے اکابرین میں سے تھا۔ ایک ہندو عورت کو اس کی خواہش پر مسلمان بنایا تھا اور اس سے عقد کرنا چاہتا تھا یا کر چکا تھا۔ عورت کے عزیزوں نے داؤد خاں کے پاس استغاثہ کردیا۔ وہ جاہل پٹھان جو ہمیشہ کافروں کی طرف داری کرتا رہتا تھا، بلکہ وہ ان کے کسی ایک بت کی پرستش بھی کرتا تھا۔ درگاہ کے شیخ کو اس عورت کے ساتھ کچہری میں بلایا اور دونوں کو مادرزاد عریاں کردیا۔ اور دونوں کے ستر پر لنگوٹی بندھواکر سر منڈا دیا اور بڑی ذلت وخواری کے ساتھ کہ اس سے زیادہ تذلیل ممکن نہیں ہوسکتی شہر میں ان کی تشہیر کرائی اور عورت کو اس کے وارثوں کے حوالہ کردیا اس کے خلاف عدالت میں فریاد بھی کی گئی۔ مگر یہاں ذوالفقار خاں داؤد خاں کا حامی تھا۔ اس لئے اس کا استغاثہ خالی ہی گیا۔ مگر اصل انصاف تو منتقم حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ چند ہی دن بعد لوگوں نے دیکھا کہ اسی محلہ اور بازار میں داؤد خاں کی لاش کی بھی نہایت ذلت سے تشہیر ہورہی تھی۔

اعتمادالدولہ امین خاں

آخر کار دیگر ذی قدر کو طے پایا کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ شاہجہاں آباد کی طرف لگا دیا جائے اور حسین علی خاں جنگجو امیروں کے ساتھ دکن روانہ ہوجائے مگر اس دوران میں دونوں بھائیوں کا اعتمادالدولہ سے جھگڑا ہوگیا اور لوگوں میں اس اختلاف کے بڑے چرچے ہوئے اور فضا بہت اندیشہ ناک ہوگئی۔ مشہور تھا کہ محمد امین خاں چین بہادر تورانی کی فوج کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہوگیا ہے۔ امین خاں کو دونوں بھائی نظرانداز کرکے معاملات سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ وہ نہایت دلیر اور بہادر امیر تھا ایک مرتبہ اس کی سواری کا ہاتھی مست ہوگیا تھا اور امین خاں کو سونڈ سے لپیٹ کر ہاتھی سے

دانتوں کے نیچے رکھ لیا تھا مگر وہ قطعاً بدحواس نہیں ہوا اور اس نے خنجر سے ہاتھی کے منہ پر وار کئے اور اس کی سونڈ کو زخمی کر دیا

اور اس کو مغلوب کر کے دانتوں کے نیچے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ پھر اس کے وہ بہادرانہ کارنامے بھی لوگوں کو یاد تھے، جو اس نے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں سرانجام دیئے تھے۔ آخر سید بھائیوں نے اس سے صلح مدارات ہی میں خیریت جانی اور رفاقت و تعاون کے لئے اس سے عہد و پیمان کئے۔

نظام الملکؒ کا عالم علی خاں سے مُقابلہ

ماہ شوال کے آخر میں اورنگ آباد سے آنے والے مراسلوں سے عالم علی خاں کے مارے جانے کی اطلاع ملی کہ وہ اپنے سرداروں کی جمعیت کے ساتھ کام آگیا۔ محررِ اوراق (خافی خاں) اس واقعہ کی تفصیلات سے بخوبی واقف نہیں ہو سکا مگر ثقہ راویوں کی زبانی اختلاف روایات کے ساتھ جو کچھ معلوم ہو سکا اسی کو تحریر کیا جاتا ہے۔

عالم علی خاں کی پیش قدمی

کہتے ہیں دلاور علی خاں کے مارے جانے کے بعد بارہہ کے بچے کھچے وہ تین ہزار سوار فتح جنگ کی منصل فوج کی تلوار سے بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ عالم علی خاں کے پاس اس وقت پہنچا۔ جب کہ وہ سید دلاور علی خاں کے مقابلہ پر پہنچ جانے کی خبر سن کر اورنگ آباد سے نکل چکا تھا۔ اس کی فوج فردا پور کے پہاڑ کی گھاٹی سے جو برہان پور سے نصف فاصلہ پر ہے نکل کر توپ خانہ کو اتارنے کا انتظام کر رہی تھی اور ہراول کی ترتیب میں مصروف تھی۔ مرہٹہ فوج مشہور خاں ہراول کے ساتھ توپ خانہ کے ایک حصہ کو لے کر پہاڑ سے اتر چکی تھی۔ جب عالم علی خاں کو دلاور علی خاں کی خبر ملی تو اسے بہت صدمہ اور رنج ہوا۔ مرہٹہ سرداروں اور دوسرے ہم نشینوں نے اسے مشورہ دیا کہ اورنگ آباد واپس ہو جائیں یا احمد نگر جا کر محصور ہو جائیں، اور حسین علی خاں کے آنے تک اطراف و اکناف کی فوجوں کو جمع کر کے حکمت و تدبیر سے جنگ لڑی جائے۔ اور مرہٹہ فوجوں کو جو قزاقی کے فن میں ماہر ہیں فتح جنگ کی فوج کے

اطراف چھاپہ مارنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ عالم علی خاں کی غیرت نے اس طرح واپس ہو جانے کو قبول نہیں کیا اور اس نے وہاں اپنی لشکرگاہ قائم کر دی۔

دریائے پورنا کے کنارے نظام الملک فتح جنگ نے دلاور علی خاں پر فتح پانے کے بعد برہان پور پہنچ کر لشکرگاہ قائم کر دی تھی جب اسے عالم علی خاں کی آمد کی خبر ملی تو اس نے دلاور علی خاں اور سید شیر خاں کے تابوت پورے اعزاز کے ساتھ عالم علی خاں کے پاس بھجوا دیئے اور چند نصیحت آمیز کلمات لکھ کر بھیجے اور اس کو یہ اجازت دیدی وہ اپنے قبائل کے ساتھ اپنے دونوں چچاؤں کے پاس چلا جائے، تاکہ مسلمانوں میں خوں ریزی نہ ہو، مگر اس خط کا کوئی اثر نہیں ہوا اتمام حجت کے بعد فتح جنگ نے برہان پور سے کوچ کر دیا۔ . . . .

. . . . اور دریائے پورنا کے کنارے پہنچا جو برہان پور سے مغربی جانب سولہ سترہ کوس پر واقع ہے۔ ادھر سے عالم علی خاں بھی ہرتالہ کے تالاب پر جو پورنا سے قریب ہے آکر اتر گیا۔ اس وقت رات دن بارش ہو رہی تھی۔ راستے کیچڑ اور دلدل سے بھر گئے تھے۔ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ پھر کشتیاں بھی موجود نہیں تھیں۔ اس لئے دونوں لشکر دریا کو عبور نہیں کر پاتے تھے۔ ناچار کچھ عرصہ تک قیام کرنا پڑا۔

نظام الملک پورنا کے دوسرے کنارے پر آخر فتح جنگ مقام تبدیل کرنے اور کسی پایاب راہ کو تلاش کرنے کے لئے برار کی طرف ایک دو کوس تک کوچ اور مقام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ زمینداروں کی رہبری اور عوض خاں کی کوششوں سے صوبہ برار کے تعلقہ بالاپور کی سمت پایاب گذرگاہ کی خبر ملی اور وسط ماہ رمضان میں پورے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا۔ بارش کے ایسے سخت موسم میں پانی میں اس راہ کا مل جانا ایک نیک شگون تھا۔ قدرتی طور پر لشکر والوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ عالم علی خاں کو جب خبر ملی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اور کوچ کر کے فتح جنگ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ نظام الملک نے دریا کے کنارے ایک دن مقام کیا۔ تاکہ بقیہ لشکر باربرداری اور بہیر وغیرہ کے ساتھ دریا سے نکل آئے۔ دریا میں کسی جگہ پانی سینہ تک تھا اور کسی جگہ کمر کمر تھا۔ سارا لشکر بڑی آسانی سے بغیر کسی جانی و مالی نقصان کے دریا کو عبور

کرکے جمع ہو گیا۔

بارش اور قحط کی مصیبت

نظام الملک نے دوسرے دن میدان جنگ کے انتخاب کے لئے کوچ کردیا اور سیوگاؤں کے قریب جو برار کے صوبہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لشکر گاہ قائم کردی وہاں شب و روز بارش ہونے اور کیچڑ کی زیادتی کے سبب مزید کچھ عرصہ تک قیام کرنا پڑا۔ اور اس دوران میں لشکر کو بڑی زحمتیں کا سامنا کرنا پڑا۔ اب میں کیا لکھوں کہ ان چند دنوں میں فتح جنگ کے لشکر کو کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ندی نالوں میں طغیانی اور شب و روز مسلسل بارش اور دریا کے حائل ہونے کے سبب خاندیس اور برار سے رسد بالکل نہیں پہنچ رہی تھی۔ دوسری طرف نابکار مرہٹے اطراف میں تاخت و تاراج کرتے پھر رہے تھے۔ اور اونٹ بیل کو چارہ تک کے لئے جانا محال ہو گیا تھا۔ رسد پہنچنے کا کیا سوال تھا۔ مرہٹوں کی شوخی و شرارت بڑھتی جا رہی تھی اور وہ برابر قزاقوں کی طرح چھاپے مار رہے تھے۔ چند دن تک تو لشکر میں غلہ اور چارہ کی اس قدر قلت ہو گئی کہ تیرہ چودہ دن تک درختوں کے پتے اور نرم شاخیں پتھر سے کوٹ کر جانوروں کے سامنے کیچڑ میں ڈال دی جاتی تھی۔ گھوڑوں اور چوپایوں کو دانہ مد گھاس سونگھنے کے لئے بھی میسر نہیں ہو رہا تھا۔ جانور کمر کمر تک کیچڑ پانی میں لت پت ہو رہے تھے۔ ایک بڑی تعداد اسی حالت میں تلف ہو گئی۔ آٹا مد روپیہ میں ایک دو آثار مل رہا تھا اور وہ بھی خاص خاص متمول آدمیوں کو بہت سے لوگ ان تکلیفوں کی تاب نہ لا کر لشکر سے بھاگ نکلے۔ ندی نالوں میں سیلاب کی تراہٹ سواروں اور پیادوں کی فریادیں خیموں کے گرنے کا شور پھر اس ہنگامہ میں لشکر کے اطراف مرہٹوں کی تاخت و تاراج کہ وہ بعض وقت لشکر گاہ کے بازار اور ذخیروں تک چھاپہ مار جاتے تھے۔ مصیبت بالائے مصیبت تھی۔ فوج بالکل تنگ آچکی تھی۔ اکثر جمعداروں نے تنگ آکر نالش دائر کر دی تھی اس اثناء میں بارش نے کچھ مہلت دیدی اور نظام الملک نے وہاں سے کوچ کرکے بالاپور سے تین کوس پر ایک ویران گاؤں میں قیام کیا۔

مرہٹوں کی چھاپہ مار فوج

مرہٹوں کی شوخی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ ان کی تادیب کے لئے لشکر سے عوض خان بہادر، محمد غیاث خاں اور رضا بنا کر نکلے اور مرہٹوں پر حملے کرکے انھیں مار بھگایا۔ مرہٹوں نے ان لڑائیوں میں بھی

سی گھوڑیاں بھاگے اور چھتریاں مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں۔ بہادروں نے تین چار کوس تک مرہٹوں کا تعاقب کیا اور لوٹ آئے۔ عید الفطر بھی اس مقام پر منائی گئی۔ اس منزل میں دانہ گھاس بھی کسی قدر فراہم ہوگیا۔ پہلے مقام سے جب کوچ ہوا تھا تو چند بڑی توپوں کو اسی جگہ زمین میں دفن کردینا پڑا تھا کیونکہ کیچڑ پانی اور توپ کھینچنے والے بیلوں کے کمزور ہوجانے کی وجہ سے ان توپوں کو لے جانا بہت دشوار ہوگیا تھا۔ بالاپور کے قریب گھاس اور دانہ وافر مقدار میں دستیاب ہورہا تھا۔ اس لئے لشکر کے آرام کے لئے یہاں دو تین مقام کئے گئے۔

نظام الملک کی صف بندی

درخواں کو بہیر کو تو بالاپور کے قصبہ کے قریب چھوڑ دیا اور دو تین کوس کی مسافت پر میدان جنگ کا تعین کرکے فوجوں کی ترتیب اور صف بندی شروع کردی۔ ہراول پر محمد غیاث خاں محمد شاہی داروغہ توپ خانہ اور اس کا بھائی شیخ لزاللہ، یلبرز خاں آغری، الفر خاں اور دوسرے بہادر افسر مقرر کئے گئے۔ میمنہ پر عوض خاں بہادر جمال اللہ خاں اور دوسرے دلاوروں کو متعین کیا گیا۔ کیونکہ مرہٹہ سردار سولہ سترہ ہزار سواروں کے ساتھ اس جانب حملے کررہے تھے۔ قول اور طلیمش کے دستوں پر مرحمت خاں، عبدالرحیم خاں، محمد متوسل خاں، آقا درداد خاں، جاں نثار خاں کے بیٹے داراب خاں اور کامیاب خاں، دلیر خاں اور خان عالم کا پوتا اختصاص خاں جو اُنہی دنوں اورنگ آباد سے آکر ساتھ ہوگیا تھا۔ اور تہور خاں تھے۔ ان کے ساتھ ایران توران اور افغانستان کے بہادر اور راجپوت سوار بھی تھے۔ چنداول اور لشکرگاہ کی نگہبانی کے لئے رنجیا نبالکر اور پرگنہ سنیسر کا دیسکھ انوجی کو مقرر کیا گیا۔ قلب لشکر میں نظام الملک بہادر فتح جنگ ہاتھی پر سوار تھے کہ ایسا سردار اور بہادر سپہ سالار بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

عالم علی خاں کا لشکر

دوسری طرف عالم علی خاں کے ساتھ چھتیس ہزار مرہٹے اور دوسری فوجیں تھیں۔ اس کے ہمراہی جمعدار اپنے آپ کو رستم زماں سمجھتے تھے۔ جوہر خاں اور محمدی بیگ جیسے سردار تھے۔ محمدی بیگ نے مدت تک گلشن آباد کی فوجداری پر نیابت کا فرض انجام دیا تھا اور مرہٹوں کی جنگ میں چھاپہ زنی، لڑائی قزاقی مردم آزاری میں اس کی بڑی شہرت تھی جاگیرداروں کے اور خالصہ کے پرگنوں کو اس نے خوب تاخت و تاراج کیا تھا۔ ان الزامات میں بارہا اُسے صوبہ داروں قید

کی سزا بھی دی تھی۔ خاص طور سے فتح جنگ کی صوبہ داری کے زمانہ میں پا بہ زنجیر کافی عرصہ تک قید رہا تھا۔ چند ماہ بعد نظام الملک نے اس کے قصور معاف کر کے اسے تین سو روپیہ کے معاوضہ پر جمعداروں کے جرگہ میں شامل کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں عالم علی خاں نے اس کی حیثیت سے بڑھ کر خطاب دیا اور پانچ ہزاری کے منصب پر فائز کر دیا۔ اور نوبت کا اعزاز بھی عطا کیا۔ اس طرح متی خاں اس کا بھائی لطیف خاں بخار اس کا بھتیجا۔ سید دلی محمد اور محمد اشرف نند باری قصباتی اور سپاہی پیشہ جمع دار تھے۔ ہر ایک پانچ ہزاری کا منصب دار بن گیا تھا۔ ان کو عالم علی خاں نے نقد روپیہ ہاتھی گھوڑے اور مال و اسباب بھی دیا تھا کہ وہ خوش دلی کے ساتھ اس کی رفاقت میں رہیں۔ یہ جمعدار تہور خاں افغان کی کمان میں متعین تھے جو ایک بہادر پٹھان اور عالم علی خاں کے ہراول کا سالار تھا۔ ان کے علاوہ رستم خاں کا بیٹا غالب خاں تھا جو نہایت بہادر اور خاندانی سردار تھا۔ اس کا دیوان آپا پنڈت تھا۔ اس کا شمار بھی جنگجو بہادروں میں ہوتا تھا۔ میرزا علی نے بھی بیشتر لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور سید عالم ابراہیم کی بہادری کے کارناموں سے سادات بارہہ خوب واقف تھے۔ خان عالم کے بھائی امین خاں کا گھرانہ بہادری اور شمشیر بازی میں ضرب المثل تھا مگر جن دنوں وہ محمد آباد بیدر کا نائب صوبہ تھا تو اسے راجہ ساہو کے متبنیٰ بیٹے کے ہاتھوں بڑی خفت اٹھانی پڑی تھی جس نے حسین علی خاں کے اشارہ سے اس پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ یہ واقعہ ہم فرخ سیر شہید کے تذکرہ میں لکھ چکے ہیں۔ اس نے نقد رقم اور دو تین ہاتھی لے کر بڑی ناخوشی کے ساتھ رفاقت قبول کی تھی بعد میں سید عبداللہ خاں نے برسر اجلاس متعدد بار اس کے متعلق شکوہ کیا کہ اس مدد و اعانت کے باوجود اس نے ساتھ نہیں دیا۔ داؤد خاں کا بھتیجا عمر خاں بھی ہمراہ تھا جو اپنے چچا کے خون کے انتقام کے لئے ہمیشہ جوش کھاتا رہتا تھا۔ ترک تاز خاں بھی عالم علی خاں کے ہمراہ تھا مگر اندرونی طور پر وہ فتح جنگ کا ہی حامی تھا۔ فدائی خاں دیوان بھی فاتیا نہ اپنے آپ کو فتح جنگ کا طرف دار سمجھتا تھا۔ دکن کا بخشی محمد اشرف خاں رفاہیت طلب خاں، خواجہ رحمت اللہ خاں جس کا خطاب شجاعت خاں تھا، اور وہ عالم علی خاں کے توپ خانہ کا داروغہ تھا، شمشیر خاں اور غیاث الدین خاں جس کا خطاب شجاعت خاں تھا اور وہ گلشن آباد کا فوجدار تھا۔ مرہٹہ سرداروں میں سنتاجی سندھیہ، کھنڈوجی دہباریہ، سیناپت، سنکراجی ملہار کالوجی وغیرہ نامی گرامی سرغنے تھے۔ ان کے علاوہ راجہ ساہو کے تقریباً سترہ اٹھارہ ہزار سوار بھی تھے

جو سب کے سب خود کو حسین علی خاں کے جاں نثار بتاتے تھے۔ ان کے علاوہ بارہہ کے اور دکن کے اور بھی سردار تھے۔ جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہو سکا۔ یہ سب لوگ داہنی بائیں کمک اور چنداول پر مقرر تھے۔ عالم علی خاں قلب لشکر میں تھا۔ غیاث الدین خاں کو اس نے اپنے ہاتھی پر ردیف بنا کر بٹھا یا تھا۔ عالم علی خاں کا توپ خانہ بھی بہت زبردست تھا۔ توپ خانہ کے عقب میں چودہ پندرہ ہزار کرناٹکی تیرانداز تھے۔

گولہ باری کا آغاز

جب دونوں طرف سے صف بندی ہو گئی تو چھ ماہ شوال جلوس کے دوسرے سال مطابق ۱۱ شہریور ماہ الٰہی دونوں لشکر حرکت میں آگئے۔ مشہور قول کے مطابق کہ ابھی عالم علی خاں نے اپنی جگہ سے کوچ نہیں کیا تھا کہ فتح جنگ نے سوار ہو کر پیش قدمی کی اور دشمن کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ جیسے ہی دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی۔ آتش بان چھوٹنے لگے اور ہنگامۂ دار و گیر بپا ہو گیا۔ سب سے پہلے عالم علی خاں کی طرف سے دو تین گولے فتح جنگ کے لشکر میں آکر گرے۔ مگر کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے جواب میں نظام الملک کے توپ خانہ سے پہلا گولہ سر ہوا اور اس کی ضرب سے لطیف خاں پنوار کی عماری اُلٹ گئی اور پنوار گر پڑا اس واقعہ سے بارہہ کے لشکر میں اور دکنیوں میں بڑی بھگدڑ مچ گئی۔

دشمن کا خوفناک حملہ

تہور خاں ہراول اپنی فوج کو لے کر اسی وقت بڑھا، اور اس سے پہلے کہ توپ خانہ سے پھیلنے والا دھواں چھٹے اس نے نظام الملک کے ہراول پر مستانہ وار حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ سترہ اٹھارہ فیل سوار جانباز سردار اور چودہ پندرہ ہزار کی جمعیت تھی۔ اس کا حملہ ایسا اچانک اور زبردست تھا، کہ مغل لشکر میں سے اکثر بے حوصلہ آدمی مقابلہ پر ٹھیر نہ سکے۔ جب محمد شاہ داروغہ توپ خانہ دشمن کے نرغہ میں آگیا تو ہندوستان کے بہادروں کی روایت کے مطابق وہ اپنے بھائی نوراللہ خاں کے ساتھ پیادہ ہو گیا اور دشمن کے مقابلہ پر ٹوٹ گیا۔ اس وقت فتح جنگ کی ہراول فوج کی ترتیب اور نظم بالکل بگڑ گیا تھا۔ محمد شاہ کا بھائی شیخ نوراللہ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ محمد شاہ بھی بہت زیادہ زخمی ہو گیا۔ محمد غیاث خاں ہراول کی ایک آنکھ پہلے سے معیوب تھی۔ اس کی دوسری صحیح و سالم آنکھ زخمی ہو گئی اور دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ بقیہ فوج ہزیمت کھا کر بھاگ نکلی۔ اس نازک وقت میں نظام الملک کی فوج کے

دوسرے دستوں نے بہادری سے حملہ کیا اور دشمن پر تیروں کی زبردست بوچھاڑ کردی اس وقت بڑی سخت لڑائی ہوئی ؎

زہر دو طرف یک تازان مرد — کشادند بر ہم کمان نبرد
فرو ریخت پیکان زہرآب دار — چو باران قوس قزح در بہار

اس وقت عالم علی خاں تاب لشکر اور دوسرے ہمراہی سرداروں کے ساتھ برق رفتاری کے ساتھ محاذ پر پہنچا اور نظام الملک کے لشکر پر بڑی دلیری سے ٹوٹ پڑا ایرانی تورانی بہادر خاص طور سے عوض خاں بہادر، مرحمت خاں اور قادر داد خاں نے اس کے حملہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ یہ لوگ جدھر بھی نکل جاتے تھے۔ تعریف و تحسین کا شور اٹھ جاتا تھا۔ غرض دونوں طرف سے شجاعت و بہادری کا جی کھول کر مظاہرہ کیا گیا ؎

چناں گرم گردید کار نبرد — کہ شمشیر شد آب در دست مرد
چنیں شد بلند آتش کارزار — کہ دود ش فلک بود و اختر شرار

مردانہ وار مقابلے

جنگ بڑے زور و شور سے جاری تھی۔ عالم علی خاں اگرچہ کافی زخمی ہو چکا تھا۔ مگر مردانہ وار حملے کئے جا رہا تھا۔ محمد متوسل خاں فتح جنگ کا قریبی عزیز تھا۔ وہ عالم علی خاں کا ہم عمر اور بڑا خوبصورت جوان تھا۔ شجاعت و بہادری میں وہ اپنے برابر کے لوگوں میں سبقت و امتیاز رکھتا تھا۔ محمد خاں اور دوسرے لوگوں دشمن کی فوجوں کے سرداروں نے محمد متوسل خاں کو نرغہ میں لے رکھا تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے اپنے ہاتھی کو آگے بڑھایا اور اس کے باوجود کہ وہ بندوق کی ایک گولی اور ایک تیر کے لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے شیرانہ حملہ کر کے دشمن کے حلقہ کو توڑ دیا اور عالم علی خاں کے ہاتھی کے مقابل پہنچ گیا۔ اور بھی توڑ کر مردانہ حملے کرتا رہا اور زخمی ہو گیا اس وقت قادر داد خاں نے بھی جو متوسل خاں کی مدد پر پہنچ گیا تھا بڑی مردانگی کا ثبوت دیا تھا ؎

فتد کار بد سر چو روز نبرد
کند کار صد شیر یک شیر مرد

عالم علی خاں کی ہلاکت

عالم علی خاں کا فیل بان تہور خاں کا برادر نسبتی تھا۔ اُسے بندوق کی ایک گولی لگی اور وہ نیچے گر پڑا اس

کے ساتھ ہی غیاث الدین خاں دکن کے توپ خانہ کا داروغہ جو عالم علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا مارا گیا۔ اس کے علاوہ غالب خاں، ایاجی دیوان، شمشیر خاں، اسمٰعیل اور سید عالم بارہہ وغیرہ کوئی آٹھ نو سردار تیروں اور گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ادھر یہ ہنگامہ کارزار برپا تھا۔ دوسری طرف نابکار مرہٹوں نے نظام الملک کے بہیر پر چھاپہ مار کر اشرفیوں کے خزانہ کا کچھ حصہ لوٹ لیا۔ عالم علی خاں کا ہاتھی تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ اور تلواروں نیزوں کی ضرب کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے پلٹ گیا۔ اس وقت عالم علی خاں زخموں سے چور چور ہو رہا تھا۔ اس نے فتح جنگ کی فوج کی طرف رخ کر کے بلند آواز سے کہا: "میرا ہاتھی پلٹ گیا ہے، میں نے پشت نہیں پھیری ہے" لوگ بیان کرتے ہیں کہ لڑائی کے دوران میں جب عالم علی خاں کے ترکش تیروں سے خالی ہو گئے وہ اس وقت ان تیروں کو جو عماری میں اور اس کے بدن پر آ کر لگ رہے تھے۔ تیزی سے نکالتا جاتا تھا اور غنیم پر چلاتا جاتا تھا۔ غرض اس دلیری اور بہادری سے لڑتے ہوئے اس نے اپنی جان عزیز۔ اپنے دونوں چچاؤں رسید حسین علی خاں سید عبد اللہ خاں پر نثار کر دی اس وقت اس کی عمر بائیس سال سے زائد نہیں تھی۔ اس کے اطراف کوئی سترہ اٹھارہ نامی گرامی نیل سوار سردار مارے گئے تھے اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی تھی۔

نظام الملک کی فتح

لڑائی ختم ہو گئی اور بارہہ کی فوج میں سے امین خاں عمر خاں ترک تاز خاں، دکن کا دیوان فدائی خاں اور دوسرے چند نامی گرامی آدمی فتح جنگ کے پاس حاضر ہو گئے اور نظام الملک بہادر کی فتح کا شادیانہ بجایا گیا۔ تمام ہاتھی مع توپ خانہ نظام الملک کے قبضہ میں آ گئے۔ باقی تمام ساز و سامان تاراج و غارت ہو گیا اس لڑائی میں بھی فاتح فوج کے مشہور و معروف آدمی ہر طرح محفوظ رہے۔ صرف سید سلیمان جو حضرت غوث الاعظم کا پوتا کہلاتا تھا اور شیخ نور اللہ دو تین غیر معروف سرداروں کے ساتھ کام آ گئے تھے۔ محمد غیاث خاں، محمد شاہ، کامیاب خاں اور چند دوسرے نمبر سردار زخمی ہو گئے تھے جو ان کی سُرخ رُوئی کا نشان تھے۔ دوسرے نامی گرامی سرداروں کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں پہنچا۔

سادات پناہ کی تلاش میں

جب یہ خبر اورنگ آباد پہنچی تو حسین علی خاں کے قبائل اور عالم علی خاں کے وابستگان میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ لوگ سخت مایوس اور پریشان ہوگئے اور دولت آباد کے قلعدار سے انھوں نے قلعہ میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ قلعدار کو حسین علی خاں کی طرف سے بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اس کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ منصب میں کمی کردی گئی تھی۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت شاہجہاں بادشاہ کے عہد سے دولت آباد کی قلعداری، مرتضیٰ خاں اور سید مبارک کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ یہ لوگ سید جلال بخاری کے سید گھرانہ سے تھے۔ مگر اس وقت جب عالم علی خاں کے قبائل نے پناہ مانگی تو اُس نے ان کو نقد و اجناس و اموال کے ساتھ قلعہ میں داخل کرلیا۔

سادات بارہہ کی پریشانیاں

وحشت ناک خبر

جب اورنگ آباد سے اس سانحہ کی اطلاع دونوں بھائیوں کو ملی اور اس بات کی تحقیق ہوگئی کہ دونوں لڑائیوں میں تمام سادات بارہہ ختم ہوگئے اور نظام الملک بہادر کے نامی گرامی ہمراہیوں میں سے دو تین آدمیوں کے سوا کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا تو وہ دست افسوس ملتے ہوئے کہنے لگے - کیا نظام الملک کے ہمراہیوں نے آب حیات پی رکھا ہے؛ یا فولاد کے بنے ہوئے ہیں کہ ان پر ہتھیار کارگر نہیں ہوتے - اس حادثہ کا جو صدمہ دونوں بھائیوں کو ہوا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے - خاص طور سے حسین علی خاں کی آنکھوں میں تو دنیا اندھیر ہوگئی - ہمیشہ اس کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہتے رہتے تھے اور وہ آہیں بھرتا رہتا تھا؛ اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عنقریب میں اس کا اپنا کیا حشر ہونے والا ہے - فتح سے ایک ہفتہ بعد جب یہ خبر ملی کہ حسین علی خاں کے قبائل کو دولت آباد کے قلعدار نے پناہ دیدی ہے اور ان کا مال و اسباب ضبط ہونے سے محفوظ رہ گیا ہے - تو حسین علی خاں کو قدرے اطمینان اور تسلی ہوئی - اسی قریب میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حیدرآباد کا صوبہ دار مبارز خاں اور اس کا ہم زلف دلاور خاں چھ سات ہزار سواروں کے ساتھ سادات کی کمک پر نکلنے کا اعلان کرکے حیدرآباد سے روانہ ہوگئے تھے - مگر اس طرح قدم گن گن کر چلے کہ سارا قضیہ ختم ہوگیا؛ پھر یہ لوگ فتح جنگ کے پاس جاکر اس کے رفیق بن گئے -

برادران بارہہ کا فیصلہ

بہر حال سادات نے بڑے سوچ بچار اور مشوروں کے بعد طے کیا کہ سید عبداللہ خاں دارالخلافہ جا کر ٹھیر جائے اور سید حسین علی خاں بادشاہ کو اور امرائے نامدار کو ساتھ لے کر دکن کی طرف نظام الملک سے انتقام لینے کے لئے کوچ کر دے، دونوں بھائی فوجی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، وہ اس مہم کے لئے ایک لاکھ سوار فراہم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسداللہ خاں کے بیٹے سید محمد خاں اور دوسرے ذمہ دار آدمیوں کو رقم پروانے اور قول نامے دے کر بارہہ کے جمعداروں اور تومن دار پٹھانوں کے پاس روانہ کیا۔ اس وقت جب کہ دونوں بھائیوں کی سرکار میں بھرتی اور ملازمت کا ہنگامہ گرم تھا اور ہمراہی امیروں کو بھی رسالہ بھرتی کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ فوجی نوجوان اور عمدہ گھوڑے بہت کمیاب ہو گئے تھے۔ پھر دور و نزدیک جو جمعدار تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ دونوں بھائیوں کا ستارۂ اقبال اب رو بہ زوال ہے۔ اس لئے وہ دکن جانے کے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ لہٰذا دونوں بھائی خاطر خواہ فوج جمع نہ کر سکے۔ تاہم قدیم اور جدید بھرتی کے پچاس ہزار کے قریب سوار جمع ہو گئے۔ البتہ امید تھی کہ بارہہ کے سوار اور راجاؤں اور زمینداروں کی کمکی فوجیں آ کر شامل ہو جائیں گی۔

اکبر آباد سے لشکر کا کوچ

آخر کار امیرالامراء سید حسین علی خاں کارگذار جنگجو امراء کی فوجوں اور توپ خانہ کی صف بندی کر کے باہر نکلا۔ آخر ماہ شوال میں پیش خانہ دکن کی سمت لگا دیا گیا۔ امیرالامراء اکبر آباد سے دو کوس تک کوچ کر کے ٹھیر گیا۔ سید خان جہاں کے انتقال کے سبب میر آتش کے عہدہ پر حیدر قلی خاں بہادر کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کی کارگذاری اور امور ملکی و نظم و نسق میں اس کی صلاحیتوں کا اور دوسرے حالات کا ذکر ہم فرخ سیر بادشاہ شہید کے تذکرہ میں ہم کر چکے ہیں۔ حیدر قلی خاں کا تقرر اوائل ذی قعدہ میں ہوا اور اسی ماہ کی نویں تاریخ کو سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) میں جواں بخت بادشاہ نے مستقر الخلافت اکبر آباد سے کوچ کیا اور شہر سے تین کوس پر قیام کیا۔ سید عبداللہ خاں بادشاہ کی مشایعت میں آیا اور شاہجہاں آباد جانے کی اجازت ملنے تک ساتھ ساتھ رہا۔

برادران سادات کا اختلاف

سید عبداللہ خاں بڑا بھائی تھا مگر اثر و اقتدار چھوٹے بھائی سید حسین علی خاں کا زیادہ تھا، کیونکہ اس

نے حسن سلوک سے حکومت کے عمدہ اور بہترین کارگذاروں کو اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ اس نے بڑے بھائی قطب الملک پر اتنا تسلط اور قابو پا لیا تھا کہ اکثر معاملات میں بڑے بھائی کو مجبوراً اس کی اطاعت کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت بھی جب دفتروں کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو امیرالامراء حسین علی خاں نے چاہا کہ تمام سررشتہ دیوانی، بخشی گری اور بائیس صوبوں کی صدارت سے دیوان تن اور دیوان خالصہ کے اپنے ساتھ لے جاتے۔ سید عبداللہ خاں کے پاس فیراہم برائے نام محکمے رہ جائیں، تاکہ وہ شاہ جہاں آباد میں معطل پڑا رہے۔ اس مسئلہ پر دونوں بھائیوں میں بڑی ردو قدح ہوتی رہی۔ آخر اس خیال سے کہ لوگوں میں یہ جھگڑا نہ پہنچنے پائے۔ طے پایا کہ اکبر آباد، اجمیر، احمد آباد اور مالوے کے چاروں صوبوں اور دکن کے چھ صوبوں کے محکمے بادشاہ کے ساتھ جائیں گے۔ بادشاہ کا جشن تخت نشینی ۵ رذی قعدہ کو ہوتا تھا۔ اس لئے سید عبداللہ خاں کی خواہش تھی کہ وہ اپنے سامنے یہ جشن منعقد کرا کے واپس جائے مگر حسین علی خاں راضی نہیں ہوا اور اکبر آباد سے چار کوس پر بڑے بھائی کو رخصت کر کے کوچ کر دیا۔

فتح پور میں جشن جلوس

قطب الملک سے رخصت ہو کر امیرالامراء نے چودہ : ۵ ذی قعدہ کو بادشاہ کو سوار کرایا اور فتح پور کے قریب تین چار دن جشن منانے کے لئے خیمہ گاہ لگا دیا۔ جشن تو منعقد ہوا مگر اس پر ایسا ماتم برس رہا تھا کہ کسی طرح جوش و ولولہ اور سرخوشی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ بادشاہ کے ہوا خواہوں کے حلقہ میں امید اور توقع کے چراغ ضرور جل رہے تھے۔ فتح پور میں بادشاہ کا قیام دو تین دن رہا۔ یہ وہ تاریخی مقام تھا کہ یہاں بابر بادشاہ دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ آیا تھا اس کے مقابلہ پر دو لاکھ سوار اور پیادہ فوج اور دو ہزار ہاتھی اور پانچ نامور راجہ اور سوری خاندان کے کئی سردار آئے تھے۔ یہ سب رانا سانگا کے زیر بنے ہوئے تھے۔ ان کے ہراول پر حسن خاں میواتی چار بڑے راجاؤں اور پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ متعین تھا۔ بابر بادشاہ نے باوجود قلت کے اس دل بادل لشکر کو بری طرح شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ اس وقت اتنے کافر مارے گئے کہ رانا نے اپنی اولاد کو قسم دلا دی کہ وہ اب کبھی صاحب قران کے خاندان سے لڑنے کے لئے اپنی نیاموں سے تلوار نہ نکالیں۔ جشن سے فارغ ہو کر بادشاہی لشکر کوچ بکوچ جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔

قطب الملک کے ہمراہی

قطب الملک سید عبداللہ خاں کے ساتھ حامد خاں بھائی زادہ نظام الملک کا چچا، حمید الدین خاں، غازی الدین غالب جنگ، بیرم خاں، نعمت اللہ خاں، میر خاں امیر خانی، صلابت خاں اور چند بے پروبال امیر رہ گئے تھے، ان کو لے کر قطب الملک ۹ ذی قعدہ کو شاہجہاں آباد روانہ ہو گیا۔ اور اکبر آباد سے چار پانچ کوس پر ٹھیر گیا۔ محمد خاں بنگش جو سادات کا عرصہ دراز سے ممنون احسان تھا۔ اس منزل پر قطب الملک سے ملنے کے لئے حاضر ہوا۔ اس کو حسین علی خاں کے ساتھ جانے کے لئے کافی رقم دی جا چکی تھی۔ اب اس نے اپنی عسرت و پریشانیوں کا بہانہ کر کے مزید پچاس ہزار روپیہ وصول کیا اور بادشاہی لشکر میں جانے کا اعلان کر کے رخصت ہو گیا۔ اس وقت وہ لشکر کے ساتھ جانے کا واقعی ارادہ کر چکا تھا مگر دونوں بھائیوں سے اسے نفرت ہی تھی۔ ایک تو ان دونوں کے طور طریق، دوسرے قومی عصبیت کے تقاضہ کی وجہ سے۔ بعد میں تقدیر شاید ایسے حالات پیش آنے کہ جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ پردۂ غیب سے از خود بر آمد ہو گیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

سید بھائیوں سے لوگوں کی نفرت

واقعہ یہ ہے کہ دونوں برادران سادات نے جس طرح فرخ سیر شہید کو مجبور و بے بس کر کے قتل کرایا تھا اور خانوادۂ تیموری کے ساتھ جیسی بدسلوکیاں روا رکھی تھیں۔ پھر ساری سلطنت ہندوستان کا نظم و نسق انھوں نے ایک بنئے بقال (رتن چند) کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ ان باتوں کا لوگوں کو بہت صدمہ اور رنج تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دونوں بھائیوں کے قدیم ملازم متعہدی اور رفیق تھے اور انھوں نے جو کچھ عزت و آبرو اور زر و مال حاصل کیا تھا، انہی دونوں بھائیوں کے طفیل میں، وہ تک ان سے بیزار ہو چکے تھے۔ اکثر یہ لوگ کہتے رہتے تھے کہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ اس پر زوال آئے گا تو ان کے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے۔ مگر اس کے باوجود ہماری آرزو یہی ہے کہ تخت بادشاہی کے بدخواہوں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں اور تیموری خاندان دوبارہ رونق پا جائے، بلکہ دونوں صاحب مدار بھائیوں کے بعض اقربا اور متعہدی تک بارگاہِ الٰہی میں یہ تمنا کرتے رہتے تھے کہ ان دونوں بھائیوں کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، ان کا تو چراغ جلانے والا بھی نہیں رہے گا، مگر افسوس ہم تمام سادات بارہہ پر کہ ہم تو ان کے ساتھ مارے گئے، نہ معلوم اس کا وبال ہماری اولاد پر کس کس طرح پڑتا ہے۔

گندم از گندم بروید جو زجو

مکافات عمل کا قانون

عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جس نمک حرام نے کبھی اپنے آقاؤں کا کفران نعمت کیا اور اپنے آقا کی آبرو ناموس کو نقصان پہنچایا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش اس کے مال ومتاع پر غاصبانہ قبضہ کیا آخر کار وہ بڑی ذلت وخواری کے ساتھ کیفر کردار پر پہنچا۔ خاص طور سے وہ گروہ جو تقریباً قرن سے اپنے ولی نعمت خاندان کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا ہے اور اس نے کافی مال ودولت عزت واقتدار حاصل کیا۔ اس کا حشر تو سب سے زیادہ عبرت ناک ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نے ایسے فیض رساں خاندان کو تباہ وبرباد کردینے کی کوشش کی جو مخلوق خدا کا ملجا وماوٰی اور سرپرست تھا۔ جو کچھ انھوں نے بویا تھا ان کو وہی کچھ کاٹنا پڑا۔

اعتماد الدولہ کے اندیشے

حاصل کلام یہ کہ جب سید عبداللہ خاں ۸ رذی الحجہ کو شاہجہان آباد سے چالیس کوس پر پہنچا تو ایک رات غیرت خاں کا فرستادہ ایک شتر سوار پہنچا۔ وہ رتن چند کا ایک خط لایا تھا، جو اُس نے بڑی جلدی اور اضطرار کی حالت میں لکھا تھا۔ اس رقعہ میں حسین علی خاں، عزت خاں اور نوراللہ خاں کے قتل کی اطلاع تھی۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے، جب سلطنت کے اختیارات وانتظامات تیموری خاندان کے ہاتھ سے نکل گئے، اور دونوں سید بھائیوں نے تسلط جمالیا اور تمام ملکی اور مالی معاملات عملاً رتن چند کے ہاتھ میں آگئے تو اقتدار کے مناصب پر سادات بارہہ اور بقالوں کا کامل قبضہ ہوگیا، وہ اپنے سوا کسی اور کو معاملات سلطنت میں

دخیل ہونے نہیں دیتے تھے۔ اس صورت حال نے دوسرے تمام سربرآوردہ اشخاص اور مختلف ملکوں سے آئے ہوئے شرفا کو متنفر اور بیزار کر دیا۔ اس وقت سلطنت کا سب سے زیادہ صاحب مرتبہ امیر اعتماد الدولہ محمد امین خاں چین بہادر تھا وہ خوب جانتا تھا کہ عہد و پیمان کے باوجود جب بھی حسین علی خاں کو موقع ملے گا وہ وہی کارروائی کرے گا جو اس نے بادشاہ شہید محمد فرخ سیر کے ساتھ کی تھی۔ اسی لئے وہ برابر بارہہ کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا تھا مگر بغیر کسی قابل بھروسہ رفیق کے وہ کوئی بڑا اقدام نہیں کر سکتا تھا۔ جلد ہی اسے ایک اعتماد کا آدمی مل گیا۔

ساداتِ بارہہ کا ایک مخالف

سعادت خاں عرف محمد امین نیشا پور (ایران خراساں) کے ایک عزت دار سادات گھرانے کا فرد تھا ابتداء میں وہ محمد فرخ سیر کی والا شاہی فوج میں ہزاری منصب دار تھا۔ بعد میں وہ صوبۂ اکبر آباد کے ایک عمدہ محال ہندون، بیانہ کی فوجداری پر مامور ہوا۔ وہاں اس نے اچھی خاصی فوج جمع کر لی اور سید عبداللہ خاں سے مزید فوج کمک کے لئے حاصل کی اور حکمت و تدبیر اور بہادری سے اپنے علاقہ کے مفسدوں اور سرکشوں کی سرکوبی کی اور فوجداری کا نظم و نسق درست کیا۔ ان خدمات کے صلہ میں اسے منصب میں پانچ سو کی ترقی دی گئی اور دونوں مقتدر بھائیوں کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اس کے باوجود فرخ سیر مظلوم کے خون کا انتقام اس کے دل میں برابر جوش کھاتا رہتا تھا اور وہ ساداتِ بارہہ کا دل سے مخالف تھا۔

امیر الامراء کے قتل کا منصوبہ

جب بہادر شاہ نے اکبر آباد سے کوچ کیا تو وہ بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے بادشاہی لشکر میں آیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھی روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں اعتماد الدولہ سے اس کے روابط اور تعلقات زیادہ ہو گئے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرا شخص اور بھی شریک ہو گیا۔ یہ میر حیدر خاں کاشغری تھا جو چغتائی قوم کے الاؤ والے ترکوں سے منسوب تھا۔ موروثی طور پر اسے میر شمشیر کا لقب ملا ہوا تھا۔ اس لئے اُسے میر کہتے تھے اس کے پر دادا میر حیدر نے کچھ عرصہ تک کشمیر کی فرماں روائی کی تھی۔ اس نے تیموریوں کے حالات پر ایک تاریخ "تاریخ رشیدی" بھی تالیف کی تھی۔ سعادت خاں نے اسے حسین علی خاں کے خاتمہ کے لئے آمادہ کر لیا اور

اس خطرناک مہم کا ان لوگوں نے ... طرح منصوبہ بنا لیا اور اس راز کے اخفاء پر تینوں نے عہد و پیمان اور حلف اٹھا لیا۔ اور ... اس عہد کو پوشیدہ رکھا کہ بادشاہ اور اعتماد الدولہ کے بیٹے قمر الدین خاں کو بھی اس کی ... لگنے نہیں دی۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اس سے واقف تھا تو بادشاہ کی والدہ صدر النساء ... پر سید عبداللہ خاں کی دست گرفتہ تھی۔

امیر الامرا حسین علی خاں کا قتل

... ذی الحجہ سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) جلوس کے دوسرے سال سولہ مہر ماہ الٰہی کو ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی کا لشکر تورہ کی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ تورہ فتح پور سے پینتیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اعتماد الدولہ نے وہاں پہنچنے کے بعد طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کیا اور حیدر قلی خاں بہادر کے پیش خانہ میں چلا گیا۔ حسین علی خاں امیر الامرا بھی بادشاہ کے حرم سرا میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے لوٹا۔ جب وہ گلال بار کے دروازہ کے پاس پہنچا تو میر حیدر خاں جس سے حسین علی خاں روشناس تھا اور وہ اس سے براہ راست بات کرنے کا مجاز بھی تھا، جان پر کھیل کر پالکی کے قریب پہنچا۔ ایک درخواست پہلے سے لکھ کر ہاتھ میں لئے ہوئے تھا وہ حسین علی خاں کے ملاحظہ میں پیش کر دی وہ درخواست پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو زبانی بھی عرض حال کرنے لگا اور اعتماد الدولہ کی شکایتیں کرتا رہا۔ اسی اثناء میں بڑی پھرتی سے اس نے خنجر کھینچ کر اس کے پہلو میں بھونک دیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک اور مغل نے بھی جسے میر حیدر خاں لے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں اُتار دی تھی مگر یہ بات صحیح نہیں اس کا کام تو اسی پہلے کاری زخم ہی میں تمام ہو چکا تھا۔ اسی وقت حسین علی خاں کے بھتیجے نور اللہ خاں ولد اسد اللہ خاں نے جو پالکی کے ہمراہ پیدل چلا آ رہا تھا۔ میر حیدر خاں پر تلوار کا وار کیا اور اسے نیچے گرا دیا۔ ایک کمزور روایت کے مطابق میر مشرف نے وہاں پہنچ کر قاتل پر حملہ کیا تھا۔ اور اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ کے مغل کو بھی اُس نے قتل کر دیا مگر خود بھی زخمی ہو گیا۔ اگرچہ اس کی جان بچ گئی۔ میر حیدر خاں کے گرتے ہی مغلوں نے ہجوم کر کے نور اللہ خاں کو قتل کر دیا اور حسین علی خاں کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔

خواجہ مقبول: ناظر سادات نے ان لوگوں کا کچھ مقابلہ کیا مگر کاری زخم کھا کر لوٹ گیا۔ انہی زخموں سے وہ تین چار دن بعد فوت ہو گیا۔ اس وقت حسین علی خاں کے ایک معتمد

اور ایک خاک روب نے بڑی دلیری دکھائی۔ انھوں نے روتے ہوئے تلواریں کھینچ لیں اور بھالے سونت لئے اور مغلوں کے ہجوم پر حملہ کردیا۔ دونوں لڑتے ہوئے تسبیح خانہ تک پہنچ گئے۔ آخر مغلوں کے تیروں اور گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ محکم سنگھ کا بخشی مصطفیٰ خاں محکم سنگھ کے ہمراہیوں کی ایک جماعت کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے صرف یہ خبر سُنی تھی کہ حسین علی خاں کے خلاف شورش ہوگئی ہے۔ اسے اس کے قتل کی اطلاع نہیں مل سکی تھی۔ جلدی میں محکم سنگھ کو بھی اطلاع نہیں دے سکا تھا۔ وہ جب گلال بار کے دروازہ پر پہنچا ہے تو وہاں بہت ہجوم ہو رہا تھا اور اسے اندر جانے کا راستہ نہیں مل سکا۔ آخر وہ دوسری طرف سے دیوان خاص کا سراپردہ چاک کرکے اندر داخل ہوگیا۔ اور تلواریں سونت کر گالیاں بکتے ہوئے آگے بڑھے۔ مغلوں نے ان کو تیروں اور گولیوں کی زد پر رکھ لیا۔ انھوں نے مغلوں کا جم کر مقابلہ کیا مگر زیادہ دیر نہ ٹھیر سکے۔ دو تین آدمیوں کے زخمی ہوتے ہی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حسین علی خاں کے توپ خانہ کے بعض آدمیوں نے "گلال بار" کے اطراف بندوقوں کی باڑھ مارنی شروع کردی اور "راچھنگی" سے آتش باری کرنے لگے۔ حسین علی خاں کا بھانجہ کہیں باہر سے اپنے گھر آیا تھا اور کھانا کھانے کی فکر میں تھا کہ اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ بجائے اس کے کہ وہ متفرق فوجوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا جوش تہوری میں چار تو پانچ سو سواروں کی جمعیت لے کر ہاتھی پر سوار دولت خانہ شاہی کی طرف روانہ ہوگیا۔

حیدر قلی خاں کی مدد

حیدر قلی خاں کے متعلق سید عبداللہ خاں کو جو اطلاعات ملی تھیں ان کی رُو سے وہ پہلے حسین علی خاں سپہ سالار سے انتقام لینے کی سازش میں شریک نہیں تھا اگرچہ وہ اس سے اختلاف ضرور رکھتا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ امور سلطنت سے بالکل بے دخل ہے اور سارے اختیارات رتن چند اور اس کے مددگار اور کافر ساتھیوں کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں اور دونوں صاحب عالم بھائیوں کا دماغ اتنا چڑھ گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے سیف وقلم کا مالک سمجھنے لگے ہیں اور اپنی رائے اور سادات بارہہ کی تلواروں کے سامنے مغلوں ایرانیوں اور تورانیوں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور انھوں نے اس بات کو بالکل نظر انداز کردیا ہے۔ کہ یہ وہ گروہ ہیں جو ہزار دو ہزار کوس کے فاصلوں سے اپنے وطن چھوڑ کر فردوس مکانی شاہ کی رکاب میں یہاں آئے تھے اور انھوں نے اپنے جوہر ذاتی، رائے صائب

اور شمشیر زنی سے یہاں کے بڑے بڑے بادشاہوں اور نامی گرامی راجاؤں کو شکست دے کر ہندوستان کی وسیع مملکت کو فتح کیا تھا اور اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد وہ دو سو سال سے زیادہ عرصہ سے صاحب قران تیمور بادشاہ کے خاندان کے وفادار رہے ہیں آخر وہ کس طرح اپنے ولی نعمت کو اس طرح بے اختیار دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حیدر قلی خاں بھی ان بھائیوں کا مخالف ہو گیا اور انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اس نے بڑی ہوشیاری سے دونوں بھائیوں کے ساتھ صلح مدارات کا رویہ رکھا، مگر اندر ہی اندر وہ وقت اور موقع کا منتظر رہا۔ اب جب بادشاہ کا نصیبہ جاگا اور یہ صورت حال پیش آئی تو حیدر قلی خاں مردانہ وار آگے بڑھا اور بادشاہ کی جاں نثاری میں بڑی ہمت وجرأت سے سینہ سپر ہو گیا۔ اس موقع پر اس نے جو کارنامے انجام دیئے۔ ان کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

عزت خاں سے لڑائی

جب ہر طرف سے مار دھاڑ کی آوازیں بلند ہونے لگیں اعتماد الدولہ کے کہنے پر سعادت خاں اور حیدر قلی خاں بہادر اس چھوٹے محل کے دروازہ پر پہنچ گئے، جس میں بادشاہ کا قیام تھا۔ دونوں میں اُس وقت پہنچے جب کہ مشہور روایت کے مطابق سید بھائیوں کے حامی اور پشت پناہ ہجوم کرنے لگے تھے اور بادشاہ کے خلاف خطرناک اقدام پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ نے بادشاہ کو باہر نکلنے سے روک رکھا تھا۔ حیدر قلی خاں کو جب محل کی حفاظت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے جرأت سے کام لیا۔ ایک شال اپنے چہرے پر ڈال کر محل میں گھس گیا اور بادشاہ کو وفاداری اور حمایت کا یقین دلا کر بڑی عاجزی اور اصرار کے ساتھ اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر محل سے باہر لے آیا۔ اعتماد الدولہ نے بادشاہ کو اپنے ہاتھی پر سوار کرایا اور خود پیشی میں ردیف بن کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کی سواری دولت خانہ شاہی میں پہنچی تو وہاں امرائے دربار موجود نہیں تھے۔ کیونکہ جس وقت یہ ہنگامہ شروع ہوا تھا سب لوگ دربار سے نکل کر اپنے اپنے خیموں میں جا چکے تھے۔ ہنگامہ برپا ہونے ہی موافق مخالف سب کے سب بدحواس ہو کر لشکر گاہ سے بھاگ نکلے، یہاں تک کہ بادشاہ کے اور امراء کی سرکار کے تمام ہاتھی گھوڑے اپنی اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے تھے۔ اس وقت بادشاہ کی رکاب میں محمد امین خاں چین بہادر اور قمر الدین خاں بہادر تھے اور چالیس پچاس مغلوں سے زائد جمعیت نہیں تھی۔ توپ خانہ کے جو آدمی تھے۔ ان کی تعداد بھی تین چار سو سوار سے زیادہ نہیں تھی۔

حیدر قلی خاں نے ہاتھی گھوڑے اور توپ خانہ کی فوج کو جمع کرنے کے انتظامات کئے اور اس مختصر جمعیت کو لے کر قمرالدین خاں اور سعادت خاں کے ہمراہ عزت خاں کے مقابلہ پر آگیا۔ جو زخمی شیر کی طرح غراتے ہوئے ہاتھی پر سوار چلا آرہا تھا۔

عزت خاں کی ہلاکت

سادات بارہہ کے بہادر معرکۂ کارزار میں بڑی ہمت سے بڑھ رہے تھے۔ تورانی اور ایرانی مغلوں نے جو ہر طرف جمع ہوتے جا رہے تھے۔ ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ سادات بارہہ کی فوج میں ہر گھڑی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بادشاہ کے بعض جاں نثار بھی پہنچ گئے تھے۔ اب دونوں طرف سے بڑی سخت لڑائی چھڑ گئی اور گولیوں اور تیروں کی سنسناہٹ سے فضا گونج اٹھی۔ قمرالدین خاں بہادر اور حیدر قلی خاں بہادر دونوں نے بڑی جرأت سے اپنے ہاتھی میدانِ جنگ میں آگے بڑھا دیئے۔ ان کے ساتھ حبشی اور رومی تیر انداز تھے۔ اور ہر علاقہ کے منتخب نشانہ باز تھے۔ جن کو ایسے ہی نازک وقت کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ دونوں سرداروں نے ایسی دلیرانہ جنگ کی کہ ہر طرف سے تعریف و تحسین کا شور اٹھنے لگا۔ اس وقت عزت خاں کی کمان سے نکلا ہوا ایک تیر حیدر قلی خاں کی کمان کی پشت میں اس طرح گھس گیا تھا کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد اسے بمشکل نکالا گیا۔ اس لڑائی میں بہادر شاہ بھی بذات خود دشمنوں پر تیر چلا رہا تھا۔ اسی دوران میں لوٹ مار کرنے والے لشکر کے بازار اور ساز و سامان کو لوٹنے کے لئے نکل آئے اور انھوں نے حسین علی خاں کے خیموں میں آگ لگا دی۔ اب صمصام الدولہ خان دوراں بہادر منصور جنگ بھی اپنی فوج کے ساتھ بادشاہ کی رکاب میں حاضر ہو گیا۔ ظفر خاں طرہ باز بھی کمک پر آگیا تھا۔ مگر وہ دونوں فوج کی زد و خورد کی وجہ سے معرکۂ کارزار میں داخل نہ ہو سکا۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی کہ بندوق کی ایک گولی عزت خاں کو آکر لگی اور اس کا کام ختم ہو گیا۔ اور بارہہ کی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی اور بادشاہ کی فتح کے شادیانے بجنے لگے۔

بے گور و کفن لاش

اس ہنگامہ میں بازار اور صراف خانہ لوگوں نے لوٹ لیا۔ حسین علی خاں کے اکثر کارخانے اور خزانے کی گاڑیاں بھی جو اس منزل پر پہنچ چکی تھیں لوٹ لی گئیں۔ اس طرح ایک کروڑ سے زائد کا مال و اسباب اور نقدیہ جو پیچھے رہ گیا تھا وہ تاراج ہونے سے محفوظ رہا اور بادشاہی سرکار میں ضبط

کر لیا گیا۔ آوارہ گرد نفنڈ و عناصر دونوں بھائیوں کے بڑے دشمن تھے۔ انھوں نے جس طرح حسین علی خاں کی لاش کی بے حرمتی کی اس کو بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔۔۔

از دو رنیفتند قدح تلخ مر نات

زہری کہ چشیدند نخوانی بچشا

نمک حرام رتن چند کا حشر

اس منزل سے بادشاہ کے لوٹنے کے بعد حیدر قلی خاں بہادر نے محکم سنگھ کو جان و آبرو کی امان کا پیغام دے کر اور شاہانہ عنایات کی امید دلا کر اپنے پاس بلایا اور اس کے قصور معاف کرا کے چھ ہزاری کا منصب دلا دیا جو بعد میں سات ہزاری ہو گیا۔ مگر اس نے اس کی قدر نہیں کی۔ رتن چند کو طلب کرنے کے لئے اعتمادالدولہ نے تسلی آمیز پیغام بارہا بھجوایا۔ آخرکار وہ بڑی مایوسی کے عالم میں پالکی پر سوار ہو کر دولت خانہ شاہی پر جانے کے لئے باہر نکلا راستہ میں مغلوں اور بازار کے بچوں لفنگوں نے جن کے دل اس بداطوار کافر کے کرتوتوں سے خون خون تھے۔ اس پر حملہ کر دیا اور پالکی سے گھسیٹ کر اسے باہر نکالا۔ پھر ہر طرف لوگ ٹوٹ پڑے۔ لاتوں گھونسوں اور ڈنڈوں سے اسے خوب مارا اور سارے کپڑے اتار کر مادر زاد ننگا کر کے آستے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ اعتمادالدولہ کے پاس لائے۔ رو رو کر عاجزی سے جان کی امان کے لئے التجائیں کر رہا تھا۔ محمد امین خاں چین بہادر نے ایک جوڑ کپڑے کے دیئے اور اسے طوق و زنجیر پہنانے کا حکم صادر کر دیا۔

آں را کہ چناں کند چنیں آید پیش

سرومن داس کا فرار

سید عبداللہ خاں کا ایک اور قدیم ملازم اور وکیل رائے سرومن داس نامی تھا۔ یہ کائستھ قوم میں سے تھا۔ اس شورش و ہنگامہ کو دیکھ کر اس نے اپنی ڈاڑھی مونچھ منڈوا دیئے اور چہرہ پر بھبھوت مل لی۔ تشقہ لگا لیا اور فقیروں کا بھیس بدل کر نکل گیا۔ اس کے گھر کا کچھ ساز و سامان تو لوٹ لیا گیا اور کچھ نقد و جنس وہ اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ پہلے تو وہ اپنے چند جاننے والوں کے گھر میں چھپا رہا۔ پھر موقع پر سید عبداللہ خاں کے پاس چلا گیا۔

میر علی خاں کی تباہی

میر علی خاں حسین علی خاں کا مقرب اور خادم تھا۔ وہ ترقی کر کے فیل سوار امیر اور فیل خانہ کا داروغہ تعینہ،

بن گیا تھا۔ جس دن لڑائی ہوئی تھی۔ اس نے عزت خاں کا ساتھ دیا تھا اور زخمی بھی ہوگیا تھا۔ گر دو تین دن تک وہ لوٹ مار اور بے آبروئی سے محفوظ رہا تاخر اس کا مال واسباب بھی لوٹ لیا گیا اور دس پندرہ دن تک وہ قید میں پڑا رہا۔

میر مشرف کی باریابی میر مشرف کو بادشاہ کی طرف سے تسلی دلا سا دیا گیا اور نقد و اضافہ سے بھی اسے نوازا گیا مگر اس نے حسین علی خاں کے پاس نمک کی وجہ سے چند دن تک ان مراعات کو قبول نہیں کیا مگر آخر میں وہ بادشاہ کی عنایات کے زیر سایہ آگیا۔

امیر الامراء کا تابوت حسین علی خاں، عزت خاں اور نوراللہ خاں کے تابوتوں پر زربفت کی چادریں ڈال کر جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور ان کو اجمیر روانہ کر دیا گیا کہ عبداللہ خاں مرحوم کی قبر کے پاس ان کو دفن کر دیا جائے۔ گر سید عبداللہ خاں اکثر اپنے اجلاس پر بیان کرتا تھا کہ کوچ کے وقت کہار میسر نہیں آئے اور تابوتوں کے قیمتی غلاف بھی لوٹ لئے گئے۔ اور ان جنازوں کی تدفین نہیں ہوسکی۔

اسد اللہ خاں کا انجام اسد اللہ خاں کا ساز و سامان بھی تاخت و تاراج ہو چکا تھا وہ عرصہ تک نظربند رہا آخر بیت اللہ کی زیارت کے لئے اجازت لے کر دکن روانہ ہوگیا۔

غلام علی خاں البتہ اس بے آبروئی سے محفوظ رہا کیونکہ وہ فتح پور سے چلتے وقت ہی بادشاہ کے سایہ عاطفت میں آگیا تھا۔ بعد میں موقع پاکر وہ بھی سید عبداللہ خاں کے پاس چلا گیا۔

نصرت یار خاں کا اعزاز نصرت یار خاں سادات بارہہ کا نامی گرامی امیر تھا۔ سید عبداللہ خاں سے اس کی ناچاقی تھی مگر حسین علی خاں کے طلب کرنے پر وہ اسی دن وہاں پہنچا تھا جس دن بارہہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اس کے صمصام الدولہ سے بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ اس ہنگامہ کے وقت لشکر سے تین کوس کے فاصلہ پر ٹھیرا ہوا تھا۔ خان دوراں بہادر کے ذریعہ وہ بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے پانچ ہزاری منصب پر دو ہزاری کا اضافہ دیا۔ اور عنایات شاہانہ سے نوازا اور امیر الامراء کا خطاب مرحمت ہوا۔

53B

نئے امیرالامراء کا تقرر

اعتمادالدولہ کو ترقی دے کر آٹھ ہزاری آٹھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا اور امیرالامراء کا خطاب دیا گیا۔ قمرالدین خاں کو بخشی دویم داروغہ غسل خانہ اور دوسری خدمات پر مامور کیا گیا اور ہزاری ہزار سوار کا اضافہ مرحمت ہوا۔

حیدر قلی خاں کو انعام

حیدر قلی خاں بہادر کو اضافہ دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب اور سعادت خاں کا خطاب عطا ہوا اور نقارہ کا اعزاز بھی دیا گیا۔ اس طرح ظفر خاں بہادر اور قدیم وجدید تمام ملازمین اپنی خدمات وجاں نثاری کے مطابق عنایات شاہانہ سے نوازے گئے۔

سادات بارہہ کی آخری کوشش

سید عبداللہ خاں کا کوچ

سید عبداللہ خاں کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی ۔ بجز صبر کے اس کے لئے کوئی چارہ نہ تھا ۔ راستہ میں ٹھہرے رہنے سے کیا حاصل ہوتا ۔ ناچار دل شکستہ وغم زدہ اس نے شاہجہاں آباد کی طرف سفر جاری رکھا ۔ اس وقت اس کے بعض ساتھیوں نے مشورہ بھی دیا کہ ابھی بادشاہ کے اطراف فوج جمع نہ ہوئی ہوگی اور حسین علی خاں کا لشکر لوٹا نہیں ہوگا ۔ اسی وقت تیز رفتاری سے وہاں پہنچنا چاہیے ۔ مگر سید عبداللہ خاں نے یہی مناسب جانا کہ اب بادشاہ مستقل اور خود مختار ہوگیا ہے ۔ اور ہماری فوج دل شکستہ ہو چکی ہے ۔ اس لئے بغیر فوج کی پنچایت اور مشورہ کے مقابلہ پر چلے جانا مناسب نہ ہوگا ۔ شاہجہاں آباد پہنچنے کے بعد فوج جمع کرنے اور بعض امراء کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنی چاہیے چنانچہ اس نے کوچ جاری رکھا ۔

میواتیوں کی لوٹ مار

میواتیوں اور فسادی زمینداروں کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو وہ ہر طرف سے نکل نکل کر جمع ہو گئے اور انھوں نے سید عبداللہ خاں کے عقب پر حملہ کر کے بھیڑ وغیرہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ لوٹ لیا اور جو کچھ ہاتھ لگا اڑا لے گئے ۔ ان کی روک تھام کے لئے فوج مقرر کی گئی ۔ مگر وہ اتنی بدحواس تھی کہ ان کا انتظام نہ کر سکی ۔ پیش خانہ کے ساتھ جو جمعیت تھی وہ ایک جمع دار کے ساتھ ماری گئی ۔ شاہجہاں آباد سے حسین علی خاں کے سازوسامان کو

لے کر ایک قافلہ نکلا تھا اور سید عبداللہ خاں کے لشکر سے دو تین کوس کے فاصلہ پر سرائے جہاآند میں ٹھیر گیا تھا۔ بلوائیوں نے حملہ کر کے اس قافلہ کو بھی لوٹ لیا۔ سارا مال و متاع اور ناموس و آبرو غارت ہو گئی۔ سید عبداللہ خاں کی جاگیروں اور محالات میں جہاں جہاں یہ اطلاعات پہنچیں۔ مال گزار رعایا اور مفسد پیشہ زمینداروں نے مل کر تمام سادات کو متصدیوں اور دونوں بھائیوں کے کارگذاروں کو بے دخل کر کے محال و جاگیر سے نکال دیا۔ نئے انتظام اور بندوبست تک انھوں نے خریف کے محاصل اپنے تصرف میں لے لئے۔

نئے تاج دار کی تلاش

سید عبداللہ خاں نے ایک شاہزادہ کو لانے کے لئے لشکر گاہ سے شجاعت اللہ خاں اور مرتضیٰ خاں کو دہلی روانہ کیا اور شاہجہاں آباد کے صوبہ دار نجم الدین علی خاں فوج تیار کرنے کے لئے ایک خط بھی بھیج دیا۔ نجم الدین علی خاں کو آٹھ ذی الحجہ کو شام کے وقت یہ خبر مل گئی تھیں، وہ صبر و ضبط نہ کر سکا اور اس سے پہلے کہ شہر کے لوگ ان واقعات سے واقف ہوتے سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت کوتوال کے ہمراہ دے کر اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے گھر پر بھیج دیا۔ اعتماد الدولہ کے آدمی پہلے سے باخبر تھے۔ اس لئے حویلی میں انھوں نے جابجا مورچہ بندی کر لی تھی اور کیل کانٹے سے لیس لڑائی کے لئے تیار تھے اور گاتے بجاتے خوشیاں مناتے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ امین خاں کی حویلی کا محاصرہ ڈیڑھ گھڑی شب کو کر لیا گیا تھا۔ آخر یہ راز کھل گیا اور دہلی کے ہر کوچہ و بازار میں چرچے ہونے لگے۔ اسی اثنا میں سید عبداللہ کا خط آیا جس میں اس نے اعتماد الدولہ کے گھرانہ سے لڑائی کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس ہدایت کے بعد یا از خود نجم الدین علی خاں اس باطل خیال سے باز آ گیا اور اپنے آدمیوں کو واپس بلا لیا۔

کیسو رائے کی موت

اسی رات یہ اطلاع ملی کہ رتن چند کا بہنوئی کیسو رائے جو صوبہ کا مستقل پیشی کار تھا اور دہلی کے ملکی و مالی معاملات کا سربراہ اور کرتا دھرتا تھا۔ اور چند دن سے وہ سخت بیمار تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ مشہور ہو گیا کہ اس نے زہر کھا لیا تھا۔

سلطان محمد ابراہیم کا انتخاب

اتنے میں عید قرباں آگئی۔ نجم الدین علی خاں عید کی نماز کے لئے گیا۔ مگر آنسو بہاتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ نماز سے واپس ہونے کے بعد اس نے سید عبداللہ خاں کے فرستادہ آدمیوں کو جہاں دار شاہ کے بیٹوں کے گھر پر بھجوا دیا تاکہ وہ ہندوستان کی بادشاہت قبول کرلیں۔ مگر جہاں دار شاہ کے بیٹوں نے مرتضیٰ خاں اور شجاعت اللہ خاں پر اپنے گھر کے دروازے بند کردیئے۔ آخر بڑی منت سماجت اور اصرار کے بعد ان کو اندر بلایا گیا۔ جب ان کو آمد کی غرض معلوم ہوئی تو انھوں نے سختی سے جواب دیدیا اور اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ بعض کی روایت کے مطابق یہ لوگ جب وہاں سے مایوس ہوگئے تو نیکو سیر کے پاس گئے۔ مگر اس سے بھی یہی جواب سن کر لوٹے۔ پھر وہ رفیع الشان کے بیٹے سلطان ابراہیم کے پاس آئے اور عاجزی کی کہ اگر آپ اس درخواست کو قبول کرلیں تو تمام سادات کی جان بچ جائے گی۔ بعض شرائط پر گفت و شنید کے بعد سلطان محمد ابراہیم نے ان کی بات مان لی۔

ایک نیا شاہ شطرنج

سلطان ابراہیم کی تخت نشینی

سادات بارہہ کو ایک نیا بادشاہ مل گیا اور انھوں نے ۱۱ ذی الحجہ سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) کو مطابق بیس ہرماہ الٰہی سلطان محمد ابراہیم کو تخت سلطنت پر بٹھادیا اور اس کا لقب ابوالفتح ظہیرالدین محمد ابراہیم شاہ رکھا۔ تخت نشینی کے دو روز بعد سید عبداللہ خاں شاہجہاں آباد میں داخل ہوا اور محمد ابراہیم کی بارگاہ میں حاضری دی۔ غازی الدین غالب جنگ کو آٹھ ہزاری کا منصب اور امیرالامراء کا خطاب عطا ہوا اور میر بخشی کے عہدہ پر اسے مقرر کیا گیا۔ نجم الدین علی خاں بخشی دوم صلابت خاں بخشی سوم اور بیرم خاں بخشی چہارم مقرر ہوئے۔ نئے بادشاہ نے سب کے مرتبے و درجے جو بے فائدہ ملا حاصل تھے بلند کردیئے اور امراء لشکر کی دلجوئی کرکے جو لوگ رفیع الدرجات کے زمانہ سے بے منصب اور ترقی سے مایوس تھے۔ یا قید میں پڑے ہوئے تھے۔ سب کو بلا کر ابراہیم نے منصب عطا کئے۔ اور مدد خرچ کے لئے رقمیں دیں۔ ان میں سے بیشتر کو رسالہ فوج کی بھرتی پر مامور کردیا اور نئی سوار اسی روپیہ ماہانہ کے حساب

ے تیس چالیس ہزار کی رقم عطا کی سادات نے فتح جنگ کے چچا حامد خاں بہادر کو نظام الملک کی جنگ کی خبر سن کر معزول کر دیا تھا اور جاگیر بھی ضبط کر لی تھی ۔ اس کو بھی تسلی دلا سا دے کر اور نقد روپیہ دے کر اپنے ساتھ لے لیا ۔ نہ صرف وہ بلکہ مرحوم فرخ سیر بادشاہ کے قرابت داروں ، اعتقاد خاں ، شائستہ خاں اور سیف اللہ خاں کو جو معتوب و مغضوب تھے اور اسلام خاں ، صفی خاں کو جن کا روپیہ مقرر کر دیا تھا ۔ سب کو دوبارہ خاطر مدارات کر کے اپنی رفاقت پر آمادہ کر لیا ۔ اسلام خاں اور صفی خاں نے انجام پر نظر رکھی اور صحت کی خرابی وغیرہ کا بہانہ کر کے کسی خدمت کو قبول نہیں کیا ۔ محمد یار خاں کو بھی مدد و رفاقت کا پیغام گیا تھا ۔ مگر اس نے انکار کر دیا ۔ البتہ سیف اللہ خاں اور اعتقاد خاں نے منصب قبول کر لیا اور مدد خرچ اور رسالہ بھرتی کرنے کے لئے رقمیں وصول کر لیں ۔ مگر اعتقاد خاں جس غرض کو لئے ہوتے تھا وہ پوری نہ ہو سکی اور ایک دو منزل سے زیادہ وہ ساتھ نہ دے سکا ۔

فوجی بھرتی کا آغاز

اسی طرح محمد ابراہیم اور سید عبد اللہ خاں نے قدیم بادشاہی اور والا شاہی ملازموں کو اپنے ساتھ لے لیا ۔ کم منصب ہفت صدی اور ہزاری ملازموں کو انعام اور مدد دے کر امیدوار بنایا ۔ سید عبد اللہ خاں کے قدیم نوکروں کو جنہیں ماہانہ پچاس روپیہ ملتا تھا اسی روپیہ مقرر کئے گئے ، مگر باوجود اس نمایاں اضافہ کے ہر ایک اس سے استفادہ نہیں کر سکا اور فوج میں بد دلی پھیل گئی ۔ یہ اضافہ چونکہ بلا امتیاز ہوا تھا ۔ اس لئے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ ادنیٰ اور معمولی آدمی جیسے جمع داروں کے بارگیر اور سائیس وغیرہ بھی جن کی تنخواہ پہلے چالیس پچاس روپیہ تھی ، مزید چالیس روپیہ کا اضافہ پانے لگے ان کے ساتھ ایسے نوجوان جو باعزت خاندانوں کے فرد تھے ۔ بڑے کارگزار اور خوش اسپ سوار تھے ۔ ان کے ہتھیار بھی عمدہ تھے ۔ وہ بھی بڑی محنت و مشقت کے بعد بھی وہی ستر اسی روپیہ پاتے تھے ۔ اور چاروناچار اسی آمدنی پر گذارہ کر رہے تھے ۔ ان کو یہ اضافہ مل سکا

بد انتظامی اور مشکلات

سید عبد اللہ خاں کی فوج کا بخشی مظلوم و مرحوم بادشاہ محمد فرخ سیر سے دل ہی دل میں محبت رکھتا تھا اور رتن چند کے تسلط کی وجہ سے بھی مجبور اور بد دل تھا اس لئے فوج کے انتظامات بہت خراب رہتے تھے اب جو رسالہ فوج کی نئی تنظیم کے لئے اچھے اور برے گھوڑے کا امتیاز کئے بغیر ماہانہ اسی روپیہ کی شرح نافذ کر دی گئی تو بڑی بد نظمی پیدا ہو گئی ۔ کیونکہ اچھے گھوڑے اور ملازمت

کے قابل نوجوان کمیاب تھے جو لوگ دو سو تین سو کا گھوڑا سودی قرض لے کر خرید لاتے تھے۔ ان کو اسّی روپیہ سے زیادہ نہیں ملتے تھے اور جو پندرہ بیس کا ناکارہ ٹٹو لے کر آجاتا تھا اسے بھی اسّی روپیہ مل جاتے تھے۔ نجم الدین علی خاں کے لشکر میں تو عام منادی بھی کردی گئی تھی کہ ٹٹو ہو یا لنگڑا گھوڑا وہ لے آتے اور اپنے کاغذات درست کرائے۔ چنانچہ نان بائی کے لونڈے، نداف، قصاب سب ادیجی بنے ہوتے تھے۔ دس پندرہ کا ٹٹو جو دراصل چار پانچ روپیہ کے مول کا بھی نہیں ہوتا تھا۔ خرید کرلے آتے تھے اور داغ کرا دیتے تھے اور رقم لے کر گھر کی راہ لیتے تھے۔ اس طرح تمام رسالہ فوجوں میں چالیس پچاس لاکھ روپیہ قدیم ملازموں کے ماہانہ معاوضوں کے علاوہ متجاوز ہوگیا جو مجموعی طور پر کروڑ روپیہ ہو جاتا تھا۔ بہرحال راجہ رتن چند کا جمع کردہ زر و مال اس طرح رائیگاں خرچ ہوگیا۔ بہادر شاہ کی اقبال مندی تھی کہ اس بد انتظامی کے سبب سید عبداللہ خاں کے قدیم و جدید نوکر ناراض اور بددل ہو گئے۔

شاہجہاں آباد سے کوچ سادات بارہہ کی فوجوں نے ۱۱۳۱ھ سترہ ماہ ذی الحجہ کو سلطان ابراہیم کے ہمراہ دارالخلافہ سے نکل کر عیدگاہ کی جانب پڑاؤ ڈال دیا۔ اسی اثناء میں بادشاہی لشکر سے غلام علی خاں اور اکبرآباد سے تہور علی خاں وہاں پہنچ گئے۔ غلام علی خاں کو نجابت علی خاں کے ساتھ جو سید عبداللہ خاں کا بھتیجہ اور متبنّیٰ تھا اور چودہ سال کا نوعمر جوان تھا۔ شاہجہاں آباد اور قلعہ کے بندوبست کے لئے مختصر سی جمعیت کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ پہلے خبر ملی تھی کہ بادشاہ نے حسین علی خاں کے تصفیہ سے فارغ ہوتے اور فوجوں کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد بلا توقف کوچ کردیا ہے۔ اور راجپوتیہ کے راستہ سے دارالخلافہ کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اس اطلاع پر سید عبداللہ خاں نے دوسرا اور تیسرا کوچ حضرت شاہ قطب الدین کی درگاہ کے راستہ پر کیا۔ مگر بعد میں خبر ملی کہ بہادر شاہ اکبرآباد کے راستہ سے روانہ ہوا ہے تو عبداللہ خاں نے بھی راستہ بدل دیا۔ اور فریدآباد کی سڑک پر آگیا۔ عبداللہ خاں کو سیف الدین علی خاں، شہامت خاں، سید محمد خاں، ذوالفقار علی خاں اور دوسری افواج اُمرا کا انتظار تھا۔ اسی لئے وہ بہت آہستہ آہستہ ٹھہرتے ہوئے سفر کر رہا تھا۔ اس کی فوج کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ باوجود اس کے کہ کافی رقم خرچ کی تھی۔ خاص خاص وابستگان پیش کار، ناظر، محرر اور دوسرے ہمراہی

تعلقہ دار تک گھوڑوں پر بغیر زین کے سواری کر رہے تھے۔ ہر منزل پر بارہہ کی اور افغان تمن داروں اور فیل سوار زمینداروں کی فوجیں سلطان محمد ابراہیم کے لشکر میں آکر شامل ہوتی جا رہی تھیں۔ اسی طرح حسین علی خاں کے نوکر جو بادشاہی رسالہ میں شامل کرتے گئے تھے اور ایک ماہ کی تنخواہ لے لی تھی۔ وہ بھی موقع پاکر فرار ہو گئے اور عبداللہ خاں کے پاس چلے آئے۔ ان دنوں نوجی بھرتی کا ایسا زور شور تھا کہ ایک ایک ٹٹو دو تین جگہ داغ دیا جاتا تھا۔

بارہہ کی فوجوں کی آمد

جب سلطان محمد ابراہیم نیول کی منزل پر پہنچا۔ جو شاہجہاں آباد سے پینتیس کوس پر ہے تو سید عبداللہ خاں کا بھائی سیف الدین علی خاں شہامت خاں اور اس کے بیٹے اور بھائی اور اسد اللہ خاں کا بڑا بیٹا سید محمد خاں جو اولیا کے نام سے مشہور تھا اور اسے حسین علی خاں نے بارہہ کی فوج جمع کرنے کے لئے بھیج دیا تھا اور ذوالفقار علی خاں کہ اسے بھی بارہہ کے اطراف کے دوسرے بہادروں کو لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ نیول میں آکر مل گئے۔ سادات بارہہ سے بھری ہوئی کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ گاڑیاں آئی تھیں۔ ان میں کا ہر فرد خود کو بیس بیس سواروں کے برابر سمجھتا تھا اور ہر ایک کو صاحب فیل اور صاحب فوج امیر بن جانے کی توقع اور امید تھی ان سے ایک سال کا نقد خرچ گھوڑا اور خلعت فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ بہر حال ان کو دم دلاسہ دے کر شہامت خاں اپنے ساتھ لیتا آیا تھا اور وہ ڈینگیں مار رہے تھے۔ کہ بس مقابلہ تو بڑے دو سرداروں کے مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ ہم ایک ہی برق رفتار حملہ میں ننگی تلواریں سونت کر توپ خانہ کو روند دیں گے اور دشمن کے دل پر جا پہنچیں گے۔ مگر ان میں سے اکثر کو بمشکل گھوڑا خلعت اور ایک ماہ کا خرچ مل سکا اور بہت سے بدنصیب ایسے تھے کہ ان کی جھولی میں صرف فتح کے بعد کے وعدے ہی پڑے البتہ مدد خرچ کے طور پر کچھ رقم دیدی گئی۔ گھوڑا نہ ملنے کے سبب ان کو سواری کے ہاتھی کے ساتھ پیدل دستوں میں شامل ہونا پڑا۔

سلطان ابراہیم کے لشکر کی تعداد

بہر حال ۱۰ / محرم ۱۱۳۳ھ تک جیسا کہ میں نے بخشی کے دفتر سے تحقیق کیا ہے اور سید عبداللہ خاں کی زبانی سنا ہے۔ نوے ہزار سوار جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے چودہ پندرہ ہزار نئے بھرتی شدہ

ٹو سوار تھے۔ لشکر میں سے ایک جمعیت اور قدیم رسالے اطراف واکناف میں متفرق طور پر مامور تھے۔ باقی اصل لشکر کے ساتھ تھے۔ بعد میں نمک حرام چوڑآمن اور محکم سنگھ کے ہمراہیوں اور حسین علی خاں اور اطراف کے زمینداروں کے جتھوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ مشہور قول کے مطابق ابراہیم کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ جب سواری نکلتی تھی تو حد نظر تک زمین سواروں سے پٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اسی دن چوڑامن جاٹ اپنے بھائی کے ساتھ تین ہاتھیوں اور چند اونٹوں کے ساتھ جسے وہ بادشاہی لشکر سے چرا کر ہانک لاتے تھے۔ سید عبداللہ خاں سے راستہ میں آ کر مل گیا۔ سید عبداللہ خاں نے وہ ہاتھی اور اونٹ اسی کو بخش دیئے۔

لشکر میں بددلی اور بیزاری

سلطان ابراہیم کا لاؤ لشکر تو اتنا بڑا ہو گیا تھا۔ مگر اس لشکر میں بہت جلد بیزاری اور بددلی پھیل گئی۔ کیونکہ اس زرپاشی کے باوجود کہ گھر گھر سے گاڑیاں بھر بھر کر زر و مال جمع کیا گیا تھا۔ اور رتن چند نے غریب رعایا سے رشوت لے کر اور ظلم کر کے بھاری بھاری رقمیں خزانہ میں جمع کرائی تھیں، اور یہ ساری رقم بے تکان لشکر پر خرچ کر دی گئی تھی۔ تمام لشکری اور قدیم رسالہ فوج کے سوار جو دو دو ماہ کی پیشگی طلب کر رہے تھے۔ تاکہ صرافوں کا قرض ادا کر کے سر نو لباس ہتھیار اور گھوڑوں کا ساز تیار کر لیں بڑی پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان کا مطالبہ اب تک پورا نہیں ہوا تھا۔ آخر ان سے ایک ماہ کی پیشگی کا وعدہ کیا گیا، اور وہ اس پر بھی خوش ہو گئے۔ مگر محرم کی تنخواہ میں سے صرف دس دن کی تنخواہ ملی اور وہ بھی ان لوگوں کو جو وسیلہ اور سفارش رکھتے تھے۔ باقی لوگ اس سے بھی محروم رہے۔ اس کے برعکس بادشاہی لشکر میں لوگ مطمئن تھے۔ کیونکہ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ نے توپ خانہ کی فوج کو ان کے سابقہ مطالبات ادا کر کے خوش کر دیا تھا۔ چنانچہ کارکردگی کے وقت اس فوج نے جو کارنامہ انجام دیا۔ اس کا ذکر ہم کریں گے۔

محمد شاہ میدانِ جنگ کی طرف

بادشاہی لشکر کا کوچ

حاصل کلام یہ کہ نویں دسویں محرم کو بادشاہی لشکر نے موضع شاہ پور سے آگے بڑھ کر چھاؤنی قائم کر دی۔ امرائے لشکر اور میر آتش فوجوں کو ترتیب دینے اور توپ خانہ کو آگے بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت بادشاہی فوج دشمن کی فوج سے نصف سے بھی کم تھی۔ بادشاہ کو سیف الدولہ، عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ، راجہ دھیراج جے سنگھ کی آمد کا بھی انتظار تھا۔ ان کے نکلنے کی خبر تو آ چکی تھی۔ مگر بعد مسافت اور دوسرے موانعات کی وجہ سے وہ موقع جنگ پر نہیں پہنچ سکے۔ البتہ محمد خاں بنگش دو تین ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ عزیز خاں روہیلہ ثابت خاں، بایزید خاں میواتی اپنے جاں نثار ہمراہیوں کے ساتھ رکاب خاص میں حاضر تھے۔ راجہ دھیراج کے تقریباً تین چار ہزار سوار بھی آ چکے تھے۔ چند ایک زمیندار بھی آ کر مل گئے۔ مگر کوئی ایسا فوجی سردار جس پر میسرہ اور میمنہ کو اعتماد و اطمینان ہوتا نہیں پہنچا تھا۔ دو تین صاحب فوج سردار تھے بھی تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ چاروناچار مصلحتاً ترک ہو گئے تھے۔ دل سے ساتھ نہیں تھے۔ جیسے محکم سنگھ اور دوسرے وہ جو سید بھائیوں کے دست گرفتہ تھے۔ ان کے پاس سے تو سید عبداللہ خاں کے پاس برابر خطوط پہنچ رہے تھے کہ عین وقت پر ہم کو آپ اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ خاص طور سے چورامن جاٹ نابکار جو قدیم سے موروثی نمک حراموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور اعظم شاہ کی لڑائی کے بعد سے برابر اس کی بدطینتی منظر عام پر آتی رہی تھی۔ مگر وقت ایسا تھا کہ بادشاہ کے خیر خواہ میر

اس سے رابطہ ضبط رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ توپ خانہ کے انتظام و بندوبست کا بہانہ کر کے میر آتش کے ساتھ لگا رہتا تھا اور سید عبداللہ خاں کے خطوط اور پیغام اس کے پاس آتے رہتے تھے کہ اس کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ کسی طرح بادشاہی بارود خانہ کو آگ لگا کر اڑا دے یا توپ خانہ کے بیل چرا کر ہمارے پاس بھجوا دے۔ وہ مردود اس خدمت کو انجام دینے کے لئے بڑی کوشش کرتا رہا۔ مگر ناصر جنگ نے ایسی سخت نگرانی رکھی تھی کہ وہ نابکار کچھ نہیں کر سکا۔

بادشاہی لشکر کی ترتیب

محمد شاہ بادشاہ نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ کو جس نے توپ خانہ کے انتظام میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ لشکر کا ہراول مقرر کیا میمنہ پر سعادت خاں بہادر اور محمد خاں بنگش، میسرہ پر صمصام الدولہ اور نصرت یار خاں اور ثابت خاں اور "طرح فوج" پر اعظم خاں چند تجربہ کار افسروں کے ساتھ متعین ہوا۔ قمر الدین خاں بہادر، عظیم اللہ خاں اور طالع خاں ایک جمعیت کے ساتھ التمش پر اور تول و رکاب شاہی میں اعتماد الدولہ وزیر الملک شیر افگن خاں، ہادی خاں اور تربیت خاں مقرر تھے۔ بہیر کی حفاظت کے لئے میر جملہ، میر عنایت اللہ خاں، ظفر خاں، اخلاص خان، راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ اور راجہ بہادر وغیرہ مامور تھے۔ خواتین کی حفاظت اور میمنہ میسرہ کی مدد کے لئے اسد علی خاں، سیف اللہ خاں، محامد خاں، امین الدین خاں اور ایران توران کی فوجیں، بہادر پٹھان اور راجہ دھیراج کی فوجیں جگہ جگہ متعین تھیں۔ ہاتھیوں اور اونٹوں کی قطاریں بھی تھیں۔ ان پر جو آتشیں ہتھیار چڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہتنال، شتر نال اور راجنگی کہلاتے تھے۔ ان کو توپ خانہ کے پیچھے دلیر جوانوں کے دستوں کے ساتھ صف بستہ کر دیا گیا تھا۔

سادات بارہہ کا ٹڈی دل

بادشاہی فوج کے مقابلہ میں سادات بارہہ کے لشکر میں بڑی افراتفری اور بدنظمی تھی۔ سید عبداللہ خاں کا بے سروپا لشکر بادشاہی فوج کے شب خون کے اندیشہ سے چند دن تک بہت پریشان اور خوف زدہ رہا۔ ہراول پر نجم الدین علی خاں، غازی الدین خاں بارہہ اور افغان سرداروں کے ساتھ مقرر کئے گئے تھے۔ ان لوگوں نے تو چند راتیں ہاتھیوں پر سوار گذاریں۔ ۱۲ر محرم کو بادشاہی لشکر گاہ سے تین کوس کے فاصلہ پر حسن پور میں یہ فوج ٹھہر گئی۔ فوج بندی کی یہ صورت

تھی کہ آج ایک ترتیب و تقسیم ہوتی تو کل اس کو منسوخ کر کے دوسری قائم کر دی جاتی ہزار بیں اس قدر اختلاف تھا کہ ایک دوسرے کی رفاقت و اطاعت پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے عبداللہ خاں کا میمنہ و میسرہ جس طرح چاہیئے منظم و مرتب نہ ہو سکا۔ جس کا جی جس طرف چاہا اپنا علم بلند کر کے کھڑا ہو گیا اور دوسرے کی کمان میں لڑنے پر تیار نہیں ہوا ہراول کے ہمراہ جگہ جگہ جو سوار مقرر تھے۔ ان میں سید عبداللہ خاں کا بھائی سیف الدین علی خاں۔ نجم الدین علی خاں، غالب جنگ، سید محمد خاں۔ شہامت خاں، مع اپنے بھائیوں اور بیٹے کے تہور علی خاں، شجاعت اللہ خاں، ذوالفقار علی خاں، عبدالنبی خاں، مظفر خاں اور دوسرے بارہہ کے بہادر تھے۔ جو خود کو رستم سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ سلطان محمد ابراہیم اور سید عبداللہ خاں کے داہنی اور بائیں بازو پر تمن دار افغان مغل سوار زمیندار اور دوسرے جنگجو سردار تھے۔ ان میں چند نام یہ ہیں۔ حامد خاں بہادر، سیف اللہ خاں، بیرم خاں، نعمت اللہ خاں، امیر خاں، سید صلابت خاں، عبدالغنی خاں، اخلاص خاں افغان عمر خاں روہیلہ، دین دار خاں، عبدالقدیر خاں، صبغۃ اللہ خاں، غلام محی الدین خاں دلیر خاں، شجاع خاں پلولی، عبداللہ خاں ترین تھے۔ اگر ہم تمام شریک معرکہ سرداروں اور امیروں کے نام گنوائیں تو یہ فہرست طویل ہو جائے گی۔ عبداللہ خاں کی جمعیت خاص میں ابوالحسن خاں بخشی کل، سید علی خاں بخشی رسالہ اور ہیرامن بخشی بارہہ پچیس ہزار سواروں کے ساتھ متعین تھے بارہہ کی پیدل فوج پر اس کو بڑا بھروسہ تھا کہ وہ آڑے وقت میں لڑائی سے منہ نہیں پھیرے گی۔ اسی رات کو محکم سنگھ، خداداد خاں اور خان مرزا سات آٹھ سو سواروں کے ساتھ بادشاہی لشکرگاہ سے نکل کر سید عبداللہ خاں کے پاس چلے گئے۔

بادشاہی توپ خانہ

صبح ہوئی تو محمد شاہ بادشاہ خانزادہ تیموری کی آن بان کے ساتھ قلب لشکر میں ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ سواری کے وقت حکم دیا کہ رتن چند کے ناپاک سر کو کہ جو سادات بارہہ کی بدنامی کا باعث تھا۔ قلم کر دیا جائے حکم کے مطابق اس کا سر کاٹ کر بطور شگون کے بادشاہی ہاتھی کے سامنے ڈال دیا گیا۔ کوچ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے توپ خانہ کی فوج نے حرکت کی۔ جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو دونوں طرف سے گولہ باری اور بان اندازی شروع ہو گئی اور توپوں کی گرج بان کی سنسناہٹ سے زمین و آسمان گونجنے لگے۔ اس گولہ باری سے محمد شاہ کی

منظم اور صف آراستہ فوجوں کو کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ مگر دشمن کے لشکر میں جہاں کثرت ہجوم سے کوئی ترتیب و تنظیم نہیں تھی۔ اور پیادہ و سوار ٹڈی دل کی طرح میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہی توپ خانہ کی گولہ باری سے بڑی افراتفری اور بھگدڑ سی مچ گئی۔ نئے نئے بھرتی ہونے والے ٹٹو سوار اور بعض پرانے سپاہی بھی جو بد نظمی کی وجہ سے کسی کے ماتحت نہیں رہے تھے بھاگ کھڑے ہوتے۔ بادشاہی توپ خانہ کی ہر باڑھ پر صف کی صف الٹ جاتی تھی۔

شدید گولہ باری

بارہہ کے دلاوروں نے بارہا حملے کئے مگر توپ خانہ کی پیش قدمی جاری رہی۔ آخر شام کے قریب سادات نے خاص طور سے نجم الدین علی خاں بہادر نے جو گاؤں کے کنارے درختوں کی پناہ میں ایک ٹیلہ پر مورچہ بند تھا۔ چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ بادشاہی توپ خانہ پر حملہ کیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا۔ کہ بہت سے آدمیوں کے قدم میدان سے اکھڑ گئے۔ آخر منصور جنگ اور ناصر جنگ نے بڑی تیزی اور دلیری سے بڑھ کر سادات کی اس یلغار کو روک دیا۔ اس موقع پر نصرت یار خاں ثابت خاں اور دوسرے بہادروں نے بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اسی موقع پر بادشاہی امیروں نے حملہ کرکے دشمن کے مورچوں سے چند رہکلے (توپ گاڑیاں) قبضہ میں لے لئے۔ اب بارہہ کے لئے درختوں کی پناہ بھی باقی نہیں رہی۔ غروب آفتاب کے قریب سید عبداللہ خاں نے مختصر خیمہ ایک جگہ لگانے کا حکم دیا تھا مگر جب یہ اندازہ ہوا کہ خیمہ گولہ باری کی زد میں ہے تو اس کو وہاں سے اکھاڑ دیا گیا۔

خوفناک آتش باری

یہ چودھویں کی شب تھی اور سارے میدان میں چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ بادشاہی توپ خانہ کو نشانہ لینے میں بڑی سہولت مل گئی۔ ناصر جنگ نے توپ گاڑیوں کو متحرک مورچہ کی طرح استعمال کیا۔ بیلوں کو توپ کے پچھلے حصہ کی طرف باندھا جاتا ہے۔ توپ کا منہ دوسری طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ناصر جنگ نے بیلوں کو توپ کے منہ کی طرف بندھوایا اور ان گاڑیوں کو گولہ باری کرتے ہوئے آگے بڑھاتا رہا۔

اور اس رات ایسی زبردست گولہ باری کی کہ دشمن کی فوجوں میں ہلاکت کا بازار گرم ہوگیا۔ حیدر قلی خاں بہادر گولہ باری کے وقت مٹھی بھر بھر کر سونا چاندی توپچیوں میں

تقسیم کر رہا تھا۔ اور ان کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ وہ بھی ایسا دل لگا کر توپچیاں سر کر رہے تھے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی گولہ باری نہیں رکتی تھی۔ بڑی بڑی توپیں ہر معرکہ میں بس ایک دو بار چلائی جاتی ہیں مگر اس لڑائی میں ان کی ضرب اتنی متواتر تھی کہ شمار رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ میرے علم میں جہاں تک ہے اور میں نے محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ کے حوالے سے فرماں روایان دکن کے تذکرہ میں لکھا بھی ہے کہ توپ خانہ کا رواج سن سات سو ستر ہجری (۷۷۰ھ) میں محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن سے ہوا۔ توپ خانہ کا پہلا کمان دار محمد خاں رومی تھا۔ جس نے بیجانگر کے راجہ کی لڑائی میں گولہ باری کی تھی۔ میرے خیال میں اس وقت سے محمد شاہ بادشاہ کے اس معرکہ تک توپ خانہ نے کسی وقت بھی ایسی کارگذاری کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا۔

غنیم کے لشکر میں افراتفری

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں توپ خانہ کی پہلی ضرب میں ہی نئے بھرتی شدہ گمنام بہت سے سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جب چار پانچ گھڑی رات گذر گئی اور گولہ باری کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو بارہہ کی فوج کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ بہت سے صاحب نیل و نشان جمعدار اور نامی گرامی تمن دار الامان والحفیظ کہتے ہوئے بہیر کی طرف پناہ لینے بھاگ گئے وہاں بھی امان نہیں ملی تو بہیر سے نکل کر شہر اور قصبوں کی طرف اپنے جھنڈے اڑاتے ہوئے فرار ہونے لگے۔ ان میں سے بیشتر کو رستہ میں زمینداروں اور میواتیوں نے اور قزاقوں نے گھیر گھیر کر مار ڈالا۔ گولہ باری مسلسل جاری تھی۔ آخر شب تک دشمن کے ایک لاکھ سواروں میں سے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں سے زیادہ میدان میں باقی نہیں رہے تھے۔ جو عار ننگ کی وجہ سے عبداللہ خاں سپہ دار غازی الدین خاں نائب جنگ، حامد خاں بہادر، سیف خان، سید صلابت خاں، روح اللہ خاں اور بعض تمن داروں اور بارہہ کے قدیم الخدمت جمع داروں کے ساتھ مورچوں پر جمی ہوئی تھی۔ اس نیل سوار شتر سوار توپ خانہ کی آتش باری کے سبب ان کو رات بھر مہلت نہیں مل سکی۔ آٹھ پہر بھوکے پیاسے ندی کے کنارے جو ایک طاف کے تصرف میں تھی۔ مورچہ بند رہے۔ اس وقت آشنا و بیگانہ ے مارے غافل نہیں تھے۔ جس کا جس سے بس چلتا وہ اسے تاخت وتاراج کر دیتا تھا۔
کے دونوں طرف جو پیادے اور سوار تھے، گولہ باری کے خوف سے پانی لانے کے لئے:

کنارے تک جانے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ آنکھوں میں نیند کی جگہ بارود کے ذرے کھٹک رہے تھے۔ فوج کے سردار بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس خوفناک رات کا اختتام ایک خوفناک واقعہ پر ہوا۔ آخر رات میں ایک بڑا گولہ حکم سنگھ کی سواری کے ہاتھی پر آ کر گرا، حکم سنگھ ہاتھی سے کود کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایڑ لگا کر وہ بجلی کی طرح گھوڑا دوڑاتے ہوئے میدان جنگ سے نکل بھاگا۔ وہ ایسا فرار ہوا کہ عرصہ تک اس کے زندہ یا مردہ ہونے کا کوئی سراغ نہ لگ سکا۔

ساداتِ بارہہ کا خاتمہ

لڑائی کا دوسرا دن

آخر رات ختم ہوئی اور سورج نکلا۔ خانزادہ صاحب قران کے نام لیوا محمد شاہ بادشاہ نے بادشاہ پسند نامی ہاتھی پر سوار ہو کر یورش کا حکم صادر کیا۔ بادشاہ نے گذشتہ رات اور دن کے پورے آٹھ پہر میدان جنگ میں ہی گذارے تھے۔ اور اب وہ نئے معرکہ کے لئے اپنی فوجوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے نجم الدین علی خاں اور بارہہ کے دوسرے سردار جرأت سے آگے بڑھے اور بادشاہی فوج کے سرداروں نے ان کے حملوں کا بھرپور جواب دیا اور بڑی سخت خوں ریز لڑائی چھڑ گئی ؎

چناں گرم شد آتشِ کارزار | کہ از نعل اسپاں برآمد شرار
غبار زمیں بر ہوا راہ بست | عنانِ سلامت بروں شد ز دست

صمصام الدولہ بہادر منصور جنگ نے خاص طور سے بڑی دلیرانہ جنگ کی۔ درویش علی خاں داروغہ توپ خانہ بھی بہادری سے لڑتا رہا یہاں تک کہ لڑتے ہوئے جان دے دی۔ دوست علی خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ زخمی ہو گیا۔ نصرت یار خاں نے بڑے شیرانہ حملے کئے تھے اور بارہہ کے سامنے سینہ سپر ہو گیا تھا۔ اس کو بھی تیروں کے دو زخم لگے۔ سعادت خاں اپنے ہاتھی کو دوڑاتے ہوئے کمک پر آیا تھا۔ اس نے جس طرف بھی حملے کئے آفریں آفریں کا شور اٹھنے لگا۔ شیر افگن خاں کو بادشاہ نے ان بہادروں کی کمک کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے بارہہ کی صفوں پر شیرانہ وار حملہ کیا اور ایک بڑی تعداد کو خاک و خون میں

لڑا دیا۔ بادشاہی توپ خانہ نے رات بھر گولہ باری کی تھی۔ گولہ باری کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ دشمن کی صفوں میں گولہ باری کی زد میں آکر جو لوگ ہلاک ہوتے ان میں شہامت خاں بھی تھا۔ جو سید عبداللہ خاں کے لشکر میں بڑا مشہور آدمی تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی فتح یار خاں اور اس کا ایک بیٹا بھی کام آگئے۔ بارہہ کا ایک اور مشہور جنگجو تہور علی خاں بھی مارا گیا۔ ان کے علاوہ قاضی میر بہادر شاہی کا بھتیجہ عبدالقدیر خاں عبدالرحیم خاں خلد مکان کا بیٹا عبدالغنی خاں، غلام محی الدین خاں اور بارہہ کا ایک بڑا جمعدار صبغۃ اللہ خاں اور شجاع خاں پلولی کا بیٹا بکثرت آدمیوں کے ساتھ مارے گئے ان کی لاشیں قطار اندر قطار بکھری ہوئی تھیں۔ بادشاہی لشکر میں سے توپ خانہ کا داروغہ صمصام الدولہ اور ناصر جنگ کے توپ خانہ کا داروغہ عبدالنبی خاں اس کا منشی میاں رام، حسین خاں کا پوتا محمد جعفر چند اور کم مرتبہ اشخاص کے ساتھ مارے گئے ان کے علاوہ کسی نامی گرامی امیر کو نقصان نہیں پہنچا۔

نجم الدین علی خاں کی شکست

بارہہ کے لشکر کی ساری سرگرمی نجم الدین علی خاں کے دم سے تھی۔ اس کو تین چار کاری زخم لگے۔ آنکھ کے قریب تیروں کے لگنے کی وجہ سے وہ لڑائی جاری نہ رکھ سکا۔ سید عبداللہ خاں نے جب اس کو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھا تو اس نے سادات بارہہ کے ان بہادروں کو لے کر جو اس کے اطراف رہ گئے تھے اپنا ہاتھی بھائی کی مدد کے لئے بڑھا دیا۔ اس درمیان میں محمد شاہ بادشاہ نے خود بڑھ کر جنگ میں حصہ لینا چاہا مگر ہمراہیوں نے بہ اصرار روک دیا۔ چوڑامن جاٹ نے بھیر پر متعدد حملے کئے اور چند آدمیوں کو شہید بھی کر دیا۔ دریائے جمنا کے کنارے ریت کے پشتے پر سائیسوں نے بیوقوفی سے تقریباً ایک ہزار بیل اور اونٹ اکٹھا کر دیئے تھے۔ چوڑامن نے یہ جانور لوٹ لئے لنگر خانہ کے سامان سے لدے ہوئے چند اونٹ اور محکمہ صدارت کا دفتر بھی تاخت و تاراج ہو گیا۔ اس وقت جب کہ عبداللہ خاں نے حملہ کیا تھا۔ جاٹ نے موقع کو مناسب جان کر کچھ زیادہ شوخی دکھائی۔ بادشاہ سلامت نے حصول ثواب کے لئے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف چار تیر چھوڑے اور اعتماد الدولہ اور ہادی خاں نے جو بادشاہ کے بندوق خانۂ خاص کا داروغہ تھا۔ چوڑامن پر حملہ کر دیا۔

سید عبداللہ خاں کی کمک

سید عبداللہ خاں کی بروقت کمک پر سادات بارہہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ صمصام الدولہ بڑے استقلال سے ان کے حملے کو روک رہا تھا۔ پھر بھی بادشاہی لشکر میں بعض ثابت قدم نہیں رہ سکے۔ اس وقت جب کہ بارہہ کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ حیدر قلی خاں، بہادر، سعادت خاں بہادر اور محمد خاں بنگش اپنے ولی نعمت پر جان نثار کر دینے کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ یہ لوگ سید عبداللہ خاں کی کمر گاہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ سید عبداللہ خاں کو ان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنا ہاتھی حیدر قلی خاں کے مقابل لے آیا۔ ناصر جنگ کی فوج نے کمانیں سنبھال لیں اور تیروں کی بارش کر دی۔ اسی معرکہ میں رسالہ کا بخشی سید علی خاں جو ابوالمحسن خاں کا بھائی تھا گرفتار ہوگیا۔ دوسری طرف سے طالع یار خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پیش قدمی کی اور سید عبداللہ خاں کے توپ خانہ کے داروغہ شیخ ہتھیلا پر حملہ کر دیا وہ اس وقت اپنے توپ خانہ انتظام میں مصروف تھا اور پے در پے اس پر وار کر کے اسے گرا دیا۔ راجپوتوں کی ایک جماعت بھی اس وقت وہاں پہنچ گئی تھی۔ وہ اس کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے بادشاہی فوج میں لے آئے۔

سادات بارہہ کی شکست

حیدر قلی خاں ناصر جنگ اور دوسرے جاں نثار بہادروں نے سید عبداللہ خاں پر ایک زبردست حملہ کیا اور اس کو ہر طرف سے تنگ کر دیا۔ بارہہ کا سپہ سالار بزدل تو نہیں تھا۔ کیونکہ بارہا ایسے مواقع پر لوگوں نے دیکھا تھا کہ وہ ہاتھی سے اتر کر ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر پیدل ہوگیا اور آخر تک لڑتا رہا ایک دنیا اس کی بہادری اور دلیری کا معائنہ کر چکی تھی۔ مگر اس دن اقبال مند بادشاہ کے مقابلہ میں وہ ایسا بے بس و بے اختیار ہوگیا کہ ساری بازی الٹ گئی۔ اس توقع پر کہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی پیدل ہوکر بہادری کا ثبوت دیں گے اپنے ہاتھی سے اتر آیا۔ اس وقت عبداللہ خاں کے ساتھ دو تین ہزار سوار فوج کے بخشی اور بعض عمدہ جمع دار دور ونزدیک موجود تھے۔ مگر جب وہ ہاتھی سے اترا تو باقی تمام فوج مع بخشی کے فرار ہو چکی تھی۔ فرار ہونے والوں میں سیف الدین علی خاں، شجاعت اللہ خاں، ذوالفقار علی خاں اور عبداللہ خاں ترین اور دوسرے چند نیل سوار سردار اور بارہہ کے بہادروں کا ایک گروہ اور پٹھان سردار سید عبداللہ خاں کو چھوڑ کر شاہجہاں آباد کی طرف فرار ہوگئے۔

کہتے ہیں سیف الدین علی خاں تو سید عبداللہ خاں کے پیادہ ہونے سے پہلے ہی فرار ہو گیا تھا اور بھائیوں کو اس معرکۂ ہلاکت میں چھوڑ گیا تھا۔ اس کے ساتھ پندرہ ہاتھی تھے۔ ان میں سے وہ سات آٹھ ہاتھی تاخت وتاراج سے بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

عبداللہ خاں کی گرفتاری

اس وقت سید عبداللہ خاں کے ہاتھ پر تلوار کا ایک زخم آیا تھا اور ایک تیر اس کی پیشانی کو چھیلتا ہوا نکل گیا تھا۔ اسی وقت حیدر قلی خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے اس کے سر پر آ پہنچا۔ سید عبداللہ خاں نے جان کی امان طلب کرتے ہوئے دہائی دی میں سید ہوں؛ حیدر قلی خاں نے رحم سے کام لیا اور اسے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ سید عبداللہ خاں کی گرفتاری کے بعد غازی الدین خاں نے دو گھڑی تک پامردی دکھائی، پھر بہیر کا کچھ حصہ لے کر جو مغلوں اور جاٹوں کی لوٹ سے محفوظ رہ گیا تھا فرار ہو گیا۔

محمد شاہ بادشاہ کی فتح

ابو المظفر ناصرالدین محمد شاہ کی فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔ عبداللہ خاں کو حیدر قلی خاں اپنے ہاتھی پر بٹھا کر بادشاہ کے سامنے لے آیا۔ بادشاہ نے ترحمانہ نگاہ ڈالی جو خاندان تیموریہ کا خاصہ ہے۔ اور اسے حیدر قلی خاں کے حوالے کر دیا۔ نجم الدین علی خاں اور سید علی خاں بخشی رسالہ بھی ایک جماعت کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے تھے۔ نجم الدین علی خاں تو اس قدر زخمی ہو چکا تھا کہ اس کی زندگی کی امید نہیں رہی تھی۔ حامد خاں، عبدالنبی خاں اور دوسرے لوگ امان حاصل کرنے خود ہی بادشاہی فوج میں آ گئے تھے۔ تاخت وتاراج کے بعد جو ہاتھی، خزانے اور کارخانے بچ گئے تھے۔ ان کو ضبط کر لیا گیا ؎

از فروغ شمع دولت ای جواں غافل مباش
خندۂ شیر است لطف آسماں غافل مباش

سلطان ابراہیم کی گرفتاری

بے تصور سلطان محمد ابراہیم جنگل میں جا کر چھپ گیا تھا وہ بھی گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے آیا چونکہ اس سارے معاملہ میں وہ بے اختیار تھا بادشاہ نے اس کی جان بخشی کر دی۔

سادات بارہہ کی خانماں بربادی

۱۴ محرم کو جمعہ کے دن شام کو بارہہ کے زوال اور سید عبداللہ خاں کے گرفتار ہو جانے

کی خبر دار الخلافہ شاہجہاں آباد پہنچی۔ سید عبداللہ خاں کی عورتیں جو اس نے بکثرت جمع کر رکھی تھیں۔ بدحواس ہو گئیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر بادشاہی چوکی پہرہ نے پہلے ہی جو کچھ ہاتھ لگا سمیٹ کر پھٹی پرانی چادریں اوڑھ کر اس کی حویلی سے نکل بھاگیں۔ چند ایک شریف سیدزادیاں البتہ اپنی جگہ تن بہ تقدیر بیٹھی رہیں۔ نجم الدین علی خاں کو عبداللہ خاں کاشی پر بڑا بھروسہ تھا۔ اس کو محل کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ مگر وہ ایسا نمک حرام نکلا کہ اس نے بھی غبن و خیانت سے کام لیا اور جو کچھ ہاتھ لگا اڑا لیا۔ نجم الدین علی خاں کی بوڑھی اور دوسری تمام سادات بارہہ کی خواتین بادشاہی متصدیوں کی آمد کے خوف سے چادریں سر پر ڈال کر جدھر منہ اٹھا اپنی عزت و ناموس کو بچا لے گئیں۔ ان میں نجم الدین علی خاں کی نو دس سالہ بیٹی بھی تھی جسے ایک میراثی کے گھر جو سادات کے ہاں گویا تھا۔ چھپا دیا گیا تھا۔ آخر وہ بھی گرفتار کر لی گئی ؂

بکار آنچہ داری چہ گندم چہ جو
کہ امروز کشت است فردا درو

سچ ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی جو بویا وہ کاٹا۔

بارہہ کا فرار اور گرفتاری

عنایت اللہ خاں کو سید عبداللہ خاں اور اس کے لواحقین کے گھر بار ضبط کرنے کے لئے پیشتر دہلی روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ نے امراء کو ترقی مناصب و انعام دیئے بغیر ہی میدانِ جنگ سے ۱۶ر محرم کو دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ دہلی میں سید عبداللہ خاں نے اپنی نیابت کے لئے غلام علی خاں کو نجابت علی خاں کے ساتھ مقرر کر دیا تھا۔ ان دونوں نے اشرفی جواہرات، جو کچھ ملا لے لیا اور بھیس بدل کر قلعہ اور شہر پناہ سے باہر نکل آئے اس ہنگامہ میں کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ غلام علی خاں جان و مال سلامت لے گیا۔ نجابت علی خاں تیرہ چودہ سال کا نوعمر جوان تھا وہ سید عبداللہ خاں کا بھتیجا اور منہ بولا بیٹا تھا۔ اس کو بادشاہی آدمیوں نے گرفتار کر لیا اور اسے بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ حکم ہوا کہ اسے بھی عبداللہ خاں کے ساتھ رکھا جائے۔

نیا دربار اور نئے وزیر

محمد شاہ کا فاتحانہ کوچ

بادشاہ نے ۱۶ محرم کو فتح پور سے کوچ کر دیا اور راستہ میں کہیں ٹھیرے بغیر طولانی کوچ کرتے ہوئے ۱۹ محرم کو سواری شاہانہ دارالخلافہ دہلی کے قریب پہنچی۔ بعض ضروری انتظامات کے سلسلہ میں دو مقام کئے گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین کی درگاہ پر بادشاہ نے حاضری دی۔ وہاں کے خدام کو نذرانہ وغیرہ دے کر مراجعت کی اور بخشیوں کو حکم ہوا کہ تمام امراء کو اور خانہ زادوں کو جنھوں نے اس لڑائی میں جاں نثاری کی تھی۔ حضور میں پیش کیا جائے۔ سب کو بادشاہ نے حسب مراتب اضافہ خلعت ہاتھی جواہرات عطا فرمائے۔ اگر ہم ان کی فہرست پیش کریں تو بڑی طوالت ہو گی۔ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ کو چھ ہزاری منصب پر ایک ہزاری کا اضافہ اور معز الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ ۲۲ محرم کو شہر میں آئینہ بندی اور آراستگی ہوئی اور بادشاہ قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اسی ماہ کے آخر میں سیف الدولہ عبدالصمد خان بہادر دلیر جنگ اور آغر خاں لاہور سے حضور میں پہنچے ان کو خلعت مرصع سرپیچ عطا کیا گیا۔ اوائل ماہ صفر میں راجہ جے سنگھ دھیراج اپنے وطن سے اور راجہ گردھر بہادر اودھ کے صوبے سے حاضر خدمت ہوئے اور شاہانہ عنایات سے سرفراز ہوئے۔

سادات بارہہ کی بیٹی

نجم الدین علی خاں کی بیٹی کو بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس لڑکی کو بادشاہ کے عقد میں لے آئے۔ سید عبداللہ خاں کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اور اس نے بڑی عاجزی اور

اور منت سے حیدر قلی خاں سے کہا کہ سادات بارہہ میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا آخر
حیدر قلی خاں ملکۂ زمان کی خدمت میں گیا اور کہہ سن کر اس لڑکی کو نجم الدین علی خاں
کے گھر بھجوا دیا۔

دکن کے خبر رسانوں کی زبانی معلوم ہوا کہ نظام الملک فتح جنگ حضور میں آنے کے لئے
اورنگ آباد سے نکل چکا تھا مگر بیجاپور کے افغانوں کے متعلق بعض خبریں سن کر وہ اس ضلع
کے بندوبست کے لئے واپس ہو گیا۔

جزیہ کا نفاذ و منسوخی

بادشاہ نے جزیہ لینے کا حکم نافذ کر دیا تھا مگر راجہ جے سنگھ اور گردھر بہادر کی درخواست پر اور اس وجہ سے بھی کہ افواج کی نقل و حرکت سے رعیت کو پریشان ہونا پڑا تھا اور اکثر پرگنوں اور بعض شہروں میں غلہ گراں ہو گیا تھا۔ رعیت کے حالات درست ہونے اور ملک کا بندوبست قائم ہونے تک جزیہ کو معاف کر دیا۔

اجیت سنگھ کی سرکشی

احمد آباد اور اجمیر کے صوبہ دار راجہ اجیت سنگھ نے براہ اطاعت سے انحراف کیا تھا اور اپنے شہر اور پرگنوں میں گاؤ کشی کی ممانعت کر دی تھی۔ بادشاہ نے اکبر آباد کے صوبہ دار سعادت خاں بہادر کو طلب کر کے اس کی سرکوبی کے لئے مامور کر دیا۔ اس نے عذر بہانہ کر کے اس مہم پر جانے سے معذرت کر لی اس کے بعد صمصام الدولہ، قمر الدین خاں بہادر اور حیدر قلی خاں بہادر کو اس کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ ہر ایک نے اس مہم کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بلکہ پیش خانہ باہر نکالنے کا حکم بھی دے دیا۔ مگر ہر ایک دفع الوقتی کرتا رہا اور کوئی بھی دار الخلافہ سے باہر جانے پر تیار نہیں ہوا۔ خاص طور سے صمصام الدولہ اس خیال سے کہ کہیں یہ مہم طول نہ پکڑ جائے اور بادشاہی خزانہ کفایت نہ کرے اور دوسرے فسادی بھی میدان میں نکل آئیں، کسی امیر کو بھجوانے پر راضی نہیں ہوا۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ کی دکن سے روانگی کی خبر سن کر اجیت سنگھ کے ہوش ٹھکانے آگئے اور اس نے اطاعت کا پیغام بھجوا دیا اور صوبہ احمد آباد سے دست بردار ہو کر صرف صوبۂ اجمیر اس کے نام بحال کرنے کی درخواست گذرانی۔

جشن شاہانہ

رزم کے بعد بزم کا اہتمام کیا گیا اسی موقع پر مرحوم بادشاہ محمد فرخ سیر کی بیٹی سے بادشاہ کی شادی کی تقریب بھی منعقد ہوئی۔ چنانچہ ربیع الاوّل

کے دوسرے عشرہ میں جلوس کے دوسرے سال جشن شاہانہ کا آغاز ہوا دیوان خاص وعام کے دیوار ستون اور چھت طلاباف کلابتون اور طلاکار زربفت کے کپڑوں سے جو ولایت (ایران) کے بنے ہوئے تھے آراستہ کئے گئے۔ احمد آباد کا قیمتی کمخواب اور یورپ کا مخمل اور کاشان کا مخمل بھی استعمال کیا گیا۔ مروارید کی جھالریں لگائی گئیں۔ دولت خانہ کے اطراف کے حجروں کی آرائش مقررہ دستور کے مطابق امراء کے سپرد کی گئی۔ اس تمام آرائش وزیبائش میں ہند، روم اور خطا اور دوسرے ملکوں سے آیا ہوا رنگا رنگ قیمتی کپڑا استعمال ہوا کر محل جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور تاجروں نے اس کے منافع سے برسوں کا اندوختہ جمع کر لیا۔ موسیقار طرح طرح کے ساز چنگ، مردنگ، نے، چغانہ، بربط اور تال لے کر جمع ہو گئے موسیقار دھن بنانے لگے، رقاصاؤں نے ناچ رنگ پیش کیا ؎

تقاضلِ عیش را آواز کردند — دہان شیشہ ہے باز کردند

زبد مستی دربہر خانہ وا کرد — طرب ہے خوردورد درکو چہا کرد

ارباب طرب کو ڈھیروں سونا بخشش میں دیا گیا۔ صلحا، فضلا، اور شعرا کے دامن بھی زروجواہر سے بھر دیئے گئے۔ صمصام الدولہ، قمرالدین خاں بہادر، عبدالصمد خاں دلیر جنگ، حیدر قلی بہادر، خان خاناں میر جملہ ظفر خاں بہادر، راجہ جے سنگھ، گردھر بہادر اور دوسرے مقرب امراء نے لاکھ لاکھ روپیہ کے نذرانے گذرانے۔ ہر ایک کو بادشاہ نے خلعت جواہرات اور اضافے مرحمت فرمائے۔ ٹھٹھہ کے معزول صوبہ دار امیر خاں کے بیٹے عقیدت خاں کو پانچ لاکھ روپیہ کی پیش کش قبول کر کے عظیم آباد کی صوبہ داری عطا ہوئی اور راجہ جیت سنگھ کی جگہ احمد آباد کی صوبہ داری پر معزالدولہ حیدر قلی خاں کو مامور کیا گیا اور قمرالدین خان بہادر کی جگہ بندرگاہ سورت کا متصدی بھی معزالدولہ کو بنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ میر آتشی کا عہدہ بھی عطا ہوا۔ صوبہ احمد آباد کی نیابت پر شجاعت خاں عرف محمد معصوم شجاعت خانی کا تقرر عمل میں آیا۔ سرکار مراد آباد کی فوجداری حیدر قلی خاں سے لے کر قمرالدین خاں کو دی گئی اور دربار کے چند عہدے بھی اسی کو تفویض کئے گئے۔ سرکار اسکندرہ کی فوجداری پر عبدالرحیم خاں مقرر ہوا۔ نظام الملک کے پاس سے مرحمت خاں نے آکر باریابی حاصل کی۔

محمد امین خاں کی وفات

ربیع الآخر کے دوسرے عشرہ میں محمد امین خاں چین بہادر بیمار ہو گیا اور چار پانچ دن کی علالت میں ہی وہ اس دنیا

سے کوچ کر گیا۔

نظام الملک دہلی میں

نظام الملک بہادر کی طلبی کے لئے متعدد فرمان روانہ کئے گئے تھے اور بادشاہ نے بہت سے امور مملکت اور وزارت کے فرائض اس کی آمد پر موقوف کر رکھے تھے۔ نظام الملک بیجاپور کے افغانوں کا بندوبست کرنے کے بعد اورنگ آباد واپس چلا گیا تھا۔ آخر ذی الحجہ میں اُس نے اس سفر کا ارادہ کیا اور ربیع الآخر کے دوسرے عشرہ میں وہ شاہجہاں آباد کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے باوجود کہ فتنہ پرداز لوگوں نے نظام الملک کے متعلق بے بنیاد باتیں بادشاہ تک پہنچائی تھیں بادشاہ نے بخشی الممالک صمصام الدولہ بہادر منصور جنگ کو اس کے استقبال کے لئے روانہ کیا ۲۲ ربیع الآخر کو فتح جنگ نظام الملک دارالخلافہ میں داخل ہوا اور حضور شاہانہ میں باریابی حاصل کی۔ دراندازوں اور حاسدوں کی دخل اندازی کے سبب جس کا ذکر باعث طوالت ہے۔ چند دن مشوروں اور گفت وشنید میں نکل گئے۔ آخر ۵ رجمادی الآخر مطابق ۵ ار فروردی ماہ الٰہی جلوس کے چوتھے سال سن گیارہ سو چونتیس ہجری (۱۱۳۴ھ) کو نظام الملک کو خلعت وزارت مرصع قلمدان اور خنجر اور قیمتی الماس کی انگشتری عطا کی گئی۔ منصب وزارت پر فائز ہونے کے بعد نظام الملک بہادر نے بڑی کوشش کی کہ اسی طرح مہمات ملکی سرانجام دے کہ بادشاہ کی نیک نامی بھی ہو اور خزانہ بھی جمع ہو جائے۔ مگر دراندازوں کی مخالفتوں کی وجہ سے کہ وہ افتراء پردازی کر کے امور وزارت میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ نظام الملک کے منصوبے روبہ عمل نہ آسکے۔

ایک فتنہ پرداز عورت

اس بدنظمی کے پیدا کرنے میں کوکی پاشا ایک عورت کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ بڑی سحر طراز پُرفن اور صاحب کمال عورت تھی۔ اس نے بادشاہ کے مقرب خواجہ خدمت گار خاں کے ساتھ مل کر خزانہ فراہم کرنے اور دولت کو محفوظ رکھنے کے بہانہ سے بادشاہ کو ہموار کر لیا اور وہ لوگوں سے اپنے اور بادشاہ کے لئے بھاری بھاری رقمیں وصول کر کے ان کو مختلف خدمات پر مقرر کراتی رہی۔ اس طرح وزارت کے بندوبست میں بڑا خلل پیدا ہو گیا۔ بعض ہم چشم مقرب بھی نظام الملک کے خلاف سادہ لوح بادشاہ کے کان برابر بھرتے رہتے تھے۔ چنانچہ معزالدولہ حیدر قلی خاں جس نے میر آتشی کے عہدہ پر بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ چرب زبانی سے کام لے کر

ملکی و مالی معاملات میں برابر مداخلت کرتا رہتا تھا اور جب نظام الملک نے اس سلسلہ میں بادشاہ کو اشارہ کیا اور بادشاہ نے ملائمت سے اس کی فہمائش کی، تو حیدر قلی خاں متحمل نہ ہو سکا اور اپنی صوبہ داری پر جانے کی اجازت طلب کر لی۔ بادشاہ نے اجازت دیدی اور وہ دربار میں اپنا نائب چھوڑ کر وسط ماہ جمادی الآخر میں احمد آباد روانہ ہو گیا۔ احمد آباد پہنچنے کے بعد اس نے اکثر بادشاہی آدمیوں اور مقربان دربار کی جاگیروں کو ضبط کر لیا۔ جب یہ فریادیں حضور میں پہنچنے لگیں تو بادشاہ نے لوگوں کی جاگیروں کی ضبطی کی ممانعت کے لئے فرمان صادر کر دیا۔ مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر حیدر قلی خاں کی جاگیریں جو شاہجہاں آباد کے اطراف تھیں احمد آباد کی جاگیروں کے عوض ضبط کر لی گئیں۔

بادشاہ گر سید بھائیوں کا تذکرہ

سید عبداللہ خاں کی وفات

سید عبداللہ خاں ذی الحجہ کے آخر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ کہتے ہیں اسے زہر دیا گیا تھا مگر یہ بات کچھ عجیب ہی ہے۔ کیونکہ میں نے ثقہ آدمیوں کی زبانی سنا ہے کہ جب بادشاہ نے سلطان محمد ابراہیم اور سید عبداللہ خاں کے مقابلہ پر کوچ کیا تھا تو خدا سے عہد کیا تھا کہ فتح پانے اور سلطنت پر اختیار پانے کے بعد خواہ سید سے کتنا ہی بڑا قصور کیوں نہ ہوا، اس کو قتل نہیں کروں گا۔ پھر نظام الملک بہادر فتح جنگ بھی سید عبداللہ خاں سے بڑی مراعات کے ساتھ پیش آتا تھا۔ جب بھی محفلوں میں دونوں بھائیوں کا ذکر چھڑ جاتا تو نظام الملک سید عبداللہ خاں کی خوبیوں کو بیان کرتا تھا اور فرخ سیر کے معاملہ میں اس کو بے قصور ٹھیراتا تھا۔ اور اس کے مخالفوں کے دل کو اس کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ دونوں بھائیوں کو مراسلت و کاغذات میں نمک حرام لکھا جاتا تھا۔ نظام الملک نے اس سے دفتر کو روک دیا وہ ہرگز ہرگز سید عبداللہ خاں کو مسموم کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید بھائیوں کی خوبیاں

سادات کے اس تذکرہ میں ہمارا قلم مسلسل دونوں بھائیوں کی شکوہ سنجی کرتا آیا ہے اور ان کی بھلائیوں کا تذکرہ نہیں کرسکا۔ اس کے کفارہ میں ان دونوں بارہہ کے سپہ سالاروں کی خوبیوں، حسن اخلاق عدالت پروری اور فیض رسانی کے متعلق بھی ہم دو تین کلمات لکھ دینا چاہتے ہیں اگرچہ دونوں بھائیوں خاص طور سے سید عبداللہ خاں نے فرخ سیر شہید کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تھا۔ جس طرح رشوت لے کر اور سختیاں کرکے خلق خدا کو تنگ کیا تھا۔ اس کے یہ سارے اعمال درحقیقت دیوان رتن چند کی وجہ سے سرزد ہوتے تھے۔ جس نے سارے اختیارات پر قبضہ جما رکھا تھا اور خلق خدا کو اذیت دیتا رہتا تھا۔ مگر وہ بھی اہل غرض کی زیادہ طلبی کی وجہ سے ہر ایک کو خوش نہ رکھ سکا۔ حسین علی خاں کا بھی معاملہ یہی تھا۔ وہ بھی تعلقہ دکن پر مامور ہونے سے پہلے لوگوں کی کاربراری کے سلسلہ میں رشوت کی رقم لینے سے بہت نفرت کرتا تھا۔ مگر دکن پر مقرر ہونے کے بعد محکم سنگھ اور دوسرے پیش کاروں نے اس کے مزاج کو بھی بگاڑ دیا۔ اس کے باوجود یہ دونوں بھائی رعیت پروری اور عامۂ خلائق کی کم آزاری میں اس زمانہ کی حد تک تو ممتاز تھے۔ عام شہروں کے باشندے جن کو کوئی عناد اور غرض نہیں تھی۔ سادات کے رویہ کے شاکی نہیں تھے۔ حسین علی خاں اپنے بڑے بھائی کی نسبت فیض رسانی میں اور صاحب کمال اشخاص اور حاجت مندوں اور مستحقوں کی نگہداشت میں زیادہ کوشاں رہتا تھا۔ اور اس زمانہ میں وہ حاکم وقت تھا۔ اس کے مطبخ سے کھانا اور خام اجناس بکثرت لوگوں کو پہنچائی جاتی تھیں اور اورنگ آباد میں گرانی ہوگئی تو اس نے ہر روز غریبوں اور بیوہ عورتوں کو مدد دینے کے لئے کافی رقم اور غلہ مقرر کرا دیا تھا۔ اورنگ آباد میں پانی کا حوض اس کا بنوایا ہوا ہے۔ اگرچہ اعزالدولہ عوض خاں بہادر نے مسجد کی عمارت کو بلند اور وسیع کرایا تھا۔ مگر اس حوض کے خیر جاریہ کا اصل بانی حسین علی خاں ہی تھا۔ اس حوض سے وہاں کے لوگوں کو بڑی سہولت ہوگئی کیونکہ موسم گرما میں پانی کی قلت کی وجہ سے لوگ ایک عذاب میں مبتلا رہتے تھے۔ اپنے وطن بارہہ میں بھی اس نے سرائے پل اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ سید عبداللہ خاں بھی تحمل و بردباری اور خوش اخلاقی میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔

ضمیر کی آواز

ملا عبدالغفور بہورہ (بوہرہ) جو بندرگاہ سورت کا ملک التجار کہلاتا تھا۔ مرگیا تو اس کا ترکہ ایک کروڑ چند لاکھ روپیہ نقد و جنس کی صورت میں نکلا۔ حیدر علی خاں بندرگاہ سورت کا متصدی تھا۔ اس نے محمد فرخ سیر بادشاہ کی رضا جوئی کی خاطر با وجود وارث ہونے کے ملا مرحوم کے مال و اسباب کو ضبط کر لیا اور اس کی رپورٹ حضور میں بھیج دی۔ اسی درمیان میں بادشاہت بدل گئی۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ملا عبدالغفور کا بیٹا عبدالحی ضبطی کے خلاف استغاثہ کرنے حضور میں پہنچا اور دونوں بھائیوں کے پاس فریاد کرنے لگا۔ اس نے اپنا مال چھڑانے کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ کی حامی بھر لی۔ اس کے علاوہ رتن چند کو اور دوسرے متصدیوں کو بھی علیحدہ رقمیں دیں۔ اس وقت بندرگاہ سورت کے اختیارات حسین علی خاں سے متعلق تھے۔ اس نے بطور نذرانہ کے پندرہ لاکھ روپیہ لینا قبول کر لیا۔ انہی دنوں دیانت خاں خالصہ کا دیوان مقرر ہوا تھا۔ ایک دن طلوع آفتاب سے پہلے حسین علی خاں نے دیانت خاں کو بلا کر کہا کہ "آج رات بھر عبدالغفور کے مال کے سلسلہ میں ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے رہے۔ مال کی طمع اور ضمیر کی آواز میں سخت مناظرہ اور مجادلہ رہا۔ آخر ہم اس نفس سرکش پر غالب آگئے اور قطعاً اس کے مال کی طمع کو ہم نے ترک کر دیا ہے۔ اب تم خود اس معاملہ میں نگرانی کرو اور اسی وقت عبدالغفور کے بیٹے عبدالحی کو طلب کر کے اس کے اموال کا معافی نامہ جاری کر دو اور اسے خلعت اور گھوڑا عطا کر دو۔ اس طرح کہ اس کا ایک پیسہ بھی اس سلسلہ میں خرچ نہ ہونے پائے اور کسی کے سامنے اُسے التجا نہ کرنا پڑے"۔

انصاف پسندی

ایک دن سواری خاصہ کے ہاتھی کا مہاوت فریاد لے کر آیا کہ وہ ایک محلہ سے گذر رہا تھا تو محلہ والوں نے ہجوم کر کے فیل بان کا سر پھوڑ دیا اور ہاتھی کو بھی زخمی کر دیا۔ اس نے اپنے بے قصور ہونے اور محلہ والوں کی زیادتی پر گواہ بھی پیش کرائے۔ مجلس میں مصاحب مقرب زمانہ کے رویہ کے مطابق محلہ والوں کی برائیاں کرنے لگے۔ حسین علی خاں نے اُن کی باتیں سنی ان سنی کر دیں اور اس قضیہ کو دوسرے دن کے اجلاس پر ملتوی کر دیا۔ رات کے وقت ایک اپنے اعتماد کے آدمی کو اس جگہ بھیجا کہ وہاں جا کر وہ بے غرضانہ معاملہ کی تحقیق کرے۔ آخر معلوم

ہوا کہ فیل بان کا دعویٰ شرارت اور غرض سے خالی نہ تھا۔ حسین علی خاں نے فیل بان کو معتوب کرکے اس کی تنبیہ کے احکام صادر کر دیئے۔

اصلی سید کی نشانیاں

حسین علی خاں اوامر و نواہی میں بھی بڑا محتاط رہتا تھا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی مؤلف "تفسیر بحر مواج" نے جو اپنے وقت کے بڑے فاضل صاحب کشف وحال بزرگ تھے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ صحیح النسب سید کو خلق محمدی، سخاوت ہاشمی، شجاعت حیدری میں ممتاز ہونا چاہیے۔ کسی عالی نسب سید کے تابعت بخیر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اگر زندگی میں نفس امارہ کے ہاتھوں اس کا دامن آلودہ ہو گیا ہو تو اس کی رحلت کے وقت کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی نجات وبخشش کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں بھائیوں میں پہلی تین صفات بھی تھیں۔ پھر انجام میں حسین علی خاں شہید ہوا اور سید عبداللہ خاں کو زہر دیا گیا۔

جاٹوں کی بغاوت اور سرکوبی

جاٹوں کے خلاف فوج کشی

چورامن جاٹ انہی دنوں جہنم واصل ہوگیا تھا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد جاٹوں کے ایک گروہ نے جو چورامن کے بیٹے کہلاتے تھے۔ اکبرآباد کے نواح میں بڑی مستحکم گڑھیاں بنا رکھی تھیں اور ان میں سامان جنگ وغیرہ جمع کر لیا تھا۔ جاٹوں کی فتنہ انگیزی، لوٹ مار اور راہزنی کے واقعات ہم حضرت خلد مکاں اور فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں لکھ آئے ہیں۔ اس زمانہ میں اکبرآباد کے صوبہ دار سعادت خاں نے جو بہادری اور کارگذاری میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس گروہ کی سرکوبی کے لئے بڑی کوشش کی اور نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ مگر دشوار گذار گھنے جنگلات کی وجہ سے جیسا کہ چاہئے تھا ان کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ آخر بادشاہ نے راجہ جے سنگھ دھیراج کو ایرانی اور تورانی مغل امیروں اور پٹھانوں کی فوج دے کر اس مہم پر مقرر کیا۔ چودہ پندرہ ہزار سوار جمع ہو گئے تھے۔ جے سنگھ کو توپ خانہ قلعہ گیری کا ساز و سامان دیا گیا۔ دو لاکھ روپیہ مع خلعت اور ہاتھی کے عنایت ہوا۔

جاٹوں کی شکست اور فرار

جے سنگھ نے اس مہم پر جانے کے بعد پہلے جنگل کٹوانے شروع کر دیئے اور مورچے آگے بڑھاتے ہوئے ہر طرف سے گھیر گھیر کر ان تباہ کاروں کا صفایا کرنے لگا۔ تورانی سرداروں اور دوسرے افسروں نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ کافر اپنی گڑھیوں سے نکل نکل کر درختوں کی پناہ میں آگے چھاپے مارتے رہتے تھے۔ دونوں طرف سے ان لڑائیوں میں کافی

آدمی کام آگئے۔ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں باغیوں کے قبضہ میں ایک دو گڑھیاں رہ گئیں اور وہ ان میں محصور ہو گئے۔ اس دوران میں بادشاہ کے اقبال سے چورامن کا ایک چچا زاد بھائی جس سے اس کی قدیم نزاع تھی۔ جدا ہو کر راجہ کے پاس آگیا۔ اس کی رہنمائی میں راجہ نے وہ دونوں گڑھیاں فتح کر لیں اور جاٹوں کی قوم رات کی تاریکی میں جو کچھ نقد و جنس لے جا سکتی تھی اٹھا کر وہاں سے نکل گئی اور جاتے ہوئے اس نے بارودخانہ میں آگ لگا دی اور عمارتوں کو جلا دیا۔ توپیں اور غلہ کافی مقدار میں چھوڑ کر وہ اپنی جان سلامت لے کر فرار ہو گئے اور دونوں گڑھیاں بادشاہی آدمیوں کے قبضہ میں آگئیں۔ ان کے جمع کردہ خزانہ کے متعلق بڑی شہرت تھی۔ اس کی تلاش میں بڑی کوشش کی گئی۔ بعض عمارتوں کو کھود دیا گیا مگر کوئی سراغ نہ لگا۔

احمد آباد کا باغی صوبہ دار

جاگیر کی ضبطی کا قضیہ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں۔ دارالخلافہ کے اطراف حیدر قلی خاں کی جو جاگیریں تھیں وہ ضبط کر لی گئی تھیں۔ جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے بعض مقرب امراء سے کہا "اب جب کہ میری جاگیر بادشاہ نے ضبط کر لی ہے تو وہ مجھ سے اطاعت و ملازمت کی امید بھی نہ رکھیں"۔ اس سلسلہ میں دربار سے بارہا لکھا گیا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جب حیدر قلی خاں کی نافرمانی اور وہاں کے جاگیرداروں کی فریادیں حد سے تجاوز کر گئیں تو بادشاہ نے احمد آباد کی صوبیداری پر اس کی جگہ غازی الدین خاں بہادر کو جو نظام الملک بہادر فتح جنگ کا بڑا فرزند تھا مقرر کر دیا اور وطن کی صوبہ داری بھی اس کے ساتھ شامل کر دی اور اسے جواہرات اور ہاتھی دے کر سرفراز کیا۔

نظام الملک کا کوچ جاٹوں کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد دوسری ماہ صفر کو جلوس کے پانچویں سال احمد آباد کے بندوبست کے لئے اور بصورت عدم اطاعت حیدر قلی خاں کی تادیب کے لئے نظام الملک کو رخصت کیا گیا۔ نظام الملک اوائل صفر میں احمد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ اکبر آباد پہنچ گیا تو حیدر قلی خاں کے

خطوط پہنچے جو اس نے مکاری اور چاپلوسی سے لکھے تھے اور عذر معذرت کی تھی۔ جب نظام الملک مسلسل کوچ کرتے ہوئے مالوہ پہنچ گیا تو احمد آباد کے امراء کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حیدر قلی خاں بہت سخت بیمار ہوگیا ہے اور بیماری جنون تک پہنچ گئی ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ جب اس نے سُنا کہ نظام الملک احمد آباد کی طرف چلا آرہا ہے اور عوض خاں بہادر بھی دکن کی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر مل گیا ہے۔ اور راجہ ساہو کے مرہٹہ سردار۔ باجی راؤ وغیرہ بھی ساتھ ہیں اور احمد آباد کے ہمراہی بھی اس کی اطاعت پر آمادہ ہوگئے ہیں تو وہ بیمار بن گیا اور شہرت دیدی کہ جنون میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو معافی کی عرض داشت کے ساتھ بادشاہ کے پاس روانہ کیا اور دربار میں حاضر ہونے کا اقرار کرلیا۔ جب نظام الملک نے اس خبر کی تحقیق کرلی تو نربدا کے کنارے سے کہ وہ اس وقت احمد آباد سے سات آٹھ منزل پر پہنچ چکا تھا۔ دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا اور اپنے چچا حامد خاں بہادر کو احمد آباد کی صوبہ داری پر نائب بنا کر بھیج دیا۔

درباری سازشیں

دربار میں آنے کے بعد نظام الملک نے نہایت خیر خواہی اور وفاداری کے ساتھ ملک کے نظم و نسق اور خزانہ کی معموری کے لئے کوشش کی مگر درانداز وں کی وہی شرانگیزیاں جاری تھیں۔ خاص طور سے کوکی پاشا وزارت کے معاملات میں بہت مداخلت کرتی رہتی تھی اور رشوتیں اور نذرانے لے کر بادشاہ کو بدنام کرتی رہتی تھی۔ نظام الملک کے منع کرنے پر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ بادشاہ کو خود اپنی بدنامی کی فکر نہیں تھی، وہ اس کو روکتا نہیں تھا اسی لئے نظام الملک خاطر خواہ وزارت کے فرائض انجام دینے سے معذور رہا۔

نظام الملک کی دکن کو واپسی

نظام الملک کی چار تجویزیں

نظام الملک بہادر فتح جنگ کے دوبارہ دکن جانے کے کیا اسباب تھے اس سلسلہ میں مختلف روایات سننے میں آئی ہیں۔ مگر جو وجہ معتبر اور ثقہ راویوں نے بیان کی ہم اسی کو یہاں قلم بند کرتے ہیں۔ ان دنوں ایران کی طرف سے بڑی تشویشناک اطلاعات آرہی تھیں معلوم ہوا تھا کہ

ایران میں فتنہ و فساد پھیل گیا ہے اور ایران کے بادشاہ سلطان حسین شاہ کے مقابلہ میں محمود خاں افغان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ سارا اصفہان شیراز کی سرحدوں تک اس کے قبضہ میں آگیا اور اصفہان کے لوگوں کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر سلطان حسین قید ہو گیا اور شاہزادہ طہماسپ اپنے بھائی اور سلطان حسین کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ اصفہان کے قلعہ سے نکل گیا اور افغانوں کے خلاف فوج فراہم کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ یہ اطلاعات محمد شاہ بادشاہ کو مسلسل مل رہی تھیں۔ ایک دن نظام الملک نے بادشاہ کی خدمت میں چار تجویزیں رکھیں۔ پہلی تو یہ کہ خالصہ کے محالات کی اجارہ داری کو ختم کر دیا جائے جس سے ملک میں ویرانی اور تباہ حالی پھیلی جا رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ پیش کش اور نذرانوں کے نام سے رشوت کا جو طریقہ جاری ہو گیا ہے بند کیا جائے کیونکہ یہ شاہانہ آداب کے منافی اور رائے سلیم کے خلاف ہے۔ تیسرے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے عہد کی طرح کافروں پر جزیہ عائد کر دیا جائے۔ چوتھی رائے یہ دی کہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں جب ملک شیر شاہ افغان کے ہاتھ میں چلا گیا تھا تو شاہ ایران نے کمک اور مہمان داری کا واقعی ثبوت دیا تھا اگر اسی وقت افغانوں کے خلاف فرمان روائے ایران کی کمک کی جائے تو تیموری خاندان کی نیک نامی تاریخوں میں یادگار رہ جائے گی۔ بادشاہ نے یہ سن کر فرمایا "ہمارے پاس کون ہے۔ جسے ہم اس مہم پر روانہ کریں۔"

فتح جنگ نے عرض کیا کہ حضور میں کارگزار خادم موجود ہیں آپ جس کو حکم دیں گے وہ حکم کی تعمیل کرے گا۔ اور اگر اس خانہ زاد کو مقرر کر دیں تو میں دل و جان سے یہ خدمت بجا لاؤں گا۔" یہ بات نظام الملک نے خیر خواہی کے جذبہ سے کئی بار بادشاہ کی خدمت میں عرض کی۔ جب بادشاہ نے دوسرے امراء سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو انھوں نے اس مسئلہ کو کچھ اس طرح غلط رنگ دے دیا کہ نظام الملک سے بدگمان ہو گیا اور ان کوتاہ اندیشوں نے ایسے بے نظیر اور صاحب تدبیر وزیر کو مخالف بنا دیا۔

بدگمانیاں اور اندیشے

انہی دنوں دربار میں آداب و تسلیمات اور بادشاہ کے احکام کی تعمیل و اطاعت کا سارا نظم بگڑا ہوا تھا۔ سلطنت کے مسلمہ طور طریق باقی نہیں رہے تھے۔ لوگ خیرہ سر گستاخ ہوتے جا رہے تھے۔ نظام الملک اس بد نظمی کو دور کر کے شاہی آداب و اعزاز کو بحال کرنا چاہتا تھا یہ بات بادشاہ کے مصاحبوں

اور مقربوں کو بڑی ناگوار گذرتی تھی اور وہ روز بروز فتح جنگ کی طرف سے ایسی ایسی باتیں بادشاہ کے گوش گذار کرتے رہتے تھے جو نظام الملک کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھیں۔ آخران لوگوں نے ناتجربہ کار بادشاہ کو نظام الملک بہادر کی طرف سے اس قدر بدظن کردیا کہ اس کے متعلق بادشاہ کے ذہن میں بڑے فاسد خیالات جاگزیں ہو گئے۔ نظام الملک نے عاقبت اندیشی اور آبرومندی اسی میں سمجھی کہ دارالخلافہ سے رخصت ہوجائے چنانچہ آخرماہ ربیع الاول جلوس کے چھٹے سال اس نے شکار کے بہانہ چند دن کی رخصت لی اور دارالخلافہ سے نکل گیا۔ پھر تبدیل آب وہوا کا عذر کرکے دارالخلافہ سے تیس چالیس کوس پر دریائے گنگا کے کنارے جاکر ٹھیر گیا اور وہاں سیر وشکار میں کچھ وقت گذار دیا۔

مرہٹوں کی شورش

اسی درمیان میں صوبہ احمد آباد اور مالوا میں مرہٹوں کی شورش کی اطلاعات ملنے لگیں۔ احمد آباد کا صوبہ خود نظام الملک کے سپرد تھا اور دوسرا صوبہ مالوہ اس کے بیٹے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو ملا تھا۔ ان اطلاعات پر نظام الملک نے دربار میں عرض داشت بھیج کر دونوں صوبوں کے بندوبست کے لئے روانگی کی اجازت حاصل کرلی اور سورون نامی منزل سے جو دریائے گنگا کے کنارے مشہور شکار گاہ ہے۔ ان مفسدوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا۔ مگر ابھی نظام الملک دارالفتح اجین نہیں پہنچا تھا کہ مرہٹے اس کی آمد آمد سے خوف زدہ ہوکر نربدا پار کرکے دکن کی طرف فرار ہو گئے اور دوسرے سرکش فسادی بھی اپنے بھٹ میں جاکر چھپ گئے۔ نظام الملک نے مرہٹوں کا دریائے نربدا تک تعاقب کیا اور ان کے دریا عبور کرجانے کی اطلاع پاکر لوٹ آیا اور صوبہ مالوہ کے مضافات میں پرگنہ سہور میں جو شہر سرونج سے قریب ہے جاکر ٹھیر گیا اس کا ارادہ تھا کہ صوبہ مالوا کا انتظام کرکے دربار کو واپس چلا آئے۔

ناظم حیدرآباد کی شورہ پشتی

عالم علی خاں سے لڑائی کے وقت حیدرآباد کا ناظم مبارز خاں تھا۔ لڑائی کے بعد تقریباً دو سال پہلے وہ فتح جنگ کی خدمت میں حاضر ہوگیا تھا اور اپنے اخلاص وعقیدت کا بڑی سرگرمی سے اظہار کیا تھا۔ فتح جنگ نے اس کے چارہزاری منصب میں مزید دوہزاری کے اضافہ کی اور عمادالملک مبارز خاں بہادر ہزبر جنگ کے خطاب کی سفارش وتجویز حضور میں بھیجی تھی

اور منظوری طلب کی تھی۔ اپنی طرف سے اسے جھالردار پالکی اور ماہی مراتب کے اعزاز دیئے تھے۔ اس کے بیٹوں اور ساتھیوں کے لئے بھی نمایاں اضافے اور خطابات تجویز کر دیئے تھے۔ اپنی طرف سے بھی اس کی بڑی رعایت کی اور اس کی جاگیر اور خدمات میں اضافہ کر دیا تھا۔ عمادالملک مبارز خاں نے فتح جنگ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ جب تک تمہارے اور بادشاہ کے مابین اتفاق عہد اور قدر دانی کا رویہ رہے گا۔ میں بھی بادشاہ کا نوکر اور ملازم رہوں گا، ورنہ مجھے آپ اپنے اطاعت گذار رفیقوں میں پائیں گے۔ (بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا)۔ .... مگر اس وقت جب کہ نظام الملک پرگنہ سنبھر میں ٹھیرا ہوا تھا۔ اطلاع ملی کہ مبارز خاں نے اول تو یہ مشہور کیا کہ دکن کی کل صوبہ داری اس کے تفویض کر دی گئی ہے۔ پھر وہ صوبہ حیدرآباد سے نکل کر اورنگ آباد کی طرف روانہ ہو گیا اور بیجاپور کے صاحب فوج افغان سرداروں عبدالنبی خاں، دلیر خاں اور بہادر خاں کو اور اطراف و نواح کے دوسرے فوج داروں کو اپنی کمک کے لئے طلب کر لیا اور عضدالدولہ عوض خاں بہادر قسور جنگ کو جس سے فتح جنگ کی پھپی منسوب تھی اور وہ فتح جنگ کی طرف سے صوبہ داری دکن کی نیابت پر مامور تھا۔ اپنے پہنچنے کی اطلاع دی اور دارالامارت کو خالی کر دینے کی ہدایت کی اورنگ آباد کے دوسرے منصب داروں کے نام بھی اس کے ایسے ہی خطوط آئے جن میں ان کو اپنا حامی و موافق بنانے کی کوشش کی تھی۔

محمد شاہ کی غلطی اسی اثنا میں دلی سے آنے والے خطوط سے معلوم ہوا۔ کہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو جو اپنے باپ کی نیابت میں امور وزارت سرانجام دے رہا تھا۔ بادشاہ نے وزارت سے ہٹا دیا اور اعتمادالدولہ قمرالدین خاں بہادر کو منصب وزارت پر فائز کر دیا۔ نیز اس کے غائبانہ کوئی پاشا رشوت خور نے بھی بادشاہ کو پوری طرح قابو میں کر لیا ہے۔

نظام الملک کی خدمات چنانچہ نظام الملک نے ان وجوہ سے اور دوسرے چند اور اسباب کی بنا پر مالوے سے دکن کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا۔ دکن درحقیقت اسی سپہ سالار کا مفتوحہ ملک تھا۔ فتح جنگ کے والد اور دادا نے عہد خلد مکان میں دکن کی فتح کے لئے خاص طور سے بیجاپور اور دوسرے مشہور قلعوں کی تسخیر

گے بڑی تنگ نظری اور ننگ خیالی کا ثبوت دیا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ جب کہ سادات بارہہ کا سارے ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا اور انھوں نے تمام ایران و توران کے امیروں پر غلبہ پا لیا تھا اور حسین علی خاں نے دکن کو اپنی موروثی چراگاہ سمجھ رکھا تھا اور کسی کو ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں دیتا تھا اور اس وقت کسی کی مجال نہیں تھی کہ بارہہ کی تلوار اور نظم و نسق کے مقابلہ پر آئے اور دکن کے معاملات میں مداخلت کرے۔ بارہہ کا اقتدار تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے بادشاہ کو جمعہ کی نماز اور سیر و شکار پر جانے تک سے روک دیا تھا۔ اس وقت صرف نظام الملک ہی تھا جس نے سادات کے سرِ پُر غرور کو تلوار کی نوک سے جھکا دیا اور خاندان تیموری کی سلطنت از سرِ نو قائم کر دی، جس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں اب وہ دکن کو فسادیوں کے ہاتھ میں جاتا ہوا کیسے دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ نظام الملک نے دریائے نربدا کو عبور کر لیا اور آخر ماہ رمضان میں اورنگ آباد پہنچ گیا۔

عماد الملک کی فوجی تیاریاں

فتح جنگ نے عماد الملک کو بارہا نصیحت آمیز خطوط روانہ کیے مگر اس نے جواب میں نخوت و غرور کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہنے کا اعلان کیا۔ فتح جنگ بڑا بردبار اور باوقار امیر تھا اس نے اپنے خطوط میں اس عہد و پیمان کو اور حقوق کو یاد دلایا جو اس سے مبارز خاں عماد الملک نے کیے تھے مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ نظام الملک نے دو مہینے اورنگ آباد میں اسی دفع الوقتی میں گذار دیے آخر موت مبارز خاں کو دامن کشاں اورنگ آباد کی طرف کھینچ لائی۔ اس کے ہمراہ داؤد خان پنی کا بھائی بہادر خاں، عبدالنبی خاں کا بیٹا عبدالفتاح غالب خاں جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کرناٹک کے متصدی سعادت اللہ خاں کی طرف سے آیا ہے اور دوسرے عمدہ فوج دار باقاعدہ عمدہ فوجوں کے ساتھ آئے تھے۔ بے حد و حساب سوار و پیدل فوج بھی بے شمار جمع ہو گئی تھی۔ روز بروز اس کی فوج میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور اس فتنہ آرائی کے سبب ملک کا نظم و نسق بگڑتا جا رہا تھا اور مرہٹوں کی تاخت و تاراج بھی وسیع ہو گئی تھی۔ لہٰذا آخر ذی قعدہ میں نظام الملک بہادر اپنی فتح نصیب فوج کو لے کر اورنگ آباد سے نکلا اور جوتن کے تالاب پر جو بلدہ سے قریب ہے لشکرگاہ قائم کر دی۔ اور اس دن سے جنگ کے دن تک برابر نصیحت آمیز خطوط مبارز خاں کے پاس بھجوائے کہ امن اور صلح جنگ سے بہتر ہے۔ مسلمانوں کی خوں ریزی سے ہاتھ نہیں رنگنا

چاہیئے ۔ مگر دکن کی صوبہ داری کا نشہ اس پر ایسا چڑھا تھا کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

مبارز خاں کی یلغار

نظام الملک کے مقابلہ کے لئے مبارز خاں شب و روز مشورہ کر رہا تھا، کبھی طے کرتا کہ شبانہ یلغار کرتے ہوئے فتح جنگ کی فوج کے مقابلہ پر اچانک جا پہنچے۔ کبھی مشورہ کرتا کہ فتح جنگ کے لشکر کو دائیں یا بائیں چھوڑ کر کسی دوسری راہ سے یلغار کرتے ہوئے اورنگ آباد شہر پہ پہنچ جائے۔ اور اس پر قبضہ کرے۔ چنانچہ وہ اسی ارادہ سے فتح جنگ کے مقابلہ سے رخ پھیر کر دریائے پورنا سے گذر گیا اور اپنے ایک میر شمشیر کی کمان میں سوار اور پیادہ فوج دے کر ایک دشوار گذار نالہ پر مقرر کر دیا تاکہ وہ فتح جنگ کا راستہ روکے رہے۔ اسی نالہ پر فریقوں کے متعین کردہ کمان داروں میں لڑائی ہوئی اور مبارز خاں کی فوج کے بکثرت آدمی اپنے سردار کے ساتھ قتل اور اسیر ہو گئے۔ اور فتح جنگ کے آدمی فتح و نصرت کے ساتھ لوٹ آئے۔

نظام الملک کے فوجی کمان دار

نظام الملک بہادر فتح جنگ نے بھی غنیم کی راہ روکنے کے لئے پورنا کو عبور کر لیا۔ آخر ۲۳ ر محرم اداخر شہر پور ماہ الٰہی شبکر کھیڑہ کے قصبہ میں جو صوبہ برار کے مضافات میں اورنگ آباد سے چالیس کوس پر واقع ہے۔ لڑائی ہوئی۔ نظام الملک کی فوج میں ہراول پر قادر داد خاں عالمگیری کا بیٹا قادر داد خاں مقرر تھا جو نظام الملک کی نانی کی طرف سے قریبی رشتہ رکھتا تھا۔ اور بڑا بہادر اور کارگذار افسر سمجھا جاتا تھا۔ میمنہ پر سعد اللہ خاں مرحوم کا پوتا طالب محی الدین خاں تھا۔ وہ سپہ سالار کا ماموں ہوتا تھا۔ میسرہ پر اسمٰعیل خاں اور منظفر خاں خویشگی تھے مقدمۃ الجیش کی ہراولی پر ستر سال بندیلہ کا بیٹا کنور چند جنگجو بندیلوں کی جمعیت کے ساتھ مامور تھا۔ کنور چند مدتوں سے نظام الملک کی سرکار کا وظیفہ خوار تھا۔ اس کے ساتھ میر آتش برقنداز خاں عطا یار خاں داروغہ فوج و توپ خانہ مقرر تھے۔ یہ لوگ چند آتش بار توپوں کو لے کر پیش قدمی کر رہے تھے۔ عضد الدولہ عوض خاں بہادر قسور جنگ اپنے بیٹے سید جمال کے ساتھ کہ دونوں ترکش فتح کے کارگر تیر سمجھے جاتے تھے۔ جرنغار پہ مقرر ہوئے اس کے ساتھ مقرب خاں، خان عالم دکنی، مشہور خاں خویشگی عزیز بیگ خاں حارسبی مقرر تھے۔ ان کے ساتھ ایک توپ خانہ بھی تھا جو صوبہ داری دکن کی نیابت کے آغاز

سے ہی ان کی تحویل میں تھا۔ تول اور جرنغار کے درمیان اعتماد الدولہ محمد امین خاں مرحوم کے بھائی ظہیر الدولہ رعایت خاں اور محمد غیاث خاں بہادر کو مقرر کیا گیا۔ فتح جنگ کا چچا نصیر الدولہ مشہور بہ عبدالرحیم خاں برنغار پر مامور ہوا۔ اس کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بخشی سید غضنفر خاں اپنی رسالہ فوج کے ہمراہ تھا۔ اس کی فوج میں برہان پور اور اورنگ آباد پر مامور تین سو آدمی تھے۔ جو عرصۂ دراز سے فتح جنگ کے نمک خوار اور ریزہ دار تھے۔ ان کی سرداری ہم وطنی کے تعلق سے سید غضنفر خاں برہان پوری کو دی گئی تھی جو اس عہدہ کے علاوہ فیروز جنگ کا بخشی بھی مقرر ہوا تھا۔ ان کے ساتھ توپ گاڑیاں اور دو سو انداز منجنیق بھی تھی مرزا اللہ خاں کو جو سعد اللہ خاں مرحوم کا پوتا تھا۔ ایک عمدہ دستے کے ساتھ تول اور میسرہ کے درمیان مامور کیا گیا تھا۔ اس فوج کے ضمیمہ پر بہادر دل خاں کو مقرر کیا گیا جو لاچین بیگ قلماق کے نام سے مشہور تھا اور بڑا مشہور جاں باز اور بہادر سپاہی تھا۔ حفیظ الدین خاں بہادر اور سعد اللہ خاں مرحوم کے ایک اور پوتے محمد سعید خاں بہادر کو جو دو تین قریبی رشتوں میں تھے اپنے ہمراہ رکھا کیونکہ نظام الملک کو ان دونوں جوانوں کی کارگذاری اور جاں نثاری پر بڑا اعتماد تھا۔ ان کو دو جریب کے فاصلہ پر تول میں اپنی سواری کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا تھا: طلیعش: میں ہوش دار خاں کو جس کا موروثی خطاب ارادت خاں تھا مقرر کیا۔ شیخ میر خوافی کا پوتا محتشم خاں جس کے آباؤ اجداد نے داراشکوہ کی دونوں لڑائیوں میں بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔ دائیں اور بائیں بازو کے حاشیہ کی فوج کا کمان دار بنایا گیا۔ قول طلیعش کے چپّی رو دستوں پر خواجم قلی خاں تورانی جو بڑا کارگذار اور بہادر افسر تھا متعین ہوا اس کے ساتھ گوپال سنگھ گور اور سلیم خاں افغان تھے جو اونچے درجے کے جمع دار اعد قراول بیگی کی نیابت پر مامور تھے۔ ان کے ساتھ قراولوں کی جماعت اور شکاریوں کا عملہ بھی تھا ایک اور افسر رسول خاں افغان تھا۔ یہ تینوں فیل سوار امیر تھے۔ لشکر کے یہ سارے امیر بڑے حسن عقیدت کے ساتھ نظام الملک کے ہمراہ تھے اور خود وہ سپہ سالار قلب لشکر میں تھا۔ نظام الملک کے ساتھ خواجہ عبید اللہ خاں احمد خاں دیوان، رستم بیگ خاں نیک، مظفر خاں ناصر جنگ کی سرکار کا بخشی اور نظام الملک کا برادر نسبتی ہمت یار خاں، اور اہل خدمات کا ایک گروہ جیسے عبدالرحمٰن خاں داروغہ چوکی خاص اور دوسرے قدرشناس

افسر تھے۔ ترک تاز خان کو ہمیشہ مرہٹہ فوج کی سرداری دی جاتی تھی اس مرتبہ بھی سرکار خاص کی ایک جمعیت کے ساتھ مرہٹہ فوج کی کمان دی گئی تھی جس میں باجی راؤ وغیرہ کے سات آٹھ ہزار سوار تھے۔

عماد الملک کی صف بندی

دوسری طرف عماد الملک مبارز خاں نے بھی فوج کی صف آرائی کی۔ غالب خاں نامی کو جو کرناٹک حیدر آباد کے متصدی سعادت اللہ خاں کی طرف سے ایک عمدہ فوج لے کر آیا تھا ہراول پر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ حسین منور خاں ولد خان زماں تھا اور جو تیغ نظام دکن کے نام سے مشہور تھا اس کے عقب میں اپنے ماموں محمد بیگ خاں کو جو پرانا تجربہ کار سپاہی تھا۔ یلتمش کے بجائے مقرر کیا۔ مشہور پٹھان سردار داؤد خاں کے بھائی ابراہیم خاں پنی کو جس کا خطاب بہادر خاں تھا۔ اپنے دائیں جانب رکھا۔ عماد الملک کے اطراف "قول" میں عبدالنبی خاں میانہ کا بیٹا عبد الفتاح خاں تھا۔ کرناٹک بیجاپور میں جس کی بہادری کا ڈنکہ برسوں سے بج رہا تھا۔ اس کے ساتھ ترمن مار افغان تھے۔ ان کا رسالہ دو ہزار سوار کا تھا۔ دلیر خاں میانہ کے بیٹے بھی تھے۔ جو بنکاپور سے علی خاں کے ساتھ آتے تھے۔ علی خاں بڑا مشہور آدمی تھا اور دلیر خاں کا مدار المہام اور متبنیٰ تھا۔ دلیر خاں کے بیٹوں کی سرداری اسی کے سپرد تھی یہ لوگ بڑی بھاری فوج کے ساتھ کمک پر آئے تھے۔ ان کے ساتھ جنگجو تجربہ کار پیدل اور سوار سپاہی تھے۔ خود عماد الملک کے بیٹے خواجہ محمود خاں، خواجہ اسعد خاں، خواجہ مسعود خاں اور حامد خاں اس کے ہمراہ تھے۔ عماد الملک کے محافظ خان خاناں بہادر شاہی کا بیٹا خان زماں منور خاں، قزلباش خاں، فائق خاں جو اس کی سرکار کا دیوان تھا۔ عرب بیگ خاں تورانی مشہور تجربہ کار اور بہادر سپاہی تھا۔ میر یوسف خاں وغیرہ قلب لشکر میں مقرر کئے گئے۔

ایک یادگار جنگ

مختصر یہ کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں نظام الملک مسلمانوں کی خوں ریزی میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مبارز خاں بہادر کی لشکر گاہ دو تین کوس پر تھی آخر وہ وہاں سے سوار ہو کر دشوار گذار نالوں کو عبور کر کے نظام الملک کے لشکر کے مقابل آ گیا۔ دوپہر سے قبل معرکۂ قتال گرم ہو گیا۔ بہادر گھوڑے دوڑانے لگے توپوں کے دہانے آگ برسانے لگے۔ گولہ باری کی گرج سے زمین لرزنے لگی۔ اب میں اس خوں ریز لڑائی کا کیا حال لکھوں ایسی سخت لڑائی کسی بادشاہی مہم میں

بھی دیکھی گئی نہ سُنی گئی۔ ایسی لڑائی کا ذکر تو قدیم زمانہ کے جنگجوؤں کے تذکرہ ہی میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں تیس چالیس نیل سوار نامی گرامی سردار تیر و تفنگ کا نشانہ بن گئے۔ اگر میں اس کی تفصیلات لکھوں تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ نظام الملک کی فوج کے تمام سرداروں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور سے عضد الدولہ عوض خاں بہادر، رعایت خاں اور محمد غوث خاں اور سعد اللہ خاں کے پوتے یعنی حفیظ الدین خاں، حرز اللہ خاں، محمد سید خاں طالب محی الدین خاں اور سید غضنفر خاں وغیرہ نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

باپ بیٹے مقابلہ پر

مقرب خاں عرف خان زماں دکنی کے خاندان کے پوتوں میں مقرب خاں ولد امین خاں بھی شریک جنگ تھا۔ امین خاں اور مقرب خاں دونوں باپ بیٹوں میں پرانی دشمنی تھی۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ سے چند دن پہلے امین خاں فتح جنگ کی فوج سے نکل کر بعض برہان پوری منصب داروں کے ساتھ مبارز خاں عماد الملک کی فوج میں چلا گیا تھا وہ جنگ سے تین چار دن پہلے ہی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ اب باپ بیٹے ایک دوسرے کے مقابلہ پر خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اس وقت مقرب خاں نے جیسی دلیرانہ جنگ کی وہ بیان سے باہر ہے۔ محمد امین خاں جو دشمن سے جا کر مل گیا تھا۔ اگرچہ ایک دوسرے کا سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ مگر عوام میں شہرت یہی ہوئی کہ وہ بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

دکنیوں کا زبردست حملہ

دکنیوں نے نظام الملک کی فوج پر زبردست حملہ کیا تھا اور ان کے مقابلہ پر اکثر سرداروں کے قدم اُکھڑ گئے تھے اور تیرہ چودہ نشان کے ہاتھی فتح جنگ کی فوج سے منہ پھیر کر بھاگ نکلے ان ہاتھیوں کے بھاگنے سے بھیر کے وقت جو فوج کے عقب میں تھے منتشر ہونے لگ گئے تھے۔ اس وقت بھیر کو اپنی جگہ قائم رکھنے میں دیانت خاں دیوان دکن نے بڑی کارگذاری دکھائی حالانکہ ان دنوں وہ فتح جنگ کا معتوب تھا اور بیمار بھی تھا اور اس وقت وہ چنداول کی فوج کی جگہ اپنی برادری کے پچاس ساٹھ سواروں کے ساتھ رہ گیا تھا۔ اس نے بڑی کوشش کرکے بھیر کی بار بردار فوج کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھا۔

نظام الملک کی فتح

لڑائی کا پانسہ جو پلٹا تو عماد الملک کی فوج میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مبارز خاں عماد الملک کے دو بیٹے اسعد خاں

اور مسعود خاں فیل سوار سرداروں کی بڑی تعداد کے ساتھ مارے گئے اور دوسرے دو بیٹے محمود خاں اور حامد اللہ خاں ایک جمعیت کے ساتھ زخمی ہوئے اور گرفتار کر لیے گئے مبارز خاں کی سواری کا فیل بان بھی پے درپے زخم کھا کر گر پڑا اب خود مبارز خاں خون آلودہ کٹتا پٹتا ہوا فیل بانی کر رہا تھا آخر وہ بھی کاری زخموں کے لگنے سے ختم ہو گیا۔ اور نظام الملک فتح جنگ کی فوج میں فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسن سلوک

دوسرے دن باختلاف روایات جب مبارز خاں کے مقتولین کا شمار کیا گیا تو تین ہزار سے زیادہ کا تخمینہ ہوا گرد باری سے میدان جنگ میں اتنے گھوڑے ایک پر ایک ڈھیر ہو گئے تھے کر دو تین بادشاہی لڑائیوں میں ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ فتح جنگ کی فوج سے رعایت خاں جس کے عقد میں فتح جنگ کی چچی تھی اور اس کے حلق میں ایک تیر آکر لگا تھا مارا گیا تھا اس کے علاوہ سلیمان خاں خویشگی بھی کام آگیا۔ سید غضنفر خاں بھی بہت زخمی ہو گیا تھا۔ وہ تین روز بعد وہ بھی مر گیا۔ چند غیر معروف سردار بھی مارے گئے تھے۔ دوسرے بڑے امراء کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ نظام الملک بہادر نے فتح کے بعد مقتولوں کی تکفین و تدفین کرائی اور زخمی اسیروں کی مرہم پٹی اور علاج کا انتظام کرایا۔ جو لوگ اسیر کر لیے گئے، تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اول تو مبارز خاں کے دونوں بیٹے تھے جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس کا ہم زلف دلاور خاں اور اس کا ماموں محمد بیگ خاں تھا۔ دونوں زخمی تھے اور گرفتار کر لیے گئے تھے۔ محمد بیگ خاں کو کاری زخم لگے تھے وہ تین دن بعد بھی فوت ہو گیا۔ عرب بیگ خاں لشکر کا بڑا سردار تھا اور پہلے نظام الملک کے زیر احسان رہ چکا تھا قید ہونے کے دوسرے دن زخموں سے فوت ہو گیا افغان سرداروں میں جن میں سے اکثر حاکم اور کارفرما رہے تھے اور تمن دار امیر تھے قابل ذکر نام غالب خاں حسین منور خاں، کمال خاں دکنی، بہادر خاں، ابراہیم خاں نبی اور عبد الفتاح خاں ولد ارشد عبد النبی خاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صوبہ بیجاپور عرصۂ دراز تک ان کے زیر تصرف رہا تھا۔ ان نامی گرامی فیل سوار سرداروں میں جو مقتول تھے۔ ان کی تعداد دس بارہ سے زائد تھی۔ ان کے علاوہ خان زماں، خان خاناں کا فرزند احسن خاں ولد علی مردان خاں، میر یوسف خاں میر امام کا بیٹا جو توران کے مشہور لوگ تھے اور فائق خاں میر نور اللہ

وغیرہ فیل سوار سردار تھے۔ بہت سے لوگ رہ گئے تھے جن کو اگرچہ کوئی زخم نہیں لگا تھا مگر ان کا مال و اسباب مزید تلف ہو گیا تھا۔ نظام الملک نے ان کے نقصان کی بھی تلافی کردی، جیسے حکیم عزت طلب خاں، قزلباش خاں، میر ابوالفضل خاں اور رضا محمد خاں قمر نگر کا دیوان آقا ابوالحسن سوانح نگار مچھلی بندر وغیرہ جو نامی امراء میں سے بیشتر کے نسخے تھا اور دوا فتح جنگ کی سرکار سے مہیا کی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسی تھی جن کی تیمارداری اور نگہداشت فتح جنگ کی سرکار کا دیوان اعتماد خاں خود کرتا تھا جو نہایت مخیر اور فیض رساں آدمی تھا۔ دکن کے دیوان دیانت خاں نے بھی برباد شدہ آدمیوں کی ایک جماعت کو نقد روپے کی امداد دی اور ان کے لئے دوا وغیرہ مہیا کی۔ مبارز خاں کے بیٹوں کا اور دلاور خاں اور کاظم علی خاں ولد حاجی منصور کا کافی مال و اسباب جن میں جواہرات اور قیمتی کپڑے بھی تھے ضبط کر لیا گیا تھا نظام الملک بہادر نے ان کو یہ سامان واپس دے دینے کا حکم دے دیا۔ اس لڑائی کے بعد نظام الملک نے تین چار مقام کر کے اورنگ آباد کی طرف کوچ کر دیا۔

مبارز خاں کے بیٹے کی بغاوت

قلعہ محمد نگر پر قبضہ

اس اثناء میں حیدرآباد کے سوانح نگار کی طرف سے مسلسل یہ اطلاعات ملتی رہیں کہ حیدرآباد سے متصل محمد نگر کے قلعہ میں مبارز خاں کے بیٹے کی نیابت میں سندل خاں نامی ایک خواجہ سرا قلعدار تھا مبارز خاں کے بیٹے خواجہ احمد خاں نے جو اس جنگ کے زمانہ میں باپ کی طرف سے حیدرآباد میں نائب تھا۔ قلعہ کے ہزاری افسروں سے ساز باز کر کے قلعہ محمد نگر پر قبضہ کر لیا اور سارا مال ومتاع قلعہ میں پہنچا دیا اور قلعہ کا بندوبست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اورنگ آباد پہنچنے کے بعد جب نظام الملک شہر واطراف کے بندوبست کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد کی طرف کوچ کیا۔ اور اواخر ربیع الثانی میں حیدرآباد کے نواح میں پہنچ گیا اور گوشہ محل کے باغ میں لشکر گاہ قائم کر دی اور ہر طرف عمال اور افسر مقرر کر کے نظم ونسق سنبھال لیا۔

شورش اور ہنگامے

مبارز خاں کے بیٹے خواجہ احمد خاں کو اپنے اور مبارز خاں کے تمام وابستگان کے متعلق نظام الملک کی طرف سے بڑا اندیشہ تھا۔ مستحکم قلعہ اور خزانہ اس کے ہاتھ میں تھا اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوتے تھے۔ پھر یہ شہرت بھی ہو گئی تھی کہ دربار سے اس کے نام صوبہ داری اور قلعہ داری کا فرمان صادر ہو چکا ہے۔ غرض اس نے سارے صوبہ میں بڑی شورش برپا کر دی جس کا سلسلہ ایک سال تک رہا اطراف کے زمینداروں قلعہ داروں اور عمال کو اس نے

لکھ دیا تھا کہ نظام الملک کے آدمیوں کو عمل دخل نہ دیں۔ ہر جگہ اس نے قلعہ داروں اور زمینداروں کی مدد کے لئے فوجیں بھی متعین کرادیں پھر ان فسادیوں اور سرکشوں کو جنہیں مبارز خاں نے بڑی کوششوں سے گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر رکھا تھا۔ اس نے مزید فتنہ انگیزی کے لئے قلعہ سے نکال کر چھوڑ دیا۔ ان سرکشوں نے اپنے اپنے محال پر پہنچ کر وہ شورش برپا کی کہ سرکاری عمال معطل ہو کر رہ گئے۔ تحصیل بند ہو گئی اور مسافروں کے لئے راستے بند ہو گئے بعض محالات میں ان مفسدوں نے عہدہ داروں پر حملہ کر کے ہنگامے برپا کئے۔ چنانچہ اسی فساد میں حاجی منصور کا بیٹا کاظم علی خاں جو ایک لائق اور کارگذار نوجوان تھا اور بھونگیر کے علاقے میں فوج داری پر متعین تھا۔ ایک جماعت کے ساتھ مارا گیا۔

آخر نظام الملک نے مبارز خاں کے آدمیوں پر بڑی مہربانیاں کیں۔ ان کو نمایاں اضافے اور موروثی خطابات دیئے۔ چنانچہ خواجہ احمد خاں کو شہامت خاں کا اور خواجہ محمود خاں کو مبارز خاں کا خطاب دیا اور سیر حاصل جاگیریں بھی عطا کیں اور انھوں نے قلعہ کی چابی حوالہ کر دی نظام الملک قلعہ میں داخل ہوا اور اپنے قلعہ دار کو فوج کے ساتھ وہاں متعین کر دیا اور دوسرے تمام مفسدوں کی سرکوبی کے انتظامات کر دیئے۔

حیدرآباد کا نیا صوبہ دار

انہی دنوں جب کہ نظام الملک صوبہ حیدرآباد کے بندوبست میں مشغول تھا۔ دارالخلافہ سے اعزازالدین خاں بہادر نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ نظام الملک نے اس کارگذار بہادر افسر کی آمد کو غنیمت جانا اور حیدرآباد کی صوبہ داری پر اس کو مامور کر دیا۔ اس نے بہت جلد نواح حیدرآباد اور سیکاکل وغیرہ سرکاروں کے باغیوں اور سرکشوں کی اس تعلیمی سے سرکوبی کی اس شوریدہ پشت علاقہ میں کامل امن و امان قائم ہو گیا اور ہر طرف سے محاصل کی اتنی کثیر آمدنی ہونے لگی جو خلد مکاں اور خلد منزل کے عہد میں بھی داخل خزانہ نہیں ہو سکی تھی۔ اگر ہم اس بہادر افسر کے ملکی اور مالی امور میں جو کارنامے ہیں ان کو بیان کرنے میں تو بڑی طوالت ہو گی۔

امن و امان کا قیام

ان سارے قضیوں کے باوجود نظام الملک بہادر فتح جنگ ہمیشہ بادشاہ کا وفادار ہی رہا اس سے کبھی کوئی بے جا حرکت سرزد نہیں ہوئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خاندان تیموریہ کی سلطنت رفتہ اسی کے دم سے دوبارہ قائم ہو سکی تھی۔۔

نظام الملک کی فتح کو دیکھ کر محمد شاہ بادشاہ نے بھی مصلحت وقت کی بنا پر نظام الملک کے لئے

جن سے کبھی کوئی نافرمانی نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھی جواہرات اور آصف خاں کا خطاب بھجوا دیا۔ اب ہر طرف سے خاطر جمع ہونے کے بعد نظام الملک نے سرکشوں کی تنبیہ و تادیب پر پورا زور لگا دیا۔ اور مرہٹوں کی قوت بھی توڑ دی گذشتہ عرصہ میں مرہٹوں کی فتنہ انگیزی بہت بڑھ گئی تھی۔ اب ان کا فتنہ و فساد بڑی حد تک ختم ہوگیا۔ ان دنوں اگرچہ مبارز خاں مرحوم سادات کی قرارداد کے مطابق مرہٹوں کو چوتھ نہیں دیا کرتا تھا۔ مگر جہاں بھی مرہٹے غلبہ اور قابو پالیتے تھے۔ چوتھ سے زیادہ لوٹ مار کرکے لے جاتے تھے اور تمام راستے ان کی تاخت و تاراج سے خطرناک ہو گئے تھے۔

احمد آباد کی تباہی کے عبرت ناک واقعات

اب ہم احمد آباد کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے بعد اس صوبہ میں جو حالات پیش آئے۔ ان سے راقم سطور کما حقہٗ واقف نہیں ہوسکا۔ جو کچھ روایات تواتر و اختلاف کے ساتھ سننے میں آئیں ان کو مختصراً یہاں تحریر کرتا ہوں۔

احمد آباد کی خوش حالی

یہ قدرت کا مقررہ قاعدہ ہے کہ جس سرزمین کے لوگ فسق و فجور میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ ان کے سروں پر ظالم و جابر حکمران مسلط ہو جاتے ہیں۔ جنگ و جدال اور آفات سماوی سے اس سرزمین کے باشندوں کی جان و مال، عزت و آبرو خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ احمد آباد ہندوستان کے ۲۱ صوبوں میں ایک آباد اور بارونق صوبہ تھا۔ وہاں سے لکھوکھا مالیت کا کپڑا اطراف عالم میں خاص طور سے کہ معظمہ ایران و توران جاتا تھا۔ یہاں کی زرخیزی عالمگیر بادشاہ کے عہد تک اس درجہ کی تھی کہ میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پورے صوبہ میں بہت کم ایسے جاگیردار ہوں گے جو خسارہ میں ہوں، وہ سرزمین ہند کا ایسا گوشہ تھا جہاں کے رہنے والے آفات سماوی سے محفوظ تھے اور غلہ و نواکہات کی ارزانی کے سبب آرام چین سے بسر کر رہے تھے۔ مگر یہ دن گذر گئے۔

گذشتہ فسادات کا ذکر

شاہ عالم بادشاہ کے بعد سے ہر سال اس صوبہ میں گرانی بڑھتی گئی اور آبادیاں ویران ہوتی چلی گئیں۔ مرہٹوں کے

تسلط سے اور بھی حالات بگڑ گئے، اور ظلم وستم کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ جب محمد اکبر بادشاہ نے اسی علاقہ پر قبضہ کیا تھا تو یہاں کے اکثر پرگنوں میں تیس چالیس لاکھ روپیہ کی محاصل میں تخفیف دی تھی جو مشروط تھی۔ خان خاناں نے باوجود کم آزاری کے اپنے عہد وزارت میں تخفیف محاصل کی یہ رقوم وصول کی تھیں۔ اور اس وصول یابی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس صوبہ کے تمام پرگنوں میں اس کے علاوہ اور بھی ٹیکس بڑھا دیئے گئے گرانی کی آفت اور حکام کا ظلم اس کے سوا تھا۔ آخر اس صوبہ کے حالات اس قدر بگڑ گئے کہ اس زمانہ میں محاصل کی کمی کے اعتبار سے وہ تمام صوبوں میں سرفہرست ہے۔ جس زمانہ میں ذوالفقار خاں نے داؤد خاں کو احمد آباد کا صوبہ دار بنایا تھا۔ ہولی جلانے پر بڑا ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں۔ ایک گھر کا صحن ہندو اور مسلمان دو خاندانوں کے درمیان مشترک تھا۔ مسلمان نے وہاں ہولی جلانے سے منع کیا مگر ہندو نہیں مانا چنانچہ مسلمان نے بھی حضور اکرمؐ کی فاتحہ کے لئے گائے لاکر وہاں ذبح کی۔ ہندوؤں نے اس مسلمان پر حملہ کر دیا اور قصاب کو اس قدر مارا کہ وہ مر گیا ایک قول کے مطابق اسے ذبح کیا یہ فساد اس قدر بڑھا کہ داؤد خاں کی رعایت کے سبب جو ہمیشہ کافروں کی طرف داری کرتا تھا۔ تمام شہر کے محلوں راستوں بازاروں میں لاکھوں کا مال واسباب جلا دیا گیا۔ بلکہ قاضی کے گھر کا دروازہ تک جلانے کی نوبت آ گئی۔ دو تین دن کے اس فساد میں لاکھوں کا کپڑا اور صحافیوں کے کتب خانے نذر آتش ہو گئے۔ دونوں طرف سے وفد دربار میں استغاثہ کرنے پہنچے اور قطب الملک سید عبداللہ خاں کے دیوان رتن چند نے داؤد خاں کی ارسال کردہ رپورٹ پر جس میں مسلمانوں کو مجرم ٹھیرایا تھا۔ مسلمانوں کے وفد کو جس میں شہر احمد آباد کے اکابرین اور علماء تھے قید کر دیا۔ اس طرح محمد فرخ سیر بادشاہ کے آخر عہد میں حیدر قلی خاں احمد آباد کی صوبہ داری کی نیابت پر مامور ہوا تو اس نے بھی وہاں کے منصب داروں کی جاگیریں ضبط کرنے کے لئے بڑے ستم ڈھائے پھر صفدر علی خاں کی لڑائی کے سلسلہ میں وہاں کے چیدہ اور سربرآوردہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ناحق قتل کرا دیا۔ محمد فرخ سیر کی معزولی کے بعد جو فتنہ و فساد وہاں برپا ہوا تھا وہ ہم لکھ آتے ہیں۔

چھ بھائیوں کا قصہ

بعد میں جب احمد آباد کی صوبہ داری نظام الملک فتح جنگ کے تفویض ہوئی اور حیدر قلی خاں دربار میں واپس جانے لگا

تو اس نے شجاعت علی خاں اور ابراہیم قلی خاں کو احمد آباد میں مقرر کیا اور شجاعت علی خاں کے تیسرے بھائی رستم علی خاں کو بندرگاہ سورت پر نائب بنا دیا۔ ان تینوں بھائیوں کا قصہ یہ ہے کہ جب احمد آباد کا صوبہ دار شجاعت خاں تھا۔ اس کا ایک بخشی محمد کاظم نامی تھا جو بڑا کارگزار بہادر اور صاحب انتظام جمع دار تھا۔ اس کے حالات ہم عہد عالمگیر میں لکھ چکے ہیں۔ اس کے چھ بیٹے تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو بڑا دلیر اور بہادر سمجھتا تھا ان میں سے تین بیٹوں کی قسمت میں تو قتل ہونا لکھا تھا۔ چنانچہ ایک بھائی ابراہیم خاں کی صوبہ داری میں مفسد گراسوں کی جنگ میں مارا گیا۔ دوسرا احمد قلی خاں کی صوبہ داری میں اس نواح کے باغیوں کے ہاتھوں ختم ہوگیا۔ تیسرا سورت کی فوجداری میں اس ضلع کے کافروں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ بقیہ تین بھائیوں کو حیدر قلی خاں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ان کو نمایاں اضافے اور ترقیاں دلوائیں۔ ایک کو شجاعت خاں، دوسرے کو رستم علی خاں اور تیسرے کو ابراہیم علی خاں کے خطابات بھی دلائے اور ان کو احمد آباد اور بندرگاہ کی نیابت پر مامور کرکے دربار میں واپس چلا گیا۔

شجاعت خاں کا قتل

جب نئے صوبہ دار نظام الملک بہادر فتح جنگ کی طرف سے اس کا چچا حامد خاں نائب بن کر آیا تو اس وقت شجاعت علی خاں اپنے بھائی ابراہیم قلی خاں کو شہر میں چھوڑ کر پرگنوں کے بندوبست پر گیا ہوا تھا۔ اسے جب حامد خاں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے واپس جاکر شہر کے دروازے بند کرا دینے کا ارادہ کیا اور حامد خاں کو عمل دخل نہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک دوسری روایت ہے کہ اس نے امان کا قول نامہ لینے کے بعد اطاعت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان تینوں بھائیوں نے ہمیشہ مرہٹہ سرداروں سے جنگ کی تھی اور ان کے مقرر کردہ عمال مرہٹوں کو چوتھ نہیں دیتے تھے۔ اس وقت ان بھائیوں کے خلاف مرہٹوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے صفدر خاں بابی سے ساز باز کرلی۔ صفدر خاں بابی حیدر قلی خاں کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکا تھا۔ اس نے مرہٹوں کے سات آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت اپنے ہمراہ لی اور حامد خاں کے استیصال پر چلا گیا اور حامد خاں کے ذہن نشین کرادیا کہ محمد کاظم کے تینوں بیٹے سرکش اور مخالف ہیں۔ اتفاق کی بات کہ شجاعت خاں اور حامد خاں ایک ہی وقت میں شہر کے دروازہ پر پہنچے حامد خاں کو اندر داخل ہوتا ہوا دیکھ کر شجاعت خاں

گھوڑا بڑھا کر حامد خاں بہادر کے ہاتھی کے سامنے آگیا۔ اب دونوں طرف سے لڑائی چھڑ گئی۔ جس میں شجاعت خاں مارا گیا۔ دوسرا بھائی ابراہیم قلی خاں اپنے گھر میں روپوش ہو گیا۔

"بانھ دیہری" کی رسم

اس صوبہ میں "بانھ دیہری" کی ایک خاص اصطلاح بولی جاتی تھی۔ یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مقدمات خاص طور سے مالی تصفیوں میں واسطہ بن کر ملزم کو حاکم کے سامنے حاضر کر دیتا تھا اور اس کا ضامن بن جاتا تھا۔ "بانھ دیہری" کا لفظی مفہوم بھی "بانھ" یعنی بانہ پکڑ کر حاضر کر دینا ہے۔ صفدر خاں بابی حیدر قلی خاں کی دشمنی میں ان بھائیوں سے بھی نزاع رکھتا تھا۔......

.... مگر اس وقت وہ دکھاوے کے لئے طرفین یعنی حامد خاں اور ابراہیم قلی خاں میں واسطہ اور ابراہیم کا "بانھ دیہری" بن گیا۔ ابراہیم قلی خاں نے اس پر اعتماد کیا اور ایک دوسرے معتبر جمعدار کو بھی جو احمد آباد میں سکونت پذیر تھا اور اب حامد خاں کی ملازمت میں چلا گیا تھا۔ درمیان میں اٹھ کر اسی کی "بانھ دیہری" میں حامد خاں کے پاس چلا گیا اور اس سے ملاقات کی۔ حامد خاں نے اسے خلعت اور جیغہ دیا اور تسلی ملاسا دے کر رخصت کر دیا۔ مگر ہفتہ بھر بعد ہی صفدر خاں کے بہکانے اور دوسرے دراندازوں کی فتنہ پردازی کی وجہ سے حامد خاں امان کے قول سے پھر گیا اور طے کر لیا کہ ابراہیم قلی خاں کو بلا کر قید کر دے، بلکہ اس کا قصہ ہی پاک کر دے مگر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ بہت جلد یہ راز طشت از بام ہو گیا۔ اس جمعدار کو جس نے بیچ میں پڑ کر ابراہیم قلی خاں کو حامد خاں کے پاس حاضر کیا تھا۔ حامد خاں کے ان مشوروں کی خبر لگ گئی اور وہ رات گذرنے پر ابراہیم قلی خاں کے پاس پہنچا اور اسے خبردار کر دیا اور اس سے کہا۔ اگر تم یہاں سے نکل چلو تو میں تمھارا رفیق رہوں گا اور تم کو محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا۔ مگر ابراہیم قلی خاں اس طرح فرار ہونے کی ذلت پر آمادہ نہیں ہوا اور عزت و ناموس اور غیرت نے اسے شہر سے نکلنے نہیں دیا اور تن بہ تقدیر سفر آخرت کے لئے تیار ہو گیا۔

ابراہیم قلی خاں کی جرأت و ہلاکت

حامد خاں بہادر کے سزاول اور گماشتے اس کو رے جانے کے لئے چکر لگانے لگے۔ آخر اس

نے غسل شہادت کیا اور گھر والوں سے بیگانہ ہوگیا۔ وہ سب کو وداع کہا اور تیس آدمیوں اور ایک قول کے مطابق چالیس آدمیوں کے ساتھ جو اس روز بے کسی میں اس کے رفیق تھے گھر سے روانہ ہوگیا۔ وہ جمعدار بھی جو اس کا "ہاتھ دہری" بنا تھا۔ سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوگیا۔ جب وہ دارالامارت کے دروازہ پر پہنچا تو بے باکانہ اندر داخل ہونے لگا۔ مگر جمعداروں اور دروازہ پر متعینہ جمعیت نے اسے روک دیا اور کہا ہتھیار اتار کر دو تین آدمیوں کے ساتھ اندر آؤ۔ ابراہیم قلی خاں نے غضب ناک ہوکر تلوار کھینچ لی اور چند آدمیوں کو وہیں ڈھیر کردیا اور بعض کو زخمی کردیا اور مستانہ وار اندر گھس گیا۔ حامد خاں اس زور زبردستی کو دیکھ کر دیوان خانہ سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔ ابراہیم قلی خاں اپنی جماعت کو لئے ہوئے دیوانوں کی طرح تلوار چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھی مارے گئے اور زخمی ہوگئے آخر وہ ایک بڑی تعداد کو کاٹتے اور زخمی کرتے ہوئے محل کے اندر داخل ہوگیا اور حامد خاں کو تلاش کرنے لگا۔ اطراف سے اس پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں، اور اینٹ پتھر پھینکے جا رہے تھے۔ چنانچہ وہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ اس کا سر کاٹ کر اس کی لاش اور بریدہ سر کو جدا جدا شہر کے دروازوں پر آویزاں کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کے گھر والوں اور فرزندوں پر جو کچھ بیتی اختلاف روایات کی وجہ سے ہم اسے یہاں نہیں لکھنا چاہتے۔

رستم علی خاں کی فوج کشی

جب دونوں بھائیوں کے مارے جانے کی خبر تیسرے بھائی رستم علی خاں کو جو بندرگاہ سورت کا نائب تھا، ملی تو اس نے بھائیوں کے خون کا انتقام لینے کی قسم کھائی، اور بندرگاہ سورت سے روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر اس کو ایک مشکل تھی۔ کوئی ایک سال سے بندرگاہ کے نواح میں ایک مرہٹہ سردار پیلوجی دس گیارہ ہزار سوار لے کر تاخت و تاراج کرتا پھر رہا تھا اور چوتھ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کی فتنہ انگیزی کے سبب رستم علی خاں درحقیقت پوری طرح اپنے علاقہ کا عمل دخل حاصل نہیں کر سکا تھا۔ بارہا اس سے رستم علی خاں کی لڑائیاں اور مقابلے ہوئے۔ اب مصلحت وقت کے خیال سے رستم علی خاں نے پیلوجی سے وعدہ وعید کرکے مصالحت کرلی اور اس مہم میں اسے بھی اپنا رفیق بنا لیا۔ مرہٹے تو ایسے موقع کی تلاش میں ہی رہتے تھے کیونکہ چت ہو یا پٹ، ہر حال میں ان کا بھلا رہتا تھا۔ پیلوجی اپنی فوج کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوگیا۔ حامد خاں بہادر کو جب رستم علی خاں کی اس حرکت

کی اطلاع ملی تو اس نے بھی فوج تیار کرلی کہتے (لکھتے) ہیں کہ مرہٹہ سردار بارہ ہزار سواروں کے ساتھ حامد خاں کے ساتھ ہو گئے اور حامد خاں ایک عمدہ توپ خانہ لے کر آگے بڑھا۔

مرہٹوں کی غداری اور لوٹ مار

دونوں فوجوں کا مقابلہ دریائے تہی کے کنارہ ہوا۔ دونوں طرف سے کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ اس دن حامد خاں کی فوج کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ اس کا لاؤ لشکر خیمہ خرگاہ تاراج ہو گیا۔ حامد خاں موقع کی نزاکت کو دیکھ کر میدان سے ہٹ گیا۔ اور رستم علی خاں کی فوج نے فتح کے شادیانے بجادیے۔ حامد خاں نے میدان جنگ سے ایک دو کوس پر جاکر اپنا خیمہ لگوادیا۔ دوسرے دن حامد خاں دوبارہ اپنی فوج لے کر میدان میں مقابلہ پر آگیا۔ مشہور ہے کہ اس نے اس اثناء میں پیلوجی کو جو رستم علی خاں کی طرف سے دل میں دشمنی اور بغض رکھتا تھا توڑ لیا تھا۔ اس طرف سے رستم علی خاں بھی بڑھا، حالانکہ اس کے کافی آدمی مارے گئے تھے اور زخمی ہو چکے تھے۔ عین اس وقت پیلوجی کی فوج نے رستم علی خاں کے بہیر (بار برداری) پر عقب سے حملہ کردیا۔ دونوں طرف سے رستم علی خاں کی فوج گھر گئی اور اسے شکست فاش ہوئی اور رستم علی خاں بھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔
اس لڑائی کے دوران میں چند دن تک مرہٹوں کی خوب بن آئی۔ چنانچہ انھوں نے احمد آباد کے بازاروں اور دکانوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار اور طرفین کی لڑائی میں پرگنوں پر خاص طور سے پرگنہ بڑودہ پر جو کچھ گذری اس کو لکھتے ہوئے خون کے آنسو رونا پڑیں گے۔ جب محمد شاہ بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے سربلند خاں کو احمد آباد کی صوبہ داری پر مقرر کردیا اور حامد خاں بہادر کو آصف جاہ نے اپنے پاس بلالیا۔

صوبہ احمد آباد کی تباہی

سربلند خاں سات آٹھ ہزار سواروں کی عمدہ فوج اور ایک بڑا توپ خانہ لے کر آیا تھا اس کی فوج میں کافی تجربہ کار اور جنگجو آدمی تھے مگر اس وقت صوبہ کے تمام پرگنوں میں سرکشوں اور باغیوں کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں اس لئے وہ ملک کا بندوبست اور مرہٹوں کی سرکوبی نہ کرسکا۔ روز بروز مرہٹوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ غلہ کے نرخ بہت چڑھ گئے تھے۔ سربلند خاں صوبہ دار کی یہ حالت تھی کہ وہ شہر میں محصوروں کی طرح بیٹھا ہوا تھا اس کے لئے بجز اس کے کہ بلوائیوں اور لٹیروں کی وارداتوں سے چشم پوشی کرتا رہے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ تیس ہزار مرہٹہ سوار جمع ہو گئے تھے اور شہر کے

دروازے تک تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔ سارے پرگنے ان کی لوٹ مار سے ویران ہو گئے۔ تجارت اور کاروبار کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بیوپاری اہل حرفہ وغیرہ شہروں سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ تاجروں پر تو ان دنوں مصائب نے ہجوم کر رکھا تھا۔ علاوہ لوٹ مار کے ایک اور آفت فوج کے سپاہیوں کی تھی۔ سربلند خاں نے جو کچھ خزانہ جمع کر رکھا تھا وہ ضروری اور غیر ضروری مصارف میں خالی ہو گیا۔ اب فوج کی تنخواہیں دینا بھی محال ہو گیا۔ جمع داروں کی جمائتیں اتنی بڑھ گئیں کہ وہ صوبہ دار سے جھگڑتے اور شوخی کرنے لگے۔ معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ جمعدار آتے تھے اور تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں اپنی اور اپنی جمیعت کی تنخواہوں کی رقم کا پروانہ ادائیگی تاجروں اور صرافوں کے نام زبردستی لکھوا لیتے تھے۔ جس تاجر یا صراف کے نام وہ پروانہ لکھوا لاتے اسے قید کر کے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی رقم وصول کر لیتے تھے۔ جسے وہ غریب سرکار کے نام قرض کے کھاتے میں لکھ لیتا اور جس کی واپسی کی اسے کوئی توقع نہیں رہتی۔ بیرنگر کا پرگنہ بڑا آباد قصبہ تھا۔ وہاں مشہور ناگر قوم جو لاکھوں کا لین دین کرتی تھی۔ اسی جگہ آباد تھی۔ یہ قصبہ پورے ہندوستان میں مال و اسباب زر و نقد کے لحاظ سے اول درجہ کا تجارتی مرکز تھا۔ مرہٹوں نے اس کو تاخت و تاراج کر کے پامال کر دیا۔ صوبہ دار ان کی مدد پر پہنچ نہ سکے۔ آخر وہ بالکل ویرانہ کھنڈر رہ گیا۔ ان حالات کی جب محمد شاہ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے سربلند خاں کی جگہ ڈونگر سنگھ کو احمد آباد کا صوبہ دار بنا دیا۔ ڈونگر سنگھ کے پہنچنے کے بعد سربلند خاں اس کو عمل دخل دینا نہیں چاہتا تھا اور اس سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر وہ ایسا کر نہ سکا اور وہاں سے وہ ایسا فرار اور روپوش ہوا کہ کچھ عرصہ تک اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ غرض وہ دربار میں واپس نہیں گیا اور بادشاہ کا معتوب ہی رہا۔ غرض یہ زرخیز صوبہ جہاں غلہ اور اجناس کی بہتات تھی۔ قسم قسم کا بیش قیمت کپڑا تیار ہوتا تھا جسے تاجر ملک ملک بادشاہوں کے تحفے میں لے جاتے تھے اور صحیح معنوں میں وہ ہندوستان کی ناک تھا۔ جس سے ہر جگہ ہندوستان والوں کی عزت ملک بھر قائم تھی اس طرح ویران و برباد ہوا کہ سارے تاجر اور اہل حرفہ جلا وطن ہو گئے۔ موروثی گھر لٹنے اجڑ گئے۔ پھر آگے چل کر اللہ نے اس کے دن پھیرے اور اس علاقہ پر نظام الملک بہادر فتح جنگ آصف جاہ کا سایہ پڑا اور رفتہ رفتہ اس صوبہ کی آبادی اور آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دکن میں آصف جاہ نظام الملک کا بندوبست

اب ہم کچھ ذکر اس بندوبست کا کرتے ہیں جو آصف جاہ نے دوبارہ دکن پر قبضہ کرنے کے بعد انجام دیا تھا۔ دکن میں جگہ جگہ حربی کافروں کے گروہ بنے ہوئے تھے۔ جیسے واکنکیرا کا مفسد زمیندار جس کے قلعہ کو فتح کرنے میں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو بڑی زحمتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ اسی طرح توجہ کے تواحات میں کو آں کے پرگنوں میں ایلکندل کی سرکار میں متمرد کوہ نشیں زمیندار تھے۔ ان کی سرکشی کی وجہ سے بیشتر علاقوں میں سرکاری بندوبست قائم نہیں رہ سکا تھا۔ نظام الملک نے ایسے تمام فتنہ پرداز زمینداروں کی قرار واقعی تنبیہ وتادیب کی اور مختصر سی مدت میں ان تمام علاقوں پر قبضہ کرکے امن وامان بحال کردیا۔ چنانچہ سابقہ صوبیداروں کے برخلاف آصف جاہ کے عہد میں راستے پُرامن رہے۔ نہ تو مرہٹوں کو جرأت ہوتی تھی کہ مسافروں کو تنگ کریں، نہ زمیندار ظلم و زیادتی کر پاتے تھے۔ ایک اور مصیبت چوتھ کی تھی۔ مرہٹے ایک طرف تو جاگیرداروں سے زبردستی چوتھ وصول کرتے تھے۔ پھر رعیت سے "سردیسمکھی" کے عنوان سے دس فی صد ٹیکس بھی لیتے تھے جس کی وصولی کے لئے مرہٹوں کے کمائش دار بادشاہی تحصیل داروں کی طرح ہر جگہ مقرر تھے۔ اب یہ بدمعاشی شروع کردی تھی کہ جلدی جلدی ہر فصل ہر ماہ یہ کمائش دار تبدیل ہوتے رہتے تھے اور ہر نیا کمائش دار ازسرنو وصول یابی شروع کردیتا تھا۔ ان کمائش داروں کے مطالبے اتنے زیادہ اور سخت ہوتے تھے کہ رعیت ان کو پورا نہیں کرسکتی تھی اور آئے دن رعیت کو اور جاگیرداروں کے عمال کو ان کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑتا تھا۔

آصف جاہ نے وقتی طور پر یہ تجویز کیا کہ پورے صوبہ حیدرآباد سے چوتھ دینے کے بجائے سرکاری خزانہ سے یک مشت رقم کمائش داروں کو دیدی جائے اور سردیسکھی کے دس فی صد محصول کی بھی رعیت کو معاف دیدی اس طرح مرہٹوں کا رعیت سے براہ راست واسطہ نہیں رہا اور چوتھ لینے والے کمائش دار اور سردیسمکھی اور راہداری وصول کرنے والے گماشتے جو مسافروں تاجروں اور رعایا کے لئے وبال جان بنے ہوئے تھے۔ درمیان سے ہٹ گئے۔

جلوس کے چودھویں سال تک کے واقعات

وزارت و وکالت پر تقرر

اب ہم دربار کے کچھ حالات لکھتے ہیں بادشاہ نے وزارت کی خلعت اور قلم دان آصف جاہ کی جگہ قمرالدین خاں بہادر کو دیدی تھی۔ اور آصف جاہ کو وکالت کے عہدہ پر مامور کر کے فرمان خلعت ہاتھی اور جواہرات وغیرہ دکن روانہ کر دیئے تھے۔

محمد شاہ کی اولاد

محل شاہی میں اس عرصہ میں دو تین نرینہ اولادیں ضرور ہوئی تھیں۔ مگر یہ بچے زندگی نہ پا سکے اور فوت ہو گئے۔ آخر محمد فرخ سیر کی بیٹی کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا اس کا نام احمد شاہ رکھا گیا اور بادشاہ نے اس خوشی میں بہت بڑا جشن منعقد کیا۔

میر آتش نذر آتش

حیدر قلی خاں میر آتش طبعاً ظلم و ستم کی طرف مائل تھا۔ نہ معلوم کس ستم رسیدہ کی آہ پرسوز تھی کہ ایک رات وہ اپنی بیوی کے ساتھ خس خانہ میں سو رہا تھا کہ خس خانہ میں آگ لگ گئی اس کی بیوی نیم سوختہ بچ کر نکل گئی مگر وہ خود اس بُری طرح جل گیا کہ بڑے علاج معالجہ کے بعد بھی جی نہ سکا۔ جس نے ہزاروں کو اپنی آتش باری سے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ قدرت کا تماشہ دیکھو وہ خود اسی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

باپ کو قتل کر دیا

صوبہ اجمیر سے اطلاع ملی کہ راجہ اجیت سنگھ کے لڑکا ٹوڈگر سنگھ موقع پا کر اپنے باپ کی خواب گاہ میں گھس گیا اور جھڑکا وار

کر کے اپ کو ہلاک کر دیا۔ راجہ جے سنگھ کو بھی ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت کم عمر تھا اس کے علاوہ وہ اپنے بھانجے سے بھی جو بدھ سنگھ وطن دار بوندی کا بیٹا تھا۔ خائف رہتا تھا جس کی عمر ابھی آٹھ سال سے بھی زائد نہ تھی آخر اس نے دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

جعفر خاں کی وفات

جعفر خاں عرف محمد ہادی جو کچھ عرصہ تک مرشد قلی خاں کے خطاب سے بھی منسوب رہا اس کی تربیت و ترقی امانت خاں خوافی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ امانت اور دیانت داری کی صفات کے علاوہ اس میں اور بھی عمدہ اوصاف تھے۔ یہ اس کی نیک نیتی اور اپنے آقا کے ساتھ وفاداری کا جذبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑے مرتبہ پر پہنچایا۔ چنانچہ وہ ایک قرن تک بڑی عزت و آبرو کے ساتھ بنگالہ جیسے وسیع اور زرخیز علاقہ پر صوبہ دار رہا اور نیک نامی کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد فوت ہوگیا۔ اس کے انتقال سے محمد شاہ بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔ بادشاہ نے بنگالہ کی صوبہ داری پر اس کے داماد شجاع الدین خاں کو اضافہ و خلعت اور عطیات دے کے رخصت کر دیا۔

مالوہ کی صوبہ داری بھی دیا بہادر کو ہٹا کر محمد خاں بنگش کو اضافہ و ترقی اور گھوڑے ہاتھی کے اعزاز کے ساتھ دی گئی۔

ایران میں افغانوں اور رومیوں کا تسلّط

اس سے پہلے ہم ایران کے حالات لکھ آئے ہیں کہ اصفہان' شاہ ایران کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور سلطان حسین بھی آخر فوت ہو گیا۔ افغانوں نے لاکھوں آدمیوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ افغانوں کے حملوں سے غلہ کی گرانی قحط اور وباؤں کا شکار ہو کر یہ محصورین ہلاک ہو گئے اور شامت اعمال کا شکار ہوئے۔ ان واقعات کی اب ہم تفصیل بیان کرتے ہیں۔

شاہزادہ طہماسپ کا فرار

اصفہان کے محاصرہ کے دوران سلطان حسین مرحوم کا بیٹا شاہ طہماسپ "قلعہ کے ایک نابدان سے چند آدمیوں کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا تھا۔ وہ اپنے ننھیال گرجستان چلا گیا "تاکہ وہاں سے دشمن کے خلاف کمک لے آئے۔ گرجستان رومیوں' عیسائیوں کا علاقہ تھا۔ جس زمانہ میں گرجستانی یورپ والوں سے لڑ رہے تھے۔ سلطان حسین نے ان کی بڑی مدد کی تھی۔ شاہزادہ طہماسپ نے اب جوان سے فوجی امداد طلب کی تو انھوں نے افغانوں کے خلاف فوجیں روانہ کر دیں۔ لیکن اس سے طہماسپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ لڑائی کے بعد رومی فوجوں نے جتنے سیر حاصل علاقے شہر اور بندرگاہیں افغانوں سے چھین لی تھیں۔ ان پر خود قابض ہو کر بیٹھ گئے اور افغانوں سے زیادہ ملک کے مدعی بن بیٹھے۔ اب یہ صورت تھی کہ ایران کے جملہ صوبہ جات میں سے صرف تین چار صوبے ایسے رہ گئے تھے۔ جن پر افغان اور رومی قابض نہیں ہو سکے

تھے باقی سارا ملک ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ خراسان کے حاکم نشین دو شہر تھے۔ ایک ہرات دوسرا مشہد مقدس اور افغانوں کی یہ شورش اسی پایۂ تخت ہرات سے اٹھی تھی۔

حاکم مشہد کی پامردی

مشہد مقدس کے حاکم نے جس کا نام اختلاف روایت سے شاہ قلی خاں سننے میں آیا ہے۔ بڑی پامردی سے افغانوں کی مقاومت کی تھی۔ افغانوں کی شورش کے زمانہ میں محمود خاں (افغان) بارہا فوجیں لے کر مشہد کی تسخیر کے لئے آیا مگر وہاں کے حاکم شاہ قلی کی کوششوں سے وہ قبضہ نہ کر سکا۔ بعد میں جب محمود خاں فوت ہوگیا تو اشرف نامی جو باختلاف قول اس کا بھانجہ ہوتا تھا۔ محمود خاں کی جگہ اصفہان میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی متعدد مرتبہ مشہد پر فوجیں بھیجیں، مگر اسے بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر خود اشرف ۲۵ ہزار جرار سواروں کا لشکر لے کر نکلا۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار باربرداری کے اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر ایک برقنداز اور تیر انداز سوار تھا وہ اس لشکر کو لے کر مشہد مقدس پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

شاہزادہ طہماسپ کی دشت نوردی

اس وقت شاہزادہ طہماسپ سات آٹھ سال سے زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا سرگرداں پھر رہا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں ٹھٹھہ بھی آیا تھا اور محمد شاہ نے اس پر عنایت و مہربانی بھی کی تھی پھر وہ وہاں سے لوٹ گیا تھا۔ اسی اثناء میں محمود خاں فوت ہوگیا اور مشہد کے حاکم کے قدم جم گئے۔ جب یہ خبریں مشہور ہوئیں تو گرجستان کے اکثر تمن دار اور قزل باشوں کی ایک فوج اور بعض صحرانشین جنگجو قبیلے شاہزادہ طہماسپ کے پاس جمع ہوگئے اور قریب قریب دس بارہ ہزار سوار فوج بن گئی جن میں گرجستان کے جنگجو قبائل کی اکثریت تھی۔

امام علی رضا کا مزار

اس زمانہ میں حضرت امام علی رضا کے مزار کا خزانہ بہت مالا مال تھا دنیا بھر کے ملکوں سے جو نقد روپیہ طلائی اور نقرئی سامان درگاہ پر چڑھاوے اور نذرانوں میں آتا رہتا تھا وہ آٹھ نو سو سال سے سی طرح محفوظ اور جمع تھا۔ ان کے علاوہ مشہد کے اطراف کے پرگنوں کا محصول بھی

ایران کے بادشاہوں نے اس مزار کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان محاصل کی بھی ہر سال کافی رقم جمع ہوتی تھی۔ اس میں سے مزار پر روشنی وغیرہ اور مختصر سی فوج کے اخراجات کے علاوہ کچھ اور خرچ نہیں ہوتا تھا۔ ایران کے معتبر راویوں اور اس درگاہ کے خادموں اور جاروب کشوں سے یہی سننے میں آیا تھا کہ مزار کے خزانہ میں جو مال اور نقدی جمع تھی وہ حساب و شمار سے باہر تھی۔ اہل ایران کا عقیدہ یہ ہے کہ امام علی رضا کی بشارت کے مطابق یہ خزانہ اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے خروج تک جمع رہے گا۔ اور اسے امام مہدی آخرالزماں ہی صرف فرمائیں گے۔ البتہ تانبہ کے سکے اور پہننے کے کپڑے خادموں اور جاروب کشوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ جو کچھ مسکوک و غیر مسکوک سونا چاندی اور جواہرات جن کی مالیت لاکھوں تک ہوتی تھی۔ وہ حضرت امام مہدی کی امانت سمجھے جاتے تھے۔ اور ان میں تصرف نہیں کیا جاتا تھا۔ ایران کا سابق بادشاہ اس درگاہ کا متولی بن گیا تھا۔ قندھار کی مہم میں اسے جب بھی رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ باقاعدہ حضرت امام علی رضا کے نام قرض کی درخواست لکھتا تھا اور درگاہ فیض آثار سے جب یہ درخواست امام مغفور کے دستخطوں کے ساتھ برآمد ہوتی تھی تو حسب ضرورت رقم لے کر پھر اسے واپس خزانہ میں جمع کرا دیتا تھا۔ کسی اور کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہاں سے دام درم بھی اٹھائے۔ افغانوں کی شورش کے آغاز میں قزلباشوں میں سے ایک بدکردار امیر افغانوں کی مہم پر مامور ہو کر مشہد آیا تھا۔ اس نے امام کی اجازت اور خدام کی ممانعت کے باوجود سات آٹھ ہزار تومان امام کے خزانہ خاص سے نکلوا کر اپنے تصرف میں لے لیے آخر وہ افغانوں کی تاخت و تاراج میں تباہ و برباد ہو گیا اور جان سے بھی گیا۔

زرہ مبارک اور زمردین کمان

اس زمانہ میں جب کہ صفوی خاندان کا آفتاب دوبارہ گہن سے نکلنے لگا تھا تو شاہ قلی خان حاکم مشہد نے شاہ طہماسپ کی نیابت میں بڑے خلوص و عقیدت کے ساتھ امام کے خزانہ سے قرض کی درخواست کی روپیہ کے علاوہ اس نے "زمردین" نامی ایک کمان اور زرہ مبارک کی بھی استدعا کی۔ اس نے صدق نیت کے ساتھ روزہ رکھا اور تین رات تین دن تک الحاح و زاری کرتے ہوئے اس درگاہ پر معتکف رہا۔ آخر وہ سبز کمان اور

درخواست پر منظوری کے دستخط مزار سے برآمد ہو گئے اور اس نے خزانہ سے تیس چالیس ہزار تومان نکلوائے اور مشہور قول کے مطابق اسی رقم سے فوج تیار کی اور شاہزادہ کے پاس پہنچ گیا۔

شاہزادہ طہماسپ کی فتح اور تخت نشینی

شاہزادہ طہماسپ اپنی فوج کو لے کر اشرف افغان کے مقابلہ پر نکلا اور دونوں کے درمیان بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ گرجستان کے سردار اور قزلباش افغانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ انہوں نے پہلے ہی حملہ میں چار پانچ ہزار افغانوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اشرف خود قلب لشکر سے نکل کر شاہ طہماسپ کی فوج پر حملہ آور ہوا تھا۔ اسی معرکہ میں وہ مارا گیا۔ اس کی لاش بڑی تلاش کے بعد افغانوں کی ہزاروں لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ اس فتح کے بعد شاہزادہ مشہد میں داخل ہوا اور مزار کا طواف و زیارت کی۔ وہاں کے خدام کو کافی رقم عطا کی اور شہر و اطراف و نواح کا بندوبست و انتظام کیا۔ مشہد کے تاجروں نے بھی قرض اور نیاز کے طور پر اس مہم میں مالی مدد دی تھی۔ شاہزادہ نے ان تاجروں اور مال گذار رعایا کی تسلی و اطمینان کے سامان کر دیئے اور وہاں سے اصفہان کی طرف کوچ کر دیا۔ اصفہان میں اشرف کا نائب مقابلہ کی ہمت نہ کر سکا اور شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اصفہان میں داخل ہونے کے بعد نئے بادشاہ طہماسپ نے افغانوں اور رومی فوجوں کے اخراج کے لئے فوجیں متعین کیں اور ملک کو ان کے وجود سے پاک کر کے آٹھ نو سال بعد اپنے موروثی ملک کے تخت پر جلوس کیا۔

یہاں تک ہم نے محمد شاہ بادشاہ کے جلوس کے چودھویں سال تک کے حالات تحریر کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بشرط حیات و فرصت زمانہ کے مزید انقلابات کو قلم بند کیا جائے گا۔

تتمہ منتخب اللباب

محمد شاہ بادشاہ کے آخر عہد کے حالات

مرہٹوں کی شمال کی طرف پیش قدمی احمد شاہ ابدالی کی فوج کشی اور نادر شاہ کے حملہ کے واقعات اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم ان کو مختصراً یہاں تحریر کر رہے ہیں تاکہ جن واقعات کو خافی خاں نہیں لکھ سکا ان کا ایک اجمالی نقشہ ناظرین کے سامنے آجائے۔

مرہٹوں کا شمالی صوبوں پر حملہ

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اعظم شاہ (فرزند عالمگیر بادشاہ) نے ساہوجی مرہٹہ کو بادشاہی قید سے رہا کر دیا تھا۔ اس کا مرکزی مقام قلعہ ستارہ تھا۔ مرہٹوں کا دوسرا مرکز کولاپور تھا۔ یہاں راجہ رام کا بیٹا سنبھا دوم راج گدی پر قابض تھا۔ ستارہ اور کولاپور کے مرہٹہ رجواڑے ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ آصف جاہ نظام الملک نہایت مدبر اور میدان سیاست کا شہسوار تھا۔ اس نے ساہو کا زور توڑنے کے لئے سنبھا دوم کی پشت پناہی کی۔ اب ساہو کا گروہ نظام الملک کی تدبیر سے کمزور ہو گیا تھا۔ دوسری طرف سنبھا دوم کے گروہ کو نظام الملک نے زیادہ طاقت ور بننے نہیں دیا۔ اس طرح دکن میں مجموعی طور پر مرہٹوں کا زور ٹوٹ گیا۔ مگر تقدیر کے کھیل بھی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ ساہو کو ایک شاطر آدمی وزارت کے لئے مل گیا۔ اس کا نام بالاجی وسوا ناتھ تھا۔ سیواجی کے عہد سے پیشوا کا ایک عہدہ مقرر تھا۔ جو راجہ کا نائب وزیر اور مدار المہام سمجھا جاتا تھا۔ بالاجی وسوا ناتھ جب پیشوا بنا تو اس نے پیشوا خاندان کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی۔ بہت جلد اس نے اپنے حسن انتظام اور چال بازی سے کام لے کر سنبھا دوم کے حامیوں کو اس سے توڑ لیا اور ساہو کا اطاعت گذار بنا دیا اور سارے مقبوضہ علاقوں کا نہایت عمدگی سے بندوبست کر کے شہر پونا کو بڑی رونق دی۔ یہی شہر آگے چل کر اس کے جانشینوں کا

مرکز بن گیا سنہ ۱۷۱۸ء میں بالاجی سید حسین علی خاں کے ساتھ دکن سے دہلی گیا تھا۔ اُس نے فرخ سیر سے اور بعد میں سنہ ۱۷۱۹ء میں محمد شاہ بادشاہ سے مرہٹوں کے لئے باقاعدہ ایک عہدنامہ حاصل کر لیا جس کی رو سے طے پایا کہ سیواجی کی وفات کے وقت تک کا جو علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا وہ ان کو دے دیا جائے اور دکن کے چھ بادشاہی صوبوں سے چوتھ اور سردیسکھی وصول کرنے کا حق ان کو ملے اس کے عوض ساہو نے اطاعت کا اور دس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے کا اقرار کیا۔ بالاجی چونکہ برہمن تھا اس لئے اس کے زیر سایہ برہمنوں کا بڑا اثر و رسوخ پیدا ہو گیا۔ بالاجی کے بعد اس کا بیٹا باجے راؤ جانشین ہوا۔ یہ اپنی صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا اس نے راجہ ساہو کو اور مرہٹوں کو شمالی صوبوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا۔ گجرات اور مالوہ میں بادشاہی صوبہ داروں کی باہمی رقابت اور سازشوں کی وجہ سے مرہٹوں کو دخیل ہونے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۶ء میں راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے اشارہ سے مالوہ کی صوبہ داری پر باجے راؤ کو مقرر کر دیا۔ مالوہ اور گجرات قبضہ میں آجانے کے بعد مرہٹوں نے آگے قدم نکالے اور ان کی تاخت و تاراج کا سلسلہ الٰہ آباد اور اکبر آباد کے صوبوں تک وسیع ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں گوالیار تک کا سارا علاقہ ان کی عملداری میں شامل ہو گیا۔ شوال سنہ ۱۱۴۸ھ میں مرہٹوں نے قصبہ سانبھر کو، جو شاہجہاں آباد سے زیادہ دور نہیں، حملہ کر کے لوٹ لیا۔

اس دوران میں نظام الملک آصف جاہ کے دربار سے تعلقات کشیدہ تھے وہ دکن میں سامانوں کے قدم مضبوط کرنے میں مشغول تھا۔ یہاں دربار میں ایسا کوئی امیر نہ تھا جو نظام الملک کی طرح مرہٹوں کا حریف بن سکے اس لئے مرہٹے بغیر کسی رکاوٹ کے شمالی صوبوں میں دندناتے پھر رہے تھے۔ باجے راؤ خود ایک مرد شاطر تھا اسے دو بڑے لڑاکا سپہ سالار ہولکر اور سندھیا مل گئے تھے۔ ان کی سرکردگی میں مرہٹے منہ زور گھوڑوں کی طرح جدھر منہ اٹھا چلے آئے تھے۔ مرہٹوں کی آندھی کو روکنے کے لئے محمد شاہ بادشاہ نے ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۱۴۹ھ کو امیر الامرا صمصام الدولہ کو تیس چالیس ہزار سوار اور بھاری توپ خانہ دے کر نامزد کیا۔ مگر آپس کی نااتفاقی کے سبب وہ کچھ نہ کر سکا اور یہ لشکر شاہجہاں آباد واپس آ گیا۔ مگر اس سال برہان الملک سعادت خاں بہادر جنگ نے جو

اودھ کا صوبہ دار تھا اعتماد پور کے قریب مرہٹوں کے سردار ملہار راؤ اور ہلکر کو بری طرح شکست دے کر بھگا دیا۔ امیر الامراء صمصام الدولہ کو برہان الملک کی اس فتح سے بڑی غیرت آئی اور بادشاہ سے اجازت لے کر دوبارہ دہلی سے نکلا اور دریائے چنبل کے قریب برہان الملک سے جا کر مل گیا۔ برہان الملک امیر الامراء کے انتظار میں مرہٹوں کے تعاقب سے رُک گیا۔ مرہٹوں کو چھ سات دن کی مہلت مل گئی اور باجی راؤ ایک جرار لشکر لے کر دھاوے مارتا ہوا سیدھا شاہجہاں آباد پہنچ گیا اس وقت دارالسلطنت فوجوں سے خالی پڑا تھا جس دن مرہٹے دہلی کے قریب پہنچے ہیں۔ وہاں کالکا کا میلہ لگا ہوا تھا جسے انھوں نے جی بھر کر لوٹا۔ بہت سے ہندو مسلمان مارے گئے۔ میلے سے زخمیوں کی ٹولیاں فریاد کرتی ہوئی شہر پہنچیں تو بے خبر بادشاہ کو پتہ چلا کہ غنیم سر پر آ پہنچا ہے بادشاہ کے حکم سے دس پانچ امیر معمولی فوج لے کر نکلے اتال کٹورہ پر لڑائی ہوئی اور بادشاہی فوج شکست کھا کر فرار ہو گئی۔ اس اثناء میں مرہٹوں کی یلغار کی خبر سُن کر برہان الملک اور دوسرے امیر دہلی کی طرف دوڑے۔ باجی راؤ برہان الملک کی آمد سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ ریواڑی کی راہ گجرات اور مالوہ کی طرف بھاگ گیا۔ باجی راؤ نے واپس ہونے کے بعد مالوہ اور گجرات کے علاوہ متھرا اور الٰہ آباد کے پروانے دربار سے طلب کرنے شروع کئے۔ آخر خط و کتابت کے بعد دکن سے اور راجپوتوں کے علاقوں سے مرہٹوں کے خراج میں اضافہ کی منظوری دیدی گئی۔

مرہٹوں کے دہلی کے نواح میں چھاپہ مار کر نکل جانے کے بعد محمد شاہ اپنی بے عزتی کو بری طرح محسوس کر رہا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ اس زہر کا تریاق صرف نظام الملک کے پاس ہے ناچار اس نے نظام الملک کو دل جوئی کے خطوط لکھے اور اس سے مدد مانگی اور بڑی منت سماجت کی۔ نظام الملک آصف جاہ ہر آڑے وقت میں مغل بادشاہوں کی مدد کرتا رہا تھا۔ دہلی کے تخت کو بچانے کے لئے اس نے دکن سے فوراً کوچ کر دیا۔ آصف جاہ کی روانگی کی خبر سُن کر ہی مرہٹے شمالی صوبوں سے بھاگم بھاگ اپنے پہاڑوں میں واپس چلے گئے۔ آصف جاہ دہلی میں ربیع الاول ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء کو پہنچا اور سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے باجی راؤ کو معزول کر کے مالوہ کی صوبہ داری آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین خاں کو دیدی جو اس وقت دکن میں باپ کی نیابت کر رہا تھا۔ آصف جاہ کے

مقابلہ پر پیشوا ایک بھاری لشکر لے کر نربدا کے پار اُتر آیا۔ آصف جاہ بھی بھوپال کے قریب ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھ پینتیس ۳۵ ہزار سپاہ تھی اور مرہٹے اسی ہزار کی فوج لے کر بڑھ رہے تھے۔ بدقسمتی سے دوسرے امیر جب توقع اپنی فوجیں لے کر نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے آصف جاہ بھوپال سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آخر اس شرط پر کہ مرہٹوں کو مالوہ کا صوبہ دیدیا جائے گا۔ اسے مصالحت کرنی پڑی اور وہ اس معاہدہ پر بادشاہ کے دستخط کرانے دہلی واپس آگیا اور مرہٹے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد مرہٹوں کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ مگر ابھی مذکورہ عہد نامہ پر بادشاہ کے دستخط نہیں ہوتے تھے کہ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں شمال سے نادر شاہ دندناتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوگیا اور سب لوگ ایسے بدحواس ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔

نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ

تاریخ میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایشیا کی بیشتر سلطنتوں میں کوئی خاندان دو سو برس سے زیادہ فرماں روا نہیں رہ سکا۔ ایران میں بھی جب خاندان صفوی کی سلطنت پر دو سو برس گذر گئے تو وہ ایسی کمزور ہوئی کہ مغربی افغانوں نے ایران پر حملہ کر دیا۔ افغانوں کا سردار محمود خاں تھا۔ جو بڑا عالی حوصلہ اور صاحب ہمت سردار تھا۔ اس نے ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۲ء میں اصفہان پر قبضہ کرلیا۔ اور شاہ ایران کو قید میں ڈال دیا اس کا بیٹا شاہزادہ طہماسپ البتہ جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء میں محمود خاں مر گیا۔ اس کا جانشین اشرف تخت پر بیٹھا اشرف بھی بڑے حوصلہ اور جرأت کا آدمی تھا۔ مگر اسی دوران میں روس کے بادشاہ پیٹر اعظم اور روم کے بادشاہ نے ایران پر حملہ کر کے شمالی اضلاع پر قبضہ کرلیا اور افغانوں کا زور ٹوٹ گیا اس وقت شاہزادہ طہماسپ معمولی فوج لے کر اپنی گم شدہ سلطنت حاصل کرنے میدان میں آگیا۔ طہماسپ بذات خود کوئی اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتا مگر اسے قسمت کی خوبی سے ۱۱۴۲ھ میں ایک نہایت دلیر اور ہوشیار آدمی مل گیا جس نے اس کو باپ دادا کے تخت پر دوبارہ بٹھا دیا۔ یہ شخص نادر شاہ تھا۔

نادر شاہ کا اصلی نام نادر قلی خاں تھا۔ اس کے باپ کا نام امام قلی تھا اور اس کی قوم افشار تھی۔ کہتے ہیں وہ ایک پوستین دوز کا بیٹا تھا۔ چنانچہ جب محمد شاہ کی بیٹی کی شادی دہلی میں نادر شاہ کے لڑکے سے ہوئی اور اس سے اس کا حسب نسب پوچھا گیا تو اس نے کہا تھا جاکر کہدو:-

"داماد شما پسر نادر شاہ است و نادر شاہ
پسر شمشیر تا ہم چنیں تا ہفتاد بار شمار"

نادر شاہ سنہ ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوا سترہ سال کی عمر میں وہ ازبکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا جو خراسان کو لوٹنے آئے تھے چار سال وہ ان کی قید میں رہا۔ وہاں سے رہا ہو کر وہ ایک امیر بابل بیگ کا ملازم ہوا۔ کچھ دن بعد اس نے اپنے آقا کو قتل کر دیا اور اس کی لڑکی کو بھگا لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ اس لڑکی سے رضا قلی مرزا پیدا ہوا۔ اب اس نے لٹیروں کا ایک جتھہ بنا لیا اور ہر طرف تاخت و تاراج کرتا رہا۔ اسی زمانہ سے اس کی بہادری کا شہرہ ہونے لگا اور خراسان کے والی نے اسے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ ازبکوں کے مقابلہ پر اس کے جوہر کھلے اور وہ ترقی کر کے سپاہی سے افسر بن گیا۔ مگر اس کی بعض نامناسب حرکتوں پر والیٔ خراسان نے اسے ڈنڈوں سے پٹوا کر شہر سے خارج کر دیا اور وہ وہاں سے مشہد چلا گیا۔ اور دوبارہ لوٹ مار شروع کر دی۔ بہت جلد اس کے جتھے میں تین ہزار لڑاکا آدمی شامل ہوگئے۔ شہزادہ طہماسپ افغانوں کے مقابلہ پر نکلا تو وہ اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور جلد ہی اس نے اپنے دست و بازو کے زور سے افغانوں کو ایران سے مار بھگایا اور طہماسپ کو تخت پر بٹھا دیا۔ ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء سے ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء کے عرصہ میں اس نے ایران سے افغانوں کا صفایا کر دیا۔ روسیوں کی یلغار کو بحر خضر پر روک دیا۔ اہلِ عرب کو مغرب میں قدم بڑھانے نہیں دیا اور ایران کی سلطنت کو اس کی قدیم سرحدوں تک وسیع کر دیا اور پھر ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۶ء میں خاندان صفوی کا خاتمہ کر کے خود مستقل بادشاہ بن گیا اور ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں وہ آندھی طوفان کی طرح ہندوستان پر چڑھ آیا۔ پہلے قندھار فتح کیا، پھر کابل کو فتح کیا۔ دہلی کے دربار میں ابھی تک لوگ اسے نادر شاہ نہیں نادر قلی سمجھے بیٹھے تھے اور یہ توقع باندھے ہوئے تھے کہ پشاور اور کابل کے پٹھان اسے مار بھگائیں گے۔ مگر نادر شاہ نے جلال آباد پہنچ کر قتل عام کیا۔ پشاور

آیا اور اٹک سے اُتر کر پنجاب میں۔۔۔۔۔ نومبر ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۸ء میں داخل ہو گیا۔ اب دہلی میں کھلبلی مچ گئی۔ محمد شاہ نے فوج اکٹھی کی اور کرنال جا کر لشکر گاہ قائم کر دی۔ برہان الملک اور امیر الامراء صمصام الملک خان دوراں خاں قزلباشوں کے مقابلہ پر گئے۔ امیر الامراء لڑتے ہوئے مارا گیا۔ برہان الملک گرفتار ہو کر نادر شاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ نادر برہان الملک کی بہادری کا قدر دان تھا۔ اس نے اسے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھالیا اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ آصف جاہ نے جب دیکھا کہ نادر کو تلوار کی زبان سے رام کرنا ممکن نہیں تو مصالحت کے لئے زمین ہموار کی اور گفت و شنید کے لئے خود اس کے پاس چلا گیا اور نادر کو آمادہ کر لیا کہ وہ دو کروڑ روپیہ لے کر واپس چلا جائے۔ نادر نے محمد شاہ سے ملنے پر اصرار کیا تو وہ بادشاہ کو بادشاہ سے ملانے کے لئے لے گیا۔ نادر شاہ نے خیمہ سے نکل کر فرماں روائے ہندوستان کا استقبال کیا۔ نادر شاہ یہاں سے واپس جانے پر تیار ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس ملاقات میں اس نے محمد شاہ سے صاف کہہ دیا تھا "ہندوستان کی سلطنت آپ کو مبارک ہو"۔

اس درمیان میں برہان الملک نے نادر شاہ کے پاس کافی رسوخ پیدا کر لیا تھا اس نے نظام الملک سے حسد کی وجہ سے نادر شاہ سے کہا آپ بس اس دو کروڑ پر ریجھ گئے یہ تو میں ابھی اپنے پاس سے ادا کر سکتا ہوں آپ کے لئے تو دہلی کے خزانے کھلے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے قیمتی جواہرات ہیں کہ کسی نے کبھی دیکھے نہ ہوں۔ نادر شاہ اس لالچ میں آگیا اور اس نے نظام الملک کو اور محمد شاہ کو بہانہ سے بلا کر قید کر لیا۔ اور ان کو لے کر دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ نادر شاہ اور محمد شاہ اول ذی الحجہ (مارچ ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۹ء) کو دہلی میں داخل ہوئے۔ عید کے دن جامع مسجد دہلی میں نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ چوتھے روز عصر کے وقت کسی بھنگڑ نے یہ آواز لگائی۔

"واہ محمد شاہ رنگیلے تیرا کیا کہنا مغل کو
ایک قلماقنی کے ہاتھ سے مروا ہی دیا"

نادر کے مرنے کی افواہ اڑی تو شہر والوں نے قزلباشوں پر حملہ کر دیا۔ نادر کو خبر ملی تو وہ شورش کو مٹانے کے لئے سوار ہو کر نکلا۔ شہر والوں نے اس پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے اس پر بندوق کا فائر بھی کیا جو خالی گیا۔ مورخوں کا اتفاق ہے کہ نادر

کی نیت قطعًا قتل عام کی نہیں تھی۔ مگر جب یہ صورت ہوئی تو اس نے طیش میں آکر حکم دیدیا کہ جہاں ایک ایرانی کا مردہ دیکھو وہاں ایک ہندوستانی کو زندہ نہ چھوڑو بس قزلباش تلواریں سونت کر چل پڑے۔ نادر شاہ روشن الدولہ کی مسجد میں تلوار کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا اور ادھر شہر میں کشتوں کے پشتے لگتے جاتے تھے اور خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ نادر کے سامنے جاتا۔ اس وقت وہی بڈھا نظام الملک آصف جاہ دہلی والوں کی جان بچانے کے لئے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ، پگڑی گلے میں ڈال۔ نادر کے سامنے پہنچا اور یہ شعر پڑھا ۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی ۔۔۔ مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

نادر نے نظام الملک کی سفارش قبول کر لی اور تلوار نیام میں ڈال لی اور شہر میں امان کا اعلان ہو گیا۔ نادر شاہ نے واپس جانے سے پہلے اپنے بیٹے نصر اللہ مرزا کا محمد شاہ کی بیٹی سے عقد کیا اور دہلی کی ساری دولت سمیٹ کر جس میں تخت طاؤس بھی شامل تھا۔ ہندوستان سے کوچ کر گیا۔ برہان الملک نادر کی موجودگی ہی میں سرطان کے مرض میں مر گیا۔ صلح کے عہد نامہ کی رو سے سندھ کے اس پار کا سارا علاقہ نادر شاہ کی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ جو مال و دولت وہ ہندوستان سے لے گیا۔ اس میں اختلاف ہے۔ کوئی ستر کروڑ بتاتا ہے کوئی پندرہ کروڑ۔ بہرحال دہلی قزلباشوں کی لوٹ کھسوٹ سے بالکل ننگی ہو گئی۔

نادر شاہ کے حملہ کے بعد

طوائف الملوکی نادر شاہ کے حملے سے پہلے ہی دہلی کی مرکزیت کمزور ہو چکی تھی۔ نادری حملہ سے رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی۔ بادشاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ فوج پراگندہ اور منتشر تھی۔ محاصل اور خراج ہر طرف سے بند ہو چکے تھے۔ دربار تورانی اور ایرانی امیروں کی سازشوں اور جھگڑوں کا دنگل بنا ہوا تھا۔ پورا ملک ہندوستان جسے عالمگیر اورنگ زیب غازی نے حکمت و تدبر اور قوت و شجاعت سے ایک نظم میں پرو دیا تھا۔ ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ مشرقی ہند کے تین زرخیز صوبے بنگال، بہار اور اڑیسہ سلطنت دہلی سے عملاً کٹ گئے اور وہاں

علی وردی خاں نے ایک جداگانہ حکومت قائم کرلی۔ اس سے اوپر روہیل کھنڈ کے علاقہ میں روہیلے اودھم مچائے ہوئے تھے۔ مغربی ساحل کا سارا علاقہ گجرات سے مالوہ اور بالا گھاٹ تک مرہٹوں کی تاخت وتاراج کی زد میں تھا۔ اکبرآباد اور دہلی کے درمیان جاٹوں کی شورش کا سلسلہ جاری تھا۔ دکن کے چھ صوبوں میں نظام الملک آصف جاہ اور اس کے بیٹوں کی عمل داری تھی۔ پنجاب کا علاقہ افغانوں اور درانیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ محمد شاہ رنگیلے بس محل سرا کے بادشاہ بنے ہوئے تھے۔

مرہٹے بنگال میں

نادر شاہ کی آمد پر پورے ہندوستان میں ایک سناٹا چھا گیا تھا۔ تمام باغی لٹیرے ڈھول ڈھپاڑی اپنے اپنے بھٹ میں جا کر چھپ گئے تھے۔ جیسے بلی کے آنے پر چوہے۔ نادر شاہ کے پلٹتے ہی یہ سب اپنے اپنے بلوں سے سر نکالنے لگے۔ مرہٹے بھی اپنی پہاڑیوں سے اتر آئے۔ اب ان کا رخ مشرقی ہند کے اضلاع کی طرف تھا۔ چنانچہ برار کے راجہ رگھوجی بھوسلا نے اپنے سپہ سالار بھاسکر کو پچیس ہزار سپاہ دے کر مرشدآباد پر حملہ کرنے بھیجا۔ ان کے ارادے بڑے بڑے تھے مگر اس وقت مشرقی اضلاع میں محمد علی وردی خاں جس کا خطاب مہابت جنگ ہو گیا تھا موجود تھا۔ اس نے بھاسکر کو رگید رگید کر مارا اور بنگال کی سرحدوں سے مرہٹوں کو نکال بھگایا۔ مرہٹے پلٹ پلٹ کر اس کے علاقہ پر حملہ کرتے رہے۔ آخر ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) گنگ پور کے میدان میں علی وردی خاں نے بھاسکر اور اس کے تمام رفیقوں کو ایک خیمہ میں گھیر کر قتل کرا دیا۔ صرف ایک سردار گا گوار اپنی جان بچا کر بھوسلا کے پاس واپس جا سکا۔ مرہٹوں نے اس کا انتقام لینے کے لئے ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۵ء) میں راگھوجی بھوسلا کی سرکردگی میں دوبارہ حملہ کیا اور سارے علاقہ کو لوٹ کر پامال کر دیا۔ مگر علی وردی نے اسے بھی مرشدآباد کے دروازوں پر بری طرح شکست دی اور بھوسلا الٹے پاؤں برار کی طرف بھاگ گیا اس کے بعد ایک عرصہ تک مشرقی اضلاع ان نامرادوں کی آفت سے محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ء) میں راگھوجی بھوسلا کا بیٹا جانوجی مرہٹوں کے ٹڈی دل کو لے کر ومدناتا ہوا آیا۔ اس وقت علی وردی خاں اپنے ہمراہی افسروں کی بغاوت کی وجہ سے سخت مشکل میں گرفتار تھا اور افغانوں کی ایک جمعیت نے بھی اس کے خلاف محاذ قائم کر دیا تھا خود اس کا نواسہ سراج الدولہ اس کے خلاف باغی بن بیٹھا تھا۔ ان حالات میں متعدد

لڑائیوں کے بعد علی وردی خاں نے مرہٹوں سے ان شرائط پر صلح کرلی کہ کٹک ان کے حوالے کردیا اور بنگال کے چوتھ کا سالانہ بارہ لاکھ روپیہ دینا قبول کرلیا۔ جمادی الاول ۱۱۶۹ھ میں اسی برس کی عمر میں محمد علی وردی خاں کا انتقال ہوگیا۔

دکن میں مرہٹوں کی شکست

دکن میں نادر کے جانے کے بعد ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء میں پونا کے پیشوا باجے راؤ نے آصف جاہ کے علاقہ پر حملہ کردیا۔ اس وقت آصف جاہ دلی کے دربار میں تھا مگر اس کا بیٹا ناصر جنگ باپ کا قائم مقام تھا۔ اس عالی ہمت نوجوان نے بڑی دلیری سے باجے راؤ کے حملہ کو روک دیا اور مرہٹوں کو برہان پور پر ایسی زبردست شکست دی کہ باجے راؤ نے پونا تک پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ناصر جنگ نے احمد نگر تک ان کا تعاقب کیا۔ اور وہاں سے پونا پر بڑھنے کا قصد کیا۔ پیشوا نے بڑی منت عاجزی سے اسے خطوط لکھے اور ناصر جنگ سے صلح کرلی۔ اسی سال باجے راؤ پیشوا نربدا کے کنارے صفر (اپریل) ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء میں فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا بالاجی راؤ اس کا جانشین بنا۔ آصف جاہ جب تک زندہ رہا۔ بالاجی نے اس سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ بلکہ اس عرصہ میں ستارہ اور پونا کے مرہٹوں نے دوسرے شورش پسند مرہٹہ سرداروں کی سرکوبی میں بادشاہی امیروں کا ساتھ دیا۔

نظام الملک آصف جاہ کی وفات

دکن میں ناصر جنگ باپ کا قائم مقام تھا مگر اس نے ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء میں بغاوت کردی بیٹے کو مغلوب کرنے کے لئے آصف جاہ دہلی سے دکن آیا اس موقع پر۔ بالاجی پیشوا نے آصف جاہ کی ہر طرح سے مدد کی۔ ناصر جنگ کو قابو میں کرنے کے بعد آصف جاہ ارکاٹ کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں مصروف رہا اور اس دوران میں جمادی الثانی (جون) ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں ستتر برس کی عمر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بلاشبہ آصف جاہ ایک بلند حوصلہ بیدار مغز امیر تھا اور بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہی ایک شخص تھا جس نے سلطنت مغلیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام رکھا تھا۔ سادات بارہہ کی فتنہ انگیزیوں سے نادر شاہ کے حملہ تک ہم اس بوڑھے تورانی سردار کو مغل دربار کے سامنے سینہ سپر دیکھتے ہیں۔ نظام الملک آصف جاہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جنوبی ہند کے ایک بڑے علاقہ کو مرہٹوں کی حوصلہ آزمائیوں سے محفوظ رکھا اور عرصہ دراز تک مرہٹوں کو بالاگھاٹ سے آگے بڑھنے

کی جرأت نہیں ہوئی اگر نظام الملک نہ ہوتا تو مرہٹے کبھی کے پورے جنوبی ہند کے راجہ بن بیٹھے اور جنوب میں ایک بہت بڑی اور مستحکم مرہٹہ سلطنت قائم ہو جاتی جس کے حدود اربعہ ہرقسم کے زمانے کے راجہ پلی کیسن ثانی کی چالوکیہ سلطنت سے کم نہ ہوتے۔ مگر نظام الملک آصف جاہ نے مرہٹوں کا یہ خواب کبھی پورا نہ ہونے دیا۔ اسی حکمت و تدبیر کا نتیجہ تھا کہ مغل سلطنت کے زوال کے بعد بھی جنوبی ہند میں عرصہ دراز تک مسلمانوں کا اقتدار قائم رہا میسور کی سلطنت خداداد، شمالی ارکاٹ کے مسلمان ناظم اور دکن کی آصف جاہی سلطنت حقیقی معنوں میں نظام الملک آصف جاہ کی ہی باقیات الصالحات ہیں۔

راجہ ساہو کا انتقال آصف جاہ کے انتقال کو ابھی ایک سال نہیں ہوا تھا کہ دسمبر ۱۷۴۹ء میں راجہ ساہو کا انتقال ہو گیا جو سیوا جی کی گدی کا روشن چراغ تھا۔ ساہو کے مرنے کے بعد تین سال تک مرہٹے خانہ جنگی میں مشغول رہے۔ ساہو کی بیوی سکوار بائی اور رام راجہ متوفی کی بیوی رانی تارا بائی اپنے بیٹوں کو گدی پر بٹھانا چاہتی تھیں بالاجی ان دونوں کے جھگڑے میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا آخر اس نے اپنی دوراندیشیوں اور چالاکیوں سے کام لے کر سکوار بائی کا زور توڑا اور تارا بائی کے پوتے کو رام راجہ دوم کے نام سے گدی نشین بنا دیا اور عملاً سارے اختیارات بالاجی پیشوا کے ہاتھ میں آ گئے ایک موقع پر بالاجی کی بالادستی کو ختم کرنے کے لئے دتاجی گائکوار اور رانی تارا بائی نے سازش کی اور بہت سے قلعوں پر قبضہ کر کے رام راجہ کو نظر بند کر دیا مگر بالاجی نے اپنے تمام مخالفوں کو زیر کر کے دوبارہ اپنے تسلط و اقتدار کو مضبوط کر لیا اب عملاً پیشواؤں کی حکومت قائم ہو گئی۔

روہیلوں کی سازش

روہیلے ان افغانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو قزلباشوں کے حملوں سے بھاگ کر ہندوستان آگئے تھے۔ بادشاہی لشکر میں روہیلوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ خاص طور سے مشرقی اضلاع میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا آخر اودھ کی سرحدوں سے شمال میں پہاڑوں تک ان کا تسلط ہو گیا۔ روہیلوں کے سرداروں کا سلسلہ شہاب الدین خاں روہیلہ سے ملتا ہے۔ اس کے دو بیٹے حسن خاں اور شاہ عالم خاں تھے۔ حسن خاں کا بیٹا دوندے خاں تھا اور دوسرے بھائی شاہ عالم خاں کا بیٹا حافظ الملک رحمت خاں تھا۔ شہاب الدین خاں کا ایک بھتیجا بھی تھا جس کا نام داؤد خاں تھا۔ داؤد خاں کا متبنیٰ علی محمد خاں تھا۔ یہی علی محمد خاں والئ رامپور کا جد اعلیٰ ہے۔ مشہور ہے کہ وہ ایک جاٹ کا لڑکا تھا۔ جسے داؤد خاں نے پال لیا تھا۔ اگرچہ رام پور کا خاندان اپنے آپ کو امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے بتاتا ہے۔ داؤد خاں کے مرنے کے بعد علی محمد خاں بریلی کے فوج دار پہاڑ سنگھ کی سرکار میں ملازم ہو گیا۔ پھر وہاں سے بھاگ کر دوبینی گڑھ سے جنگلوں میں چلا گیا اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ تمام سرکش روہیلے اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری قائم کر لی۔ اس وقت نظام الملک دہلی سے دکن چلا گیا تھا اور دہلی میں اس کا بیٹا قمرالدین خاں منصب وزارت میں باپ کی نیابت کر رہا تھا۔ جب علی محمد خاں کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو قمرالدین خاں نے مرادآباد کے فوج دار ہرنند کو روہیلوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں ہرنند مارا گیا۔ اور روہیلے کامیاب ہوئے۔ اب روہیلوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ اور آگے بڑھنے کی سوچ رہے تھے۔ قمرالدین خاں کے مشورہ پر اس مرتبہ خود محمد شاہ بادشاہ ایک بڑی فوج اور بھاری توپ خانہ لے کر علی محمد خاں کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ روہیلوں نے کئی ماہ تک بادشاہی لشکر کو جنگلوں میں پریشان رکھا۔ علی محمد خاں نے جب دیکھا کہ بادشاہی لشکر سے بازی لے جانا ممکن نہیں تو اس نے قمرالدین خاں وزیر کے پاس عفو تقصیر کے لئے عرضداشت بھیجی

بادشاہ نے اس شرط پر اسے معاف کردیا۔ وہ شاہجہاں آباد تک بادشاہی لشکر کے ساتھ قیدیوں کی طرح جائے۔ یہ شرط اس نے قبول کرلی۔ شاہجہاں آباد پہنچنے کے بعد بادشاہ نے اسے سرہند کا صوبہ دار مقرر کردیا۔ یہ مہم ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں ہوئی تھی۔

احمد شاہ درّانی کا پہلا حملہ

احمد شاہ درّانی نے ۱۱۶۱ھ میں پنجاب پر حملہ کیا۔ درّانی کا اصل نام احمد خاں ہے۔ یہ نادر شاہ کی فوج میں بڑا حوصلہ مند لڑاکا سپاہی تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرکے وہ بڑے پایہ کا افسر بن گیا۔ جب ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں نادر شاہ اپنے ملازموں کے ہاتھوں مارا گیا تو احمد خاں درّانی نے افغانستان میں خود مختار ریاست قائم کرلی۔ احمد شاہ نے پہلے پشاور پر حملہ کرکے قبضہ کرلیا۔ اس وقت پنجاب پر قمرالدین خاں کا بھانجہ شاہنواز خاں صوبہ دار تھا۔ ابتداء میں شاہنواز خاں نے اپنے بھائی کے مقابلہ پر احمد شاہ درّانی سے مدد طلب کی تھی۔ مگر قمرالدین خاں کی فہمائش پر وہ ان وعدوں سے پھر گیا جو اس نے درّانی سے کئے تھے۔ اس نقض عہد کی سزا دینے کے لئے احمد شاہ درّانی پشاور سے لاہور پر چڑھ آیا۔ شاہنواز خاں کی مدد کے لئے دلی سے بادشاہ نے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا۔ لشکر کا سپہ سالار خود ولی عہد مرزا احمد شاہ اور اس کے ساتھ قمرالدین خاں وزیر اور صفدر جنگ جیسے پایہ کے امیر تھے۔ شاہنواز خاں لاہور سے ہٹ کر بادشاہی لشکر سے آملا۔ احمد شاہ درّانی ....لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد سارے علاقے کو پامال کرتا ہوا ستلج کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا کے گھاٹوں پر بادشاہی لشکر قابض تھا۔ اس وقت احمد شاہ کے ساتھ بارہ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی۔ اُس نے بڑی جرأت سے کام لیا اور اس مختصر فوج کو لے کر دریا کو ایسی جگہ سے عبور کرلیا جو پایاب نہ تھی اور آگے بڑھ کر ۱۳ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو سرہند پر قبضہ کرلیا۔ قمرالدین خاں سرہند میں کافی سازوسامان اور رسد وغیرہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ یہ سارا مال واسباب ابدالی فوجوں کے ہاتھ آگیا اور کئی توپیں بھی ان کو مل گئیں۔

بادشاہی فوج کو جب معلوم ہوا کہ غنیم پشت پر آگیا ہے تو وہ ستلج سے واپس ہوئی

مگر احمد شاہ درانی کی اس پیش دستی کو دیکھ کر ایسا رعب اور خوف طاری تھا کہ کھلے میدان مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اور بادشاہی لشکر اپنے اطراف خندق کھود کر محصور ہوگیا اس دوران میں قمرالدین خاں کو ایک گولہ آکر لگا۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا اسی حال میں وہ اپنے رب سے جا ملا۔ قمرالدین خاں اپنے باپ نظام الملک فتح جنگ آصف جاہ کی طرح بڑا لائق مدبر اور دلیر شہسوار تھا۔ باپ کی طرح سلطنت مغلیہ کے تحفظ و استحکام میں اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔ قمرالدین خاں کے انتقال سے بادشاہی لشکر سخت پریشان ہوا، مگر اس نے درانیوں کو بچ کر نکلنے کا راستہ نہیں دیا اور دس دن تک ان کو خوب رگیدتا رہا۔ جب احمد شاہ درانی نے دیکھا کہ بجز جان پر کھیل جانے کے کوئی صورت نہیں ہے۔ پچیسویں دن وہ اپنے سواروں کو لے کر نکلا اور مردانہ وار حملے کرتے ہوئے خندق کے اندر گھس گیا۔ مگر قمرالدین خاں کے بیٹے میر منّو نے بڑی بہادری سے درانیوں کے حملہ کا جواب دیا اور ان کو مار بھگایا اس موقع پر المنصور صفدر جنگ نے اپنے توپ خانہ سے خوب کام لیا۔ غرض درانی لشکر ربیع الاول ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء میں شکست کھا کر بھاگ گیا بادشاہ نے میر منّو کی کارگذاری سے خوش ہو کر اسے معین الملک کا خطاب دیا اور لاہور و ملتان کی صوبہ داری پر مقرر کردیا۔

محمد شاہ بادشاہ کی وفات

شاہزادہ احمد درانیوں کی لڑائی جیت کر فاتح و منصور شاہجہاں آباد واپس ہو رہا تھا کہ اسے راستہ ہی میں باپ کے مرنے کی خبر ملی۔ محمد شاہ بادشاہ مرض استسقاء میں ۲۶ ربیع الثانی (اپریل) ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء کو انتقال کیا۔

اس نے تیس سال تک بادشاہی کی وہ سلطنت مغلیہ کا فرماں روا ضرور تھا مگر اس کی بادشاہت کا تمام تر انحصار نظام الملک آصف جاہ اور اس کے بیٹوں کی تدبر و شجاعت پر تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو محمد شاہ کا بھی وہی حال ہوتا جو مظلوم فرخ سیر کا ہوا۔

> وہ شخص بڑا نکتہ سنج تھا جس نے محمد شاہ کو "رنگیلے" کا نام دیا

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار

۱۰۔ احمد شاہ	۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء	تا	۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء
عالمگیر ثانی	۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء	"	۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء
شاہ عالم ثانی	۱۱۷۴ھ ۱۷۶۰ء	"	۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء
اکبر شاہ ثانی			
اور سراج الدین بہادر شاہ ظفر	۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء	"	۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء

